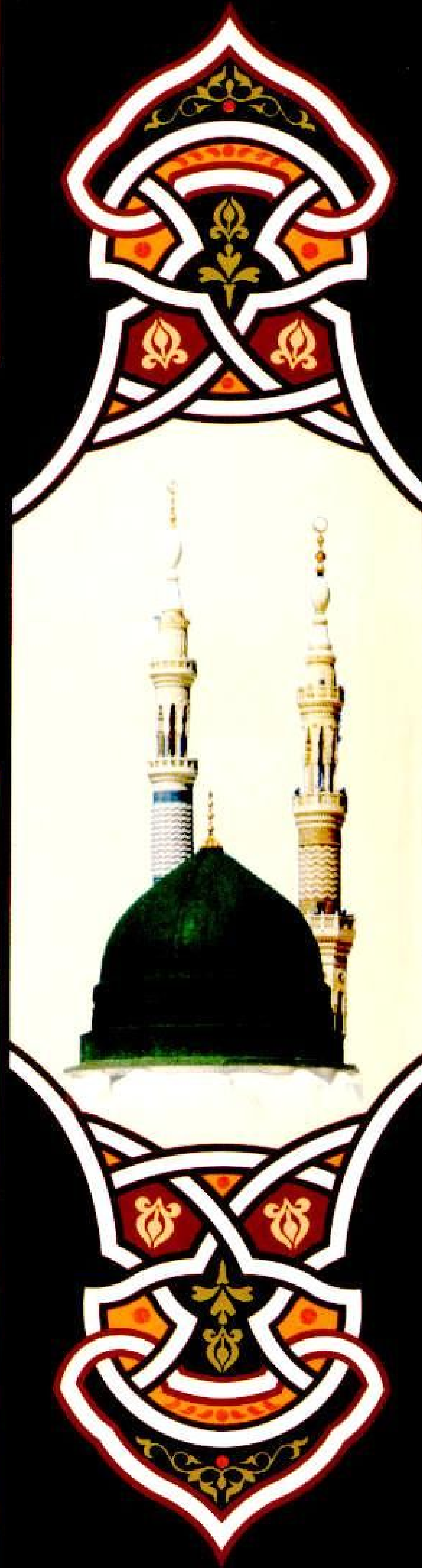
مُسلمانؒ کی زندگی کے تمام اُمورؒ سے مُتعلق
ہزاروں مُستند اَحادیث کا جدیدؒ مجموعہ

مَعارِفُ السُّنّة

حسبؒ فرمائش
فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالستارؒ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ
(رئیس دارالافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان)

مجموعۂ افادات

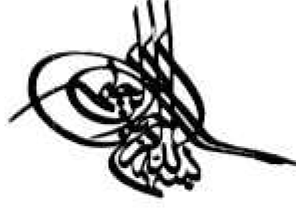
حکیم الاُمّت مُجدّد الملّت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ
اُستاذ المحدثین حضرتؒ مولانا بدرِ عالم میرٹھی رحمۃ اللہ تعالیٰ
شیخ الحدیث حضرتؒ مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ
وکیلِ احناف حضرتؒ مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ
حضرتؒ مولانا مفتی محمدؒ عاشق الٰہی مُہاجر مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ
شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحبؒ مدظلہ العالی
ودیگر اکابرین



اِدارۂ تالیفاتِ اَشرفیہ
چوک فوارہ مُلتان پاکستان

بسم الله الرحمن الرحيم

معارف السنة



قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

نَضَّرَ اللّٰہُ امْرَاءً سَمِعَ مَقَالَتِیْ فَوَعَاھَا وَاَدَّاھَا کَمَا سَمِعَ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!
اللہ تعالیٰ اُس شخص کو تر و تازہ اور خوشحال رکھیں جس نے میری حدیث کو سنا
پھر اسے یاد کیا اور اور اُسے آگے پہنچایا جیسے اُس نے سنا (مشکوٰۃ)

یَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

تمام اُمور سے متعلق ہزاروں مُستند احادیث کا جدید مجموعہ

معارف السُّنّۃ

جلد دوم

دور حاضر کے مطابق ایک مسلمان کی زندگی کے تمام امور سے متعلق ہزاروں مستند احادیث مع اعراب و ترجمہ اور عام فہم تشریح... احادیث مبارکہ کی معروف و مستند کتب بخاری و مسلم جیسی عظیم کتب کے مطالعہ کا ذوق رکھنے والوں کیلئے ایک سدا بہار گلدستہ... ہر مسلمان کیلئے تمام معاملات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ پر عمل کرنے کا جدید و مکمل نصاب. حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت.... عظمت و عقیدت اور اطاعت کا جذبہ بیدار کرنیوالی کتاب... جس کا مطالعہ ہر مسلمان کو اتباع سنت کیلئے متحرک کرتا ہے.... نیز جدید و اہم مسائل کے بارہ میں اکابر مشائخ کے گراں قدر مقالات جن سے فہم حدیث کا ذوق پیدا ہوتا ہے۔

مجموعہ افادات

حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ
استاذ المحدثین حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی رحمہ اللہ تعالیٰ
شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ
وکیل احناف حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ تعالیٰ
حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ
شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی
ودیگر اکابرین

حسبِ فرمائش

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ
(رئیس دار الافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان)

مُرتبین

مولانا عبدالاحد بلال مولانا حبیب الرحمٰن
(از فضلائے جامعہ خیر المدارس ملتان)

ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ چوک فوارہ مُلتان پاکستان
(061-4540513-4519240

معارف السنۃ

تاریخ اشاعت.................... ذیقعدہ ۱۴۳۱ھ
ناشر.....................ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
طباعت.................سلامت اقبال پریس ملتان

انتباہ

قارئین سے گذارش

ادارہ کی حتی الامکان کوشش ہوتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔
الحمدللہ اس کام کیلئے ادارہ میں علماء کی ایک جماعت موجود رہتی ہے۔
پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو برائے مہربانی مطلع فرما کر ممنون فرمائیں
تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاکم اللہ

ملنے کے پتے

ادارہ تالیفات اشرفیہ....چوک فوارہ....ملتان — اسلامی کتاب گھر...خیابان سرسید روڈ...راولپنڈی
ادارہ اسلامیات........انارکلی........لاہور — دارالاشاعت.......اُردو بازار..........کراچی
مکتبہ سید احمد شہید.......اردو بازار.....لاہور — مکتبۃ القرآن.......نیوٹاؤن............کراچی
مکتبہ رحمانیہ........اُردو بازار........لاہور — مکتبہ دارالاخلاص....قصہ خوانی بازار......پشاور
مکتبہ رشیدیہ......سرکی روڈ...................کوئٹہ

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K — 119-121- HALLIWELL ROAD
(ISLAMIC BOOKS CENTERE — BOLTON BLI 3NE. (U.K.)

کلماتِ مرتّب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى اَشْرَفِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْن وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْن وَمَنْ تَبِعَهُمْ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْن

اما بعد! اسلام کے تمام علوم واحکام کی اساس چار چیزیں ہیں۔

قرآن کریم۔احادیث نبویہ۔اجماع امت اور قیاس۔

عہد نبوت سے تا قیامت امت مسلمہ نے انہی چاروں اصول کی روشنی میں صراط مستقیم کا سفر طے کرنا ہے اور اپنی زندگی کے تمام معاملات کو مذکورہ اصول کی رہنمائی ہی میں طے کرنے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے مقاصد نبوت کا ذکر کرتے ہوئے چار امور کی نشاندہی فرمائی ہے۔

تلاوت۔تعلیم کتاب۔تعلیم حکمت اور تزکیہ نفوس۔

خیر القرون میں جو محیر العقول اسلامی انقلاب رونما ہوا' اور اس نے روئے زمین پر ایک نئے معاشرہ اور نئی امت تشکیل دی اس کے عناصر تین چیزیں تھیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی۔قرآن مجید۔اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات مواعظ ونصائح اور تعلیم وتلقین۔

زیرنظر جدید مجموعہ بنام ''معارف السنۃ'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مستند احادیث کے ترجمہ اور تشریح پر مشتمل مفید عام مجموعہ ہے' جسے برصغیر پاک وہند کے مشائخ حدیث اور اکابر علماء کی تالیفات اور تشریحات سے مرتب کیا گیا ہے۔

ہندوستان میں خدمت حدیث اور اس کی نشر واشاعت کی تاریخ بتاتی ہے کہ سب سے پہلے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مشکوۃ کا فارسی ترجمہ وتشریح بنام ''اشعۃ اللمعات'' کیا۔فارسی کا دور ختم ہوجانے کے بعد مولانا خرم علی بلہوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے امام صغانی کی مشہور کتاب ''مشارق الانوار'' کا ترجمہ وتشریح کا کام کیا جو ''تحفۃ الاخیار'' کے نام سے ہے۔اس کے بعد خاندان ولی الٰہی کے شاگرد رشید نواب قطب الدین خان نے مشکوۃ کا اردو ترجمہ ضروری تشریح پر مبنی ''مظاہر حق'' کے نام سے کیا' جو ظاہری ومعنوی محاسن پر مشتمل ہونے کی بنا پر عوام وخواص میں تاہنوز مقبول ہے۔

ماضی قریب میں دار العلوم دیوبند' سہارنپور وغیرہ کے اجل فضلائے کرام نے مختلف اعتبار سے حدیث کی خدمات کو سرانجام

دیا' جن میں ہمارے بزرگ استاد فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبد الستار صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے اساتذہ کرام میں سے فخر المحد ثین حضرت مولانا سید بدر عالم میرٹھی ثم مہاجر مدنی رحمہ اللہ کا نام محتاج تعارف نہیں۔ خدمت حدیث میں آپ کی شاہکار تصنیف ''ترجمان السنۃ'' چار ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے جو تمام اعتقادی ونظریات احکام ومسائل پر احادیث اور ترجمہ و تشریح کی ایک مستند ومبسوط کتاب ہے۔ حضرت علامہ عبد اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ (احمد پور شرقیہ) فرمایا کرتے تھے کہ حدیث پر اس صدی کی بہترین کتاب ''ترجمان السنۃ'' ہے۔ استاد محترم حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی دیرینہ خواہش تھی کہ ''ترجمان السنۃ'' کو ذوق حاضر کے مطابق ڈھالا جائے اور ہر مسلمان بآسانی اس سے مستفید ہو سکے۔

آج تقریباً 25 برس کے بعد ادارہ کو خدمت حدیث کا یہ شرف حاصل ہو رہا ہے کہ اس نے احادیث مبارکہ کی مشاہیر و متداول کتب سے ایک مستند مجموعہ مرتب کرایا ہے جو عوام وخواص کیلئے دور جدید کی ضروریات اور تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔

معارف السنۃ کیا ہے؟ یہ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ' استاذ المحد ثین' حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی رحمہ اللہ تعالیٰ' حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ' مناظر اسلام مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ' مولانا مفتی عاشق الٰہی مہاجر مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتب احادیث وتشریحات اور شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ کے جدید مسائل اور دیگر اکابرین کی تصنیفات وتالیفات سے مزین ایک مستند مجموعہ ہے' جو زندگی کے تمام امور کے بارہ میں براہ راست فرامین رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی عام فہم تشریحات کے ساتھ رہنمائی کرتا ہے۔

اس جدید مجموعہ کو ایک عام مسلمان کی ضرورت کے مطابق فقہی ترتیب پر مرتب کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں ایمان' توحید رسالت' ختم نبوت اور معجزات جیسے اعتقادی ونظریاتی ابواب کے مباحث بھی مفصل ذکر کئے گئے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت تکمیل ایمان کی شرط ہے جس کا اہم واولین تقاضا اطاعت ہے یہ مجموعہ جن مخلص اہل علم اکابر کی تالیفات سے منتخب کر کے مرتب کیا گیا ہے ان کے اخلاص کا عکس پڑھنے والے کی زندگی میں یوں رونما ہوتا ہے کہ قاری صرف اپنے علم میں اضافہ نہیں کرتا' بلکہ عملی زندگی میں اتباع سنت کی مبارک دولت سے بھی مالا مال ہوتا ہے اور ایک مسلمان کی زندگی کے شب وروز اسوہ حسنہ میں ڈھل جائیں اس سے بڑھ کر اور کیا سعادت ہو سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ احادیث مبارکہ کی اس خدمت کو شرف قبولیت سے نوازیں اور اسے مرتبین' ناشر
اور جملہ قارئین کیلئے ذریعہ نجات بنائیں آمین۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین

والسلام مرتبین

عبد الاحد بلال	حبیب الرحمٰن

(فضلائے جامعہ خیر المدارس ملتان)

ذیقعدہ ۱۴۳۱ھ بمطابق نومبر 2010ء

تقریظ

از شاہین ختم نبوت حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب مدظلہ

باسمہ تعالیٰ و تقدس

امت مسلمہ کیلئے بالخصوص اور انسانیت کیلئے بالعموم رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس اسوہ حسنہ ہے۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث مبارکہ کا انتخاب مختلف ادوار میں مختلف محدثین حضرات نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق کیا۔

ہمارے اردو داں طبقہ کیلئے حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی محدث کبیر اور مولانا محمد منظور نعمانی نامور محقق نے "ترجمان السنۃ" اور "معارف الحدیث" کے نام پر کئی کئی جلدوں پر مشتمل مجموعے تیار فرمائے۔

تربیت اولاد کیلئے ایک مستقل کتاب احادیث کے انتخاب پر عرب عالم نے مرتب کی جس کا مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار رحمہ اللہ نے ترجمہ کیا۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے "ختم نبوت فی الاحادیث" پر مشتمل مستقل کتاب تالیف کی۔

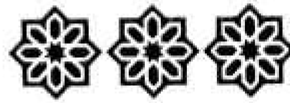
غرض امت مسلمہ کی ہر امر میں رہنمائی کیلئے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث مبارکہ ہمیشہ مشعل راہ کا کام دیتی رہیں اور قیامت تک دیتی رہیں گی۔

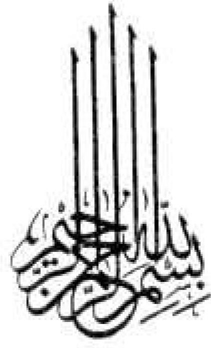
ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان اور اس کے بانی حضرت مولانا حافظ محمد اسحاق صاحب ملتانی کا کن الفاظ میں شکریہ ادا کیا جائے کہ انہوں نے ضرورت محسوس کی کہ جتنی امت مسلمہ کی رہنمائی کیلئے احادیث مبارکہ سے فائدہ اٹھانے کی آج ضرورت ہے اس کی شاید ہی کوئی صاحب بصیرت انکار نہ فرما سکے' اسی جذبے سے انہوں نے جامعہ خیر المدارس ملتان کے فضلائے کرام سے مہد سے لحد تک ہر لحہ امت کی رہنمائی کیلئے "معارف السنۃ" کا مجموعہ مرتب کر کے احسان عظیم فرمایا۔

ذخیرہ احادیث کے اس انسائیکلو پیڈیا سے فائدہ اٹھانا ہر مسلمان کی ضرورت ہے۔ عام فہم ترجمہ آسان اور سادہ مگر دل نشین تشریح سے دل کی دنیا کو آباد کرنے کیلئے یہ شاہکار مجموعہ لائق صد شکر ہے۔

فقیر اللہ وسایا

فہرست عنوانات





اللهم

صل على محمد وعلى آل محمد

كما صليت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم

انك حميد مجيد

اللهم

بارك على محمد وعلى آل محمد

كما باركت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم

انك حميد مجيد

کِتَابُ الْمُعَاشَرَۃِ

معاشرتی احکام وآداب

سلام کی فضیلت واہمیت

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لَا تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ حَتّٰی تُؤْمِنُوْا وَلَا تُؤْمِنُوْا حَتّٰی تَحَابُّوْا، اَوَلَا اَدُلُّكُمْ عَلٰی شَیْئٍ اِذَا فَعَلْتُمُوْهُ تَحَابَبْتُمْ، اَفْشُوا السَّلَامَ بَیْنَكُمْ. (رواہ مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم جنت میں نہیں جا سکتے تاوقتیکہ پورے مؤمن نہ ہو جاؤ (اور تمہاری زندگی ایمان والی زندگی نہ ہو جائے) اور یہ نہیں ہوسکتا جب تک کہ تم میں باہم محبت نہ ہو جائے، کیا میں تمہیں وہ عمل نہ بتادوں جس کے کرنے سے تمہارے درمیان محبت و یگانگت پیدا ہو جائے۔ (وہ یہ ہے کہ) سلام کو آپس میں خوب پھیلاؤ۔ (صحیح مسلم)

تشریح......اس حدیث سے صراحۃً معلوم ہوا کہ ایمان جس پر داخلہ جنت کی بشارت اور وعدہ ہے، وہ صرف کلمہ پڑھ لینے کا اور عقیدہ کا نام نہیں ہے، بلکہ وہ اتنی وسیع حقیقت ہے کہ اہل ایمان کی باہمی محبت ومودت بھی اس کی لازمی شرط ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑے اہتمام کے ساتھ بتلایا ہے کہ ایک دوسرے کو سلام کرنے اور اس کا جواب دینے سے یہ محبت ومودت دلوں میں پیدا ہوتی ہے۔

یہاں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ کسی عمل کی خاص تاثیر جب ہی ظہور میں آتی ہے جبکہ اس عمل میں روح ہو، نماز، روزہ اور حج اور ذکر اللہ جیسے اعمال کا حال بھی یہی ہے۔ بالکل یہی معاملہ سلام اور مصافحہ کا بھی ہے کہ یہ اگر دل کے اخلاص اور ایمانی رشتہ کی بناء پر صحیح جذبہ سے ہوں تو پھر دلوں سے کدورت نکلنے اور محبت ومودت کا رس پیدا ہو جانے کا یہ بہترین وسیلہ ہیں۔ لیکن آج ہمارا ہر عمل بے روح ہے۔

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَیْنٍ اَنَّ رَجُلًا جَاءَ اِلَی النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَیْكُمْ فَرَدَّ عَلَیْهِ ثُمَّ جَلَسَ فَقَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عَشْرٌ، ثُمَّ جَاءَ آخَرُ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَیْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ فَرَدَّ عَلَیْهِ فَجَلَسَ فَقَالَ عِشْرُوْنَ ثُمَّ جَاءَ آخَرُ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَیْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وَبَرَكَاتُهٗ فَرَدَّ عَلَیْهِ فَجَلَسَ فَقَالَ ثَلَاثُوْنَ. (رواہ الترمذی وابو داؤد)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا: "اَلسَّلَامُ عَلَیْكُمْ" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے سلام کا جواب دیا، پھر وہ مجلس میں بیٹھ گیا، تو آپ صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''دس (یعنی اس بندے کے لئے اس کے سلام کی وجہ سے دس نیکیاں لکھی گئیں) پھر ایک اور آدمی آیا، اس نے کہا: ''اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ''. آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے سلام کا جواب دیا، پھر وہ آدمی بیٹھ گیا تو، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''بیس (یعنی اس کے لئے بیس نیکیاں لکھی گئیں) پھر ایک تیسرا آدمی آیا، اس نے کہا: ''اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ.'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے سلام کا جواب دیا، اور وہ مجلس میں بیٹھ گیا تو، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تیس (یعنی اس کے لئے تیس نیکیاں ثابت ہوگئیں۔) (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

تشریح...... اللہ تعالیٰ کا یہ کریمانہ قانون ہے کہ اس نے ایک نیکی کا اجر اس آخری امت کے لئے دس نیکیوں کے برابر مقرر کیا ہے۔ قرآن پاک میں بھی فرمایا گیا: ''مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا.'' اسی بناء پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص کے حق میں جس نے صرف ایک کلمہ ''اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ'' کہا تھا، فرمایا کہ: اس کے لئے دس نیکیاں ثابت ہوگئیں۔ اور جس شخص نے اس کے ساتھ دوسرے کلمہ ''وَرَحْمَةُ اللهِ'' کا بھی اضافہ کیا، اس کے لئے آپ نے فرمایا کہ بیس نیکیاں ثابت ہوگئیں اور تیسرے شخص کے لئے جس نے ''اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ''. کے ساتھ تیسرے کلمہ ''وَبَرَكَاتُهُ'' کا بھی اضافہ کیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: اس کے لئے ۳۰ نیکیاں ثابت ہوگئیں۔ اسی حساب سے سلام کا جواب دینے والا بھی اجر وثواب کا مستحق ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ان حقیقتوں کا یقین نصیب فرمائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور رحمت حاصل کرنے کے جو راستے معلوم ہوئے ہیں ان کی قدر اور استفادے کی توفیق دے۔

امام مالکؒ نے ابی بن کعب کے صاحبزادے طفیل کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ: میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا۔ ان کا طریقہ تھا کہ وہ ہمیں ساتھ لے کر بازار جاتے اور جس دکاندار اور جس کباڑیئے اور جس فقیر و مسکین کے پاس سے گزرتے اس کو بس سلام کرتے (اور کچھ خرید وفروخت کے بغیر واپس آجاتے) ایک دن میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا، تو معمول کے مطابق مجھے ساتھ لے کر بازار جانے لگے۔ میں نے عرض کیا کہ آپ بازار جاکے کیا کریں گے؟ نہ تو آپ کسی دکان پر کھڑے ہوتے ہیں، نہ کسی چیز کا سودا کرتے ہیں، نہ بھاؤ ہی کی بات کرتے ہیں اور بازار کی مجلسوں میں بھی نہیں بیٹھتے (پھر آپ بازار کس لئے جائیں؟) یہیں بیٹھئے، باتیں ہوں اور ہم استفادہ کریں! حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ: ہم تو صرف اس غرض اور اس نیت سے بازار جاتے ہیں کہ جو سامنے پڑے اس کو سلام کریں اور ہر سلام پر کم از کم دس نیکیاں کما کر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور بندگان خدا کے جوابی سلاموں کی برکتیں حاصل کریں)

عند الملاقاۃ سلام

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا لَقِيَ اَحَدُكُمْ اَخَاهُ فَلْيُسَلِّمْ عَلَيْهِ فَاِنْ حَالَتْ بَيْنَهُمَا شَجَرَةٌ اَوْ جِدَارٌ اَوْ حَجَرٌ ثُمَّ لَقِيَهُ فَلْيُسَلِّمْ عَلَيْهِ. (رواہ ابوداؤد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: جب تم میں سے کسی کی اپنے کسی مسلمان بھائی سے ملاقات ہو تو چاہئے کہ اس کو سلام کرے، اگر اس کے بعد کوئی درخت یا کوئی دیوار یا کوئی پتھر ان دونوں کے درمیان حائل ہوجائے (اور تھوڑی دیر کے لئے ایک دوسرے سے غائب ہوجائیں) اور اس کے بعد پھر سامنا ہو تو پھر سلام کرے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ اگر ملاقات اور سلام کے بعد دو چار سیکنڈ کے لئے بھی ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جائیں اور اس کے بعد پھر ملیں تو دوبارہ سلام کیا جائے اور دوسرا اس کا جواب دے۔ اس حدیث سے سمجھا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم اور شریعت اسلام میں سلام کی کتنی اہمیت ہے۔

سلام کے متعلق ایک حدیث

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلام اور جواب سلام کے کچھ احکام اور ضابطے بھی تعلیم فرمائے ہیں۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یُسَلِّمُ الصَّغِیْرُ عَلَی الْکَبِیْرِ وَالْمَارُّ عَلَی الْقَاعِدِ، وَالْقَلِیْلُ عَلَی الْکَثِیْرِ. (رواہ البخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہدایت فرمائی ہے کہ: چھوٹا بڑے کو سلام کیا کرے اور راستہ سے گزرنے اور چلنے والا بیٹھے ہوؤں کو سلام کیا کرے، اور تھوڑے آدمی زیادہ آدمیوں کی جماعت کو سلام کریں۔ (صحیح بخاری)

(اور حضرت ابو ہریرہؓ ہی کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ سوار آدمی کو چاہئے کہ وہ پیدل چلنے والے کو سلام کرے۔)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ جب ایک چھوٹے اور بڑے کی ملاقات ہو تو چھوٹے کو چاہئے کہ وہ پیش قدمی کر کے بڑے کو سلام کرے۔ اور اسی طرح جب کسی چلنے والے کا گزر کسی بیٹھے ہوئے آدمی پر ہو تو چلنے والے کو چاہئے کہ وہ سلام میں پیش قدمی کرے اور اگر دو جماعتوں کی ملاقات ہو تو جس جماعت میں نسبتاً آدمی کم ہوں وہ دوسری زیادہ آدمیوں والی جماعت کو سلام کرنے میں پیش قدمی کرے اور جو شخص کسی سواری پر جا رہا ہو وہ پیش قدمی کر کے پیدل چلنے والوں کو سلام کرے۔ اس ہدایت کی یہ حکمت عملی ظاہر ہے کہ سوار کو بظاہر ایک دنیوی بلندی اور بڑائی حاصل ہے اس لئے اس کو حکم دیا گیا کہ وہ پیدل چلنے والوں کو سلام کر کے اپنی بڑائی کی نفی اور تواضع اور خاکساری کا اظہار کرے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَجُلًا سَلَّمَ عَلَی النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَهُوَ یَبُوْلُ فَلَمْ یَرُدَّ عَلَیْهِ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم السَّلَامَ. (رواہ الترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس حالت میں سلام کیا جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیشاب کے لئے بیٹھے تھے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایسی حالتوں میں سلام نہیں کرنا چاہئے اور اگر کوئی آدمی ناواقفی سے سلام کرے تو اس کا جواب نہ دینا چاہئے۔

عَنْ مِقْدَادِ بْنِ الْاَسْوَدِ فِیْ حَدِیْثٍ طَوِیْلٍ قَالَ فَیَجِیْءُ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مِنَ اللَّیْلِ فَیُسَلِّمُ تَسْلِیْمًا لَا یُوْقِظُ النَّائِمَ وَیُسْمِعُ الْیَقْظَانَ. (رواہ الترمذی)

حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ ایک طویل حدیث کے ضمن میں بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کو اصحاب صفہ کے پاس تشریف لاتے تو آپ اس طرح آہستہ اور احتیاط سے سلام کرتے کہ سونے والے نہ جاگتے اور جاگنے والے سن لیتے۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سلام کرنے والے کو اس کا لحاظ رکھنا چاہئے کہ اس کے سلام سے کسی سونے والے کی آنکھ نہ کھل جائے، یا اس طرح کی کوئی دوسری اذیت اللہ کے کسی بندے کو نہ پہنچ جائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں یہ آداب سیکھنے اور برتنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ملاقات کے وقت محبت و مسرت اور جذبہ اکرام و احترام کے اظہار کا ایک ذریعہ سلام کے علاوہ اور اس سے بالاتر مصافحہ بھی ہے جو عموماً سلام کے ساتھ اور اس کے بعد ہوتا ہے۔ اور اس سے سلام کے ان مقاصد کی گویا تکمیل ہوتی ہے۔ بعض احادیث میں صراحۃً یہی بات فرمائی گئی ہے۔

عَنْ اَبِىْ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم قَالَ مِنْ تَمَامِ التَّحِيَّةِ الْاَخْذُ بِالْيَدِ. (الترمذى وابوداؤد)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: سلام کا تکملہ مصافحہ ہے۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

مصافحہ کا اَجر و ثواب اور اس کی برکتیں

عَنْ عَطَاءِ الْخُرَاسَانِىْ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَصَافَحُوْا يَذْهَبُ الْغِلُّ وَتَهَادُوْا تَحَابُّوْا وَتَذْهَبُ الشَّحْنَاءُ. (رواه مالك، مرسلاً)

عطاء خراسانی تابعی سے (بطریق ارسال) روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم باہم مصافحہ کیا کرو اس سے کینہ کی صفائی ہوتی ہے اور آپس میں ایک دوسرے کو ہدیہ دیا کرو اس سے تم میں باہم محبت پیدا ہوگی اور دلوں سے دشمنی دور ہوگی۔ (موطا امام مالک)

یہ روایت امام مالکؒ نے اسی طرح عطاء خراسانی سے مرسلاً روایت کی ہے، یعنی انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ ان کو یہ حدیث کس صحابی سے پہنچی۔ ایسی حدیث کو مرسل کہا جاتا ہے، اور اس طریقہ سے روایت کرنے کو ارسال۔

تشریح...... یہاں بھی اس بات کو یاد کر لیا جائے کہ ہر عمل کی تاثیر اور برکت اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ اس میں روح ہو اور جو دانہ بے جان ہو چکا اس سے پودا نہیں اُگتا۔

محبت و تعلق کے اظہار کا آخری اور انتہائی ذریعہ معانقہ اور تقبیل (چومنا) ہے، لیکن اس کی اجازت اسی صورت میں ہے جبکہ موقع محل کے لحاظ سے کسی شرعی مصلحت کے خلاف نہ ہو، اور اس سے کسی برائی یا اس کے شک شبہ کے پیدا ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔ جامع ترمذی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ: جب اپنے بھائی یا عزیز دوست سے ملاقات ہو تو، کیا اس کی اجازت ہے کہ اس سے لپٹ جائیں، اسے گلے لگائیں اور اس کو چومیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: اس کی اجازت نہیں ہے۔ اس شخص نے عرض کیا: تو کیا اس کی اجازت ہے کہ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیں اور مصافحہ کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں اس کی اجازت ہے۔ اس حدیث سے معانقہ اور تقبیل کی جو ممانعت مفہوم ہوتی ہے اس کے بارے میں شارحین حدیث کی رائے دوسری بہت سی حدیثوں کی روشنی میں یہی ہے کہ اس کا تعلق اس صورت سے ہے جبکہ سینہ سے لگانے اور چومنے میں کسی برائی یا اس کے شک و شبہ کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہو۔ ورنہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معانقہ اور تقبیل کے بہت سے واقعات مروی اور ثابت ہیں۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَارَأَيْتُ اَحَدًا كَانَ اَشْبَهَ سَمْتًا وَهَدْيًا وَدلًّا بِرَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مِنْ فَاطِمَةَ كَانَتْ اِذَا دَخَلَتْ عَلَيْهِ قَامَ اِلَيْهَا فَاَخَذَ بِيَدِهَا فَقَبَّلَهَا وَاَجْلَسَهَا فِىْ مَجْلِسِهٖ وَكَانَ اِذَا دَخَلَ عَلَيْهَا قَامَتْ اِلَيْهِ فَاَخَذَتْ بِيَدِهٖ فَقَبَّلَتْهُ وَاَجْلَسَتْهُ فِىْ مَجْلِسِهَا. (رواہ ابوداؤد)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو شکل وصورت، سیرت و عادت اور چال ڈھال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ زیادہ مشابہ ہو۔ صاحبزادی فاطمہ رضی اللہ عنہا سے (یعنی ان سب چیزوں میں وہ سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشابہ تھیں) جب وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (جوش محبت سے) کھڑے ہوکر ان کی طرف بڑھتے۔ ان کا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لے لیتے اور (پیار سے) اس کو چومتے، اور اپنی جگہ پر ان کو بٹھاتے (اور یہی ان کا دستور تھا) جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے یہاں تشریف لے جاتے تو وہ آپ کے لئے کھڑی ہو جاتیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دست مبارک اپنے ہاتھ میں لے لیتیں، اس کو چومتیں اور اپنی جگہ پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بٹھاتیں۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح...... یہ روایت اس کی واضح دلیل ہے کہ محبت اور اکرام کے جذبہ سے معانقہ اور تقبیل (یعنی ہاتھ یا پیشانی وغیرہ چومنا) جائز، اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے، اس لئے حضرت انسؓ کی اس حدیث کو جس میں معانقہ اور تقبیل کی ممانعت کا ذکر ہے اسی پر محمول کیا جائے گا کہ وہ حکم ان مواقع کے لئے جب سینہ سے لگانے اور چومنے میں کسی برائی یا اس کے شک وشبہ کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہو۔ حضرت عائشہؓ کی حدیث میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی آمد پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کھڑے ہو جانے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری پر حضرت فاطمہؓ کے کھڑے ہونے کا ذکر ہے۔ یہ بات اس کی دلیل ہے کہ محبت اور اکرام واحترام کے جذبہ سے اپنے کسی عزیز، محبوب یا محترم بزرگ کے لئے کھڑا ہو جانا بھی درست ہے۔ لیکن بعض احادیث سے (جو آگے درج ہوں گی) یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تشریف لانے پر اگر صحابہ کرامؓ کبھی کھڑے ہو جاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو ناپسند فرماتے اور ناگواری کا اظہار فرماتے تھے، غالباً اس کی وجہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مزاجی خاکساری اور تواضع پسندی تھی۔ واللہ اعلم۔

اخوت واتحاد کے اصول

(۱) وَلَا تَبَاغَضُوْا وَلَا تَحَاسَدُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا وَلَا تَقَاطَعُوْا وَكُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا.

(۲) وَلَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ اَنْ يَّهْجُرَ اَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثٍ.

(۱) تم لوگ ایک دوسرے سے بغض وکینہ اور دشمنی نہ رکھا کرو۔ ایک دوسرے پر حسد نہ کیا کرو، ایک دوسرے کے پیچھے اسے ہلاک کرنے کی سازشیں نہ کیا کرو، ایک دوسرے سے قطع تعلق نہ کیا کرو، اور اللہ کے بندے بن کر بھائی بھائی کی طرح رہا کرو (بخاری شریف)

۔(۲) کسی مسلمان کیلئے یہ بات درست نہیں ہے کہ وہ اپنے کسی مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ ترک کلام کئے رہے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: اس حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو دوستی باہم اور میل محبت کی تلقین فرمائی ہے

اور وہ اسی طرح فرمائی ہے کہ جو باتیں محبت و دوستی کے خلاف ہیں ان سے لوگوں کو منع فرمایا ہے کہ چونکہ تم سب اہل اسلام بھائی بھائی ہو، تمہیں آپس میں محبت و دوستی کے ساتھ رہنا چاہئے۔ جیسے حقیقی بھائی بھائی رہتے ہیں، لہذا تم لوگ نہ تو آپس میں ایک دوسرے سے بغض و کینہ رکھو، نہ ایک دوسرے سے حسد کرو، (حسد کی حقیقت یہ ہے کہ آدمی کسی کے پاس کوئی نعمت یا مال و دولت دیکھے تو اسے برا لگے اور جلن پیدا ہو کہ کسی طرح سے اس کی یہ نعمت و دولت اس کے پاس سے چلی جائے۔ اسے حسد کہتے ہیں اور یہ حرام اور گناہ کبیرہ ہے) اسی طرح تم لوگ ایک دوسرے سے ایسی نفرت بھی نہ کرو کہ اس کا منہ دیکھنا گوارا نہ ہو۔ اس جملہ کا ایک مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایک دوسرے کے پیچھے اسے ہلاک کرنے کی سازش نہ کیا کرو۔ اور ایک دوسرے سے قطع تعلق بھی نہ کیا کرو اور اللہ کے بندے بن کر بھائی بھائی کی طرح رہا کرو۔

''دوسری حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ اگر کبھی کسی وجہ سے باہم کچھ بگاڑ ہو جائے جس کی وجہ سے بول چال بند ہو گئی ہو تو ترک کلام کا یہ سلسلہ تین دن رات سے زیادہ نہ بڑھنا چاہئے۔ اس کے بعد ضروری ہے کہ تعلقات استوار کرلئے جائیں۔ جو غلطی ہو اس کی معافی تلافی ہو جائے۔ اگر تین دن کے بعد بھی بول چال بند رکھے تو گناہ گار ہوگا۔

راستہ کا حق

قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِيَّاكُمْ وَالْجُلُوْسَ فِي الطُّرُقَاتِ قَالُوْا مَا لَنَا مِنْ مَجَالِسِنَا بُدٌّ نَتَحَدَّثُ فِيْهَا فَقَالَ الرَّسُوْلُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمُ فَاِذَا اَبَيْتُمْ اِلَّا الْمَجْلِسَ فَاَعْطُوْا الطَّرِيْقَ حَقَّهٗ قَالُوْا وَمَا حَقُّ الطَّرِيْقِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ غَضُّ الْبَصَرِ وَكَفُّ الْاَذٰى وَرَدُّ السَّلَامِ وَالْاَمْرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْىُ عَنِ الْمُنْكَرِ.

لوگو! راستہ میں بیٹھنے سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ راستہ میں نہ بیٹھا کرو۔ (یہ سن کر) صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ ہمیں تو (بعض اوقات) راستہ میں ہی بیٹھنا پڑ جاتا ہے۔ جہاں ہم (اپنی ضرورت کی) بات کرتے ہیں۔ تو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم راستہ ہی میں بیٹھنا چاہتے ہو، تو راستہ کا حق ادا کیا کرو۔ صحابہ نے دریافت کیا کہ راستہ کا حق کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا، راستہ کا حق یہ ہے کہ (۱) اپنی آنکھیں نیچی رکھو (کہ نامحرم عورتوں پر یا بری چیزوں پر نگاہ نہ پڑے) (۲) راستہ میں کوئی تکلیف دہ چیز پڑی ہو تو راستہ سے ہٹا دو (کانچ کا ٹکڑا کانٹا، کیلے کا چھلکا، کوئی اینٹ یا پتھر اور روڑا وغیرہ) (۳) سلام کا جواب دینا۔ (۴) جہاں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ضرورت ہو وہاں اچھائی کی تبلیغ کرو، برائی سے روکو۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو راستے میں بیٹھنے سے منع فرمایا ہے۔ یہ راستہ عام ہے کہ وہ بڑی سڑک ہو۔ محلّہ کی گلیاں ہوں یا اور کوئی عام گزرگاہ ہو جہاں سے لوگ برابر گزرتے ہوں۔ ایسی جگہوں میں بیٹھنے سے آنے جانے والوں کو تکلیف اور رکاوٹ ہوتی ہے۔ اس لئے ان جگہوں میں بیٹھنے سے ممانعت فرمائی ہے۔ صحابہ کرامؓ نے آپ کا ارشاد سن کر اپنی معذرت بیان کی کہ ہم لوگوں کو بعض اوقات ضرورتاً اور مجبوراً راستوں میں بیٹھ کر ہی اپنی باتیں طے کرنی ہوتی ہیں اور ہم بدرجہ

مجبوری راستوں میں بیٹھ جاتے ہیں کیونکہ اس دور میں گھروں میں عام طور پر نشست گاہیں نہ ہوتی تھیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا عذر سن کر انہیں راستوں میں بیٹھنے کی اجازت اس شرط پر دیدی کہ وہ جب راستوں میں بیٹھیں تو راستے کا حق ادا کریں۔اور راستہ کا حق پانچ باتیں ہیں۔

(۱) نگاہیں نیچی رکھنا (کہ نامحرم عورت پر نظر نہ پڑے۔اس کی کئی صورتیں ہوسکتی ہیں کہ نامحرم عورت راستہ سے گزرے ، یا اس کے گھر کا دروازہ یا کھڑکی کھلی ہو جس کی وجہ سے اس پر نگاہ پڑسکتی ہو۔) (۲) راستہ سے تکلیف دہ چیزوں کا ہٹا دینا یا راستہ میں خود ہی اس طرح نہ بیٹھنا کہ دوسروں کو تکلیف ہو۔ (۳) گزرنے والوں کے سلام کا جواب دینا (۴) جہاں ضرورت ہو وہاں اچھے کاموں کی تبلیغ کرنا (۵) برائی دیکھنے میں آئے تو اس سے روک دینا۔

حقوق معاشرت

عن انس یحدث عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان یعود المریض ویتبع الجنازۃ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حال بیان کرتے تھے کہ آپ مریض کی بیمار پُرسی فرماتے تھے اور جنازہ کے ساتھ جاتے تھے۔ (ابن ماجہ و بیہقی)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب کسی شخص سے مصافحہ فرماتے تو آپ اپنا ہاتھ اُس کے ہاتھ میں سے خود نہ نکالتے تھے یہاں تک کہ وہی اپنا ہاتھ نکال لیتا تھا، اور نہ اپنا منہ اس کے منہ کی طرف سے پھیرتے تھے یہاں تک کہ وہی اپنا منہ آپ کی طرف سے پھیر لیتا تھا اور آپ کبھی اپنے پاس بیٹھنے والے کے سامنے اپنے زانو کو بڑھائے ہوئے نہیں دیکھے گئے (بلکہ صف میں سب کے برابر بیٹھتے تھے) ایک مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ زانو سے مراد پاؤں ہو یعنی آپ کسی کی طرف پاؤں نہ پھیلاتے تھے۔ (ترمذی)

شمائل ترمذی باب تواضع و باب خلق میں دو لمبی حدیثیں ہیں ان سے بعضے جملے نقل کرتا ہوں۔حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب اپنے مکان میں تشریف لے جاتے تو مکان میں رہنے کے وقت کو تین حصوں پر تقسیم فرماتے ، ایک حصہ اللہ عزوجل (کی عبادت) کے لیے اور ایک حصہ اپنے گھر والوں کے (حقوق ادا کرنے کے) لیے اور ایک حصہ اپنی ذات خاص کے لیے۔پھر اپنے خاص حصہ کو اپنے اور لوگوں کے درمیان اِسطرح پر تقسیم فرماتے کہ اس حصہ (کے برکات) کو اپنے خاص اصحاب کے ذریعہ سے عام لوگوں تک پہنچاتے (یعنی اس حصہ میں خاص حضرات کو استفادہ کے لیے اجازت تھی پھر وہ عام لوگوں تک ان علوم کو پہنچاتے) اور اس مذکورہ حصہ امت میں آپ کی عادت یہ تھی کہ اہل فضل (یعنی اہل علم وعمل) کو (حاضری کی) اجازت دینے میں دوسروں پر ترجیح دیتے تھے اور اس وقت کو ان پر بقدر ان کی دینی فضیلت کے تقسیم کرتے تھے کیونکہ کسی کو ایک ضرورت ہوئی کسی کو دو ضرورتیں ہوئیں کسی کو کئی ضرورتیں ہوئیں آپ (اسی نسبت سے) اُن کے ساتھ مشغول ہوتے اور ان کو بھی ایسے کام میں مشغول رکھتے جس میں ان کی اور امت کی مصلحت ہو۔جیسے مسئلہ

پوچھنا اور مناسب حالات کی اطلاع دینا اور آپ کے سب طالب ہو کر آتے اور (علاوہ علمی فوائد کے) کچھ کھا پی کر واپس جاتے اور دین کے ہادی بن کر نکلتے۔ (یہ رنگ تھا مجلسِ خاص کا) پھر میں نے اپنے باپ سے آپ کے باہر تشریف لانے کی بابت پوچھا۔ (انہوں نے اس کی تفصیل بیان کی جس کو میں اُنہی کی دوسری حدیث میں نقل کرتا ہوں) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر وقت کشادہ رو، نرم خو، نرم مزاج تھے۔ آپ کے سامنے لوگ آپس میں جھگڑتے نہ تھے اور جب آپ کے روبرو کوئی بات کرتا اس کے فارغ ہونے تک آپ خاموش رہتے اور آپ پردیسی آدمی کی گفتگو اور سوال میں بے تمیزی کرنے پر تحمل فرماتے تھے اور کسی کی بات نہیں کاٹتے تھے، یہاں تک کہ وہ حد سے بڑھنے لگتا تب اس کو کاٹ دیتے خواہ منع فرما کر، یا اُٹھ کر چلے جانے سے (یہ رنگ تھا مجلس عام کا) یہ برتاؤ تو اپنے تعلق والوں سے تھا اور مخالفین کے ساتھ جو برتاؤ تھا اس کا بھی کچھ بیان کرتا ہوں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ کسی موقع پر آپ سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ مشرکین پر بددُعا کیجئے۔ آپ نے فرمایا میں کوسنے والا کر کے نہیں بھیجا گیا۔ میں تو صرف رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ (مسلم)

فائدہ: اس لیے آپ کی عادت دشمنوں کے لیے بھی دُعائے خیر ہی کرنے کی تھی اور کبھی کبھار اپنے مالک حقیقی سے فریاد کے طور پر کچھ کہہ دینا کہ انکی شرارت سے آپکی حفاظت فرمادے یہ اور بات ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک لمبا قصہ طائف کا منقول ہے جس میں آپ کو کفار کے ہاتھ سے اس قدر اذیت پہنچی جس کو آپ نے جنگ اُحد کی تکلیف سے بھی زیادہ سخت فرمایا ہے۔ اس وقت جبریل علیہ السلام نے آپ کو پہاڑوں کے فرشتہ سے ملایا اور اس نے آپ کو سلام کیا اور عرض کیا اے محمد! میں پہاڑوں کا فرشتہ ہوں اللہ تعالیٰ نے مجھ کو آپ کے پاس بھیجا ہے تاکہ آپ مجھ کو حکم دیں اگر آپ چاہیں تو میں دونوں پہاڑوں کو ان لوگوں پر لا ملاؤں (جس میں یہ سب پس جاویں)۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں بلکہ میں اُمید کرتا ہوں کہ (شاید) اللہ تعالیٰ ان کی نسل سے ایسے لوگ پیدا کر دے جو صرف اللہ ہی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کو شریک نہ کریں۔

فائدہ: دیکھئے اگر اس وقت ہاتھ سے بدلہ لینے کا موقع نہ تھا تو زبان سے کہنا تو آسان تھا خصوص جب آپ کو یہ بھی یقین دلایا گیا کہ زبان ہلاتے ہی سب تہس نہس کر دیئے جاویں گے مگر آپ نے پھر بھی شفقت ہی سے کام لیا۔ یہ برتاؤ ان مخالفین سے تھا جو آپ کے مدِ مقابل تھے بعضے مخالفین آپ کی رعایا تھے جن پر باضابطہ بھی قدرت تھی۔ ان کے ساتھ بھی برتاؤ سُنئے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک لمبا قصہ منقول ہے جس میں کسی یہودی کا جو کہ مسلمانوں کی رعیت ہو کر مدینہ میں آباد تھے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذمے کچھ قرض تھا اور اس نے ایک بار آپ کو اس قدر تنگ کیا کہ ظہر سے اگلے دن صبح تک آپ کو مسجد سے گھر بھی نہیں جانے دیا۔ لوگوں کے دھمکانے پر آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو معاہد اور غیر معاہد پر ظلم کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اسی قصہ میں ہے کہ جب دن چڑھا تو یہودی نے کہا اَشهَدُ اَن لآ اِلٰهَ اِلّا اللّٰهُ وَاَشهَدُ اَنَّکَ رَسُولُ اللّٰهِ اور یہ بھی کہا کہ میں نے تو یہ سب اس لیے کیا تھا کہ آپ کی صفت جو توراۃ میں ہے کہ محمد عبداللہ کے بیٹے ہیں آپ کی پیدائش مکہ میں ہے اور ہجرت کا مقام مدینہ ہے اور سلطنت شام میں ہوگی (چنانچہ بعد میں ہوئی) اور آپ نہ سخت خو ہیں، نہ درشت مزاج ہیں، نہ بازاروں

میں شوروغل کرنے والے ہیں اور نہ بے حیائی کا کام، نہ بے حیائی کی بات آپ کی وضع ہے۔ مجھ کو اس کا دیکھنا تھا (کہ دیکھوں آپ وہی ہیں یا نہیں سو دیکھ لیا آپ وہی ہیں) اَشھَدُ اَن لآ اِلٰـہَ اِلَّا اللہُ وَاَشھَدُ اَنَّکَ رَسُولُ اللہِ الخ (بیہقی)

مشورہ: اگر ان ہی تھوڑی سی حدیثوں کو روز مرہ ایک ہی بار پڑھ لیا کرو یا سن لیا کرو۔ تو پھر دیکھ لو گے تم کیسی جلدی کیسے اچھے ہو جاؤ گے۔

مسلمانوں کے حقوق ادا کرنا

عن عبد الله بن مسعود قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم سباب المؤمن فسوق وقتاله كفر.

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مسلمان کو (بلا وجہ) بُرا بھلا کہنا بڑا گناہ ہے اور اس سے بلا وجہ لڑنا قریب کفر کے ہے۔ (بخاری و مسلم)

آیت: فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ ایمان والے (سب آپس میں ایک دوسرے کے) بھائی بھائی ہیں۔ (آگے فرماتے ہیں کہ) اے ایمان والو! نہ مَردوں کو مَردوں پر ہنسنا چاہیے۔ (آگے ارشاد ہے) اور نہ عورتوں کو عورتوں پر ہنسنا چاہیے۔ یعنی جس سے دوسرے کی تحقیر ہو آگے فرماتے ہیں اور نہ ایک دوسرے کو طعنہ دو اور نہ ایک دوسرے کو بُرے لقب سے پکارو۔ (الحجرات۔ آیت ۱۱) (آگے فرماتے ہیں کہ) اے ایمان والو بہت سے گمانوں سے بچا کرو کیوں کہ بعضے گمان گناہ ہوتے ہیں اور (کسی کے عیب کا) سراغ ملت لگایا کرو اور کوئی کسی کی غیبت بھی نہ کیا کرے۔ (الحجرات، آیت ۱۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب کوئی شخص (لوگوں کے عیوب پر نظر کر کے اور اپنے کو عیوب سے بَری سمجھ کر بطور شکایت کے) یوں کہے کہ لوگ برباد ہو گئے تو یہ شخص سب سے زیادہ برباد ہونے والا ہے (کہ مسلمانوں کو حقیر سمجھتا ہے)۔ (مسلم)

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ فرماتے تھے کہ چغل خور (قانوناً بدون سزا) جنت میں نہ جاوے گا۔ (بخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے روز سب سے بدتر (حالت میں) اس شخص کو پاؤ گے جو دورویہ ہو یعنی جو ایسا ہو کہ اِن کے منہ پر اِن جیسا، اُن کے منہ پر اُن جیسا۔ (بخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم جانتے ہو غیبت کیا چیز ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول خوب جانتے ہیں آپ نے فرمایا (غیبت یہ ہے کہ) اپنے بھائی (مسلمان) کا ایسے طور پر ذکر کرنا کہ (اگر اس کو خبر ہو تو) اس کو ناگوار ہو۔ عرض کیا گیا کہ یہ بتلایئے کہ اگر میرے (اس) بھائی میں وہ بات ہو جو میں کہتا ہوں (یعنی اگر میں سچی بُرائی کرتا ہوں) آپ نے فرمایا اگر اس میں وہ بات ہے جو تو کہتا ہے تب تو تُو نے اس کی غیبت کی اور اگر وہ بات نہیں ہے جو تو کہتا ہے تو تُو نے اس پر بہتان باندھا۔ (مسلم)

حضرت سفیان بن اسد حضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ فرماتے تھے کہ

بہت بڑی خیانت کی بات ہے کہ تو اپنے بھائی (مسلمان) کو کوئی ایسی بات کہے وہ اسمیں تجھ کو سچا سمجھ رہا ہے اور تو اسمیں جھوٹ کہہ رہا ہے۔ (ابوداؤد)

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے بھائی (مسلمان) کو کسی گناہ سے عار دلاوے اس کو موت نہ آوے گی جب تک کہ خود اُس گناہ کو نہ کرے گا۔ (یعنی عار دلانے کا یہ وبال ہے اگر کسی خاص وجہ سے ظہور نہ ہو اور بات ہے اور خیر خواہی سے نصیحت کرنے کا کچھ ڈر نہیں)۔ (ترمذی)

حضرت واثلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے بھائی (مسلمان) کی (کسی) دنیوی یا دینی بُری حالت پر خوشی مت ظاہر کر، کبھی اللہ تعالیٰ اس پر رحمت فرمادے اور تجھ کو مبتلا کردے۔ (ترمذی)

حضرت عبدالرحمٰن بن غنم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اسماء بنت یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندگانِ خدا میں سب سے بدتر وہ لوگ ہیں جو چغلیاں پہنچاتے ہیں اور دوستوں میں جدائی ڈلواتے ہیں۔ (احمد وبیہقی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ اپنے بھائی (مسلمان) سے نہ (خواہ مخواہ) بحث کیا کرو اور نہ اس سے (ایسی) دل لگی کر (جو اس کو ناگوار ہو) اور اس سے کوئی ایسا وعدہ کر جس کو تو پورا نہ کرے۔ (ترمذی)

فائدہ: البتہ اگر کسی عذر کے سبب پورا نہ کر سکے تو معذور ہے، چنانچہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ کوئی شخص اپنے بھائی سے وعدہ کرے اور اس وقت پورا کرنے کی نیت تھی مگر پورا نہیں کر سکا اور (اگر آنے کا وعدہ تھا تو) وقت پر نہ آسکا (اس کا یہی مطلب ہے کہ کسی عذر کے سبب ایسا ہوگیا) تو اس پر گناہ نہ ہوگا۔ (ابوداؤد و ترمذی)

حضرت عیاض مجاشعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی فرمائی ہے کہ سب آدمی تواضع اختیار کرو۔ یہاں تک کہ کوئی کسی پر فخر نہ کرے اور کوئی کسی پر زیادتی نہ کرے (کیونکہ فخر اور ظلم تکبر ہی سے ہوتا ہے)۔ (مسلم)

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ ایسے شخص پر رحم نہیں فرماتا جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا۔ (بخاری ومسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بیوہ اور غریبوں کے کاموں میں سعی کرے وہ (ثواب میں) اس شخص کے مثل ہے جو جہاد میں سعی کرے۔ (بخاری ومسلم)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اور وہ شخص جو کسی یتیم کو اپنے ذمہ رکھ لے خواہ وہ یتیم اس کا (کچھ لگتا) ہو اور خواہ غیر کا ہو ہم دونوں جنت میں اس طرح ہوں گے اور آپ نے شہادت کی انگلی اور بیچ کی اُنگلی سے اشارہ فرمایا اور دونوں میں تھوڑا سا فرق بھی کر دیا کیونکہ نبی اور غیر نبی میں فرق تو ضروری ہے مگر حضور صلی اللہ تعالیٰ کے ساتھ جنت میں رہنا کیا تھوڑی بات ہے۔ (بخاری)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم مسلمانوں کو باہمی ہمدردی اور باہمی محبت اور باہمی شفقت میں ایسا دیکھو گے جیسے (جاندار) بدن ہوتا ہے کہ جب اس کے ایک عضو میں تکلیف ہوتی ہے تو تمام بدن بدخوابی اور بیماری میں اس کا ساتھ دیتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

تکمیل ایمان کی شرائط

عن ابی موسیٰ رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم انه کان اذا اتاه السائل وصاحب الحاجة قال اشفعو افلتو جروا ویقضی الله علی لسان رسوله ماشاء.

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جب آپ کے پاس کوئی سائل یا کوئی صاحبِ حاجت آتا تو آپ (صحابہ سے) فرماتے کہ تم سفارش کر دیا کرو تم کو ثواب ملے گا اور اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی زبان پر جو چاہے حکم دے (یعنی میری زباں سے وہی نکلے گا جو اللہ تعالیٰ کو دلوانا ہوگا مگر تم کو مفت کا ثواب مل جاوے گا اور یہ اس وقت ہے جب جس سے سفارش کی جاوے اس کو گرانی نہ ہو جیسا یہاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود فرمایا)۔ (بخاری ومسلم)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اپنے بھائی مسلمان کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو خواہ مظلوم ہو۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مظلوم ہونے کی صورت میں تو مدد کروں مگر ظالم ہونے کی حالت میں کیسے مدد کروں؟ آپ نے فرمایا اس کو ظلم سے روک دے یہی تمہاری مدد کرنا ہے اس ظالم کی۔ (بخاری ومسلم)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرے اور نہ کسی مصیبت میں اس کا ساتھ چھوڑ دے۔ جو شخص اپنے بھائی کی حاجت میں رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت میں رہتا ہے اور جو شخص کسی مسلمان کی سختی دور کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کی سختیوں میں سے اس کی سختی دور کرے گا اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی کریگا۔ (بخاری ومسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں یہ فرمایا آدمی کے لیے یہ شر کافی ہے کہ وہ اپنے بھائی مسلمان کو حقیر سمجھے (یعنی اگر کسی میں یہ بات ہو اور کوئی شر کی بات نہ ہو تب بھی اس میں شر کی کمی نہیں)۔ مسلمان کی ساری چیزیں دوسرے مسلمان پر حرام ہیں اس کی جان اور اس کا مال اور اس کی آبرو (یعنی نہ اس کی جان کو تکلیف دینا جائز ہے نہ اس کے مال کا نقصان کرنا اور نہ اس کی آبرو کو کوئی صدمہ پہنچانا مثلاً اس کا عیب کھولنا، اس کی غیبت کرنا وغیرہ۔ (مسلم)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کوئی بندہ (پورا) ایماندار نہیں بنتا یہاں تک کہ اپنے بھائی (مسلمان) کے لیے وہی بات پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص جنت میں نہ جاوے گا جس کا پڑوسی اُس کے خطرات سے مطمئن نہ ہو (یعنی اس سے اندیشہ ضرر کا لگا رہے)۔ (مسلم)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص ہماری جماعت سے خارج ہے جو ہمارے کم عمر پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑی عمر والے کی عزت نہ کرے اور نیک کام کی نصیحت نہ کرے اور بُرے کام سے منع نہ کرے (کیونکہ یہ بھی مسلمان کا حق ہے کہ موقع پر اس کو دین کی باتیں بتلا دیا کرے مگر نرمی اور تہذیب سے)۔ (ترمذی)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے سامنے اس کے مسلمان

بھائی کی غیبت ہوتی ہواور وہ اس کی حمایت پر قادر ہواور اس کی حمایت کرے تو اللہ تعالیٰ دنیا وآخرت میں اس کی حمایت فرماوے گا اور اگر اس کی حمایت نہ کی حالانکہ اس کی حمایت پر قادر تھا تو دنیا وآخرت میں اللہ تعالیٰ اس پر گرفت فرماویگا۔ (شرح سنۃ)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص (کسی کا) کوئی عیب دیکھے پھر اس کو چھپائے (یعنی دوسروں سے ظاہر نہ کرے) تو وہ (ثواب میں) ایسا ہوگا جیسے کسی نے زندہ درگور لڑکی کی جان بچالی (کہ قبر سے اس کو زندہ نکال لیا)۔ (احمد وترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں ہر ایک شخص اپنے بھائی کا آئینہ ہے۔ پس اگر اس (اپنے بھائی) میں کوئی گندی بات دیکھے تو اس سے (اس طرح) دور کردے (جیسے آئینہ داغ، دھبہ چہرہ کا اس طرح صاف کردیتا ہے کہ عیب والے پر ظاہر کردیتا ہے اور کسی پر ظاہر نہیں کرتا اسی طرح اس شخص کو چاہیے کہ اس کے عیب کی خفیہ طور پر اصلاح کردے فضیحت نہ کرے)۔ (ترمذی)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں کو ان کے مرتبہ پر رکھو۔ (یعنی ہر شخص سے اس کے مرتبہ کے موافق برتاؤ کرو سب کو ایک لکڑی مت ہانکو)۔ (ابوداؤد)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے وہ شخص (پورا) ایماندار نہیں جو خود اپنا پیٹ بھر لے اور اس کا پڑوسی اس کے برابر میں بھوکا رہے۔ (بیہقی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن الفت (اور لگاؤ) کا محل (اور خانہ) ہے اور اس شخص میں خیر نہیں جو کسی سے نہ خود الفت رکھے اور نہ اس سے کوئی الفت رکھے، یعنی سب سے روکھا اور الگ رہے، کسی سے میل ہی نہ ہو۔ باقی دین کی حفاظت کے لیے کسی سے تعلق نہ رکھنا یا کم رکھنا وہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ (احمد وبیہقی)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص میری اُمت میں سے کسی کی حاجت پوری کرے صرف اس نیت سے کہ اس کو مسرور (اور خوش) کرے سو اس شخص نے مجھ کو مسرور کیا اور جس نے مجھ کو مسرور کیا اس نے اللہ تعالیٰ کو مسرور کیا اور جس نے اللہ تعالیٰ کو مسرور کیا اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل فرمائے گا۔ (بیہقی)

نیز حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی پریشان حال آدمی کی امداد کرے اللہ تعالیٰ اس کے لیے تہتر (۷۳) مغفرت لکھے گا جن میں ایک مغفرت تو اس کے تمام کاموں کی اصلاح کے لیے (کافی) ہے اور بہتر (۷۲) مغفرت قیامت کے دن اس کے لیے درجات ہو جاویں گے۔ (بیہقی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جس وقت کوئی مسلمان اپنے بھائی کی بیمار پرسی کرتا ہے یا ویسے ہی ملاقات کے لیے جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تو بھی پاکیزہ ہے تیرا چلنا بھی پاکیزہ ہے تو نے جنت میں اپنا مقام بنالیا ہے۔ (ترمذی)

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی شخص کے

لیے یہ بات حلال نہیں کہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ قطع تعلق کر دے اس طرح سے کہ دونوں ملیں اور یہ اُدھر منہ پھیر لے اور وہ ادھر کو منہ پھیر لے اوران دونوں میں اچھا وہ شخص ہے جو پہلے سلام کر لے۔ (بخاری ومسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے کو بدگمانی سے بچاؤ کہ گمان سب سے جھوٹی بات ہے اور کسی کی مخفی حالت کی کریدمت کرو نہ اچھی حالت کی نہ بُری حالت کی اور نہ دھوکہ دینے کو کسی چیز کے دام بڑھاؤ اور نہ آپس میں حسد کرو، نہ بغض رکھو اور نہ پیٹھ پیچھے غیبت کرو اور اے اللہ کے بندو سب بھائی بھائی ہو کر رہو اور ایک روایت میں ہے نہ ایک دوسرے پر رشک کرو۔ (بخاری ومسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان کے حقوق مسلمان پر چھ ہیں۔(اس وقت انہی چھ کے ذکر کا موقع تھا) عرض کیا گیا یا رسول اللہ وہ کیا ہیں؟

آپ نے فرمایا: ۱۔ جب اس سے ملنا ہو اس کو سلام کرو اور ۲۔ جب وہ تجھ کو بلاوے تو قبول کرو اور ۳۔ جب تجھ سے خیر خواہی چاہے اس کی خیر خواہی کرو اور ۴۔ جب چھینک لے اور الحمد للہ کہے تو یرحمک اللہ کہو اور ۵۔ جب بیمار ہو جاوے اس کی عیادت کرو اور ۶۔ جب مر جاوے اس کے جنازہ کے ساتھ جاؤ۔ (مسلم)

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ملعون ہے جو کسی مسلمان کو ضرر پہنچاوے یا اس کے ساتھ فریب کرے۔ (ترمذی)

یہ تو عام مسلمانوں کے کثیر الوقوع حقوق ہیں اور خاص اسباب سے اور خاص حالات سے خاص حقوق بھی ہیں جن کو میں نے بقدرِ ضرورت رسالہ حقوق الاسلام میں لکھ دیا ہے سب کے ادا کی خوب کوشش رکھو، کیونکہ اس میں بہت بے پروائی ہو رہی ہے اللہ تعالیٰ توفیق بخشے۔

اپنی جان کے حقوق ادا کرنا

عن عبدالله بن عمرو بن العاص رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان لجسدك عليك حقا وان لعينك عليك حقا.

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے (شب بیداری اور نفل روزہ میں زیادتی کی ممانعت میں) فرمایا کہ تمہارے بدن کا بھی تم پر حق ہے اور تمہاری آنکھ کا بھی تم پر حق ہے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: مطلب یہ کہ زیادہ محنت کرنے سے اور زیادہ جاگنے سے صحت خراب ہو جائے گی اور آنکھیں آشوب کر آئینگی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ دو نعمتیں ایسی ہیں کہ ان کے بارہ میں کثرت سے لوگ ٹوٹے میں رہتے ہیں (یعنی ان سے کام نہیں لیتے۔ جس سے دینی نفع ہو) ایک صحت دوسری بے فکری۔ (بخاری)

فائدہ: اس سے صحت اور بے فکری کا ایسی نعمت ہونا معلوم ہوا کہ ان سے دین میں مدد ملتی ہے اور بے فکری اس وقت ہوتی ہے کہ کافی مال ہو اور کوئی پریشانی بھی نہ ہو، تو اس سے افلاس اور پریشانی سے بچے رہنے کی کوشش کرنے کا مطلوب ہونا بھی معلوم ہوا۔

حضرت عمرو بن میمون اودی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک شخص

سے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں (کے آنے) سے پہلے غنیمت سمجھو (اوران کو دین کے کاموں کا ذریعہ بنالو) جوانی کو بڑھاپے سے پہلے غنیمت سمجھو اور صحت کو بیماری سے پہلے اور مالداری کو افلاس سے پہلے اور بے فکری کو پریشانی سے پہلے اور زندگی کو مرنے سے پہلے۔ (ترمذی)

فائدہ: معلوم ہوا کہ جوانی میں جو صحت وقوت ہوتی ہے وہ اور بے فکری زندگی اور مالی گنجائش بڑی نعمتیں ہیں۔

حضرت عبید اللہ بن محصن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص تم میں اس حالت میں صبح کرے کہ اپنی جان میں (پریشانی سے) امن میں ہو اور اپنے بدن میں (بیماری سے) عافیت میں ہو اور اس کے پاس اُس دن کے کھانے کو ہو (جس سے بھوکا رہنے کا اندیشہ نہ ہو) تو یوں سمجھو کہ اس کے لیے ساری دنیا سمیٹ کر دے دی گئی۔ (ترمذی)

فائدہ: اس سے بھی صحت اور امن وعافیت کا مطلوب ہونا معلوم ہوا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص حلال دنیا کو اس لیے طلب کرے کہ مانگنے سے بچا رہے اور اپنے اہل وعیال کے (ادائے حقوق کے) لیے کمایا کرے اور اپنے پڑوسی پر توجہ رکھے تو اللہ تعالیٰ سے قیامت کے دن ایسی حالت میں ملے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند جیسا ہوگا۔ (بیہقی وابونعیم)

فائدہ: معلوم ہوا کہ کسبِ مال کے بقدر ضرورت دین بچانے کے لیے اور ادائے حقوق کے لیے بڑی فضیلت ہے۔ اس سے جمعیت کا مطلوب ہونا معلوم ہوا۔

حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ دنیا کی بے رغبتی (جس کا کہ حکم ہے) یہ حلال کو حرام کرنے سے ہے اور نہ مال کے ضائع کرنے سے۔ الخ (ترمذی وابن ماجہ)

فائدہ: اس میں صاف بُرائی ہے مال کے برباد کرنے کی کیونکہ اس سے جمعیت جاتی رہتی ہے۔

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بیماری اور دوا دونوں چیزیں اتاریں اور ہر بیماری کے لیے دوا بھی بنائی۔ سو تم دوا کیا کرو اور حرام چیز سے دوا مت کرو۔ (ابوداؤد)

فائدہ: اس میں صاف حکم ہے تحصیلِ صحت کا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ معدہ بدن کا حوض ہے اور رگیں اس کے پاس (غذا حاصل کرنے) آتی ہیں۔ سو اگر معدہ درست ہو تو وہ رگیں صحت لے کر جاتی ہیں اور اگر معدہ خراب ہوا تو رگیں بیماری لے کر جاتی ہیں۔ (شعب الایمان وبیہقی)

فائدہ: اس میں معدہ کی خاص رعایت کا ارشاد ہے۔

حضرت اُم منذر رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے (ایک موقع پر) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا یہ (کھجور) مت کھاؤ۔ تم کو نقاہت ہے پھر میں نے چقندر اور جَو تیار کیا آپ نے فرمایا اے علی اسمیں سے لو یہ تمہارے موافق ہے۔ (احمد وترمذی وابن ماجہ)

فائدہ: اس حدیث سے بد پرہیزی کی ممانعت معلوم ہوئی کہ مضرِ صحت ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ دُعا فرماتے تھے کہ اے اللہ میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں بھوک سے، وہ بھوک برا ہم خواب ہے۔ الخ (ابوداؤد ونسائی وابن ماجہ)

فائدہ: مرقاۃ میں طیبی سے پناہ مانگنے کا سبب نقل کیا ہے کہ اس سے قویٰ ضعیف ہو جاتے ہیں اور دماغ پریشان ہو جاتا ہے اس سے صحت وقوت وجمعیت کا مطلوب ہونا ثابت ہوا۔ کیونکہ زیادہ بھوک سے یہ سب فوت ہو جاتے ہیں اور بھوک کی جو فضیلت آئی ہے وہ ایسی ہے جیسے بیماری کی فضیلت آئی ہے۔ اس سے بھوک اور بیماری کا مطلوب التحصیل ہونا لازم نہیں آتا۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا کہ تیر اندازی بھی کیا کرو اور سواری بھی کیا کرو۔ الخ (ترمذی وابن ماجہ وابوداؤد ودارمی)

فائدہ: سواری سیکھنا بھی ایک ورزش ہے جس سے قوت بڑھتی ہے۔

ایمانی صفات

عن عقبة بن عامر قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من علم الرمي ثم تركه فليس منا.

ان ہی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا کہ جس نے تیر اندازی سیکھی پھر چھوڑ دی وہ ہم میں سے نہیں یا یوں فرمایا کہ اس نے نافرمانی کی۔ (مسلم)

فائدہ: اس سے کس قدر تاکید معلوم ہوتی ہے قوت کی حفاظت کی اور اس کے قوت ہونے کا بیان آیت کے ذیل میں گذر چکا ہے اور ان دو حدیثوں کے اس مضمون کا بقیہ اگلی حدیث کے ذیل میں آتا ہے۔

ہماری جان بھی اللہ تعالیٰ کی ملک ہے جو ہم کو بطور امانت کے دے رکھی ہے۔ اس لیے اس کے حکم کے موافق اس کی حفاظت ہمارے ذمہ ہے اور اس کی حفاظت ایک یہ ہے کہ اس کی صحت کی حفاظت کرے، دوسرے اس کی قوت کی حفاظت کرے، تیسرے اس کی جمعیت کی حفاظت کرے یعنی اپنے اختیارات سے ایسا کوئی کام نہ کرے جس میں جان میں پریشانی پیدا ہو جاوے کیونکہ ان چیزوں میں خلل آ جانے سے دین کے کاموں کی ہمت نہیں رہتی نیز دوسرے حاجت مندوں کی خدمت اور امداد نہیں کر سکتا نیز کبھی کبھی ناشکری اور بے صبری سے ایمان کھو بیٹھتا ہے۔ اس بارہ میں چند آیتیں اور حدیثیں لکھی جاتی ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول نعمتوں کے شمار میں ارشاد فرمایا جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھ کو شفا دیتا ہے۔ (شعراء، آیت ۸۰) فائدہ: اس سے صحت کا مطلوب ہونا صاف معلوم ہوتا ہے۔

۲۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور ان دشمنوں کے لیے جس قدر تم سے ہو سکے قوت تیار رکھو۔ (انفال، آیت ۶۰)

فائدہ: اس میں قوت کی حفاظت کا صاف حکم ہے۔ مسلم میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی تفسیر تیر اندازی کے ساتھ منقول ہے اور اس کو قوت اس لیے فرمایا کہ اس سے دین اور دل میں بھی

مضبوطی ہوتی ہے اور اس میں دوڑنا بھاگنا جو پڑتا ہے تو بدن میں بھی مضبوطی ہوتی ہے اور یہ اس زمانہ کا ہتھیار تھا اس زمانہ میں جو ہتھیار ہیں وہ تیر کے حکم میں ہیں اور اس مضمون کا بقیہ حدیث نمبر۱۳ کے ذیل میں آئے گا۔

۳۔فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور مال کو بے موقع مت اُڑانا۔ (بنی اسرائیل، آیت ۲۶)

فائدہ: مال کی تنگی سے جان میں پریشانی سے بچنے کا حکم دیا گیا اور جن امور سے اس سے بھی زیادہ پریشانی ہو جاوے ان سے بچنے کا تو اور زیادہ حکم ہوگا اس سے جمعیت کا مطلوب ہونا معلوم ہوا۔ آگے حدیثیں ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قوت والا مؤمن اللہ تعالیٰ کے نزدیک کم قوت والے مؤمن سے بہتر اور زیادہ پیارا ہے اور یوں سب میں خوبی ہے۔ (مسلم)

فائدہ: جب قوت اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسی پیاری چیز ہے تو اس کو باقی رکھنا اور بڑھانا اور جو چیزیں قوت کم کرنے والی ہیں اُن سے احتیاط رکھنا یہ سب مطلوب ہوگا۔ اس میں غذا کا بہت کم کر دینا، نیند کا بہت کم کر دینا، ہم بستری میں حدِ قوت سے آگے زیادتی کرنا، ایسی چیز کھانا جس سے بیماری ہو جائے یا بد پرہیزی کرنا جس سے بیماری بڑھ جائے یا جلدی نہ جاوے یہ سب داخل ہو گیا، ان سے بچنا چاہئے۔ اسی طرح قوت بڑھانے میں ورزش کرنا، دوڑنا، پیادہ چلنے کی عادت کرنا، جن اسلحہ کی قانون سے اجازت ہے یا اجازت حاصل ہو سکتی ہے ان کی مشق کرنا یہ سب داخل ہے مگر حدِ شرع و حدِ قانون سے باہر نہ ہونا چاہئے۔ کیونکہ اس سے جمعیت و راحت جو کہ شرعاً مطلوب ہے برباد ہوتی ہے۔

حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے باپ سے، وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ایک سوار ایک شیطان ہے اور دو سوار دو شیطان ہیں اور تین سوار قافلہ ہے۔ (مالک وترمذی وابوداؤد ونسائی)

فائدہ: یہ اس وقت تھا جب کہ اِکے دُکے کو دشمن کا خطرہ تھا، اس سے ثابت ہے کہ اپنی حفاظت کا سامان ضروری ہے۔

حضرت ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ لوگ جب کسی منزل میں اترتے تو گھاٹیوں میں اور نشیب میدانوں میں متفرق ہو جاتے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ تمہارا گھاٹیوں اور نشیب میدانوں میں متفرق ہو جانا یہ شیطان کی طرف سے ہے (اس لیے کہ اگر کسی پر آفت آوے تو دوسروں کو خبر بھی نہ ہو)۔ سو اس کے بعد جس منزل پر اُترتے ایک دوسرے سے اس طرح مل جاتے کہ یہ بات کہی جاتی تھی کہ اگر ان سب پر ایک کپڑا بچھا دیا جائے تو سب پر آ جائے۔ (ابوداؤد)

فائدہ: اس سے بھی اپنی احتیاط اور حفاظت کی تاکید ثابت ہوتی ہے۔

حضرت ابوالسائب رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے (ایک اجازت لینے والے سے) فرمایا کہ اپنا ہتھیار ساتھ لے لو مجھ کو بنی قریظہ سے (جو کہ یہودی اور دشمن تھے) اندیشہ ہے۔ چنانچہ اس شخص نے ہتھیار لے لیا اور گھر کو چلا، لانبی حدیث ہے۔ (مسلم)

فائدہ: جس موقع پر دشمنوں سے ایسا اندیشہ ہو اپنی حفاظت کے لیے جائز ہتھیار اپنے ساتھ رکھنے کا اس سے ثبوت ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ لوگ بدر کے دن تین تین آدمی ایک ایک اونٹ پر تھے اور ابو

لبابہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شریکِ سواری تھے۔ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چلنے کی باری آتی تو وہ دونوں عرض کرتے کہ ہم آپ کی طرف سے پیادہ چلیں گے۔ آپ فرماتے تم مجھ سے زیادہ قوی نہیں ہو اور میں تم سے زیادہ ثواب سے بے نیاز نہیں ہوں۔ (یعنی پیادہ چلنے میں جو ثواب ہے اس کی مجھ کو بھی حاجت ہے)

فائدہ: اس سے ثابت ہوا کہ پیادہ چلنے کی بھی عادت رکھنے زیادہ آرام طلب نہ ہو۔

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہم کو زیادہ آرام طلبی سے منع فرماتے تھے اور ہم کو حکم دیتے تھے کہ کبھی کبھی ننگے پاؤں بھی چلا کریں۔ (ابوداؤد)

فائدہ: اس میں بھی وہی بات ہے جو اس سے پہلی حدیث میں تھی اور ننگے پاؤں چلنا اس سے زیادہ۔

حضرت ابن ابی حدرد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تنگی سے گذر کرو اور موٹا چلن رکھو اور ننگے پاؤں چلا کرو۔ (جمع الفوائد از کبیر و اوسط)

فائدہ: اس میں کئی مصلحتیں ہیں مضبوطی و جفاکشی و آزادی۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کو لائق نہیں کہ اپنے نفس کو ذلیل کرے۔ عرض کیا گیا یارسول اللہ اس سے کیا مراد ہے؟ فرمایا نفس کو ذلیل کرنا یہ ہے کہ جس بلا کو سہار نہ سکے اس کا سامنا کرے۔ (تیسیر از ترمذی)

فائدہ: یہ ظاہر ہے کہ ایسا کرنے سے پریشانی بڑھتی ہے۔ اس میں تمام وہ کام آ گئے جو اپنے قابو کے نہ ہوں بلکہ اگر کسی مخالف کی طرف سے بھی کوئی شورش ظاہر ہو تو حکام کے ذریعہ سے اس کی مدافعت کرو خواہ وہ خود انتظار کر دیں، خواہ تم کو انتقام کی اجازت دے دیں اور اگر خود حکام ہی کی طرف سے کوئی ناگوار واقعہ پیش آ دے تو تہذیب سے اپنی تکلیف کی اطلاع کر دو اگر پھر بھی حسب مرضی انتظام نہ ہو تو صبر کرو اور عمل سے یا زبان سے یا قلم سے مقابلہ مت کرو اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ تمہاری مصیبت دُور ہو۔

جو افعال مقاصدِ مذکورہ میں خلل انداز ہوں اگر وہ مقاصد واجب ہوں اور خلل یقینی اور شدید ہے تو وہ افعال حرام ہیں ورنہ مکروہ۔

اگر بدوں بندہ کے اختیار کے محض من جانب اللہ ایسے واقعات پیش آ ویں جن سے یہ مقاصد صحت وقوت وطمانیت وغیرہا برباد ہو جاویں تو پھر ان مصائب پر ثواب ملتا ہے اور مددِ غیبی بھی ہوتی ہے پریشانی نہیں ہوتی۔ اس لیے ان پر صبر کرے اور خوش رہے انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام سب کے ساتھ ایسا معاملہ ہوا ہے جس سے قرآن اور حدیث بھرے ہوئے ہیں۔

فائدہ: اس سے کس قدر تاکید معلوم ہوتی ہے قوت کی حفاظت کی اور اس کے قوت ہونے کا بیان آیت کے ذیل میں گذر چکا ہے اور ان دو حدیثوں کے اس مضمون کا بقیہ اگلی حدیث کے ذیل میں آتا ہے۔

ہماری جان بھی اللہ تعالیٰ کی ملک ہے جو ہم کو بطور امانت کے دے رکھی ہے۔ اس لیے اس کے حکم کے موافق اس کی حفاظت ہمارے ذمہ ہے اور اس کی حفاظت ایک یہ ہے کہ اس کی صحت کی حفاظت کرے، دوسرے اس کی قوت کی حفاظت کرے، تیسرے اس کی جمعیت کی حفاظت کرے یعنی اپنے اختیارات سے ایسا کوئی کام نہ کرے جس میں جان میں پریشانی پیدا ہو جاوے کیونکہ ان چیزوں میں خلل آ جانے سے دین کے کاموں کی ہمت نہیں رہتی نیز دوسرے حاجت مندوں کی خدمت اور امداد نہیں کر سکتا نیز

کبھی کبھی ناشکری اور بے صبری سے ایمان کھو بیٹھتا ہے۔اس بارہ میں چند آیتیں اور حدیثیں لکھی جاتی ہیں۔

ا۔اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول نعمتوں کے شمار میں ارشاد فرمایا جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھ کو شفا دیتا ہے۔ (شعراء آیت ۸۰)

فائدہ: اس سے صحت کا مطلوب ہونا صاف معلوم ہوتا ہے۔

۲۔فرمایا اللہ تعالیٰ نے اوران دشمنوں کے لیے جس قدر تم سے ہو سکے قوت تیار رکھو۔ (انفال، آیت ۶۰)

فائدہ: اس میں قوت کی حفاظت کا صاف حکم ہے۔ مسلم میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی تفسیر تیر اندازی کے ساتھ منقول ہے اور اس کو قوت اس لیے فرمایا کہ اس سے دین اور دل میں بھی مضبوطی ہوتی ہے اور اس میں دوڑنا بھاگنا جو پڑتا ہے تو بدن میں بھی مضبوطی ہوتی ہے اور یہ اس زمانہ کا ہتھیار تھا اس زمانہ میں جو ہتھیار ہیں وہ تیر کے حکم میں ہیں اور اس مضمون کا بقیہ حدیث نمبر ۱۳ کے ذیل میں آئے گا۔

۳۔فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور مال کو بے موقع مت اُڑانا۔ (بنی اسرائیل، آیت ۲۶)

فائدہ: مال کی تنگی سے جان میں پریشانی سے بچنے کا حکم دیا گیا اور جن امور سے اس سے بھی زیادہ پریشانی ہو جاوے ان سے بچنے کا تو اور زیادہ حکم ہوگا اس سے جمعیت کا مطلوب ہونا معلوم ہوا۔آگے حدیثیں ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قوت والا مؤمن اللہ تعالیٰ کے نزدیک کم قوت والے مؤمن سے بہتر اور زیادہ پیارا ہے اور یوں سب میں خوبی ہے۔ (مسلم)

فائدہ: جب قوت اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسی پیاری چیز ہے تو اس کو باقی رکھنا اور بڑھانا اور جو چیزیں قوت کم کرنے والی ہیں اُن سے احتیاط رکھنا یہ سب مطلوب ہوگا۔اس میں غذا کا بہت کم کر دینا، نیند کا بہت کم کر دینا، ہم بستری میں حدِ قوت سے آگے زیادتی کرنا، ایسی چیز کھانا جس سے بیماری ہو جائے یا بد پرہیزی کرنا جس سے بیماری بڑھ جائے یا جلدی نہ جاوے یہ سب داخل ہو گیا، ان سے بچنا چاہیے۔اسی طرح قوت بڑھانے میں ورزش کرنا، دوڑنا، پیادہ چلنے کی عادت کرنا، جن اسلحہ کی قانون سے اجازت ہے یا اجازت حاصل ہو سکتی ہے ان کی مشق کرنا یہ سب داخل ہے مگر حدِ شرع و حدِ قانون سے باہر نہ ہونا چاہیے۔کیونکہ اس سے جمعیت و راحت جو کہ شرعاً مطلوب ہے برباد ہوتی ہے۔

حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے باپ سے، وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ایک سوار ایک شیطان ہے اور دو سوار دو شیطان ہیں اور تین سوار قافلہ ہے۔ (مالک و ترمذی و ابوداؤد و نسائی)

فائدہ: یہ اس وقت تھا جب کہ اِکے دُکے کو دشمن کا خطرہ تھا، اس سے ثابت ہے کہ اپنی حفاظت کا سامان ضروری ہے۔

حضرت ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ لوگ جب کسی منزل میں اترتے تو گھاٹیوں میں اور نشیب میدانوں میں متفرق ہو جاتے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ تمہارا گھاٹیوں اور نشیب میدانوں میں متفرق ہو جانا یہ شیطان کی طرف سے ہے (اس لیے کہ اگر کسی پر آفت آوے تو دوسروں کو خبر بھی نہ ہو)۔سو اس کے بعد جس منزل پر اُترتے ایک دوسرے سے اس طرح مل جاتے کہ یہ بات کہی جاتی تھی کہ اگر ان سب پر ایک کپڑا بچھا دیا جائے تو سب پر آ جائے۔ (ابوداؤد)

فائدہ: اس سے بھی اپنی احتیاط اور حفاظت کی تاکید ثابت ہوتی ہے۔

حضرت ابو السائب رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے (ایک اجازت لینے والے سے) فرمایا کہ اپنا ہتھیار ساتھ لے لو مجھ کو بنی قریظہ سے (جو کہ یہودی اور دشمن تھے) اندیشہ ہے۔ چنانچہ اس شخص نے ہتھیار لے لیا اور گھر کو چلا، لانبی حدیث ہے۔ (مسلم)

فائدہ: جس موقع پر دشمنوں سے ایسا اندیشہ ہو اپنی حفاظت کے لیے جائز ہتھیار اپنے ساتھ رکھنے کا اس سے ثبوت ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ لوگ بدر کے دن تین تین آدمی ایک ایک اونٹ پر تھے اور ابولبابہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شریکِ سواری تھے۔ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چلنے کی باری آتی تو وہ دونوں عرض کرتے کہ ہم آپ کی طرف سے پیادہ چلیں گے۔ آپ فرماتے تم مجھ سے زیادہ قوی نہیں ہو اور میں تم سے زیادہ ثواب سے بے نیاز نہیں ہوں۔ (یعنی پیادہ چلنے میں جو ثواب ہے اس کی مجھ کو بھی حاجت ہے)

فائدہ: اس سے ثابت ہوا کہ پیادہ چلنے کی بھی عادت رکھنے زیادہ آرام طلب نہ ہو۔

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہم کو زیادہ آرام طلبی سے منع فرماتے تھے اور ہم کو حکم دیتے تھے کہ کبھی کبھی ننگے پاؤں بھی چلا کریں۔ (ابوداؤد)

فائدہ: اس میں بھی وہی بات ہے جو اس سے پہلی حدیث میں تھی اور ننگے پاؤں چلنا اس سے زیادہ۔

حضرت ابن ابی حدرد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تنگی سے گذر کرو اور موٹا چلن رکھو اور ننگے پاؤں چلا کرو۔ (جمع الفوائد از کبیر واوسط)

فائدہ: اس میں کئی مصلحتیں ہیں مضبوطی و جفاکشی و آزادی۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کو لائق نہیں کہ اپنے نفس کو ذلیل کرے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ اس سے کیا مراد ہے؟ فرمایا نفس کو ذلیل کرنا یہ ہے کہ جس بلا کو سہار نہ سکے اس کا سامنا کرے۔ (تیسیر از ترمذی)

فائدہ: یہ ظاہر ہے کہ ایسا کرنے سے پریشانی بڑھتی ہے۔ اس میں تمام وہ کام آگئے جو اپنے قابو کے نہ ہوں بلکہ اگر کسی مخالف کی طرف سے بھی کوئی شورش ظاہر ہو تو حکام کے ذریعہ سے اس کی مدافعت کرو خواہ وہ خود انتظار کر دیں، خواہ تم کو انتقام کی اجازت دے دیں اور اگر خود حکام ہی کی طرف سے کوئی ناگوار واقعہ پیش آوے تو تہذیب سے اپنی تکلیف کی اطلاع کر دو اگر پھر بھی حسب مرضی انتظام نہ ہو تو صبر کرو اور عمل سے یا زبان سے یا قلم سے مقابلہ مت کرو اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ تمہاری مصیبت دُور ہو۔

جو افعال مقاصد مذکورہ میں خلل انداز ہوں اگر وہ مقاصد واجب ہوں اور خلل یقینی اور شدید ہے تو وہ افعال حرام ہیں ورنہ مکروہ۔

اگر بدوں بندہ کے اختیار کے محض من جانب اللہ ایسے واقعات پیش آویں جن سے یہ مقاصد صحت وقوت وطمانیت وغیرہا برباد ہو جاویں تو پھر ان مصائب پر ثواب ملتا ہے اور مدد غیبی بھی ہوتی ہے پریشانی نہیں ہوتی۔ اس لیے ان پر صبر کرے اور خوش رہے انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام سب کے ساتھ ایسا معاملہ ہوا ہے جس سے قرآن اور حدیث بھرے ہوئے ہیں۔

مجلس کے احکام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی ہدایت فرمائی ہے کہ جب کسی سے ملاقات کرنے کے لئے یا اس کے گھر یا اس کی مجلس میں کوئی جانا چاہے تو پہلے سلام کہے اور اجازت مانگے اس کے بغیر ہرگز اچانک داخل نہ ہو، معلوم نہیں وہ اس وقت کس حال اور کس کام میں ہو، ممکن ہے اس وقت اس کے لئے ملنا مناسب نہ ہو۔

عَنْ كَلْدَةَ بْنِ حَنْبَلٍ اَنَّ صَفْوَانَ بْنَ اُمَيَّةَ بَعَثَهُ بِلَبَنٍ وَجِدَايَةٍ وَضَغَابِيْسَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّبِيُّ صلى الله عليه وآله وسلم بِاَعْلَى الْوَادِيْ قَالَ فَدَخَلْتُ عَلَيْهِ وَلَمْ اُسَلِّمْ وَلَمْ اَسْتَاذِنْ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِرْجِعْ فَقُلْ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَاَدْخُلُ؟ (رواہ الترمذی وابوداؤد)

کلدہ بن حنبل سے روایت ہے کہ (ان کے اخیافی بھائی) صفوان بن امیہ نے ان کو دودھ اور ہرنی کا ایک بچہ اور کچھ کھیرے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وادی مکہ کے بالائی حصے میں تھے کلدہ کہتے ہیں کہ میں یہ چیزیں لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچ گیا اور نہ میں نے پہلے سلام کیا اور نہ حاضری کی اجازت چاہی، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم واپس جاؤ اور (قاعدہ کے مطابق) "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَ اَدْخُلُ" کہہ کر اجازت مانگو۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

تشریح...... یہ صفوان بن امیہ مشہور دشمن اسلام اور دشمن رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امیہ بن خلف کے لڑکے تھے۔ یہ اللہ کی توفیق سے فتح مکہ کے بعد اسلام لے آئے۔ اور یہ واقعہ جو اس روایت میں ذکر کیا گیا ہے غالباً فتح مکہ کے سفر ہی کا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قیام وادی مکہ کے اس بالائی حصہ میں تھا جس کو معلیٰ کہتے ہیں۔ صفوان بن امیہ نے اپنے اخیافی بھائی کلدہ بن حنبل کو ہدیہ کے طور پر یہ تین چیزیں لے کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا تھا۔ کچھ دودھ تھا، ایک ہرنی کا بچہ تھا اور کچھ کھیرے تھے۔ یہ اس سے واقف نہیں تھے کہ جب کسی سے ملنے کے لئے جانا ہو تو سلام کر کے اور پہلے اجازت لے کر جانا چاہئے، اسی لئے یونہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس ادب کی تعلیم کے لئے ان سے فرمایا کہ: باہر واپس جاؤ اور کہو: "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَ اَدْخُلُ" (السلام علیکم: کیا میں اندر آ سکتا ہوں) اور جب اجازت ملے تو آؤ۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلام اور استیذان (یعنی اجازت چاہنے) کا طریقہ صرف زبانی بتا دینے کے بجائے اس سے عمل بھی کرا دیا۔ ظاہر ہے جو سبق اس طرح دیا جائے اس کو آدمی کبھی نہیں بھول سکتا۔

عَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وآله وسلم قَالَ لَا تَاْذَنُوْا لِمَنْ لَمْ يَبْدَأْ بِالسَّلَامِ. (رواه البيهقى فى شعب الايمان)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جو شخص اجازت لینے سے پہلے سلام نہ کرے اس کو اجازت نہ دو۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ اجازت لینے کا اسلامی طریقہ یہ ہے کہ پہلے السلام علیکم کہے، اس کے بعد کہے کیا میں آ سکتا ہوں، اگر کوئی آدمی بغیر سلام کے اجازت چاہے تو اس کو اجازت نہ دو۔ بلکہ اس کو بتا دو کہ پہلے السلام علیکم کا دعائیہ

کلمہ کہہ کے (جو اسلامی شعار بھی ہے) اسلامی اخوت اور للّٰہی رشتہ کا اظہار کرے، اس کے بعد اجازت طلب کرے۔ جب وہ اس طریقہ پر اجازت طلب کرے تو اس کو اجازت دے دو۔

عَنْ قَيْسِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ زَارَنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ مَنْزِلِنَا فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ، فَرَدَّ اَبِيْ رَدًّا خَفِيًّا، فَقُلْتُ اَلَا تَاْذَنُ لِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَقَالَ ذَرْهُ حَتّٰى يُكْثِرَ عَلَيْنَا اَلسَّلَامَ فَقَالَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ" فَرَدَّ سَعْدٌ رَدًّا خَفِيًّا ثُمَّ قَالَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ" ثُمَّ رَجَعَ، فَاتَّبَعَهُ سَعْدٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ اِنِّيْ كُنْتُ اَسْمَعُ تَسْلِيْمَكَ وَاَرُدُّ عَلَيْكَ رَدًّا خَفِيًّا لِتُكْثِرَ عَلَيْنَا مِنَ السَّلَامِ، فَانْصَرَفَ مَعَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَمَرَ لَهُ سَعْدٌ بِغُسْلٍ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ نَاوَلَهُ مِلْحَفَةً مَصْبُوْغَةً بِزَعْفَرَانٍ اَوْوَرْسٍ، فَاشْتَمَلَ بِهَا، ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ وَهُوَ يَقُوْلُ "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِكَ وَرَحْمَتَكَ عَلٰى اٰلِ سَعْدٍ، ثُمَّ اَصَابَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الطَّعَامِ، فَلَمَّا اَرَادَ الْاِنْصِرَافَ قَرَّبَ لَهُ سَعْدٌ حِمَارًا قَدْ وَطَّأَ عَلَيْهِ بِقَطِيْفَةٍ فَقَالَ لِيْ سَعْدٌ اِصْحَبْ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَحِبْتُهُ فَقَالَ لِيْ اِرْكَبْ مَعِيْ فَاَبَيْتُ فَقَالَ اِمَّا اَنْ تَرْكَبَ وَاِمَّا اَنْ تَنْصَرِفَ فَانْصَرَفْتُ. (رواہ ابوداؤد)

حضرت سعد بن عبادہؓ کے فرزند قیس بن سعد (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (ایک دن) ہمارے گھر پہ تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (قاعدے کے مطابق باہر سے) فرمایا: "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ". تو میرے والد (سعد بن عبادہؓ) نے (بجائے اس کے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سلام کا آواز سے جواب دیتے اور اندر تشریف لے آنے کے لئے عرض کرتے) بہت خفی آواز سے (کہ حضور سن نہ سکیں) صرف سلام کا جواب دیا۔ تو میں نے کہا کہ: آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اندر تشریف لانے کے لئے کیوں عرض نہیں کرتے؟ میرے والد نے فرمایا کہ: بولو مت، ایسے ہی رہنے دو، تاکہ آپ بار بار ہمارے لئے سلام فرمائیں (اور ہمیں اس کی برکتیں حاصل ہوں) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوبارہ ارشاد فرمایا: "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ". حضرت سعدؓ نے پھر۔ اسی طرح) چپکے سے سلام کا جواب دیا (جس کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں سنا۔ تو پھر (تیسری بار) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ". (اور جب اس کے بعد بھی حضرت سعدؓ کی طرف سے کوئی جواب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں سنا) تو آپ واپس لوٹنے لگے۔ تو حضرت سعدؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے آئے اور عرض کیا کہ: حضرت! میں آپ کا سلام سنتا تھا اور (دانستہ) چپکے سے جواب دیتا تھا، تاکہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بار بار ہمارے لئے سلام فرمائیں (اور ہمیں اس کی برکات حاصل ہوں) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سعدؓ کے ساتھ ان کے گھر لوٹ آئے۔ حضرت سعدؓ نے اپنے گھر والوں کو حکم دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غسل کا انتظام کیا جائے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غسل فرمایا۔ پھر حضرت سعدؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک چادر دی (جو زعفران یا ورس سے رنگی ہوئی تھی) جسے آپ نے "اشتمال" کے

طریقے پر باندھ لیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہاتھ اٹھا کے اس طرح دعا فرمائی: "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِکَ وَرَحْمَتَکَ عَلٰی اٰلِ سَعْدٍ." (اے میرے اللہ! اپنی خاص نوازشیں اور رحمتیں نازل فرما سعد کے گھر والوں پر) اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ کھانا تناول فرمایا۔ پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واپسی کا ارادہ فرمایا تو میرے والد سعد بن عبادہ نے سواری کے لئے اپنا حمار پیش کیا۔ جس کی کمر پر چادر کا گدا بنا کر رکھ دیا گیا تھا اور مجھ سے فرمایا کہ تم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جاؤ، تو میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ساتھ چلا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: تم بھی میرے ساتھ سوار ہو جاؤ۔ میں نے معذرت کر دی اور سوار نہیں ہوا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: یا تو میرے ساتھ تم بھی سوار ہو جاؤ یا پھر واپس چلے جاؤ (یعنی مجھے یہ گوارا نہیں کہ میں سوار ہو کر چلوں اور تم ساتھ ساتھ پیدل چلو، واقعہ کے راوی قیس بن سعد کہتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا تو میں واپس لوٹ آیا۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح...... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب کسی کے ہاں ملاقات کے لئے جائے تو پہلے "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ" کہہ کے اندر آنے کی اجازت چاہے۔ اور جب کوئی جواب نہ ملے تو دوسری دفعہ اور پھر جواب نہ ملے تو تیسری دفعہ "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ" کہہ کے اجازت مانگے، اور بالفرض اگر تیسری دفعہ بھی جواب نہ ملے تو پھر واپس ہو جائے۔

حضرت سعد بن عبادہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بار بار سلام اور اس کی برکات حاصل کرنے کے لئے جو رویہ اختیار کیا) جس کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تین دفعہ سلام کرنا اور اس کے بعد واپسی کا ارادہ کر لینا پڑا (بظاہر ایک نامناسب بات تھی، لیکن ان کی نیت اور جذبہ بہت مبارک تھا، اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مزاج شناسی کی بناء پر انہیں یقین تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے ناراض نہ ہوں گے۔ اس لئے انہوں نے یہ جرأت کی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی گرانی کا اظہار نہیں فرمایا، بلکہ ان کے جذبہ اور نیت کی قدر فرمائی، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا سے ظاہر ہے۔

اس روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غسل فرمانے کے بعد ایک ایسی چادر لپیٹ لی جو زعفران یا ورس سے رنگی ہوئی تھی۔ حالانکہ دوسری بعض حدیثوں میں اس کی سخت ممانعت وارد ہوئی ہے کہ کوئی مرد زعفران یا ورس سے رنگا ہوا کپڑا پہنے (ورس بھی زعفران ہی کی طرح ایک نبات ہے جو رنگ دار بھی ہوتی ہے اور خوشبودار بھی) اب یا تو یہ سمجھا جائے کہ یہ واقعہ جو زیر تشریح حدیث میں ذکر کیا گیا ہے اس ابتدائی زمانہ کا ہے جبکہ مردوں کے لئے زعفران وغیرہ سے رنگے ہوئے کپڑوں کی ممانعت کا حکم نہیں آیا تھا، یا یہ کہا جائے کہ جو چادر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے استعمال فرمائی وہ کبھی پہلے رنگی گئی تھی لیکن بعد میں اچھی طرح دھو دی گئی تھی اور ایسی صورت میں اس کا استعمال مردوں کے لئے بھی جائز ہے۔ واللہ اعلم۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَجْلِسْ بَيْنَ اثْنَيْنِ اِلَّا بِاِذْنِهِمَا. (رواہ ابوداؤد)

عمرو بن شعیب اپنے والد شعیب سے اور وہ اپنے دادا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: دو آدمیوں کے بیچ میں ان کی اجازت کے بغیر نہ بیٹھو۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح...... یہی حدیث حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے سنن ابی داوٗد ہی میں اور اس کے علاوہ جامع ترمذی میں بھی ایک دوسرے طریقے سے ان الفاظ میں روایت کی گئی ہے: ”لَا يَحِلُّ لِرَجُلٍ اَنْ يُّفَرِّقَ بَيْنَ اِثْنَيْنِ اِلَّا بِاِذْنِهِمَا.“ (کسی کے لئے یہ بات جائز نہیں کہ (قریب قریب بیٹھے ہوئے) دو آدمیوں کے درمیان ان کی اجازت کے بغیر بیٹھ کر انہیں ایک دوسرے سے الگ کر دے)

سبحان اللہ العظیم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان تعلیمات و ہدایات میں لطیف انسانی جذبات اور نازک احساسات کا کتنا لحاظ فرمایا گیا ہے۔

عَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم مَنْ سَرَّهُ اَنْ يَّتَمَثَّلَ لَهُ الرِّجَالُ قِيَامًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ. (رواه الترمذى وابو داؤد)

حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس آدمی کو اس بات سے خوشی ہو کہ لوگ اس کی تعظیم میں کھڑے رہیں، اسے چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داوٗد)

تشریح...... ظاہر ہے کہ اس وعید کا تعلق اس صورت سے ہے جبکہ کوئی آدمی خود یہ چاہے اور اسی سے خوش ہو کہ اللہ کے بندے اس کی تعظیم کے لئے کھڑے ہوں اور یہ تکبر کی نشانی ہے، اور تکبر والوں کی جگہ جہنم ہے، جس کے حق میں فرمایا گیا ہے: ”بِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ.“ (وہ دوزخ متکبرین کا برا ٹھکانہ ہے) لیکن اگر کوئی آدمی خود بالکل نہ چاہے مگر دوسرے لوگ اکرام اور عقیدت و محبت کے جذبہ میں اس کے لئے کھڑے ہو جائیں تو یہ بالکل دوسری بات ہے اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے لئے اس کو بھی پسند نہیں فرماتے تھے۔

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم يَجْلِسُ مَعَنَا فِى الْمَسْجِدِ يُحَدِّثُنَا فَاِذَا قَامَ قُمْنَا قِيَامًا حَتّٰى نَرَاهُ قَدْ دَخَلَ بَعْضَ بُيُوْتِ اَزْوَاجِهِ. (رواه البيهقى فى شعب الايمان)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے ساتھ مسجد میں تشریف فرما تھے اور ہم سے باتیں فرماتے تھے، پھر جب آپ (گھر تشریف لے جانے کے لئے مجلس سے) اٹھتے تو ہم سب لوگ بھی کھڑے ہو جاتے اور اس وقت تک کھڑے رہتے جب کہ ہم دیکھ لیتے کہ ازواج مطہرات کے گھروں میں سے کسی گھر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم داخل ہو گئے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح...... صحابہ کرام کو اس طریقہ عمل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منع نہ فرمانا اس کی دلیل ہے کہ اس کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گوارا فرمایا، حالانکہ ابھی معلوم ہو چکا ہے کہ مجلس میں تشریف آوری کے وقت لوگوں کے کھڑے ہونے کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناپسند فرماتے تھے۔ ان دونوں صورتوں میں فرق یہ ہے کہ مجلس میں تشریف آوری کے وقت اہل مجلس کا کھڑا ہونا صرف تعظیم ہی کے لئے ہوتا تھا جو آپ کے لئے گرانی کا باعث ہوتا تھا، اور مجلس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اٹھ جانے کے وقت کھڑا ہونا مجلس کے برخواست ہو جانے کی وجہ سے بھی ہوتا تھا، اس کے بعد خود اہل مجلس بھی اپنے اپنے ٹھکانوں پر جانے والے ہوتے تھے، اس لئے کھڑے ہونے کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گوارا فرما لیتے تھے۔ واللہ اعلم۔

نشست و برخاست کے احکام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لیٹنے، سونے اور بیٹھنے کے بارے میں بھی امت کو ہدایات دی ہیں اور اپنے طرزِ عمل سے بھی رہنمائی فرمائی ہے۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَنَامَ الرَّجُلُ عَلٰى سَطْحٍ لَيْسَ بِمَحْجُوْرٍ عَلَيْهِ. (رواه الترمذی)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو ایسی چھت پر سونے سے منع فرمایا، جو (دیواروں یا منڈیروں سے) گھیری نہ گئی ہو۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... ظاہر ہے کہ جو چھت دیواروں یا منڈیروں سے گھیری نہ گئی ہو اس پر سونے سے اس کا اندیشہ ہے کہ آدمی نیند کی غفلت میں چھت سے نیچے گر جائے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔

عَنْ عَلِيِّ بْنِ شَيْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ بَاتَ عَلٰى ظَهْرِ بَيْتٍ لَيْسَ عَلَيْهِ حِجَابٌ (وَفِيْ رِوَايَةٍ حِجَارٌ) فَقَدْ بَرِأَتْ مِنْهُ الذِّمَّةُ. (رواه ابوداؤد)

علی بن شیبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: جو شخص کسی گھر کی ایسی چھت پر سوئے جس پر پردہ اور رکاوٹ کی دیوار نہ ہو تو اس کی ذمہ داری ختم ہوگئی۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح...... یہ بھی دراصل ممانعت کا ایک بلیغ انداز ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کی حفاظت کے جو غیبی انتظامات ہیں، جن کا اشارہ قرآن مجید میں بھی کیا گیا ہے (قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ، الآية) تو اگر کوئی آدمی جان بوجھ کر ایسی چھت پر سوتا ہے جس کے گرد رکاوٹ کے لئے کوئی دیوار یا منڈیر نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ کے اس حفاظتی انتظام کا استحقاق کھو دیتا ہے اور ملائکہ محافظین کی کوئی ذمہ داری نہیں رہتی۔ اور اگر خدانخواستہ وہ گر کے ہلاک ہو جاتا ہے یا اس کو سخت جسمانی صدمہ پہنچ جاتا ہے تو کسی دوسرے پر اس کی ذمہ داری نہیں وہ خود ہی ذمہ دار ہے۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّرْفَعَ الرَّجُلُ اِحْدٰى رِجْلَيْهِ عَلَى الْاُخْرٰى وَهُوَ مُسْتَلْقٍ عَلٰى ظَهْرِهٖ. (رواه مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ آدمی چت لیٹنے کی حالت میں اپنی ایک ٹانگ اٹھا کے دوسری ٹانگ پر رکھے۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں عربوں میں عام طور سے تہبند باندھنے کا رواج تھا اور ظاہر ہے کہ اگر تہبند باندھ کے اس طرح چت لیٹا جائے کہ اپنا ایک زانو کھڑا کر کے دوسرا پاؤں اس کے اوپر رکھا جائے تو بسا اوقات ستر کھل جائے گا۔ غالباً اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طرح لیٹنے سے منع فرمایا۔ لیکن اگر لباس ایسا ہو کہ اس طرح لیٹنے سے ستر کھل جانے کا اندیشہ نہ ہو تو ظاہر یہی ہے کہ اس کی ممانعت نہ ہوگی۔ واللہ اعلم۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ رَاٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا مُضْطَجِعًا عَلٰى بَطْنِهٖ

فَقَالَ اِنَّ هٰذِهٖ ضِجْعَةٌ لَا يُحِبُّهَا اللهُ. (رواه الترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو پیٹ کے بل اوندھا لیٹا ہوا دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ لیٹنے کا یہ طریقہ اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... ظاہر ہے کہ یہ لیٹنے کا غیر فطری اور غیر مہذب طریقہ ہے اسی لئے اس کو ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں اس کو دوزخیوں کا طریقہ بھی فرمایا گیا ہے۔

عَنْ اَبِىْ قَتَادَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه و آله وسلم كَانَ اِذَا عَرَّسَ بِلَيْلٍ اِضْطَجَعَ عَلٰى شِقِّهِ الْاَيْمَنِ وَاِذَا عَرَّسَ قُبَيْلَ الصُّبْحِ نَصَبَ ذِرَاعَهُ وَوَضَعَ رَاْسَهُ عَلٰى كَفِّهِ. (رواه فی شرح السنه)

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول اور دستور تھا کہ (سفر میں) جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات میں پڑاؤ کرتے تو داہنی کروٹ پر آرام فرماتے، اور جب صبح سے کچھ پہلے پڑاؤ کرتے تو اپنی کلائی کھڑی کر لیتے اور سر مبارک اپنی ہتھیلی پر رکھ کر کچھ آرام لے لیتے۔ (شرح السنہ للبغوی)

تشریح...... اہل عرب عام طور سے رات کے ٹھنڈے وقت میں سفر کرتے، پھر اگر سفر سویرے سرشام شروع کرتے تو کسی مناسب جگہ ایسے وقت آرام کے لئے اُتر جاتے اور پڑاؤ کرتے کہ رات کا کافی حصہ باقی ہوتا تھا اور سونے کا کافی موقع مل جاتا تھا۔ اور اگر سفر دیر رات سے شروع کرتے تو آرام کے لئے صبح سے کچھ پہلے اتر جاتے تھے۔ حضرت ابوقتادہؓ کی اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ایسے وقت اترتے اور پڑاؤ کرتے کہ رات کافی باقی ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سونے کے لئے اطمینان سے داہنی کروٹ پر لیٹ جاتے جیسا کہ سونے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہمیشہ معمول تھا۔ اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کے بالکل آخری حصہ میں اترتے کہ فجر کا وقت ہوتا تو آپ اپنی کہنی ٹیک کے اور کلائی کھڑی کر کے ہتھیلی پر سر مبارک رکھ کر لیٹ جاتے تھے، اور اس طرح گویا نماز فجر کا انتظار فرماتے تھے۔ اس قسم کی احادیث سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیٹنے اور سونے تک کی ہیئتوں کو بھی کتنے اہتمام سے محفوظ رکھ کر اُمت کو پہنچایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس فکر و کاوش کا ان کو بہتر سے بہتر صلہ پوری امت کی طرف سے عطا فرمائے اور ہم کو اتباع اور پیروی کی توفیق دے۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كُنَّا اِذَا اَتَيْنَا النَّبِيَّ صلى الله عليه و آله وسلم جَلَسَ اَحَدُنَا حَيْثُ يَنْتَهِىْ. (رواه ابوداؤد)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگوں کا (یعنی صحابہ کا) یہ طریقہ اور دستور تھا کہ جب ہم میں سے کوئی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں آتا تو (حاضرین مجلس کے درمیان سے گزر کے آگے جانے کی کوشش نہیں کرتا تھا بلکہ) کنارے ہی بیٹھ جایا کرتا تھا۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح۔ اصول حدیث میں یہ بات مسلم اور مقرر ہو چکی ہے کہ کسی صحابی کا یہ بیان کرنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں آپ کے صحابہؓ ایسا کیا کرتے تھے اس بات کی دلیل ہے کہ صحابہ کا وہ عمل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مرضی کے مطابق اور

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی تعلیم وتربیت کا نتیجہ تھا۔ اس بناء پر اس حدیث کا مطلب اور مدعا یہ ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں یہ ادب سکھایا تھا کہ جب مجلس قائم ہو اور کوئی آدمی بعد میں آئے تو وہ مجلس کے کنارے پر جہاں جگہ پائے وہاں بیٹھ جائے۔ ہاں صاحب مجلس کو حق ہے کہ کسی خصوصیت یا کسی مصلحت کے پیش نظر اس کو آگے بلالے۔

عَنْ حُذَيْفَةَ مَلْعُوْنٌ عَلٰى لِسَانِ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مَنْ قَعَدَ وَسْطَ الْحَلْقَةِ. (رواہ الترمذی وابوداؤد)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک نے اس شخص کو قابل لعنت قرار دیا ہے جو بیچ حلقہ میں بیٹھ جائے۔ (جامع ترمذی)

تشریح:۔ شارحین نے اس حدیث کی کئی توجیہیں کی ہیں: ایک یہ کہ اللہ کے بندے حلقہ بنائے بیٹھے ہیں، ایک متکبر یا بے تمیز اور ادب سے ناآشنا لوگوں کے اوپر سے پھلانگ کے حلقہ کے بیچ میں آکر بیٹھ جاتا ہے بلاشبہ یہ سخت مجرمانہ حرکت ہے، اور ایسا آدمی لوگوں کی لعنت کا مستحق ہے۔ دوسری توجیہ یہ کی گئی ہے کہ اللہ کے کچھ بندے حلقہ بنائے بیٹھے ہیں اور ہر ایک کا دوسرے سے مواجہہ یعنی آمنا سامنا ہے، ایک آدمی آکر اس طرح حلقہ کے بیچ میں بیٹھ جاتا ہے کہ بعض لوگوں کا مواجہہ باقی نہیں رہتا ظاہر ہے کہ یہ بھی بہت بے ہودہ حرکت ہے۔ تیسری توجیہ یہ کی گئی ہے کہ اس سے وہ مسخرے مراد ہیں جو لوگوں کے بیچ میں ان کو ہنسانے کے لئے بیٹھ جاتے ہیں اور یہی ان کا مشغلہ ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ جَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَاَصْحَابُهٗ جُلُوْسٌ، فَقَالَ مَالِىْ اَرَاكُمْ عِزِيْنَ. (رواہ ابوداؤد)

حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور صحابہ متفرق الگ الگ (ٹکڑیاں بنائے) بیٹھے تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھے کیا ہوگیا ہے کہ میں تمہیں الگ الگ بیٹھے دیکھ رہا ہوں۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح...... کسی چیز پر اظہار ناراضی کا یہ ایک خاص انداز ہے کہ کہا جائے: "میری آنکھیں یہ کیا دیکھ رہی ہیں" یعنی جو کچھ دیکھنے میں آرہا ہے وہ نہیں ہونا چاہئے اور نظر نہ آنا چاہئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کو دیکھا کہ وہ الگ الگ ٹکڑیوں کی شکل میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حیرت کا اظہار فرما کر تنبیہ فرمائی اور بتایا کہ بجائے اس طرح الگ الگ بیٹھنے کے سب مل کر قرینے سے بیٹھو۔ بعض دوسری حدیثوں میں اشارہ فرمایا گیا ہے کہ اس سے ظاہری تفرق اور تشتت کا اثر دلوں پر پڑتا ہے اور مل کر ساتھ بیٹھنے سے قلوب میں جوڑ اور توافق پیدا ہوتا ہے۔

مجلس کے دیگر احکام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کو اس بارے میں واضح ہدایات دی ہیں کہ بات چیت میں کن باتوں کا لحاظ رکھا جائے، اور ظرافت ومزاح اور کسی بات پر ہنسنے پر چھینک اور جمائی آنے کے جیسے موقعوں پر کیا رویہ اختیار کیا جائے۔ اس سلسلہ کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایات وتعلیمات کی روح یہ ہے کہ بندہ اپنے فطری اور معاشرتی تقاضوں کو وقار اور خوبصورتی کے ساتھ پورا کرے لیکن ہر حال میں اللہ کو اور اس کے ساتھ اپنی بندگی کی نسبت کو اور اس کے احکام اور اپنے عمل اور رویہ کے اُخروی انجام کو پیش نظر رکھے۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّهُ قَالَ يَوْمًا وَقَامَ رَجُلٌ فَاكْثَرَ الْقَوْلَ فَقَالَ عَمْرٌو لَوْ قَصَدَ فِيْ قَوْلِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَهُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَقَدْ رَاَيْتُ اَوْ قَالَ اُمِرْتُ اَنْ اَتَجَوَّزَ فِي الْقَوْلِ فَاِنَّ الْجَوَازَ هُوَ خَيْرٌ. (رواہ ابوداؤد)

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن جبکہ ایک شخص نے (ان کی موجودگی میں) کھڑے ہو کر (وعظ وتقریر کے طور پر) بات کی اور بہت لمبی بات کی، تو آپ نے فرمایا کہ: اگر یہ شخص مختصر بات کرتا تو اس کے لئے بہت زیادہ بہتر ہوتا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: میں یہ مناسب سمجھتا ہوں۔ یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم ہے "بات کرنے میں اختصار سے کام لوں کیونکہ بات میں اختصار ہی بہتر ہوتا ہے۔" (سنن ابی داؤد)

تشریح...... تجربہ شاہد ہے کہ بہت لمبی بات سے سننے والے اُکتا جاتے ہیں اور دیکھا ہے کہ بعض اوقات کسی تقریر یا وعظ سے سامعین شروع میں بہت اچھا تاثر لیتے ہیں لیکن جب بات حد سے زیادہ لمبی ہو جاتی ہے تو لوگ اُکتا جاتے ہیں اور وہ اثر بھی زائل ہو جاتا ہے۔

عَنْ بِلَالِ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الرَّجُلَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنَ الْخَيْرِ مَا يَعْلَمُ مَبْلَغَهَا يَكْتُبُ اللّٰهُ لَهُ بِهَا رِضْوَانَهُ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَاهُ وَاِنَّ الرَّجُلَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنَ الشَّرِّ مَا يَعْلَمُ مَبْلَغَهَا يَكْتُبُ اللّٰهُ بِهَا عَلَيْهِ سَخَطَهُ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَاهُ.

(رواہ فی شرح السنہ وروی مالک والترمذی وابن ماجہ نحوہ)

بلال بن الحارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: آدمی کی زبان سے کبھی خیر اور بھلائی کی کوئی ایسی بات نکل جاتی ہے جس کی پوری برکت اور قدر وقیمت وہ خود بھی نہیں جانتا، مگر اللہ تعالیٰ اسی ایک بات کی وجہ سے اپنے حضور میں حاضری تک کے لئے اس بندہ کے واسطے اپنی رضا طے فرما دیتا ہے۔ اور (اسی طرح) کبھی آدمی کی زبان سے شر، کی کوئی ایسی بات نکل جاتی ہے جس کی برائی اور خطرناکی کی حد وہ خود بھی نہیں جانتا مگر اللہ تعالیٰ اس بات کی وجہ سے اس آدمی پر آخرت کی پیشی تک کے لئے اپنی ناراضی اور اپنے غضب کا فیصلہ فرما دیتا ہے۔ (شرح السنہ للبغوی)

اور ایسی ہی حدیث امام مالکؒ نے مؤطا میں اور امام ترمذیؒ نے اپنی جامع میں اور ابن ماجہ نے اپنی سنن میں روایت کی ہے۔

تشریح...... حدیث کا مقصود و مدعا یہ ہے کہ بندے کو چاہئے کہ اللہ اور آخرت کے انجام سے غافل و بے پرواہو کر باتیں نہ کرے، منہ سے نکلنے والی بات ایسی بھی ہوسکتی ہے جو بندے کو اللہ تعالیٰ کی خاص رضا ورحمت کا مستحق بنا دے، اور (خدا پناہ میں رکھے) ایسے بھی ہوسکتی ہے جو اس کی رضا ورحمت الٰہی سے محروم کر کے جہنم میں پہنچا دے۔

کسی کی تعریف کرنا دراصل اس کے حق میں ایک شہادت اور گواہی ہے جو بڑی ذمہ داری کی بات ہے اور اس سے اس کا بھی خطرہ ہے کہ اس آدمی میں اعجاب نفس اور خود پسندی پیدا ہو جائے، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بارے میں سخت احتیاط کی تاکید فرمائی ہے۔ افسوس ہے کہ اس تعلیم و ہدایت سے فی زمانہ ہمارے دینی حلقوں میں بھی

بڑی بے پروائی برتی جارہی ہے۔نعوذ باللہ من شرور انفسنا.

عَنِ الْمِقْدَادِ بْنِ الْاَسْوَدِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا رَأَیْتُمُ الْمَدَّاحِیْنَ فَاحْثُوْا فِیْ وُجُوْھِھِم التُّرابَ. (رواہ مسلم)

حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب تم ''مداحین'' (بہت زیادہ تعریف کرنیوالوں) کو دیکھوتو ان کے منہ پر خاک ڈال دو۔(صحیح مسلم)

تشریح......اس حدیث میں ''مداحین'' سے غالباً وہ لوگ مراد ہیں جو لوگوں کی خوشامد اور چاپلوسی کے لئے اور پیشہ وارانہ طور پر ان کی مبالغہ آمیز تعریفیں اور ان کی قصیدہ خوانی کیا کرتے ہیں، اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ جب ایسے لوگوں سے سابقہ پڑے اور وہ تمہارے منہ پر تمہاری مبالغہ آمیز تعریفیں کریں تو ان کے منہ پر خاک ڈال دو۔اس کا مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اظہار ناراضگی کے طور پر ان کے منہ پر حقیقۃً خاک ڈال دو۔دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ انہیں کسی قسم کا انعام واکرام کچھ نہ دو گویا ''منہ پہ خاک ڈالنے'' کا مطلب انہیں کچھ نہ دینا اور محروم ونامراد واپس کر دینا ہے اور بلاشبہ یہ بھی ایک محاورہ ہے۔تیسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ ان مداحین سے کہہ دو کہ تمہارے منہ میں خاک! گویا یہ کہنا ہی ان کے منہ میں خاک ڈالنا ہے۔حدیث کے راوی حضرت مقداد بن الاسود سے مروی ہے کہ ایک دفعہ ایک آدمی نے ان کی موجودگی میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے ان کی تعریف کی تو انہوں نے اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے مٹی زمین سے اٹھا کے اس شخص کے منہ پر پھینک ماری۔زمانہ مابعد کے بعض اکابر سے بھی اسی طرح کے واقعات مروی ہیں۔

واضح رہے کہ اگر اچھی نیت اور کسی دینی مصلحت سے کسی بندۂ خدا کی سچی تعریف اس کے سامنے یا اس کے پیچھے کی جائے اور اس کا خطرہ نہ ہو کہ وہ اعجاب نفس اور اپنے بارے میں کسی غلط قسم کی خوش فہمی میں مبتلا ہو جائے گا تو ایسی تعریف کی ممانعت نہیں ہے۔بلکہ انشاء اللہ اچھی نیت کے مطابق وہ اس پر اجر وثواب کا مستحق ہوگا،خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض صحابہ کی اور بعض صحابہ کرام نے بعض دوسرے صحابیوں کی جو روح وتعریف کبھی کی ہے وہ اسی قبیل سے ہے۔

شعر وسخن

اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں اور اس سے پہلے بھی شعر وشاعری عام تھی اور شاذونادر ہی ایسے لوگ تھے جو اس کا ذوق نہ رکھتے ہوں،لیکن خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس سے بالکل مناسبت نہ تھی۔بلکہ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ مشیت الٰہی نے خاص حکمت کے تحت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس سے بالکل محفوظ رکھا۔سورہ یٰسین شریف میں فرمایا گیا ہے:

وَمَا عَلَّمْنَاہُ الشِّعْرَ وَمَا یَنْبَغِیْ لَہٗ. (یٰسٓ، ۳۶:۶۹)

ہم نے اپنے نبی کو شعر وشاعری کا علم نہیں دیا اور وہ ان کیلئے مناسب اور سزاوار نہیں تھا۔

علاوہ ازیں جس قسم کی شعر وشاعری کا وہاں عام رواج تھا اور یہ شاعر جس سیرت وکردار کے ہوتے تھے قرآن مجید میں اس کی مذمت کی گئی ہے۔ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ، اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِىْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ، وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَالَا يَفْعَلُوْنَ. (الشعراء، ۲۷: ۲۲۴، ۲۲۶)

اوران شاعروں کا حال یہ ہے کہ بے راہ اور بدچلن لوگ ہی ان کی راہ چلتے ہیں، کیا تم نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے ہیں اور جو نہیں کرتے وہ کہتے ہیں۔

بعض صحابہ نے شعروشاعری کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا وہ مطلقاً قابل مذمت ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایسا نہیں ہے بلکہ اگر شعر کا مضمون اچھا ہے تو وہ اچھا ہے اور اگر برا ہے تو وہ برا ہے۔اور بعض موقعوں پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ بعض اشعار تو بڑے حکیمانہ ہوتے ہیں۔

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَصْدَقُ كَلِمَةٍ قَالَهَا الشَّاعِرُ كَلِمَةُ لَبِيْدٍ "اَلَا كُلُّ شَيْئٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ". (رواه البخاری ومسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سب سے زیادہ سچی بات جو کسی شاعر نے کہی ہے وہ لبید بن ربیعہ شاعر کی یہ بات (یعنی یہ مصرع) ہے: الا کل شیئ ما خلااللہ باطل۔" (آگاہی ہو کہ اللہ کے سوا ہر چیز فانی ہے) (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح...... یہ لبید زمانہ جاہلیت کا مشہور و مقبول شاعر تھا، لیکن اس کی شاعری اس زمانہ میں بھی خدا پرستانہ اور پاکیزہ تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے مصرعہ "اَلَا كُلُّ شَيْئٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ." کو شعر کی دنیا کا سب سے سچا کلمہ" اس لئے فرمایا کہ یہ قرآن مجید کے اس ارشاد کے بالکل ہم معنی ہے۔"كُلُّ شَيْئٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ." اس کے ساتھ کا دوسرا مصرعہ یہ ہے۔"وَكُلُّ شَيْئٍ لَا مَحَالَةَ زَائِلٌ." (یعنی یہاں کی ہر نعمت ایک دن ختم ہو جانے والی ہے۔)

یہ شعر لبید کے جس قصیدہ کا ہے وہ انہوں نے اپنے دور جاہلیت ہی میں کہا تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے قبول اسلام کی توفیق عطا فرمائی۔ روایات میں ہے کہ اسلام قبول کر لینے کے بعد شعروشاعری کا مشغلہ بالکل چھوٹ گیا اور کہا کرتے تھے کہ "يَكْفِيْنِىْ الْقُرآنَ." (بس اب قرآن میرے لئے کافی ہے) اللہ تعالیٰ نے بہت طویل عمر بھی عطا فرمائی۔ حافظ ابن حجر کے بیان کے مطابق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ۱۵۶ سال کی عمر میں وفات پائی (فتح الباری ص ۴۲۹ ج ۱۵) رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

ظرافت ومزاح

ظرافت ومزاح بھی انسانی زندگی کا ایک خوش کن عنصر ہے اور جس طرح اس کا حد سے متجاوز ہونا نازیبا اور مضر ہے اسی طرح آدمی کا اس سے بالکل خالی ہونا بھی ایک نقص ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اگر کسی بلند پایہ اور مقدس شخصیت کی طرف سے چھوٹی اور معمولی حیثیت کے کسی آدمی کے ساتھ لطیف ظرافت مزاح کا برتاؤ ہو تو وہ اس کے لئے ایسی مسرت اور عزت افزائی کا باعث ہوتا ہے جو کسی دوسرے طریقہ سے حاصل نہیں کی جاسکتی۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی کبھی کبھی اپنے جاں نثاروں اور نیازمندوں سے مزاح فرماتے تھے اور یہ ان کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کی نہایت لذت بخش شفقت ہوتی تھی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مزاح بھی نہایت لطیف اور حکیمانہ ہوتا تھا۔

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِامْرَأَةٍ عَجُوْزٍ اِنَّهُ لَا تَدْخُلُ الْجَنَّةَ عَجُوْزٌ فَقَالَتْ وَمَا لَهُنَّ؟ وَكَانَتْ تَقْرَءُ الْقُرْآنَ فَقَالَ لَهَا اَمَا تَقْرَئِيْنَ الْقُرْآنَ اِنَّا اَنْشَاْنَاهُنَّ اِنْشَاءً فَجَعَلْنَاهُنَّ اَبْكَارًا. (رواه زرين)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بوڑھی عورت سے فرمایا کہ ''کوئی بڑھیا جنت میں نہیں جائے گی۔ اس (بے چاری) نے عرض کیا کہ ان میں (یعنی بوڑھیوں میں) کیا ایسی بات ہے جس کی وجہ سے وہ جنت میں نہیں جاسکیں گی؟ وہ بوڑھی قرآن خواں تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا تم قرآن میں یہ آیت نہیں پڑھتی ہو۔ ''اِنَّا اَنْشَاْنَا هُنَّ اِنْشَاءً فَجَعَلْنَا هُنَّ اَبْكَارًا.'' (جس کا مطلب یہ ہے کہ جنت کی عورتوں کی ہم نئے سرے سے نشو ونما کریں گے اور ان کو نوخیز دوشیزائیں بنادیں گے۔ (مسند زرین)

تشریح...... حضرت انس رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لطیف مزاح کی مثال ہے۔ بعض حدیثوں میں مزاح کی ممانعت بھی وارد ہوئی ہے لیکن اس حدیث میں اس کا قرینہ موجود ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو اسوۂ حسنہ اس بارے میں مندرجہ بالا حدیث سے معلوم ہوا ہے وہ بھی اس کا قرینہ بلکہ اس کی واضح دلیل ہے کہ ممانعت اسی مزاح کی فرمائی گئی ہے جو دوسرے آدمی کیلئے ناگواری اور اذیت کا باعث ہو۔

خوش طبعی اور مسکراہٹ

ہنسی کے موقع پر ہنسانا یا مسکرانا بھی انسانی فطرت کا تقاضا ہے اور اس میں قطعاً کوئی خیر نہیں ہے کہ آدمی کے لبوں پر کبھی مسکراہٹ بھی نہ آئے اور وہ ہمیشہ ''عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا'' ہی بنا رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت شریفہ اللہ کے بندوں اور اپنے مخلصوں سے ہمیشہ مسکرا کر ملنے کی تھی، ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ رویہ اور برتاؤ ان لوگوں کے لئے کیسی قلبی وروحانی مسرت کا باعث ہوتا ہوگا اور اس کی وجہ سے ان کے اخلاص ومحبت میں کتنی ترقی ہوتی ہوگی۔

عَنْ جَرِيْرٍ قَالَ مَا حَجَبَنِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُنْذُ اَسْلَمْتُ وَلَا رَانِيْ اِلَّا تَبَسَّمَ. (رواه البخاری ومسلم)

حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب سے مجھے اسلام نصیب ہوا کبھی ایسا نہیں ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے (خدمت میں) حاضری سے روکا ہو، اور جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبسم فرمایا (یعنی ہمیشہ مسکرا کر ملے) (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح...... ''مَا حَجَبَنِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ'' کا مطلب بظاہر یہی ہے کہ جب بھی میں نے حاضر خدمت ہونا چاہا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت عطا فرمائی اور شرف ملاقات بخشا، ایسا کبھی نہیں ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ہو۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَارَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُسْتَجْمِعاً ضَاحِكاً حَتّٰى اَرٰى مِنْهُ لَهَوَاتِهٖ اِنَّمَا كَانَ يَتَبَسَّمُ. (رواه البخاری)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کبھی پوری طرح (کھل کھلاتے) ہنستا ہوا نہیں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دہن مبارک کا اندرونی حصہ نظر پڑ جاتا۔ (یعنی آپ اس طرح کھل کھلا کر اور قہقہہ لگا کر کبھی نہیں ہنستے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دہن مبارک کا اندرونی حصہ نظر آ سکتا) بس تبسم فرماتے تھے۔ (صحیح بخاری)

تشریح...... بعض روایات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہنسنے کو "ضحک" سے بھی تعبیر کیا گیا ہے یعنی اس سے مراد وہی ہنسنا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت شریفہ تھی، یعنی مسکرانا، البتہ کبھی کبھی جب ہنسی کا غلبہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس طرح بھی مسکراتے تھے کہ دہن مبارک کسی قدر کھل جاتا تھا، چنانچہ بعض روایات میں ہے "ضَحِكَ حَتّٰى بَدَتْ نَوَاجِذُهٗ" (آپ کو ایسی ہنسی آئی کہ اندر کی ڈاڑھیں بھی ظاہر ہو گئیں)

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقُوْمُ مِنْ مُصَلَّاهُ الَّذِيْ يُصَلِّي فِيْهِ الصُّبْحَ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَإِذَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ نَامَ وَكَانُوْا يَتَحَدَّثُوْنَ فَيَأْخُذُوْنَ فِيْ اَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ فَيَضْحَكُوْنَ وَيَتَبَسَّمُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (رواہ مسلم)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا کہ فجر کی نماز جس جگہ پڑھتے تھے آفتاب طلوع ہونے تک وہاں سے نہیں اٹھتے تھے، پھر جب آفتاب طلوع ہو جاتا تو کھڑے ہو جاتے۔ اور (اس اثناء میں) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ زمانہ جاہلیت کی باتیں (بھی) کیا کرتے اور اس سلسلے میں خوب ہنستے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بس مسکراتے رہتے۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کبھی کبھی مسجد نبوی میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس مبارک میں بھی زمانہ جاہلیت کی ایسی لغویات وخرافات کا بھی تذکرہ کیا کرتے تھے جن پر خوب ہنسی آتی تھی۔ اور جامع ترمذی کی اسی حدیث کی روایت میں یہ الفاظ مزید ہیں "وَيَتَنَاشَدُوْنَ الشِّعْرَ" (یعنی اس سلسلہ گفتگو میں اشعار بھی پڑھے اور سنائے جاتے تھے) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ سب کچھ سنتے اور اس پر تبسم فرماتے تھے۔

قتادہ تابعی نے بیان فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب ہنسا بھی کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا:

نَعَمْ وَالْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِهِمْ اَعْظَمُ مِنَ الْجَبَلِ.

ہاں۔ بے شک! وہ حضرات (ہنسنے کے موقع پر) ہنستے بھی تھے لیکن اس وقت بھی ان کے قلوب میں ایمان پہاڑوں سے عظیم تر ہوتا تھا۔ (یعنی ان کا ہنسنا غافلین کا سا ہنسنا نہیں ہوتا تھا جو قلوب کو مُردہ کر دیتا ہے) اور بلال بن سعد کا بیان ہے:

اَدْرَكْتُهُمْ يَشْتَدُّوْنَ بَيْنَ الْاَغْرَاضِ وَيَضْحَكُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ فَاِذَا كَانَ اللَّيْلُ كَانُوْا رُهْبَانًا.

میں نے صحابہ کرام کو دیکھا ہے وہ مقررہ نشانیوں کے درمیان دوڑا بھی کرتے تھے (جس طرح بچے اور نوجوان کھیل اور مشق کیلئے دوڑ میں مقابلہ کیا کرتے ہیں) اور باہم ہنسنے ہنساتے بھی تھے، پھر جب رات ہو جاتی تو بس درویش ہو جاتے۔

چھینکنے اور جمائی کے احکام

چھینکنا اور جمائی لینا بھی انسانی فطرت کے لوازم میں سے ہے، ان کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چند حدیثیں ذیل میں پڑھیے:

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا عَطَسَ اَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلْيَقُلْ اَخُوْهُ اَوْ صَاحِبُهُ يَرْحَمُكَ اللهُ فَاِذَا قَالَ لَهُ يَرْحَمُكَ اللهُ فَلْيَقُلْ يَهْدِيْكُمُ اللهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ. (رواه البخاری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو اسے چاہئے کہ "اَلْحَمْدُ لِلّٰه" کہے۔ اور اس کا جو بھائی (یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس کا جو ساتھی اس کے پاس) ہو وہ کہے "يَرْحَمُكَ الله" (تم پر اللہ کی رحمت) اور جب یہ بھائی "يَرْحَمُكَ الله" (کا دعائیہ کلمہ) کہے تو چاہئے کہ چھینکنے والا (اس کے جواب میں یہ دعائیہ کلمہ) کہے "يَهْدِيْكُمُ اللهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ" (اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت سے نوازے اور تمہارے حالات درست فرمادے)۔ (صحیح بخاری)

تشریح...... چھینک آنے کے ذریعہ ایسی رطوبت اور ایسے بخارات دماغ سے نکل جاتے ہیں جو اگر نہ نکلیں تو کسی تکلیف یا بیماری کا باعث بن جائیں اس لئے صحت واعتدال کی حالت میں چھینک کا آنا گویا اللہ تعالیٰ کا ایک فضل ہے۔ اس لئے ہدایت فرمائی گئی ہے کہ جس کو چھینک آئے وہ "اَلْحَمْدُ لِلّٰه" کہے اور جو کوئی اس کے پاس ہو وہ کہے "يَرْحَمُكَ الله" (یعنی یہ چھینک تمہارے لئے خیر و برکت کا ذریعہ بنے) اور پھر چھینکنے والا اس دعا دینے والے بھائی کو کہے "يَهْدِيْكُمُ اللهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ"۔

ذرا غور کیا جائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس تعلیم وہدایت نے ایک چھینک کو اللہ کی کتنی یاد اور کتنی رحمتوں کا وسیلہ بنا دیا۔

عَنْ نَافِعٍ اَنَّ رَجُلًا عَطَسَ اِلٰى جَنْبِ ابْنِ عُمَرَ فَقَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ قَالَ ابْنُ عُمَرَ وَاَنَا اَقُوْلُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ وَلَيْسَ هٰكَذَا عَلَّمَنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نَقُوْلَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ. (رواه الترمذی)

حضرت نافع سے روایت ہے کہ ایک شخص کو جو حضرت عبداللہ بن عمر کے برابر میں بیٹھے تھے چھینک آئی تو انہوں نے کہا "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ" تو حضرت ابن عمر نے فرمایا کہ میں بھی کہتا ہوں "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ" (یعنی یہ کلمہ بجائے خود مبارک ہے اور میں بھی کہتا ہوں) لیکن (چھینکنے کے وقت) اس طرح نہیں کہا جاتا ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تعلیم دی ہے کہ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ" کہا کریں۔ (جامع ترمذی)

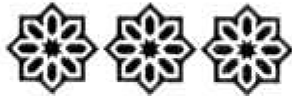
تشریح...... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چھینک آنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس طرح "الحمد للہ" کہنا تعلیم فرمایا ہے، اسی طرح "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ" کی بھی تعلیم دی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر کے اس ارشاد

سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خاص موقعوں کے لئے ذکر یا دعا کے جو مخصوص کلمے تعلیم فرمائے ہیں اس میں اپنی طرف سے کوئی اضافہ نہ کرنا چاہئے اگر چہ معنوی حیثیت سے وہ اضافہ صحیح ہی کیوں نہ ہو۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا تَثَاءَ بَ اَحَدُکُمْ فَلْیُمسِکْ بِیَدِہٖ عَلٰی فَمِہٖ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ یَدْخُلُ. (رواہ مسلم)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو جمائی آئے تو چاہئے کہ وہ اپنا ہاتھ رکھ کے منہ بند کر لے، کیونکہ شیطان داخل ہو جاتا ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... واقعہ یہ ہے کہ جمائی لینے میں آدمی کا منہ بہت بدنما انداز میں کھل جاتا ہے اور ہاہا کی مکروہ آواز منہ سے نکلتی ہے اور چہرہ کی قدرتی شکل بدل کر ایک بدنما ہیئت ہو جاتی ہے۔ ان چیزوں کے انسداد کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث میں ہدایت فرمائی ہے کہ جب جمائی آئے تو ہاتھ سے منہ کو بند کر لینا چاہئے۔ اس طرح کرنے سے منہ کھلے گا بھی نہیں اور وہ مکروہ آواز بھی پیدا نہیں ہوگی اور چہرہ کی ہیئت بھی زیادہ نہیں بگڑے گی۔ حدیث کے آخر میں شیطان کے داخل ہونے کا جو ذکر فرمایا گیا ہے، شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ اس سے اس کا حقیقی داخلہ بھی مراد ہو سکتا ہے (جس کی حقیقت ہم نہیں جانتے) اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ایسی حالت میں شیطان کو وسوسہ اندازی کا زیادہ موقع ملتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اس کی شرح یہ کی ہے کہ جب جمائی لیتے وقت آدمی کا منہ پوری طرح کھل جاتا ہے تو شیطان کسی مکھی مچھر جیسی چیز کو اڑا کر اس کے منہ میں داخل کر دیتا ہے واللہ اعلم۔ (حجۃ اللہ البالغہ ص ۲۰۰ ج ۲ (آداب الصحبہ)



کھانے پینے کے احکام وآداب

کھانے پینے سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات وہدایات کو دوحصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ایک وہ جن میں ماکولات ومشروبات یعنی کھانے پینے کی چیزوں کی حلت یا حرمت بیان فرمائی گئی ہے۔دوسرے وہ جن میں خورد ونوش کے وہ آداب سکھائے گئے ہیں جن کا تعلق تہذیب وسلیقہ اور وقار سے ہے، یا ان میں طبی مصلحت ملحوظ ہے، یا وہ اللہ کے ذکر وشکر کے قبیل سے ہیں، اور ان کے ذریعہ کھانے پینے کے عمل کو جو بظاہر خالص مادی عمل ہے اور نفس کے تقاضے سے ہوتا ہے نورانی اور تقرب الی اللہ کا ذریعہ بنادیا جاتا ہے۔

ماکولات ومشروبات کی حلت وحرمت کے بارے میں بنیادی بات وہ ہے جس کو قرآن مجید نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے "يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰئِثَ" (سورۂ اعراف رکوع ۱۹) (یہ نبی اُمی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اچھی اور پاکیزہ چیزوں (اَلطَّيِّبَات) کو اللہ کے بندوں کے لئے حلال بتلاتے ہیں اور خراب اور گندی چیزوں (اَلْخَبَائِث) کو حرام قرار دیتے ہیں)

قرآن وحدیث میں کھانے پینے کی چیزوں کی حلت وحرمت کے جو احکام ہیں وہ دراصل اسی آیت کے اجمال کی تفصیل ہے۔جن چیزوں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ کے حکم سے حرام قرار دیا ہے ان میں فی الحقیقت کسی نہ کسی پہلو سے ظاہری یا باطنی خباثت اور گندگی ضرور ہے، اسی طرح جن چیزوں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حلال قرار دیا ہے وہ بالعموم انسانی فطرت کے لئے مرغوب اور پاکیزہ ہیں، اور غذا کی حیثیت سے نفع بخش ہیں۔

میتہ یعنی وہ جانور جو اپنی موت مرچکا ہو، خون یعنی وہ لہو جو رگوں سے نکلا ہو، خنزیر جو ایک ملعون اور خبیث جانور ہے، اور وہ جانور جو غیر اللہ کی نذر کیا گیا ہو، (وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ) یہ سب وہ چیزیں تھیں جن کو عرب کے کچھ طبقات کھاتے تھے، حالانکہ پہلی آسمانی شریعتوں میں بھی ان کو حرام قرار دیا گیا تھا، اسی لئے قرآن مجید میں صراحت کیساتھ اور بار بار ان کی حرمت کا اعلان کیا گیا۔

میتہ یعنی مرے ہوئے جانور کے حرام ہونے کی وجہ ظاہر ہے کہ انسان کی فطرت سلیمہ اس کو کھانے کے قابل نہیں سمجھتی بلکہ اس سے گھن کرتی ہے۔اور طبی حیثیت سے بھی وہ مضر ہے کیونکہ جیسا کہ علماء طب نے کہا ہے حرارت غریزیہ کے گھٹ جانے اور خون کے اندر ہی جذب ہوجانے سے اس میں سمیت کا اثر آجاتا ہے۔

خون یعنی لہو کا بھی یہی حال ہے کہ فطرت سلیمہ اس کو کھانے کی چیز نہیں سمجھتی اور شریعت میں اس کو قطعاً ناپاک اور نجس العین قرار دیا گیا ہے۔

اور خنزیر وہ ملعون مخلوق ہے کہ جب اللہ کے غضب وجلال نے بعض سخت مجرم اور بدکردار قوموں کو مسخ کرنے کا فیصلہ فرمایا تو ان کو خنزیروں اور بندروں کی شکل میں مسخ کیا گیا (فَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ) اس سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں جانور انتہائی خبیث وملعون ہیں اور خدا کی لعنت وغضب کا مظہر ہیں، اس لئے ان کو قطعی حرام قرار دیا گیا۔البتہ چونکہ بندر کو غالباً

دنیا کی کوئی قوم نہیں کھاتی اور اس طرح گویا اس کی حرمت پر انسانوں کے تمام طبقات اور اقوام و ملل کا اتفاق ہے اسلئے قرآن مجید میں اس کی حرمت پر خاص زور نہیں دیا گیا، بخلاف خنزیر کے کہ بہت سی قوموں نے خاص کر حضرت مسیح علیہ السلام کی امت نے اس کو اپنی مرغوب غذا بنالیا ہے اس لئے قرآن پاک میں اس کی حرمت کا بار بار اور شدت و تاکید سے اعلان فرمایا گیا۔ اور احادیث صحیحہ میں وارد ہے کہ جب آخری زمانہ میں حضرت مسیح علیہ السلام کا نزول ہوگا تو وہ صلیب شکنی کے ساتھ دنیا کو خنزیر کے وجود سے پاک کرنے کا بھی حکم دیں گے (ویقتل الخنزیر) اور اسی وقت اس بات کا پورا ظہور ہوگا کہ ان کے نام لیوا عیسائیوں نے خنزیر کو اپنی مرغوب غذا بنا کر ان کی تعلیم اور تمام انبیاء علیہم السلام کی شریعت کی کیسی مخالفت کی ہے۔

اور وہ جانور جس کو غیر اللہ کی نذر کر دیا گیا ہو جس کو قرآن مجید میں "فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللهِ بِهٖ" کے عنوان سے ذکر فرمایا گیا ہے۔ اس کی حرمت کی وجہ یہ ہے کہ اس میں نذر کرنے والے کی مشرکانہ نیت اور اس کے اعتقادی شرک کی نجاست و خباثت سرایت کر جاتی ہے اس لئے وہ جانور بھی حرام ہو جاتا ہے۔

الغرض یہ چار چیزیں وہ ہیں جن کی حرمت کا اعلان اہتمام اور صراحت کے ساتھ خود قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے۔ ان کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے وہ گویا اسی حکم الٰہی کا تکملہ ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ كُلِّ ذِىْ نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ وَكُلِّ ذِىْ مِخْلَبٍ مِنَ الطَّيْرِ. (رواہ مسلم)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ہر کچلی والے درندے اور ہر چنگل گیر (یعنی شکاری پنجہ والے پرندے کے کھانے سے) (صحیح مسلم)

تشریح...... وہ سب درندے جو منہ سے اور دانتوں سے شکار کرتے ہیں، جیسے شیر، چیتا، بھیڑیا، اسی طرح کتا اور بلی ان سب کے وہ نکیلا دانت ہوتا ہے جس کو عربی میں "ناب" اور اردو میں کچلی اور کیلا کہتے ہیں، وہی ان درندوں کا خاص جارحہ اور ہتھیار ہے۔ اسی طرح جو پرندے شکار کرتے ہیں جیسے باز، چیل اور شاہین ان کا جارحہ وہ پنجہ ہوتا ہے جس سے جھپٹا مار کر بے چارے شکار کو یہ اپنی گرفت میں لے لیتے ہیں۔

حدیث کا مطلب اور حاصل یہ ہے کہ درندوں کی قسم کے سب چوپائے جن کے منہ میں کچلی ہوتی ہے اور جو شکار کرتے ہیں اور اسی طرح شکاری پرندے جو ذی مخلب یعنی پنجہ سے جھپٹا مار کر شکار کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سب کے کھانے سے منع فرمایا، یعنی حکم دیا کہ ان کو نہ کھایا جائے۔ یہ بھی محرمات اور خبائث میں شامل ہیں۔

عَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ اَكْلِ الْهِرَّةِ وَاَكْلِ ثَمَنِهَا. (رواہ ابوداؤد والترمذی)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلی کے کھانے سے منع فرمایا ہے اور اس کی قیمت کے کھانے سے بھی ممانعت فرمائی۔ (سنن ابی داؤد، ترمذی)

تشریح...... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بلی بھی محرمات میں سے ہے، اور ہونا بھی یہی چاہئے کیونکہ وہ بھی ایک درندہ ہے۔ نیز

اسی حدیث میں بلی کی قیمت کھانے سے بھی منع فرمایا گیا ہے، علماء اور شارحین کے نزدیک اس کی ممانعت کا مطلب کراہت ہے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اَكْلِ الْجَلَّالَةِ وَاَلْبَانِهَا. (رواہ الترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جلالہ (نجاست خور جانور) کے کھانے اور اس کا دودھ پینے سے منع فرمایا۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... کبھی کبھی بعض جانور اونٹ، گائے، بکری وغیرہ کا مزاج ایسا بگڑ جاتا ہے کہ وہ نجاست اور غلاظت ہی کھاتے ہیں یہاں تک کہ ان کے گوشت اور دودھ میں اس کی بدبو محسوس ہونے لگتی ہے۔ ایسے ہی جانور کو جلالہ کہا جاتا ہے، اس حدیث میں اس کا گوشت کھانے اور دودھ کھانے پینے سے منع فرمایا گیا ہے۔ اگر کسی مرغی کا یہ حال ہو تو اس کا حکم بھی یہی ہے۔ ہاں اگر اس جانور کو اتنی مدت تک باندھ کے اور پابند کر کے نجاست کھانے سے باز رکھا جائے کہ اس کے گوشت اور دودھ میں کوئی اثر باقی نہ رہے تو پھر اس کا گوشت کھانا یا دودھ پینا جائز ہوگا۔ اب وہ گوشت اور دودھ ''جلالہ'' کا نہیں رہا۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَاَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نَهٰى عَنْ شَرِيْطَةِ الشَّيْطَانِ زَادَ ابْنُ عِيْسٰى وَهِىَ الذَّبِيْحَةُ مِنْهُ الْجِلْدُ وَلَا تُفْرٰى الْاَوْدَاجُ ثُمَّ تُتْرَكُ حَتّٰى تَمُوْتَ. (رواہ ابوداؤد)

حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ''شریط شیطان'' کے کھانے سے حدیث کے راوی ابن عیسیٰ نے (لفظ ''شریطہ شیطان'' کی تشریح میں) یہ اضافہ کیا ہے کہ اس سے مراد وہ ذبح کیا ہوا جانور ہے جس کے اوپر سے صرف کھال کاٹ دی جائے اور گلے کی رگیں (جن سے خون جاری ہوتا ہے) نہ کاٹی جائیں اور یوں ہی چھوڑ دیا جائے یہاں تک کہ مر جائے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ یہ سنگدلانہ فعل بھی ناجائز و حرام ہے، کیونکہ اس سے جانور کو جو اللہ کی مخلوق ہے، بے ضرورت اور بہت دیر تک سخت تکلیف واذیت ہوتی ہے اور اس طرح ذبح کیا ہوا جانور بھی مردار کے حکم میں ہے اور اس کا کھانا حرام ہے۔ اس طرح ذبح کئے ہوئے جانور کو ''شریطہ شیطان'' کہا گیا ہے جس کے معنی ہیں شیطان کا گھائل کیا ہوا، گویا جانور کو ذبح کرنے کا یہ طریقہ شیطان کا سکھایا ہوا ہے۔

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ شِبْلٍ اَنَّ النَّبِىَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نَهٰى عَنْ اَكْلِ لَحْمِ الضَّبِّ. (رواہ ابوداؤد)

عبدالرحمٰن بن شبل سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گوہ کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح...... اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ گوہ حلال جانوروں میں سے نہیں ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے۔ آئمہ مجتہدین میں سے امام ابوحنیفہؒ کا قول یہی ہے، لیکن دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا گوشت کھانا ناجائز نہیں ہے، اس بناء پر دوسرے اکثر آئمہ نے اس کو جائز اور حلال کہا ہے۔

عَنِ ابْنِ اَبِىْ اَوْفٰى قَالَ غَزَوْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سَبْعَ غَزَوَاتٍ كُنَّا نَاْكُلُ مَعَهُ الْجَرَادَ. (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں سات

غزوے کئے ہیں (یعنی سات غزووں میں ہمیں آپ کی معیت اور رفاقت نصیب ہوئی ہے) ہم ان غزوؤں میں آپ کے ساتھ رہ کر ٹڈیاں بھی کھاتے تھے۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح...... سنن ابی داؤد میں سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ٹڈیوں کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اَكْثَرُ جُنُوْدِ اللهِ لَا اٰكُلُهٗ وَلَا اُحَرِّمُهٗ. " (اللہ کی بہت سی مخلوق یعنی بہت سے جانور ایسے ہیں کہ میں ان کو خود تو نہیں کھاتا لیکن ان کو حرام نہیں بتلاتا) مطلب یہ کہ وہ حلال ہیں، لوگ ان کو کھا سکتے ہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود ٹڈی نہیں کھاتے تھے۔ اس کی روشنی میں شارحین نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفی کی مندرجہ بالا حدیث کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ صحابہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ غزوات میں ٹڈیاں بھی کھاتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منع نہیں فرماتے تھے۔ اس مطلب کا ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ حضرت ابن ابی اوفی والی اس حدیث کی صحیح مسلم اور جامع ترمذی وغیرہ کی روایات میں "معہ" کا لفظ نہیں ہے، بلکہ آخری الفاظ یہ ہیں "كنانا كل الجراد". واللہ اعلم۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ غَزَوْتُ جَيْشَ الْخَبَطِ وَاُمِّرَ اَبُوْ عُبَيْدَةَ فَجُعْنَا جُوْعًا شَدِيْدًا فَاَلْقَى الْبَحْرُ حُوْتًا مَيِّتًا لَمْ نَرَ مِثْلَهٗ يُقَالُ لَهُ الْعَنْبَرُ فَاَكَلْنَا مِنْهَا نِصْفَ شَهْرٍ فَاَخَذَ اَبُوْ عُبَيْدَةَ عَظْمًا مِنْ عِظَامِهٖ فَمَرَّ الرَّاكِبُ تَحْتَهٗ فَلَمَّا قَدِمْنَا ذَكَرْنَا لِلنَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم فَقَالَ رِزْقًا اَخْرَجَهُ اللهُ اِلَيْكُمْ وَاَطْعِمُوْنَا اِنْ كَانَ مَعَكُمْ قَالَ فَاَرْسَلْنَا اِلٰى رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم مِنْهُ فَاَكَلَهٗ. (رواه البخارى ومسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں "جَيْشُ الْخَبَطِ" کے جہاد میں شریک تھا اور ابوعبیدہ اس لشکر کے امیر بنائے گئے تھے (غذا کا کچھ سامان نہ ہونے کی وجہ سے اس سفر جہاد میں) ہم سخت بھوک میں گرفتار ہو گئے۔ تو سمندر نے ایک مچھلی پھینکی یہ مر چکی تھی ہم نے ایسی (یعنی اتنی بڑی) مچھلی کبھی نہیں دیکھی تھی، اس کا نام عنبر بتلایا جاتا تھا، ہم سب نے (یعنی پورے لشکر نے) اس کو آدھے مہینہ تک کھایا، پھر ابوعبیدہ نے اس کی ہڈیوں میں سے ایک ہڈی (غالباً پسلی) اٹھا کے کھڑی کی تو اونٹ کا سوار اس کے نیچے سے نکل گیا، پھر جب ہم سفر سے مدینہ واپس آئے تو ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا ذکر کیا (اور پوچھا کہ ہمارا اس کو کھانا درست تھا یا نہیں) تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کھاؤ، اللہ تعالیٰ کا عطیہ (اور تحفہ) جو اللہ نے تمہارے واسطے نکالا تھا، اور اگر اس میں سے کچھ تمہارے ساتھ ہو تو ہمیں بھی کھلاؤ (جابر کہتے ہیں کہ) ہم نے اس میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے بھی بھیجا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو تناول فرمایا۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح...... اس حدیث میں جس واقعہ کا ذکر کیا گیا ہے وہ ۶ھ کی ایک جہادی مہم کا واقعہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تقریباً تین سو مجاہدین کا ایک لشکر روانہ فرمایا تھا، اس کا امیر حضرت ابوعبیدہؓ کو بنایا گیا تھا، پورے لشکر کے کھانے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف ایک بورا کھجوریں حضرت ابوعبیدہ کو دی تھیں، اس وقت اتنا ہی بندوبست ہو سکا تھا، ابوداؤد وغیرہ کی اس واقعہ کی روایت میں ہے کہ ابوعبیدہ روزانہ ہر لشکری کو اس بورے میں سے صرف ایک کھجور دیتے تھے، اور یہ اللہ کے

سپاہی اسی پر گزارہ کرتے تھے، خود اس لشکر کے بعض حضرات نے بیان کیا ہے کہ ہم اس ایک کھجور کو منہ میں دیر تک رکھ کر اس طرح چوستے تھے جس طرح ننھے بچے چوستے ہیں اور اوپر سے پانی پی لیتے تھے، بس یہی دن بھر کے لئے کافی ہو جاتا تھا۔ پھر وہ کھجوریں ختم ہو گئیں تو درختوں سے پتے جھاڑ کے اور انہیں پانی سے تر کر کے کھانے لگے، اس سے ہمارے منہ زخمی ہو گئے اور سوج گئے، اس لشکر کو "جیش الخبط" کے نام سے اسی لئے یاد کیا جاتا ہے۔ خبط کے معنی درخت سے پتے جھاڑنے کے ہیں۔

ابوداؤد وغیرہ کی روایت میں حضرت جابرؓ ہی کا بیان ہے کہ اسی حال میں ہم سمندر کے کنارے سے قریب چل رہے تھے کہ ہمیں ایک ٹیلہ یا ایک پہاڑی سی نظر پڑی، قریب پہنچے تو دیکھا کہ وہ سمندر کا پھینکا ہوا ایک مچھلی نما جانور ہے اور مرا ہوا ہے، حضرت ابوعبیدہ کو اس کے حلال ہونے کے بارے میں شک ہوا، بعد میں انہوں نے سوچا کہ ہم اللہ کے کام کے لئے نکلے ہیں اور اس کے رسول کے بھیجے ہوئے ہیں، اور کھانے کے لئے ہمارے پاس کچھ نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ ہماری غذا کا سامان فراہم کیا ہے، پھر اس بارے میں انہیں شرح صدر ہو گیا تو انہوں نے لشکر کو اس کے کھانے کی اجازت دیدی۔ اور صحیحین کی اس روایت کے بیان کے مطابق پورے لشکر نے اس کو آدھے مہینے تک کھایا۔ اور دوسری بعض روایات میں ہے کہ اس کو ایک مہینہ تک کھایا گیا۔

اس عاجز کے نزدیک ان دونوں باتوں میں مطابقت اس طرح ہے کہ لشکر کا قیام آدھے مہینہ کے قریب اسی علاقہ میں رہا اور ان دنوں میں وہی مچھلی خوب فراوانی سے کھائی جاتی رہی، اس کے بعد واپسی ہوئی اور تقریباً آدھے مہینہ میں مدینہ پہنچے، ان دنوں میں بھی اسی سے کچھ کام چلتا رہا، تو جن روایات میں آدھے مہینہ تک کھائے جانے کا ذکر ہے ان میں صرف سفر واپسی سے پہلے دنوں کا ذکر کیا گیا ہے، جبکہ پورا لشکر فراوانی سے اس کو کھاتا رہا، اور جن روایات میں ایک مہینہ تک کھانے کا ذکر کیا گیا ان میں واپسی کا زمانہ بھی شامل کر لیا گیا ہے، کیونکہ ان دنوں میں بھی اس کو بطور غذا کے کچھ نہ کچھ استعمال کیا جاتا رہا۔ واللہ اعلم۔

حدیث کے آخر میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ مدینہ کی واپسی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا ذکر کیا گیا اور غالباً ابوعبیدہ کے شک وشبہ کا ذکر آیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرما کر کہ "كُلُوْا رِزْقًا اَخْرَجَهُ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ." اطمینان دلایا کہ وہ تو اللہ تعالیٰ کا خاص عطیہ اور تحفہ تھا جو اس نے تمہارے ہی واسطے سمندر سے نکلوایا تھا، ایسی چیز کو تو بڑی قدر اور شکر کے ساتھ کھانا چاہئے۔
آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں کا دل خوش کرنے کیلئے اور اس عطیہ ربانی کی قدردانی کے اظہار کے لئے یہ بھی فرمایا:
"وَاَطْعِمُوْنَا اِنْ كَانَ مَعَكُمْ." (یعنی اگر اس میں سے کچھ ساتھ لائے ہو تو ہم کو بھی کھلاؤ) چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تناول فرمایا۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ سمندر کی اتنی بڑی مچھلی، جو ظاہر ہے کہ ایک عجیب وغریب مخلوق معلوم ہوتی ہو گی حلال طیب ہے۔
حدیث میں ہے کہ اس مچھلی کو عنبر کہا جاتا ہے، بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ عنبر جو بعض خاص علاقوں میں سمندر کے کنارے ملتا ہے اس مچھلی سے نکلتا ہے۔ واللہ اعلم۔

عَنْ قَبِيْصَةَ بْنِ هُلْبٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ سَاَلْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عَنْ طَعَامِ النَّصَارٰى فَقَالَ لَا يَتَخَلَّجَنَّ فِىْ صَدْرِكَ طَعَامٌ ضَارَعْتَ فِيْهِ النَّصْرَانِيَّةَ. (رواہ الترمذی)

قبیصہ بن ہلب اپنے والد ہلب طائی سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نصاریٰ کا کھانا کھانے کے بارے میں سوال کیا (کہ جائز ہے یا ناجائز؟) تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس کے کھانے کے بارے میں تمہارے دل میں کوئی خلجان نہیں ہونا چاہیے۔تم اس (تنگ نظری اور بیجا شدت پسندی میں) طریقہ نصرانیت سے مشابہ ہوگئے ہو۔(جامع ترمذی)

تشریح...... یہ ہلب طائی پہلے خود نصرانی المذہب تھے، بعد میں اللہ تعالیٰ نے ایمان و اسلام نصیب فرمایا تو ان کو نصاریٰ یعنی عیسائیوں کے ہاں کھانے اور ان کا ذبیحہ کھانے کے بارے میں تردد تھا۔انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس بارے میں دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس بارے میں تمہارے دل میں کوئی تردد اور خلجان نہیں ہونا چاہیے یعنی ہماری شریعت میں ان کا کھانا اور ذبیحہ جائز ہے۔قرآن پاک میں ان الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہے۔''وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ۔'' (سورۃ مائدہ ۵:۵) (یعنی اہل کتاب کا کھانا تمہارے واسطے حلال ہے) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ کھانے پینے میں یہ تنگ نظری اور شدت پسندی عیسائی راہبوں کا شیوہ ہے۔اگر تم وہی طریقہ اپناتے ہو تو گویا ان کی ہم رنگی اختیار کرتے ہو۔ہماری شریعت میں یہ تنگی نہیں بلکہ وسعت ہے۔وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ۔

کھانا کھانے کے آداب

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ يَا غُلَامُ سَمِّ اللّٰہَ وَكُلْ بِيَمِيْنِكَ وَكُلْ مِمَّا يَلِيْكَ

اے بچے! بسم اللہ کہو اور اپنے داہنے ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے سامنے سے کھاؤ۔(بخاری و مسلم)

تشریح: یہ عمرو بن ابی سلمہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پروردہ ربیب ہیں جو اپنی والدہ حضرت ام سلمہ (اُم المومنین) رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے تھے اور پھر آپ ہی کی پرورش و تربیت میں رہے تھے (ایسے بچے کو جو ماں کے ساتھ آکر دوسرے باپ کی پرورش میں رہے عربی زبان میں ''ربیب'' کہتے ہیں) ان کے والد محترم حضرت ابو سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزوۂ اُحد میں شہید ہوگئے تو ان کی والدہ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیوہ ہوگئیں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی دلجوئی اور عزت افزائی کے لئے ان سے نکاح کرکے ازواج مطہرات میں شامل اور حرم میں داخل فرمالیا تھا۔اس وقت سے یہ بھی منجملہ ازواج مطہرات وامہات المومنین ہوگئیں اور ان کے صاحبزادے عمرو بن ابی سلمہ آپ کے پروردہ ربیب ہوگئے۔

کسی دن کا واقعہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھانا رکھا گیا۔یہ صاحبزادے عمرو بن ابی سلمہ بھی دسترخوان پر تھے۔انہوں نے بچوں کی عادت کے مطابق فوراً ہی کھانے کے لئے ہاتھ بڑھا دیا۔تو آپ نے انہیں مخاطب فرما کر کھانے کے یہ تین آداب تعلیم فرمائے اور ارشاد فرمایا: اے بچے! کھانے سے پہلے اللہ تعالیٰ کا نام لو۔یعنی ''بسم اللہ'' کر کے کھانا کھاؤ۔کیونکہ کھانے پینے کا مسنون طریقہ یہی ہے۔اور داہنے ہاتھ سے کھاؤ۔کیونکہ بایاں ہاتھ تو نجاست وگندگی کی صفائی میں کام آتا ہے۔اسی سے استنجا کیا جاتا ہے اور ایک خاص وجہ یہ بھی ہے کہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے۔شیطان اور کافروں کی مشابہت اور ان کا طریقہ اختیار کرنا جائز نہیں ہے۔اسی لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ہدایت فرمائی ہے کہ تم میں سے کوئی جب کھانا کھائے تو داہنے ہاتھ سے کھائے اور پانی پیئے (یا کوئی اور پینے کی چیز شربت، دودھ، چائے وغیرہ پیئے) تو داہنے ہاتھ سے پیئے،

کیونکہ بائیں ہاتھ سے تو شیطان کھاتا پیتا ہے۔ (مسلم شریف)۔ (احقر مترجم عرض کرتا ہے کہ بہت سے مسلمان سنت کونظرانداز کر کے فیشن پر عمل کرتے ہیں اور بائیں ہاتھ سے پانی، چائے وغیرہ پیتے ہیں جو قابل ترک ہے۔)

حدیث زیر درس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عمرو بن ابی سلمہؓ سے یہ فرمانا کہ اپنے سامنے اور قریب سے کھاؤ، اس رعایت و مصلحت پر مبنی ہے کہ دستر خوان پر شریک دوسرے کھانے والوں کو تکلیف ہوگی۔ اگر تم ان کے سامنے سے کھانے لگو گے تو انہیں اس سے ناگواری ہوگی (جسے چاہے وہ زبان سے نہ بھی کہیں مگر دل میں ضرور ناگوار و تکلیف محسوس کریں گے۔)

اس ارشاد گرامی میں معاشرت کا یہ پہلو بھی ملحوظ ہے کہ دوسروں کے ساتھ ایسی کوئی بات نہ کی جائے جس سے اخوت باہم اور دوستی و محبت کے جذبات مجروح ہوتے ہوں اور نفرت و عداوت پیدا ہوتی ہو۔

مشروبات کے احکام

کھانے پینے کی چیزوں کی حلت وحرمت کے بارہ میں شریعت کا بنیادی اصول وہی ہے جسے قرآن پاک میں ان الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہے۔ "يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ." (اس بناء پر مشروبات میں بھی جو طیبات ہیں یعنی پاکیزہ اور مرغوب و خوشگوار اور نفع بخش چیزیں مثلاً حلال چوپایوں کا دودھ، پھلوں کا رس، اچھے سے اچھے شربت، نفیس عرقیات وغیرہ یہ سب حلال قرار دیئے گئے ہیں۔ اور ان کے برعکس جو مشروبات "خبیث" اور انسانیت کے لئے مضر ہیں وہ حرام قرار دیئے گئے ہیں۔ پھر جس طرح کھانے کی بعض ان چیزوں کی حرمت کا اعلان اہتمام اور خصوصیت سے قرآن پاک میں بھی کیا گیا ہے جو اگلی شریعتوں میں بھی حرام قرار دی گئی تھیں مگر ان کو بعض طبقے کھاتے تھے جیسے کہ مردار جانور اور خنزیر وغیرہ، اسی طرح مشروبات میں خمر یعنی شراب کی حرمت کا اعلان بھی خاص اہتمام سے قرآن پاک میں بھی کیا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اسکے بارے میں غیر معمولی اہتمام فرمایا اور اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے اس سلسلہ میں نہایت سخت رویہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اختیار فرمایا۔

شراب کے حرام قرار دیئے جانے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ اس کے استعمال سے آدمی کم از کم کچھ دیر کے لئے جو ہر عقل و تفکر سے محروم ہو کر جو اس کے پروردگار کا خاص الخاص عطیہ اور معرفت الٰہی کا وسیلہ ہے، ان حیوانوں کی صف میں آ جاتا ہے جن کو ان کے پیدا کرنے والے نے عقل و تمیز کی نعمت اور اپنی خاص معرفت کی صلاحیت عطا نہیں فرمائی ہے اور یہ انسان کا اپنے اوپر بڑے سے بڑا ظلم اور اپنے پروردگار کی انتہائی ناشکری ہے۔ اس کے علاوہ نشہ کی حالت میں بسا اوقات اس سے انتہائی نامناسب اور شرمناک حرکتیں سرزد ہوتی ہیں اور وہ شیطان کا کھلونا بن جاتا ہے، علاوہ ازیں شراب نوشی کے نتیجہ میں بعض اوقات بڑے دور رس اور تباہ کن فسادات برپا ہو جاتے ہیں۔ اسی لئے تمام آسمانی شریعتوں میں اس کو حرام قرار دیا گیا ہے اور ہر دور کے خدا پرست مصلحوں اور روحانیت پسندوں نے اس سے پرہیز کیا ہے اور اس کے خلاف جدوجہد کی ہے۔

احادیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے وقت اور غالباً اس کے بہت پہلے سے عربوں میں خاص کر اہل مدینہ میں شراب کا بے حد رواج تھا، گھر گھر شراب بنتی تھی اور پی جاتی تھی، اس سے وہ نشاط و سرور بھی حاصل کیا جاتا تھا جس کے لئے عموماً پینے والے اس کو پیتے ہیں، اس کے علاوہ اس ماحول میں شراب نوشی کو ایک اخلاقی عظمت و فضیلت کا مقام بھی

حاصل تھا وہاں کا عام رواج یہ تھا کہ دولت مند لوگ شراب پی کر نشہ کی حالت میں خوب داد و دہش کرتے اور مال لٹاتے تھے جس سے غریبوں کا بھلا ہوتا تھا اور اسی وجہ سے شراب نہ پینا یا کم پینا بخل و کنجوسی کی علامت سمجھا جاتا تھا۔

یہی حال جوئے کا بھی تھا وہاں جوئے کے کچھ خاص طریقے رائج تھے اور حوصلہ منداور دریا دل لوگ ہی وہ جوا کھیلتے تھے اور جو کچھ جیتتے تھے وہ غربا اور حاجت مندوں میں لٹا دیتے تھے۔ اس لئے جوا بھی امیروں کا ایک معزز کھیل تھا جس سے غریبوں کا بھلا ہوتا تھا۔ زمانہ جاہلیت کی روایات اور شاعری میں اس کا پورا سراغ ملتا ہے۔

شراب اور جوئے میں نافعیت کا غالباً یہی وہ خاص پہلو تھا جس کی طرف اشارہ سورۂ بقرہ کی اس آیت میں بھی کیا گیا ہے جو شراب اور جوئے کے بارے میں سب سے پہلے نازل ہوئی تھی۔ بہر حال شراب کا چونکہ وہاں عام رواج تھا اور گویا وہ ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی اور اس کے وہ بری طرح عادی تھے اور ان کی نگاہ میں اس کو ایک عظمت بھی حاصل تھی اس لئے اس کی ممانعت کے بارے میں ابتداء تو نرم تدریجی رویہ اختیار کیا گیا لیکن جب قوم میں اس کی صلاحیت پیدا ہوگئی کہ قطعی حرمت کا اعلان ہو جانے پر وہ اس کو یکلخت چھوڑ دے تو پھر اتنا سخت رویہ اختیار کیا گیا کہ جس قسم کے برتنوں میں شراب پینے کا رواج تھا، سرے سے ان برتنوں ہی کے استعمال کرنے کی ممانعت کر دی گئی۔ اسی طرح کے بعض اور بھی انتہائی سخت احکام جاری کئے گئے جن کا مقصد صرف یہ تھا کہ اہل ایمان کے دلوں میں اس اُم الخبائث سے سخت نفرت پیدا ہو جائے، چنانچہ جب یہ بات پیدا ہوگئی تو وہ سخت احکام واپس لے لئے گئے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ حُرِّمَتِ الْخَمْرُ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ قَدِمَ النَّبِیُّ صلی الله علیه وآله وسلم الْمَدِیْنَةَ وَهُمْ یَشْرَبُوْنَهَا وَیَاْکُلُوْنَ الْمَیْسِرَ فَسَاَلُوْهُ عَنْهُمَا فَنَزَلَ یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ الآیة" فَقَالَ النَّاسُ مَا حُرِّمَ عَلَیْنَا وَکَانُوْا یَشْرَبُوْنَ حَتّٰی اِذَا کَانَ یَوْمٌ صَلّٰی رَجُلٌ مِنَ الْمُهَاجِرِیْنَ بِاَصْحَابِهٖ وَخَلَطَ فِیْ قِرَاتِهٖ فَنَزَلَتْ آیَةٌ اَغْلَظَ مِنْهَا "یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تَقْرَبُوْا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُکَارٰی. الایة" وَکَانُوْا یَشْرَبُوْنَ حَتّٰی نَزَلَتْ اَغْلَظَ مِنْهَا. یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ. الایة." قَالُوْا اِنْتَهَیْنَا رَبَّنَا فَقَالُوْا یَارَسُوْلَ اللهِ نَاس، قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللهِ اَوْ مَاتُوْا عَلٰی فُرُشِهِمْ کَانُوْا یَشْرَبُوْنَ الْخَمْرَ وَیَاْکُلُوْنَ الْمَیْسِرَ وَقَدْ جَعَلَهُ اللهُ رِجْسًا مِنْ عَمَلِ الشَّیْطَانِ فَنَزَلَ لَیْسَ عَلَی الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِیْمَا طَعِمُوْا. الایة." (رواہ احمد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ شراب کی ممانعت (تدریجاً) تین دفعہ میں کی گئی ہے (جس کی تفصیل یہ ہے) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو اس زمانہ میں اہل مدینہ شراب پیا کرتے تھے اور جوئے سے حاصل کیا ہوا مال کھایا کرتے تھے، تو ان دونوں چیزوں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا (کہ یہ جائز ہیں یا ناجائز؟ دریافت کرنے کی وجہ غالباً یہ ہوگی کہ خود ان میں سے صالح طبیعت رکھنے والوں نے محسوس کیا ہوگا کہ اسلام کی عام تعلیمات اور اس کے پاکیزہ مزاج سے یہ دونوں چیزیں میل نہیں کھاتیں۔ واللہ اعلم (ان کے اس سوال کے جواب میں (سورۂ بقرہ کی یہ آیت نازل ہوئی۔)

شراب کی حرمت

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا.

اے پیغمبر! یہ لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں سوال کرتے ہیں، آپ انہیں بتا دیجئے کہ ان دونوں چیزوں میں گناہ ہے بہت اور فائدے بھی ہیں لوگوں کے لئے اور ان کا گناہ ان کے فائدے سے بڑا ہے۔

تو کچھ لوگوں نے کہا کہ (اس آیت میں) شراب اور جوئے کو قطعیت کے ساتھ حرام قرار نہیں دیا گیا ہے، تو وہ لوگ (گنجائش سمجھتے ہوئے) اس کے بعد بھی پیتے رہے، یہاں تک کہ ایک دن یہ واقعہ پیش آیا کہ مہاجرین میں سے ایک صاحب اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے (اور امامت کر رہے تھے اور نشہ میں تھے) انہوں نے قرأت میں کچھ گڑبڑ کر دی (اور کچھ کا کچھ پڑھ گئے) تو شراب کی ممانعت کے سلسلہ میں یہ دوسری آیت نازل ہوئی جو پہلی آیت کے مقابلہ میں زیادہ سخت تھی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ.

اے ایمان والو! ایسی حالت میں نماز کے پاس بھی نہ جاؤ جبکہ تم نشہ میں ہوتا وقتیکہ (تمہیں ایسا ہوش نہ ہو) کہ تمہیں معلوم ہو کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔

مگر کچھ لوگ (اس کے بعد بھی گنجائش سمجھتے ہوئے) پیتے رہے (ہاں جیسا کہ بعض دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے اس کا اہتمام کرنے لگے کہ نماز کے قریب نہیں پیتے تھے) تو سورۂ مائدہ کی یہ آیتیں نازل ہوئیں جو پہلی دونوں آیتوں کے مقابلہ میں زیادہ سخت اور صاف صریح تھیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ. اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِى الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ.

اے ایمان والو! بلاشبہ یہ شراب اور جوا اور بت پانسے (جو ایک خاص قسم کے جوئے میں استعمال ہوتے تھے، یہ سب چیزیں) گندی اور ناپاک ہیں اور شیطانی اعمال میں سے ہیں لہٰذا ان سے کلی پرہیز کرو، پھر تم امید کر سکتے ہو کہ فلاح یاب ہو جاؤ، شیطان تو بس یہ چاہتا ہے کہ تمہیں شراب اور جوئے میں پھانس کر تمہارے درمیان بغض و عداوت پیدا کر دے (اور تم کو آپس میں لڑا دے) اور اللہ کی یاد سے اور نماز جیسی نعمت سے (جو بارگاہ خداوندی کی حضوری ہے) تم کو روک دے تو کیا تم (شراب اور جوئے وغیرہ سے) باز آؤ گے؟

جب یہ آیتیں نازل ہوئیں تو ان لوگوں نے کہا "اِنْتَهَيْنَا رَبَّنَا!" (اے ہمارے پروردگار! ہم باز آئے اور اب ہم نے اس کو بالکل چھوڑ دیا) پھر ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہمارے ان لوگوں کا کیا انجام ہوگا جو راہ خدا میں شہید ہو چکے ہیں یا اپنے بستروں پر (بیمار پڑ کر) انتقال کر چکے ہیں اور وہ شراب پیا کرتے اور جوئے سے حاصل کیا ہوا مال کھایا کرتے تھے۔ اور اب اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو ناپاک اور شیطانی عمل قرار دیا ہے (تو ہمارے جو بھائی ان دونوں میں ملوث تھے اور اسی حال میں انتقال کر گئے یا راہ خدا میں شہید ہو گئے، تو آخرت میں ان کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا؟) تو اس کے جواب میں بعد والی یہ آیت نازل ہوئی۔

لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّآمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ الآية.

ان صاحب ایمان اور نیکوکار بندوں پر کوئی گناہ (اور مواخذہ) نہیں ہے ان کے کھانے پینے پر، جبکہ ان کا حال یہ ہو کہ وہ خدا سے ڈر کر پرہیز گاری کی زندگی گزارتے ہوں اور دل سے مانتے ہوں اور اعمال صالحہ کرتے ہوں۔ الخ (مسند احمد)

عَنْ اَبِیْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ قَالَ كَانَ عِنْدَنَا خَمْرٌ لِيَتِيْمٍ فَلَمَّا نَزَلَتِ الْمَائِدَةُ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه و آله وسلم عَنْهُ وَقُلْتُ اِنَّهٗ لِيَتِيْمٍ فَقَالَ اَهْرِيْقُوْهُ. (رواه الترمذى)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمارے یہاں کچھ شراب تھی جو ایک یتیم بچہ کی ملکیت تھی تو جب سورۂ مائدہ (یعنی اس کی وہ آیت جس میں شراب کی قطعی حرمت کا حکم بیان ہوا ہے) نازل ہوئی تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس شراب کے بارے میں پوچھا کہ اب اس کا کیا کیا جائے؟ اور میں نے یہ عرض کر دیا کہ وہ ایک یتیم بچہ کی ملکیت ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو پھینک دیا جائے اور بہا دیا جائے۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی بھی اجازت نہیں دی کہ اس کو کسی غیر مسلم کے ہاتھ بیچ دیا جائے یا کسی طرح بھی اس سے کوئی فائدہ اٹھالیا جائے۔ اور حضرت انسؓ کی ایک روایت میں ہے کہ شراب کی قطعی حرمت نازل ہونے سے کچھ ہی پہلے ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ نے بعض یتیموں کے لئے جو ان کی سرپرستی میں تھے ان ہی کے حساب میں شراب خریدی تھی، انہوں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ اب اس کا کیا کیا جائے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا: "اهرق الخمرو والكسر الدباء" یعنی شراب کو بہادو، پھینک دو اور جن مٹکوں میں وہ ہے ان کو بھی توڑ دو۔

عَنْ جَابِرٍ اِنَّ رَجُلًا قَدِمَ مِنَ الْيَمَنِ فَسَاَلَ النَّبِيَّ صلى الله عليه وآله وسلم عَنْ شَرَابٍ يَّشْرَبُوْنَهٗ بِاَرْضِهِمْ مِنَ الذُّرَّةِ يُقَالُ لَهُ الْمِزْرُ فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه و آله وسلم اَوَ مُسْكِرٌ هُوَ؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ...... اِنَّ عَلَى اللّٰهِ عَهْدًا لِمَنْ يَشْرَبُ الْمُسْكِرَ اَنْ يَسْقِيَهُ مِنْ طِيْنَةِ الْخَبَالِ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا طِيْنَةُ الْخَبَالِ؟ قَالَ عَرَقُ اَهْلِ النَّارِ اَوْ عُصَارَةُ اَهْلِ النَّارِ. (رواه مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص یمن سے آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک خاص قسم کی شراب کے بارے میں سوال کیا جو اس علاقہ میں پی جاتی تھی جس کو "مزر" کہا جاتا تھا اور وہ چینا سے بنتی تھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آدمی سے پوچھا کہ کیا وہ نشہ پیدا کرتی ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں اس سے نشہ ہوتا ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ (اصولی بات یہ ہے کہ) ہر نشہ آور چیز حرام ہے، (مزید آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سنو) نشہ پینے والے کے لئے اللہ کا یہ عہد ہے جس کو پورا کرنا اس نے اپنے اوپر لازم کرلیا ہے کہ وہ آخرت میں اس کو "طِيْنَةُ الْخَبَال" ضرور پلائے گا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ "طِيْنَةُ الْخَبَال" کیا چیز ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ دوزخیوں کے جسم سے نکلنے والا پسینہ، یا فرمایا کہ دوزخیوں کے جسم سے نکلنے والا لہو پیپ۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... یعنی راوی کو شک ہے کہ "طِيْنَةُ الْخَبَال" کی وضاحت کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

"عَرَقُ اَهْلِ النَّارِ" فرمایا تھا یا "عُصَارَةُ اَهْلِ النَّارِ" پہلے کا ترجمہ "دوزخیوں کا پسینہ" اور دوسرے کا ترجمہ "دوزخیوں کے جسم سے بہنے والا لہو اور پیپ" بہر حال شراب کی حرمت کے بعد اس کا پینا اتنا بڑا جرم ہے کہ اس حدیث کے مطابق اللہ تعالیٰ نے یہ طے فرما لیا ہے کہ جو شخص اس دنیا میں شراب سے دلچسپی رکھے گا اور بلا توبہ کے اس دنیا سے چلا جائے گا، اللہ تعالیٰ اس کو شراب نوشی کی پاداش میں "طينة الخبال" ضرور پلائے گا۔ اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا.

عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صلی الله علیه و آله وسلم اِنَّ اللهَ تَعَالٰی بَعَثَنِیْ رَحْمَةً لِّلْعَالَمِیْنَ وَهُدًی لِّلْعَالَمِیْنَ وَاَمَرَنِیْ رَبِّیْ عَزَّوَجَلَّ بِمَحْقِ الْمَعَازِفِ وَالْمَزَامِیْرِ وَالْاَوْثَانِ وَالصَّلِیْبِ وَاَمْرِ الْجَاهِلِیَّةِ وَحَلَفَ رَبِّیْ عَزَّوَجَلَّ بِعِزَّتِیْ لَا یَشْرَبُ عَبْدٌ مِنْ عَبِیْدِیْ جُرْعَةً مِنْ خَمْرٍ اِلَّا سَقَیْتُهٗ مِنَ الصَّدِیْدِ مِثْلَهَا وَلَا یَتْرُکُهَا مِنْ مَخَافَتِیْ اِلَّا سَقَیْتُهٗ مِنْ حِیَاضِ الْقُدْسِ. (رواہ احمد)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام عالم کے لئے رحمت اور سب کے لئے وسیلہ ہدایت بنا کر بھیجا ہے اور میرے پروردگار عزوجل نے مجھے حکم دیا ہے معازف ومزامیر (یعنی ہر طرح کے باجوں) کے مٹا دینے کا اور بت پرستی اور صلیب پرستی کو مٹا دینے کا اور تمام رسوم جاہلیت کو ختم کر دینے کا، اور میرے رب عزوجل نے یہ قسم کھائی ہے کہ میری عزت وجلال کی قسم میرے بندوں میں سے جو بندہ شراب کا ایک گھونٹ بھی پیئے گا تو میں آخرت میں اس کو اتنا ہی لہو و پیپ ضرور پلاؤں گا۔ اور جو بندہ میرے خوف سے شراب کو چھوڑ دے گا اور اس سے باز رہے گا تو میں آخرت کے قدسی حوضوں کے شراب طہور اپنے اس بندہ کو ضرور نوش کراؤں گا۔ (مسند احمد)

تشریح...... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ چند اصلاحی کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے خاص مقاصد میں سے ہیں۔ بت پرستی اور صلیب پرستی کا قلع قمع کرنا، زمانہ جاہلیت کی جاہلی رسوم کو ختم کرنا، اور معازف ومزامیر یعنی ہر قسم کے باجوں کے رواج کو مٹانا...... معازف ان باجوں کو کہا جاتا ہے جو ہاتھ سے بجائے جاتے ہیں جیسے ڈھولک، طبلہ، ستار، سارنگی وغیرہ اور مزامیر وہ باجے ہیں جو منہ سے بجائے جاتے ہیں جیسے شہنائی اور بانسری وغیرہ۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ سب باجے دراصل لہو ولعب اور فسق وفجور کے آلات ہیں اور دنیا سے ان کے رواج کو مٹانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان خاص کاموں میں سے ہے جن کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہیں۔ لیکن کس قدر دکھ کی بات ہے اور شیطان کی کتنی بڑی کامیابی ہے کہ بزرگان دین کے مزارات پر عرسوں کے نام سے جو میلے ہوتے ہیں ان میں دوسری خرافات کے علاوہ معازف ومزامیر کا بھی وہ زور ہوتا ہے کہ فسق وفجور کے کسی تماشے میں بھی اس سے زیادہ نہ ہوتا ہوگا۔ کاش یہ لوگ سمجھ سکتے کہ خود ان کے بزرگان دین کی روحوں کو ان خرافات اور ان باجوں گانوں سے کتنی تکلیف ہوتی ہے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلہ میں شیطان کے مشن کو کامیاب بنا کر روح نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کتنا صدمہ پہنچا رہے ہیں۔

حدیث کے آخری حصہ میں شراب اور ان شراب پینے والوں کے بارے میں اور خدا کے خوف سے شراب سے بچنے والوں کے بارے میں جو کچھ فرمایا گیا ہے وہ کسی وضاحت اور تشریح کا محتاج نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ہم کو بھی اپنے ان بندوں

میں شامل فرمائے جو اس کے حکم سے اور اس کی پکڑ اور عذاب کے خوف سے شراب سے پرہیز کرتے ہیں اور جنت کے قدسی حوضوں کی شراب طہور سے ہمیں سیراب فرمائے۔

عَنْ وَائِلِ الْحَضْرَمِيِّ اَنَّ طَارِقَ بْنَ سُوَيْدٍ سَأَلَ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عَنِ الْخَمْرِ فَنَهَاهُ فَقَالَ اِنَّمَا اَصْنَعُهَا لِلدَّوَاءِ فَقَالَ اِنَّهُ لَيْسَ بِدَوَاءٍ وَلٰكِنَّهُ دَاءٌ. (رواہ مسلم)

حضرت وائل بن حجر حضرمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ طارق بن سوید رضی اللہ عنہ نے شراب کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو شراب پینے سے منع فرمایا، انہوں نے عرض کیا کہ میں تو اس کو دوا کے لئے استعمال کرتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ دوا نہیں ہے بلکہ وہ تو بیماری ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... بعض قرائن کی بناء پر کچھ آئمہ اور علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ حدیث اس دور کی ہے جبکہ شراب کی قطعی حرمت کا حکم نازل ہوا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک خاص مصلحت اور مقصد کے لئے (جو آگے آنے والی بعض حدیثوں سے معلوم ہو جائے گا) شراب کے بارے میں انتہائی سخت رویہ ہنگامی طور پر اختیار کیا تھا، اور اس سلسلہ میں بعض ان چیزوں کو بھی منع فرما دیا تھا جن کی بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت دے دی۔ اس بناء پر ان حضرات نے اس کی گنجائش سمجھی ہے کہ اگر کسی ایسے مریض کے بارے میں جس کی زندگی خطرہ میں ہو، معتمد اور حاذق طبیب کی رائے ہو کہ اس کے علاج میں شراب ناگزیر ہے تو صرف بقدر ضرورت استعمال کی جاسکتی ہے۔ واللہ اعلم۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فِي الْخَمْرِ عَشْرَةً عَاصِرَهَا وَمُعْتَصِرَهَا وَشَارِبَهَا وَسَاقِيَهَا وَحَامِلَهَا وَالْمَحْمُوْلَةَ اِلَيْهِ وَبَائِعَهَا وَمُبْتَاعَهَا وَوَاهِبَهَا وَآكِلَ ثَمَنِهَا. (رواہ الترمذی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شراب کے سلسلے میں (اس سے تعلق رکھنے والے) دس آدمیوں پر لعنت کی۔ ایک (انگور وغیرہ سے) شراب نچوڑنے والے پر (اگرچہ کسی دوسرے کے لئے نچوڑے) اور خود اپنے واسطے نچوڑنے والے پر، اور اس کے پینے والے پر اور ساقی یعنی پلانے والے پر اور اس پر جو شراب کو لے کر جائے اور اس پر جس کے لئے وہ لے جائی جائے اور اس کے بیچنے والے اور خریدنے والے پر اور اس پر جو کسی دوسرے کو ہدیہ اور تحفہ میں شراب دے اور اس پر جو اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت کھائے۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... لعنت کا مطلب ہے خدا کی رحمت اور اس کی نگاہ کرم سے محرومی کی بددعا، اس بناء پر حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ جو شخص شراب سے کچھ بھی تعلق رکھے، خواہ اس کا بنانے والا یا بنوانے والا ہو، یا پینے والا یا پلانے والا ہو، یا خریدنے والا ہو یا بیچنے والا ہو۔ کسی کو ہبہ کرنے والا یا اس کو کسی کے پاس پہنچانے والا ہو، ان سب کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بددعا کی کہ وہ خدا کی رحمت اور اس کی نگاہ کرم سے محروم رہیں۔

قریب قریب اسی مضمون کی حدیث مسند احمد اور سنن ابی داؤد میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قسم کے ارشادات نے صحابہ کرامؓ کو شراب کے بارے میں کتنا شدت پسند بنا دیا تھا

اس کا اندازہ اس ایک واقعہ سے کیا جا سکتا ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے انگور کے باغات تھے، ایک دفعہ ان میں بہت پھل آیا تو باغوں کے اس محافظ نے جو ان کی دیکھ بھال اور حفاظت کے لئے ان کی طرف سے مقرر تھا (اور ان کا معتمد ملازم تھا) ان کو خط لکھا کہ اس فصل میں انگور کی پیداوار بہت ہے اور مجھے ان کے ضائع اور برباد ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ تو آپ کی رائے ہو تو میں انگوروں سے شیرہ حاصل کر کے محفوظ کرلوں؟ حضرت نے اس کے جواب میں خط لکھا۔

اِذَا جَاءَ کَ كِتَابِیْ فَاعْتَزِلْ ضَيْعَتِیْ فَوَاللهِ لَا أَئْتَمِنُکَ عَلٰى شَیْءٍ بَعْدَهُ اَبَدًا (رواہ النسائی صاحب جمع الفوائد ص ۸۷۷، ج ۱)

(جب تمہیں میرا یہ خط ملے تو میری زمین اور باغات سے الگ اور بے تعلق ہو جاؤ۔ خدا کی قسم! میں اس کے بعد کسی چیز کے بارے میں بھی تم پر اعتماد نہیں کر سکتا۔)

بہر حال حضرت سعد نے اس محافظ اور باغبان کو صرف اس بناء پر الگ اور ملازمت سے برطرف کر دیا کہ اس نے انگور سے شیرہ حاصل کر کے اس کو محفوظ کرنے کے بارے میں سوچا تھا جس سے شراب بنائی جا سکتی ہے۔

شراب کی حرمت کے بارے میں شریعت اسلام کا جو بے لاگ فیصلہ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے متعلق جو سخت ترین رویہ اختیار فرمایا ہے وہ مندرجہ بالا احادیث سے معلوم ہو چکا ہے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ منکشف کیا گیا تھا کہ شریعت کے ان واضح احکام اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس سخت رویہ کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے کچھ غلط کار لوگ شراب پئیں گے اور اپنے بچاؤ کے لئے بطور حیلہ کے اس شراب کا کوئی اور نام رکھیں گے اور نام کی تبدیلی سے دوسروں کو یا خود کو فریب دینا چاہیں گے۔ حالانکہ صرف نام بدل دینے سے حقیقت نہیں بدلتی اور شریعت کا حکم بھی نہیں بدلتا۔ اس لئے خدا کے نزدیک وہ شراب نوشی کے مجرم ہوں گے اور نام بدلنے کا فریب ان کا دوسرا جرم ہوگا۔

عَنْ اَبِیْ مَالِکِ الْاَشْعَرِیْ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللهِ صلی الله علیه وآله وسلم يَقُوْلُ لَيَشْرَبَنَّ نَاسٌ، مِنْ اُمَّتِیْ الْخَمْرَ يُسَمُّوْنَهَا بِغَيْرِ اِسْمِهَا. (رواہ ابوداؤد وابن ماجہ)

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خود سنا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے تھے کہ میری امت میں سے کچھ لوگ شراب پئیں گے اور (از راہ فریب) اس کا کوئی دوسرا نام رکھیں گے۔ (سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

ماقبل میں آیات کے ذیل میں یہ بات گزر چکی ہے کہ سورۂ مائدہ کے نزول کے بعد شراب کی قطعی حرمت کا اعلان کیا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سلسلہ میں بعض ایسے سخت ہنگامی احکام بھی جاری فرمائے جن کا مقصد صرف یہ تھا کہ اہل ایمان کے دلوں میں اس اُم الخبائث سے سخت نفرت پیدا ہو جائے اور پرانی عادت کبھی اس کی طرف میلان اور رغبت پیدا نہ کر سکے۔ ذیل میں اس سلسلہ کی حدیثیں پڑھی جائیں۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلی الله علیه وآله وسلم نَهٰى عَنِ الدُّبَّاءِ وَالْحَنْتَمِ وَالْمُزَفَّتِ وَالنَّقِيْرِ وَاَمَرَ اَنْ يُّنْبَذَ فِیْ اَسْقِيَةِ الْاَدَمِ. (رواہ مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ دبا یا حنتم یا

مزفت یا نقیر میں نبیذ بنائی جائے اور حکم دیا کہ اب چمڑے کے مشکیزوں میں نبیذ بنائی جائے۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... کھجور یا منقیٰ یا انگور یا اس طرح کی کوئی چیز پانی میں ڈال دی جائے اور اتنی دیر پڑی رہے کہ اس کا ذائقہ اور شیرینی پانی میں آجائے اور نشہ کی کیفیت پیدا نہ ہو تو اس کو نبیذ کہتے ہیں۔ عربوں میں بھی اس کا رواج تھا اور جیسا کہ آگے آنے والی بعض حدیثوں سے معلوم ہوگا کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس کو نوش فرماتے تھے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں چار قسم کے جن برتنوں میں نبیذ بنانے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ممانعت فرمائی ہے، یہ عام طور سے شراب بنانے میں استعمال ہوتے تھے۔ دباء کدو کی تونبی ہوتی تھی، حنتم اور مزفت یہ خاص طرح کی ٹھلیاں ہوتی تھیں اور نقیر کھجور کی لکڑی سے بنا ہوا ایک برتن ہوتا تھا۔ بہر حال یہ چاروں قسم کے برتن عام طور سے شراب میں استعمال ہوتے تھے، جب شراب کی قطعی حرمت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان برتنوں میں نبیذ بنانے سے بھی منع فرمادیا۔ غالباً اس ممانعت کا مقصد یہ تھا کہ یہ برتن شراب کو یاد دلا کر دل میں اس کی طلب اور خواہش پیدا نہ کریں۔ پھر جب شراب کی نفرت پوری طرح دلوں میں جاگزیں ہوگئی اور اس کا اندیشہ باقی نہ رہا کہ یہ برتن شراب کو یاد دلا کر اس کی طلب اور خواہش پیدا کریں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان برتنوں کے استعمال کی اجازت دے دی جیسا کہ آگے درج ہونے والی حدیث میں صراحتہ مذکور ہے۔

عَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نَهٰى عَنْ خَلِيْطِ التَّمْرِ وَالْبُسْرِ وَعَنْ خَلِيْطِ الزَّبِيْبِ وَالتَّمْرِ وَعَنْ خَلِيْطِ الزَّهْوِ وَالرُّطَبِ وَقَالَ اِنْتَبِذُوْا كُلَّ وَاحِدَةٍ عَلٰحِدَةً۔ (رواہ مسلم)

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا (نبیذ بنانے کے لئے) کچی خشک کھجوروں اور آدھ پکی کھجوروں کے ملانے سے، اور اسی طرح خشک انگور اور پکی خشک کھجوروں کے ملانے سے اور کچی کھجوروں اور پکی تازہ کھجوروں کے ملانے سے اور ارشاد فرمایا کہ ان سب چیزوں کی علیحدہ علیحدہ نبیذ بنایا کرو۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ اس حدیث میں جن مختلف چیزوں کو باہم ملا کر نبیذ بنانے سے منع فرمایا گیا ہے ان کو ملا کر پانی میں ڈالنے سے نشہ کی کیفیت جلدی پیدا ہو جانے کا امکان ہوتا ہے۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بطور احتیاط کے یہ ممانعت فرمائی تھی اور حکم دیا تھا کہ ان چیزوں کی نبیذ علیحدہ علیحدہ ہی بنائی جائے۔ اور غالباً یہ حکم بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی زمانہ میں دیا تھا جبکہ شراب کی قطعی حرمت کا حکم نازل ہوا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امت کی تربیت کے لئے اس بارے میں ایسے سخت احکام بھی دے رہے تھے جن کا مقصد یہ تھا کہ اہل ایمان شراب اور نشہ کے ادنیٰ شبہ سے بھی نفرت کرنے لگیں۔ لیکن جب یہ مقصد حاصل ہوگیا تو پھر وہ سخت احکام واپس لے لئے گئے جو اس مقصد کے لئے ہنگامی طور پر دیئے گئے تھے۔ آگے درج ہونے والی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے معلوم ہوگا کہ خود رسول اللہ کے لئے خشک انگور اور کھجوریں پانی میں ساتھ ڈال کر نبیذ تیار کی جاتی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نوش فرماتے تھے۔

نبیذ حلال ہے

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم كَانَ يُنْبَذُ لَهٗ زَبِيْبٌ فَيُلْقٰى فِيْهِ

تَمرٌ اَوْتَمرٌ فَيُلْقٰى فِيْهِ زَبِيْبٌ. (رواہ ابوداؤد)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے خشک انگوروں سے نبیذ بنائی جاتی تھی اور اس میں کھجوریں بھی ڈال دی جاتی تھیں، یا کھجوروں سے نبیذ بنائی جاتی تھی اور اس میں خشک انگور بھی ڈال دیئے جاتے تھے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح...... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انگور اور کھجور وغیرہ مخلوط اجناس کی نبیذ بھی جائز ہے ہاں اس کی شدید احتیاط ضروری ہے کہ اس میں نشہ کی کیفیت پیدا نہ ہو جائے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ایک دوسری روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے نبیذ بنانے کے لئے ہم پانی میں کھجوریں وغیرہ شام کو ڈال دیتے تھے جس کو آپ صبح کو نوش فرما لیتے تھے اور پھر ہم شام کے واسطے اسی طرح صبح کو ڈال دیتے تھے اور اس کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شام کے وقت نوش فرما لیتے تھے۔

کھانے پینے کے آداب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے لئے اشیاء خورد ونوش کے بارے میں حلت وحرمت کے احکام بھی بیان فرمائے اور کھانے پینے کے آداب بھی بتلائے جن کا تعلق تہذیب وسلیقہ اور وقار سے ہے، یا ان میں طبی مصلحت ملحوظ ہے یا وہ اللہ کے ذکر وشکر کے قبیل سے ہیں اور ان کے ذریعہ کھانے پینے کے عمل کو جو بظاہر خالص مادی عمل ہے اور نفس حیوانی کے تقاضے سے ہوتا ہے، روحانی اور نورانی اور تقرب الی اللہ کا ذریعہ بنا دیا جاتا ہے۔

عَنْ سَلْمَانَ قَالَ قَرَأْتُ فِي التَّوْرَاةِ اَنَّ بَرَكَةَ الطَّعَامِ اَلْوُضُوْءُ بَعْدَهُ فَذَكَرْتُ ذَالِكَ لِلنَّبِيِّ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فَقَالَ بَرَكَةُ الطَّعَامِ الْوُضُوْءُ قَبْلَهُ وَالْوُضُوْءُ بَعْدَهُ. (رواہ الترمذی و ابوداؤد)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے تورات میں پڑھا تھا کہ کھانے کے بعد ہاتھ منہ دھونا باعث برکت ہے۔ میں نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ذکر کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کھانے سے پہلے اور اس کے بعد ہاتھ اور منہ کا دھونا باعث برکت ہے۔ (جامع ترمذی، ابوداؤد)

تشریح...... قرآن پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ جو تعلیم وہدایت اگلے انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ آتی رہی اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ اس کی تکمیل فرمائی ہے (اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ الخ) اس کی روشنی میں حدیث کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ تورات میں آداب طعام کے سلسلے میں صرف کھانے کے بعد ہاتھ دھونے کو باعث برکت بتلایا گیا تھا اور اس کی ترغیب دی گئی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے کھانے سے پہلے بھی ہاتھ اور منہ دھو لینے (یعنی کلی کر لینے) کی ترغیب دی گئی، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتلایا کہ یہ بھی باعث برکت ہے۔

برکت بڑا وسیع المعنی لفظ ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں اسی حدیث اور کھانے میں برکت کے سلسلہ کی بعض دوسری احادیث کا حوالہ دے کر جو کچھ فرمایا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ کسی کھانے میں برکت ہونے کا مطلب یہ بھی ہوتا ہے کہ غذا کا جو اصل مقصد ہے وہ اچھی طرح حاصل ہو، کھانا رغبت اور لذت کے ساتھ کھایا جائے، طبیعت کو سیری نصیب ہو، جی خوش

ہو اور دلجمعی حاصل ہو اور تھوڑی سی مقدار کافی ہو اور اس سے صالح خون پیدا ہو کر جزو بدن بنے اور اس کا نفع دیرپا ہو، پھر اس سے نفس کی طغیانی اور غفلت نہ پیدا ہو بلکہ شکر اور اطاعت کی توفیق ملے۔ دراصل یہ اس حقیقت کے آثار ہیں جس کو حدیث میں برکت کہا گیا ہے، اور کنز العمال میں معجم اوسط طبرانی کے حوالے سے حضرت عبداللہ ابن عباس کی روایت سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد ہاتھ منہ دھونا دافع فقر ہے اور انبیاء علیہم السلام کا طریقہ ہے۔" اس کے علاوہ یہ بات بھی بالکل ظاہر ہے کہ صفائی اصول صحت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ہاتھ اور منہ جو کھانے کے آلے ہیں، کھانے سے پہلے بھی ان کو دھو کر اچھی طرح ان کی صفائی کر لی جائے۔ اور پھر کھانے سے فارغ ہونے کے بعد بھی دھو کر صاف کر لیا جائے۔

(ظاہر ہے کہ یہ اسی صورت میں ہوگا جبکہ کھانے میں ہاتھ استعمال کیا جائے، مگر بالفرض ہاتھ نہ لگے مثلاً چمچے ہی سے کھایا جائے تو یہ حکم نہ ہوگا)

حضرت سلمان فارسی کی اس حدیث میں بلکہ اس سلسلہ کی اکثر دوسری حدیثوں میں بھی ہاتھ اور منہ دھونے کے لئے "وضو" کا لفظ استعمال فرمایا گیا ہے اس سے وہ وضو مراد نہیں جو نماز کے لئے کیا جاتا ہے، بلکہ بس ہاتھ منہ دھونا ہی مراد ہے، دوسرے لفظوں میں یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ نماز کا وضو تو وہ ہے جو معلوم و معروف ہے اور کھانے کا وضو بس یہ ہے کہ ہاتھ اور منہ جو کھانے میں استعمال ہوتے ہیں ان کو دھو لیا جائے اور ان کی صفائی کر لی جائے، بعض حدیثوں میں اس کی تصریح بھی ہے۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ جَزْءٍ قَالَ اُتِىَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم بِخُبْزٍ وَلَحْمٍ وَهُوَ فِى الْمَسْجِدِ فَاَكَلَ وَاَكَلْنَا مَعَهُ ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰى وَصَلَّيْنَا مَعَهُ وَلَمْ نَزِدْ عَلٰى اَنْ مَسَحْنَا اَيْدِيَنَا بِالْحَصْبَاءِ. (رواه ابن ماجه)

حضرت عبداللہ بن الحارث بن جزء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تھے، کسی شخص نے آپ کی خدمت میں روٹی اور گوشت لا کر پیش کیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد ہی میں تناول فرمایا اور ہم نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کھایا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے ساتھ ہم بھی نماز کے لئے کھڑے ہو گئے اور (اس وقت) اس سے زیادہ ہم نے کچھ نہیں کیا کہ اپنے ہاتھ بس سنگریزوں سے پونچھ ڈالے (جو مسجد میں بچھے ہوئے تھے)۔ (سنن ابن ماجہ)

تشریح...... اس حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن الحارث کا مقصد اس واقعہ کے بیان کرنے سے بظاہر یہی ہے کہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ آپ کے اصحاب کرام نے کھانا کھایا اور اس کے بعد ہاتھ نہیں دھوئے جیسا کہ شارحین حدیث نے لکھا ہے۔ یہ بات قرین قیاس ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہی بات ظاہر کرنے کے لئے (کہ کھانے کے بعد منہ ہاتھ دھونا کوئی فرض و واجب نہیں ہے اور اس کے بغیر نماز بھی پڑھی جا سکتی ہے) یہ عمل کیا ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امت کو رخصت اور جواز کے حدود بتلانے کے لئے بسا اوقات اولیٰ اور افضل کو ترک کر دیتے تھے اور معلم اور ہادی ہونے کی حیثیت سے ایسا کرنا آپ کے لئے ضروری تھا۔ اس کے علاوہ یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ بظاہر واقعہ اس طرح پیش آیا کہ نماز کیلئے کھڑے ہونے کا وقت قریب تھا۔ صحابہ کرام بھی نماز کیلئے مسجد میں آ چکے تھے' اس وقت کوئی صاحب آپ کی خدمت میں کچھ کھانا روٹی اور گوشت لے آئے ممکن ہے بلکہ اغلب یہی ہے کہ حاضرین مسجد میں کچھ وہ بھی ہوں جو بھوک میں مبتلا ہوں اور ان کو کھانے کی اشتہا ہو، ایسی صورت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مناسب

یہی سمجھا کہ کھانا نماز سے پہلے ہی کھا لیا جائے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کو بھی شریک فرما لیا، ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں سب نے پیٹ بھر کر تو کھایا نہ ہوگا تبرک کے طور پر کم و بیش کچھ حصہ لے لیا ہوگا۔ اس لئے ہاتھوں پر کھانے کا کچھ زیادہ اثر بھی نہ آیا ہوگا۔ پھر یہ بھی ملحوظ رہے کہ مسجد شریف میں پانی کا کوئی انتظام نہیں تھا، اگر اس وقت ہاتھ دھونا ضروری سمجھا جاتا تو لوگوں کو اپنے گھروں پر جانا پڑتا۔ ہاتھ نہ دھونے میں ان تمام باتوں کا کچھ نہ کچھ دخل ہوگا۔ واللہ اعلم۔

حدیث میں سنگریزوں اور کنکریوں سے ہاتھ صاف کرنے کا ذکر جس طرح کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اس وقت ایسا ہی کیا، اس سے یہ بھی رہنمائی ملی کہ کھانا کھا کر تولیہ یا کاغذ یا کسی بھی ایسی چیز سے ہاتھ صاف کئے جا سکتے ہیں جس سے ہاتھوں کی صفائی ہو جائے اور ایسا کرنا بھی سنت کے دائرہ ہی میں ہوگا۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَت قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم إِذَا اَكَلَ اَحَدُكُمْ فَلْيَذْكُرِ اسْمَ اللهِ فَإِنْ نَسِيَ اَنْ يَّذْكُرَ اللهَ فِيْ اَوَّلِهٖ فَلْيَقُلْ بِسْمِ اللهِ اَوَّلَهٗ وَ آخِرَهٗ. (رواہ ابوداؤد والترمذی)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی کھانا کھانے کا ارادہ کرے تو چاہئے کہ اللہ کا نام لے (یعنی پہلے بسم اللہ پڑھے) اور اگر شروع میں بسم اللہ پڑھنا بھول جائے تو بعد میں کہہ لے "بِسْمِ اللهِ اَوَّلَهٗ وَ آخِرَهٗ." (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

تشریح...... ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام پاک لینا باعث برکت ہے، اور جیسا کہ دوسری احادیث میں صراحۃً وارد ہوا ہے اس نام پاک کی یہ بھی ایک خاص تاثیر ہے کہ پھر شیاطین پاس نہیں آتے، اس لئے وہ کھانا جس پر اللہ کا نام لیا جائے شیاطین کی شرکت اور ان کے شر سے محفوظ رہے گا۔ اس کے علاوہ اس تعلیم و ہدایت کا یہ بھی ایک مقصد ہے کہ بندہ کے سامنے جب کھانا آئے تو اس حقیقت کو یاد کرلے کہ یہ کھانا اللہ تعالیٰ کی نعمت اور اس کا عطیہ ہے اور اسی کے کرم سے میں اس لائق ہوں کہ اس کو کھا سکوں اور اس سے لذت و فائدہ حاصل کرسکوں۔ اس طرح کھانے کا عمل جو بظاہر ایک خالص مادی عمل ہے اور حیوانی تقاضے سے ہوتا ہے اس کی نسبت اللہ تعالیٰ سے جڑ جاتی ہے اور وہ ایک ربانی اور نورانی عمل بن جاتا ہے۔ اور چونکہ کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ کھانا شروع کرتے وقت بندہ اللہ کا نام لینا اور بسم اللہ کہنا بھول جاتا ہے تو اس کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث میں ارشاد فرمایا کہ ایسی صورت میں جب یاد آ جائے اسی وقت بندہ کہہ لے "بِسْمِ اللهِ اَوَّلَهٗ وَ آخِرَهٗ" (میں اللہ کے نام سے برکت حاصل کرتا ہوں، شروع میں بھی اور آخر میں بھی)

عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِنَّ الشَّيْطَانَ يَسْتَحِلُّ الطَّعَامَ اَنْ لَا يُذْكَرِ اسْمُ اللهِ عَلَيْهِ. (رواہ مسلم)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان اپنے لئے کھانے کو جائز کر لیتا ہے (یعنی اس کیلئے کھانے میں شرکت اور حصہ داری کا امکان اور جواز پیدا ہو جاتا ہے) جبکہ اس کھانے پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ اللہ کا نام شیطان کے لئے تازیانہ بلکہ گرز ہے جب کسی کھانے پر اللہ کا نام لیا جائے گا اور بسم اللہ پڑھ کے

کھانا شروع کیا جائے گا تو شیطان اس میں شریک نہ ہو سکے گا لیکن جب کسی کھانے پر اللہ کا نام نہ لیا جائے اور کھانا یونہی شروع کر دیا جائے تو پھر شیطان کے لئے کوئی رکاوٹ نہ ہوگی، اگر چہ کھانے والے کی آنکھ نہ دیکھ سکے گی مگر شیطان اس کے ساتھ کھانے میں شریک ہوگا۔

صحیح مسلم ہی کی ایک دوسری حدیث میں ہے کہ جب کوئی آدمی اپنے گھر میں جہاں وہ رات کو رہتا اور سوتا ہے اللہ کا نام لے کر داخل ہوتا ہے اور پھر کھانے کے وقت بھی اللہ کا نام لیتا ہے تو شیطان اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے کہ یہاں سے چل دو یہاں ہمارے تمہارے لئے نہ رہنے کا ٹھکانا ہے نہ کھانے کا سامان ہے۔ اور اس کے برعکس جب کوئی آدمی اپنے گھر میں آ کر اللہ کا نام نہیں لیتا اور کھانے کے وقت بھی اللہ کو یاد نہیں کرتا تو شیطان اپنے رفیقوں سے کہتا ہے کہ آ جاؤ یہاں تمہارے لئے آرام سے شب باشی کی جگہ بھی ہے اور راشن کھانا بھی۔

الغرض اللہ کا نام پاک شیطانوں کے لئے ایسی ضرب کاری ہے جس کا وہ کوئی مقابلہ نہیں کر سکتے بالکل اسی طرح جس طرح اندھیرا آفتاب کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

یہاں اس ایمانی حقیقت کو ذہن میں تازہ کر لینا چاہئے کہ ملائکہ اور شیاطین کا وجود اور ان کے افعال وصفات ان امور غیب میں سے ہیں جن کا علم ہم بندے اپنے طور پر اپنے حواس آنکھ کان وغیرہ کے ذریعہ حاصل نہیں کر سکتے۔ خود خدا کی ذات وصفات کا حال بھی یہی ہے مؤمن کا مقام یہ ہے کہ ان تمام غیبی حقائق کے بارے میں بس اللہ کے صادق و مصدوق پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیان پر اعتماد کرے۔

عَنْ عُمَرَ بْنِ اَبِیْ سَلَمَةَ قَالَ كُنْتُ غُلَامًا فِیْ حِجْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَكَانَتْ یَدِیْ تَطِیْشُ فِی الصَّحْفَةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سَمِّ اللّٰهَ وَكُلْ بِیَمِیْنِكَ وَكُلْ مِمَّا یَلِیْكَ. (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت عمر بن ابی سلمہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں (بچپن میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آغوش شفقت میں پرورش پا رہا تھا تو (کھانے کے وقت) میرا ہاتھ پلیٹ میں ہر طرف چلتا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے نصیحت فرمائی کہ (کھانے سے پہلے) بسم اللہ پڑھا کرو اور اپنے داہنے ہاتھ سے اور اپنے سامنے ہی سے کھایا کرو۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح...... ابوسلمہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پھوپی زاد بھائی اور سابقین اولین میں سے تھے، ام سلمہ رضی اللہ عنہا ان کی بیوی تھیں اور بڑی مخلص مؤمنہ تھیں، حدیث کے راوی عمر بن ابی سلمہ انہی کے بیٹے تھے۔ ۳ھ یا ۴ھ میں ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے وفات پائی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی بیوہ ام سلمہ سے ان کی دلداری کے لئے نکاح کر لیا، ان کے یہ بیٹے عمر بن ابی سلمہ جو اس وقت کم عمر بچے تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آغوش تربیت میں آ گئے، وہ بیان کرتے ہیں کہ بچپنے میں اس زمانہ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے اپنے ساتھ ایک ہی پلیٹ میں کھانا کھلاتے تو میرا ہاتھ پلیٹ میں ہر طرف چلتا، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے بتلایا اور سکھلایا کہ بسم اللہ پڑھ کے کھانا کھایا کرو، اور داہنے ہاتھ سے کھاؤ اور اپنی طرف سے اور اپنے سامنے سے کھایا کرو۔ (دوسری بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر سامنے مختلف الانواع کھانے یا

مختلف قسم کے پھل ہوں تو ہر طرف ہاتھ بڑھانے کی اجازت ہے)

عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ اَبِىْ بَكْرٍ اَنَّهَا كَانَتْ اِذَا اُتِيَتْ بِثَرِيْدٍ اَمَرَتْ بِهٖ فَغُطِّىَ حَتّٰى تَذْهَبَ فَوْرَةُ دُخَانِهٖ وَتَقُوْلُ اِنِّىْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم يَقُوْلُ هُوَ اَعْظَمُ لِلْبَرَكَةِ. (رواه الدارمی)

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ان کا یہ طریقہ تھا کہ جب ثرید پکا کر ان کے پاس لائی جاتی تو وہ ان کے حکم سے اس وقت تک ڈھکی رہتی کہ اس کی گرمی کا جوش اور تیزی ختم ہو جاتی (اس کے بعد وہ کھائی جاتی) اور (اپنے اس طرز عمل کی سند میں) وہ فرمایا کرتی تھیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ اس طرح (کچھ ٹھنڈا کر کے) کھانا زیادہ برکت کا باعث ہوتا ہے۔ (مسند دارمی)

تشریح...... ثرید ایک معروف و مرغوب کھانا ہے، جس کا عہد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں زیادہ رواج تھا، ایک خاص طریقہ سے گوشت کے ساتھ روٹی کے ٹکڑے پکا کر تیار کیا جاتا تھا۔ اس روایت میں اگرچہ خاص ثرید کا ذکر ہے (کیونکہ وہاں وہی زیادہ پکتا تھا) لیکن ظاہر ہے کہ حدیث پاک میں جو تعلیم دی گئی ہے وہ ہر پکے ہوئے کھانے سے متعلق ہے کہ زیادہ گرم نہ کھایا جائے۔ اس کو موجب برکت بتلایا گیا ہے۔ جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ برکت کے مفہوم میں یہ بھی شامل ہے کہ غذا کا جو مقصد ہے وہ اس طرح کھانے سے بہتر طریقہ پر حاصل ہوتا ہے۔ اصول طب کا تقاضا بھی یہی ہے کہ کھانا زیادہ گرم نہ کھایا جائے۔

کنز العمال میں مختلف کتب حدیث کے حوالے سے متعدد صحابہ کرام کی روایت سے مختلف الفاظ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ ہدایت روایت کی گئی ہے کہ کھانا ٹھنڈا کر کے کھایا جائے۔ اس میں برکت ہے۔ (کنز العمال ص ۳و۸، ج ۸)

عَنْ وَحْشِيِّ بْنِ حَرْبٍ قَالَ اِنَّ اَصْحَابَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا نَاْكُلُ وَلَا نَشْبَعُ قَالَ لَعَلَّكُمْ تَفْتَرِقُوْنَ؟ قَالُوا نَعَمْ قَالَ فَاجْتَمِعُوْا عَلٰى طَعَامِكُمْ وَاذْكُرُوْا اسْمَ اللّٰهِ يُبَارَكْ لَكُمْ فِيْهِ. (رواه ابو داؤد)

حضرت وحشی (۱) بن حرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض صحابہ نے عرض کیا کہ ہمارا حال یہ ہے کہ کھانا کھاتے ہیں اور آسودگی حاصل نہیں ہوتی، آپ نے فرمایا کہ شاید تم لوگ الگ الگ کھاتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہاں، الگ الگ کھاتے ہیں! آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم کھانے پر ایک ساتھ بیٹھا کرو! اور اللہ کا نام لے کر یعنی بسم اللہ کر کے (اجتماعی طور پر) کھایا کرو، پھر تمہارے واسطے اس کھانے میں برکت ہوگی (اور طبیعت کو سیری حاصل ہو جایا کرے گی۔) (سنن ابی داؤد)

(۱)۔ (یہ وہی وحشی بن حرب ہیں جنہوں نے غزوہ احد میں کفر کی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محبّ و محبوب چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا۔ ۸ ھ میں فتح مکہ کے بعد یہ ایمان لائے اور برابر اس فکر میں رہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے کوئی ایسا کام لے لے جو کسی درجہ میں قتل سیدنا حمزہ کی تلافی کر دے۔ وفات نبوی کے بعد جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے داعی نبوت مسیلمہ کذاب کے فتنہ کو ختم کرنے کے لئے حضرت خالد بن ولید کی سرکردگی میں لشکر روانہ کیا تو یہ بھی اس میں گئے اور یہ آرزو لے کر گئے کہ اللہ تعالیٰ مسیلمہ کو انہی کے ہاتھ سے قتل کرا دے۔ ان کی یہ آرزو اور مراد پوری ہوئی اور مسیلمہ انہی کے نیزہ کا

نشانہ بنا، ان کا بیان ہے کہ یہ وہی نیزہ تھا جس سے میں نے حضرت حمزہؓ کو شہید کیا تھا۔)

عن جابر قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم يقول طعام الواحد يكفى الاثنين ' وطعام الاثنين يكفى الاربعة وطعام الاربعة يكفى الثمانيه (رواه مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے ایک کا کھانا دو کے لئے کافی ہوجاتا ہے، اور دو کا کھانا چار کے لئے اور اسی طرح چار کا کھانا آٹھ کے لئے کافی ہوجاتا ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... اجتماعی طور پر کھانے کی یہ برکت جس کا اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے اس کا ہر ایک تجربہ کرسکتا ہے بشرطیکہ کھانے والوں میں ایثار کی صفت ہو، جو ہر سچے مسلمان میں ہونی چاہئے، یعنی ہر ایک یہ چاہے کہ میرے دوسرے ساتھی اچھا کھالیں اور اچھی طرح کھالیں، اگر کھانے والوں میں یہ بات نہ ہو تو پھر اس برکت کا کوئی استحقاق نہیں ہے، بلکہ اس صورت میں اندیشہ ہے کہ اکثر و بیشتر تجربہ اس کے برعکس ہو۔

عَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِىَّ صلى الله عليه وآله وسلم اَمَرَ بِلَعْقِ الْاَصَابِعِ وَالصَّحْفَةِ وَقَالَ اِنَّكُمْ لَا تَدْرُوْنَ فِىْ اَيَةِ الْبَرَكَةُ. (رواه مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہدایت فرمائی کہ (کھانے کے بعد) انگلیوں کو چاٹ لیا جائے اور برتن کو بھی صاف کرلیا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم کو معلوم نہیں کہ کھانے کے کس ذرہ اور کس جز میں برکت کا خاص اثر ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح......رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ کھانا عطیہ خداوندی ہے اس کے ایک ایک ذرہ کی قدر کی جائے اور کچھ معلوم نہیں کہ کس جز میں اللہ تعالیٰ نے خاص برکت اور خصوصی نافعیت رکھی ہے، اس لئے کھانے کے جو اجزاء انگلیوں پر لگے رہ جائیں ان کو چاٹ کر صاف کرلیا جائے۔ اسی طرح جو کچھ برتن میں لگا رہ جائے اس کو بھی اللہ کا رزق سمجھ کر صاف کرلیا جائے۔ اس میں اللہ کے رزق کی قدردانی بھی ہے اور رب کریم کے سامنے اپنے عمل سے اپنی محتاجی کا اظہار بھی۔ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالےٰ کے حضور میں عرض کیا تھا۔

رَبِّ اِنِّىْ لِمَا اَنْزَلْتَ اِلَىَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْر پروردگار! تو جو کچھ مجھے عطا فرمائے میں اس کا محتاج ہوں۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِىَّ صلى الله عليه وآله وسلم يَقُوْلُ اِنَّ الشَّيْطَانَ يَحْضُرُ اَحَدَكُمْ عِنْدَ كُلِّ شَيْئٍ مِنْ شَاْنِهٖ حَتّٰى يَحْضُرَهٗ عِنْدَ طَعَامِهٖ فَاِذَا سَقَطَتْ مِنْ اَحَدِكُمُ اللُّقْمَةُ فَلْيُمِطْ مَا كَانَ بِهَا مِنْ اَذًى ثُمَّ لِيَاْكُلِهَا وَلَا يَدَعْهَا لِلشَّيْطَانِ فَاِذَا فَرَغَ فَلْيَلْعَقْ اَصَابِعَهٗ فَاِنَّهٗ لَا يَدْرِىْ فِىْ اَىِّ طَعَامِهٖ يَكُوْنُ الْبَرَكَةُ. (رواه مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے خود سنا کہ: ''تمہارے ہر کام کے وقت، یہاں تک کہ کھانے کے وقت بھی'' شیطان تم میں سے ہر ایک کے ساتھ رہتا ہے، لہٰذا جب (کھانا کھاتے وقت) کسی کے ہاتھ سے لقمہ گر جائے تو اسے چاہئے کہ اس کو صاف کر کے کھالے اور شیطان کے لئے چھوڑ نہ دے۔ پھر

جب کھانے سے فارغ ہو تو اپنی انگلیوں کو بھی چاٹ لے کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ کھانے کے کس جز میں خاص برکت ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... حدیث کے آخری حصہ میں تو کھانے کے بعد انگلیوں کو چاٹ کر صاف کر لینے کی ہدایت فرمائی گئی ہے جس کے بارے میں ابھی اوپر عرض کیا جا چکا ہے۔ اور ابتدائی حصہ میں فرمایا گیا ہے کہ اگر کھاتے وقت کسی کے ہاتھ سے لقمہ گر جائے تو اس کو مستغنی اور متکبر لوگوں کی طرح نہ چھوڑ دے، بلکہ ضرورت مند اور قدردان بندہ کی طرح اس کو اٹھالے اور اگر نیچے گر جانے کی وجہ سے اس پر کچھ لگ گیا ہو تو صاف کر کے اس لقمہ کو کھالے۔ اس میں مزید یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ کھانے کے وقت بھی شیطان ساتھ ہوتا ہے اگر گرا ہوا لقمہ چھوڑ دیا جائے گا تو وہ شیطان کے حصہ میں آئے گا۔

فرشتے اور شیاطین اللہ کی وہ مخلوق ہیں جو یقیناً اکثر اوقات میں ہمارے ساتھ رہتے ہیں لیکن ہم ان کو دیکھ نہیں سکتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے بارے میں جو کچھ بتلایا ہے اللہ تعالیٰ کے بخشے ہوئے علم سے بتلایا ہے اور وہ بالکل حق ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کبھی کبھی ان کا اس طرح مشاہدہ بھی ہوتا تھا، جس طرح ہم اس دنیا کی مادی چیزوں کو دیکھتے ہیں (جیسا کہ بہت سی احادیث سے معلوم ہوتا ہے) اس لئے ایسی حدیثوں کو جن میں مثلاً کھانے کے وقت شیاطین کے ساتھ ہونے اور کھانے پر اللہ کا نام نہ لیا جائے تو اس میں شیاطین کے شریک ہو جانے یا گرے ہوئے لقمہ کا شیطان کا حصہ ہو جانے کا ذکر ہے تو ان حدیثوں کو مجاز پر محمول کرنے کی بالکل ضرورت نہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں یہ واقعہ بیان فرمایا ہے۔ کہ ایک دن ہمارے ایک دوست (شاگرد یا مرید) ہمارے ہاں آئے، ان کے لئے کھانا لایا گیا، وہ کھا رہے تھے کہ ان کے ہاتھ سے ایک ٹکڑا گر گیا اور لڑھک کر زمین میں چلا گیا، انہوں نے اس کو اٹھا لینے کی کوشش کی اور اس کا پیچھا کیا مگر وہ ان سے اور دور ہوتا چلا گیا، یہاں تک کہ جو لوگ وہاں موجود تھے (اور اس تماشے کو دیکھ رہے تھے) انہیں اس پر تعجب ہوا، اور وہ صاحب جو کھانا کھا رہے تھے انہوں نے جدوجہد کر کے (آخرکار) اس کو پکڑ لیا اور اپنا نوالہ بنا لیا۔ چند روز کے بعد کسی آدمی پر ایک جنی شیطان مسلط ہو گیا اور اس آدمی کی زبان سے باتیں کیں اور (ہمارے اس مہمان دوست کا نام لے کر) یہ بھی کہا کہ فلاں آدمی کھانا کھا رہا تھا، میں اس کے پاس پہنچا، مجھے اس کا کھانا بہت اچھا معلوم ہوا مگر اس نے مجھے نہیں کھلایا۔ تو میں نے اس کے ہاتھ سے اُچک لیا (اور گرا دیا) لیکن اس نے مجھ سے پھر چھین لیا۔

اسی سلسلہ میں دوسرا واقعہ اپنے گھر ہی کا شاہ صاحبؒ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ ایک دفعہ ہمارے گھر کے کچھ لوگ گاجریں کھا رہے تھے۔ ایک گاجر ان میں سے گر گئی، ایک آدمی اس پر جھپٹا اور اس نے جلدی سے اٹھا کر اس کو کھا لیا، تھوڑی ہی دیر بعد اس کے پیٹ اور سینہ میں سخت درد اُٹھا، پھر اس پر شیطان یعنی جن کا اثر ہو گیا تو اس نے اس آدمی کی زبان میں بتایا کہ اس آدمی نے میری گاجر اُٹھا کر کھالی تھی۔

یہ واقعات بیان فرمانے کے بعد شاہ صاحبؒ نے لکھا ہے کہ:

اس طرح کے واقعات ہم نے بکثرت سنے بھی ہیں اور ان سے ہمیں معلوم ہو گیا کہ یہ احادیث (جن میں کھانے پینے کے سلسلہ میں شیاطین کی شرکت اور ان کے افعال و تصرفات کا ذکر آیا ہے) مجاز کے قبیلہ سے نہیں ہیں، بلکہ جو کچھ بتلایا گیا ہے وہی حقیقت ہے۔ واللہ اعلم۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِذَا وَقَعَ الذُّبَابُ فِیْ اِنَاءِ اَحَدِكُمْ فَامْقُلُوْهُ

فَاِنَّ فِیْ اَحَدِ جَنَاحَیْہِ دَاءً وَّفِی الْاٰخَرِ شِفَاءً فَاِنَّہٗ یَتَّقِیْ بِجَنَاحِہِ الَّذِیْ فِیْہِ الدَّاءُ فَلْیَغْمِسْہُ کُلَّہٗ. (رواہ ابوداؤد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب کسی کے کھانے پینے کے برتن میں مکھی گر جائے تو اس کو غوطہ دے کر نکال دو، کیونکہ اس کے دو بازوؤں میں سے ایک میں بیماری (پیدا کرنے والا مادہ) ہوتا ہے اور دوسرے میں (اس بیماری کے اثر کو (دفع کرکے) شفا دینے والا مادہ ہوتا ہے، اور وہ اپنے اس بازو سے جس میں بیماری والا مادہ ہوتا ہے بچاؤ کرتی ہے، (یعنی جب کسی چیز میں گرتی ہے تو اس کے بل گرتی ہے اور دوسرے بازو کو بچانا چاہتی ہے) تو کھانے والے کو چاہئے کہ مکھی کو غوطہ دے کر نکال دے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح...... یہ ان حدیثوں میں سے ہے جو اس زمانے میں بہت سے لوگوں کے لئے ایمان کی آزمائش کا سبب بن جاتی ہیں، حالانکہ اگر فطرت کے اسرار وحکمت کے اصولوں اور تجربوں کی روشنی میں غور کیا جائے تو اس میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جو خلاف قیاس یا مستبعد ہو، بلکہ جو کچھ فرمایا گیا ہے وہ دراصل حکمت ہی کی بات ہے۔

یہ ایک معلوم ومسلم حقیقت ہے کہ بہت سے دوسرے حشرات الارض کی طرح مکھی میں بھی ایسا مادہ ہوتا ہے جس سے بیماری پیدا ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہر جانور کی فطرت اور طبیعت میں یہ بات رکھی ہے کہ اس کے اندر جو خراب اور زہریلے مادے پیدا ہوتے ہیں طبیعت مدبرہ ان کو خارجی اعضاء کی طرف پھینک دیتی ہے۔ اس لئے بالکل قرین قیاس ہے کہ مکھی کے اندر کے اس طرح کے فاسد مادہ کو اس کی طبیعت اس کے بازو کی طرف پھینک دیتی ہو، کیونکہ وہی اس کا خارجی عضو ہے اور دونوں بازوؤں میں سے بھی خاص اس بازو کی طرف پھینکتی ہو جو نسبتاً کمزور اور کم کام دینے والا ہو، (جس طرح ہمارے داہنے ہاتھ کے مقابلہ میں بایاں ہاتھ)

اور ہر جانور کی یہ بھی فطرت ہے کہ جب اس کو کوئی خطرہ پیش آئے تو وہ زیادہ کام آنے والے اعلیٰ واشرف عضو کو اس سے بچانے کی کوشش کرے، اس لئے یہ بھی قرین قیاس ہے کہ مکھی جب گرے تو اس بازو کو بچانے کی کوشش کرے جو خراب مادہ سے محفوظ اور نسبتاً اشرف ہو۔

اور جن لوگوں نے اللہ کی مخلوق کے احوال اور ان کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ کے عجائبات پر غور کیا ہے۔ انہوں نے اکثر یہ دیکھا ہے کہ جہاں بیماری کا سامان ہے وہیں اس کے علاج کا بھی سامان ہے۔ اس لئے یہ بھی بالکل قرین قیاس ہے کہ مکھی کے اگر ایک بازو میں کوئی مضر اور زہریلا مادہ ہو تو دوسرے بازو میں اس کا تریاق اور شفاء کا مادہ ہو۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ تعلیم بالکل اصول حکمت کے مطابق ہے۔ بلکہ دراصل آپ کی اس ہدایت کا تعلق دوسری بہت سی ہدایات کی طرح تحفظ صحت کے باب سے ہے، اس بناء پر کہا جاسکتا ہے کہ جو کچھ اس حدیث میں فرمایا گیا ہے وہ کوئی فرض یا واجب نہیں ہے جس پر عمل نہ کرنا معصیت کی بات ہو، بلکہ ایک طرح کی طبی رہنمائی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (ماخوذ حجۃ اللہ البالغہ)

عَنْ اَبِیْ جُحَیْفَۃَ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم لَا اٰکُلُ مُتَّکِئًا. (رواہ البخاری)

حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں ٹیک لگا کر یا کسی چیز کے سہارے بیٹھ کر کھانا نہیں کھاتا۔ (صحیح بخاری)

تشریح...... ٹیک لگا کر یا بلاضرورت کسی چیز کا سہارا لے کر کھانے کے لئے بیٹھنا متکبرانہ طریقہ ہے، حدیث پاک کا مطلب

یہی ہے کہ میں متکبرین کی طرح تکیہ وغیرہ لگا کر کھانا نہیں کھاتا اور اس کو پسند نہیں کرتا، میں اللہ کا بندہ ہوں اور کھانا بھی اس طرح کھاتا ہوں جس طرح ایک بندہ کو کھانا چاہئے۔

کنز العمال میں مسند ابویعلیٰ اور ابن سعد کے حوالے سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث ان الفاظ میں نقل کی گی ہے۔

اٰکُلُ کَمَا یَاْکُلُ الْعَبْدُ وَاَجْلِسُ کَمَا یَجْلِسُ الْعَبْدُ.

میں ایک غلام اور بندہ کی طرح کھاتا ہوں اور غلام اور بندہ کی طرح بیٹھتا ہوں۔

قریب قریب یہی مضمون دیگر صحابہ کرام کی روایات کا بھی ہے۔ان سب احادیث وروایات کا حاصل اور مدعا یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھانے کے لئے ایک عاجز بندہ کی طرح بیٹھتے تھے، متکبرین کی طرح نہیں بیٹھتے تھے، اور یہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم تھی، اور جو بندہ کھانے کے وقت اس حقیقت سے غافل نہ ہوگا کہ کھانا اللہ تعالےٰ کی نعمت اور (اس کا عطیہ ہے اور وہ رب کریم حاضر وناظر ہے اور میں اس کے سامنے اس کی نگاہ میں ہوں، وہ کبھی متکبروں کی طرح نہیں بیٹھے گا اور متکبروں کی طرح نہیں کھائے گا۔

عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسٍ قَالَ مَا اَكَلَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وآله وسلم على خوان ولا فى سُكُرُّجَةٍ وَلَا خُبِزَ لَهُ مُرَقَّقٌ...... قِيْلَ لِقَتَادَةَ عَلَى مَا يَاكُلُوْنَ قَالَ على السُّفَرِ. (رواه البخارى)

حضرت قتادہ نے رسول اللہ کے خادم حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ وہ بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی خوان پر کھانا نہیں کھایا اور نہ چھوٹی طشتری یا پیالی میں کھایا اور نہ کبھی آپ کے لئے چپاتی پکائی گئی۔قتادہ سے پوچھا گیا تو پھر (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کرامؓ) کس چیز پر کھانا کھایا کرتے تھے، تو انہوں نے کہا کہ دستر خوان پر۔ (صحیح بخاری)

تشریح ......خوان (جس کا ترجمہ خوان کیا گیا ہے) ایک چوکی یا نیچی قسم کی میز ہوتی تھی جو کھانے ہی میں استعمال ہوتی تھی، بڑے لوگ (مترفین) اسی پر کھانا کھاتے تھے اور نیچے فرش پر دستر خوان بچھا کر کھانے کو بڑائی اور امارت کی شان کے خلاف سمجھا جاتا تھا۔اسی طرح امیر لوگوں کے دستر خوان پر سکرجہ یعنی چھوٹی چھوٹی طشتریاں اور پیالیاں ہوتی تھیں۔خود صحابہ کرامؓ کے آخری دور میں یہ چیزیں خود مسلمان گھرانوں میں بہت عام ہوگئی تھیں۔

حضرت انسؓ کی اس حدیث کا مطلب ومدعا بھی بس یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کھانے میں نہایت سادگی اور بندگی کی شان ہوتی تھی، نہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی خوان پر کھانا کھایا، نہ چھوٹی طشتریوں اور پیالیوں میں کھایا، نہ کبھی خاص طور سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے گھر میں چپاتیاں بنائی گئیں۔

پینے کے آداب

عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَنَفَّسُ فِى الشَّرَابِ ثَلٰثًا. (رواه البخارى ومسلم) (وزاد مسلم يَقُوْلُ اِنَّهٗ اَرْوٰى وَاَبْرَاُ وَاَمْرَاُ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پینے میں تین دفعہ سانس لیتے تھے۔ (صحیح بخاری)
(اور صحیح مسلم کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ اس طرح درمیان میں سانس لے لے کر پینے سے زیادہ سیرابی حاصل ہوتی ہے اور یہ زیادہ صحت بخش اور معدہ کے لئے زیادہ خوشگوار ہے۔)

تشریح...... اس حدیث میں سانس توڑ توڑ کے پینے کی جو حکمت بیان فرمائی گئی ہے وہ اس بات کا قرینہ ہے کہ یہ حکم طبی مصلحت کی بناء پر دیا گیا ہے، ایسا نہیں ہے کہ ایک سانس میں پینا کوئی گناہ ہو، ہاں وہ ناپسندیدہ اور نامناسب ہے۔ واللہ اعلم۔

عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اَنَّہٗ نَھٰی اَنْ یَّشْرِبَ الرَّجُلُ قَائِمًا. (رواہ مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑے کھڑے پینے سے منع فرمایا۔ (صحیح بخاری)

تشریح...... بعض اور حدیثوں میں بھی کھڑے ہونے کی حالت میں پینے کی ممانعت وارد ہوئی ہے، لیکن حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عمروؓ اور بعض دوسرے صحابہ کرام نے بیان کیا ہے کہ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کھڑے ہونے کی حالت میں بھی پانی پیتے دیکھا ہے۔ اس سلسلہ کی مختلف احادیث و روایات کو سامنے رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کھڑے ہونے کی حالت میں پینا پسندیدہ نہیں ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عام معمول بیٹھ کر ہی پینے کا تھا، لیکن کبھی کبھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑے ہونے کی حالت میں بھی پیا ہے تو یا تو اس وقت اس کا کوئی خاص سبب ہوگا یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان جواز کے لئے کیا ہوگا۔ کچھ ہی پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعض اوقات یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ جائز یہ بھی ہے اور اس کی بھی گنجائش ہے، افضل و ادنیٰ کے خلاف بھی عمل کر لیتے تھے اور چونکہ تعلیم کی نیت سے کرتے تھے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں اس وقت یہی اولیٰ و افضل ہوتا تھا۔ واللہ اعلم۔

لباس کے احکام و آداب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس طرح اٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے اور کھانے پینے وغیرہ زندگی کے سارے معمولات کے بارے میں احکام و آداب کی تعلیم دی اور بتلایا کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے، یہ صحیح ہے اور یہ غلط، یہ مناسب ہے اور یہ نامناسب، اسی طرح لباس اور کپڑے کے استعمال کے بارے میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح ہدایات دیں۔

اس باب میں آپ کی تعلیمات وہدایات کی اساس وبنیاد سورۂ اعراف کی یہ آیت ہے:

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْکُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِکُمْ وَرِیْشًا ط وَلِبَاسُ التَّقْوٰی ذٰلِکَ خَیْرٌ. (الاعراف، ع۔۳)

اے فرزندانِ آدم ہم نے تم کو پہننے کے کپڑے عطا کئے جن سے تمہاری ستر پوشی ہو اور تجمل و آسائش کا سامان اور تقوے والا لباس تو سراسر خیر اور بھلائی ہے۔

اس آیت میں لباس کے دو خاص فائدے ذکر کئے گئے ہیں۔ ایک ستر پوشی یعنی انسانی جسم کے ان حصوں کو چھپانا جن پر غیروں کی نظر نہیں پڑنی چاہئے اور دوسرے زینت و آرائش یعنی یہ کہ دیکھنے میں آدمی بھلا اور آراستہ معلوم ہو اور جانوروں کی طرح ننگ دھڑنگ نہ پھرے۔

آخر میں فرمایا گیا ہے: "وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ"، یعنی اللہ کے نزدیک اور فی الحقیقت وہ لباس اچھا ہے اور سراسر خیر ہے جو خدا ترسی اور پرہیزگاری کے اصول سے مطابقت رکھتا ہو، اس میں اللہ کی ہدایت اور اس کے احکام کی خلاف ورزی نہ کی گئی ہو، بلکہ اس کی نازل کی ہوئی شریعت کے مطابق ہو۔ ایسا ہر لباس بلاشبہ سراسر خیر ونعمت اور شکر کے ساتھ اس کا استعمال قرب الٰہی کا وسیلہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس سلسلہ کے ارشادات اور ذاتی معمولات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس باب کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم و ہدایت کا بنیادی نقطہ یہی ہے کہ لباس ایسا ہو جس سے ستر پوشی کا مقصد حاصل ہو اور دیکھنے میں آدمی باجمال اور باوقار معلوم ہو۔ نہ تو ایسا ناقص ہو کہ ستر پوشی کا مقصد ہی پورا نہ ہو اور نہ ہی ایسا گندہ اور بے تکا ہو کہ بجائے زیب وزینت کے آدمی کی صورت بگاڑ دے، اور دیکھنے والوں کے دلوں میں تنفر و توحش پیدا ہو۔ اسی طرح یہ کہ آرائش و تجمل کے لئے افراط اور بے جا اسراف بھی نہ ہو۔ علیٰ ہذا شان وشوکت کی نمائش اور برتری کا اظہار و تفاخر بھی مقصود نہ ہو۔ جو مقام عبدیت کے بالکل ہی خلاف ہے۔ اسی طرح یہ کہ مرد ریشمی کپڑا استعمال نہ کریں، یہ سونے چاندی کے زیورات کی طرح عورتوں کے لئے مخصوص ہے، اور یہ کہ مرد خاص عورتوں والا لباس پہن کر نسوانی صورت نہ بنائیں اور عورتیں مردوں والے مخصوص کپڑے پہن کر اپنی نسوانی فطرت پر ظلم نہ کریں۔

نیز یہ کہ ہر لباس کو اللہ تعالیٰ کا خاص عطیہ سمجھیں اور اس کے شکر کے ساتھ استعمال کریں۔ بلاشبہ ان احکام وہدایات کی تعمیل کے ساتھ ہر لباس کا استعمال ایک طرح کی عبادت اور اللہ تعالیٰ کے قرب کا وسیلہ ہوگا۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه و آله وسلم اَنْ يَّاْكُلَ الرَّجُلُ بِشِمَالِهٖ اَوْ اَنْ يَّمْشِىَ فِىْ نَعْلٍ وَّاحِدَةٍ وَاَنْ يَّشْتَمِلَ الصَّمَّاءَ اَوْ يَحْتَبِىَ فِىْ ثَوْبٍ وَّاحِدٍ كَاشِفًا عَنْ فَرْجِهٖ. (رواه مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا اس سے کہ آدمی بائیں ہاتھ سے کھائے، یا صرف ایک پاؤں میں جوتی پہن کر چلے اور اس سے بھی منع فرمایا کہ آدمی صرف ایک چادر اپنے اوپر لپیٹ کر ہر طرف سے بند ہو جائے یا ایک کپڑے میں گوٹ مار کر بیٹھے اس طرح کہ اس کا ستر کھلا ہو۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... عربوں میں کپڑے کے استعمال کے بعض طریقے رائج تھے اور ان کے لئے ان کی زبان میں بعض مخصوص الفاظ تھے، مثلاً ایک طریقہ یہ تھا کہ سارے جسم پر ایک چادر اس طرح لپیٹ لی کہ ہر طرف سے بند ہو گئے اور اس طرح بندھ گئے کہ ہاتھ بھی باہر نہیں نکل سکتا، اس کو "اِشْتِمَالِ صَمَّاء" کہا جاتا تھا، اس حدیث میں اس سے ممانعت فرمائی گئی ہے کیونکہ یہ ایک بے ڈھنگا طریقہ ہے اور آدمی اس میں ہر طرف سے بندھ جاتا ہے اور مثلاً ایک طریقہ یہ تھا کہ آدمی سرینیں زمین پر رکھ کے اور گھٹنے کھڑے کر کے بیٹھ جاتا اور بس ایک کپڑا اپنی کمر اور پنڈلیوں پر لپیٹ لیتا، اس میں ستر پوشی بھی نہ ہوتی کیونکہ اسفل کھلا رہ جاتا) اس کو "احتباء" کہتے تھے، اس سے بھی اس حدیث میں ممانعت فرمائی گئی ہے، کیونکہ یہ وقار کے خلاف اور بے ڈھنگے پن کی علامت ہے، ہاں اگر کسی عذر کی وجہ سے ہو تو ظاہر ہے وہ معذور ہوگا۔

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ اَسْمَاءَ بِنْتَ اَبِىْ بَكْرٍ دَخَلَتْ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی الله علیه و آله وسلم

وَعَلَيْهَا ثِيَابٌ رِقَاقٌ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَقَالَ يَا اَسْمَاءُ اِنَّ الْمَرْأَةَ اِذَا بَلَغَتِ الْمَحِيْضَ لَنْ يَصْلُحَ اَنْ يُرَى مِنْهَا اِلَّا هٰذَا وَهٰذَا وَاَشَارَا اِلٰى وَجْهِهٖ وَكَفَّيْهِ. (رواه ابوداؤد)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ (میری بہن) اسماء بنت ابی بکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئیں اور وہ باریک کپڑے پہنے ہوئے تھیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی طرف سے منہ پھیر لیا اور کہا کہ اے اسماء عورت جب بلوغ کو پہنچ جائے تو درست نہیں کہ اس کے جسم کا کوئی حصہ نظر آئے سوائے چہرے اور ہاتھوں کے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح...... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورتوں کو ایسا باریک کپڑا پہننا جائز نہیں جس سے جسم نظر آئے۔ ہاں چہرہ اور ہاتھوں کا کھلا رہنا جائز ہے، یعنی باقی جسم کی طرح ان کو کپڑے سے چھپانا ضروری نہیں۔ یہاں ملحوظ رہے کہ اس حدیث میں عورت کے لئے ستر کا حکم بیان فرمایا گیا ہے۔ حجاب (پردہ) کا حکم اس سے الگ ہے اور وہ یہ ہے کہ بے ضرورت باہر نہ گھومیں اور اگر ضرورت اور کام سے باہر نکلیں تو پردہ میں نکلیں۔ ستر اور حجاب شریعت کے دو حکم ہیں اور ان کے حدود الگ الگ ہیں، بعض حضرات کو ان میں اشتباہ ہو جاتا ہے۔ غالب گمان یہ ہے کہ حضرت اسماءؓ کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے آنے کے جس واقعہ کا اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے وہ حجاب (پردہ) کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا ہے۔ کیونکہ اس حکم کے نازل ہونے کے بعد حضرت اسماءؓ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے نہیں آسکتی تھیں۔ واللہ اعلم۔

امام مالکؒ نے موطا میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ واقعہ بھی نقل کیا ہے کہ ان کی بھتیجی حفصہ بنت عبدالرحمٰن بن ابی بکر ان کے پاس آئیں اور وہ زیادہ باریک اوڑھنی (خمار) اوڑھے ہوئے تھیں، تو حضرت صدیقہ نے اس کو اتار کے پھاڑ دیا اور موٹے کپڑے کی خمار اوڑھادی۔ ظاہر ہے حضرت صدیقہؓ کا یہ فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی تعلیم و تربیت کا نتیجہ تھا۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه و آله وسلم مَنْ لَبِسَ ثَوْبَ شُهْرَةٍ فِي الدُّنْيَا اَلْبَسَهُ اللّٰهُ ثَوْبَ مَذَلَّةٍ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (رواه احمد و ابو دائود و ابن ماجه)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو آدمی دنیا میں نمائش اور شہرت کے کپڑے پہنے گا اس کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ذلت ورسوائی کے کپڑے پہنائے گا۔ (مسند احمد، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

تشریح...... حدیث میں "ثوب شہرت" سے مراد وہ لباس ہے جو اپنی شان و شوکت کی نمائش کے لئے اور لوگوں کی نظر میں بڑا بننے کے لئے پہنا جائے۔ ظاہر ہے کہ اس میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو لوگوں کی نظروں میں علامہ یا بڑا مقدس بزرگ بننے کے لئے اس طرح کا خاص لباس تقدس پہنیں یا اپنی فقیری و درویشی کی نمائش کے لئے ایسے کپڑے پہنیں جن سے لوگ ان کو پہنچا ہوا فقیر و درویش سمجھیں۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ اس کا تعلق آدمی کے دل اور اس کی نیت سے ہے، ایک ہی کپڑا اگر نمود و نمائش کیلئے اور اپنی بڑائی کے مظاہرہ کے لئے پہنا جائے تو گناہ اور اس حدیث کا مصداق ہوگا اور وہی کپڑا اگر اس نیت کے بغیر پہنا جائے تو جائز اور بعض صورتوں میں موجب اجر و ثواب ہوگا۔ اور چونکہ ہم بندوں کو کسی کی نیت اور دل کا حال معلوم نہیں اس لئے ہمارے لئے جائز نہ ہوگا کہ کسی کے لباس کو نمود و نمائش اور ریاکاری کا لباس قرار دے کر اس پر

اعتراض کریں ہاں اپنے دل، اپنی نیت اور اپنے لباس کا محاسبہ کرتے رہیں۔ یہی اس حدیث کا پیغام ہے۔

عہد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عرب متکبرین کا یہ فیشن تھا کہ کپڑوں کے استعمال میں بہت اسراف سے کام لیتے تھے اور اس کو بڑائی کی نشانی سمجھا جاتا تھا۔ ازار یعنی تہبند اس طرح باندھتے کہ چلنے میں نیچے کا کنارہ زمین پر گھسٹتا، اسی طرح قمیص اور عمامہ اور دوسرے کپڑوں میں بھی اسی قسم کے اسراف کے ذریعہ اپنی بڑائی اور چودھراہٹ کی نمائش کرتے، گویا اپنے دل کے استکبار اور احساس بالاتری کے اظہار اور تفاخر کا یہ ایک ذریعہ تھا۔ اور اس وجہ سے متکبرین کا یہ خاص فیشن بن گیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی سخت ممانعت فرمائی اور نہایت سنگین وعیدیں اس کے بارے میں سنائیں۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یَقُوْلُ اِزْرَۃُ الْمُؤْمِنِ اِلٰی اَنْصَافِ سَاقَیْہِ لَا جُنَاحَ عَلَیْہِ فِیْمَا بَیْنَہٗ وَبَیْنَ الْکَعْبَیْنِ وَمَا اَسْفَلَ مِنْ ذٰلِکَ فَفِی النَّارِ، قَالَ ذٰلِکَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ وَلَا یَنْظُرُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِلٰی مَنْ جَرَّ اِزَارَہٗ بَطَرًا۔ (رواہ ابوداؤد وابن ماجہ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا، فرماتے تھے کہ مؤمن بندہ کے لئے ازار یعنی تہبند کا طریقہ (یعنی بہتر اور اولیٰ صورت) یہ ہے کہ نصف ساق تک (یعنی پنڈلی کے درمیانی حصہ تک ہو) اور نصف ساق اور ٹخنوں کے درمیان تک ہو تو یہ بھی گناہ نہیں ہے یعنی جائز ہے اور جو اس سے نیچے ہو تو وہ جہنم میں ہے (یعنی اس کا نتیجہ جہنم ہے) (راوی کہتے ہیں کہ) یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین دفعہ ارشاد فرمائی (اس کے بعد فرمایا) اللہ اس آدمی کی طرف نگاہ اٹھا کے بھی نہ دیکھے گا جو ازراہِ فخر وتکبر اپنی ازار گھسیٹ کر چلے گا۔ (سنن ابی داؤد وسنن ابن ماجہ)

تشریح...... ان حدیثوں میں فخر وغرور والا لباس استعمال کرنے والوں کو یہ سخت وعید سنائی گئی ہے کہ وہ قیامت کے اس دن میں جبکہ ہر بندہ اپنے رب کریم کی نگاہ رحم وکرم کا محتاج اور آرزومند ہوگا وہ اس کی نگاہ رحمت سے محروم رہیں گے، اللہ تعالیٰ اس دن ان کو بالکل ہی نظر انداز کردے گا ان کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھے گا۔ کیا ٹھکانہ ہے اس محرومی اور بدبختی کا۔ **اللھم احفظنا**.

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مؤمن کے لئے اولیٰ اور بہتر یہ ہے کہ تہبند (اور اسی طرح پاجامہ) نصف ساق تک ہو، اور ٹخنوں کے اوپر تک ہو تو یہ بھی جائز ہے۔ لیکن اس سے نیچے جائز نہیں، بلکہ سخت گناہ ہے اور اس پر جہنم کی وعید ہے۔ لیکن یہ وعید اسی صورت میں ہے جبکہ اس کا محرک اور باعث استکبار اور فخر وغرور کا جذبہ ہو۔

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ مَرَّ رَجُلٌ وَعَلَیْہِ ثَوْبَانِ اَحْمَرَانِ فَسَلَّمَ عَلَی النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فَلَمْ یَرُدَّ عَلَیْہِ۔ (رواہ الترمذی وابوداؤ)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما تھے) ایک آدمی گزرا اور وہ دونوں کپڑے سرخ رنگ کے پہنے ہوئے تھا، اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

تشریح...... شارحین نے لکھا ہے کہ ان صاحب کے کپڑے شوخ سرخ رنگ کے تھے جو کہ مردوں کے لئے زیبا نہیں اور

سلام کا جواب نہ دینا اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عتاب تھا، اسی حدیث کی بناء پر مردوں کے لئے شوخ سرخ رنگ کے لباس کو بعض علماء نے حرام کہا ہے اور بعض نے مکروہ۔ بہرحال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے سلام کا جواب نہ دیا جانا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سخت ناراضی وناگواری کی کھلی دلیل ہے۔ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ غَضَبِ اللّٰهِ وَغَضَبِ رَسُوْلِهٖ.

اللہ نصیب فرمائے تو پھٹے حال رہنا ٹھیک نہیں

عَنْ عَمْرِو بْنِ شَعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه و آله وسلم اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ اَنْ يُّرٰى اَثَرُ نِعْمَتِهٖ عَلٰى عَبْدِهٖ. (رواه الترمذی)

عمرو بن شعیب اپنے والد شعیب سے اور وہ اپنے دادا حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ کو یہ بات محبوب اور پسند ہے کہ کسی بندے پر اس کی طرف سے جو انعام ہو تو اس پر اس کا اثر نظر آئے۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... جس طرح بعض لوگ اپنی بڑائی کے اظہار کے لئے یا فیشن کے طور پر بہت بڑھیا لباس پہنتے اور اس مد میں بے جا اسراف کرتے ہیں اسی طرح بعض کنجوس کنجوسی کی وجہ سے یا صرف طبیعت کے گنوار پن کی وجہ سے صاحب استطاعت ہونے کے باوجود بالکل پھٹے حال رہتے ہیں۔ اس حدیث میں ایسے ہی لوگوں کو ہدایت فرمائی گئی ہے کہ جب کسی بندے پر اللہ کا فضل ہو تو اس کو اس طرح رہنا چاہئے کہ دیکھنے والوں کو بھی نظر آئے کہ اس پر اس کے رب کا فضل ہے، یہ شکر کے تقاضوں میں سے ہے۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ شَعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه و آله وسلم كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَتَصَدَّقُوْا وَالْبَسُوْا مَالَمْ يُخَالِطْ اِسْرَافٌ وَلَا مَخِيْلَةٌ. (رواه احمد والنسائی وابن ماجه)

عمرو بن شعیب اپنے والد شعیب سے روایت کرتے ہیں کہ وہ اپنے دادا حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اجازت ہے خوب کھاؤ، پیو، دوسروں پر صدقہ کرو، اور کپڑے بنا کر پہنو، بشرطیکہ اسراف اور نیت میں فخر واستکبار نہ ہو۔ (مسند احمد، سنن نسائی، ابن ماجہ)

تشریح...... کھانے اور لباس وغیرہ کے بارے میں اس حدیث میں جو کچھ فرمایا گیا ہے وہ ایک واضح قانون ہے یعنی یہ کہ آدمی حلال غذاؤں میں سے اپنے حسب مرضی جو کچھ کھائے اور جو پیئے اور جو من بھاتا حلال لباس پہنے جائز ہے، بشرطیکہ اسراف کی حد تک نہ پہنچے اور دل میں تفاخر اور استکبار نہ ہو۔ امام بخاریؒ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا یہ قول بھی صحیح بخاری میں نقل کیا ہے کہ:

"كُلْ مَا شِئْتَ وَالْبَسْ مَا شِئْتَ مَا اَخْطَأَتْكَ اِثْنَتَانِ سَرَفٌ، وَمَخِيْلَةٌ.

جو جی چاہے کھاؤ اور جو جی چاہے پہنو، (جائز ہے) جب تک کہ دو باتیں نہ ہوں ایک اسراف اور دوسرے استکبار وتفاخر۔ اس باب میں یہی بنیادی اصول اور معیار ہے۔

غیر مسلموں کی مشابہت سے اجتناب

عن عبدالله بن عمرو بن العاص رضی الله عنه قال رأى رسول الله صلى الله عليه وسلم على

ثوبين معصفرين فقال ان هذه من ثياب الكفار فلا تلبسهما.

عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ پر دو کپڑے کسم کے رنگے ہوئے دیکھے فرمایا یہ کفار کے کپڑوں میں سے ہیں ان کو مت پہنو۔ (مسلم)

فائدہ: ایسا کپڑا مرد کے لئے خود بھی حرام ہے مگر آپ نے ایک وجہ یہ بھی فرمائی معلوم ہوا کہ اس وجہ میں بھی اثر ہے پس یہ وجہ جہاں بھی پائی جاوے گی یہی حکم ہوگا۔

رکانہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ٹوپیوں کے اوپر عماموں کا ہونا فرق ہے ہمارے اور مشرکین کے درمیان۔ (ترمذی)

فائدہ: مرقاۃ میں ہے کہ معنی یہ ہیں کہ ہم عمامہ ٹوپیوں کے اوپر باندھتے ہیں اور مشرکین صرف عمامہ باندھتے ہیں۔ اھ

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص (وضع وغیرہ میں) کسی قوم کی شباہت اختیار کرے وہ ان ہی میں سے ہے۔ (احمد وابوداؤد) فائدہ: یعنی اگر کفار فساق کی وضع بناوے گا وہ گناہ میں ان کا شریک ہوگا۔

ابی ریحانہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس چیزوں سے منع فرمایا (ان میں یہ بھی ہے یعنی) اور اس سے بھی کہ کوئی شخص اپنے کپڑوں کے نیچے حریر لگاوے مثل عجمیوں کے یا اپنے شانوں پر حریر لگاوے مثل عجمیوں کے۔ (ابوداؤد ونسائی)

فائدہ: اس میں بھی وہی تقریر ہے جو (نمبر۳) میں گذری۔

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ لعنت کرے ان مردوں پر جو عورتوں کی شباہت بناتے ہیں اور ان عورتوں پر جو مردوں کی شباہت بناتی ہیں۔ (بخاری)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرد پر لعنت فرمائی ہے جو عورت کی وضع کا لباس پہنے اور اس عورت پر بھی جو مرد کی وضع کا لباس پہنے۔ (ابوداؤد)

ابن ملیکہؒ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ سے کہا گیا کہ ایک عورت (مردانہ) جوتا پہنتی ہے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردانی عورت پر لعنت فرمائی ہے۔ (ابوداؤد)

فائدہ: آج کل عورتوں میں اس کا بہت رواج ہوگیا اور بعضی تو انگریزی جوتہ پہنتی ہیں جس سے دو گناہ ہوتے ہیں۔ ایک مردوں کی وضع کا دوسرا غیر قوم کی وضع کا۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لعنت کرے اللہ تعالیٰ بال میں بال ملانے والی کو اور ملوانے والی کو (جس سے غرض دھوکہ دینا ہو کہ دیکھنے والوں کو لانبے معلوم ہوں، اور گودنے والی کو اور گدوانے والی کو۔ (بخاری ومسلم)

فائدہ: مردوں کا بھی یہی حکم ہے۔

حجاج بن حسان سے روایت ہے کہ ہم حضرت انسؓ کی خدمت میں گئے (حجاج اس وقت بچے تھے کہتے ہیں کہ) میری بہن مغیرہ نے مجھ سے قصہ بیان کیا کہ تم اس وقت بچے تھے اور تمہارے (سر پر) بالوں کے دو چٹلے یا گچھے تھے حضرت انسؓ نے تمہارے سر پر ہاتھ پھیرا اور برکت کی دعا کی اور فرمایا ان کو منڈ وادو یا کاٹ دو کیونکہ یہ وضع یہود کی ہے۔ (ابوداؤد)

عامر بن سعد اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صاف رکھو اپنے مکانوں کے سامنے

کے میدانوں کو اور یہود کے مشابہ مت بنو (وہ میلے کچیلے ہوتے تھے)۔ (ترمذی)

فائدہ: جب گھر سے باہر کے میدانوں کو میلا رکھنا یہود کی مشابہت کے سبب ناجائز ہے تو خود اپنے بدن کے لباس میں مشابہت کیسے جائز ہوگی۔ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (جاہل) دیہاتی لوگ مغرب کی نماز کے نام میں تم پر غالب نہ آ جاویں اور (یہ) دیہاتی اس کو عشاء کہتے تھے (یعنی تم اس کو عشاء مت کہو مغرب کہو) اور یہ بھی فرمایا کہ (جاہل) دیہاتی لوگ عشاء کی نماز کے نام میں تم پر غالب نہ آ جاویں کیونکہ وہ کتاب اللہ میں عشاء ہے (اور وہ اس کو عتمہ کہتے تھے) اس لئے کہ عتمہ (یعنی اندھیرے) میں اونٹوں کا دودھ دوہا جاتا تھا۔ (مسلم)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ بول چال میں بھی بلاضرورت ان لوگوں کی مشابہت نہ چاہئے جو دین سے واقف نہیں۔

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں عربی کمان تھی آپ نے ایک شخص کو دیکھا جس کے ہاتھ میں فارس کی کمان تھی آپ نے فرمایا اس کو پھینک اور (عربی کمان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ) اس کو لو اور جو اس کے مشابہ ہے۔ (ابن ماجہ)

فائدہ: فارسی کمان کا بدل عربی کمان تھی اسلئے اسکے استعمال سے منع فرمایا، معلوم ہوا کہ برتنے کی چیزوں میں بھی غیر قوم کی مشابہت سے بچنا چاہئے جیسے کانسی پیتل کے برتن بعضی جگہ غیر قوموں سے خصوصیت رکھتے ہیں۔

حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کو عرب لہجے اور آواز میں پڑھو (یعنی صحیح اور بلا تکلف اور اپنے کو اہل عشق کے لہجہ سے اور دونوں اہل کتاب (یعنی یہود و نصاریٰ) کے لہجہ سے بچاؤ۔ (بیہقی ورزین)

فائدہ: معلوم ہوا کہ پڑھنے میں بھی غیر قوموں اور بے شرع لوگوں کی مشابہت سے بچنا چاہئے۔

ایک شخص روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ نے ام سعد دختر ابو جہل کو دیکھا کہ ایک کمان لٹکائے ہوئے تھی اور مردوں کی چال سے چل رہی تھی۔ عبداللہ نے کہا کہ یہ کون ہے میں نے کہا کہ یہ ام سعد دختر ابو جہل ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے فرماتے تھے ایسا شخص ہم سے الگ ہے جو عورت ہو کر مردوں کی مشابہت کرے یا مرد ہو کر عورتوں کی مشابہت کرے۔ (عین ترغیب از احمد وطبرانی واسقط المبہم)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ہماری جیسی نماز پڑھے اور ہمارے قبلہ کی طرف رُخ کرے اور ہمارے ذبح کئے ہوئے کو کھائے وہ ایسا مسلمان ہے جس کے لئے اللہ کی ذمہ داری ہے اور اس کے رسول کی سو تم لوگ اللہ کی ذمہ داری میں خیانت مت کرو (یعنی اس کے اسلامی حقوق ضائع مت کرو) (بخاری) اس سے معلوم ہوا کہ کھانے کی جن چیزوں کو مسلمانوں کے ساتھ خاص تعلق ہے ان کا کھانا بھی نماز وغیرہ کی طرح علامت ہے اسلام کی، سو بعضے آدمی جو گائے کا گوشت بلاعذر کسی کی خاطر چھوڑ دیتے ہیں اس کا ناپسند ہونا اس سے معلوم ہوا (**ویؤیدہ شان نزول قولہ تعالیٰ یآیھا الذین امنوا ادخلوا فی السلم کآفۃ** (البقرہ، آیت ۲۰۸) غرض ہر بات میں اسلامی طریقہ اختیار کرنا چاہئے، دین کی باتوں میں بھی اور دنیا کی باتوں میں بھی۔ چنانچہ

عبداللہ بن عمرؓ سے (ایک لانبی حدیث میں) روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی، سب فرقے دوزخ میں جاویں گے بجز ایک ملت کے۔ لوگوں نے عرض کیا اور وہ فرقہ کونسا ہے (جو دوزخ سے

نجات پاوے گا) آپ نے فرمایا جس طریقہ پر میں اور میرے اصحاب ہیں۔ (ترمذی)

فائدہ: طریقہ سے مراد واجب طریقہ ہے جس کے خلاف دوزخ کا ڈر ہے اور آپ نے اس طریقہ میں کسی چیز کی تخصیص نہیں فرمائی تو اس میں دین کی باتیں بھی آ گئیں اور دنیا کی بھی۔ البتہ کسی چیز کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کا طریقہ ہونا اور اس کا واجب ہونا کبھی قول سے معلوم ہوتا ہے کبھی فعل سے کبھی نص یعنی (صاف عبارت) سے کبھی (اجتہاد اور) اشارہ سے جس کو صرف عالم لوگ سمجھ سکتے ہیں عام لوگوں کو ان کے اتباع سے چارہ نہیں اور بدوں ان کے اتباع کے غیر عالم لوگوں کا دین بچ نہیں سکتا۔

ختم کلام۔ جس قسم کے اعمال کی فہرست کا دیباچہ میں ذکر ہے ان میں اس وقت جس عمل کو سوچتا ہوں وہ ان پچیس حصوں میں پاتا ہوں اجمالاً یا تفصیلاً۔ اس لئے رسالہ کو ختم کرتا ہوں، البتہ اگر ذوقاً کسی کے ذہن میں اور کوئی عمل آوے یا ان میں سے کسی حصہ کی تفصیل مصلحت معلوم ہو وہ اس کا ضمیمہ بن سکتا ہے۔

عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری طرف سے پہنچاتے رہو اگرچہ ایک ہی آیت ہو۔ (بخاری)

ابوالدرداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص دین کے احکام میں چالیس حدیثیں محفوظ کر کے میری امت پر پیش کر دے اللہ تعالیٰ اُس کو فقیہ کر کے اٹھائے گا اور میں قیامت کے دن اس کا سفارشی اور گواہ ہوں گا۔ (بیہقی)

الحمدللہ کہ ان حصوں میں نوے سے زائد آیتوں کی اور غیر مکرر مرفوع تین سو چالیس سے زائد حدیثوں کی تبلیغ ہوگئی۔ اگر کوئی ان حصوں کو چھپوا کر تقسیم کرے یہ ثواب اس کو بھی ملے گا۔

امتیازِ قومی

(یعنی اپنا لباس اپنی وضع، اپنی بول چال، اپنا برتاؤ وغیرہ غیر مذہب والوں سے الگ رکھنا) دوسری قوموں کی وضع وعادات بلا ضرورت اختیار کرنے کو شریعت نے منع کیا ہے پھر ان میں بعضی چیزیں تو ایسی ہیں کہ اگر دوسری قوموں سے ان کی خصوصیات نہ بھی رہے تب بھی گناہ رہیں گی جیسے ڈاڑھی منڈانا یا حد سے باہر کترانا یا گھٹنوں سے اونچا پائجامہ یا جانگیہ پہننا کہ ہر حال میں ناجائز ہے۔

اور اگر اس کے ساتھ شرعی وضع کو حقیر سمجھے یا اس کی بُرائی کرے تو پھر گناہ سے گذر کر کفر ہو جاوے گا۔ اور بعضی چیزیں ایسی ہیں کہ اگر دوسری قوموں سے ان کی خصوصیت نہ رہے تو گناہ نہ رہیں گی اور خصوصیت نہ رہنے کی پہچان یہ ہے کہ ان چیزوں کو دیکھنے سے عام لوگوں کے ذہن میں یہ کھٹک نہ ہو کہ یہ وضع تو فلانے لوگوں کی ہے جیسے انگرکھا یا اچکن پہننا۔ مگر جب تک یہ خصوصیت ہے اس وقت تک منع کیا جاوے گا جیسے ہمارے ملک میں کوٹ پتلون پہننا یا گرگابی پہننا یا دھوتی باندھنا یا عورتوں کو لہنگا پہننا۔ پھر ایسی چیزوں میں جو چیزیں دوسری قوموں کی محض قومی وضع ہیں جیسے کوٹ پتلون وغیرہ یا قومی وضع کی طرح ان کی عام عادت ہے جیسے میز کرسی پر یا چھری کانٹے سے کھانا۔ اس کے اختیار کرنے سے تو صرف گناہ ہی ہوگا کہیں کم کہیں زیادہ اور جو چیزیں دوسری قوموں کی مذہبی وضع ہیں ان کا اختیار کرنا کفر ہوگا جیسے صلیب لٹکانا یا سر پر چوٹی رکھ لینا یا جنیو باندھ لینا یا ماتھے پر قشقہ لگا لینا باجے پکارنا وغیرہ۔ اور جو چیزیں دوسری قوموں کی نہ قومی وضع ہیں نہ مذہبی وضع ہیں گو ان کی ایجاد ہوں اور عام ضرورت کی چیزیں ہیں جیسے دیا سلائی یا گھڑی یا کوئی حلال دوا یا مختلف سواریاں یا ضرورت کے بعضے نئے آلات جیسے ٹیلیگراف یا ٹیلیفون یا نئے ہتھیار یا نئی ورزشیں جن کا

بدل ہماری قوم میں نہ ہوان کا برتنا جائز ہے نہ کہ گانے بجانے کی چیزیں جیسے گراموفون یا ہارمونیم وغیرہ۔ مگران جائز چیزوں کی تفصیل اپنی عقل سے نہ کریں بلکہ علماء سے پوچھ لیں اور مسلمانوں میں جو فاسق یا بدعتی ہیں خواہ وہ بدعتی دین کے رنگ میں ہوں خواہ دنیا کے رنگ میں ہوں ان کی وضع اختیار کرنا بھی گناہ ہے۔ گو کافروں کی وضع سے کم سہی بلکہ مرد کو عورت کی وضع اور عورت کو مرد کی وضع بنانا گناہ ہے۔ پھران سب ناجائز وضعوں میں اگر پوری وضع بنائی زیادہ گناہ ہوگا اگر ادھوری بنائی اس سے کم ہوگا اور اس سے یہ بھی سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ یہ مسئلہ جس طرح شرعی ہے اسی طرح عقلی بھی ہے کیونکہ مرد کے لئے زنانہ وضع بنانے کو ہر شخص عقل سے بھی بُرا سمجھتا ہے حالانکہ دونوں مسلمان اور صالح ہیں تو جہاں مسلمان اور کافر کا فرق ہو یا صالح وفاسق کا فرق ہو وہاں کافر یا فاسق کی وضع بنانے کو کس کی عقل اجازت دے سکتی ہے۔ اب کچھ آیتیں اور حدیثیں لکھتا ہوں۔

جیسی اوپر مثالیں لکھی گئیں اور بعضی تبدیلی صورت کا سنوارنا ہے اور واجب ہے جیسے لبیں ترشوانا ناخن ترشوانا بغل اور زیرناف کے بال لینا اور بعضی تبدیلی جائز ہے جیسے مرد کو سر کے بال منڈا دینا یا کٹا دینا یا ڈاڑھی کا جو حصہ ایک مٹھی سے زیادہ ہو کٹا دینا اور اس کا فیصلہ شریعت سے ہوتا ہے نہ کہ رواج سے کیونکہ اول تو رواج کا درجہ شریعت کے برابر نہیں دوسرے ہر جگہ کا رواج مختلف پھر وہ ہر زمانے میں بدلتا بھی رہتا ہے۔

۲۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ظالموں (یعنی نافرمانوں) کی طرف (باعتبار دوستی یا شرکت اعمال واحوال کے) مت جھکو کبھی تم کو دوزخ کی آگ لگ جاوے۔ (ہود۔ آیت ۱۱۳)

فائدہ: یہ یقینی بات ہے کہ اپنی وضع وطریقہ چھوڑ کر دوسرے کی وضع اور طریقہ خوشی سے تب ہی اختیار کرتا ہے جب اسکی طرف دل جھکے اور نافرمانوں کی طرف جھکنے پر دوزخ کی وعید فرمائی ہے، اس سے صاف ثابت ہوا کہ ایسی وضع اور طریقہ اختیار کرنا گناہ ہے۔

داڑھی اور سر کے بال

عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم فِي الْمَسْجِدِ فَدَخَلَ رَجُلٌ ثَائِرَ الرَّأْسِ وَاللِّحْيَةِ فَاَشَارَ اِلَيْهِ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم بِيَدِهٖ كَاَنَّهٗ يَاْمُرُهٗ بِاِصْلَاحِ شَعْرِهٖ وَلِحْيَتِهٖ فَفَعَلَ ثُمَّ رَجَعَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم اَلَيْسَ هٰذَا خَيْرًا مِنْ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدُكُمْ وَهُوَ ثَائِرُ الرَّأْسِ كَاَنَّهٗ شَيْطَانٌ. (رواہ مالک)

عطاء بن یسار سے روایت ہے کہ (ایک دن) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے، ایک آدمی مسجد میں آیا، اس کے سر اور داڑھی کے بال بالکل بکھرے ہوئے (اور بے تکے) تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے اس کو اشارہ فرمایا، جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ اپنے سر اور داڑھی کے بالوں کو ٹھیک کرائے، چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور پھر لوٹ کر آ گیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا یہ (یعنی تمہارا سر اور ڈاڑھی کے بالوں کو درست کر کے آنا) اس سے بہتر نہیں ہے کہ تم میں سے کوئی سر کے بال بکھیرے ہوئے ایسی (وحشیانہ) صورت میں آئے کہ گویا وہ شیطان ہے۔ (مؤطا امام مالکؒ)

تشریح...... اس حدیث سے ان اہل تقشّف کے خیال کی واضح تغلیط ہو جاتی ہے جو سمجھتے ہیں کہ خدا کے طالبوں اور آخرت کی فکر رکھنے والوں کو اپنی صورت و ہیئت اور لباس کے حسن وقبح سے بے پرواہ ہو کر میلا کچیلا، پراگندہ حال اور پراگندہ بال رہنا چاہئے اور صفائی، ستھرائی، صورت ولباس کو سنوارنے کی فکر اور اس میں جمال پسندی ان کے نزدیک گویا دنیاداری کی بات ہے۔ جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم و ہدایت اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کے مزاج سے ناواقف ہیں۔ ہاں صورت ولباس وغیرہ کے بناؤ سنوار کا حد سے زیادہ اہتمام اور اس کے لئے فضول و بے جا تکلفات بھی ناپسند اور مزاج شریعت کے خلاف ہیں، جیسا کہ آگے آنے والی بعض حدیثوں سے معلوم ہو جائے گا۔

واقعہ یہ ہے کہ زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح اس شعبہ سے متعلق بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایات کا حاصل یہی ہے کہ افراط وتفریط سے بچتے ہوئے اعتدال کی راہ اپنائی جائے۔

اوپر جو حدیث مذکور ہوئی جن میں اچھا اور صاف ستھرا لباس استعمال کرنے اور شکل وصورت کی اصلاح اور سر اور داڑھی کے بالوں وغیرہ کو درست رکھنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے، جیسا کہ ان مضامین سے ظاہر ہے، ان سب کے مخاطب وہی لوگ تھے جو اس معاملے میں تفریط میں مبتلا تھے اور جنہوں نے اپنے حلیے بگاڑ رکھے تھے۔ آج بھی جن کا یہ حال ہو ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان ارشادات سے ہدایت حاصل کرنا چاہئے۔ اس کے برعکس جو لوگ اس بارے میں افراط میں مبتلا ہوں اور لباس اور ظاہری شکل وصورت کے بناؤ سنگار کو حد سے زیادہ اہمیت دیں اور اسی کو برتری اور کمتری کا معیار سمجھنے لگیں ان کو آگے درج ہونے والی احادیث سے ہدایت اور روشنی حاصل کرنی چاہئے۔ ان حدیثوں کے مخاطب دراصل ایسے ہی لوگ ہیں۔

لباس میں خاکساری اور تواضع

عَنْ مُعَاذِ بْنِ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی الله علیه و آله وسلم مَنْ تَرَكَ اللِّبَاسَ تَوَاضُعًا لِلّٰهِ وَهُوَ يَقْدِرُ عَلَيْهِ دَعَاهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى رُؤُسِ الْخَلَائِقِ حَتّٰى يُخَيِّرَهُ مِنْ اَيِّ حُلَلِ الْاِيْمَانِ يَلْبَسُهَا. (رواه الترمذی)

معاذ بن انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو بندہ بڑھیا لباس کی استطاعت کے باوجود ازراہِ تواضع وانکساری اس کو استعمال نہ کرے (اور سادہ معمولی لباس ہی پہنے) تو اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن ساری مخلوقات کے سامنے بلا کر اختیار دے گا کہ وہ ایمان کے جوڑوں میں سے جو جوڑا بھی پسند کرے اس کو زیب تن کرے۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... یہ بشارت ان بندوں کے لئے ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اتنی دولت دی ہے کہ وہ بہت بڑھیا اور بیش قیمت لباس بھی استعمال کر سکتے ہیں لیکن وہ اس مبارک جذبے کے تحت بڑھیا لباس نہیں پہنتے کہ اس کی وجہ سے دوسرے بندوں پر میر التفوق اور میری بڑائی ظاہر ہوگی اور شاید کسی غریب ونادار بندے کا دل ٹوٹے۔ بلاشبہ بہت ہی مبارک اور پاکیزہ ہے یہ جذبہ۔ اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ جو بندے اس جذبے کے تحت ایسا کریں گے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اہل محشر کے سامنے انہیں اس انعام واکرام سے نوازے گا کہ اہل ایمان جنتیوں کے لئے جو اعلیٰ سے اعلیٰ جوڑے وہاں موجود ہونگے فرمایا جائے گا کہ ان میں سے جو جوڑا چاہو لے لو اور استعمال کرو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لباس

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لباس کے بارے میں ان حدود واحکام کی پابندی کے ساتھ جو مذکورہ بالا احادیث سے معلوم ہو چکے ہیں اسی طرح کے کپڑے پہنتے تھے جس طرح اور جس وضع کے کپڑوں کا اس زمانے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاقے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قوم میں رواج تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تہبند باندھتے تھے، چادر اوڑھتے تھے، کرتا پہنتے تھے، عمامہ اور ٹوپی بھی زیب سر فرماتے تھے، اور یہ کپڑے اکثر و بیشتر معمولی سوتی قسم کے ہوتے تھے، کبھی کبھی دوسرے ملکوں اور دوسرے علاقوں کے بنے ہوئے ایسے بڑھیا کپڑے بھی پہن لیتے تھے جن پر ریشمی حاشیہ یا نقش و نگار بنے ہوتے تھے۔ اسی طرح کبھی کبھی بہت خوش نما یمنی چادریں بھی زیب تن فرماتے تھے جو اس زمانے کے خوش پوشوں کا لباس تھا۔ اس بناء پر کہا جا سکتا ہے کہ زبانی ارشادات وہدایات کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کو اپنے طرز عمل سے بھی یہی تعلیم دی کہ کھانے پینے کی طرح لباس کے بارے میں بھی وسعت ہے۔ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود کی پابندی کے ساتھ ہر طرح کا معمولی یا قیمتی لباس پہنا جا سکتا ہے، اور یہ کہ ہر علاقے اور ہر زمانے کے لوگوں کو اجازت ہے کہ وہ شرعی حدود واحکام کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنا علاقائی وقومی پسندیدہ لباس استعمال کر سکتے ہیں...... یہی وجہ ہے کہ امت کے ان اصحاب صلاح وتقویٰ نے بھی جن کی زندگی میں اتباع سنت کا حد درجہ اہتمام تھا یہ ضروری نہیں سمجھا کہ بس وہی لباس استعمال کریں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم استعمال فرماتے تھے۔ دراصل لباس ایسی چیز ہے کہ تمدن کے ارتقاء کے ساتھ اس میں تبدیلی ہوتی رہی ہے اور ہوتی رہے گی، اسی طرح علاقوں کی جغرافیائی خصوصیات اور بعض دوسری چیزیں بھی لباس کی وضع قطع اور نوعیت پر اثر انداز ہوتی ہیں اس لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ ساری دنیا کے لوگوں کا لباس یکساں ہو، یا کسی قوم یا کسی علاقے کا لباس ہمیشہ ایک ہی رہے۔ اس لئے شریعت نے کسی خاص قسم اور خاص وضع کے لباس کا پابند نہیں کیا ہے، ہاں ایسے اصولی احکام دیئے گئے ہیں جن کی ہر زمانے میں اور ہر جگہ بہ سہولت پابندی کی جا سکتی ہے۔ جیسا کہ احادیث میں اس کا تذکرہ ہے۔

عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ اَبِىْ بَكْرٍ اَنَّهَا اَخْرَجَتْ جُبَّةَ طَيَالِسَةٍ كِسْرَوَانِيَّةً لَهَا لِبْنَةُ دِيْبَاجٍ وَّفَرْجَيْهَا مَكْفُوْفَيْنِ بِالدِّيْبَاجِ وَقَالَتْ هٰذَا جُبَّةُ رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه و آله وسلم كَانَتْ عِنْدَ عَائِشَةَ فَلَمَّا قُبِضَتْ قَبَضْتُهَا وَكَانَ النَّبِىُّ صلى الله عليه و آله وسلم يَلْبَسُهَا وَنَحْنُ نَغْسِلُهَا لِلْمَرْضٰى نَسْتَشْفِىْ بِهَا. (رواہ مسلم)

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے طیلسان کا بنا ہوا ایک کسروانی جبہ نکال کر دکھایا اس کا گریبان ریشمی دیباج سے بنوایا گیا تھا اور دونوں چاکوں کے کناروں پر بھی دیباج لگا ہوا تھا (یعنی گریبان اور جبہ کے آگے پیچھے چاکوں پر دیباج کا حاشیہ تھا) اور حضرت اسماءؓ نے بتایا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جبہ مبارک ہے۔ یہ (میری بہن) عائشہ صدیقہ (ام المؤمنینؓ) کے پاس تھا جب ان کا انتقال ہو گیا تو میں نے لے لیا (یعنی میراث کے حساب میں مجھے مل گیا) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو زیب تن فرمایا کرتے تھے اور اب ہم اس کو مریضوں کے لئے دھوتے ہیں اور اس کے ذریعے شفا حاصل کرتے ہیں۔ (صحیح بخاری)

تشریح...... اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس طرح رومی جبہ استعمال فرمایا اسی طرح آپ ؐ

نے کسروانی جبہ بھی استعمال فرمایا (جس کی نسبت کسی وجہ سے شاہ فارس کسریٰ کی طرف کی جاتی تھی) اور یہ کہ اس کے گریبان اور چاکوں پر دیباج کا حاشیہ بھی تھا، جس کا اس زمانہ میں رواج تھا۔ یہاں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ دوسری بعض احادیث میں تشریح ہے کہ ریشم کا حاشیہ دو چار انگل کا تو مردوں کے لئے جائز ہے، اس سے زیادہ جائز نہیں ہے۔ اس لئے یقین ہے کہ اس کسروانی جبہ کا حاشیہ اس حد کے اندر ہی ہوگا۔ دوسری خاص بات اس حدیث سے یہ معلوم ہوئی کہ صحابہ کرامؓ ہی کے دور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے استعمالی کپڑوں سے یہ برکت بھی حاصل کی جاتی تھی کہ انکا غسالہ (دھوون کا پانی) شفایابی کی امید پر مریضوں کو پلایا جاتا یا ان پر چھڑکا جاتا تھا۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صلی الله علیه وآله وسلم اِذَا اسْتَجَدَّ ثُوْبًا سَمَّاهُ بِاسْمِهٖ عِمَامَةً اَوْ قَمِیْصًا اَوْرِدَاءً ثُمَّ یَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ لَکَ الْحَمْدُ كَمَا كَسَوْتَنِیْهِ اَسْأَلُکَ خَیْرَهٗ وَخَیْرَ مَا صُنِعَ لَهٗ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّهٖ وَشَرِّمَا صُنِعَ لَهٗ. (رواہ الترمذی)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب نیا کپڑا پہنتے عمامہ یا کرتا یا چادر تو اس کا نام لے کر اللہ تعالے کے حضور میں کہتے کہ: اے اللہ! تیرا شکر اور تیری حمد جیسا کہ تو نے مجھے پہننے کو دیا یہ (عمامہ یا کرتا یا چادر) خداوند! میں تجھ سے مانگتا ہوں اس کی خیر اور جو اس کا وجود ہے اس کی خیر (یعنی یہ کپڑا میرے لئے باعث خیر ہو اور اس کا جو اچھا مقصد ہے وہ مجھے نصیب ہو مثلاً اس کو پہن کر تیری عبادت کروں اور تیرا شکر ادا کروں) اور میں مانگتا ہوں اس کے شر سے اور اس کے مقصد یعنی استعمال کے شر سے تیری پناہ (یعنی اس کپڑے میں اس کے استعمال میں جو شر ہو سکتا ہے اس سے میری حفاظت فرما۔)'' (جامع ترمذی)

تشریح ...... کپڑا پہننے کے وقت کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک اور مختصر دعا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت ہے کہ جو شخص کپڑا پہنتے وقت اللہ تعالیٰ کے شکر و حمد کا یہ کلمہ دل و زبان سے کہے:

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ كَسَانِیْ هٰذَا وَرَزَقَنِیْهِ مِنْ غَیْرِ حَوْلٍ مِنِّیْ وَلَا قُوَّةٍ." (۱)

:''اس اللہ کیلئے حمد و شکر جس نے مجھے یہ کپڑا پہنایا اور بغیر میری سعی و محنت کے محض اپنے فضل سے مجھے عطا فرمایا۔''

تو اس کے اگلے پچھلے سارے گناہ معاف کردیئے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ عمل کی اور ہر نعمت پر شکر کی توفیق عطا فرمائے۔

انگشتری اور مُہر کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طرزِ عمل

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صلی الله علیه وآله وسلم اَرَادَ اَنْ یَّكْتُبَ اِلٰی كِسْرٰی وَقَیْصَرَ وَالنَّجَاشِیِّ فَقِیْلَ اِنَّهُمْ لَا یَقْبَلُوْنَ كِتَابًا اِلَّا بِخَاتَمٍ فَصَاغَ رَسُوْلُ اللهِ صلی الله علیه وآله وسلم خَاتَمًا حَلْقَةَ فِضَّةٍ نُقِشَ فِیْهِ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللهِ. (رواہ مسلم)

(وفی روایة للبخاری کان نقشُ الخاتم ثلثة اَسْطُر مُحَمَّدٌ سطرٌ ورَسُوْلُ سَطْرٌ وَاللهُ سَطْرٌ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارادہ فرمایا کہ شاہ فارس کسریٰ اور شاہ روم قیصر اور شاہ حبشہ نجاشی کو خطوط لکھائیں (اور ان کو اسلام کی دعوت دیں) تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ یہ حکمران

لوگ مہر کے بغیر خطوط کو تسلیم نہیں کرتے، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہر بنوائی جو چاندی کی انگوٹھی تھی، اس میں نقش تھا:

"مُحَمد رَسُول الله .... (صحیح مسلم)

(اور اسی حدیث کی صحیح بخاری کی روایت میں یہ تفصیل بھی ہے کہ مہر میں تین سطریں تھیں، ایک سطر میں "محمد" اور دوسری سطر میں "رسول" اور تیسری سطر میں "اللہ")

تشریح...... صحیح روایات سے یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۶ھ کے آخر میں سفر حدیبیہ سے واپسی کے بعد اس وقت کی دنیا کے بہت سے مشہور بادشاہوں اور حکمرانوں کو دعوتی خطوط لکھائے تھے۔ اسی وقت یہ واقعہ پیش آیا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان خطوط کے لکھانے کا ارادہ ظاہر فرمایا تو بعض صحابہ کرام نے جو ان حکومتوں کے طور طریقوں سے کچھ باخبر تھے عرض کیا کہ ان خطوط پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مہر ہونا ضروری ہے، یہ حکمران لوگ مہر کے بغیر کسی خط کو کوئی اہمیت نہیں دیتے (گویا ایسے خطوط ان کے پاس ردی کی ٹوکری کی نذر ہو جاتے ہیں) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ مشورہ قبول فرمالیا اور چاندی کی ایک انگوٹھی بنوالی جس کے نگینہ میں "محمد رسول اللہ" کندہ تھا۔ صحیح بخاری کی روایت سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ تینوں لفظ تین سطروں میں نیچے اوپر لکھے گئے تھے۔ اس طرح نقشہ کی اللہ محمد رسول ۔ یہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مہر اور یہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگوٹھی تھی۔

روایات میں بائیں ہاتھ کی سب سے چھوٹی انگلی میں پہننے کا بھی ذکر آتا ہے اور داہنے ہاتھ میں بھی، گویا کبھی آپؐ داہنے ہاتھ میں پہن لیتے تھے اور کبھی بائیں ہاتھ میں۔

داڑھی مونچھ کے بالوں اور ظاہری ہیئت سے متعلق ہدایات

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی الله علیه و آله وسلم اَنْهِكُوا الشَّوَارِبَ وَاعْفُوا اللُّحٰى. (رواه البخاری ومسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: مونچھوں کو خوب باریک کرو اور داڑھیاں چھوڑو۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح...... دوسری بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگلے انبیاء و مرسلین کا طریقہ بھی یہی تھا کہ وہ داڑھیاں رکھتے اور مونچھیں باریک کراتے تھے۔

جیسا کہ ظاہر ہے، داڑھی رجولیت کی علامت اور وقار کی نشانی ہے۔ خود مغربی اقوام میں بھی جہاں داڑھی نہ رکھنے کا عام رواج ہے) داڑھی کو قابل احترام اور عظمت کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ کاش! ہم مسلمان محسوس کریں کہ داڑھی رکھنا ہمارے ہادی برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سارے نبیوں، رسولوں کی سنت اور ان کے طریقہ سے وابستگی کی علامت ہے اور داڑھی نہ رکھنا انکے منکروں کا طریقہ ہے۔

اس حدیث میں صرف داڑھی چھوڑنے کا حکم دیا گیا ہے اس کا کوئی ذکر نہیں ہے کہ داڑھی کس حد تک چھوڑی جائے، بلکہ اس کے الفاظ سے شبہ ہوسکتا ہے کہ کسی صورت میں بھی اس کو قینچی نہ لگائی جائے اور کم نہ کرایا جائے۔ لیکن امام ترمذی کی روایت سے جو حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کی حدیث ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ریش

مبارک (برابر اور ہموار کرنے کیلئے) اس کے عرض میں سے بھی اور طول میں سے بھی کچھ ترشوا دیتے تھے۔ اور مندرجہ بالا حدیث: ''اَنْهِكُوا الشَّوَارِبَ وَاعْفُوا اللُّحٰى'' کے راوی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی روایات میں ہے کہ ان کی داڑھی کے جو بال ایک مشت سے زیادہ ہوتے وہ ان کو ترشوا دیتے تھے۔ بعض دوسرے صحابہ کا طرز عمل بھی یہی روایت کیا گیا ہے۔ ان سب روایات کی روشنی میں زیر تشریح حدیث: ''اَنْهِكُوا الشَّوَارِبَ وَاعْفُوا اللُّحٰى'' کا مطلب اور مدعا یہ ہوگا کہ داڑھی رکھی جائے، نہ منڈائی جائے نہ زیادہ کم کرائی جائے۔

ہمارے فقہا نے ایک مشت سے کم کرانے کو نادرست کہا ہے۔ ایک مشت کی مقدار کی یہ تحدید کسی حدیث میں نہیں ہے۔ غالباً اس کی بنیاد یہی ہے کہ صحابہ کرامؓ سے ایک مشت تک رکھنا تو ثابت ہے، اس سے کم کرانا ثابت نہیں۔ واللہ اعلم۔

عورتوں کو مہندی لگانے کا حکم

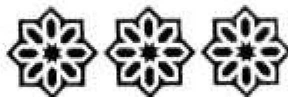
عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ هِنْدًا بِنْتَ عُتْبَةَ قَالَتْ يَانَبِيَّ اللهِ بَايِعْنِىْ فَقَالَ لَا اُبَايِعُكِ حَتّٰى تُغَيِّرِىْ كَفَّيْكِ فَكَاَنَّمَا كَفَّا سَبُعٍ. (رواه ابوداؤد)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ہند بنت عتبہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ: ''مجھے بیعت کر لیجئے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''میں تم کو اس وقت تک بیعت نہیں کروں گا جب تک کہ تم (مہندی لگا کر) اپنے ہاتھوں کی صورت نہ بدلوگی (تمہارے ہاتھ اس وقت) کسی درندے کے سے ہاتھ معلوم ہوتے ہیں۔'' (سنن ابی داؤد)

تشریح...... یہ ہند بنت عتبہ ابوسفیان کی بیوی تھیں۔ فتح مکہ کے دن اسلام لائیں، اور اسی دن قریش کی دوسری بہت سی عورتوں کے ساتھ پہلی بیعت کی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث میں ہندہ کی طرف سے جس بیعت کی درخواست کا ذکر ہے بظاہر یہ انہوں نے بعد میں کسی وقت کی ہے، اور اسی موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو ہاتھوں میں مہندی لگانے کی یہ ہدایت فرمائی۔

دوسری بعض روایات میں اور بھی بعض عورتوں کا ذکر ہے جن کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہندی استعمال کرنے کی اسی طرح تاکید فرمائی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس ہدایت وتعلیم سے اسلامی شریعت کا یہ نقطہ نظر معلوم ہوگیا ہے کہ عورتوں کو جائز حد تک زینت اور سنگھار کے اسباب استعمال کرنے چاہئیں، ظاہر ہے یہ چیز ان کے اور ان کے شوہروں کے درمیان محبت اور قلبی تعلق میں اضافہ کا باعث ہوگی۔



چند متفرق احکام وآداب

گھر میں داخل ہونے کے آداب

عطا بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ حضور! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا میں اپنے گھر میں داخل ہوتے وقت جب میری ماں وہاں ہو تب بھی اجازت طلب کروں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں! تو اس شخص نے عرض کیا: کہ حضور! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں تو اپنی ماں کے ساتھ ایک ہی گھر میں رہتا ہوں.... ایسا نہیں کہ وہ علیحدہ گھر میں رہتی ہوں اور میں علیحدہ رہتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر بھی تم اجازت مانگو پھر اس شخص نے عرض کیا کہ حضور! (صلی اللہ علیہ وسلم) خدمت کے لیے میرا بار بار گھر آنا جانا رہتا ہے اس پر بھی؟ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ تم اجازت لے کر اندر جاؤ! کیا تم کو یہ پسند ہے کہ تم کسی موقع پر اپنی ماں کو کھلی حالت میں دیکھو؟ سائل نے عرض کیا کہ نہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر اجازت لو (مشکوٰۃ شریف)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اذن چاہنا تین بار ہوتا ہے اس لیے اگر اجازت مل جائے تو اچھا ہے ورنہ لوٹ جاؤ.... (زادالمعاد)

صحیح مسئلہ یہ ہے کہ اذن چاہنے سے قبل سلام کرنا چاہیے اور اپنا نام ظاہر کرے یہ نہ کہے کہ میں ہوں.... (زادالمعاد)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین شخص ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سب کا ضامن ہے.... زندگی میں اللہ تعالیٰ ان کو کافی ہے مرنے کے بعد جنت ان کا مقام ہے.... (۱) جو اپنے گھر میں سلام کر کے داخل ہو اللہ تعالیٰ اس کا ضامن ہے.... (۲) جو مسجد کی طرف گیا (تا کہ نماز پڑھے) وہ اللہ تعالیٰ کی ضمانت میں ہے.... (۳) جو اللہ کے راستہ میں جہاد کیلئے نکلا وہ اللہ تعالیٰ کی ضمانت میں ہے.... (الادب المفرد)

سوتے ہوئے کو سلام کرنا

حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اگر رات کے وقت گھر تشریف لاتے تو اس طرح سلام فرماتے کہ سونے والے کی نیند نہ اُچٹے اور جاگتا ہوا اسے سن لے.... (ادب المفرد)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت طیبہ

اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود کسی سے ملاقات کے لیے تشریف لے جاتے تو عادت طیبہ تھی کہ تین مرتبہ سلام کر کے اجازت داخلہ طلب فرماتے.... اگر جواب نہ ملتا تو واپس تشریف لے جاتے.... (زاد المعاد)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت محمودہ یہ تھی کہ کبھی دروازے کے سامنے کھڑے ہو کر اجازت داخلہ طلب نہیں فرماتے بلکہ دروازے کی دائیں یا بائیں جانب کھڑے ہو کر سلام کرتے اور پھر اندر آنے کی اجازت چاہتے تا کہ اجازت سے قبل مکان کے اندر نظر نہ پہنچے (زاد المعاد)

سلام کے آداب

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ وہ آدمی خدا سے زیادہ قریب ہے جو سلام کرنے میں پہل کرتا ہے (ابوداؤد)

سلام کی ابتداء کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح سلام کرتے تھے السلام علیکم ورحمۃ اللہ (زاد المعاد)

ایک شخص نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ.... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جواب دیا اور فرمایا اس شخص کو تیس (۳۰) نیکیاں ملیں (نسائی.... ترمذی)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت طیبہ یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ سر یا انگلی کے اشارے سے سلام کا جواب نہ دیتے تھے (زاد المعاد)

ابوعبداللہ (یعنی امام بخاری) رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ بی بی قیلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ ایک مرد نے کہا السلام علیکم یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً فرمایا: وعلیک السلام ورحمۃ اللہ (الادب المفرد)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ مجھ سے فرمایا: اے عائشہ! یہ جبرائیل ہیں تمہیں سلام کہتے ہیں۔ میں نے کہا: وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ دیکھتے ہیں میں نہیں دیکھ پاتی۔ یہ خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا.... (بخاری.... الادب المفرد)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک سلام کے جواب کی طرح خط کا جواب دینا بھی ضروری ہے (ادب المفرد)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: تم لوگ جنت میں نہیں جا سکتے جب تک کہ مؤمن نہیں بنتے اور مؤمن نہیں بن سکتے جب تک کہ ایک دوسرے سے محبت نہ کرو۔ میں تمہیں وہ تدبیر کیوں نہ بتا دوں جس کو اختیار کر کے تم آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرنے لگو آپس میں سلام کو پھیلاؤ (مشکوٰۃ)

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب تم گھر میں داخل ہو تو گھر والوں کو سلام کرو اور جب تم گھر سے باہر جاؤ تو گھر والوں کو سلام کر کے رخصت حاصل کرو.... (بیہقی.... مشکوٰۃ)

جب کوئی شخص مجلس میں پہنچے تو سلام کرے اور اگر بیٹھنے کی ضرورت ہو تو بیٹھ جائے اور پھر جب چلنے لگے تو دوبارہ سلام کرے۔ اس لیے کہ پہلی مرتبہ سلام کرنا۔ دوسری مرتبہ سلام کرنے سے بہتر نہیں یعنی دونوں سلام حق اور مسنون ہیں۔ (ترمذی.... مشکوٰۃ)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غریبوں کو کھانا کھلاؤ اور ہر مسلمان کو سلام کرو چاہے تمہاری اس سے جان پہچان ہو یا نہ ہو (بخاری و مسلم)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی کہ پیارے بیٹے! جب تم اپنے گھر میں داخل ہوا کرو تو پہلے گھر والوں کو سلام کیا کرو یہ تمہارے لیے اور تمہارے گھر والوں کے لیے خیر و برکت کی بات ہے (ترمذی)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو شخص اپنے مسلمان بھائی سے ملے تو اس کو سلام کرے اور اگر درخت یا دیوار یا پتھر بیچ میں اوٹ بن جائے اور پھر اس کے سامنے آئے تو اس کو پھر سلام کرے.... (ریاض الصالحین.... زاد المعاد)

حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ہم مسلمانوں کے سوا دوسری قوموں کے ساتھ تشبہ کرے وہ ہمارے طریقے پر نہیں ہے (پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری قوموں کے ساتھ تشبہ کرنے کی تصریح فرمائی کہ) یہودیوں کی مشابہت اختیار نہ کرو اور نہ نصاریٰ کی کیونکہ یہودی انگلیوں کے اشارے سے سلام کرتے ہیں اور نصاریٰ ہتھیلیوں کے اشارے سے کرتے ہیں۔ (ترمذی)

سلام کے حقوق

مسلمان۔ مسلمان سے ملے تو اس کو سلام کرنا چاہیے۔ چلنے والا بیٹھے ہوئے کو سلام کرے۔ سوار بیٹھے ہوئے کو سلام کرے۔ کم تعداد بڑی تعداد کو سلام کرے۔ چھوٹا بڑے کو سلام کرے۔ اشارہ سے سلام کرنا جب مخاطب دور ہو۔ زور سے سلام کرنا تاکہ مخاطب سن لے.... (الادب المفرد)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ قیامت سے قبل کی من جملہ اور علامات کے چند علامات یہ ہیں۔ سلام کا رواج خاص خاص دائروں میں محدود ہونا۔ تجارت کا اتنا عام طور پر رواج پانا کہ بیوی اپنے شوہر کی مدد کرنے لگے۔ اہل و نااہل سب کا قلم چل پڑے۔ جھوٹی شہادت دینے میں بہادر بن جانا اور سچی شہادت کا اخفا کرنا (الادب المفرد)

مصافحہ.... معانقہ و دست بوسی

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص کو میں نے سنا وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر رہا تھا کہ آدمی جب اپنے بھائی یا دوست سے ملاقات کرے تو کیا اس کے سامنے جھک جائے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں۔ اس نے پوچھا: کیا اس کے ساتھ معانقہ کرے اور اس کو بوسہ دے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں۔ اس نے کہا: کہ کیا اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے اور اس کے ساتھ مصافحہ کرے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں.... (ترمذی)

رزینؒ نے اتنا اور زیادہ ذکر کیا ہے مگر یہ کہ وہ بھائی یا دوست سفر سے آیا ہوا تو معانقہ کر سکتا ہے.... (مشکوٰۃ)

اور بطور تکریم ہاتھ کا بوسہ دے سکتا ہے.... (الترغیب والترہیب.... للمنذری)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مریض کی پوری عیادت یہ ہے کہ تم اپنا ہاتھ مریض کی پیشانی پر یا ہاتھ پر رکھ کر اس سے اس کا حال پوچھو اور پورا سلام کرنا یہ ہے کہ سلام کے بعد تم مصافحہ بھی کرو۔ (احمد.... ترمذی.... مشکوٰۃ)

حضرت شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جعفر ابن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملے اور ان کو گلے

لگایا اوران کی آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا.... (ابوداؤد.... بیہقی.... مشکوۃ)

حضرت زارع رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو عبدالقیس کے وفد میں شامل تھے کہتے ہیں کہ جب ہم مدینہ میں آئے تو جلدی جلدی اپنی سواریوں سے اترے اور ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں اور پاؤں کو بوسہ دیا.... (ابوداؤد.... مشکوۃ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ غایت درجہ فرحت ولذت کے ساتھ بیان فرمایا: کہ میں نے اپنے ان ہاتھوں سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مصافحہ کیا.... میں نے کبھی کسی قسم کی حریر یا ریشم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں سے زیادہ نرم نہیں دیکھی.... ان کے شاگرد نے جس کے سامنے یہ بیان کیا گیا اسی شوق سے عرض کیا کہ میں ان ہاتھوں سے مصافحہ کرنا چاہتا ہوں جن ہاتھوں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مصافحہ کیا ہے.... (اس کے بعد یہ سلسلہ جاری ہوا کہ آج تک جاری ہے اور مصافحہ کی حدیث کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ اس حدیث میں مسلسل مصافحہ ہوتا آیا ہے).... (خصائل نبوی)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ (ابن مالک) سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جب آپس میں ملاقات کیا کرتے تھے تو مصافحہ کیا کرتے تھے اور جب سفر سے واپس آتے تو آپس میں معانقہ کیا کرتے تھے.... (طبرانی الترغیب والترہیب للمنذری)

حضرت زید ابن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب مدینہ آئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں پہنچ کر دروازہ کھٹکھٹایا.... آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے دروازے پر پہنچے.... ان سے معانقہ کیا اور پیشانی کو بوسہ دیا.... (ترمذی)

ہاتھ چومنا

حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا آپ نے کبھی حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ہاتھ سے چھوا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ کو چوم لیا.... (الادب المفرد)

ہدیہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ حضور نے فرمایا: ''تھادوا تحابوا'' آپس میں ہدایا اور تحائف کا تبادلہ کرتے رہو کہ باہمی محبت بڑھے.... (بخاری.... الادب المفرد)

حدیث شریف میں ہے کہ ہدیہ ایسے شخص کا قبول کرو جو ہدیہ کا طالب نہ ہو ورنہ باہمی رنج کی نوبت آوے گی لیکن تم اپنی طرف سے کوشش کرو اس کو کچھ بدلہ دیا جائے اور اگر بدلہ دینے کو میسر نہ ہو تو اس کی ثناء وصفت ہی بیان کرو اور لوگوں کے روبرو اس کے احسان کو ظاہر کردو اور ثناء وصفت کے لیے اتنا کہہ دینا کافی ہے جزاک اللہ خیراً اور جب محسن کا شکریہ ادا نہ کیا تو خدا تعالیٰ کا شکر بھی ادا نہ ہوگا اور جس طرح ملی ہوئی نعمت کی ناشکری بری ہے اسی طرح ملی ہوئی چیز پر شیخی بگھارنا کہ ہمارے پاس اتنا اتنا آیا یہ بھی برا ہے.... (مسند احمد)

حدیث شریف میں ہے کہ اگر کوئی تمہاری خاطر داری کو خوشبو تیل دودھ یا تکیہ پیش کرے کہ خوشبو سونگھ لو یا تیل لگا لو۔ دودھ پی لو یا تکیہ کمر سے لگا لو تو قبول کرلو۔ انکار وعذر مت کرو کیونکہ ان چیزوں میں کوئی لمبا چوڑا احسان نہیں ہوتا

جس کا بار تم سے نہیں اُٹھ سکتا ہو اور دوسرے کا دل خوش ہو جاتا ہے۔ (ترمذی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ باہم تحفہ تحائف دیتے رہا کرو۔ اس سے دلوں کی صفائی ہوتی ہے محبت بڑھتی ہے اور کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کو بکری کے پائے کا کوئی ٹکڑا بھیجنے کو حقیر نہ سمجھے اور یہ خیال نہ کرے کہ تھوڑی چیز ہے کیا بھیجیں؟ جو کچھ ہو بے تکلف دو اور لو۔

چھینک اور جمائی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چھینک لیتے تو الحمدللہ فرماتے ہاتھ یا کپڑا منہ پر رکھ لیتے اور آواز کو پست فرماتے کہ اگر کوئی ہم جلیس جواب میں ''یرحمک اللہ'' کہتا تو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ''یَهْدِيكُمُ اللّٰهُ وَيُصْلِحَ بَالَكُمْ'' سے اس کا جواب دیتے....(ترمذی)

غیر مذاہب والوں کو چھینک کا جواب حضور ''يهديكم الله ويصلح بالكم'' سے دیتے ''يرحمك الله'' سے ان کو جواب دینا ناپسند فرماتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چھینک بہت پست آواز سے لیتے اور اسی کو پسند فرماتے....(زادالمعاد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ چھینکنے کو دوست رکھتا ہے (کیونکہ چھینکنے سے دماغ میں خفت اور قوائے ادراکیہ میں صفائی آجاتی ہے جو باعث و معین ہو جاتی ہے طاعت میں نشاط اور حضورِ قلب کیلئے) (مشکوۃ)

اور اللہ تعالیٰ جمائی کو ناپسند کرتا ہے (کیونکہ جمائی امتلاء و ثقل نفس سے پیدا ہوتی ہے اور جو کدورت حواس و غفلت و سستی و بدفہمی کا باعث ہو جاتی ہے اور طاعت میں نشاط نہیں ہونے دیتی۔ پس اللہ تعالیٰ تو ناخوش ہوتا ہے لیکن شیطان خوش ہوتا ہے) بس اسی نتیجہ کے اعتبار سے فرمایا کہ جمائی شیطان کی جانب سے ہے پس جب تم میں سے کوئی جمائی لے تو حتی الوسع اس کو دفع کرے۔ پس تحقیق کہ جس وقت تم میں سے کوئی جمائی لیتا ہے یعنی منہ کھولتا ہے تو شیطان اس سے ہنستا ہے۔ (مشکوۃ....الادب المفرد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث مرفوع میں ہے کہ تم میں سے جس کسی شخص کو جمائی آئے تو اس کو چاہیے کہ امکان بھر اس کو روکے ورنہ بایاں ہاتھ منہ پر رکھ لے (الادب المفرد)

سرنامہ پر بسم اللہ لکھنا

حضرت ابومسعود جریری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنے کے متعلق سوال کیا تو آپ نے کہا یہ تو ہر تحریر کا سرنامہ ہے۔ (الادب المفرد)

لکھنے کے آداب

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو مراسلہ لکھا اس کا مضمون یہ تھا.... بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اللہ کے بندے معاویہ امیر المؤمنین کی خدمت میں زید بن ثابت کی طرف سے سلام علیک یا امیر المؤمنین ورحمۃ اللہ میں آپ کے سامنے اس معبود کی حمد وثناء کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں.... امابعد (مضمون خط) (آخر کے الفاظ یہ ہیں) اور ہم اللہ ہی سے سوال کرتے ہیں ہدایت وحفاظت (از خطا) اور اپنے کاموں میں معاملہ فہمی کا اور سلام ہو آپ پر اے امیر المؤمنین اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکت اور اس کی مغفرت (یہ خط) واہب نے جمعرات کے دن کہ رمضان ۴۲ھ کے ۱۲ دن باقی تھے لکھا.... فقط (الادب المفرد)

قلم کی عظمت

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کاتب سے فرمایا کہ قلم کی تعظیم کرو اور اس کی تعظیم یہ ہے کہ اس کو اپنے کان پر رکھ لیا کرو کیونکہ قلم انجام کار کو خوب یاد دلاتا ہے....(ترمذی)

ہر تحریر کی ابتداء میں دُرود شریف

ابتدائے کتب و رسائل میں بسم اللہ اور حمد کے بعد دُرود و سلام کا لکھنا ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہ رسم اوّل حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں جاری ہوئی....خود انہوں نے اپنے خطوط میں اس طرح لکھا....مثلاً ''**بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم**''(زادالسعید)

امتیاز قومی اور لباس

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اور شیطان نے یوں کہا کہ میں ان کو (اور بھی) تعلیم دوں گا جس سے وہ اللہ تعالیٰ کی بنائی صورت کو بگاڑا کریں گے....'' (جیسے داڑھی منڈانا بدن گودوانا وغیرہ) (نسائی)

فائدہ: بعض تبدیلی تو صورت بگاڑنا ہے اور حرام ہے جیسی اوپر مثالیں لکھی گئیں اور بعضی تبدیلیاں صورت کو سنوارنا ہے اور یہ واجب ہے جیسے لبیں ترشوانا' ناخن ترشوانا' بغل اور زیر ناف کے بال لینا اور بعض تبدیلی جائز ہے جیسے مرد کو سر کے بال منڈا دینا یا کٹا دینا یا مٹھی سے زیادہ داڑھی کٹا دینا اور اس کا فیصلہ شریعت سے ہوتا ہے نہ کہ رواج سے کیونکہ اوّل تو رواج کا درجہ شریعت کے برابر نہیں۔ دوسرے ہر جگہ کا رواج مختلف ہے پھر وہ ہر زمانے میں بدلتا بھی رہتا ہے....(حیات المسلمین)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص (وضع وغیرہ میں) کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے گا وہ انہیں میں ہے....(مسند احمد....ابوداؤد)

فائدہ: یعنی جو کفار و فساق کی وضع بنائے گا وہ گناہ میں ان کا شریک ہوگا....حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ لعنت کرے ان مردوں پر جو عورتوں کی مشابہت کرتے ہیں اور ان عورتوں پر جو مردوں کی مشابہت کرتی ہیں....(بخاری)

حضرت سوید بن وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی جاتی ہے جو شخص زینت کے لباس کو ترک کردے اس حالت میں کہ وہ اس کے پہننے کی استطاعت وقوت رکھتا ہو اور کسی دوسری روایت میں ہے کہ جو شخص زیب و زینت کے لباس کو کسر نفسی یا تواضع کے طور پر چھوڑ دے اللہ تعالیٰ اس کو عظمت بزرگی کا لباس پہنائے گا اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے نکاح کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے سر پر بادشاہت کا تاج رکھے گا....(ابوداؤد....مشکوٰۃ)

متکبرانہ لباس

حضرت سالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لٹکانا پاجامہ تہبند

کُرتے اور صافے میں بھی ہوسکتا ہے جو آدمی تکبر کے خیال سے پاجامہ تہبند کُرتہ یا صافہ کا شملہ زیادہ نیچا لٹکائے گا۔ اس کی طرف اللہ تعالیٰ نظر رحمت سے نہ دیکھے گا.... فائدہ: بلا تکبر کے لٹکانا بھی جائز نہیں ہے.... (ابوداؤد.... نسائی.... ابن ماجہ)

لباس کے آداب

پاجامہ یا شلوار پہنیں تو اوّل دائیں پاؤں میں پائنچہ پہنے پھر بائیں پاؤں میں پہنے کُرتہ پہنے تو پہلے داہنی آستین.... دائیں ہاتھ میں پہنے، پھر بائیں ہاتھ میں بائیں آستین پہنے۔ اسی طرح صدری اچکن شیروانی وغیرہ دائیں طرف سے پہننا شروع کرے۔ ایسے ہی جوتا دائیں قدم میں پھر بائیں قدم میں پہننا چاہیے اور جب اتارے تو پہلے بائیں طرف کا اتارے پھر دائیں طرف سے اتارے.... (ترمذی)

میز بانی ومہمانی کے حقوق

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب معزز مہمان آتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود بنفس نفیس ان کی خاطر داری فرماتے (مدارج النبوۃ)

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مہمان کو اپنے دستر خوان پر کھانا کھلاتے تو بار بار فرماتے اور کھایئے اور کھایئے جب مہمان خوب آسودہ ہوجاتا اور انکار کرتا تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اصرار سے باز آتے۔ (ترمذی.... زادالمعاد)

حضرت ابوشریح رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میری ان دونوں آنکھوں نے دیکھا اور ان دونوں کانوں نے سنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہدایت دے رہے تھے کہ جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے اپنے ہمسایہ کی عزت واکرام کرنا چاہیے اور جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے اپنے ہمسایہ کی عزت واکرم کرنا چاہیے اور جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ اپنے مہمان کی عزت کرے اور اس کا جائزہ دے (حق ادا کرے) صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) جائزہ دین کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک دن ایک رات اس کی خدمت کرنا ویسے مہمانداری تین دن رات کی ہے اس پر مزید جو ہو وہ مہمان کے لیے صدقہ ہے اور جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ وہ منہ سے اچھی بات ہی نکالے ورنہ چپ رہے.... (بخاری ومسلم.... الادب المفرد)

اور مہمان کے لیے یہ حلال (درست) نہیں کہ وہ کسی کے یہاں اتنا ٹھہرے کہ میزبان کو تنگ دل کردے.... (الادب المفرد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آدمی اپنے مہمان کا استقبال دروازے سے باہر نکل کر کرے اور رخصت کے وقت گھر کے دروازے تک پہنچائے.... (ابن ماجہ.... بیہقی.... مشکوٰۃ.... بخاری)

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب دستر خوان بچھایا جائے تو اس پر سے کوئی شخص نہ اُٹھے یہاں تک کہ دستر خوان اُٹھالیا جائے اور اپنا ہاتھ نہ اُٹھائے اگر چہ وہ سیر ہوچکا ہو۔ یہاں تک کہ لوگ بھی فارغ ہوجائیں (اور اگر مجبوراً اُٹھنا پڑے تو چاہیے کہ عذر کرے) اس لیے کہ اس کے اس طرح کرنے سے (یعنی اُٹھ جانے سے) اس کا ساتھی شرمندہ ہوجاتا ہے تو وہ بھی اپنا ہاتھ روک لے گا اور شاید اس کو ابھی کھانے کی خواہش ہو (بخاری.... زادالمعاد)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے بھائی کو صلہ دو.... صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے پوچھا کیا صلہ دیں یا رسول اللہ؟ (صلی اللہ علیہ وسلم) فرمایا: جب آدمی اپنے بھائی کے یہاں جائے اور وہاں کھائے پیے تو اس کے حق میں خیر و برکت کی دُعا کرے۔ یہ اس کا صلہ ہے.... (ابوداؤد)

حضرت ابوکریمۃ السامی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رات کے آنے والے مہمان کی میزبانی ہر مسلمان پر (جس کے پاس مہمان آئے) واجب ہے۔

دعوت طعام

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص ولیمہ کی دعوت کرے اس کو قبول کر لینا چاہیے اور مسلم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ولیمہ کی دعوت کو قبول کرے یا اسی قسم کی کسی اور دعوت کو قبول کرے (بخاری و مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس شخص کو کھانے پر (خواہ وہ شادی کا ہو یا غیر شادی کا) بلایا جائے اس کو چاہیے کہ دعوت کو قبول کرے اور وہاں جا کر پھر کھائے یا نہ کھائے.... (مسلم.... مشکوٰۃ)

فاسق کی دعوت

عمران رضی اللہ تعالیٰ عنہ (بن حصین) فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فاسق لوگوں کی دعوت کو قبول کرنے سے منع فرمایا ہے (مشکوٰۃ)

کھانے میں تکلف

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھانا لایا گیا پھر ہمارے سامنے کھانا پیش کیا گیا ہم نے عرض کیا کہ ہم کو خواہش نہیں ہے.... (حالانکہ بھوکے تھے لیکن یہ الفاظ تکلفاً کہہ دیئے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بھوک اور جھوٹ کو جمع نہ کرو.... (ابن ماجہ.... مشکوٰۃ)

ساتھ مل کر کھانا

حضرت وحشی بن الحرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم کھانا کھاتے ہیں مگر پیٹ نہیں بھرتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم مل کر کھاتے ہو یا علیحدہ علیحدہ؟ ہم نے عرض کیا کہ ہم سب الگ الگ کھاتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک دسترخوان پر مل کر کھایا کرو اور کھانے کے وقت بسم اللہ پڑھ لیا کرو۔ تمہارے کھانے میں برکت ہوگی.... (ابوداؤد)

ممنوعات شرعیہ

حرمت شراب

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ سب سے

پہلے اسلام میں جس چیز کو اُلٹا جائے گا جس طرح بھرے برتن کو الٹ دیا جاتا ہے وہ شراب ہوگی یعنی اسلام میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے جس حکم کی خلاف ورزی کی جائے گی اور اس کے حکم کو اُلٹ دیا جائے گا وہ شراب کی ممانعت کا حکم ہوگا اور پوچھا گیا: یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیونکر ہوگا؟ حالانکہ شراب کے متعلق اللہ تعالیٰ کے احکام بیان ہو چکے ہیں اور سب پر ظاہر ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس طرح ہوگا کہ شراب کا دوسرا نام رکھ لیں گے اور اس کو حلال قرار دیں گے.... (دارمی.... مشکوٰۃ)

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب ایسی چیزوں سے منع فرمایا ہے جو نشہ لائیں (یعنی عقل میں فتور لائیں یا جو حواس میں فتور لائیں) اس میں افیون بھی آ گئی اور بعضے حقے بھی آ گئے جس سے دماغ یا ہاتھ پاؤں بیکار ہو جائیں (ابوداؤد.... حیات المسلمین)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے شراب پر اس کے پینے والے پر اس کے نچوڑنے والے پر اس کے بیچنے والے پر اس کے خریدنے والے پر اس کے پلانے والے پر اس کے اُٹھانے والے پر اور اس شخص پر جس کے لیے اُٹھا کر لے جائی گئی۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو چیز زیادہ مقدار میں استعمال کرنے سے نشہ لائے اس کا تھوڑی مقدار میں استعمال کرنا بھی حرام ہے۔ (ترمذی.... ابوداؤد.... مشکوٰۃ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ چار شخصوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر لازم کرلیا ہے کہ ان کو جنت میں نہ بھیجے گا اور نہ ان کو جنت کی نعمتوں سے کچھ حصہ ملے گا.... (۱) شراب کا عادی (۲) سودخور (۳) یتیم کا مال کھانے والا اور (۴) ماں باپ کا نافرمان.... (حاکم)

شراب.... سود اور عیاشی

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس اُمت کے بعض افراد رات دن شراب۔ لہو ولعب میں گزار دیں گے تو ایک دن صبح کو یہ لوگ بندر اور سور کی صورتوں میں مسخ کر دیئے جائیں گے ان میں خسف بھی ہوگا (یعنی زمین میں دھنسا دیئے جائیں گے) ان پر آسمان سے پتھر بھی برسیں گے لوگ کہیں گے آج کی رات فلاں محلہ دھنس گیا' ان پر قوم لوط کی طرح پتھر برسیں گے اور قوم عاد کی طرح آندھیوں سے تباہ کیے جائیں گے۔ اس کی وجہ یہ ہوگی کہ یہ لوگ شراب پئیں گے اور سود کھائیں گے ریشمی لباس استعمال کریں گے.... گانے والیاں ان کے پاس جمع ہوں گی اور یہ لوگ قطع رحم کریں گے۔ (مسند احمد.... ابن ابی الدنیا)

لغو کھیل.... شطرنج وغیرہ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب پینے جوا کھیلنے سے منع فرمایا ہے اور نرد اور شطرنج نقارہ اور بربط سے بھی منع فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ ہر نشہ والی چیز حرام ہے (ابوداؤد.... مشکوٰۃ)

حضرت ابن شہاب فرماتے ہیں کہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا ہے کہ شطرنج وہی شخص کھیلتا ہے جو خطا کار اور گناہ کار ہے (بیہقی۔ مشکوٰۃ)

شطرنج لغو اور باطل کھیل ہے اور اللہ تعالیٰ لغو اور باطل کو پسند نہیں فرماتا.... (بیہقی.... مشکوٰۃ)

تصاویر

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک غزوہ کے لیے تشریف لے گئے تھے میں نے (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے) ایک نقشین چادر لے کر دروازہ کے اوپر ڈال دی.... جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ چادر پڑی ہوئی دیکھی تو اس کو کھینچ کر پھاڑ ڈالا اور فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہم کو یہ حکم نہیں دیا کہ ہم پتھر اور گارے کو لباس پہنایا کریں (متفق علیہ)

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تھا۔ ان سے تصویروں کے متعلق سوال کیا جا رہا تھا۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواباً عرض کیا میں نے حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات فرماتے ہوئے سنا جو شخص دنیا میں تصویریں بنائے گا اسے قیامت کے دن ان میں روح ڈالنے کیلئے زور دیا جائے گا مگر وہ ان میں روح نہیں ڈال سکے گا.... (بخاری شریف)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے سخت ترین عذاب میں وہ لوگ مبتلا ہوں گے جنہوں نے خدا کے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے قتال کیا ہو یا ان سے خدا کے نبی نے قتال کیا ہو یا وہ لڑکا جس نے اپنے والدین کو قتل کیا ہو.... اسی طرح مصور اور وہ عالم جن کے علم سے لوگوں نے نفع نہ حاصل کیا ہو.... یعنی علماء جو اپنے علم سے لوگوں کو نفع نہ پہنچائیں سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے.... (مشکوٰۃ شریف)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے تھے کہہ رہے تھے کہ رات حاضر ہوا تھا لیکن گھر کے دروازے پر کسی جاندار کا مجسمہ سا تھا گھر کے ایک طاق کے پردے پر تصویریں تھیں اور گھر میں کتا بھی تھا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) مجسمہ کا سر کٹوا دیں۔ پردے کے تکیے بنوالیں (تاکہ تصویریں چھپ جائیں) اور کتے کو نکلوا دیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا۔ (ترمذی.... ابوداؤد.... مشکوٰۃ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس گھر میں تصویریں یا کتا ہو اس میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے۔ (بخاری و مسلم۔ مشکوٰۃ)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ ان تین غرضوں کے علاوہ اگر کسی اور غرض سے کوئی کتا پالے تو اس کے ثواب میں ہر روز ایک قیراط گھٹتا رہے گا.... (یعنی صرف مندرجہ ذیل اغراض کیلئے کتا پالا جا سکتا ہے) (۱) مواشی کی حفاظت کے لیے (۲) کھیت کی حفاظت کے لیے (۳) شکار کیلئے.... (مشکوٰۃ شریف)

راگ راگنی

صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری اُمت میں ایسے لوگ ہوں گے جو شراب اور گانے بجانے کو حلال سمجھنے لگیں گے.... مسند امام احمد میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا ہے اور مجھے حکم دیا ہے ساز اور باجوں کو مٹا دوں.... (ترمذی)

سنن ابی داؤد میں حضرت نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ساز سنا تو انہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں دے لیں اور فرمایا: میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایسے ہی ایک موقع پر تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مزامیر کی آواز سنی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی انگشت مبارک اپنے کانوں میں دے لی۔ (ابوداؤد.....ابن ماجہ.....مسند احمد)

سنن ابن ماجہ میں مروی ہے کہ فرمایا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ بعضے لوگ شراب کا نام بدل کر اس کو پئیں گے اور ان کے سروں پر معازف (باجہ ستار وغیرہ) اور گانے والیوں سے باجہ بجوایا اور گوایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ان کو زمین میں دھنسا دے گا اور ان کو بندر اور خنزیر بنا دے گا۔ جامع ترمذی میں ہے کہ ارشاد فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میری اُمت میں خسف (زمین میں دھنسنا) اور مسخ (آدمی سے جانور بنا دینا) واقع ہوگا..... جب علی الاعلان ہو جاویں گے گانے والیاں اور معازف (باجہ و ستار) وغیرہ۔ مسند ابن ابی الدنیا میں مروی ہے کہ فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایک قوم اس اُمت سے آخر زمانہ میں بندر اور خنزیر بن جائے گی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا: یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا وہ لوگ "لا الٰہ الا اللہ محمّد رسول اللّٰہ" کے قائل نہ ہوں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیوں نہ ہوں گے؟ بلکہ صوم و صلوٰۃ و حج سب کچھ کرتے ہوں گے۔ کسی نے عرض کیا: پھر اس سزا کی کیا وجہ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انہوں نے معازف (باجہ و ستار وغیرہ) اور گانے والیوں کا مشغلہ اختیار کیا ہوگا۔ ابن ابی الدنیا اور بیہقی نے شعبی سے روایت کیا ہے: فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ خدا لعنت کرے! گانے والیوں پر اور اس پر جس کی خاطر گایا جائے۔

قرآن مجید کی برکت

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ و جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمانو! اپنے گھروں میں اکثر قرآن مجید پڑھتے رہا کرو کیونکہ جس گھر میں قرآن مجید نہیں پڑھا جاتا اس میں خیر و برکت نہیں ہوتی (دار قطنی فی السنن)

صحبت نیکاں

مسلمانو! اپنے سے بڑوں کے پاس بیٹھا کرو..... عالموں سے سوال کیا کرو اور دانشمندوں سے ملا کرو..... (طبرانی)

ہر انسان اپنے دوست کے مشرب پر ہوتا ہے پس پہلے ہی سے دیکھ لینا چاہیے کہ وہ کس کو دوست بنا تا ہے..... (مشکوٰۃ)

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک شخص کسی نیک آدمی سے اس کے نیک اعمال کے باعث محبت کرتا ہے مگر وہ خود نیک اعمال اتنے نہیں کرتا جیسے اس نیک آدمی کے اعمال ہیں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کچھ مضائقہ نہیں۔ آدمی قیامت میں اسی کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ محبت کرتا ہے۔ (یعنی اس نیک کی محبت کا اسے صلہ ملے گا) (بخاری)

عہد شکنی کا وبال

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس قوم میں عہد شکنی کی عادت پھیل جاتی ہے اس میں خونریزی بڑھ جاتی ہے اور جس قوم میں بدکاری پھیل جاتی ہے اس میں موتوں کی تعداد بڑھ جاتی ہے (ابوداؤد....حاکم....نسائی)

ہم نشین کا اثر

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ برے ہم نشین کے پاس بیٹھنے سے تنہائی بہتر ہے اور اچھے ہم نشین کے پاس بیٹھنا تنہائی سے بہتر ہے اور نیک بات زبان سے نکالنا خاموشی سے بہتر ہے اور خاموش رہنا بری بات زبان سے نکالنے سے بہتر ہے (حاکم....بیہقی....فی شعب الایمان)

کسی کی زمین غصب کرنے کا وبال

حدیث شریف میں ہے کہ جو آدمی اپنی اور دوسرے آدمی کی زمین کی حد بدل ڈالے اس پر قیامت تک خدا کی لعنت ہے....(طبرانی)

ہمسایہ کا انتخاب

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مسلمانو! گھر بنانے یا لینے سے پہلے اچھے ہمسایہ کو تلاش کیا کرو اور راستہ چلنے سے پہلے اچھے ساتھی کو ڈھونڈ لیا کرو (طبرانی)

پریشان حال کی مدد

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی پریشان حال کی مدد کرے اللہ تعالیٰ اس کیلئے تہتر مغفرت لکھے گا جس میں سے ایک مغفرت تو اس کے تمام کاموں کی اصلاح کے لیے کافی ہے اور (۷۲) مغفرت قیامت کے دن اس کے لیے درجات بن جائیں گی۔ (بیہقی....حیات المسلمین)

اہل وعیال کا فتنہ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ وحضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ آدمی کی ہلاکت اس کی بی بی اور ماں باپ اور اولاد کے ہاتھوں ہوگی کہ یہ لوگ اس شخص کو ناداری سے عار دلائیں گے اور ایسی باتوں کی فرمائش کریں گے جن کو یہ اُٹھا نہ سکے گا سو یہ ایسے کاموں میں گھس جاوے گا جن سے اس کا دین جاتا رہے گا پھر یہ برباد ہو جائے گا۔ (بیہقی....حیات المسلمین)

مسلمان بھائی سے بحث ودل لگی

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنے بھائی

(مسلمان) سے (خواہ مخواہ) بحث نہ کیا کرو اور نہ اس سے ایسی دل لگی کرو (جو اس کو نا گوار ہو) اور نہ اس سے کوئی ایسا وعدہ کرو جس کو تم پورا نہ کر سکو۔ (ترمذی.... حیات المسلمین)

غیبت پر حمایت

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے سامنے اس کے مسلمان بھائی کی غیبت ہوتی ہے اور وہ اس کی حمایت پر قدرت رکھتا ہو اور اس کی حمایت کرے تو اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کی حمایت فرمائے گا اور اگر اس کی حمایت نہ کی حالانکہ وہ اس کی حمایت پر قادر تھا تو دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ اس پر گرفت فرمائے گا۔ (شرح السنہ.... حیات المسلمین)

پاکی وصفائی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مسلمانو! اپنے گھروں کے صحنوں کو صاف رکھا کرو کیونکہ وہ یہودیوں کے مشابہ ہیں جو اپنے گھروں کے صحنوں کو عموماً گندہ رکھتے ہیں (طبرانی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ خدا تعالیٰ نے اسلام کی بنیاد پاکیزگی اور صفائی پر رکھی ہے اور جنت میں وہی آدمی داخل ہوگا جو پاک وصاف ہوگا جو پاک وصاف رہنے والا ہے۔ (ابو الصعا)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمانو! اپنے جسموں کو پاک وصاف رکھا کرو (طبرانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ خدا تعالیٰ کے بندو! علاج کرایا کرو کیونکہ خدا تعالیٰ نے بڑھاپے کے سوا ہر بیماری کی دوا پیدا کی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ برکت کھانے کے بیچ میں نازل کی جاتی ہے اس لیے تم برتن کے کنارے سے کھاؤ۔ بیچ میں سے مت کھاؤ کیونکہ بیچ میں سے کھانا بے برکتی کا موجب ہوگا اور تہذیب کے بھی خلاف ہے۔ (ترمذی)

جسمانی آرائش

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمارے یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ملاقات کی غرض سے تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو دیکھا جو گرد وغبار سے اٹا ہوا تھا اور بال بکھرے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اس آدمی کے پاس کوئی کنگھا نہیں ہے جس سے یہ اپنے بالوں کو درست کر لیتا؟ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دوسرے آدمی کو دیکھا جس نے میلے کپڑے پہن رکھے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا اس آدمی کے پاس وہ چیز (صابن وغیرہ) نہیں ہے جس سے یہ اپنے کپڑے دھو لیتا.... (مشکوٰۃ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس شخص کے سر پر بال اور داڑھی کے بال ہوں اس کو چاہیے کہ ان کو اچھی طرح رکھے۔ (ابوداؤد.... مشکوٰۃ)

مدح میں مبالغہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ایک شخص کو دوسرے شخص کی مبالغہ آمیز تعریف کرتے ہوئے سنا تو فرمایا: تم نے تو اس

کو برباد کر دیا۔ ایک اور موقع پر کسی سے فرمایا: تم نے تو اپنے ساتھی کی گردن ماردی۔ اگر تم کو تعریف کرنا ہی ہو تو یوں کہو کہ میں یہ گمان کرتا ہوں۔ بشرطیکہ اس کے علم میں وہ واقعی ایسا ہو اور قطعیت کے ساتھ غیب پر حکم نہ لگانا چاہیے۔ (صحیح بخاری.... سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

قناعت

فضالہ بن عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''خوشخبری ہو اس کو جس کو اسلام کی ہدایت ملی اور اس کی روزی ضرورت کے مطابق ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس پر اس کو قانع بنا دیا ہے۔ (زائد صحیح ابن حبان.... سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

بہتان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو کوئی اپنے غلام (نوکر) پر تہمت لگائے گا حالانکہ وہ بیگناہ ہو یعنی اس نے وہ گناہ نہیں کیا تھا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس مالک کی پیٹھ پر کوڑے لگائے گا۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس میں جو برائی نہیں اس کی نسبت اس کی طرف کرنا بہتان ہے۔ اس سے بچنا چاہیے۔ (سنن ابی داؤد... سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

بوڑھے کی تعظیم

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس جوان نے کسی بوڑھے شخص کی اسکے بڑھاپے کے سبب تعظیم وتکریم کی اللہ تعالیٰ اسکے بڑھاپے کیلئے ایسے شخص کو مقرر کرے گا جو اسکی تعظیم وتکریم کریگا.... (ترمذی.... مشکوٰۃ)

ظالم ومظلوم کی اعانت

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص کسی مظلوم کی فریاد رسی کرے۔ اللہ تعالیٰ اس کے لیے تہتر بخششیں لکھ دیتا ہے جن میں سے ایک بخشش وہ ہے جو اس کے تمام کاموں کی اصلاح کی ضامن ہے اور بہتر ۷۲ بخششیں قیامت کے دن اس کے درجات بلند کرنے کا سبب ہوں گی.... (بیہقی.... مشکوٰۃ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: اپنے مسلمان بھائی کی مدد کرو! ظالم ہو یا مظلوم۔ ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) مظلوم کی اعانت تو میں کرتا ہوں ظالم کی مدد کیوں کر کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو ظلم سے روک۔ تیرا اس کو ظلم سے باز رکھنا ہی مدد کرنا ہے۔ (بخاری ومسلم.... مشکوٰۃ)

مصیبت زدہ کا مذاق

حضرت واثلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو اپنے بھائی کی مصیبت پر خوشی کا اظہار نہ کر ورنہ اللہ اس پر رحم فرمائے گا اور تجھے مصیبت میں مبتلا کر دے گا (ترمذی)

چند نصیحتیں

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات چیزوں کے کرنے کا ہم کو حکم دیا ہے اور چند چیزوں سے ہم کو منع کیا ہے۔ ہم کو حکم دیا ہے۔ مریض کی عیادت کا۔ جنازے کے ساتھ جانے کا۔ چھینکنے والے کے لیے یرحمک اللہ کہنے کا۔ قسم کے پورا کرنے کا۔ مظلوم کی مدد کرنے کا۔ سلام کو رواج دینے کا۔ دعوت کرنے والے کی دعوت قبول کرنے کا اور ہم کو منع فرمایا ہے۔ سونے کی انگوٹھی رکھنے سے۔ چاندی کے برتنوں کے استعمال سے۔ سرخ کپڑے پہننے اور زین پوش بنانے سے اور قسی اور تافتہ اور دیبا اور حریر پہننے سے....(متفق علیہ)

دوست سے ملاقات

حضرت ابی رزین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: میں تجھ کو اس امر (دین) کی جڑ بتادوں؟ کہ تو اس کے ذریعے سے دنیا اور آخرت کی بھلائی کو حاصل کر سکے۔ تو اہل ذکر کی مجلسوں میں بیٹھا کر (یعنی ان لوگوں کے پاس جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں) اور جب تنہا ہو تو جس قدر ممکن ہو اللہ تعالیٰ کی یاد میں اپنی زبان کو حرکت میں رکھ۔ محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے محبت کر اور اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے لیے بغض رکھ۔ اے ابو رزین یا تو جانتا ہے کہ جب کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی زیارت و ملاقات کے ارادے سے گھر سے نکلتا ہے تو کیا ہوتا ہے؟ اس کے پیچھے ستر ہزار فرشتے ہوتے ہیں جو اس کے لیے دُعا و استغفار کرتے ہیں اور کہتے ہیں اے پروردگار! اس شخص نے محض تیری رضا کے لیے ملاقات کی تو اس کو اپنی رحمت اور شفقت سے ملا دے....پس اگر تجھ سے یہ ممکن ہو یعنی اپنے بھائی مسلمان کی ملاقات کے لیے جانا تو ایسا کر (یعنی اپنے بھائی مسلمان سے ملاقات کر) (بیہقی....مشکوٰۃ)

مسلمان دوسرے مسلمان کیلئے آئینہ ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مؤمن اپنے بھائی کا آئینہ ہے جب کوئی اس میں عیب دیکھتا ہے تو اس کو اصلاح کی طرف متوجہ کر دیتا ہے۔ (بخاری....الادب المفرد)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب کسی کے دل میں اپنے بھائی (مسلمان) کے لیے خلوص و محبت کے جذبات ہوں تو اسے چاہیے کہ اپنے دوست کو بھی ان جذبات سے آگاہ کر دے اور اسے جتادے کہ وہ اس سے محبت رکھتا ہے....(ادب المفرد....مشکوٰۃ)

سوال کی مذمت

حدیث شریف میں ہے کہ صدقہ لینا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) و آل محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے حلال نہیں ہے۔ (الخطیب)

جو آدمی بغیر ضرورت سوال کرتا ہے وہ گویا آگ کی چنگاریوں میں ہاتھ ڈالتا ہے۔ (بیہقی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قسم ہے اس پروردگار کی جس

کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! کہ اگر تم میں سے کوئی آدمی رسی لے کر جنگل کو چلا جائے اور لکڑیوں کا گٹھا باندھ لائے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ کسی کے پاس جا کر سوال کرے اور وہ دے یا نہ دے۔ (مالک)

حدیث شریف میں ہے لوگوں سے کوئی چیز مت مانگو اور اگر تمہارا کوڑا اگر پڑے تو اس کو بھی خود گھوڑے سے اتر کر اٹھاؤ (مسند احمد)

حدیث میں ہے مسلمانو! سوال بالکل نہ کرو اور اگر ضرورت مجبور کرے تو ایسے لوگوں سے سوال کرو جو نیک دل ہوں (مسند احمد)

مسلمان کو دیکھ کر مسکرانا صدقہ ہے

حدیث شریف میں ہے کہ اپنے بھائی کو دیکھ کر مسکرا دینا بھی صدقہ ہے.... (ترمذی)

عذر قبول کرنا

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کسی مسلمان بھائی سے اپنی غلطی پر عذر کیا اور اس نے اس کو معذور نہ سمجھا یا اس کے عذر کو قبول نہ کیا اس پر اتنا گناہ ہوگا جتنا ایک ناجائز محصول وصول کرنے والے پر اس کی ظلم و زیادتی کا گناہ ہوتا ہے....

ایمان کے ساتھ عمل

ایک دفعہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ایمان کے ساتھ کوئی عمل بتائیے؟ فرمایا: جو روزی اللہ تعالیٰ نے دی ہے اس میں سے دوسروں کو دے۔ عرض کیا: اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! اگر وہ خود مفلس ہو؟ فرمایا: اپنی زبان سے نیک کام کرے۔ عرض کیا: اگر اس کی زبان معذور ہو؟ فرمایا: مغلوب کی مدد کرے۔ عرض کیا: اگر وہ ضعیف ہو مدد کی قوت نہ رکھتا ہو؟ فرمایا: جس کو کوئی کام کرنا نہ آتا ہو اس کا کام کر دے۔ عرض کیا: اگر وہ خود بھی ایسا ہی ناکارہ ہو؟ فرمایا: اپنی ایذاء رسانی سے لوگوں کو بچائے رکھے۔ (مشدرک حاکم.... سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

احسان کا شکریہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جو شخص انسانوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا شکر بھی ادا نہیں کرتا.... حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کے ساتھ احسان کیا جائے اور وہ اپنے محسن کے حق میں یہ الفاظ کہے "جزاک اللہ خیراً" (اللہ تجھ کو جزائے خیر دے) تو اس نے اپنے محسن کی پوری تعریف کر دی.... (مسند احمد.... ترمذی.... مشکوٰۃ)

سفارش

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا: کہ جب کوئی حاجت مند سائل سوال کرے تو اس کی سفارش کرو کہ تم کو سفارش کا ثواب ملے گا اور اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی زبان سے جو حکم چاہتا ہے جاری فرماتا ہے.... (بخاری.... مسلم.... مشکوٰۃ)

سرگوشی

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جب تین آدمی ہوں تو تیسرے کو چھوڑ کر دو آپس میں کانا پھوسی نہ کریں....(ادب المفرد)

سونے چاندی کے برتن کا استعمال

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے....حریر و دیبا (ریشمی کپڑوں) کو نہ پہنو! چاندی اور سونے کے برتنوں میں نہ پیو! اور سونے چاندی کی رکابیوں اور پیالوں میں نہ کھاؤ! اس لیے کہ یہ چیزیں دنیا میں کافروں کے لیے ہیں اور تمہارے لیے آخرت میں....(بخاری و مسلم....مشکوٰۃ)

فحش کلامی

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: خدا کی نظر میں بدترین قیامت کے روز وہ ہوگا جس کی بدزبانی اور فحش کلامی کی وجہ سے لوگ اس سے ملنا چھوڑ دیں....(بخاری و مسلم)

بے جا مدح

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم تعریف کرنے والے کو (بے جا تعریف کرتے ہوئے) دیکھو تو اس کے منہ میں مٹی جھونک دو (یعنی اس پر ناگواری کا اظہار کرو)....(مشکوٰۃ)

فاسق کی مدح

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس وقت فاسق کی تعریف کی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر غصہ ہوتا ہے اور اس کی تعریف کی وجہ سے عرش دہل اُٹھتا ہے....(مشکوٰۃ)

صحت اور خوشبو

مسند بزار میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ طیب ہے۔طیب کو محبوب رکھتا ہے۔پاک ہے اور پاک کو پسند کرتا ہے۔کریم ہے کرم کو پسند فرماتا ہے۔سخی ہے سخاوت کو پسند فرماتا ہے اس لیے اپنے مکان اور صحن کو صاف شفاف رکھو۔(زادالمعاد)

صحیح روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہر مسلمان پر یہ حق ہے کہ وہ ہر سات دن میں کم از کم ایک بار غسل کرے اور اگر اس کے پاس خوشبو ہو تو وہ بھی لگائے اور خوشبو میں یہ خاصیت ہے کہ ملائکہ اس آدمی سے جو معطر ہوتا ہے محبت کرتے ہیں اور شیاطین اس سے نفرت کرتے ہیں اور شیاطین کے لیے سب سے زیادہ دل پسند

اور مرغوب۔ مکروہ اور بدبودار چیز ہے چنانچہ ارواح طیبہ کو رائحہ طیبہ محبوب ہوتی ہے اور ارواح خبیثہ کو رائحہ خبیثہ پسند ہوتی ہے یعنی ہر روح اپنی پسند کی طرف مائل ہوتی ہے....(زاد المعاد)

زمین کا تبادلہ

اگر کوئی گھر یا زمین بے میل ہونے کی وجہ سے فروخت کرو تو مصلحت یہ ہے کہ جلدی سے اس کا دوسرا مکان یا زمین خرید کرلو ورنہ روپیہ رہنا مشکل ہے یونہی اُڑ جائے گا....(حیات المسلمین....ابن ماجہ)

غیرت واحسان

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ تم دوسروں کے مشورے کے محتاج نہ بنو بلکہ خود صاحب الرائے اور پختہ ارادہ کرنے والے بنو اور بے بلائے ہوئے کسی کے گھر کھانا کھانے نہ جایا کرو! تم کہتے ہو کہ جو ہم سے نیکی کرے گا ہم بھی اس سے نیکی کریں گے اور جو برائی کرے گا ہم بھی اس سے برائی کریں گے لیکن تم کو چاہیے کہ تم اپنے آپ کو اس بات کا عادی بنالو کہ جو تمہارے ساتھ احسان کرے تم بھی اس کے ساتھ احسان کرو اور جو تم سے بدی کرے تو اس سے بھی بدی نہ کرو بلکہ اس پر احسان کرو۔ (ترمذی....مشکوٰۃ)

عیش وعشرت

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا: دیکھو! زیادہ چین اور مزے نہ کرنا اللہ کے نیک بندے چین نہیں کیا کرتے....(مسند احمد....بیہقی)

باہم دعوتیں کرنا

حضرت حمزہ صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسلمانو! تم میں اچھے وہ ہیں جو باہم ایک دوسرے کی دعوتیں کرتے رہتے ہیں اور ملاقات کے وقت ایک دوسرے کو سلام کرتے ہیں....(ابن سعد)

آداب دُعا

دُعا کے عمدہ ترین آداب یہ ہیں کہ حلال روزی کا ہونا۔ راست گوئی کی عادت اور دُعا میں گڑگڑانا قبولیت کے لیے جلدی نہ کرنا۔ شروع میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کرنا۔ نبی کریم (صلی اللہ علیہ سلم) پر درُود وسلام پڑھنا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آل واصحاب پر بھی سلام بھیجنا وغیرہ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب دُعا

کرتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو ملا کران کی ہتھیلیوں کو چہرے کے مقابل کرتے تھے اور ختم دُعا کے بعد ہاتھوں کو چہرے پر ملنا بھی آداب دُعا ہے جبکہ نماز کی حالت کے علاوہ ہو....(مدارج النبوۃ)

آرام طلبی کی عادت اچھی نہیں

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو زیادہ آرام طلبی سے منع فرماتے تھے اور ہم کو حکم دیتے تھے کہ کبھی کبھی ننگے پاؤں بھی چلا کریں (ابوداؤد)

حضرت ابن ابی حدرد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تنگی سے گزر کرو اور موٹا چلن رکھو اور ننگے پاؤں چلا کرو....(جمع الفوائد....طبرانی....کبیر واوسط)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ بدر کے دن تین تین آدمی ایک ایک اونٹ پر تھے اور حضرت ابولبابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شریک سوار تھے ۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چلنے کی باری آتی تو وہ دونوں عرض کرتے کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے پیادہ چلیں گے ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے: تم مجھ سے زیادہ قوی نہیں ہو اور میں تم سے زیادہ ثواب سے بے نیاز نہیں ہوں ۔ (یعنی پیادہ چلنے میں جو ثواب ہے اس کی مجھ کو بھی حاجت ہے)....(شرح السنۃ)

کسب حلال

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فرض عبادات کی بجا آوری کے بعد حلال طریقہ سے رزق حاصل کرنا سب سے اہم فرض ہے....(مشکوٰۃ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی شخص کی حرام مال کی کمائی میں سے نہ صدقہ قبول کیا جاتا ہے نہ اس کے خرچ میں برکت دی جاتی ہے اور جو شخص حرام مال چھوڑ کر مرتا ہے وہ مال اس کے جہنم کا زادِراہ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ برائی کو برائی کے ذریعے نہیں مٹاتا بلکہ برائی کو بھلائی کے ذریعے مٹاتا ہے کیونکہ خبیث خبیث کو نہیں مٹا سکتا ہے (بخاری و مسلم....احمد)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے (ایک لمبی حدیث میں روایت ہے) کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ مال خوشنما....خوش مزہ چیز ہے جو شخص اس کو حق کے ساتھ (یعنی شرع کے موافق) حاصل کرے اور حق میں (یعنی جائز موقع میں) خرچ کرے تو وہ اچھی مدد دینے والی چیز ہے....(بخاری و مسلم)

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میرا عہد یہ ہے کہ میں ہمیشہ سچ بولوں گا اور اپنے کل مال کو اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نذر کر کے اس سے دستبردار ہو جاؤں گا....آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کچھ مال تھام لینا چاہیے یہ تمہارے لیے بہتر (اور مصلحت) ہے (وہ مصلحت یہی ہے کہ گزر کا سامان

اپنے پاس ہونے سے پریشانی نہیں ہوتی) میں نے عرض کیا: تو میں اپنا وہ حصہ تھامے لیتا ہوں جو خیبر میں مجھ کو ملا ہے....(ترمذی)

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مؤمن کو لائق نہیں کہ اپنے نفس کو ذلیل کرے۔ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! اس سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: نفس کو ذلیل کرنا یہ ہے کہ جس بلا کو سہار نہ سکے اس کا سامنا کرے (ترمذی)

سادگی

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سادہ زندگی گزارنا ایمان سے ہے (ابوداؤد....حیات المسلمین)

بدعت

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ خدا کی حمد کے بعد معلوم ہونا چاہیے کہ سب سے بہتر حدیث (بات) خدا کی کتاب ہے اور بہترین راہ (سنت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی راہ ہے اور بدترین چیزوں میں وہ چیز ہے جس کو (دین میں) نیا نکالا گیا ہو اور ہر بدعت (نئی نکالی ہوئی چیز) گمراہی ہے....(مسلم)

بدعت کی ممانعت

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ہمارے کام (یعنی دین) میں کوئی نئی بات پیدا کی جو اس میں نہیں ہے تو وہ مردود ہے....(بخاری و مسلم....حیات المسلمین)



كِتَابُ الْحِجَاب

ستر اور پردے کے احکام

انسان کی معاشی زندگی میں ستر اور پردے کے مسئلہ کی بھی خاص اہمیت ہے اور یہ ان خصائص میں سے جن میں انسان دوسرے حیوانات سے ممتاز ہے۔ خالق کائنات نے دوسرے حیوانات میں حیا اور شرم کا وہ مادہ نہیں رکھا جو انسان کی فطرت میں رکھا گیا ہے اس لئے حیوانات اپنے جسم کے کسی حصے کو اور اپنے کسی فعل کو چھپانے کی وہ کوشش نہیں کرتے جو انسان کرتا ہے اور جس کے لئے وہ اپنی فطرت سے مجبور ہے۔

بہرحال ستر اور پردہ اصولی درجہ میں انسانی فطرت کا تقاضا ہے اسی لئے تمام اقوام وملل اپنے عقائد ونظریات اور رسوم وعادات کے بہت سے اختلافات کے باوجود بنیادی طور پر اس پر متفق ہیں کہ آدمی کو دوسرے حیوانات کی طرح ننگ دھڑنگ نہیں رہنا چاہئے۔

اسی طرح یہ بات بھی تمام انسانی گروہوں کے مسلمات بلکہ معمولات میں سے ہے کہ اس بارے میں عورت کا درجہ مرد سے بھی بلند ہے، گویا جس طرح ستر اور پردے کے باب میں انسانوں کو عام حیوانات کے مقابلے میں امتیاز وتفوق حاصل ہے اسی طرح اس معاملہ میں عورت کو مرد کے مقابلہ میں فوقیت اور برتری حاصل ہے، کیونکہ اس کی جسمانی ساخت ایسی ہے کہ اس میں جنسی کشش جو بہت سے فتنوں کا ذریعہ بن سکتی ہے مردوں سے کہیں زیادہ ہے، اسی لئے ان کے پیدا کرنے والے نے ان میں حیاء کا جذبہ بھی مردوں سے زیادہ رکھا ہے۔ بہرحال اولادِ آدم کیلئے ستر اور پردہ بنیادی طور پر ان کی فطرت کا تقاضا اور پوری انسانی دنیا کے مسلمات میں سے ہے۔

پھر جس طرح انسانی زندگی کے تمام شعبوں میں ہدایت کی تکمیل اللہ کے آخری نبی سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ ہوئی اسی طرح اس شعبہ میں بھی جو ہدایات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیں وہ بلاشبہ اس شعبہ کی تکمیلی ہدایات ہیں۔

اس باب میں اصولی اور بنیادی احکام تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لائی ہوئی کتاب ہدایت قرآن مجید ہی میں دیئے گئے ہیں۔ سورہ اعراف کے شروع ہی میں جہاں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق اور انسانی دنیا کے آغاز کا ذکر ہے فرمایا گیا ہے کہ:

"نسل آدمؑ کو ستر چھپانے کی ہدایت اسی ابتدائی دور میں دے دی گئی تھی اور آگاہ کر دیا گیا تھا کہ اس بارے میں تم شیطان کے اغوا کا شکار نہ ہو جانا وہ تمہیں انسانیت کی بلند سطح سے گرا کر جانوروں کی طرح ننگا اور بے پردہ کرنے کی کوشش کرے گا۔"

پھر سورۂ نور اور سورۂ احزاب میں خاص کر عورتوں کے پردے کے بارے میں احکام دیئے گئے۔ مثلاً یہ کہ ان کی اصل جگہ اپنا گھر ہے، لہٰذا بے ضرورت سیر سپاٹے یا اپنی نمائش کے لئے گھروں سے باہر نہ گھومیں۔ اور اگر ضرورت سے نکلیں (جس کی

اجازت ہے) تو پورے پردے والا لباس پہن اوڑھ کر نکلیں۔ اور گھروں میں شوہروں کے علاوہ گھر کے دوسرے لوگوں، یا آنے جانے والے عزیزوں، قریبوں کے سامنے لباس اور پردے کے بارے میں ان مقررہ حدود کی پابندی کریں۔ اور مردوں کو چاہئے کہ اپنے اہل قرابت یا دیگر اہل تعلق کے گھروں میں اچانک یا بلا اطلاع واجازت کے نہ جائیں۔ نیز مرد عورتوں کو اور عورتیں مردوں کو دیکھنے، تاکنے کی کوشش نہ کریں، بلکہ سامنا ہو جائے تو نگاہیں نیچی کرلیں۔

اللہ تعالیٰ نے جن کو عقل سلیم دی ہے اور ان کی فطرت مسخ نہیں ہوئی ہے، وہ اگر غور کریں تو ان شاء اللہ انہیں اس میں شبہ نہ ہوگا کہ یہ احکام انسان کے جذبہ حیاء کے فطری تقاضوں کی تکمیل بھی کرتے ہیں اور ان سے ان شیطانی اور شہوانی فتنوں کا دروازہ بھی بند ہو جاتا ہے جو زندگی کو گندہ اور اخلاق کو برباد کرتے ہیں اور کبھی کبھی بڑے شرمناک اور گھناؤنے نتائج کا باعث بن جاتے ہیں۔

عَنْ جَرْهَدٍ اَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ الْفَخِذَ عَوْرَةٌ. (رواہ الترمذی وابوداؤد)

حضرت جرہد بن خویلد سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا تمہیں یہ معلوم نہیں ہے کہ ران (بھی) ستر میں شامل ہے۔ (یعنی اس کا کھولنا جائز نہیں)۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

تشریح ...... انسانی جسم کے جو حصے عرف میں شرم گاہ کہلاتے ہیں۔ ان کے بارے میں تو ہر آدمی حتیٰ کہ خدا کے اور کسی دین ومذہب کے نہ ماننے والے بھی سمجھتے ہیں کہ ان کا ستر یعنی چھپانا ضروری ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ انسانی جسم میں صرف شرم گاہ اور اس کے قریب حصے ہی نہیں بلکہ ران تک ستر میں شامل ہے جس کا چھپانا ضروری ہے۔ یہ گویا ستر کے بارے میں تکمیلی تعلیم اور ہدایت ہے۔ اس حدیث میں فخذ (ران) کو عورۃ فرمایا گیا ہے۔ عورۃ کے لفظی معنی ہیں، چھپانے کی چیز، جس کا کھلنا شرم وحیاء کے خلاف ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی ہدایت فرمائی کہ اگر آدمی کسی وقت اور کسی جگہ بالکل تنہا ہو کوئی دوسرا شخص دیکھنے والا نہ ہو تب بھی بلاضرورت برہنہ نہ ہو اور ستر کی حفاظت کرے، اللہ سے اور اس کے فرشتوں سے شرم کرے۔

عَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيْمٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِحْفَظْ عَوْرَتَكَ اِلَّا مِنْ زَوْجَتِكَ اَوْمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَفَرَأَيْتَ اِذَا كَانَ الرَّجُلُ خَالِيًا ...... قَالَ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ يُسْتَحْيٰى مِنْهُ. (رواہ الترمذی وابوداؤد وابن ماجہ)

بہز بن حکیم نے اپنے والد حکیم سے اور انہوں نے بہز کے دادا (یعنی اپنے والد) معاویہ بن حیدہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اپنی شرمگاہ محفوظ رکھو (کسی کے سامنے نہ کھولو) سوائے اپنی بیوی اور (شرعی) باندی کے (معاویہ بن حیدہ کہتے ہیں کہ) میں نے عرض کیا کہ: حضرت! کیا فرماتے ہیں اس حالت کے بارے میں جب آدمی بالکل تنہائی میں ہو؟ (کوئی دوسرا آدمی دیکھنے والا نہ ہو) آپ نے ارشاد فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ اس کا زیادہ سزاوار ہے اور اس کا زیادہ حق ہے کہ اس سے شرم کی جائے۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ الْمَرْاَةُ عَوْرَةٌ فَاِذَا

خَرَجَتْ اِسْتَشْرَفَهَا الشَّيْطَانُ. (رواه الترمذی)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: عورت گویا ستر ہے (یعنی جس طرح ستر کو چھپا رہنا چاہئے، اسی طرح عورت کو گھر میں پردے میں رہنا چاہئے) جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیاطین اس کو تاکتے اور اپنی نظروں کا نشانہ بناتے ہیں۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... عربی زبان میں "عورت" اس چیز یا اس حصہ جسم کو کہتے ہیں جس کا چھپانا اور پردے میں رکھنا ضروری اور کھولنا معیوب سمجھا جائے۔ اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ "اَلْمَرْأَةُ عَوْرَةٌ"، یعنی صنف خواتین کی نوعیت یہی ہے، ان کو پردے میں رہنا چاہئے۔ آگے فرمایا گیا ہے کہ: جب کوئی خاتون باہر نکلتی ہے، تو شیطان تاک جھانک کرتے ہیں۔ حضورؐ کے اس ارشاد کا مدعا اور مقصد یہ ہے کہ عورتوں کو حتی الوسع باہر نکلنا ہی نہ چاہئے تا کہ شیطانوں اور ان کے چیلے چانٹوں کو شیطنت اور شرارت کا موقع ہی نہ ملے، اور اگر ضرورت سے نکلنا ہو تو اس طرح باپردہ نکلیں کہ زینت و آرائش کا اظہار نہ ہو۔ قرآن مجید کی آیت: "وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى." میں بھی یہی ہدایت فرمائی گئی ہے۔ البتہ ضرورت سے باہر نکلنے کے بارے میں صحیح بخاری کی ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صریح ارشاد ہے: "اِنَّهٗ قَدْ اُذِنَ لَكُنَّ اَنْ تَخْرُجْنَ لِحَوَائِجِكُنَّ." یعنی بہ ضرورت باہر نکلنے کی اجازت ہے۔

نامحرم عورتوں سے تنہائی میں ملنے کی ممانعت

معاشرے کو فواحش اور گندے اعمال و اخلاق سے محفوظ رکھنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو ہدایات فرمائی ہیں ان میں سے یہ بھی ہے کہ کوئی شخص کسی نامحرم عورت سے تنہائی میں نہ ملے، ایسی صورت میں اس شیطان کو اپنا کھیل کھیلنے کا موقع مل جاتا ہے جو ہر وقت ساتھ رہتا ہے۔

عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم قَالَ لَا تَلِجُوْا عَلَى الْمُغِيْبَاتِ فَاِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِيْ مِنْ اَحَدِكُمْ مَجْرَى الدَّمِ، قُلْنَا وَمِنْكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ وَمِنِّيْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَعَانَنِيْ عَلَيْهِ فَاَسْلَمُ. (رواه الترمذی)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: (خاص کر) ان خواتین کے گھروں میں نہ جایا کرو جن کے شوہر کہیں باہر (سفر وغیرہ) میں گئے ہوئے ہوں، کیونکہ شیطان (یعنی اس کے اثرات و وساوس) سب میں اس طرح (غیر مرئی طور پر) جاری ساری رہتے ہیں جس طرح رگوں میں خون رواں دواں رہتا ہے۔ ہم نے عرض کیا: اور کیا آپ میں بھی؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اور مجھ میں بھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے میری (اس معاملہ میں) خاص مدد فرمائی ہے، اس لئے میں محفوظ رہتا ہوں۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... شادی شدہ عورتیں جن کے شوہر کہیں سفر وغیرہ میں گئے ہوئے ہوں ان سے نامحرم مردوں کے ملنے میں ظاہر ہے فتنہ کا خطرہ زیادہ ہے، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بارے میں یہ خاص ہدایت فرمائی اور یہ بھی فرمایا کہ شیطان ہر ایک کے ساتھ لگا ہوا ہے، اور اس کے وساوس و اثرات آدمی میں اس طرح دوڑ جاتے ہیں جس طرح رگوں میں خون دوڑتا ہے۔

اس موقع پر کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ: حضرت! اس بارے میں (یعنی شیطانی وساوس وتصرفات کے بارے میں) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا حال ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: شیطان تو میرے ساتھ بھی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں میری خاص مدد فرمائی ہے جس کی وجہ سے میں اس کے وساوس اور اثرات سے محفوظ رہتا ہوں، مجھ پر اس کا داؤ نہیں چلتا اور وہ مجھے کسی غلطی یا فتنہ میں مبتلا نہیں کرسکتا۔ یہ دراصل عفتِ عصمت کا لازمی تقاضا ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شیطانی اثرات و وساوس سے محفوظ رہنے کو اپنا ذاتی کمال نہیں بتلایا، بلکہ اللہ تعالیٰ کی خاص مدد اور اعانت کا نتیجہ قرار دیا۔ یہ عبدیت کا خاص الخاص مقام ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّی عَلٰی عَبۡدِکَ وَنَبِیِّکَ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَصَحۡبِہٖ وَاَتۡبَاعِہٖ.

عورت چھپا کر رکھنے کی چیز ہے

وَعَنۡ ابۡنِ عُمَرٍ رَضِیَ اللّٰہ تَعَالٰی عَنۡھُمَا عن رَسُوۡلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلۡمَرۡأَۃُ عَوۡرَۃٌ فَاِنَّھَا اِذَا خَرَجَتۡ مِنۡ بَیۡتِھَا اسۡتَشۡرَفَھَا الشَّیۡطٰنَ وَاِنَّھَا لَا تَکُوۡنُ اَقۡرَبَ اِلَی اللّٰہِ مِنۡھَا فِیۡ قَعۡرِ بَیۡتِھَا (رواہ الطبرانی فی الاوسط ورجالہ رجال الصحیح)

"حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عورت چھپا کر رکھنے کی چیز ہے اور بلاشبہ جب وہ اپنے گھر سے باہر نکلتی ہے تو اسے شیطان تکنے لگتا ہے، اور یہ بات یقینی ہے کہ عورت اس وقت سب سے زیادہ اللہ سے قریب ہوتی ہے جبکہ وہ اپنے گھر کے اندر ہوتی ہے۔" (الترغیب والترہیب للمنذری ص ۲۲۶ جلد ا، از طبرانی)

تشریح: اس حدیث میں اول تو عورت کا مقام بتایا ہے، یعنی یہ کہ وہ چھپا کر رکھنے کی چیز ہے، عورت کو بحیثیت عورت کے اندر رہنا لازم ہے، جو عورت پردہ سے باہر پھرنے لگے وہ حدودِ نسوانیت سے باہر ہوگئی۔

اس کے بعد فرمایا کہ جب عورت گھر سے باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کی طرف نظریں اٹھا اٹھا کر تکنا شروع کردیتا ہے، مطلب یہ ہے کہ جب عورت باہر نکلے گی تو شیطان کی یہ کوشش ہوگی کہ لوگ اس کے خدوخال اور حسن و جمال اور لباس و پوشاک پر نظر ڈال ڈال کر لطف اندوز ہوں۔

اس کے بعد فرمایا کہ عورت اس وقت سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتی ہے جبکہ وہ اپنے گھر کے اندر ہوتی ہے، جن عورتوں کو اللہ کی نزدیکی کی طلب اور رغبت ہے وہ گھر کے ہی اندر رہنے کو پسند کرتی ہیں، اور حتی الامکان گھر سے باہر نکلنے سے گریز کرتی ہیں۔

اسلام نے عورتوں کو ہدایت دی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اپنے گھر کے اندر ہی رہیں، کسی مجبوری سے باہر نکلنے کی جو اجازت دی گئی ہے اس میں متعدد پابندیاں لگائی گئی ہیں مثلاً یہ کہ خوشبو لگا کر نہ نکلیں، اور یہ بھی حکم فرمایا ہے کہ عورت راستہ کے درمیان نہ چلے، اگر اسے باہر جانا ہی پڑے تو پورے بدن پر موٹی چادر لپیٹ کر نکلے (راستہ نظر آنے کے لئے ایک آنکھ کا کھلا رہنا کافی ہے)

نیز فرمایا کہ مرد کی نظر کسی نامحرم عورت پر یا عورت کی نظر کسی نامحرم مرد پر پڑ جائے تو فوراً نظر ہٹالے، اگر عورت کو کسی نامحرم مرد سے بدرجہ مجبوری بات کرنی پڑے تو نرم گفتاری سے بات نہ کرے، اور یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ عورت بغیر محرم کے سفر نہ کرے، محرم بھی وہ ہو جس پر بھروسہ ہو، فاسق محرم جس پر اطمینان نہ ہو، اس کے ساتھ سفر کرنا درست نہیں ہے، اسی طرح شوہر یا محرم کے

علاوہ کسی نامحرم مرد کے ساتھ تنہائی میں رہنے یا رات گذارنے کی بالکل اجازت نہیں ہے، اور محرم بھی وہ ہو جس پر اطمینان ہو، یہ سب احکام درحقیقت عفت وعصمت محفوظ رکھنے کے لئے دیئے گئے ہیں۔

مخلوط تعلیم کا زہر۔ آج کل لڑکیوں کو اسکولوں کالجوں میں پڑھانے کے لئے بھیجتے ہیں، ان کو اونچی ڈگریاں دلانے کی کوشش کرتے ہیں، اول تو اس میں اس حکم کی خلاف ورزی ہے کہ عورت اپنے گھر میں رہے، اگر باہر نکلنا ہو تو بدرجہ مجبوری پابندیوں کے ساتھ نکل سکتی ہے، مگر وہ تو پردہ کے اہتمام کے بغیر نکلتی ہیں اور خوب بن ٹھن کر خوشبو لگا کر جاتی ہیں پھر رہی سہی کسر مخلوط تعلیم نے پوری کر دی، ایک ہی کلاس میں لڑکے اور لڑکیاں اور بالغ مرد اور عورت بے پردہ ہو کر بیٹھتے ہیں اور عجیب بات یہ ہے کہ اسلامیات کی ڈگری لینے والے عین تعلیم کے وقت اسلامی احکام کو پامال کرتے جاتے ہیں اور جو لوگ ان باتوں پر نکیر کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ یہ غیر شرعی طریقہ ہے، وہ کیسی ہی آیات واحادیث پیش کریں، ان کی بات کو دقیانوسی کہہ کر ٹال دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو سمجھ دے اور دین کے صحیح تقاضے کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اسلام عفت وعصمت والا دین ہے۔ اسلام حیاء اور شرم، عفت وعصمت، غیرت وحمیت والا دین ہے، اس نے انسانیت کو اونچا مقام دیا ہے، انسان اور حیوان میں جو امتیازی فرق ہے وہ اسلام کے احکام پڑھنے سے واضح ہو جاتا ہے، اسلام یہ ہرگز گوارا نہیں کرتا کہ انسانوں میں حیوانیت آ جائے اور چوپایوں کی طرح زندگی گذاریں، مردوں اور عورتوں کے اندر جو ایک دوسرے کی طرف مائل ہونے کا فطری تقاضہ ہے شریعت اسلامیہ نے ان کی حدود مقرر فرمائی ہیں، حقوق نفس اور حظوظ نفس سب کا خیال رکھا ہے، لیکن انسان کو شتر بے مہار کی طرح نہیں چھوڑا کہ جو چاہے کھائے اور جو چاہے پہنے، اور جہاں چاہے نظر ڈالے، اور جس سے چاہے لذت حاصل کرے، بہت سے لوگ جو نام نہاد مسلمان ہیں (اگرچہ علوم عصریہ میں ماہر ہیں اور دنیاوی معاملات سے اچھی طرح واقف ہیں) یورپ وامریکہ کے یہود ونصاریٰ اور بددین ملحدوں اور زندیقوں کی دیکھا دیکھی بلکہ ان کی ترغیب اور تحریر سے متاثر ہو کر مسلمانوں کو بھی بہیمیت کے سیلاب میں بہا دینا چاہتے ہیں، جب ان لوگوں کے سامنے پردہ کے احکام ومسائل پیش کئے جاتے ہیں تو قرآن وحدیث کے واضح دلائل سامنے ہوتے ہوئے بڑی ڈھٹائی کے ساتھ کہہ دیتے ہیں کہ یہ سب باتیں مولویوں نے نکالی ہیں۔ عورتوں کو بے پردہ پھرانے بلکہ کلبوں میں نچوانے کو یہ لوگ ترقی سے تعبیر کرتے ہیں۔

کون سی ترقی محمود ہے؟۔ عورت صنف نازک تو ہے ہی، کم سمجھ بھی ہے، جب ان کو بہکایا جاتا ہے کہ پردہ ترقی کے لئے آڑ ہے اور مُلا کی ایجاد ہے، تو یہ اپنی نادانی سے اس بات کو باور کر لیتی ہیں اور میلوں اور جلسوں اور پارکوں بازاروں اور تفریح گاہوں میں پردہ شکن ہو کر بے محابا مردوں کے سامنے گھومتی پھرتی ہیں اور بے حیائی اور عفت وعصمت کے داغدار کرنے والے عمل کو ترقی سمجھتی ہیں، دشمنان اسلام نے بس ترقی کا لفظ یاد کر لیا ہے اور یہ بھی نہیں جانتے کہ کس چیز کی ترقی محمود ہے اور کون سی ترقی مذموم ہے؟ اگر قوم کی بہو بیٹیاں بے پردہ ہو کر گھروں سے نکلیں اور بازاروں پارکوں میں مردوں کے ساتھ مل جل کر گھومتی پھریں تو اس میں کس چیز کی ترقی ہے؟ کیا اس میں انسانیت بام ترقی تک پہنچ گئی؟ یا غیرت اور شرافت میں کچھ اضافہ ہو گیا؟ نہیں نہیں، اس سے تو عصمت وعفت کے لُٹ جانے کی راہیں ہموار ہو گئیں، انسان کی شرافت اور کرامت برباد ہونے کے انتظامات ہو گئے،

بُرائی کی ترقی بھی کیا کوئی ترقی ہے، ایسی ترقی تو شیطان اور اس کے دوستوں کو پسند ہوتی ہے، بُرائی کی ترقی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اور مخلصین ومومنین ومومنات کو پسند نہیں ہوتی۔

حفاظت نظر کا حکم۔ سب سے بڑی چیز جو ایک مرد کو عورت کی طرف یا عورت کو مرد کی طرف مائل کرنے والی ہے وہ نظر ہے۔ قرآن مجید میں دونوں فریق کو حکم دیا ہے کہ اپنی نظریں پست رکھیں۔ سورۂ نور رکوع ۴ میں اول مردوں کو حکم فرمایا:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ. ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ. اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمان مردوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کیلئے زیادہ پاکیزگی کی بات ہے بے شک اللہ تعالیٰ اس سے خوب باخبر ہے جو کچھ لوگ کیا کرتے ہیں۔'' اس کے بعد عورتوں کو خطاب فرمایا:

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ. وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ

''اور مسلمان عورتوں سے فرما دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں، مگر جو اس میں کھلا رہتا ہے۔''

ان آیتوں میں مردوں اور عورتوں دونوں فریق کو نظریں نیچی رکھنے اور شرمگاہوں کے محفوظ رکھنے کا حکم فرمایا، پردہ کے مخالفین دیدہ ودانستہ یا نادانستہ طور پر ان آیات کے مفہوم کے جاننے سے گریز کرتے ہیں، ظاہر ہے کہ نظریں نیچی رکھنے کا حکم اس لئے نہیں دیا گیا ہے کہ درخت اور پتھر اور دیواروں اور گھر کے سامانوں کی طرف دیکھنا ہے، بلکہ یہ حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ نظر کو بے جا استعمال کرنے سے شرمگاہوں کی حفاظت خطرہ میں پڑ جاتی ہے، اسی لئے تو اس کے ساتھ شرمگاہوں کی حفاظت کرنے کا حکم فرمایا، نفس اور نظر کی لذت کے لئے شوہر کو بیوی کے لئے بیوی کو شوہر کے لئے مخصوص کر دیا گیا، محرم مرد اور عورت گو ایک دوسرے کو حدود کے اندر سے دیکھ سکتے ہیں، لیکن ان کو بھی ایک دوسرے پر شہوت کی نظر ڈالنا جائز نہیں ہے، محرموں کو بھی بدن کا ہر حصہ دیکھنا جائز نہیں ہے، اس میں بھی تفصیل ہے (جو آگے آئے گی، ان شاء اللہ تعالے)

حضرت جریر بن عبداللہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! اگر اچانک (نامحرم پر) نظر پڑ جائے تو اس کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اُسی وقت نظر پھیر لو۔ (مسلم شریف)

ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ پہلی نظر کے بعد دوسری نظر مت ڈالے رکھو، کیوں کہ پہلی نظر پر تجھے گناہ نہ ہوگا (اس لئے کہ وہ بلا اختیار تھی) اور دوسری نظر تیرے لئے حلال نہیں ہے (اس پر پکڑ ہوگی، کیونکہ وہ اختیار سے ہے) (مشکوۃ شریف)

مطلب یہ ہے کہ اگر بلا اختیار کسی نامحرم پر نظر پڑ گئی تو فوراً ہٹا لو، اگر نظر نہ ہٹائی اور دیکھتے رہے تو یہ دو نظریں شمار ہوں گی اور دوسری نظر اختیار والی نظر ہوگی جس پر گرفت اور مواخذہ ہونا ظاہر ہے، بے پردگی میں بدنظری کے بہت سے مظاہر ہوتے ہیں، مرد اور عورت سب اس کا ارتکاب کرتے ہیں، نظریں محفوظ ہوں گی تو شرمگاہیں بھی محفوظ ہوں گی، اور خود بُری نظر کو بھی تو زنا قرار دیا ہے جو آئندہ آرہا ہے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

بعض جاہل یہ کہتے ہیں کہ آیت شریفہ میں جو اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا ہے اس میں چہرہ اور ہاتھوں کا استثناء ہے، یعنی عورتیں اس کو کھول سکتی ہیں، ان لوگوں کو پتہ نہیں آیت کی تفسیر میں مفسرین کے کیا کیا اقوال ہیں۔

اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا کی تفسیر

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اس سے ثیاب اور جلباب یعنی اوپر کے وہ کپڑے مراد ہیں جو پردہ کے اہتمام کے لئے جسم سے لگے ہوئے کپڑوں کے اوپر ہوتے ہیں۔

صاحب تفسیر مظہری بیضاوی سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ استثناء حالت نماز کے متعلق ہے، یعنی حالت نماز میں چہرہ اور دونوں ہاتھ گٹوں تک اگر کھلے رہیں تو نماز ہو جائے گی، اور نماز میں ان دونوں اعضاء کے کھلا رہنے میں کچھ حرج نہیں ہے، اور غیر محرم کے سامنے مواقع زینت میں سے کوئی حصہ کھولنے کا ذکر مَا ظَهَرَ مِنْهَا میں نہیں ہے، پھر صاحب تفسیر مظہری لکھتے ہیں کہ اگر مَا ظَهَرَ مِنْهَا سے مواقع زینت مراد ہوں تو ضرورۃً مجبوری کے لئے اظہار زینت کے ارادہ کے بغیر جو حصہ ظاہر ہو جائے اس کا استثناء کیا گیا ہے، پھر لکھتے ہیں کہ آزاد عورت کے چہرہ اور دونوں ہاتھوں کے پوشیدہ رکھنے کا استثناء صرف نماز کے لئے ہے، کیونکہ فرمان خداوندی یُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ سے صاف ظاہر ہے کہ عورت اپنا چہرہ نامحرم کے سامنے نہیں کھول سکتی۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے مَا ظَهَرَ مِنْهَا کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ الوجہ والکفان یعنی عورت اپنا چہرہ اور دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں کھولے رہ سکتی ہے، اگر اسی تفسیر کو مانا جائے تب بھی غیر محرم کے سامنے کھولنے کا کوئی ذکر نہیں، جو لوگ اس استثناء سے عورتوں کے لئے عام طور پر چہرہ کھولے ہوئے پھرنے کا جواز ثابت کرنا چاہتے ہیں وہ نہایت غلطی پر ہیں، کیونکہ ان الفاظ میں عورتوں کو چہرہ کھولنے کی اجازت دی گئی ہے تاکہ دوسرے اعضاء کی طرح ان کے چھپانے کے اہتمام سے زحمت اور تکلیف نہ ہو، اس میں نامحرموں کے سامنے کھولنے کے جواز وعدم جواز کا کوئی ذکر نہیں ہے، آیت میں اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا فرمایا ہے، مَا ظَهَرَ مِنْهَا نہیں فرمایا ہے، جس سے صاف ظاہر ہے کہ عورت کو قصداً اور ارادۃً نامحرم کے سامنے چہرہ کھولنے کی اجازت نہیں دی گئی۔

فعل لازم کا صیغہ اس بات کو بتلا رہا ہے کہ اگر کوئی عورت نماز کی مشغولیت میں یا کام کاج کی مصروفیت یا اور کسی مجبوری کے باعث اپنا چہرہ کھولے تو غیر محرم کو جائز نہیں کہ وہ اس کے چہرہ کو تکتا رہے، کیونکہ اس سے پہلی ہی آیت میں مردوں کو نظریں پست کرنے کی تاکید فرما دی گئی ہے، بعد میں عورتوں کے متعلق احکام ذکر کئے ہیں، مردوں کو نظریں پست رکھنے کا جو حکم دیا گیا ہے اس سے جہاں بازاروں اور راستوں میں عورتوں پر نظریں ڈالنے کی ممانعت ثابت ہوئی وہاں یہ بھی ثابت ہوا کہ عورتیں اگر منہ کھولے ہوئے کام کاج میں مشغول ہوں یا پردہ کرنے سے گریز کرتی ہوں تو جو مرد ان کے محرم نہ ہوں ان کو قصداً اور ارادۃً نظر ڈالنا منع ہے۔

سورۂ نور کی آیت بالا کی ہم نے مزید تشریح وتوضیح اس لئے کی ہے کہ قرآن سے پردہ اور احکام پردہ کا ثبوت مانگنے والوں کو اپنی کج روی کا علم ہو جائے، آیت بالا میں اول غض بصر (آنکھیں نیچی کرنے) کا حکم دیا ہے، پھر عورتوں کو مامور فرمایا ہے کہ زینت اور مواقع زینت کے پوشیدہ رکھنے کا اہتمام کریں، یہ بات کہ نامحرموں کے سامنے چہرہ کھولے رہیں اور نامحرم ان کو دیکھا کریں، آیت سے ثابت کرنا سخت نادانی ہے۔

عورتوں کو گھروں میں رہنے کا حکم

سورۂ احزاب میں امہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن سے ارشاد ہے:۔

یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَیْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَیَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا الخ

"اے نبی ؐ کی بیبیو! تم معمولی عورتوں کی طرح نہیں ہو اگر تم تقویٰ اختیار کرو، پس تم (نامحرم مرد سے) بولنے میں (جبکہ ضرورۃً بولنا پڑے) نزاکت مت کرو، کیونکہ اس سے ایسے شخص کو میلان قلبی ہو جائے گا جس کے دل میں روگ ہو، (بلکہ) تم قاعدہ کے موافق بات کرو (جسے پاک باز عورتیں اختیار کرتی ہیں) اور تم اپنے گھروں میں رہو، اور زمانہ قدیم کی جہالت کے دستور کے موافق مت پھرو اور تم نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ اور اس کے رسول ؐ کی فرمانبرداری کرو۔"

ان آیات میں اول تو یہ حکم دیا گیا ہے کہ کسی غیر محرم سے ضرورۃً اگر بات کرنی پڑے تو گفتگو کے انداز میں نزاکت اور لہجہ میں جاذبیت کے طریقہ پر بات نہ کریں، جس طرح چال ڈھال اور رفتار کے انداز سے دل کھنچتے ہیں، اسی طرح گفتار کے نزاکت والے انداز کی طرف بھی کشش ہوتی ہے، عورت کی آواز میں طبعی اور فطری طور پر نرمی اور لہجہ میں دل کشی ہوتی ہے، پاک نفس عورتوں کی یہ شان ہے کہ غیر مردوں سے بات کرنے میں بہ تکلف ایسا لب ولہجہ اختیار کریں جس میں خشونت اور روکھا پن ہو، تاکہ کسی بد باطن کا قلبی میلان نہ ہونے پائے۔

دوسرا حکم یہ ارشاد فرمایا کہ تم اپنے گھروں میں رہو، اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کے لئے شب و روز گذارنے کی اصل جگہ ان کے اپنے گھر ہی ہیں، شرعاً جن ضرورتوں کے لئے گھر سے نکلنا جائز ہے پردہ کے خوب اہتمام کے ساتھ بقدر ضرورت نکل سکتی ہیں، آیت کے سیاق سے واضح طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ بلا ضرورت پردہ کے ساتھ بھی باہر نکلنا اچھا نہیں ہے، جہاں تک ہو سکے نامحرم کی نظروں سے لباس بھی پوشیدہ رکھنا چاہئے۔

جاہلیت اولیٰ کے دستور کے مطابق پھرنے کی ممانعت

تیسرا حکم یہ دیا گیا ہے کہ زمانہ قدیم کی جہالت کے مطابق پھرا مت کرو، زمانہ قدیم کی جہالت سے عرب کی وہ جاہلیت مراد ہے جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے عرب کے رواج اور سماج میں جگہ پکڑے ہوئے تھی، اس زمانہ کی عورتیں بے حیائی اور بے شرمی کے ساتھ بلا جھجک بازاروں میں اور میلوں میں اور گلی کوچوں میں بے پردہ ہو کر پھرا کرتی تھیں اور بن ٹھن کے

نکلتی تھیں، سر پر یا گلے میں فیشن کے لئے دوپٹہ ڈال دیا، نہ اس سے سینہ ڈھکا نہ کان اور چہرہ چھپایا، جدھر کو جانا ہوا چل پڑیں، مردوں کی بھیڑ میں گھس گئیں نہ اپنے پرائے کا امتیاز، نہ غیر محرموں سے بچنے کا فکر، یہ تھا جاہلیت اولیٰ کا رواج اور سماج، جو آج بھی اسلام کا دعویٰ کرنے والی عورتوں میں جگہ لے چکا ہے، اور نئے مجتہدین پردہ شکنی کی دعوت دے کر اسی جاہلیت اولیٰ کو ترقی دینا چاہتے ہیں، جس کے مٹانے کے لئے قرآن کریم کا نزول ہوا، سورہ احزاب ہی میں ارشاد ہے:۔

وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ۚ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ۚ وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ۚ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا

''اور جب تم ان سے کوئی چیز مانگو تو پردہ کے باہر سے مانگا کرو۔''

یہاں بعض لوگ یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ آیات بالا میں اُمہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن کو خطاب ہے، پھر آپ دوسری مسلمان عورتوں پر اس قانون کو کیوں لاگو کرتے ہیں؟ یہ لچر سوال شریعت کا بھرپور علم نہ ہونے کے باعث اٹھایا جاتا ہے، اگر قرآن کے مزاج سے یہ لوگ واقف ہوتے اور اس کو جان لیتے کہ قرآن کا خطاب خاص اور مورد عام ہوا کرتا ہے تو ایسا سوال نہ کرتے، حضرات صحابہ کرامؓ، خلفاء راشدینؓ، ائمہ مجتہدینؒ، سلف صالحینؒ ہمیشہ یہی سمجھتے اور کہتے ہیں کہ ان آیات میں گو ازواج مطہراتؓ کو مخاطب کیا گیا ہے لیکن یہ احکام تمام عورتوں کے لئے عام ہیں، اجماع امت اور احادیث نبویہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ) سے یہ امر ثابت شدہ ہے کہ ان آیات کا حکم امت کی تمام ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کے لئے عام ہے۔

ایک موٹی سمجھ والا انسان بھی (جسے خدا کا خوف ہو) ان آیات سے یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہوگا کہ جب ازواج مطہراتؓ کے لئے یہ حکم ہے کہ اپنے گھروں ہی میں رہا کریں، اور جاہلیت اولیٰ کے دستور کے مطابق باہر نہ نکلیں حالانکہ ان کو تمام مؤمنین کی مائیں فرمایا گیا ہے۔ (وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ) تو امت کی دوسری عورتوں کے لئے بے پردہ ہو کر باہر نکلنا کیونکر درست ہوگا؟ شرف اور احترام کے باعث امت کی نظریں جن مقدس خواتین پر نہیں پڑ سکتی تھیں، جب ان کو بھی قرار فی البیوت (یعنی گھروں میں رہنے) کا حکم دیا گیا ہے، تو جن عورتوں کی طرف قصداً نظریں اٹھائی جاتی ہوں اور خود یہ عورتیں بھی مردوں کو اپنی طرف مائل کرنے کا ارادہ رکھتی ہوں ان کو جاہلیت اولیٰ کے طریقہ پر باہر نکلنے کی کیسے اجازت ہوگی؟ کیا یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے کہ خاندان نبوت کی چند خواتین کو مستثنیٰ کر کے امت کی کروڑہا عورتوں کو قدیم زمانہ کی جاہلیت کی طرح باہر پھرنے کی اجازت قرآن شریف کی طرف سے دی گئی ہو؟ آیات مذکورہ میں جو احکام مذکور ہیں ذرائع فساد کو روکنے کے لئے ہیں، اور ظاہر ہے کہ دوسری عورتیں ان ذرائع سے روکنے کی زیادہ محتاج ہیں، پھر عام عورتوں کو ان احکام سے مستثنیٰ کرنا جہالت نہیں تو کیا ہے؟

قرآن میں تمام عورتوں کو پردے کا حکم دیا گیا ہے

سورۂ احزاب میں یہ بھی ارشاد ہے:۔ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ

''اے نبیؐ! آپ اپنی بیبیوں سے اور اپنی صاحبزادیوں سے اور مسلمانوں کی عورتوں سے فرما دیجئے (کہ جب مجبوری کی بناء پر گھروں سے باہر جانا پڑے تو) اپنے (چہروں کے) اوپر (بھی) چادروں کا حصہ لٹکا لیا کریں۔''

اس آیت سے چند امور ثابت ہوئے: اول:۔ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیوںؓ اور صاحبزادیوںؓ کے ساتھ دیگر مسلمانوں کی عورتوں کو بھی پورا بدن اور چہرہ ڈھانک کر نکلنے کے حکم میں شریک فرمایا گیا ہے، اس سے بھی ان لوگوں کی خام خیالی کی واضح طور پر تردید ہوگئی جو یہ باطن دعویٰ کرتے ہیں کہ پردہ کا حکم صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہراتؓ کے لئے مخصوص تھا۔

دوسری چیز جو اس آیت سے ثابت ہو رہی ہے وہ پردہ کے لئے چہرہ پر چادر لٹکانے کا حکم ہے، اس سے ان جاہل اور گمراہ تجدد پسندوں کے دعوؤں کی بھی تردید ہوگئی جو کہتے ہیں کہ عورتوں کو چہرہ چھپا کر نکلنے کا حکم اسلام میں نہیں ہے۔

تفسیر ابن کثیر میں آیت بالا کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ:۔

اَمَرَ اللّٰهُ نَسَاءَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَ خَرَجْنَ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ فِيْ حَاجَةٍ اَنْ يُّغَطِّيْنَ وُجُوْهَهُنَّ مِنْ فَوْقِ رُؤسِهِنَّ بِالْجَلَابِيْبِ وَيُبْدِيْنَ عَيْنًا وَاحِدَةً

”یعنی اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کی عورتوں کو حکم دیا ہے کہ جب کسی مجبوری سے اپنے گھروں سے نکلیں تو ان چادروں سے چہروں کو ڈھانک لیں جو سروں کے اوپر بڑی چادریں اوڑھ رکھی ہیں اور راہ چلنے کے لئے صرف ایک آنکھ ظاہر کریں۔“

تیسری جو چیز اس آیت سے واضح ہو رہی ہے وہ پردہ کے لئے ”جلباب“ استعمال کرنے کا حکم ہے، عربی زبان میں جلباب بڑی چادر کو کہتے ہیں، جسے عورتیں اپنے پہننے کے کپڑوں کے اوپر لپیٹ کر باہر نکلتی تھیں، قرآن شریف نے آیت بالا میں حکم دیا ہے کہ عورتیں جس طرح جلباب اعضاء جسم پر اور پہنے ہوئے کپڑوں پر لپیٹتی ہیں اس طرح چہروں پر بھی اس کا ایک حصہ لٹکا لیا کریں، اس طرح چادر لپیٹنے کا رواج بعض علاقوں کی عورتوں میں اب تک ہے، اور برقعہ اسی جلباب کی ایک ترقی یافتہ شکل ہے برقعہ کی نسبت یہ کہنا کہ شریعت اسلامیہ میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے سراسر جہالت ہے، برقعہ کا ثبوت يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ سے ہو رہا ہے۔

اور بعض جاہل یہ جو کہتے ہیں کہ یہ حکم ہنگامی حالت کے لئے تھا، اس وقت منافقین شرارت کرتے تھے، پس جبکہ منافقین کی سرکوبی ہوگئی اور ان سے خطرہ نہ رہا تو یہ حکم بھی منسوخ ہو جانا چاہئے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ فتنہ وفساد کو روکنے کے لئے یہ حکم دیا گیا تھا اور اس دور میں جبکہ فتنہ وفساد بہت زیادہ ہے، عصمت وعفت کے دشمن بڑھ گئے ہیں، جو بدنظر اور بدنفس ہیں، جو بدباطنی کے باعث عورتوں کو تانکتے جھانکتے اور پریشان کرتے ہیں تو اس حکم کی اہمیت اور زیادہ ہوگئی، آیت کا سبب نزول جو بھی ہو حکم عام ہوا کرتا ہے۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ۔

ایک غلط فہمی کی تردید

بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ پردہ کا حکم تو اسلام میں ہے لیکن چہرہ کا پردہ نہیں ہے، ان نادانوں کی سمجھ میں یہ بھی نہیں آتا کہ اگر چہرہ کا پردہ نہیں ہے تو مردوں اور عورتوں کو نظریں نیچی رکھنے کا کیوں حکم ہے؟ (جو سورۂ نور میں واضح طور پر موجود ہے) چہرہ ہی میں تو کشش ہے، اور وہی مجمع المحاسن ہے۔ سورۂ احزاب کی آیت يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ سے چہرہ ڈھانکنے کا واضح حکم معلوم ہو رہا ہے، اور بعض لوگوں کو نماز کے مسئلہ سے دھوکا ہوا ہے، عورت کا ستر نماز کے لئے اتنا ہے کہ چہرہ اور گٹوں تک دونوں ہاتھ

اور ٹخنوں تک دونوں قدموں کے علاوہ پورا جسم ایسے کپڑے سے ڈھانکا ہوا رہے کہ بال اور کھال اچھی طرح چھپ جائے، نماز میں اگر چہرہ کھلا رہے تو نماز ہو جائے گی، فقہ کی کتابوں میں یہ مسئلہ شرائط نماز کے بیان میں لکھا ہے پردہ کے بیان میں نہیں لکھا، منہ کھول کر نماز ہو جانے کے جواز سے غیر محرم کے سامنے بے پردہ ہو کر آنے کا ثبوت دینا بڑی بددیانتی ہے، فقہاء پر اللہ کی ہزاروں رحمتیں ہوں، ان پاک طینت بزرگوں کے دل پہلے ہی کھٹک گئے تھے کہ فاسد الخیال لوگ مسائل نماز کی تصریحات سے نامحرموں کے سامنے بے پردہ ہو کر آنے پر استدلال کریں گے، درمختار میں جہاں شرائط نماز کے بیان میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ چہرہ اور کفین ''ہتھیلیاں'' اور قدمین (پاؤں) ڈھانکنا صحت نماز کے لئے ضروری نہیں ہے وہیں یہ بھی درج ہے:۔

وتمنع المرأة الشابة من كشف الوجه بين رجال لا لانه عورة بل لخوف الفتنة الخ (درمختار، شامی ص ۲۸۴ ج ۱)

''اور جوان عورت کو (نامحرم) مردوں کے سامنے چہرہ کھولنے سے روکا جائے گا (اور یہ روکنا) اس وجہ سے نہیں کہ چہرہ (نماز کے) ستر میں داخل ہے بلکہ اس لئے کہ (نامحرم کے سامنے چہرہ کھولنے میں) فتنہ کا خوف ہے۔'' (درمختار، شامی ص ۲۸۴ ج ۱)

شیخ ابن ہمامؒ زاد الفقیر میں شرائط نماز بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

وفی الفتاوی الصحيح ان المعتبر فی فساد الصلوة انكشاف ما فوق الأذنين وفی حرمة النظر يسوى بينهما ای ما فوق الاذنين وتحتهما

''فتاویٰ کی کتابوں میں ہے کہ مذہب صحیح یہ ہے کہ کانوں سے اوپر (یعنی بال اور سر) کے کھل جانے سے نماز فاسد ہوگئی، اور غیر مردوں کیلئے کانوں کے اوپر کا حصہ اور کانوں کے نیچے کا حصہ یعنی چہرہ وغیرہ کے دیکھنے کا ایک ہی حکم ہے یعنی دونوں حصوں کا دیکھنا حرام ہے۔''

بہت سے لوگ نماز بھی پڑھتے ہیں اور اپنے کو دیندار بھی سمجھتے ہیں اور پردہ کو بھی مانتے ہیں، لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ پردہ کے سخت احکام مولویوں نے ایجاد کئے ہیں یہ لوگ ملحدین بددین لوگوں کی باتوں سے متاثر ہیں، جن لوگوں کے دلوں میں تھوڑا بہت اسلام سے تعلق باقی ہے ان کو راہ حق سے ہٹانے کے لئے شیطان نے یہ نئی چال چلی ہے کہ ہر ایسے حکم کو جس کے ماننے سے نفس گریز کرتا ہو، مولوی کا تراشیدہ بتا دیتا ہے اور اس کی بات کو باور کرنے والے اس دھوکہ میں پڑے رہتے ہیں کہ ہم نے نہ تو اسلام کو جھٹلایا نہ قرآن کے ماننے سے پہلوتہی کی، بلکہ مولوی کے غلط مسئلہ کا انکار کیا ہے، کاش یہ لوگ اپنی مؤمنانہ ذمہ داری کا احساس کرتے اور علماء حق سے گھل مل کر ان کے ظاہر و باطن کا جائزہ لیتے، اور ان کے بیان کردہ مسائل کے دلائل معلوم کر کے اپنے نفوس کو مطمئن کرتے، علماء حق اپنی طرف سے کسی بھی کوئی حکم کو تجویز کر کے امت کے سر نہیں منڈھتے، اور نہ وہ ایسا کرنے کا حق رکھتے ہیں، بات صرف اتنی سی ہے کہ چونکہ علماء کرام کو قرآن وحدیث کی تشریحات اور احکام شرعیہ کی پوری پوری تفصیلات معلوم ہیں، نیز دین کی وسعتیں اور رخصتیں بھی جانتے ہیں، اور شرعی پابندیوں اور عزیمتوں سے بھی واقف ہیں، اس لئے تحریراً و تقریراً احکام شرعیہ کی حدود و قیود اور ضوابط و شرائط سے امت کو آگاہ فرماتے رہتے ہیں، اسکولوں اور کالجوں کے پڑھے ہوئے نیم ملا چونکہ شریعت کا پورا علم نہیں رکھتے، اس لئے حقائق شرعیہ اور بالکل متفق علیہ مسائل دینیہ کو مولوی کی ایجاد کہہ کر ٹال دیتے ہیں،

اور یہ عجیب تماشہ ہے کہ جس مسئلہ پر عمل نہ کرنا ہو اس سے بچنے کے لئے ''ایجاد مولوی'' کا بہانہ پیش کر دیتے ہیں، حالانکہ نماز، روزہ وغیرہ کے جن مسائل پر عمل کرتے ہیں وہ بھی تو مولویوں نے ہی بتائے ہیں، لیکن چونکہ ان سے گریز کرنے کی نیت نہیں ہے اس لئے ان کو صحیح مانتے ہیں، میدان قیامت میں جب پیشی ہوگی تو کیا ایسی کج روی اور حیلہ سازی جان بچا سکے گی؟

عہد رسالت میں پردہ کا خاص اہتمام تھا

وعن انس رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ اقام النبیُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ خَيْبَرَ وَالْمَدِيْنَهِ ثَلٰثًا يُبْنٰى عَلَيْهِ بِصَفِيَةَ بِنْتِ حُيَيٍّ فَدَعَوْتُ الْمُسْلِمِيْنَ اِلٰى وَلِيْمَتِهٖ فَمَا كَانَ فِيْهَا مِنْ خُبْزٍ وَلَا لَحْمٍ اَمَرَ بِالْاَنْطَاعِ فَاُلْقِيَ فِيْهَا مِنَ التَّمْرِ وَالْاَقِطِ وَالسَّمْنِ فَكَانَتْ وَلِيْمَتَهٗ فَقَالَ الْمُسْلِمُوْنَ اِحْدٰى اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ اَوْمِمَّا مَلَكَتْ يَمِيْنُهٗ فَقَالُوْا اِنْ حَجَبَهَا فَهِيَ مِنْ اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِنْ لَّمْ يَحْجُبْهَا فَهِيَ مِمَّا مَلَكَتْ يَمِيْنُهٗ فَلَمَّا ارْتَحَلَ وَطَّأَ لَهَا خَلْفَهٗ وَمَدَّ الْحِجَابَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ النَّاسِ (رواہ البخاری)

''حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تین روز خیبر اور مدینہ کے درمیان قیام فرمایا، تینوں دن حضرت صفیہؓ نے آپؐ کے ساتھ شب باشی کی (اور وہیں جنگل میں ولیمہ ہوا) ولیمہ میں کوئی گوشت روٹی نہیں تھی (بلکہ متفرق قسم کی دوسری چیزیں تھیں) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چمڑے کے دسترخوان بچھانے کا حکم فرمایا، جس پر کھجوریں اور پنیر اور گھی لاکر رکھ دیا گیا، میں لوگوں کو بلا لایا، اور لوگوں نے ولیمہ کی دعوت کھائی، (پورے لشکر میں سے جن کو نکاح کا علم نہ ہوا تھا وہ) لوگ اس تردد میں رہے کہ صفیہؓ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نکاح فرمالیا ہے یا باندی بنالیا ہے پھر ان لوگوں نے خود ہی اس کا فیصلہ کرلیا کہ آپؐ نے ان کو پردہ میں رکھا تو ہم سمجھیں گے کہ آپ کی بیوی ہیں اور امہات المؤمنین میں سے ہیں، ورنہ یہ سمجھیں گے کہ آپؐ نے ان کو لونڈی بنالیا ہے۔ چنانچہ آپؐ نے جب کوچ فرمایا تو اپنی سواری پر ان کے لئے پیچھے جگہ بنائی، اور ان کو سوار کرکے ان کے اور لوگوں کے درمیان پردہ تان دیا۔ (اس سے سب سمجھ گئے کہ وہ اُم المؤمنین ہیں)۔'' (صحیح بخاری ص ۷۷۵ ج ۲ باب البناء فی السفر)

تشریح: ۷ھ میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غزوۂ خیبر کے لئے تشریف لے گئے خیبر میں یہودی رہتے تھے، (ان میں حضرت صفیہ کا باپ حیی بن اخطب بھی تھا) اس جنگ میں حضرت صفیہؓ کا شوہر قتل ہوگیا تھا، جنگ کے ختم پر جب قیدی جمع کئے گئے تو ان میں حضرت صفیہ بھی تھیں، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو آزاد کرکے نکاح فرمالیا۔

حضرات صحابہؓ میں یہ بات بہت مضبوطی کے ساتھ جمی ہوئی تھی کہ حُرہ یعنی آزاد عورت کو پردہ میں رہنا لازم ہے، اسی لئے انہوں نے خود ہی فیصلہ کرلیا کہ اگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو پردہ میں رکھا تو ہم سمجھیں گے کہ آپ کی بیوی ہیں، ورنہ یہ سمجھیں گے کہ آپؐ نے ان کو لونڈی بنالیا ہے، پھر جب روانگی کے وقت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے اور لوگوں کے درمیان پردہ تان دیا تو سب نے سمجھ لیا کہ لونڈی نہیں بلکہ بیوی ہیں، اگر اس زمانہ میں پردہ کا رواج نہ ہوتا تو حضرات صحابہؓ کے دلوں میں یہ سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔

اوپر کے مسئلہ میں لونڈی سے مراد شرعی لونڈی ہے، جو کافر عورتیں میدان جہاد سے قید ہو کر آتی تھیں اور امیر المؤمنین ان کو مجاہدین پر تقسیم کر دیتا تھا، وہ شرعی لونڈیاں بن جاتی تھیں، مسلمانوں نے جب سے شرعی جہاد چھوڑا ہے اس وقت سے غلام اور باندیاں بھی موجود نہیں رہیں، جو عورتیں، ملازمت اور مزدوری پر گھروں میں کام کرتی ہیں یہ لونڈیاں اور باندیاں نہیں ہیں، ان کو پردہ کا ویسا ہی اہتمام کرنا لازم ہے جو ہر آزاد عورت کے لئے ضروری ہے، اسی طرح جو لڑکے امیر گھرانوں میں ملازم ہوتے ہیں، جب بالغ ہو جائیں یا بلوغ کے قریب پہنچ جائیں تو ان سے پردہ کرنا لازم ہے، کیسی بے شرمی کی بات ہے کہ نوکروں کے سامنے بہو بیٹیاں آتی ہیں اور ذرا بھی گناہ اور عیب نہیں سمجھتیں۔

سفر میں شادی اور ولیمہ۔ حدیث بالا میں جو واقعہ مذکور ہے ہم لوگوں کے لئے ایک اور اعتبار سے بھی قابل عبرت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سفر ہی میں نکاح فرمالیا اور سفر ہی میں شب زفاف ہوگئی، اور ولیمہ بھی وہیں ہوگیا، لوگوں نے شادی بیاہ کے لئے بڑے بکھیڑے تجویز کرر کھے ہیں، ان بکھیڑوں کی وجہ سے شادیوں میں دیر ہو جاتی ہے، اور بھاری قرضوں سے زیر بار ہو جاتے ہیں، دنیا بھر کے عزیز وقریب جمع ہوں، جو سفر کے اخراجات کر کے آئیں، اور عورتوں کی تراشی ہوئی رسموں کی پابندی ہو، مکان لیپ پوت کر مزین کئے جائیں، دولہا دولہن کے لئے بہت جوڑے بنیں، زیورات تیار ہوں، اور اسی طرح کی بہت سی قیدیں اور شرطیں پیچھے لگا رکھی ہیں جو خاندانوں کے لئے عذاب بنی ہوئی ہیں، ان رسوم کو بہت سے لوگ مصیبت سمجھتے تو ہیں مگر عورتوں کے پھندے میں اور رواج کے شکنجہ میں اپنے کو ایسا پھنسا رکھا ہے کہ سنت کے موافق سادہ طریقہ پر بیاہ شادی کرنے کو عیب جانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہدایت فرمائے۔

ایک بات اس حدیث سے یہ معلوم ہوئی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو اس موقع پر ولیمہ کیا اس میں گوشت روٹی نہیں تھی، بلکہ کچھ پنیر تھا، اور کچھ دوسری چیزیں تھیں، حاضرین کے سامنے وہی رکھ دی گئیں، معلوم ہوا کہ ولیمہ بغیر بکرے کاٹے اور قیمتی کھانے پکوائے بغیر بھی ہو سکتا ہے، اور غریب آدمی ولیمہ کی سنت پر عمل کر سکتا ہے، اس طرح کے ولیمہ سے گو نام نہ ہوگا جس کے آج کے مسلمان حریص ہیں، مگر سنت ادا ہو جائیگی۔

مصیبت کے وقت بھی پردہ لازم ہے

وَعَنْ قَيسِ بْنِ شَمَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ جَائَتْ اِمْرَاَةٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَالُ لَهَا اُمُّ خَلَّادٍ وَهِيَ مُتَنَقِّبَةٌ تَسْاَلُ عَنِ ابْنِهَا وَهُوَ مَقْتُوْلٌ فَقَالَ لَهَا بَعْضُ اَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جِئْتِ تَسْأَلِيْنَ عَنِ ابْنِكِ وَاَنْتِ مُنَقِّبَةٌ فَقَالَتْ اِنْ اُرْزَأْ ابْنِىْ فَلَنْ اُرْزَأْ حَيَائِىْ فَقَالَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِبْنُكِ لَهٗ اَجْرُ شَهِيْدَيْنِ قَالَتْ وَلِمَ ذَاكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ لِاَنَّهٗ قَتَلَهٗ اَهْلُ الْكِتَابِ. (رواہ ابوداؤد فی کتاب الجہاد)

"حضرت قیس بن شماس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ایک صحابی عورت جن کو اُم خلاد کہا جاتا تھا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے بیٹے کے متعلق معلومات حاصل کرنے کی غرض سے حاضر ہوئیں، ان کا بیٹا (کسی غزوہ میں) شہید ہو گیا تھا، جب وہ آئیں تو اپنے چہرے پر نقاب ڈالے ہوئے تھیں ان کا یہ حال دیکھ کر کسی صحابیؓ نے کہا کہ تم اپنے بیٹے کا حال معلوم کرنے کے لئے آئی ہو اور نقاب ڈالے ہوئے ہو؟ حضرت اُم خلادؓ نے جواب دیا کہ اگر بیٹے کے بارے میں مصیبت زدہ ہوگئی ہوں تو اپنی شرم و

حیاء کھو کر ہرگز مصیبت زدہ نہ بنوں گی (یعنی حیاء کا چلا جانا ایسی مصیبت زدہ کردینے والی چیز ہے جیسے بیٹے کا ختم ہوجانا) حضرت اُم خلادؓ کے پوچھنے پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ تمہارے بیٹے کے لئے دو شہیدوں کا ثواب ہے، انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیوں؟ ارشاد فرمایا اس لئے کہ اسے اہل کتاب نے قتل کیا ہے۔" (سنن ابوداؤد، ص ۳۳۶ ج ۱، کتاب الجہاد باب فضل قتال الروم)

تشریح: اس واقعہ سے بھی ان مغربیت زدہ مجتہدین کی تردید ہوتی ہے جو چہرہ کو پردہ سے خارج کرتے ہیں، اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ پردہ ہر حال میں لازم ہے، رنج ہو یا خوشی نامحرم کے سامنے بے پردہ ہوکر آنا منع ہے، بہت سے مرد اور عورت ایسا طرز اختیار کرتے ہیں کہ گویا ان کے نزدیک شریعت کا کوئی قانون مصیبت کے وقت لاگو نہیں ہے، جب گھر میں کوئی موت ہوجائے گی تو اس بات کو جانتے ہوئے کہ نوحہ کرنا سخت منع ہے عورتیں زور زور سے نوحہ کرتی ہیں، جنازہ جب گھر سے باہر نکالا جاتا ہے تو عورتیں دروازے کے باہر تک اس کے پیچھے چلی آتی ہیں، اور پردہ کا کچھ خیال نہیں کرتیں، خوب یاد رکھو، غصہ ہو یا رضامندی، خوشی ہو یا مصیبت ہر حال میں احکام شریعت کی پابندی کرنا لازم ہے۔

علاج کرانے میں پردہ کا اہتمام واجب ہے

وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنْ اُمَّ سَلْمَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهَا اِسْتَاذَنَتْ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْحَجَامَةِ فَاَمَرَ اَبَاطَيْبَةَ اَنْ يَّحْجَمَهَا قَالَ حَسِبْتُ اَنَّهٗ كَانَ اَخَاهَا من الرَّضَاعَةِ اَوْ غُلَامًا لَّمْ يَحْتَلِمْ. (رواہ مسلم)

"حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سینگی لگوانے کی اجازت طلب کی، لہٰذا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابوطیبہ کو حکم دیا کہ اُم سلمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کو سینگی لگادیں۔ یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد حضرت جابرؓ نے فرمایا کہ ابوطیبہؓ سے جو سینگی لگوائی تو میرے خیال میں اسکی وجہ یہ تھی کہ وہ حضرت اُم سلمہؓ کے دودھ شریک بھائی تھے یا نابالغ لڑکے تھے۔" (مشکوۃ شریف ص ۲۶۸ از مسلم)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کے علاج کے سلسلہ میں بھی پردہ کا خیال رکھنا ضروری ہے، اگر معالج کے سامنے بے پردہ ہوکر آجانے میں کچھ حرج نہ ہوتا تو حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ کیوں بتانا پڑتا کہ ابوطیبہ حضرت اُم سلمہؓ کے دودھ شریک بھائی یا نابالغ لڑکے تھے، ہمارے زمانہ کے لوگوں کا عجیب حال ہے کہ جن خاندانوں اور گھروں میں پردہ کا اہتمام ہے علاج کے سلسلہ میں ان کے یہاں بھی پردہ کا خیال چھوڑ دیا جاتا ہے۔

مندرجہ بالا حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کے علاج کیلئے محرم کو تلاش کریں، اگر کوئی محرم معالج نہ ملے تو غیر محرم سے بھی علاج کراسکتے ہیں۔

علاج کیلئے ستر کھولنے کے احکام

لیکن اس میں شریعت کے ایک اہم اصول الضرورۃ تتقدر بقدر الضرورۃ کا خیال رکھنا لازم ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ مجبوراً جتنے بدن کا دیکھنا ضروری ہے معالج بس اسی قدر دیکھ سکتا ہے، مثلاً علاج کے لئے نبض دیکھنے اور حال کہنے سے کام چل سکتا

ہے تو اس سے زیادہ دیکھنے یا ہاتھ لگانے کی اجازت نہ ہوگی، اسی طرح اگر بازو میں یا پنڈلی میں زخم ہے تو جتنی جگہ بدرجہ مجبوری دیکھنے کی ضرورت ہو بس اسی قدر معالج دیکھ سکتا ہے، اگر علاج کی مجبوری کے لئے آنکھ، ناک، دانت دیکھنا ہے تو اس صورت میں پورا چہرہ کھولنا جائز نہیں، جس قدر دیکھنے سے کام چل سکتا ہو بس اسی قدر دکھا سکتے ہیں، بلکہ ایسے معالج کے لئے بھی یہی تفصیل ہے، جو عورت کا محرم ہو، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ محرم کے لئے بھی اپنی محرم عورت کا پورا بدن دیکھنا جائز نہیں ہے، کیونکہ عورت کو اپنے محرم کے سامنے پیٹ اور پیٹھ اور ران کھولنا منع ہے، پس اگر پیٹ یا پیٹھ میں زخم ہو تو حکیم ڈاکٹر خواہ محرم ہو یا نامحرم صرف زخم کی جگہ دیکھ سکتا ہے، اس سے زیادہ دکھانا گناہ ہے، جس کی صورت یہ ہے کہ پرانا کپڑا پہن کر زخم کے اوپر کا حصہ کاٹ دیا جائے تاکہ پیٹ یا پیٹھ کے بقیہ حصہ پر اس کی نظر نہ پڑے، اور چونکہ عورت کو ناف سے لے کر گھٹنوں کے ختم تک کسی عورت کے سامنے بھی کھولنا جائز نہیں ہے اس لئے اگر لیڈی ڈاکٹر کو مثلاً ران یا سرین کا پھوڑا وغیرہ دکھانا مقصود ہو تو اس صورت میں بھی کپڑا کاٹ کر صرف پھوڑے کی جگہ دکھائی جائے، اس کے ساتھ یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ ضرورت کے لئے حکیم ڈاکٹر کو جو جگہ دکھائی جائے تو حاضرین میں جو عزیز اقارب موجود ہوں ان کو اس جگہ کے دیکھنے کی اجازت نہیں ہے، ہاں اگر حاضرین میں سے کوئی شخص ایسا ہے جسے شرعاً اس جگہ کا دیکھنا جائز ہے تو وہ اس پابندی سے خارج ہے، مثلاً اگر پنڈلی میں زخم ہے اور ڈاکٹر یا جراح کو دکھانا ہے اور عورت کا باپ یا حقیقی بھائی بھی وہاں موجود ہے اس نے اگر دیکھ لیا تو گناہ نہ ہوگا، کیونکہ پنڈلی کا کھولنا محرم کے سامنے درست ہے۔

فائدہ:۔ یہ تفصیل جو ابھی ذکر کی گئی ہے مرد کے علاج کے سلسلہ میں بھی ہے کیونکہ ناف سے لے کر گھٹنے تک مرد کا مرد سے بھی پردہ ہے، اگر ران یا سُرین کا زخم کسی ڈاکٹر کو دکھانا ہے، یا کولہے میں کسی مجبوری سے انجکشن لگوانا ہے تو صرف ڈاکٹر بقدر ضرورت دیکھ سکتا ہے، دوسرے لوگوں کو دیکھنا حرام ہے۔

مسئلہ:۔ زمانہ حمل وغیرہ میں اگر دائی سے پیٹ ملوانا ہو تو ناف سے نیچے کا بدن کھولنا درست نہیں ہے، چادر وغیرہ ڈال لینی چاہئے، بلا ضرورت کوئی جگہ دائی کو بھی دکھانا جائز نہیں۔

ولادت کے موقع پر بے احتیاطی۔ بچہ پیدا ہونے کے وقت دائی اور نرس کو صرف بقدر ضرورت پیدائش کی جگہ دیکھنا جائز ہے، اس سے زیادہ دیکھنا منع ہے، اور آس پاس جو عورتیں موجود ہوں اگرچہ ماں بہنیں ہی ہوں ان کو بھی دیکھنا منع ہے، کیونکہ ان کا دیکھنا بلا ضرورت ہے، لہٰذا ان کو نظر ڈالنے کی اجازت نہیں، یہ جو دستور ہے کہ عورت کو ننگا کر کے ڈال دیتے ہیں، اور سب عورتیں دیکھتی رہتی ہیں یہ حرام ہے۔

مسئلہ:۔ اگر غیر مسلم دائی یا نرس بچہ پیدا کرنے کے لئے بلائی جائے تو اس کے سامنے سر کھولنا حرام ہوگا، کیونکہ کافر عورت کے سامنے مسلمان عورت صرف منہ اور پہنچوں تک دونوں ہاتھ اور ٹخنوں سے نیچے دونوں پَیر کھول سکتی ہے، ان کے علاوہ ایک بال کا کھولنا بھی درست نہیں، غیر مسلم عورتیں مثلاً بھنگن، دھوبن، نرس، لیڈی ڈاکٹر وغیرہ جو بھی ہوں ان سب کے متعلق یہی حکم ہے۔

بعض جدید تعلیم یافتہ لوگوں میں یہ رواج ہے کہ بجائے دائیوں کے مرد ڈاکٹروں سے بچہ جنواتے ہیں، جبکہ اپنی ہم جنس کو بھی اپنی جنس کے ستر کی طرف بھی بلا ضرورت نظر ڈالنا ممنوع ہے تو غیر جنس کے لئے کیسے جائز ہو سکتا ہے اور غیر جنس میں بھی جتنا بُعد ہوتا جائے گا اتنا ہی ممانعت اور حرمت میں تشدد بڑھتا جائے گا، مسلمان عورت کی ہم جنس قریب مسلمان عورت ہے،

اول بوقت ضرورت اس کو اختیار کیا جائے، اس کے بعد کافر عورت ہے، اس کے بعد ڈاکٹر کی اگر ضرورت ہی آ پڑے تو مسلمان ڈاکٹر کو اختیار کیا جائے وہ بھی نہ ہو تو کافر کی طرف رجوع کیا جائے، نہ یہ کہ اولاً ہی کافر مرد کے پاس لے جائیں یا اس کو بلائیں، یہ سخت بے حیائی اور گناہ اور تقلید بے جا ہے، اور بچہ کی پیدائش کرانے کے لئے ڈاکٹر اور نرس کا ضروری ہونا قابل تسلیم نہیں ہے، کیونکہ جب تک یہ رواج شروع نہ ہوا تھا تب بھی برابر بچے ہوتے تھے، اور اب بھی جن خاندانوں میں غیرت اور حمیت ہے ان میں برابر بچے ہوتے ہیں، اور دائیاں پردہ کے ساتھ سب کام کرتی ہیں۔

تنبیہ:۔ بعض عورتیں منہار سے چوڑیاں پہنتی ہیں جس کی وجہ سے اس کے ہاتھ میں ہاتھ دینا پڑتا ہے، یہ گناہ ہے چونکہ ایسا کرنے کی کوئی مجبوری نہیں ہے اس لئے اس سے پرہیز کرنا لازم ہے۔

سسرال والے مَردوں سے پردہ کی سخت تاکید

وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِيَّاكُمْ وَالدُّخُوْلَ عَلَى النِّسَآءِ فَقَالَ رَجُلٌ يَّا رَسُوْلَ اللهِ اَرَاَيْتَ الْحَمْوَ قَالَ الْحَمْدُ الْمَوْتُ (رواہ البخاری ومسلم)

''حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ (نامحرم) عورتوں کے پاس مت جایا کرو، ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ عورت کی سسرال کے مَردوں کے متعلق کیا حکم ہے؟ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سسرال کے رشتہ دار تو موت ہیں۔'' (مشکوۃ ص ۲۶۸، از بخاری ومسلم)

تشریح: اس حدیث میں جو سب سے زیادہ قابل توجہ چیز ہے وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کی سسرال کے مَردوں کو موت سے تشبیہ دی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ عورت اپنے جیٹھ اور دیور اور نندوئی وغیرہ سے اور اسی طرح سسرال کے دوسروں مردوں سے گہرا پردہ کرے، یوں تو ہر نامحرم سے پردہ کرنا لازم ہے، لیکن جیٹھ دیور اور ان کے رشتہ داروں کے سامنے آنے سے اس طرح بچنا ضروری ہے جیسے موت سے بچنے کو ضروری خیال کرتے ہیں، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ان لوگوں کو اپنا سمجھ کر اندر بلا لیا جاتا ہے، اور بلا تکلف جیٹھ دیور اور شوہر کے عزیز واقارب اندر چلے جاتے ہیں، اور بہت سے زیادہ خلا ملا کر لیتے ہیں، اور ہنسی دل لگی تک کی نوبتیں آ جاتی ہیں، شوہر یہ سمجھتا ہے کہ یہ تو اپنے لوگ ہیں ان سے کیا روک ٹوک کی جائے، لیکن جب دونوں طرف سے یگانگت کے جذبات ہوں، اور کثرت سے آنا جانا ہو اور شوہر گھر سے غائب ہو تو پھر ان ہونے واقعات تک رونما ہو جاتے ہیں، ایک پڑوسی کسی عورت کو اتنی جلدی اغواء نہیں کر سکتا جتنی جلدی اور بآسانی دیور جیٹھ اپنی بھابی کو اغواء کرنے یا بے حیائی کے کام پر آمادہ کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔

انہی حالات کے پیش نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سسرال کے مَردوں سے بچنے اور پردہ کرنے کی سخت تاکید فرمادی ہے، اور ان لوگوں کو موت بتا کر یہ بتا دیا ہے کہ ان سے ایسا پرہیز کرو جیسا موت سے بچتی ہو، اور مَردوں کو بھی حکم ہے کہ اپنی بھاوج اور سالے وغیرہ کی بیوی سے خلا ملا نہ رکھیں، اور نظر نہ ڈالیں۔ قال فی اللمعات والمراد تحذیر المرأۃ منھم کما یحذر من الموت فان الخوف من الاقارب اکثر والفتنۃ منھم اوقع لتمکنھم من الوصول والخلوۃ من غیر نکیر۔

بعض عورتیں اپنے دیور کی چھوٹی عمر میں پرورش کرتی ہیں اور جب وہ بڑا ہو جاتا ہے تو اس سے پردہ کرنے کو بُرا سمجھتی ہیں،

9

اور اگر مسئلہ بتایا جاتا ہے کہ یہ نامحرم ہے تو کہتی ہیں کہ اس کو ہم نے چھوٹا سا پالا ہے، رات دن ساتھ رہا ہے اس سے کیا پردہ، یہ بڑے گناہ کی بات ہے، کہ آدمی گناہ بھی کرے اور شریعت کے مقابلہ میں کٹ حجتی پر اُتر آئے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو دیور کو موت بتائیں اور جہالت کی ماری عورتیں اس کے سامنے آنے کو ضروری سمجھیں، یہ کیا مسلمانی ہے؟

تنبیہ:۔ پردہ حق شرع ہے، شوہر کا حق نہیں ہے، بہت سی عورتیں سمجھتی ہیں کہ شوہر جس سے پردہ کرائے اس سے پردہ کیا جائے اور شوہر جس کے سامنے آنے کو کہے اس کے سامنے آ جائیں، یہ سراسر غلط ہے، شوہر ہو یا کوئی دوسرا شخص اس کے کہنے سے گناہ کرنے کی اجازت نہیں ہو جاتی، خوب سمجھ لو۔

نابینا سے پردہ کرنے کا حکم

وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهَا اَنَّهَا كَانَتْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَيْمُوْنَةُ اِذْ اَقْبَلَ ابْنُ اُمِّ مَكْتُوْمٍ فَدَخَلَ عَلَيْهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْتَجِبَا مِنْهُ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ اَلَيْسَ هُوَ اَعْمٰى لَا يُبْصِرُنَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفَعَمْيَاوَانِ اَنْتُمَا اَلَسْتُمَا تُبْصِرَانِهِ (رواہ احمد والترمذی وابوداؤد)

"ام المؤمنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اور میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہم دونوں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس تھیں کہ اچانک عبداللہ بن اُم مکتوم (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سامنے سے آ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے لگے (چونکہ عبداللہؓ نابینا تھے، اس لئے ہم دونوں نے ان سے پردہ کرنے کا ارادہ نہیں کیا، اور اسی طرح اپنی جگہ بیٹھی رہیں) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان سے پردہ کرو، میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول کیا وہ نابینا نہیں ہیں؟ ہم کو تو وہ نہیں دیکھ رہے ہیں! اس کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کیا تم دونوں (بھی) نابینا ہو؟ کیا تم ان کو نہیں دیکھ رہی ہو؟" (مشکوٰۃ ص ۲۶۹ از احمد و ترمذی وابوداؤد)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورتیں بھی جہاں تک ممکن ہو سکے مردوں پر نظر نہ ڈالیں، حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نابینا تھے، پاکباز صحابی تھے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دونوں بیویاں نہایت پاک دامن تھیں، اس کے باوجود بھی آپؐ نے دونوں بیویوں کو حکم فرمایا کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پردہ کریں، یعنی ان پر نظر نہ ڈالیں۔

دیکھو! جہاں بدنظری کا ذرا بھی احتمال نہ تھا وہاں اس قدر سختی فرمائی گئی تو آج کل کی عورتوں کے لئے اس امر کی کیوں کر اجازت ہو سکتی ہے کہ مردوں کو جھانکا تاکا کریں، یوں اگر کوئی عورت کسی مجبوری سے سفر میں نکلی اور راستہ چلتے ہوئے بلا اختیار راہ گیروں پر نظر پڑ گئی تو وہ دوسری بات ہے، لیکن قصداً وارادۃً مردوں پر نظر ڈالنا منع ہے۔ سورۂ نور کی آیت پہلے گذر چکی ہے جس میں مردوں اور عورتوں کو نظریں پست کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

اسی سے بیاہ شادی کی اس قبیح رسم کی ممانعت بھی معلوم ہوئی کہ جب دولہا دولہن کو لے کر رخصت ہونے لگتا ہے تو اس کو سلامی کے لئے گھر کے اندر بلایا جاتا ہے، اور جو عورتیں کنبہ کی یا پاس پڑوس کی یا مہمانی میں دور دراز سے آنے والی موجود

ہوتی ہیں سب دولہا کو دیکھتی ہیں، اور سالیاں اس سے مذاق کرتی ہیں، کوئی اس کا جوتہ چھپاتی ہے، اور کوئی اس کے منہ پر چونا لگاتی ہے اس طرح عورتوں کے بھرے مجمع میں ایک غیر محرم مرد کا آ جانا جو جوانی سے بھرپور ہے اور بہترین لباس و پوشاک پہنے ہوئے ہے کسی طرح درست نہیں، خصوصاً جبکہ عورتوں کا مقصد بھی دولہا کو دیکھنا ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ سلامی کی مجلس برخواست ہونے کے بعد عورتیں بڑی بے باکی سے دولہا کی شکل وصورت پر تبصرہ کرتی ہیں۔

بدنظری سبب لعنت ہے

وَعَنِ الْحَسَنِ مُرْسَلاً قَالَ بَلَغَنِیْ اَنَّ رَسُوْلَ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَعَنَ اللہُ النَّاظِرَ وَالْمَنْظُوْرَ اِلَیْہِ. (رواہ البیھقی فی شعب الایمان)

’’حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو دیکھنے والے پر اور جس کی طرف دیکھا جائے اس پر بھی۔‘‘ (مشکوٰۃ ص ۲۷۰ از بیہقی فی شعب الایمان)

تشریح: یہ حدیث بہت سی جزئیات پر حاوی ہے، جس میں بطور قاعدہ کلیہ کے ہر نظر حرام کو مستحق لعنت بتایا ہے اور نہ صرف دیکھنے والے پر لعنت بھیجی بلکہ اپنی خوشی اور اختیار سے جو کوئی بھی مرد عورت کسی ایسی جگہ کھڑا ہو جہاں سے شریعت کے خلاف نظر ڈالی جا سکے، یا کوئی بھی مرد عورت کسی مرد عورت کے سامنے وہ حصہ کھول دے یا کھلا رہنے دے جس کا دیکھنا دیکھنے والے کے لئے حلال نہ ہو تو یہ دکھانے والا بھی مستحق لعنت ہے۔

اپنے اختیار سے بے پردگی کی جگہ کھڑا ہونے کی مذمت

مزید تشریح یہ ہے کہ کوئی عورت بغیر پردہ کے بازار میں یا میلہ میں یا پارک میں چلی گئی، جس کی وجہ سے غیر مردوں نے اسے دیکھ لیا، تو وہ مرد اور عورت اس لعنت کے مستحق ہوئے، اسی طرح کوئی عورت دروازہ سے یا کھڑکی سے یا برآمدہ سے باہر تاکتی جھانکتی ہے تو یہ عورت بدنظری کی وجہ سے مستحق لعنت ہے، اور غیر مردوں کو دیکھنے کا موقع دینے سے بھی لعنت کی مستحق ہوئی، اسی طرح سے شادی کے موقع پر سلامی کے لئے جب دولہا اندر گھر میں آ گیا اور نامحرم عورتوں کو دیکھنے کا موقع دیا تو یہ دولہا عورتوں کے درمیان بیٹھنے کی وجہ سے اور عورتیں اس کو دیکھنے کی وجہ سے لعنت کی مستحق ہوئیں، کسی عورت نے کسی عورت کو اگر ناف سے لے کر گھٹنوں کے ختم تک کا حصہ پورا یا کچھ دکھلا دیا تو دیکھنے والی اور دکھانے والی دونوں لعنت کی مستحق ہوئیں، اسی طرح اگر کسی مرد نے کسی مرد کے سامنے ناف کے نیچے سے لے کر گھٹنوں کے ختم کا پورا حصہ کھول دیا تو دکھلانے والا اور دیکھنے والا دونوں لعنت کے مستحق ہوئے، کسی عورت نے اپنے محرم یعنی باپ بھائی وغیرہ کے سامنے اپنا پیٹ یا پیٹھ یا ران یا گھٹنا کھول دیا تو دیکھنے والا اور دکھانے والی دونوں نے لعنت کا کام کر لیا، بہت سے مغربیت زدہ گھرانوں میں یہ آفت ہے کہ انگریز عورتوں کی دیکھا دیکھی صرف ایک فراک پہنے ہوئے گھروں میں رہتی ہیں اور پائجامہ یا ساڑھی کی جگہ ذرا سی لنگوٹی یا جانگیا پہنے رہتی ہیں، جس کی وجہ سے رانیں اور گھٹنے گھر کے مردوں کے سامنے بلکہ نوکروں کے سامنے بھی (جن کو گھروں میں رکھنا حرام ہے) کھلے رہتے ہیں، اس طرح سے گھر کے سب مرد وعورت مستحق لعنت ہوتے ہیں۔

نامحرم مرد کے ساتھ تنہائی میں رہنے اور رات گذارنے کی ممانعت

وَعَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ اِلَّا كَانَ ثَالِثُهُمَا الشَّيْطَانُ (رواہ الترمذی)

''حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی مرد جب کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں ہوتا ہے تو وہاں ان دونوں کے علاوہ تیسرا فرد شیطان بھی ضرور موجود ہوتا ہے۔'' (مشکوٰۃ شریف ص ۲۶۹ از ترمذی)

تشریح: شیطان کا کام معلوم ہی ہے کہ وہ گناہ کراتا ہے، جب بھی کوئی مرد غیر عورت کے ساتھ تنہائی میں ہوگا تو شیطان بھی وہاں موجود ہوگا جو دونوں کے جذبات کو ابھارے گا، اور دونوں کے دلوں میں خراب کام کرنے کے وسوسے ڈالے گا، اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سختی کے ساتھ غیر محرم کے پاس تنہائی میں رہنے کی ممانعت فرمائی، اس ممانعت پر بڑی سختی سے عمل کرنے کی ضرورت ہے، خواہ استاد ہو یا پیر ہو، یا ماموں، پھوپھی، چچا اور خالہ کا بیٹا ہو، ان کے پاس تنہائی میں رہنے سے عورت کو پرہیز کرنا لازم ہے اور مَردوں کو بھی نامحرم عورتوں کے ساتھ تنہائی میں بیٹھنے اٹھنے سے بچنے کا اہتمام کرنا ضروری ہے، نامحرم سے خلاملا گناہ ہے۔

عن جابر رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا لَا يَبِيْتَنَّ رَجُلٌ عِنْدَ امْرَأَةٍ ثَيِّبٍ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ نَاكِحًا اَوْ ذَا مَحْرَمٍ (رواہ مسلم)

''حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ خبردار کوئی شخص ہرگز کسی بے شوہر والی عورت کے پاس رات نہ گذارے، الا یہ کہ ایسا شخص ہو جس نے اس عورت سے نکاح کرلیا ہو یا اس کا محرم ہو۔'' (مشکوٰۃ ص ۲۶۸ از مسلم)

تشریح: اس حدیث پاک میں بہت سختی کے ساتھ اس چیز کی ممانعت کی گئی ہے کہ کوئی مرد اپنی بیوی یا محرم عورت کے علاوہ کسی غیر محرم کے پاس رات کو رہے، یہ ممانعت بڑی دور اندیشی پر مبنی ہے، اور اس میں بڑی مصلحت اور حکمت ہے، یوں تو ہر وقت ہی نامحرم مرد و عورت کا تنہائی میں رہنا منع ہے، جیسا کہ ابھی ابھی گذشتہ حدیث میں گذرا، لیکن خصوصیت کے ساتھ کسی غیر محرم کے ساتھ رات کو رہنے کی ممانعت سختی کے ساتھ اس لئے فرمائی کہ رات کی اندھیری اور یکسوئی میں گناہ کرنے کا موقع مل جانا آسان ہوتا ہے، اس ممانعت میں ہر نامحرم آ گیا، جیٹھ، دیور، نندوئی، چچازاد بھائی، ماموں اور پھوپھی کا لڑکا، یہ سب غیر محرم ہیں، عورتیں عموماً ان کے پاس بے دریغ تنہائی میں چلی جاتی ہیں، اور رات ہو یا دن ان سے پردہ کرنے کا اہتمام نہیں کرتی ہیں، شریعت کے نزدیک یہ سخت منع ہے، مرد عورت دونوں کے لئے حکم برابر ہے، کہ نامحرم کے ساتھ تنہائی میں رات نہ گذاریں، حدیث میں خصوصیت سے مرد کو اس لئے خطاب فرمایا کہ مرد طاقت ور ہوتا ہے اگر وہ تنہائی میں کسی نامحرم عورت کے پاس پہنچ جائے تو عورت اس کو ہٹانے سے عاجز ہو گی، لہٰذا خطاب کا رُخ مرد کی طرف رکھا گیا، کہ غیر عورت کے پاس رات نہ گذارے، اگر کوئی مرد اس حکم کی خلاف ورزی کرے تو عورت پر لازم ہے کہ وہاں سے چل دے اور اس مرد کو تنہا چھوڑ دے، حدیث میں لایبیتن رجل عند امرءۃ ثیب فرمایا ہے ''ثیب'' بیوہ عورت کو کہتے ہیں، جس کا شوہر نہ ہو اس کو بھی ثیب کہتے ہیں، اس عموم میں بیوہ بھی آ گئی اور کنواری بھی اور مطلقہ بھی۔

علامہ نووی رحمہ اللہ تعالیٰ شرح صحیح مسلم میں کہتے ہیں کہ ثیب کا ذکر خصوصیت کے ساتھ اس لئے فرمایا کہ نکاح کی خواہش

رکھنے والے یا خراب خیال والے لوگ بیوہ کو بے ٹھکانہ سمجھ کر اس کے پاس آنا جانا رکھنا چاہتے ہیں، اور کنواری لڑکی کے پاس بے محابا جانے کی جرأت بھی نہیں کرتے، اور خود بھی اپنے کو محفوظ رکھنا چاہتی ہے، اور گھر والے بھی اس کی حفاظت کا خیال رکھتے ہیں، اس کے بعد علامہ موصوفؒ لکھتے ہیں کہ جب ثیب کے پاس غیر محرم کو رات گذارنے کی ممانعت ہے، حالانکہ اس کے پاس آنے جانے میں تساہل برتا جاتا ہے تو کنواری عورت کے پاس نامحرم کو رات گذارنا بطریق اولیٰ منع ہوا۔

مَرد کا مَرد سے اور عورت کا عورت سے کتنا پردہ ہے

وعن ابی سعید رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَنْظُرُ الرَّجُلُ اِلٰی عَوْرَۃِ الرَّجُلِ وَلَا الْمَرْأَۃُ اِلٰی عَوْرَۃِ الْمَرْأَۃِ وَلَا یُفْضِیْ الرَّجُلُ اِلَی الرَّجُلِ فِیْ ثَوْبٍ وَاحِدٍ وَلَا تُفْضِی الْمَرْأَۃُ اِلَی الْمَرْأَۃِ فِیْ ثَوْبٍ وَاحِدٍ (رواہ مسلم)

''حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی مرد کسی مرد کی شرمگاہ کو نہ دیکھے اور نہ کوئی عورت کسی عورت کی شرمگاہ کو دیکھے، اور نہ ننگے ہو کر دو مرد ایک کپڑے میں لیٹیں اور نہ دو عورتیں ایک کپڑے میں ننگی ہو کر لیٹیں۔'' (مشکوٰۃ ص ۲۶۸ از مسلم)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس طرح عورت کا مرد سے پردہ ہے اسی طرح عورت کا عورت سے اور مرد کا مرد سے بھی پردہ ہے، لیکن پردوں میں تفصیل ہے، ناف سے لے کر گھٹنوں کے ختم تک کسی بھی مرد کو کسی مرد کی طرف دیکھنا حلال نہیں ہے، بہت سے لوگ آپس میں زیادہ دوستی ہو جانے پر پردہ کی جگہ ایک دوسرے کو بلا تکلف دکھا دیتے ہیں، یہ سراسر حرام ہے، اسی طرح عورت کو عورت کے سامنے ناف سے لے کر گھٹنوں کے ختم تک کھولنا حرام ہے، اور کافر عورت کے سامنے منہ اور گٹے تک ہاتھ اور ٹخنے تک پَیر کے علاوہ جسم کا کوئی حصہ یا کوئی بال کھولنا بھی درست نہیں، بچہ پیدا ہونے کے چندروز بعد زچہ کو غسل کرایا جاتا ہے تو گھر کی سب عورتیں اس کو ننگی کر کے نہلاتی ہیں، اور رانیں وغیرہ سب دیکھتی ہیں، یہ بہت بڑی بے غیرتی ہے اور حرام ہے۔

مسئلہ:۔ جتنی جگہ میں نظر کا پردہ ہے اتنی جگہ کو چھونا بھی درست نہیں ہے، چاہے کپڑے کے اندر ہاتھ ڈال کر ہی کیوں نہ ہو، مثلاً کسی بھی مرد کو یہ جائز نہیں کہ کسی مرد کے ناف سے لے کر گھٹنوں تک کے حصہ کو ہاتھ لگائے اسی طرح کوئی عورت ناف سے نیچے کے حصہ کو گھٹنوں کے ختم تک ہاتھ نہیں لگا سکتی، اسی وجہ سے حدیث بالا میں دو مردوں کو ایک کپڑے میں ننگے ہو کر لیٹنے کی ممانعت فرمائی ہے اور یہی ممانعت عورتوں کے لئے بھی ہے یعنی دو عورتیں ایک کپڑے میں ننگی ہو کر نہ لیٹیں۔

شوہر کے سامنے کسی دوسری عورت کا حال بیان کرنے کی ممانعت

وعن ابن مسعود رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تُبَاشِرِ الْمَرْأَۃُ الْمَرْأَۃَ فَتَنْعَتُھَا لِزَوْجِھَا کَاَنَّہٗ یَنْظُرُ اِلَیْھَا۔ (رواہ البخاری ومسلم)

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک

عورت دوسری عورت کے ساتھ ہم مجلس ہونے کے بعد اپنے شوہر کے سامنے اس دوسری عورت کا پورا پورا حال (ناک نقشہ اور حسن و جمال وغیرہ کا) اس طرح بیان نہ کرے کہ جیسے وہ اس عورت کو دیکھ رہا ہے۔'' (مشکوٰۃ شریف ص ۲۶۸ از بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اپنے شوہر کے سامنے کسی بات کے سلسلہ میں یوں ہی اگر کسی عورت کا ذکر آ جائے تو اس حد تک مضائقہ نہیں ہے، لیکن اس کے سامنے کسی عورت کا پورا پورا حال اس طرح بیان نہ کرے کہ جسے سن کر اس عورت کے حسن و جمال اور خدوخال کا نقشہ اس کے ذہن میں آ جائے، کسی عورت کے احوال کا ایسا صاف اور واضح بیان اپنے مرد کے سامنے کرنا بھی ایک طرح کی بے پردگی ہے، جیسے کسی کو آنکھ سے دیکھ کر طبیعت مائل ہو جاتی ہے ایسے ہی بغیر دیکھے حسن و جمال کا حال سن کر دل میں اُمنگ پیدا ہوتی ہے، اور دیکھنے اور ملاقات کرنے کو دل چاہنے لگتا ہے، لہٰذا اس طرح کے تذکرہ سے منع فرمایا، اور اس میں بیان کرنے والی کے نقصان کا بھی اندیشہ ہے، کیونکہ اپنا شوہر اگر اس عورت کے حاصل کرنے کے چکر میں پڑ گیا تو پچھتائے گی۔

نامحرم عورتوں سے مصافحہ کرنے کی ممانعت

وَعَنْ اُمَيْمَةَ بِنْتَ رُقَيْقَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ اَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ نِسْوَةٍ بَايَعْنَهٗ عَلَى الْاِسْلَامِ فَقُلْنَ لَهٗ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نُبَايِعُكَ عَلٰى اَنْ لَّا نُشْرِكَ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَلَا نَسْرِقَ وَلَا نَزْنِيَ وَلَا نَقْتُلَ اَوْلَادَنَا وَلَا نَاْتِيَ بِبُهْتَانٍ نَفْتَرِيْهِ بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَاَرْجُلِنَا وَلَا نَعْصِيَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْمَا اسْتَطَعْتُنَّ وَاَطَقْتُنَّ قَالَتْ فَقُلْنَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَرْحَمُ بِنَا مِنْ اَنْفُسِنَا هَلُمَّ نُبَايِعُكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّيْ لَا اُصَافِحُ النِّسَآءَ اِنَّمَا قَوْلِيْ لِمِائَةِ امْرَاَةٍ كَقَوْلِيْ لِامْرَاَةٍ وَاحِدَةٍ او مثل قولي لامرأة واحدة. (رواہ مالک فی المؤطا ماجاء فی البیعۃ)

''حضرت اُمیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ میں اور چند دیگر عورتیں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں بیعت اسلام کے لئے حاضر ہوئیں، عورتوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم آپ سے ان شرطوں پر بیعت ہوتی ہیں کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں گی، اور چوری نہ کریں گی اور زنا نہ کریں گی، اور اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گی، اور کوئی بہتان کی اولاد نہ لادیں گی، جسے اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان ڈالیں (اور اپنے شوہر کی اولاد بتائیں) اور نیک کام میں آپ کی نافرمانی نہ کریں گی، یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ اور کہہ لو کہ ہم اپنی طاقت کے مطابق پورا عمل کریں گی، یہ سن کر ان عورتوں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ہم پر اس سے زیادہ مہربان ہیں جتنا ہم اپنے نفسوں پر رحم کرتے ہیں، اس کے بعد ان عورتوں نے عرض کیا (یا رسول اللہ زبانی اقرار تو ہم نے کر ہی لیا ہے) لائیے (ہاتھ میں ہاتھ دے کر بھی) آپ سے بیعت کرلیں، یہ سن کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا (جو میں نے زبان سے کہہ دیا سب کے لئے لازم ہو گیا، اور الگ الگ بیعت کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے، کیونکہ) سو عورتوں سے (بھی) میرا وہی کہنا ہے جو ایک عورت سے کہنا ہے۔ (مؤطا امام مالک علی اوجز المسالک ص ۴۴۹ ج ۶)

وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ فَمَنْ اَقَرَّتْ بِهٰذَا الشَّرْطِ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ قَالَ لَهَا

رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ بَايَعْتُكِ كَلاَمًا وَلَا وَاللهِ مَا مَسَّتْ يَدُهُ يَدَا مَرْأَةٍ قَطُّ فِي الْمُبَايَعَةِ مَا يُبَايِعُهُنَّ اِلَّا بِقَوْلِهٖ قَدْ بَايَعْتُكِ.

''حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ مؤمن عورتوں میں سے جس نے ان شرطوں کا اقرار کرلیا (جن کا گذشتہ حدیث میں اور سورۂ ممتحنہ میں ذکر ہے) تو اس کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے زبانی فرمادیا کہ میں نے تجھے بیعت کرلیا، (کیونکہ ہاتھ میں ہاتھ لے کر آپ عورتوں کو بیعت نہ فرماتے تھے) خدا کی قسم! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں بیعت کرتے وقت (بھی) کسی عورت کا ہاتھ نہ چھوا، آپ عورتوں کو صرف زبانی بیعت فرماتے تھے، آپ کا ارشاد تھا قد بایعتک، میں نے تجھے بیعت کرلیا۔'' (صحیح بخاری ص ۲۶ ۷ ج ۲)

تشریح: ان دونوں حدیثوں سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ ہادی عالم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی عورت کا ہاتھ بیعت کے سلسلہ میں نہیں چھوا، جب کسی عورت نے بیعت کے لئے عرض کیا آپ نے ارشاد فرمایا کہ جاؤ میں نے تم کو بیعت کرلیا، جب چند عورتوں نے اکٹھے ہوکر بیعت کی درخواست کی تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمادیا کہ: ''اِنّی لا اصافح النساء''، یعنی میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کیا کرتا۔

اس کے بعد فرمادیا کہ سو عورتوں سے میرا وہی کہنا ہے جو ایک عورت سے کہنا ہے، مطلب یہ ہے کہ ہاتھ میں ہاتھ دے کر بیعت کرنے ہی سے بیعت نہیں ہوتی بلکہ زبانی کہہ دینا بھی کافی ہے، پس جبکہ زبانی بیعت سے کام چل سکتا ہے تو غیر محرم عورتوں کا ہاتھ کیوں ہاتھ میں لیا جائے؟

اب ذرا ہم اپنے زمانہ کے نام نہاد پیروں اور جاہل مرشدوں کی بدحالی کا بھی جائزہ لیں، یہ پیری کے جھوٹے مدعی مریدنیوں میں بے حجابانہ پردہ کے اہتمام کے بغیر یوں ہی گھس جاتے ہیں اور مرید کرتے وقت ہاتھ میں ہاتھ بھی لیتے ہیں، جس کی وجہ سے عموماً ایسے واقعات بھی پیش آجاتے ہیں جن کا پیش آجانا بے پردگی اور بے شرمی کے بعد ضروری ہوجاتا ہے، بھلا ایسے فاسق لوگ اس لائق ہوسکتے ہیں کہ کوئی مسلمان ان سے مرید ہو؟ ہرگز نہیں۔

تنبیہ:۔ جو مرد و عورت آپس میں محرم ہوں ایک دوسرے کے ان اعضاء جسم کو چھو بھی سکتے ہیں جن کو شرعاً دیکھنا درست ہو، اور آپس میں مصافحہ بھی کرسکتے ہیں، بشرطیکہ طرفین میں سے کسی کے متعلق شہوت کا اندیشہ نہ ہو، اور غیر محرم عورت سے مصافحہ کرنا درست نہیں ہے، اگرچہ بلاشہوت ہو، یورپ و امریکہ کے طریقہ پر حکام کے طبقہ میں یا گریجویٹ قسم کے لوگوں میں جو یہ دستور ہے کہ دعوتوں اور پارٹیوں میں اپنی بیویوں کے ساتھ لے جاتے ہیں اور دوسروں کی عورتوں سے خود مصافحہ کرتے ہیں اور اپنی عورتوں سے نامحرموں کو مصافحہ کراتے ہیں یہ حرام ہے، اسلام کے احکام سب کے لئے ہیں، حاکم ہو یا محکوم، امیر ہو یا غریب، گورا ہو یا کالا، دیسی ہو یا پردیسی، البتہ بہت بوڑھی سے مصافحہ کرنے کی گنجائش ہے، بشرطیکہ شہوت کا اندیشہ نہ ہو، اور نفس پر اطمینان ہو۔

(قال فی الدر المختارا ما العجوز التی لا تشتھی فلا بأس بمصافحتھا مَس یدھا اذا امن) ''بہت بوڑھی عورت جو ذرا بھی محل رغبت نہ رہی ہو، اس کو صرف چہرہ اور دونوں پہونچوں تک ہاتھ کھول کر غیر محرم کے سامنے آنے کی

اجازت ہے لیکن اس سے بھی پرہیز کرے تو بہتر ہے۔'' سورۂ نور میں ارشاد ہے:

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِکَاحًا فَلَیْسَ عَلَیْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ یَّضَعْنَ ثِیَابَهُنَّ غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِیْنَةٍ. وَاَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ خَیْرٌ لَّهُنَّ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ

''اور بڑی بوڑھی عورتیں (جو بڑھاپے کے باعث حیض سے اور اولاد کے جننے سے) بیٹھ چکی ہیں، جن کو کسی کے نکاح میں آنے کی کوئی امید نہ رہی ہو ان کو اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ اپنے (زائد) کپڑے (غیر محرم کے سامنے) اتار رکھیں، (جن سے چہرہ چھپا رہتا ہے) بشرطیکہ اظہار زینت کا خیال نہ ہو اور اس سے بھی احتیاط رکھیں تو ان کے لئے زیادہ بہتر ہے اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔''

اس آیت میں بوڑھی کھوسٹ عورت کو نامحرم کے سامنے چہرہ کھولنے کی اجازت دینے کے باوجود یہ فرمایا ہے کہ پرہیز کریں تو بہتر ہے، پس جو عورت ذرا بھی محل رغبت ہو اس کے لئے چہرہ کھول کر غیر محرم کے سامنے جانے کی کیونکر گنجائش ہو سکتی ہے جبکہ اس کو نامحرموں کے سامنے چہرہ ڈھانکنے کا مستقل حکم بھی ہے۔

حماموں اور تالابوں میں غسل کرنے کے احکام

وَعَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا یَدْخُلِ الْحَمَّامَ بِغَیْرِ اِزَارٍ وَمَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا یُدْخِلُ حَلِیْلَتَهُ الْحَمَّامَ وَمَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا یَجْلِسُ عَلٰی مَائِدَةٍ تُدَارُ عَلَیْهِ الْخَمْرُ (رواہ الترمذی والنسائی)

''حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اس پر لازم ہے کہ بغیر تہبند کے حمام میں نہ داخل ہو، اور جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے کسی ایسے دستر خوان پر نہ بیٹھے جس پر شراب کا دور چل رہا ہو۔ (مشکوٰۃ ص ۳۸۴ از ترمذی ونسائی)

تشریح: جو قومیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت سے محروم ہیں حیاء وشرم سے خالی ہیں، انسان کا نفس شرم وحیاء کی پابندی سے بچتا ہے، اس لئے جو دین حق کے پابند نہیں ہوتے شرم وحیاء سے بھی آزاد ہوتے ہیں، مل جل کر مردوں اور عورتوں کا نہانا اور پردہ کا اہتمام نہ کرنا جاہلیت کی تہذیب قدیم میں بھی تھا اور اب تہذیب جدید میں بھی ہے، حجاز سے باہر عہد نبوت میں ایسے حماموں کا رواج تھا، جن میں مرد وعورت بغیر کسی پردہ اور شرم کے اکٹھے ہو کر نہایا کرتے تھے، اور یہ ان کے رواج اور سماج میں داخل تھا، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اول تو مردوں اور عورتوں کو ایسے حمام میں غسل کرنے سے منع فرمایا، پھر بعد میں مردوں کو تہبند باندھ کر نہانے کی اجازت دی (لیکن یہ اجازت اس شرط سے ہے کہ کسی دوسرے مرد کا ستر نہ دیکھے اور کسی عورت پر نظر نہ ڈالے) اور عورتوں کے لئے ان حماموں میں نہانے کی ممانعت علیٰ حالہ باقی رہی، کیونکہ پورے کپڑے پہن کر بھی عورت غسل کرے گی تب بھی مردوں کی نظریں اس کی طرف اٹھیں گی، بھیگا ہوا کپڑا بدن پر اس طرح چپک جاتا ہے کہ اجزاء بدن کو الگ الگ ظاہر کرتا ہے، اس حالت میں اگر مردوں کی نظر کسی عورت پر پڑے گی تو مزید کشش کا باعث بنے گی، ترغیب وترہیب کی ایک روایت میں ہے کہ تہبد اور کرتہ اور دوپٹہ پہن کر بھی عورت کو مذکورہ بالا حماموں میں غسل کرنے کی ممانعت فرمائی۔

ہمارے اس زمانہ میں کلب بنانے اور اس کا ممبر بننے کا رواج ہے، انہی کلبوں میں بعض کلب نہانے کے اور بعض تیرنے کے بنائے جاتے ہیں، مرد وعورت لڑکے لڑکیاں اکٹھے مل کر نہاتے اور تیرتے ہیں، اور تیراکی کے مقابلے کرتے ہیں۔ مردوں اور عورتوں کے ننگے جسموں کی بے پردگی ہوتی ہے، یہ اختلاط نظر فریبی اور عشق بازی پر آمادہ کرتا ہے، اس طرح کے کلب یورپ کے بے شرموں کی ایجاد ہیں، مگر افسوس ہے کہ مسلمانی کا دعویٰ کرنے والے بھی اس طرح کے کلبوں کے ممبر بننے کو بڑا کارنامہ سمجھنے لگے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔

اگر کوئی کلب ایسا ہو جس میں صرف مرد ہی نہاتے ہوں تب بھی اس کا لحاظ رکھنا لازم ہے کہ کوئی مرد کسی مرد کا ستر ناف سے لے کر گھٹنوں تک نہ دیکھے، اسی طرح سے کشتیوں کے اکھاڑوں اور فٹ بال وغیرہ کے میچوں میں ناف سے لے کر گھٹنوں کے ختم تک کے کسی حصہ کو کسی کے سامنے کھولنا یا کسی کے ستر کا کوئی حصہ دیکھنا سخت ممنوع ہے، افسوس ہے کہ کشتی کے مقابلوں میں کرکٹ وفٹ بال وغیرہ کے میچوں میں بڑے بڑے دینداری کے دعویدار اس مسئلہ کو بھول جاتے ہیں، اور ستر دیکھنے دکھانے کو عیب نہیں سمجھتے۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ کھلے میدان میں غسل کر رہا ہے، (اس کے بعض اعضاء وغیرہ کھلے ہوئے تھے) اسے دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منبر پر تشریف لے آئے اور اللہ کی حمد وثناء کے بعد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ شرم والا ہے، اور پردہ کو پسند فرماتا ہے لہٰذا تم میں سے جب کوئی شخص غسل کرے تو پردہ میں کیا کرے۔ (ابوداؤد شریف)

جن ملکوں اور علاقوں (مثلاً بنگال وآسام وغیرہ) میں تالابوں میں غسل کرنے کا رواج ہے وہاں تالابوں پر بہت بے پردگی ہوتی ہے اور ان علاقوں میں بہت ہی بدترین رواج ہے کہ مرد وعورت اکٹھے تالاب میں نہاتے ہیں اور کپڑے دھوتے ہیں جس کی وجہ سے عورتوں کا سر اور سینہ اور پنڈلیاں اور کمر اور پیٹ مرد دیکھتے ہیں، حالانکہ یہ دیکھنا اور دکھانا حرام ہے، بعض قوموں اور خاندانوں میں یہ دستور ہے کہ عورت کی جہاں عمر ڈھلی بس اس نے صرف ساڑھی سے کام چلانا شروع کر دیا۔ کُرتہ، قمیص یا بلاؤز وغیرہ بالکل ندارد، بے تکے طریقہ پر آدھی پنڈلیوں تک ساڑھی لپیٹ لی، اور کچھ حصہ سر پر ڈال لیا، پیٹ، کمر، سینہ، آدھی آدھی پنڈلیاں اور اکثر سر بھی کھلا رہتا ہے، مدراس، بہار، بنگال، آسام وغیرہ میں سفر کیا جائے تو ریلوں میں اس طرح کی عورتیں بہت ملیں گی، ان میں مسلمان عورتیں بھی ہوتی ہیں، ننگا رہنا تو ان لوگوں کا شعار ہے جو فخر عالم سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیم سے محروم ہیں، مسلمانوں کو ہر بات میں اپنے دین پر قائم رہنا لازم ہے۔

اسلام تو ہرگز بے غیرتی اور بے پردگی کو روا نہیں رکھتا، پردہ کے احکام بوڑھی عورتوں کے لئے بھی ہیں، بس اتنا سا فرق ہے کہ جو زیادہ بوڑھی عورت ہو صرف منہ اور ہتھیلی اور ٹخنے تک پاؤں نامحرم کے سامنے کھول سکتی ہے، سر، کمر، پیٹ اور پنڈلی نامحرم کے سامنے بوڑھی عورت کیلئے بھی کھولنا حرام ہے۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حمام میں غسل کرنے کی ممانعت کے بعد دوسری نصیحت یہ فرمائی کہ جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو کسی ایسے دسترخوان پر نہ بیٹھے جس پر شراب کا دور چل رہا ہو، ہمارے اس زمانہ میں جس طرح بے پردگی کو لوازم ترقی میں داخل کر لیا ہے اور اس کے لئے مغربیت زدہ مجتہدین ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں کہ کسی طرح بے پردگی

عام ہو جائے اسی طرح سے بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہونے والے لوگ جو یورپ اور امریکہ کے ماحول میں کچھ دن گذار چکے ہیں، شراب کے پینے اور پلانے کو پارٹیوں اور دعوتوں کا جزو اعظم بنائے ہوئے ہیں، ان لوگوں کو سیدنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں ترقی نظر نہیں آتی بلکہ یورپ اور امریکہ کے بے حیاء انسانوں کی تقلید میں عروج سمجھتے ہیں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہ فرمایا کہ جس دستر خوان پر شراب کا دور چل رہا ہو اس پر مت بیٹھو، اور ان مدعیان دین و دانش کا یہ حال ہے کہ اسلامی جمہوریہ اور دینی حکومت کے نام پر جو دعوتیں کرتے ہیں ان کو بھی شراب کے ذریعہ رنگین کئے بغیر باز نہیں رہتے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے شراب پینے والے پر اور اس کے پلانے والے پر اور اس کے بیچنے والے پر اور اس کے خریدنے والے پر اور اس کے بنانے والے پر اور اس کو اٹھا کر دوسری جگہ لے جانے والے پر اور جس کے پاس لے جائے اس پر بھی۔ (ابوداؤد شریف، ابن ماجہ)

ایک حدیث میں ارشاد ہے: **ولا تشرب الخمر فانها مفتاح كل شر.**

''یعنی شراب مت پی کیونکہ وہ ہر بُرائی کی کنجی ہے۔'' (مشکوٰۃ شریف)

یہ ہر بُرائی کی کنجی ان لوگوں میں جو دنیا کے اعتبار سے اونچے طبقے میں شمار ہیں خوب پی اور پلائی جاتی ہے، اور ہر بُرائی کا ان لوگوں سے ظہور ہوتا رہتا ہے اور ان پر جو اللہ کی لعنت برستی ہے اس سے بچنے کا ذرا بھی خیال نہیں کرتے۔

سفر میں عورت کے جان و مال اور عفت کی حفاظت کیلئے شریعت کا ایک تاکیدی حکم

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ تُسَافِرَ مَسِیْرَةَ یَوْمٍ وَّلَیْلَةٍ لَیْسَ مَعَهَا حُرْمَةٌ (رواہ البخاری)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کسی بھی عورت کے لئے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہو یہ حلال نہیں ہے کہ محرم کے بغیر ایک دن ایک رات کی مسافت کا سفر کرے۔'' (بخاری ص ۱۴۸ ج ۱)

تشریح: اس حدیث میں مسلمان عورت کو ایک بہت ہی اہم حکم دیا گیا ہے اور وہ یہ کہ ایک رات کی مسافت کا سفر بغیر محرم کے نہ کرے، بعض روایات میں محرم کے بغیر مطلق سفر کی ممانعت بھی وارد ہوئی ہے، اور بعض روایات میں ہے کہ عورت کو تین دن تین رات کا سفر بغیر محرم کے ممنوع ہے، احتیاط کا تقاضا تو یہی ہے کہ قریب کا سفر ہو یا دور کا عورت بغیر محرم کے نہ جائے، خصوصاً اس زمانہ میں جو فتنوں کا زمانہ ہے، لیکن دیگر احادیث کے پیش نظر ایسے سفر کے لئے بغیر محرم کے چلے جانے کی گنجائش ہے جو تین دن تین رات کی مسافت سے کم ہو۔

واضح رہے کہ ایک دن ایک رات کی مسافت سے سولہ میل اور تین دین اور تین رات کی مسافت ۴۸ میل مراد ہے، عہد نبوت میں چونکہ اونٹوں پر سفر ہوتا تھا اور روزانہ ایک منزل قطع کرتے تھے جو سولہ میل کی ہوتی تھی، اس لئے سفر کی مسافت کو ایک دن ایک رات یا تین دن تین رات کی مسافت کہہ کر بتایا کرتے تھے، تیز رفتار کار سے سفر کرے یا ریل سے یا ہوائی جہاز سے ۴۸ میل (۷۷ کلومیٹر) کا سفر عورت کے لئے بغیر محرم یا بغیر شوہر کے حلال نہیں ہے، اور اس سے کم سفر ہو تو گنجائش ہے، مگر بچنا اس سے بھی بہر حال اولیٰ ہے، کیونکہ مطلق سفر اور ایک دن ایک رات کے سفر کی بھی ممانعت روایات حدیث میں وارد ہوئی ہے، جیسا کہ ابھی اوپر بیان ہوا۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کتاب الحج میں البحر الرائق سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جو سفر تین دن تین رات کی مسافت سے کم کا ہو کوئی حاجت درپیش ہونے کی صورت میں اس کے لئے بغیر محرم کے چلا جانا جائز ہے، پھر لکھتے ہیں کہ حضرت امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ ایک دن کی مسافت کے لئے بغیر محرم یا شوہر کے سفر میں نکلنے کو مکروہ قرار دیتے تھے، اس کے بعد لکھتے ہیں۔

وینبغی ان یکون الفتوٰی علیہ لفساد الزمان (شرح اللباب)

ویؤیدہ حدیث الصحیحین لا یحل لامرأۃ تومن باللہ والیوم الآخر ان تسافر مسیرۃ یوم ولیلۃ الا مع ذی محرم علیھا وفی لفظ لمسلم مسیرۃ لیلۃ وفی لفظ یوم

"اور چاہئے کہ فتویٰ اسی پر دیا جائے (کہ ایک دن کے سفر کے لئے بھی عورت کو محرم یا شوہر کے بغیر سفر میں نکلنے کی ممانعت ہو) کیونکہ اس زمانہ کے لوگ بگڑ گئے ہیں، اور بخاری ومسلم کی حدیث اس کی تائید کرتی ہے جس میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ جو عورت اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہو اس کے لئے حلال نہیں ہے کہ ایک دن ایک رات کا سفر بغیر محرم کے کرے، اور مسلم کی ایک روایت میں بجائے "یوم لیلۃ" صرف لیلۃ بھی آیا ہے، اور ایک روایت میں صرف یوم بھی آیا ہے۔"

چونکہ احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ تھوڑے بہت سفر کے لئے بھی عورت بغیر محرم یا شوہر کے نہ جائے اس لئے دنیاوی سفر ہو یا دینی سفر جو فرض نہ ہو اس کے لئے تین دن رات کے سفر سے کم کے لئے بھی عورت کو بغیر محرم کے جانے سے روکنا چاہئے۔

اور سفر حج اگر تین منزل سے کم ہو تو حج فرض کے لئے بغیر محرم کے جانے سے شوہر کو روکنے کا حق نہ ہوگا۔ جیسا کہ کتب فقہ میں لکھا ہے اور محرم وہ ہے جس کے ساتھ کبھی بھی کسی حال میں نکاح درست نہ ہو، خواہ نسب کے رشتہ سے ہو خواہ دودھ کے رشتہ سے یا مصاہرت کے رشتہ سے، اور شوہر کے ساتھ بھی سفر کرنا درست ہے۔

کتاب الترغیب والترہیب میں بحوالہ بخاری وغیرہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی نقل کیا ہے کہ جو عورت اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہو اس کیلئے یہ حلال نہیں ہے کہ ایسا کوئی سفر کرے جو تین دن یا اس سے زیادہ کا ہو، الا یہ کہ اس کے ساتھ اس کا باپ ہو یا اس کا بھائی ہو یا شوہر ہو، یا بیٹا ہو یا (کوئی دوسرا) محرم ہو، (ص ۷۱ ج ۳ ترہیب المرأۃ ان تسافر وحدھا بغیر محرم)

اور واضح رہے کہ ماموں، پھوپھی، چچا، خالہ، ان سب کے بیٹے محرم نہیں ہیں نہ ان کے ساتھ سفر میں جانا درست ہے، نہ ان کے سامنے بے پردہ ہو کر آنے کی اجازت ہے اسی طرح جس لڑکے کو بیٹا بنا کر پال لیا ہو وہ بھی محرم نہیں ہے، بڑا ہونے کے بعد اس کے سامنے بھی بے پردہ ہو کر آنا جائز نہیں ہے اور اس کے ساتھ سفر کرنا بھی درست نہیں ہے۔

بہت سے لوگ اپنے کو سالی کا محرم سمجھتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ جب تک اس کی بہن ہمارے نکاح میں ہے چونکہ اس وقت تک اس سے نکاح درست نہیں ہے، اس لئے ہم اس کے محرم ہیں، ان لوگوں کا یہ خیال باطل ہے، کیونکہ شریعت کے نزدیک محرم صرف وہی ہے جس سے کبھی بھی نکاح درست نہ ہو، خواہ وہ کنواری ہو، خواہ بیوہ ہو خواہ مطلقہ ہو، خواہ وہ کسی کے نکاح میں ہو، ان جاہلوں کی تشریح کے مطابق محرم کی تعریف کی جائے تو دنیا بھر کے مردوں کی بیویاں ہر شخص کی محرم ہو جائیں گی۔

الغرض محرم کی یہ تشریح بالکل جاہلانہ ہے جس کے ذریعہ سالی کو محرم بنا رہے ہیں۔ سفر میں چونکہ بہت سے حوادث اور عوارض پیش آجاتے ہیں اس لئے شریعت مطہرہ نے بغیر محرم یا بغیر شوہر کے سفر کرنے کی پابندی عورتوں پر لگائی ہے جس میں بہت سی مصلحتیں اور حکمتیں ہیں، محرم یا شوہر کے ساتھ ہونے میں عورت کی جان، مال، عصمت وعفت کی حفاظت ہے، لیکن اگر محرم فاسق وفاجر ہو یعنی اس سے عصمت وعفت کی حفاظت کے ختم ہوجانے کا اندیشہ ہو تو اس کے ساتھ بھی سفر کرنا درست نہیں ہے۔ حج کے بیان میں بھی یہ مسائل گذر چکے ہیں وہاں بھی ملاحظہ فرمائیں۔

عورتیں راستوں کے درمیان نہ چلیں

وَعَنْ اَبِیْ اُسَیْدِا الْاَنْصَارِیْ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ انہ سمع رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ وَھُوَ خَارِجٌ مِّنَ الْمَسْجِدِ فَاخْتَلَطَ الرِّجَالُ مَعَ النِّسَاءِ فِی الطَّرِیْقِ فَقَالَ لِلنِّسَاءِ اِسْتَاْخِرْنَ فَاِنَّہٗ لَیْسَ لَکُنَّ اَنْ تَحْقُقْنَ الطَّرِیْقَ عَلَیْکُنَّ بِحَافَاتِ الطَّرِیْقِ فَکَانَتِ الْمَرْاَۃُ تَلْصَقُ بِالْجِدَارِ حَتّٰی اِنَّ ثَوْبَھَا لَیَتَعَلَّقُ بِالْجِدَارِ. (رواہ ابوداؤد والبیہقی فی شعب الایمان)

”حضرت ابو اُسید انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد سے باہر تشریف لارہے تھے، اور مرد وعورت وہاں سے گذر رہے تھے راستہ میں مرد وعورت (اس طرح سے) مل گئے (کہ سب اکٹھے گذرنے لگے، اور عورتیں ایک طرف نہیں تھیں، گو عورتیں پردہ میں تھیں، مگر راستہ کے درمیان مَردوں کے مجمع میں جارہی تھیں)۔ یہ ماجرا دیکھ کر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عورتو! پیچھے ہٹو، تم کو راستہ کے بیچ میں چلنے کی اجازت نہیں ہے، تم راستہ کے کناروں پر ہو کر گذرو، راوی کہتے ہیں اس ارشاد کے بعد عورتیں راستہ کے کناروں میں ایسے طریقہ پر گذرتی تھیں کہ راستہ کے دائیں بائیں جو کوئی دیوار ہوتی تھی اس سے چپکی جاتی تھیں یہاں تک کہ ان کا کپڑا دیوار میں اٹکنے لگتا تھا۔“ (مشکوٰۃ ص ۴۰۵، از ابوداؤد وبیہقی)

تشریح: اس حدیث میں بھی عورتوں کو مَردوں سے دور رہنے کی تاکید فرمائی ہے، اگر عورت کو کسی مجبوری کی وجہ سے گھر سے نکلنا ہو تو خوب زیادہ پردہ کا اہتمام کرے اور پردہ کے اہتمام کے ساتھ نکلنے کی صورت میں بھی خوشبو لگا کر نہ نکلے اور جب راستہ میں گذرے تو راستہ کے درمیان نہ چلے بلکہ راستہ کا درمیانی حصہ مردوں کے لئے چھوڑے اور خود راستہ کے درمیان سے ہٹ کر کناروں پر چلے۔

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عورتوں کو اس کا حکم دیا کہ مَردوں سے بچ کر اور کنارے ہو کر چلیں، لہٰذا عورتوں کا یہ جذبہ غلط ہے کہ ہم جیسے چاہیں چلیں گے، مَردوں کو ہٹنا ہے تو ہٹ جائیں گے۔

حیاء اور ایمان لازم وملزوم ہیں

وعن ابن عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْحَیَاءَ وَالْاِیْمَانَ قُرْنَاءُ جَمِیْعًا فَاِذَا رُفِعَ اَحَدُھُمَا رُفِعَ الْاٰخِرُ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ حیاء اور ایمان دونوں ساتھی ہیں، پس جب ان دونوں میں سے ایک اٹھایا جاتا ہے تو دوسرا بھی اٹھالیا جاتا ہے۔'' (مشکوۃ المصابیح ص ۴۳۲ از بیہقی)

تشریح: حیاء مومن بندوں کی خاص صفت ہے، جو قومیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیم سے دور ہیں حیاء اور شرم سے انکو کچھ واسطہ نہیں، حیاء اور ایمان دونوں لازم وملزوم ہیں، یا تو دونوں رہیں گے، یا دونوں رخصت ہو جائیں گے، بے پردگی اور اسکے لوازم اور دواعی سب کے سب اہل کفر کی دیکھا دیکھی نام نہاد مسلمانوں کے ماحول میں رواج پا گئے ہیں اور وہی لوگ مسلمان عورتوں کو پردے سے نکال کر بے حیائی کے پلیٹ فارم پر لانے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں جو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اتباع سے زیادہ نصاریٰ کے احوال وعادات کو اپنائے ہوئے ہیں، ایسے لوگ بڑی مشکل میں ہیں، ان کا دل تو یہ چاہتا ہے کہ خوب آزادی اور بے حیائی کیساتھ مسلمانوں کی بہو بیٹیوں کو بازاروں اور پارکوں میں عریانی کے لباس میں دیکھیں، لیکن ساتھ ہی قرآن وحدیث کی تعلیمات کو غلط کہنے کی ہمت بھی نہیں، نہ یوں کہے بنتا ہے کہ ہم اسلام کو چھوڑ چکے ہیں، اور نہ عورتوں کو پردہ میں دیکھنا گوارا کرتے ہیں، جو لوگ بے پردگی کو رواج دینے کی کوشش میں ہیں اور اپنی بہو بیٹیوں کو یورپین لیڈیوں کی طرح بے حیاء اور بے شرم بنا چکے ہیں اور انکے عریاں لباس سے اپنے نفوس کو تسکین دینے کا راستہ نکال چکے ہیں ان میں بہت سے تو ایسے ہیں جو محض نام کے مسلمان ہیں اور حیاء وشرم کے ساتھ ایمان کی دولت بھی کھو چکے ہیں، اور بہت سے لوگ ایسے ہیں جو کسی درجے میں اسلام سے چپکے ہوئے ہیں، مگر ان کو تقلید یورپ کا مزاج اور بے حیائی اور بے شرمی کی طبیعت آہستہ آہستہ ان کو اسلام سے ہٹاتی جا رہی ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو فرمایا کہ ''حیاء اور ایمان دونوں ساتھی ہیں، ایک اٹھایا جاتا ہے تو دوسرا بھی اٹھالیا جاتا ہے'' یہ ارشاد بالکل حق ہے تجربہ اسکی گواہی دے رہا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان مما ادرک الناس من کلام النبوۃ الاولی اذا لم تستحی فاصنع ما شئت.

''یعنی انبیاء سابقین علیہم السلام کی جو باتیں نقل ہوتی چلی آرہی ہیں ان میں ایک بات یہ بھی ہے کہ جب تجھ میں شرم نہ رہی تو جو چاہے کر۔'' (بخاری)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام شرم وحیاء کی تعلیم دیتے آئے ہیں، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جو قومیں اللہ کے بعض پیغمبروں سے اپنا رشتہ جوڑنے کی دعوے دار ہیں اور ساتھ ہی بے شرم اور بے حیاء بھی ہیں وہ اپنے دعوے میں جھوٹی ہیں اور اپنے کفر وشرک اور بے حیائی کی زندگی کے باعث ان نبیوں کی ذات گرامی کیلئے عار ہیں جن سے اپنی نسبت قائم کرتی ہیں، کوئی بے شرم وبے حیاء کسی بھی نبی کے راستہ پر نہیں ہوسکتا۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے:

اربع من سنن المرسلین الحیاء والتعطر والسواک والنکاح (ترمذی شریف)

''یعنی پیغمبروں کے طرز زندگی میں چار چیزیں (بہت اہم) ہیں، شرم کرنا، خوشبو لگانا، مسواک کرنا، نکاح کرنا۔'' (ترمذی شریف)

اللہ کے محبوب ترین بندے اس کے پیغمبر ہیں، انہوں نے حیاء اور شرم کی زندگی کو اختیار کیا، اور اپنی اپنی امت کو اپنے اپنے زمانہ میں شرم وحیاء کے اختیار کرنے پر آمادہ کیا، جو لوگ بے شرم ہیں اللہ تعالیٰ سے دور ہیں، اس کے پیغمبرؑ سے دور ہیں، البتہ کفار فجار سے قریب ہیں، ابلیس لعین کے دوست ہیں۔

یہ نام نہاد ترقی کا زمانہ ہے اس میں عفت، عصمت، شرم وحیاء، عیب بن کر رہ گئی ہے۔ یورپ والوں کی تقلید میں نام نہاد مسلمان بھی اس کی رَو میں بہہ رہے ہیں، عورت اگر پردہ کرے تو اسے سوسائٹی میں شریف نہیں سمجھا جاتا۔ اگر بے حیاء بنے، چہرہ کھول کر نکلے ٹیڈی لباس میں اعضائے بدن کو ظاہر کرتی ہوئی بازاروں میں گھومے، مارکیٹ میں سودا خریدے، سینکڑوں مردوں کے سامنے پارکوں میں بے حجاب ہو کر تفریح کرے تو اسے شریف سمجھا جاتا ہے۔ استغفر اللہ کیسی الٹی ترقی ہے؟ اور کیسی تاریک روشنی ہے......! جس میں انسان انسانیت کی حدود سے نکل گیا ہے اور شرافت انسانی انسان کی حرکتوں پر تھوتھو کرنے لگی ہے۔

چونکہ شوہر بھی نام نہاد ترقی کے خوگر ہیں اس لئے وہ بھی بیویوں کو ان حرکتوں سے نہیں روکتے بلکہ پردہ دار بیویوں کی خود پردہ دری کرتے ہیں اور یاروں دوستوں کی انجمن میں ساتھ لے جاتے ہیں۔ ان سے مصافحے کراتے ہیں بلکہ کلبوں میں جا کر نچواتے ہیں۔ ان بیہودہ لوگوں کے نزدیک ڈانس بھی وہ زیادہ دل پسند ہے جس میں ایک کی بیوی دوسرے کے ساتھ ڈانس کرے۔ اگر کوئی عورت اپنے شوہر کے ساتھ رقص کرنے لگے تو اسے گری ہوئی نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۔ اول تو ڈانس اور وہ بھی بے حجاب؟ اور غیر مرد کے ساتھ، وہ بھی اپنے شوہر کے سامنے! کیسی بے حیائی پر بے حیائی سوار ہے! کیا ایسے لوگ زندہ رہنے کے قابل ہیں؟ اور خدا کی نعمتوں کے مستحق ہیں؟

اللہ جل شانہٗ ہر قسم کی گمراہی، لادینی، اور بے حیائی وبے شرمی سے تمام مسلمانوں کو محفوظ و مامون رکھے آمین!



كِتَابُ الْاَخْلَاق

اخلاق خلق کی جمع ہے اور خلق آدمی کی اس پختہ اور راسخ باطنی کیفیت کو کہتے ہیں جس کی وجہ سے اس کیفیت سے متعلق افعال آدمی سے بغیر کسی تردد کے سہولت سے صادر ہوتے ہیں۔ مثلاً اگر کسی شخص میں سخاوت کا خلق ہے اور سخاوت کی کیفیت اس کے اندر جم گئی ہے تو روپیہ ہوتے ہوئے نیک کاموں میں خرچ کرنے میں اس کو تردد نہیں ہوگا اور سخاوت کی باطنی کیفیت اس کو خرچ کرنے پر اُبھارے گی۔ آدمی کے اندر دو بنیادی قوتیں ہیں۔ ایک قوت ادراک یعنی علم حاصل کرنے کی قوت اور دوسری قوت تحریک یعنی اعضاء جوارح کو حرکت دینے کی قوت۔ ان میں سے ہر ایک کی پھر دو دو قسمیں ہیں۔

قوت ادراک کی دو قسمیں

۱۔ عقل نظری

یعنی غور و فکر کی قوت۔ اس سے آدمی انجانی باتوں کو سیکھتا اور حاصل کرتا ہے۔ اس کو علم و حکمت کہتے ہیں۔ آدمی اس قوت کو استعمال نہ کرے تو جہالت پر برقرار رہتا ہے۔

۲۔ عقل عملی

یعنی حاصل کیے ہوئے علم پر فیصلہ کرنے کی قوت۔ اس سے آدمی علم کے مطابق فیصلہ کرے اور روش اختیار کرے تو اس کو عدالت و انصاف کہتے ہیں اور اس کے خلاف کرے تو اس کو ناانصافی کہتے ہیں۔

قوت تحریک کی دو قسمیں

۱۔ قوت غضبی

اس قوت کی وجہ سے آدمی اپنے آپ کو زور و غلبہ کے ساتھ غیر مناسب اور ناپسندیدہ چیزوں سے بچاتا ہے۔ اس قوت کو افراط و تفریط سے پاک کر دیا جائے تو اس کا اثر شجاعت ہوتا ہے ورنہ افراط کی صورت میں ظلم و جور ہوتا ہے اور تفریط کی صورت میں ذلت ہوتی ہے۔

۲۔ قوت شھوی

اس قوت کی وجہ سے آدمی اپنی مناسب اور پسندیدہ چیزوں کو حاصل کرتا ہے۔ اس قوت کا عمل اعتدال کے ساتھ ہو

تو اس کا اثر عفت ہوتا ہے اور اگر اعتدال سے متجاوز ہو تو لالچ و حرص ہوتا ہے۔

غرض مذکورہ بالا قوتیں تین بنیادی اچھے اخلاق کا سرچشمہ ہیں یعنی عدالت، شجاعت اور عفت۔ اگر غور کیا جائے تو ان میں سے ہر ایک کے پھر متعدد شعبے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے جن مقاصد کا قرآن پاک میں ذکر کیا گیا ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو انسانوں کا تزکیہ کرنا ہے ''وَیُزَکِّیْھِمْ'' اور اس تزکیہ میں اخلاق کی اصلاح اور درستی کی خاص اہمیت ہے۔

غیبت

فائدہ: غیبت جس طرح زبان سے ہوتی ہے اسی طرح فعل سے بھی ہوتی ہے اور تحریر سے بھی ہوتی ہے اور ہاتھ پیر اور آنکھ کے اشارے سے بھی ہوتی ہے۔ نقل اُتارنا مثلاً نقل اُتارتے ہوئے لنگڑا کر چلنا بھی غیبت میں شمار ہوتا ہے۔

جو صورتیں غیبت نہیں

۱۔ شناخت کے لیے کسی کو لنگڑا یا کانا کہنا۔

۲۔ جو شخص لوگوں کو نقصان اور تکلیف پہنچاتا ہو اس کے ضرر سے بچانے کے لیے لوگوں سے اس کی برائی بیان کرنا۔

۳۔ وہ شخص جو برائی کھلے عام کرتا ہو اور نصیحت کا اثر نہ لیتا ہو اس کا ذکر کرنا۔

۴۔ اس فکر سے کسی کے عیب ذکر کرنا کہ اس میں یہ کہاں سے آ گئے اور یہ کیسے دور ہوں۔

۵۔ زید کا کسی کے ساتھ نکاح، یا شرکت کرنے کا یا کہیں پڑوس اختیار کرنے کا یا امانت رکھوانے کا ارادہ ہو۔ بکر کو اگر دوسرے کا عیب معلوم ہو تو خیر خواہی کی نیت سے اس کا زید کو وہ عیب بتانا۔

۶۔ کسی شہر یا بستی والوں کا عیب بیان کرنا کیونکہ اس میں عام طور سے سب مراد نہیں ہوتے بلکہ بعض مراد ہوتے ہیں جو کہ نامعلوم ہیں۔ البتہ اگر تمام ہی افراد مراد ہوں تو پھر غیبت ہوگی۔

۷۔ کسی صاحب اقتدار سے عیب ذکر کرنا تا کہ وہ اس کو روک سکے۔

غیبت سے توبہ

۱۔ جس کی غیبت کی ہے اگر اس تک بات نہیں پہنچی تو محض توبہ واستغفا کریں۔

۲۔ اگر اس تک بات پہنچ گئی ہے تو اگر فساد اور جھگڑے کا اندیشہ نہ ہو تو تفصیل بتا کر معافی مانگے اور استغفار بھی کرے۔

۳۔ اگر جھگڑے کا اندیشہ ہو تو صرف توبہ واستغفار کرے اور جس کی غیبت کی اس کے لیے بھی بکثرت دعائے خیر کرے۔

آخرت کے اعتبار سے دنیا کیساتھ معاملہ

دنیوی ترقی کے دو پہلو ہیں

ایک پہلو: کسی معاشرے اور ریاست کی جو اجتماعی ذمہ داریاں ہیں ان کو پورا کرنا مثلاً:

ا۔ یہ اہتمام کرنا کہ ہر فرد کی بنیادی ضرورتیں پوری ہو رہی ہوں جو مندرجہ ذیل ہیں:

ا۔غذا اور پانی کی فراہمی۔

۲۔ضروری لباس کی فراہمی۔

۳۔ضروری سکونت کی فراہمی۔

۴۔حفظان صحت اور بیماری کا علاج۔

۵۔نقل وحمل کے لیے سواری۔

۶۔تعلیم

۷۔ملک کے اندر امن وسکون اور انصاف کی فراہمی۔

۸۔روزگار کی فراہمی۔

۲۔جہاد خواہ دفاعی ہو یا اقدامی اس کے لیے بھرپور تیاری کرنا۔

ان اجتماعی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لیے دنیوی ترقی کی کوئی حد مقرر نہیں ہے بلکہ ریاست ذمہ دار ہے کہ وہ نئی نئی تحقیقات و دریافتیں کر کے اپنی ذمہ داریوں کو احسن طریقے سے پورا کرے۔ وسائل ہوں یا ان کو پیدا کیا جا سکتا ہو پھر بھی ریاست اس میں کوتاہی کرے تو وہ مجرم ہے۔ وہ افراد کو بھی مجبور کر سکتی ہے کہ وہ جدید طریقے سیکھیں اور ہو سکے تو جدید اور مفید وسائل دریافت کریں اور ایجاد کریں۔

عَنْ عُثْمَانَ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ لَيْسَ لِابْنِ آدَمَ حَقٌّ فِي سِوَى هٰذِهِ الْخِصَالِ بَيْتٌ يَسْكُنُهُ وَثَوْبٌ يُوَارِي بِهِ عَوْرَتَهُ وَجِلْفُ الْخُبْزِ وَالْمَاءُ. (ترمذی)

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا' ابن آدم کے لیے ضروری نہیں ہیں (کہ جن کے بارے میں اس سے سوال بھی نہ ہو) سوائے ان چیزوں کے۔ ایک (کمرے کا) گھر جس میں رہائش اختیار کرے (جس سے وہ گرمی سردی کے شدائد سے محفوظ رہے اور ضرورت کی خلوت مہیا ہو) اور اتنا کپڑا جس سے وہ اپنا ستر چھپا سکے اور (کھانے پینے کے لیے) روٹی کا سوکھا ٹکڑا اور (عام سادہ) پانی (جو گرمی کے موسم میں مرضی کے موافق ٹھنڈا بھی نہ ہو)۔

فائدہ: حدیث میں مذکور درجہ ضرورت اور مجبوری کا ہے جس کے بغیر یا تو آدمی کا گزارہ ممکن نہیں یا سخت مشقت اور شدید تکلیف ہے۔ اس کے بعد دو درجے ہیں:

10

ا۔منفعت: جس سے آدمی کے بدن کو فائدہ تو حاصل ہو لیکن اس کے بغیر نہ تو ہلاکت کا خطرہ ہو اور نہ ہی سخت تکلیف و مشقت ہو۔۲۔زینت: جس سے بدن کو کوئی فائدہ نہ ہو محض زیبائش اور تفریح خواہش ہو۔

یہ دو درجے جب کہ حلال سے کیے جائیں تو ان کے کرنے میں گنجائش اور جواز ہے لیکن ان کے بارے میں آخرت میں سوال ہوگا۔

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم قَالَ کُلُّ بِنَاءٍ وَبَالٌ عَلٰی صَاحِبِہٖ اِلاَّ مَالاَ اِلاَّ مَالاَ یَعْنِیْ اِلاَّ مَالاَ بُدَّمِنْہُ (احمد و ترمذی)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہر تعمیر بنانے والے پر وبال ہے (کہ اس کے بارے میں پوچھ ہوگی) سوائے اس کے جو نا گزیر ہو سوائے اس کے جو نا گزیر ہو (یعنی مجبوری اور حاجت کے درجے میں ہو)

عَنْ بُرَیْدَۃَ الْاَسْلَمِیّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم یَکْفِیْ أَحَدَکُمْ مِنَ الدُّنْیَا خَادِمٌ وَمَرْکَبٌ. (دارمی)

حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، تم میں سے ایک کے لیے دنیا (کی چیزوں میں) سے ایک خادم اور ایک سواری کافی ہے۔

وَأَعِدُّواْ لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدْوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِيْنَ مِن دُوْنِهِمْ (سورہ انفال:۶۰)

''اور تیار کرو کفار سے لڑائی کے واسطے جو کچھ تم سے ہو سکے قوت سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے کہ اس سے دھاک بٹھاؤ تم اللہ کے دشمنوں پر اور اپنے دشمنوں پر اور ان کے علاوہ دوسرے لوگوں پر۔'' (انفال:۶۰)

مسلمانوں پر فرض ہے کہ جہاں تک قدرت ہو سامان جہاد فراہم کریں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں گھوڑے کی سواری، شمشیر زنی اور تیر اندازی وغیرہ کی مشق کرنا سامان جہاد تھا آج بندوق، توپ، ہوائی جہاز، آبدوز کشتیاں، ایٹمی اسلحہ وغیرہ کا تیار کرنا اور فنون حربیہ کا سیکھنا بلکہ اس کی خاطر ورزش کرنا سب سامان جہاد ہے اور یہ سب سامان اور تیاری دشمنوں پر رعب جمانے اور دھاک بٹھانے کا ایک ظاہری سبب ہے باقی فتح و کامیابی کا اصل سبب تو خدا کی مدد ہے۔

دوسرا پہلو: افراد کا اپنا معیار زندگی Standard living بلند کرنا یعنی

ا۔خورد و نوش میں تنوع و اسراف۔		۲۔لباس میں تکلفات

۳۔عالی شان سواری		۴۔ضرورت سے زائد یا عالی شان مکان

۵۔غیر ضروری تقریبات		۶۔تقریبات میں اسراف وغیرہ

۷۔مال و دولت کی فراوانی

حدیثوں میں ذکر ہے کہ اس قسم کی ترقی کو مطلوب بنانا پسندیدہ نہیں ہے۔ افراد اپنی زندگی کو اپنے اختیار سے سادہ بنائیں۔

اگر چہ آسائشوں اور آرائشوں کا استعمال جب کہ وہ حلال ذرائع سے حاصل ہوں حرام نہیں لیکن جب دنیا ہماری منزل ہی نہیں ہے بلکہ مسافر کا وقتی پڑاؤ ہے اور آخرت کے مقابلہ میں اس کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہے تو عقل مند کو کب روا ہے کہ وہ اس سے دل لگائے۔

اخلاق سے ایمان کی تکمیل

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا. (رواه ابو داؤد والدارمی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایمان والوں میں زیادہ کامل ایمان والے وہ لوگ ہیں جو اخلاق میں زیادہ اچھے ہیں۔ (ابوداؤد، دارمی)

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ ایمان اور اخلاق میں ایسی نسبت ہے کہ جس کا ایمان کامل ہوگا اس کے اخلاق لازماً بہت اچھے ہوں گے اور علیٰ ہذا جس کے اخلاق بہت اچھے ہوں گے ان کا ایمان بھی بہت کامل ہوگا۔ واضح رہے کہ ایمان کے بغیر اخلاق بلکہ کسی عمل کا حتیٰ کہ عبادات کا بھی کوئی اعتبا نہیں ہے۔ ہر عمل اور ہر نیکی کے لیے ایمان بمنزلہ روح اور جان کے ہے اس لیے اگر کسی شخصیت میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کے بغیر اخلاق نظر آئے تو وہ حقیقی اخلاق نہیں ہے بلکہ اخلاق کی صورت ہے اس لیے اللہ کے یہاں اس کی کوئی قیمت نہیں ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ الْمُؤْمِنَ لَيُدْرِكُ بِحُسْنِ خُلُقِهٖ دَرَجَةَ قَائِمِ اللَّيْلِ وَصَائِمِ النَّهَارِ. (رواه ابو داؤد)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے تھے کہ صاحب ایمان بندہ اپنے اچھے اخلاق سے ان لوگوں کا درجہ حاصل کر لیتا ہے جو رات بھر نفلی نمازیں پڑھتے ہوں اور دن کو ہمیشہ روزہ رکھتے ہوں۔ (ابوداؤد)

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ اللہ کے جس بندہ کا حال یہ ہو کہ وہ عقیدہ اور عمل کے لحاظ سے سچا مؤمن ہو اور ساتھ ہی اس کو حسن اخلاق کی دولت بھی نصیب ہو تو اگر چہ وہ رات کو زیادہ نفلیں نہ پڑھتا ہو اور کثرت سے نفلی روزے نہ رکھتا ہو لیکن پھر بھی وہ اپنے حسن اخلاق کی وجہ سے ان شب بیداروں، عبادت گزاروں کا درجہ پالے گا جو قائم اللیل اور صائم النہار ہوں یعنی جو راتیں نفلوں میں کاٹتے ہوں اور دن کو عموماً روزہ رکھتے ہوں۔

عَنْ مُعَاذٍ قَالَ كَانَ اٰخِرَ مَا وَصَّانِىْ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ وَضَعْتُ رِجْلِىْ فِى الْغَرْزِ اَنْ قَالَ يَا مُعَاذُ اَحْسِنْ خُلُقَكَ لِلنَّاسِ. (رواه مالک)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو آخری وصیت مجھے کی تھی جبکہ میں نے اپنا پاؤں اپنی سواری کی رکاب میں رکھ لیا تھا وہ یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں کے لیے اپنے اخلاق کو بہتر بناؤ یعنی بندگانِ خدا کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آؤ۔ (مؤطا امام مالکؒ)

تشریح:.......رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ کے آخری دور میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تھا۔ مدینہ طیبہ سے اُن کو رخصت کرتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص اہتمام سے بہت سی نصیحتیں کیں تھیں جو حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مختلف ابواب میں مروی ہیں۔ حضرت معاذ کا اشارہ اس حدیث میں اسی موقع کی طرف ہے اور ان کا مطلب یہ ہے کہ جب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اپنی سوای پر سوار ہونے لگا اور اس کی رکاب میں میں نے پاؤں رکھا تو اس وقت آخری نصیحت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے یہ فرمائی تھی کہ اللہ کے بندوں کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آنا۔

واضح رہے کہ خوش اخلاقی کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ جو عادی مجرم اور ظلم پیشہ بدمعاش سختی کے مستحق ہوں اور سختی کے بغیر ان کا علاج نہ ہو سکتا ہو ان کے ساتھ بھی نرمی کی جائے' یہ تو اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی اور مداہنت ہوگی۔ بہر حال عدل و انصاف اور اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود کی پابندی کے ساتھ مجرموں کی تادیب اور تعزیر کے سلسلہ میں اُن پر سختی کرنا کسی اخلاقی قانون میں بھی حسن اخلاق کے خلاف نہیں ہے۔

فائدہ:......حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن رخصت کرتے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے یہ بھی فرمایا تھا کہ شاید اس کے بعد مجھ سے تمہاری ملاقات نہ ہو اور بجائے میرے' میری مسجد اور میری قبر پر تمہارا گزر ہو اور چونکہ آپ کی عام عادت ایسی بات کرنے کی نہ تھی اس لیے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اس سے یہی سمجھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں اور شاید اب مجھے اس دنیا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب نہ ہوگی۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سن کر وہ رو پڑے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرما کر ان کو تسلی دی کہ "اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ بِیَ الْمُتَّقُوْنَ مَنْ کَانُوْا وَحَیْثُ کَانُوْا" (اللہ کے متقی بندے جو بھی ہوں اور جہاں بھی ہوں وہ مجھ سے قریب رہیں گے) اور یہی ہوا کہ یمن سے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی واپسی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں نہیں ہوئی اور جب آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک ہی کو پایا۔

عَنْ مَالِکٍ بَلَغَهٗ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ حُسْنَ الْاَخْلَاقِ. (رواہ فی المؤطا و رواہ احمد عن ابی ہریرۃ)

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث پہنچی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا' میں اس واسطے بھیجا گیا ہوں کہ اخلاقی خوبیوں کو کمال تک پہنچا دوں۔ (امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو اپنی مؤطا میں اسی طرح بغیر کسی صحابی کے حوالے کے روایت کیا ہے اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں اس کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے)

تشریح:......اس روایت سے معلوم ہوا کہ اخلاق کی اصلاح اور مکارم اخلاق کی تکمیل آپ کے خاص مقاصد بعثت میں سے ہے اور جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا قرآن مجید میں جس تزکیہ کو آپ کا خاص کام بتلایا گیا۔ ہے اخلاق کی اصلاح اس کا اہم جز ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ اَحَبِّکُمْ اِلَیَّ اَحْسَنُکُمْ اَخْلَاقًا. (رواہ البخاری)

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم دوستوں میں مجھے زیادہ

محبوب وہ ہیں جن کے اخلاق زیادہ اچھے ہیں۔ (صحیح بخاری)

تشریح:...... حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک حدیث میں جس کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے اس طرح ہے کہ "اِنَّ مِنْ اَحَبِّکُمْ اِلَیَّ وَاَقْرَبِکُمْ مِنِّیْ مَجْلِسًا یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اَحْسَنُکُمْ اَخْلَاقًا" (تم دوستوں میں مجھے زیادہ محبوب وہ ہیں اور قیامت کے دن اُن ہی کی نشست بھی میرے زیادہ قریب ہوگی جن کے اخلاق تم میں زیادہ بہتر ہیں) گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت اور قیامت کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب نصیب ہونے میں حسن اخلاق کی دولت کو خاص دخل ہے۔

کتے کو پانی پلانے پر بخشش

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَیْنَمَا رَجُلٌ یَمْشِیْ بِطَرِیْقٍ اِشْتَدَّ عَلَیْهِ الْعَطْشُ فَوَجَدَ بِئْرًا فَنَزَلَ فِیْهَا فَشَرِبَ ثُمَّ خَرَجَ فَاِذَا کَلْبٌ یَلْهَثُ یَاْکُلُ الثَّرٰی مِنَ الْعَطْشِ فَقَالَ الرَّجُلُ لَقَدْ بَلَغَ هٰذَا الْکَلْبَ مِنَ الْعَطْشِ مِثْلُ الَّذِیْ کَانَ بَلَغَ بِیْ فَنَزَلَ الْبِئْرَ فَمَلَأَ خُفَّهٗ ثُمَّ اَمْسَکَهٗ بِفِیْهِ فَسَقَی الْکَلْبَ فَشَکَرَ اللّٰهُ لَهٗ فَغَفَرَ لَهٗ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاِنَّ لَنَا فِی الْبَهَائِمِ اَجْرًا؟ فَقَالَ نَعَمْ فِیْ کُلِّ ذَاتِ کَبِدٍ رَطْبَةٍ اَجْرٌ. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس اثناء میں کہ ایک آدمی راستہ چلا جارہا تھا' اُسے سخت پیاس لگی' چلتے چلتے اُسے ایک کنواں ملا وہ اس کے اندر اُترا اور پانی پی کر باہر نکل آیا' کنوئیں کے اندر سے نکل کر اُس نے دیکھا کہ ایک کتا ہے جس کی زبان باہر نکلی ہوئی ہے اور پیاس کی شدت سے وہ کیچڑ کھا رہا ہے' اُس آدمی نے دل میں کہا کہ اس کتے کو بھی پیاس کی ایسی ہی تکلیف ہے جیسی کہ مجھے تھی اور وہ اُس کتے پر رحم کھا کر پھر اس کنوئیں میں اُترا اور اپنے چمڑے کے موزے میں پانی بھر کر اس نے اُس کو اپنے منہ سے تھاما اور کنوئیں سے باہر نکل آیا اور اس کتے کو وہ پانی اس نے پلا دیا' اللہ تعالیٰ نے اس کی اس رحم دلی اور اس محنت کی قدر فرمائی اور اسی عمل پر اس کی بخشش کا فیصلہ فرمادیا۔ بعض صحابہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ سن کر دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا جانوروں کی تکلیف دور کرنے میں بھی ہمارے لیے اجر وثواب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! ہر زندہ اور تر جگر رکھنے والے جانور (کی تکلیف دور کرنے) میں ثواب ہے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح:...... بعض اوقات ایک معمولی عمل دل کی خاص کیفیت یا خاص حالات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑی قبولیت حاصل کر لیتا ہے اور اس کا کرنے والا اسی پر بخش دیا جاتا ہے۔ اس حدیث میں جس واقعہ کا ذکر کیا گیا ہے اس کی نوعیت بھی یہی ہے۔ آپ ذرا سوچئے! ایک شخص گرمی کے موسم میں اپنی منزل کی طرف چلا جارہا ہے' اس کو پیاس لگی ہے' اسی حالت میں اس کو ایک کنواں نظر پڑ گیا لیکن پانی نکالنے کا کوئی سامان رسی' ڈول وغیرہ وہاں نہیں ہے اس لیے مجبوراً یہ شخص پانی پینے کے لیے خود ہی کنوئیں میں اُتر گیا' وہیں پانی پیا اور نکل آیا' اب اُس کی نظر ایک کتے پر پڑی جو پیاس کی شدت سے کیچڑ چاٹ رہا تھا' اس کو اس کی حالت پر ترس آیا اور دل میں داعیہ پیدا ہوا کہ اس کو بھی پانی پلاؤں' اس وقت ایک طرف اس کی اپنی حالت کا تقاضا یہ ہوگا کہ اپنا راستہ لوں اور منزل پر جلدی پہنچ کے آرام کروں اور دوسری طرف اس کے جذبہ رحم کا داعیہ یہ ہوگا کہ خواہ میرا راستہ کھوٹا ہو اور

خواہ کنوئیں سے پانی نکالنے میں مجھے کیسی ہی محنت و مشقت کرنی پڑے لیکن میں اللہ کی اس مخلوق کو پیاس کی تکلیف سے نجات دوں، اس کشمکش کے بعد جب اُس نے اپنی طبیعت کے آرام کے تقاضے کے خلاف جذبہ رحم کے تقاضے کے مطابق فیصلہ کیا اور کنوئیں میں اُتر کر موزے میں پانی بھر کر اور منہ میں موزا تھام کر محنت و مشقت سے پانی نکال کے لایا اور اُس پیاسے کتے کو پلایا تو اس بندہ کی اس خاص حالت اور ادا پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کو جوش آ گیا اور اسی پر اس کی مغفرت کا فیصلہ فرما دیا گیا۔

الغرض مغفرت و بخشش کے اس فیصلہ کا تعلق صرف کتے کو پانی پلانے کے عمل ہی سے نہ سمجھنا چاہیے بلکہ جس خاص حالت میں اور جس جذبہ کے ساتھ اس نے یہ عمل کیا تھا وہ اللہ تعالیٰ کو بے حد پسند آیا اور اسی پر اس بندہ کی مغفرت اور بخشش کا فیصلہ کر دیا۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَائِطًا لِرَجُلٍ مِنَ الْاَنْصَارِ فَاِذَا فِيْهِ جَمَلٌ فَلَمَّا رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَنَّ وَذَرَفَتْ عَيْنَاهُ فَاَتَاهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَسَحَ ذِفْرَاهُ فَسَكَتَ فَقَالَ مَنْ رَبُّ هٰذَا الْجَمَلِ؟ لِمَنْ هٰذَا الْجَمَلُ؟ فَجَاءَ فَتًى مِنَ الْاَنْصَارِ فَقَالَ لِيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! فَقَالَ لَهٗ اَفَلَا تَتَّقِي اللّٰهَ فِيْ هٰذِهِ الْبَهِيْمَةِ الَّتِيْ مَلَّكَكَ اِيَّاهُ؟ فَاِنَّهٗ شَكٰى اِلَيَّ اَنَّكَ تُجِيْعُهٗ وَتُدْئِبُهٗ. (رواہ ابو داؤد)

عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری صحابی کے باغ میں تشریف لے گئے وہاں ایک اونٹ تھا، جب اس اونٹ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو ایسا ڈکرایا اور ایسی درد بھری آواز اس نے نکالی جیسی بچے کے جدا ہونے پر اونٹنی کی آواز نکلتی ہے اور اس کی آنکھوں سے آنسو بھی جاری ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے قریب تشریف لے گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی کنوتیوں پر اپنا دست شفقت پھیرا (جیسے کہ گھوڑے یا اونٹ پر پیار کرتے وقت ہاتھ پھیرا جاتا ہے) وہ اونٹ خاموش ہو گیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ یہ اونٹ کس کا ہے؟ اس کا مالک کون ہے؟ ایک انصاری نوجوان آئے اور انہوں نے عرض کیا، حضرتؐ! یہ اونٹ میرا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس بیچارے بے زبان جانور کے بارے میں تم اس اللہ سے ڈرتے نہیں جس نے تم کو اس کا مالک بنایا ہے اس نے مجھے شکایت کی ہے کہ تم اس کو بھوکا رکھتے ہو اور زیادہ کام لے کر تم اس کو بہت دُکھ پہنچاتے ہو۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح:...... جس طرح حضرت سلیمان علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے معجزانہ طور پر پرندوں کی بولی سمجھ لیتے تھے جس کا ذکر قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے (وَعُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ) اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی جانوروں کی بات چیت معجزانہ طور پر سمجھ لیتے تھے۔ اس حدیث میں اونٹ کی شکایت کو سمجھنے کا اور اس سے بعد والی حدیث میں ایک چڑیا کی شکایت کو سمجھنے کا جو ذکر ہے بظاہر وہ اسی قبیل سے ہے اور گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ ہے۔ حدیث کی خاص تعلیم یہ ہے کہ جس کے پاس کوئی جانور ہو اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کے کھلانے پلانے سے غافل نہ ہو اور اس پر کام کا بوجھ بھی اس کی قوت سے زیادہ نہ ڈالے۔

دنیا نے ''انسدادِ بے رحمی'' کی ذمہ داری کو اب کچھ سمجھا ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اب سے قریباً چودہ سو برس پہلے دنیا کو یہ سکھایا تھا۔

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَفَرٍ

فَانْطَلَقَ لِحَاجَتِهٖ فَرَأَيْنَا حُمَّرَةً مَعَهَا فَرْخَانِ فَاَخَذْنَا فَرْخَيْهَا فَجَائَتِ الْحُمَّرَةُ فَجَعَلَتْ تَعْرِشُ فَجَاءَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَنْ فَجَعَ هٰذِهٖ بِوَلَدِهَا؟ رُدُّوْ وَلَدَهَا اِلَيْهَا. وَرَاٰى قَرْيَةَ نَمْلٍ قَدْ حَرَقْنَاهَا فَقَالَ مَنْ حَرَقَ هٰذِهٖ؟ قُلْنَا نَعَمْ قَالَ اِنَّهٗ لَايَنْبَغِىْ اَنْ يُعَذِّبَ بِالنَّارِ اِلَّا رَبُّ النَّارِ. (رواہ ابو داؤد)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے عبدالرحمٰن اپنے والد ماجد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک سفر میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم قضاء حاجت کے لیے تشریف لے گئے اس اثناء میں ہماری نظر ایک سرخ چڑیا (غالباً نیل کنٹھ) پر پڑی جس کے ساتھ چھوٹے چھوٹے اس کے دو بچے بھی تھے ہم نے ان بچوں کو پکڑ لیا وہ چڑیا آئی اور ہمارے سروں پر منڈلانے لگی اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کس نے اس کے بچے پکڑ کے اسے ستایا ہے؟ اس کے بچے اس کو واپس کر دو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چیونٹیوں کی ایک بستی دیکھی (یعنی زمین کا ایک ایسا ٹکڑا جہاں چیونٹیوں کے بہت سوراخ تھے اور چیونٹیوں کی بہت کثرت تھی) ہم نے وہاں آگ لگا دی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کس نے ان کو آگ سے جلایا ہے؟ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے ہی آگ لگائی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آگ کے پیدا کرنے والے خدا کے سوا کسی کے لیے یہ سزاوار نہیں ہے کہ وہ کسی جاندار کو آگ کا عذاب دے۔ (سنن ابوداؤد)

تشریح:...... ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ جانوروں حتیٰ کہ زمین کی چیونٹیوں کا بھی حق ہے کہ ان کو بلا وجہ نہ ستایا جائے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَتْ اِمْرَأَةٌ النَّارَ فِىْ هِرَّةٍ رَبَطَتْهَا فَلَمْ تُطْعِمْهَا وَلَمْ تَدَعْهَا تَاْكُلُ مِنْ خُشَاشِ الْاَرْضِ. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ: ایک بے درد اور بے رحم عورت اس لیے جہنم میں گرائی گئی کہ اس نے ایک بلی کو باندھ کر (بھوکا مار ڈالا) نہ تو اُسے خود کچھ کھانے کو دیا اور نہ اُسے چھوڑا کہ وہ زمین کے کیڑے مکوڑوں سے اپنی غذا حاصل کر لیتی۔ (بخاری ومسلم)

تشریح:...... حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت سے جو صحیح مسلم میں مروی ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بے درد اور بے رحم عورت بنی اسرائیل میں سے تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں یا خواب یا بیداری کے کسی اور مکاشفہ میں اس کو دوزخ میں بچشم خود مبتلائے عذاب دیکھا۔

بہر حال اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جانوروں کے ساتھ بھی بے دردی اور بے رحمی کا معاملہ اللہ تعالیٰ کو سخت ناراض کرنے والا اور جہنم میں لے جانے والا عمل ہے۔ (اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا)

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَجُلاً شَكَا اِلَى النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَسْوَةَ قَلْبِهٖ قَالَ اِمْسَحْ رَأْسَ الْيَتِيْمِ وَاَطْعِمِ الْمِسْكِيْنَ. (رواہ احمد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی قساوت قلبی (سخت دلی) کی شکایت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا کرو اور مسکین کو کھانا کھلایا کرو۔ (مسند احمد)

تشریح:......سخت دلی اور سنگ دلی ایک روحانی مرض اور انسان کی بدبختی کی نشانی ہے۔ سائل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے دل اور اپنی روح کی اس بیماری کا حال عرض کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے علاج دریافت کیا تھا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دو باتوں کی ہدایت فرمائی' ایک یہ کہ یتیم کے سر پر شفقت کا ہاتھ پھیرا کرو اور دوسرے یہ کہ بھوکے فقیر مسکین کو کھانا کھلایا کرو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بتلایا ہوا یہ علاج علم النفس کے ایک خاص اصول پر مبنی ہے بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے اُس اصول کی تائید و توثیق ہوتی ہے وہ اصول یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے نفس یا قلب میں کوئی خاص کیفیت نہ ہو اور وہ اس کو پیدا کرنا چاہے تو ایک تدبیر اس کی یہ بھی ہے کہ اس کیفیت کے آثار اور لوازم کو وہ اختیار کرلے' ان شاء اللہ کچھ عرصہ کے بعد وہ کیفیت بھی نصیب ہو جائے گی۔ دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا کرنے کے لیے کثرت ذکر کا طریقہ جو حضرات صوفیہ کرام میں رائج ہے اس کی بنیاد بھی اسی اصول پر ہے۔

بہرحال یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرنا اور مسکین کو کھانا کھلانا دراصل جذبہ رحم کے آثار میں سے ہے لیکن جب کسی کا دل اس جذبہ سے خالی ہو وہ اگر یہ عمل بہ تکلف ہی کرنے لگے تو ان شاء اللہ اس کے قلب میں بھی رحم کی کیفیت پیدا ہو جائے گی۔

سخاوت اور بخل

سخاوت' یعنی اپنی کمائی دوسروں پر خرچ کرنا اور دوسروں کے کام نکالنا بھی رحم ہی کی ایک شاخ ہے جس طرح بخل اور کنجوسی یعنی دوسروں پر خرچ نہ کرنا اور دوسروں کے کام نہ آنا بے رحمی اور سخت دلی ہی کی ایک خاص صورت ہے۔ ان دونوں کے بارے میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سنئے:

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَجْتَمِعُ الشُّحُّ وَالْإِيْمَانُ فِیْ قَلْبِ عَبْدٍ اَبَدًا. (رواه النسائی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' حرص و بخل اور ایمان کبھی ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے (یعنی بخیلی و کنجوسی اور ایمان کا کوئی جوڑ نہیں)۔ (سنن نسائی)

تشریح:......مطلب یہ ہے کہ ایمان کی حقیقت اور بخل کی عادت میں ایسی منافات ہے کہ جس دل کو حقیقی ایمان نصیب ہوگا اس میں بخل نہیں آ سکتا اور جس میں بخل دیکھا جائے تو سمجھ لیا جائے کہ اس میں ایمان کا نور نہیں ہے۔ ذرا سا غور کرنے سے ہر ایک کی سمجھ میں یہ بات آ سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات پر کامل ایمان و یقین کے بعد دل میں بخل اور کنجوسی جیسی کسی خصلت کے لیے کوئی گنجائش ہی نہیں رہ سکتی۔

عَنْ اَبِیْ بَكْرِ نِ الصِّدِّيْقِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ خِبٌّ وَلَا بَخِيْلٌ وَلَا مَنَّانٌ. (رواه الترمذی)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''دھوکہ باز' بخیل اور احسان جتلانے والا آدمی جنت میں نہ جا سکے گا۔ (جامع ترمذی)

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ یہ تینوں بری خصلتیں (دھوکہ بازی، کنجوسی اور احسان کر کے جتانا) ان خطرناک اور تباہ کن عادات میں سے ہیں جو جنت کے راستے میں رکاوٹ بننے والی ہیں۔ اس لیے جو بندے جنت کے شائق اور دوزخ سے خائف ہوں ان کو چاہیے کہ ان عادتوں سے اپنی حفاظت کریں۔

معافی ودرگزر

رحم دلی کی جڑ سے جو شاخیں پھوٹتی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اپنے مجرم اور قصوروار کو معاف کر دیا جائے اور اس سے انتقام نہ لیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اُمت کو بھی اس کی خاص طور سے ترغیب دیتے تھے۔ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے میرے رب نے نو باتوں کا خاص طور سے حکم فرمایا ہے اور ان میں سے ایک بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ذکر فرمائی کہ مجھے حکم ہے کہ جو کوئی مجھ پر ظلم وزیادتی کرے، میں اس کو معاف کر دیا کروں۔ اس سلسلہ کی ایک دو حدیثیں یہاں اور بھی پڑھ لیجیے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مُوْسَى بْنُ عِمْرَانَ عَلَیْهِ السَّلَامُ یَا رَبِّ مَنْ اَعَزُّ عِبَادِکَ عِنْدَکَ قَالَ مَنْ اِذَا قَدَرَ غَفَرَ. (رواه البیهقی فی شعب الایمان)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی جناب میں عرض کیا، پروردگار! آپ کے بندوں میں کون آپ کی بارگاہ میں زیادہ باعزت ہیں؟ ارشاد فرمایا: وہ بندے جو (قصوروار پر) قابو پانے کے بعد (اور سزا دینے کی قدرت رکھنے کے باوجود) اس کو معاف کر دیں۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح:...... یہاں یہ بات یاد رکھیں کہ قصوروار کا قصور معاف کرنے کی اس فضیلت کا تعلق افراد واشخاص اور ان کے ذاتی اور نجی حقوق ومعاملات سے ہے لیکن جو جرائم اللہ تعالیٰ کے جرائم ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر سزا مقرر ہے اس سزا کے معاف کرنے کا اختیار کسی کو نہیں ہے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو دنیا میں سب سے زیادہ رحم دل تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل بھی یہی تھا کہ اپنا قصور کرنے والوں کو ہمیشہ معاف فرما دیتے تھے لیکن اللہ کی حدوں کے توڑنے والوں کو اللہ کے حکم کے مطابق ضرور سزا دیتے تھے۔ صحیح بخاری وصحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے:

وَمَا انْتَقَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِنَفْسِهٖ فِیْ شَیْءٍ قَطُّ اِلَّا اَنْ یُّنْتَهَکَ حُرْمَةُ اللّٰهِ فَیَنْتَقِمَ.

(مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ذاتی معاملہ میں کبھی کسی کو کوئی سزا نہیں دی لیکن جب اللہ کی حدوں کو کوئی توڑتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے سزا دیتے تھے۔)

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ کَمْ اَعْفُوْ عَنِ الْخَادِمِ فَصَمَتَ عَنْهُ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ کَمْ اَعْفُوْ عَنِ الْخَادِمِ قَالَ کُلَّ یَوْمٍ سَبْعِیْنَ مَرَّةً. (رواه الترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا، یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اپنے خادم (غلام یا نوکر) کا قصور کتنی دفعہ معاف کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ

وسلم نے اس کو کوئی جواب نہیں دیا اور خاموش رہے، اُس نے پھر وہی عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اپنے خادم کو کتنی دفعہ معاف کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہر روز ستر دفعہ۔ (جامع ترمذی)

تشریح:......سوال کرنے والے کا مقصد یہ تھا کہ حضرت اگر میرا خادم غلام یا نوکر بار بار قصور کرے تو کہاں تک میں اس کو معاف کروں اور کتنی دفعہ معاف کرنے کے بعد میں اس کو سزا دوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ:

اگر بالفرض روزانہ ستر دفعہ بھی وہ قصور کرے تو تم اس کو معاف ہی کرتے رہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب یہ تھا کہ قصور کا معاف کرنا کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کی حد مقرر کی جائے بلکہ حسن اخلاق اور ترحم کا تقاضا یہ ہے کہ اگر بالفرض وہ روزانہ ستر دفعہ بھی قصور کرے تو اس کو معاف ہی کر دیا جائے۔

ف:......جیسا کہ بار بار لکھا جا چکا ہے ستر کا عدد ایسے موقعوں پر تحدید کے لیے نہیں ہوتا بلکہ صرف تکثیر کے لیے ہوتا ہے اور خاص کر اس حدیث میں یہ بات بہت ہی واضح ہے۔

احسان

رحم ہی کی شاخوں میں سے یا یوں کہہ لیجئے کہ رحم کے ثمروں میں سے احسان کی صفت بھی ہے۔ احسان کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کے ساتھ اپنی طرف سے بھلائی کی جائے خواہ اس طرح کہ اس کو کوئی چیز بطور تحفہ دی جائے یا اس کا کوئی کام کر دیا جائے، اس کو آرام پہنچایا جائے یا کوئی ایسا کام کیا جائے جو اس کے لیے خوشی اور مسرت کا باعث ہو، یہ سب صورتیں احسان کی ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو ان سب کی ترغیب دی ہے۔

عَنْ اَنَسٍ وَعَبْدِ اللّٰهِ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْخَلْقُ عَيَالُ اللّٰهِ فَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَى اللّٰهِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰى عِيَالِهٖ. (رواه البيهقى فى شعب الايمان)

حضرت انس اور حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کی عیال ہے (یعنی سب مخلوق کی روزی اور ان کی ضروریات حیات کا حقیقتاً اللہ تعالیٰ ہی کفیل ہے جس طرح کہ کوئی آدمی اپنے اہل وعیال کی روزی اور اُن کی ضروریات کا مجازاً کفیل ہوتا ہے) پس اللہ کو اپنی ساری مخلوق میں زیادہ محبت ان بندوں سے ہے جو اس کی عیال (یعنی اس کی مخلوق) کے ساتھ احسان کریں۔ (بیہقی، شعب الایمان)

تشریح:......ہماری اس دنیا کا دستور بھی یہی ہے کہ جو کوئی کسی کے اہل وعیال کے ساتھ احسان کرے اس کے لیے دل میں خاص جگہ ہو جاتی ہے۔ اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ بھی یہی ہے کہ جو کوئی ان کی مخلوق کے ساتھ احسان کا برتاؤ کرے (جس کی مختلف صورتیں اوپر ذکر کی جا چکی ہیں) وہ اللہ تعالیٰ کو محبوب ہو جاتا ہے۔

ف:......یہ بات پہلے بھی بار بار ذکر کی جا چکی ہے اور یہاں بھی ملحوظ رہنی چاہیے کہ اس قسم کی بشارتوں کا تعلق صرف اُن بندوں سے ہوتا ہے جو کسی ایسے سنگین جرم کے مجرم نہ ہوں جو آدمی کو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور محبت سے بالکل ہی محروم کر دیتا ہو۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ ایک بادشاہ اعلان کرتا ہے کہ جو کوئی میری رعایا کے ساتھ اچھا سلوک کرے گا وہ میری محبت کا

مستحق ہوگا اور میں اُس کو انعامات سے نوازوں گا۔ تو ظاہر ہے کہ جو لوگ خود اس بادشاہ کے باغی ہوں گے یا دوسرے نا قابل معافی جرائم بطور پیشہ کے کرتے ہیں۔ (مثلاً قتل و غارت گری، ڈاکہ زنی وغیرہ) وہ اگر رعایا کے کچھ افراد کے ساتھ بڑے سے بڑا سلوک بھی کریں تب بھی وہ اس اعلان کی بنیاد پر بادشاہ کی محبت اور انعام کے مستحق نہیں ہوں گے اور یہی کہا جائے گا کہ اس شاہی فرمان کا تعلق ایسے باغیوں اور پیشہ ور مجرموں سے نہیں ہے۔

عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَكُوْنُوْا اِمَّعَةً تَقُوْلُوْنَ اِنْ اَحْسَنَ النَّاسُ اَحْسَنَّا وَاِنْ ظَلَمُوْا ظَلَمْنَا وَلٰكِنْ وَطِّنُوْا اَنْفُسَكُمْ اِنْ اَحْسَنَ النَّاسُ اَنْ تُحْسِنُوْا وَاِنْ اَسَاءُ فَلَا تَظْلِمُوْا. (رواہ الترمذی)

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم دوسروں کی دیکھا دیکھی کام کرنے والے نہ بنو کہ کہنے لگو کہ اگر اور لوگ احسان کریں گے تو ہم بھی احسان کریں گے اور اگر دوسرے لوگ ظلم کا رویہ اختیار کریں گے تو ہم بھی ویسا ہی کریں گے بلکہ اپنے دلوں کو اس پر پکا کرو کہ اگر اور لوگ احسان کریں تب بھی تم احسان کرو اور اگر لوگ برا سلوک کریں تب بھی تم ظلم اور برائی کا رویہ اختیار نہ کرو (بلکہ احسان ہی کرو)۔ (ترمذی)

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ دنیا میں خواہ احسان اور حسن سلوک کا چلن ہو یا ظلم اور بدسلوکی کا دور دورہ ہو، اہل ایمان کو چاہیے کہ ان کا رویہ دوسروں کے ساتھ احسان اور حسن سلوک ہی کا رہے۔ نیز یہ احسان صرف ان ہی لوگوں کے ساتھ نہ کیا جائے جو ہمارے ساتھ احسان کرتے ہوں بلکہ جو لوگ ہمارے ساتھ برا سلوک کریں ان کے ساتھ بھی ہم احسان ہی کا رویہ رکھیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مجھے میرے پروردگار کا حکم ہے کہ جو مجھ سے قطع رحم کرے میں اُس کے ساتھ صلہ رحمی کروں اور جو مجھے نہ دے جب میرے لیے دینے کا وقت آئے تو میں اُس کو بھی دوں۔“

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَضٰى لِاَحَدٍ مِنْ اُمَّتِىْ حَاجَةً يُرِيْدُ اَنْ يَّسُرَّهٗ بِهَا فَقَدْ سَرَّنِىْ وَمَنْ سَرَّنِىْ فَقَدْ سَرَّ اللّٰهَ وَمَنْ سَرَّ اللّٰهَ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ. (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کسی نے میرے کسی اُمتی کی کوئی حاجت پوری کردی اُس کا دل خوش کرنے کے لیے تو اُس نے مجھے خوش کیا اور جس نے مجھے خوش کیا اُس نے میرے اللہ کو خوش کیا اور جس نے اللہ کو خوش کیا، اللہ اُس کو جنت میں داخل فرمائے گا۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح:...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اُمتیوں کے ساتھ جو خاص تعلق ہے اس کا اندازہ اس حدیث سے بھی کیا جاسکتا ہے، اس میں فرمایا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی اُمتی کو خوش کرنے کے لیے اُس کا کوئی کام کردینا اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کرنا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش کرنے والا عمل ہے اور اس کا صلہ اللہ تعالیٰ کی خوشی اور جنت ہے۔

معمولی احسان بڑی نعمت ہے

عَنْ اَبِىْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُحَقِّرَنَّ اَحَدُكُمْ شَيْئًا مِنَ الْمَعْرُوْفِ فَاِنْ لَّمْ يَجِدْ فَلْيَلْقَ اَخَاهُ بِوَجْهٍ طَلِقٍ وَاِذَا اشْتَرَيْتَ لَحْمًا اَوْ طَبَخْتَ قِدْرًا فَاَكْثِرْ مَرَقَتَهٗ وَاغْرِفْ لِجَارِكَ مِنْهُ. (رواہ الترمذی)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی احسان کی کسی صورت اور کسی قسم کو بھی حقیر نہ سمجھے۔ پس اگر اپنے بھائی کو دینے کے لیے کچھ بھی نہ پائے تو اتنا ہی کرے کہ شگفتہ روئی کے ساتھ اُس سے ملاقات کرے (یہ بھی حسن سلوک کی ایک صورت ہے) اور جب تم گوشت خریدو یا ہانڈی پکاؤ تو اُس میں شوربا بڑھا دیا کرو، پھر چمچہ بھر اُس میں سے اپنے پڑوسی کے لیے بھی نکالا کرو۔ (جامع ترمذی)

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کو چاہیے کہ وہ اپنے اعزہ واقارب اور اپنے پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کیا کرے، حسب استطاعت ان کو تحفے دیا کرے اور اگر تحفہ دینے کے لیے کوئی زیادہ بڑھیا چیز نہ ہو تو جو کچھ میسر ہو وہی دیدے اور اس کو حقیر اور معمولی سمجھ کے دینے سے نہ رُکے اور اگر کچھ بھی میسر نہ ہو تو اتنا ہی کرے کہ شگفتہ روئی اور خندہ جبینی کے ساتھ ان سے ملا کرے، یہ بھی حسن سلوک کی ایک صورت ہے اور تحفہ تحائف کی طرح اس سے بھی باہمی محبت و تعلق میں اضافہ ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں غریب اور نادار آدمی بھی اتنا تو کر ہی سکتا ہے کہ جب کبھی گھر میں گوشت پکے تو اُس میں شوربا کچھ زیادہ کرلیا جائے اور کسی پڑوسی کے گھر بھی اُس میں سے بھیج دیا جائے۔

دراصل حسن سلوک کی ان آخری صورتوں کا ذکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور مثال کے کیا ہے ورنہ مطلب یہ ہے کہ جس سے جو ہو سکے وہ دوسروں کے ساتھ احسان کرے۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُحَقِّرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ شَيْئًا وَاِنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ اَنْ تَلْقَ اَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلِقٍ وَاَنْ تُفْرِغَ مِنْ دَلْوِكَ فِيْ اِنَاءِ اَخِيْكَ. (رواه الترمذی)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم حسن سلوک کی کسی صورت اور کسی قسم کو بھی حقیر مت سمجھو اور اس کی ایک صورت (جس میں کچھ خرچ بھی نہیں ہوتا) یہ بھی ہے کہ تم اپنے بھائی سے شگفتہ روئی کے ساتھ ملو اور یہ بھی (حسن سلوک میں سے ہے) کہ تم اپنے ڈول سے اپنے بھائی کے برتن میں پانی ڈال دو۔ (جامع ترمذی)

تشریح:...... اس حدیث میں اپنے بھائی کے برتن میں اپنے ڈول سے پانی ڈالنے کا ذکر بھی بطور مثال ہی کے کیا گیا ہے اور مقصد صرف یہ ہے کہ اپنے بھائی کی جو خدمت اور مدد تم کر سکتے ہو اور اُس کو جو آرام تم پہنچا سکتے ہو اور جس طرح تم اُس کے کام آ سکتے ہو اس میں دریغ نہ کرو، اللہ کی نظر میں یہ سب احسان ہی کی صورتیں ہیں۔

اگر آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان ہدایات پر عمل کیا جائے تو کیسی محبت و مودت کی فضا ہو اور کیسا بھائی چارہ ہو۔ ان حدیثوں نے یہ بھی بتایا کہ کسی پر احسان کرنا دولت مندی پر موقوف نہیں ہے بلکہ اس فضیلت میں غرباء بھی اپنی غربت اور ناداری کے ساتھ امیروں کے شریک ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان قیمتی ہدایات کی قدر کرنے اور ان سے فائدہ اُٹھانے کی ہم سب کو توفیق دے۔

ایثار

احسان کا ایک اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ آدمی ایک چیز کا خود ضرورت مند ہو لیکن جب کوئی دوسرا حاجت مند اس کے سامنے آ جائے تو وہ چیز اُس کو دے دے اور خود تکلیف اُٹھالے، اسی کا نام ایثار ہے اور بلاشبہ انسانی اخلاق میں اس کا مقام بہت بلند ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خود اپنا طرزِ عمل بھی یہی تھا اور دوسروں کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تعلیم اور ترغیب دیتے تھے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُؤْمِنُ مَالَفٌ وَلَا خَيْرَ فِيْمَنْ لَا يَاْلَفُ وَلَا يُؤْلَفُ. (رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مؤمن تو الفت ومحبت کا مرکز ہے اور اس آدمی میں کوئی بھلائی نہیں جو دوسروں سے الفت نہیں کرتا اور دوسرے اس سے الفت نہیں کرتے۔ (مسند احمد وشعب الایمان بیہقی)

تشریح:......مطلب یہ ہے کہ بندہ مؤمن کو اُنس ومحبت کا مرکز ہونا چاہیے کہ وہ خود دوسروں سے محبت کرے اور دوسرے اس سے محبت کریں اور مانوس ہوں، اگر کسی شخص میں یہ بات نہیں ہے تو گویا اس میں کوئی خیر نہیں نہ وہ دوسروں کو کوئی نفع پہنچا سکے گا اور نہ دوسرے لوگ اس سے نفع اُٹھا سکیں گے۔ اس حدیث میں اُن خشک مزاج متقشف حضرات کے لیے خاص سبق ہے جو سب سے بے تعلق رہنے ہی کو دین کا تقاضا سمجھتے ہیں اور اس لیے نہ وہ خود دوسروں سے مانوس ہوتے ہیں اور نہ دوسروں کو اپنے سے مانوس کرتے ہیں۔ البتہ مؤمن کی یہ محبت والفت اور دوسروں سے مانوس ہونا اور ان کو اپنے سے مانوس کرنا سب اللہ ہی کے لیے اور اس کے احکام کے تحت ہونا چاہیے۔ "مَحْيَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ."

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَحَبَّ الْاَعْمَالِ اِلَی اللّٰهِ تَعَالٰی اَلْحُبُّ فِی اللّٰهِ وَالْبُغْضُ فِی اللّٰهِ (رواہ ابو داؤد)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندوں کے اعمال میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب وہ محبت ہے جو اللہ کے لیے ہو اور وہ بغض وعداوت ہے جو اللہ کے لیے ہو۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح:......کسی بندہ کا یہ حال ہو جانا کہ وہ صرف اللہ کے لیے محبت کرے اور اللہ ہی کے لیے کسی سے بغض رکھے۔ بلاشبہ بہت اونچا مقام ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ ایمان کی مضبوط ترین دستاویز اللہ کے لیے محبت وتعلق جوڑنا اور اللہ کے لیے کسی سے تعلق توڑنا ہے۔

عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اَحَبَّ عَبْدٌ عَبْدًا لِلّٰهِ اِلَّا اَكْرَمَ رَبَّهٗ عَزَّوَجَلَّ. (رواہ احمد)

حضرت ابو امامہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس بندہ نے بھی اللہ کے لیے کسی بندہ سے محبت کی، اُس نے اپنے رب عز وجل ہی کی عظمت وتوقیر کی۔ (مسند احمد)

تشریح:......یعنی کسی بندہ کا کسی دوسرے بندے سے اللہ تعالیٰ کیلئے اور اللہ کے تعلق سے محبت کرنا دراصل اللہ تعالیٰ کی عظمت کا حق ادا کرنا ہے اور اس طرح اسکا شمار اللہ تعالیٰ کی عبادات میں ہے۔

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَجَبَتْ مُحَبَّتِیْ لِلْمُتَحَابِّيْنَ فِیَّ وَالْمُتَجَالِسِيْنَ فِیَّ وَالْمُتَزَاوِرِيْنَ فِیَّ وَالْمُتَبَاذِلِيْنَ فِیَّ. (رواہ مالک)

حضرت معاذ بن جبل سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میری محبت واجب ہے ان لوگوں کے لیے جو باہم میری وجہ سے محبت کریں اور میری وجہ سے اور میرے تعلق سے کہیں جڑ کر بیٹھیں

اور میری وجہ سے باہم ملاقات کریں اور میری وجہ سے ایک دوسرے پر خرچ کریں۔ (موطا امام مالک)

تشریح:...... اللہ کے جن بندوں نے اپنی محبت وچاہت اور اپنے ظاہری و باطنی تعلق کو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے تحت کر دیا ہے اور ان کا حال یہ ہے کہ وہ جس سے محبت کرتے ہیں اللہ کے لیے کرتے ہیں جس کے پاس بیٹھتے ہیں اللہ کے لیے بیٹھتے ہیں جس سے ملتے ہیں اللہ کے لیے ملتے ہیں جو کچھ ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ہی کی رضا جوئی کیلئے کرتے ہیں۔ بیشک اللہ کے یہ بندے اس کے مستحق ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی خاص رضا اور محبت ان کو نصیب ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کے اس بشارتی منشور کا اعلان فرمایا ہے کہ میرے ان بندوں کے لیے میری محبت واجب اور مقرر ہو چکی ہے، میں ان سے محبت کرتا ہوں، ان سے راضی ہوں اور وہ میرے محبوب اور پسندیدہ بندے ہیں۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنَ الْمُتَحَابِّيْنَ فِيْكَ وَالْمُتَجَالِسِيْنَ فِيْكَ وَالْمُتَزَاوِرِيْنَ فِيْكَ وَالْمُتَبَاذِلِيْنَ فِيْكَ.

(اے اللہ! ہمیں اپنے اُن بندوں میں سے کر دیجئے جو تیرے ہی لیے آپس میں محبت کرتے ہیں، تیرے ہی لیے باہم جڑ کر بیٹھتے ہیں، تیرے ہی لیے آپس میں ملتے ہیں اور تیری ہی رضا کے لیے ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہیں۔)

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ رَجُلاً زَارَ اَخًا لَهُ فِىْ قَرْيَةٍ اُخْرىٰ فَاَرْصَدَ اللّٰهُ لَهُ عَلٰى مَدْرَجَتِهٖ مَلَكًا، قَالَ اَيْنَ تُرِيْدُ قَالَ اُرِيْدُ اَخًالِىْ فِىْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ قَالَ هَلْ لَكَ مِنْ نِعْمَةٍ تَرُبُّهَا قَالَ لَاغَيْرَ اَنِّىْ اَحْبَبْتُهٗ فِى اللّٰهِ قَالَ فَاِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكَ بِاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَبَّكَ كَمَا اَحْبَبْتَهٗ فِيْهِ. (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ ایک شخص اپنے ایک بھائی سے جو دوسری ایک بستی میں رہتا تھا، ملاقات کے لیے چلا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی راہ گزر پر ایک فرشتہ کو منتظر بنا کے بٹھا دیا۔ (جب وہ شخص اس مقام سے گزرا تو) فرشتہ نے اس سے پوچھا، تمہارا کہاں کا ارادہ ہے؟ اُس نے کہا، میں اس بستی میں رہنے والے اپنے ایک بھائی سے ملنے جا رہا ہوں۔ فرشتہ نے کہا، کیا اُس پر تمہارا کوئی احسان ہے اور کوئی حق نعمت ہے جس کو تم پورا اور پختہ کرنے کے لیے جا رہے ہو۔ اس بندہ نے کہا، نہیں! میرے جانے کا باعث اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اللہ کے لیے مجھے اس بھائی سے محبت ہے (یعنی بس اسی للّٰہی محبت کے تعلق اور تقاضے سے میں اس کی زیارت اور ملاقات کے لیے جا رہا ہوں) فرشتہ نے کہا میں تمہیں بتاتا ہوں کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے تمہارے پاس یہ بتانے کے لیے بھیجا ہے کہ اللہ تم سے محبت کرتا ہے جیسا کہ تم اللہ کے لیے اس کے اس بندہ سے محبت کرتے ہو۔ (صحیح مسلم)

تشریح:...... یہ واقعہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں بیان فرمایا ہے، بظاہر کسی اگلی اُمت کے کسی فرد کا ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کبھی کبھی فرشتے اللہ کے حکم سے کسی غیر نبی کے پاس بھی آ سکتے ہیں اور اس سے اس طرح کی باتیں دوبدو کر سکتے ہیں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام کا اللہ کے حکم سے حضرت مریم صدیقہ کے پاس آنا اور ان سے باتیں کرنا قرآن مجید میں بھی مذکور ہے۔ حالانکہ معلوم ہے کہ حضرت مریم نبی نہ تھیں۔

اس واقعہ کی اصل روح اور اس کے بیان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص مقصد اس حقیقت کا واضح کرنا تھا کہ اللہ

کے کسی بندہ کا اپنے کسی بھائی سے اللہ کے لیے محبت کرنا اور اس للّٰہی محبت کے تقاضے سے اس سے ملاقات کرنے کے لیے جانا ایسا عمل ہے جو اس محبت کرنے والے بندے کو اللہ تعالیٰ کا محبوب بنا دیتا ہے اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص فرشتہ کے ذریعہ اس کو اپنی محبت کا پیغام پہنچاتا ہے۔ "فَطُوْبٰی لَهُمْ وَبُشْرٰی لَهُمْ" (ان کو مبارک ہو ان کو بشارت ہو)

عَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ لَاُنَاسًا مَاهُمْ بِاَنْبِيَاءَ وَلَا شُهَدَاءَ يَغْبِطُهُمُ الْاَنْبِيَاءُ وَالشُّهَدَاءُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ بِمَكَانِهِمْ مِنَ اللّٰهِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُخْبِرُنَا مَنْ هُمْ؟ قَالَ هُمْ قَوْمٌ تَحَابُّوْا بِرُوْحِ اللّٰهِ عَلٰى غَيْرِ اَرْحَامٍ بَيْنَهُمْ وَاَمْوَالٍ يَتَعَاطَوْنَهَا فَوَاللّٰهِ اِنَّ وُجُوْهَهُمْ لَنُوْرٌ وَاِنَّهُمْ لَعَلٰى نُوْرٍ لَا يَخَافُوْنَ اِذَا خَافَ النَّاسُ وَلَا يَحْزَنُوْنَ اِذَا حَزِنَ النَّاسُ وَقَرَءَ هٰذِهِ الْاٰيَةَ اَلَا اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ. (رواہ ابو داؤد)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اللہ کے بندوں میں سے کچھ ایسے خوش نصیب بھی ہیں جو نبی یا شہید تو نہیں ہیں لیکن قیامت کے دن بہت سے انبیاء اور شہداء ان کے خاص مقام قرب کی وجہ سے ان پر رشک کریں گے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا' یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں بتلا دیجئے کہ وہ کون بندے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ لوگ وہ ہیں جنہوں نے بغیر کسی رشتہ اور قرابت کے اور بغیر کسی مالی لین دین کے روح خداوندی کی وجہ سے باہم محبت کی۔ پس قسم ہے خدا کی' ان کے چہرے قیامت کے دن نورانی ہوں گے بلکہ سراسر نور ہوں گے اور وہ نور کے منبروں پر ہوں گے اور عام انسانوں کو جس وقت خوف و ہراس ہوگا اس وقت وہ بے خوف اور مطمئن ہوں گے اور جس وقت عام انسان مبتلائے غم ہوں گے وہ اس وقت بے غم ہوں گے اور اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی: "اَلَا اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ" (معلوم ہونا چاہیے کہ جو اللہ کے دوست اور اس سے خاص تعلق رکھنے والے ہیں' ان کو خوف و غم نہ ہوگا)۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح:...... اس دنیا میں خونی رشتہ اور قرابت کی وجہ سے محبت و تعلق کا ہونا ایک ایسی عمومی اور فطری بات ہے جو انسانوں کے علاوہ عام جانوروں بلکہ درندوں میں بھی موجود ہے اسی طرح اگر کوئی شخص کسی کی مالی امداد کرتا ہے اس کو ہدیے اور تحفے دیتا ہے تو اس میں اُس محسن کی محبت پیدا ہو جانا بھی ایک ایسی فطری بات ہے جو کافروں' مشرکوں اور فاسقوں فاجروں میں بھی پائی جاتی ہے لیکن کسی رشتہ اور قرابت کے بغیر اور کسی مالی لین دین اور کسی ہدیے اور تحفے کے بغیر محض اللہ کے دین کے تعلق سے کسی سے محبت کرنا ایک ایسی ایمانی صفت ہے جس کی اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑی قدر و قیمت ہے اور اس کی وجہ سے بندہ اللہ تعالیٰ کا خاص محبوب و مقرب بن جاتا ہے اور قیامت میں اس پر اللہ تعالیٰ کی ایسی نوازشیں ہوں گی کہ انبیاء علیہم السلام اور شہداء اس پر رشک کریں گے۔

اس کا مطلب یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ لوگ اس درجہ اور مرتبہ میں انبیاء و شہداء سے افضل اور بلند تر ہوں گے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کم درجے کے کسی آدمی کو کسی خاص اچھی حالت میں دیکھ کر اس سے اونچے درجے والوں کو بھی اس پر رشک آنے لگتا ہے۔ یہ بات عقل و منطق کے لحاظ سے اگرچہ بہت سوں کو مستبعد معلوم ہوگی لیکن واقعات کی دنیا میں بکثرت ایسا

ہوتا رہتا ہے اس لیے جو کچھ کہا گیا ہے یہ زبردستی کی تاویل نہیں ہے بلکہ واقعی حقیقت ہے۔

یہ بندگان خدا جن کے مقام قرب پر انبیاء وشہداء کو رشک آئے گا۔ حدیث میں ان کا تعارف ان الفاظ میں کرایا گیا ہے: "هُمْ قَوْمٌ تَحَابُّوْا بِرُوْحِ اللّٰه" اس لفظ روح کو ر کے پیش کے ساتھ "رُوْح" بھی پڑھا گیا ہے اور زبر کے ساتھ رَوْح بھی۔ ہمارے نزدیک دونوں صورتوں میں اس سے اللہ کا دین مراد ہے اور مطلب یہی ہے کہ یہ وہ بندگان خدا ہوں گے جنہوں نے اس دنیوی زندگی میں اللہ کے دین کے تعلق سے باہم محبت والفت کی۔ دین اس اخروی زندگی کے لیے جو اصل زندگی ہے بمنزلہ روح کے بھی ہے اور وہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی خاص نعمت اور رحمت بھی ہے اور روح کے معنی رحمت، نعمت اور راحت کے ہیں۔ الغرض اس لفظ کو خواہ ر کے پیش کے ساتھ پڑھا جائے یا زبر کے ساتھ، ہر حال میں مطلب ایک ہی ہوگا۔

حدیث کے آخری حصے میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ کے دین کے تعلق سے باہم محبت کرنے والے ان بندگان خدا پر اللہ تعالیٰ کا ایک خاص الخاص انعام یہ ہوگا کہ قیامت کے دن جبکہ عام انسانوں پر خوف اور غم چھایا ہوا ہوگا، ان کے دلوں پر خوف اور غم کا کوئی اثر نہ ہوگا اور یہ بالکل مطمئن اور اللہ تعالیٰ کے خاص فضل وکرم سے شاداں وفرحاں ہوں گے۔ **لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ**

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَيْنَ الْمُتَحَابُّوْنَ بِجَلَالِىْ اَلْيَوْمَ اُظِلُّهُمْ فِىْ ظِلِّىْ يَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلِّىْ. (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ کہاں ہیں میرے وہ بندے جو میری عظمت وجلال کی وجہ سے آپس میں الفت ومحبت رکھتے تھے؟ آج جب کہ میرے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہیں ہے، میں اپنے ان بندوں کو اپنے سایہ میں جگہ دوں گا۔ (صحیح مسلم)

تشریح:...... اللہ تعالیٰ خبیر وبصیر ہے، کائنات کا کوئی ذرہ اس کی نگاہ سے اوجھل نہیں ہے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ میرے وہ بندے کہاں ہیں؟ دراصل استفہام واستفسار کے لیے نہ ہوگا بلکہ میدان حشر میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ پکار علیٰ رؤس الاشہاد اس لیے بلند ہوگی کہ اُن بندگان خدا کی یہ مقبولیت ومحبوبیت سارے اہل محشر اور تمام اولین وآخرین کے سامنے ظاہر ہو جائے اور سب سن لیں اور دیکھ لیں کہ اللہ کے لیے محبت کرنے والوں کا مقام اور مرتبہ اللہ کے یہاں کیا ہے اور حدیث میں اللہ کے سایہ سے مراد غالباً اس کے عرش کا سایہ ہے۔ جیسا کہ بعض دوسری حدیثوں میں تصریح بھی ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ تَقُوْلُ فِىْ رَجُلٍ اَحَبَّ قَوْمًا وَلَمْ يَلْحَقْ بِهِمْ فَقَالَ الْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیا فرماتے ہیں ایسے شخص کے بارے میں جس کو ایک جماعت سے محبت ہے لیکن وہ ان کے ساتھ نہیں ہوسکا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو آدمی جس سے محبت رکھتا ہے اس کے ساتھ ہی ہے۔ (یا یہ کہ آخرت میں اس کے ساتھ کر دیا جائے) (صحیح بخاری صحیح مسلم)

تشریح:...... سائل کا مقصد بظاہر یہ دریافت کرنا تھا کہ جو شخص اللہ کے کسی خاص صالح اور متقی بندہ سے یا اہل صلاح وتقویٰ

کے کسی گروہ سے محبت رکھتا ہو لیکن عمل اور سیرت میں بالکل ان کے قدم بقدم اور ان کے درجہ کا نہ ہو بلکہ ان سے کچھ پیچھے ہو تو اس کا انجام کیا ہوگا؟ اور اس بناء پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کا حاصل یہ ہوگا کہ یہ شخص عمل میں کچھ پیچھے ہونے کے باوجود ان بندگانِ خدا کے ساتھ کر دیا جائے گا جن کے ساتھ اس کو اللہ کے لیے اور دین کے تعلق سے محبت تھی۔ اس سے اگلی حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں سوال کے الفاظ زیادہ واضح ہیں۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الصَّامِتِ عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ اَنَّهٗ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلرَّجُلُ یُحِبُّ الْقَوْمَ وَلَا یَسْتَطِیْعُ اَنْ یَّعْمَلَ کَعَمَلِهِمْ؟ قَالَ اَنْتَ یَا اَبَا ذَرٍّ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ قَالَ فَاِنِّیْ اُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ قَالَ فَاِنَّکَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ قَالَ فَاَعَادَهَا اَبُوْ ذَرٍّ فَاَعَادَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ. (رواہ ابو داؤد)

حضرت عبداللہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے (ابوذر نے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا، یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک آدمی ہے اس کو اللہ کے خاص بندوں سے محبت ہے لیکن وہ اس سے عاجز ہے کہ ان کے سے عمل کر سکے (تو اس بیچارہ کا انجام کیا ہوگا؟) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ابوذر! تم کو جس سے محبت ہوگی تم اُسی کے ساتھ ہوگے۔ ابوذر نے عرض کیا، حضرت! مجھے تو اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے محبت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پس تم ان ہی کے پاس اور ان ہی کے ساتھ رہو گے جن سے تم کو محبت ہے۔ یہ جواب سن کر ابوذر نے اپنی بات دُہرائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں پھر وہی ارشاد فرمایا جو پہلی دفعہ ارشاد فرمایا تھا۔ (سنن ابی داؤد)

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَجُلاً قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَتَی السَّاعَةُ قَالَ وَیْلَکَ وَمَا اَعْدَدْتَ لَهَا قَالَ مَا اَعْدَدْتُ لَهَا اِلَّا اَنِّیْ اُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ قَالَ اَنْتَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ قَالَ اَنَسٌ فَمَا رَأَیْتُ الْمُسْلِمِیْنَ فَرِحُوْا بِشَیْءٍ بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ فَرَحَهُمْ بِهَا. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ حضرتؐ! قیامت کب آئے گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وائے بر حال تو (تو قیامت کا وقت اور اس کے آنے کی خاص گھڑی دریافت کرنا چاہتا ہے، بتلا) تو نے اس کے لیے کیا تیاری کی ہے؟ اس نے عرض کیا، میں نے اس کے لیے کوئی خاص تیاری تو نہیں کی (جو آپ کے سامنے ذکر کرنے کے لائق اور بھروسہ کے قابل ہو) البتہ (توفیق الٰہی سے مجھے یہ ضرور نصیب ہے کہ) مجھے محبت ہے اللہ سے اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تجھ کو جس سے محبت ہے تو ان ہی کے ساتھ ہے اور تجھ کو ان کی معیت نصیب ہوگی۔ حدیث کے راوی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس حدیث کو بیان فرمانے کے بعد فرماتے ہیں کہ میں نے نہیں دیکھا مسلمانوں کو (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو) کہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد ان کو کسی چیز سے اتنی خوشی ہوئی ہو جتنی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بشارت سے ہوئی۔ (صحیح بخاری صحیح مسلم)

تشریح: ...... اسی حدیث کی ایک روایت میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا آخری فقرہ اس طرح بھی نقل کیا گیا ہے:

فَمَا فَرِحْنَا بِشَیْءٍ فَرَحَنَا بِقَوْلِهٖ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنْتَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ فَاَنَا اُحِبُّ النَّبِیَّ صَلَّی

اَللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَبَا بَکْرٍ وَعُمَرَ وَاَرْجُوْ اَنْ اَکُوْنَ مَعَھُمْ بِحُبِّیْ اِیَّاھُمْ وَاِنْ لَمْ اَعْمَلْ اَعْمَالَھُمْ.

ہم لوگوں کو (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو) کبھی کسی بات سے اتنی خوشی نہیں ہوئی جتنی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوئی کہ "انت مع من احببت" (تم جس سے محبت کرتے ہو اُسی کے ساتھ ہو) پس میں بحمد اللہ محبت رکھتا ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اور میں اُمید رکھتا ہوں کہ اپنی اس محبت ہی کی وجہ سے مجھے ان کا ساتھ نصیب ہوگا۔ اگر چہ میرے اعمال ان حضرات کے سے نہیں ہیں۔ ناظرین کو ان حدیثوں کے متعلق دو باتیں خاص طور سے سمجھ لینی چاہئیں:

اول یہ کہ ساتھ ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ محبت کی وجہ سے محبّ و محبوب کا درجہ اور مرتبہ بالکل ایک ہو جائے گا اور دونوں کے ساتھ بالکل یکساں معاملہ ہوگا بلکہ یہ ساتھ ہونا اپنے اپنے حال اور اپنے اپنے درجہ کے لحاظ سے ایسا ہی ہوگا جیسا کہ دنیا میں بھی خادم اپنے مخدوموں کے ساتھ اور تابع اپنے متبوعوں کے ساتھ ہوتے ہیں اور بلاشبہ یہ بھی بہت بڑا اشرف اور بہت بڑی نعمت ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ محبت کے لیے اطاعت لازم ہے یہ ناممکن ہے کہ کسی کو اللہ اور اس کے رسول سے محبت ہو اور اس کی زندگی بغاوت اور معصیت کی ہو۔ پس جو لوگ آزادی اور بے فکری کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں وہ اگر اللہ و رسول کی محبت کا دعویٰ کریں تو جھوٹے ہیں اور اگر واقعہ میں وہ خود بھی اپنے کو اہل محبت میں سے سمجھیں تو بڑے فریب میں مبتلا ہیں۔ حضرت رابعہ نے ایسے ہی مدعیان محبت سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے اور بالکل صحیح فرمایا ہے:

تُعْصِیْ الْاِلٰہَ وَاَنْتَ تُظْھِرُ حُبَّہٗ ھٰذَا لَعُمْرِیْ فِی الْقِیَاسِ بَدِیْعٗ
لَوْ کَانَ حُبُّکَ صَادِقًا لَاَطَعْتَہٗ اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ یُّحِبُّ مُطِیْعٗ

(یعنی اے محبت کے جھوٹے مدعی! تو اللہ کی نافرمانی کرتا ہے اور اس کی محبت کا دعویٰ کرتا ہے عقل و قیاس کے لحاظ سے یہ بات بہت ہی عجیب ہے اگر تو دعویٰ محبت میں سچا ہوتا تو اس کی فرمانبرداری کرتا کیونکہ ہر محبّ اپنے محبوب کی بات دل و جان سے مانا کرتا ہے)

بہر حال اللہ و رسول کی محبت کے لیے ان کی اطاعت لازم ہے بلکہ حق یہ ہے کہ کامل اطاعت محبت ہی سے پیدا ہوتی ہے۔ ع

عاشقی چیست بگو بندۂ جاناں بودن

اور اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنے والوں کو انبیاء و صدیقین اور شہداء و صالحین کی معیت اور رفاقت کی بشارت خود قرآن مجید میں بھی دی گئی ہے:

وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا (النساء ۴: ۶۹)

پس اس آیت اور مندرجہ بالا احادیث کے مضمون میں گویا تعبیر اور عنوان ہی کا فرق ہے۔ یہ بات حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت کردہ اس حدیث سے اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے جس کو حافظ ابن کثیر نے سورۂ نساء کی اس آیت کا شان نزول بیان کرتے ہوئے اپنی تفسیر میں ابن مردویہ اور طبرانی کی سند سے نقل کیا ہے۔ حاصل اس کا یہ ہے کہ:

ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے اپنی بیوی

اپنی اولاد اور اپنی جان سے بھی زیادہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے اور میرا حال یہ ہے کہ میں اپنے گھر پر ہوتا ہوں اور حضورؐ مجھے یاد آ جاتے ہیں تو اس وقت تک مجھے صبر اور قرار نہیں آتا جب تک حاضر خدمت ہو کر ایک نظر دیکھ نہ لوں اور جب میں اپنے مرنے کا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا خیال کرتا ہوں تو میری سمجھ میں یہ آتا ہے کہ وفات کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو جنت میں پہنچ کر انبیاء علیہم السلام کے بلند مقام پر پہنچا دیئے جائیں گے اور میں اگر اللہ کی رحمت سے جنت میں بھی گیا تو میری رسائی اس عالی مقام تک تو نہ ہو سکے گی' اس لیے آخرت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے بظاہر محرومی ہی رہے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس شخص کی اب بات کا کوئی جواب اپنی طرف سے نہیں دیا' یہاں تک کہ سورۂ نساء کی یہ آیت نازل ہوئی:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا (النساء: ع:۷)

(اور جو لوگ فرمانبرداری کریں اللہ کی اور اُس کے رسول کی' پس وہ اللہ کے ان خاص مقرب بندوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ کا خاص انعام ہے یعنی انبیاء صدیقین' شہداء اور صالحین' اور یہ سب بڑے ہی اچھے رفیق ہوں گے)

گویا اس آیت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس محبّ صادق کو اور دوسرے تمام اہل محبت کو خوش خبری سنائی کہ جب تم کو سچی محبت ہے تو تم اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری ضرور کرو گے اور پھر تم کو جنت میں اللہ کے خاص مقرب بندوں کی معیت اور رفاقت بھی نصیب ہو گی۔

چونکہ محبت کے بارے میں بہت سے لوگوں کو غلط فہمی ہوتی ہے اور وہ ناواقفی اور کم غوری کی وجہ سے محبت و اطاعت کے باہمی لزوم کو پیش نظر نہیں رکھتے اس لیے اس موقعہ پر تھوڑی سی تفصیل ضروری سمجھی گئی: اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا حُبَّكَ وَحُبَّ رَسُوْلِكَ وَحُبَّ مَنْ يَّنْفَعُنَا حُبُّهٗ عِنْدَكَ. (اے اللہ! ہم کو اپنی اور اپنے رسول کی محبت عطا فرما اور جن بندوں کی محبت تیرے نزدیک ہمارے لیے نفع بخش ہو اُن سب کی محبت ہم کو عطا فرما)۔

اسلامی اخوت و ہمدردی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سازی دنیا کے لیے آب رحمت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی عام مخلوق اور عام انسانوں کے ساتھ ترحم اور حسن سلوک کے بارے میں اپنے ماننے والوں کو جو ہدایات دی ہیں اور جو نصیحتیں فرمائی ہیں ان میں سے بعض گزشتہ اوراق میں درج کی جا چکی ہیں لیکن آپ کو اللہ کا پیغمبر ماننے والی اُمت چونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے دینی رشتہ کے ذریعہ ایک برادری بنا دی گئی ہے اور اب رہتی دنیا تک اس برادری ہی کو نبوت کی نیابت اور نمائندگی کرنی ہے اور یہ تب ہی ممکن ہے جبکہ اُمت کے مختلف افراد اور عناصر دینی اخوت للّٰہی محبت' مخلصانہ ہمدردی و خیر خواہی اور بے غرضانہ تعاون کے ذریعہ ایک وحدت بنے رہیں اور ان کے دل آپس میں پوری طرح جڑے رہیں' اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیم میں اس پر خاص الخاص زور دیا ہے۔ اس سلسلہ کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ تر ارشادات تو وہ ہیں جن کا ''معاشرت'' کے ابواب

میں درج ہونا زیادہ مناسب ہوگا لیکن دو ایک حدیثوں کا یہاں ''اخلاق'' کے سلسلہ ہی میں درج کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ تَرَاحُمِهِمْ وَتَوَادِّهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ اِذَا اشْتَكٰى عَضْوًا تَدَاعٰى لَهٗ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهْرِ وَالْحُمّٰى. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ایمان والوں کو باہم ایک دوسرے پر رحم کھانے، محبت کرنے اور شفقت و مہربانی کرنے میں تم جسم انسانی کی طرح دیکھو گے کہ جب اُس کے کسی ایک عضو کو بھی تکلیف ہوتی ہے تو جسم کے باقی سارے اعضاء بھی بخار اور بے خوابی میں اس کے شریک حال ہو جاتے ہیں۔ (بخاری ومسلم)

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ مجھ پر ایمان لانے والوں میں باہم ایسی محبت و مودت، ایسی ہمدردی اور ایسا دلی تعلق ہونا چاہیے کہ دیکھنے والی ہر آنکھ ان کو اس حال میں دیکھے کہ اگر ان میں سے کوئی ایک کسی مصیبت میں مبتلا ہو تو سب اس کو اپنی مصیبت سمجھیں اور سب اس کی فکر اور بے چینی میں شریک ہوں اور اگر ایمان کے دعوے کے باوجود یہ بات نہیں ہے تو سمجھ لینا چاہیے کہ حقیقی اور کامل ایمان نصیب نہیں ہے۔ ایمان والوں کی یہی صفت قرآن مجید میں ''رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ'' کے مختصر الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔

عَنْ اَبِيْ مُوْسٰى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهٗ بَعْضًا ثُمَّ شَبَّكَ بَيْنَ اَصَابِعِهٖ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان والوں کا تعلق دوسرے ایمان والوں سے ایک مضبوط عمارت کے اجزاء کا سا ہونا چاہیے کہ وہ باہم ایک دوسرے کی مضبوطی کا ذریعہ بنتے ہیں (اور ان کے جڑے رہنے سے عمارت کھڑی رہتی ہے) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایمان والوں کے اس باہمی تعلق کا نمونہ دکھانے کے لیے) اپنے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال دیں (اور بتایا کہ مسلمانوں کو اس طرح باہم مل کر ایک ایسی مضبوط دیوار بن جانا چاہیے جس کی اینٹیں باہم پیوستہ اور ایک دوسرے سے جڑی ہوئی ہوں اور کہیں ان میں کوئی خلا نہ ہو) (بخاری ومسلم)

مندرجہ بالا حدیثوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح مسلمانوں کو باہم محبت و ہمدردی کا برتاؤ کرنے اور ایک جسم و جان بن کر رہنے کی تاکید فرمائی ہے اسی طرح اس کے خلاف برتاؤ کرنے، مثلاً ایک دوسرے کے ساتھ بدگمانی رکھنے، بدگوئی کرنے، بے تعلق رکھنے، اس کی مصیبت پر خوش ہونے، اس کو ایذاء پہنچانے اور حسد یا کینہ رکھنے کی سخت مذمت اور انتہائی تاکیدوں کے ساتھ ممانعت فرمائی ہے۔ اس سلسلہ کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات یہ ہیں:

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَكْذَبُ الْحَدِيْثِ وَلَا تَحَسَّسُوْا وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا تَنَاجَشُوْا وَلَا تَحَاسَدُوْا وَلَا تَبَاغَضُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا وَكُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم دوسروں کے متعلق

بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے، تم کسی کی کمزوریوں کی ٹوہ میں نہ رہا کرو اور جاسوسوں کی طرح رازدارانہ طریقے سے کسی کے عیب معلوم کرنے کی کوشش بھی نہ کیا کرو اور نہ ایک دوسرے پر بڑھنے کی بے جا ہوس کرو، نہ آپس میں حسد کرو، نہ بغض وکینہ رکھو اور نہ ایک دوسرے سے منہ پھیرو بلکہ اے اللہ کے بندو! اللہ کے حکم کے مطابق بھائی بھائی بن کر رہو۔ (بخاری ومسلم)

اس حدیث میں جن جن چیزوں سے ممانعت فرمائی گئی ہے یہ سب وہ ہیں جو دلوں میں بغض وعداوت پیدا کر کے آپس کے تعلقات کو خراب کرتی ہیں۔ سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدگمانی کا ذکر فرمایا، یہ ایک قسم کا جھوٹا وہم ہے جو شخص اس بیماری میں مبتلا ہو اس کا حال یہ ہوتا ہے کہ جس کسی سے اس کا ذرا سا اختلاف ہو اُس کے ہر کام میں اس کو بدنیتی ہی بدنیتی معلوم ہوتی ہے، پھر محض اس وہم اور بدگمانی کی بناء پر وہ اس کی طرف بہت سی انہونی باتیں منسوب کرنے لگتا ہے پھر اس کا اثر قدرتی طور پر ظاہری برتاؤ پر بھی پڑتا ہے، پھر اس دوسرے شخص کی طرف سے بھی اس کا ردعمل ہوتا ہے اور اس طرح دل پھٹ جاتے ہیں اور تعلقات ہمیشہ کے لیے خراب ہو جاتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں بدگمانی کو "اَكْذَبُ الْحَدِيْثِ" فرمایا ہے یعنی سب سے جھوٹی بات۔ بظاہر اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی کے خلاف زبان سے اگر جھوٹی بات کہی جائے تو اس کا سخت گناہ ہونا ہر مسلمان جانتا ہے لیکن کسی کے متعلق بدگمانی کو اتنی بری بات نہیں سمجھا جاتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متنبہ فرمایا کہ یہ بدگمانی بھی بہت بڑا بلکہ سب سے بڑا جھوٹ ہے اور دل کا یہ گناہ زبان والے جھوٹ سے کم نہیں ہے۔

اور جس طرح اس حدیث میں بدگمانی کی شناعت اور قباحت کو ان الفاظ سے ظاہر فرمایا گیا ہے اسی طرح ایک دوسری حدیث میں نیک گمانی کو بہترین عبادت بتایا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

"حُسْنُ الظَّنِّ مِنْ حُسْنِ الْعِبَادَةِ" (رواه احمد و ابو داؤد عن ابی هريرة)

پھر بدگمانی کے بعد اور جن جن بری عادتوں سے اس حدیث میں ممانعت فرمائی گئی ہے یعنی کسی کی کمزوریوں کی ٹوہ میں رہنا، دوسروں میں عیبوں کا تجسس کرنا، ایک دوسرے پر رفعت حاصل کرنے اور بڑھنے کی کوشش کرنا، کسی کو اچھے حال میں دیکھ کر اس پر حسد کرنا اور اس کی خوش حالی کو ٹھنڈی آنکھ نہ دیکھ سکنا وغیرہ وغیرہ۔ ان سب کا حال بھی یہی ہے کہ ان سے دلوں میں نفرت و عداوت کا بیج پڑتا ہے اور ایمانی تعلق جس محبت و ہمدردی اور جس اخوت و یگانگت کو چاہتا ہے اس کا امکان بھی باقی نہیں رہتا۔

حدیث کے آخر میں جو فرمایا گیا ہے "اے اللہ کے بندو! بھائی بھائی ہو کر رہو!" اس میں اشارہ ہے کہ جب تم اپنے دلوں اور سینوں کو نفرت وعداوت پیدا کرنے والی ان بری عادتوں سے صاف رکھو گے تب ہی تم آپس میں بھائی بھائی بن کر رہ سکو گے۔

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يَخْذُلُهُ وَلَا يَحْقِرُهُ اَلتَّقْوٰى هٰهُنَا. وَيُشِيْرُ اِلٰى صَدْرِهٖ ثَلٰثَ مِرَارٍ. بِحَسْبِ امْرِءٍ مِنَ الشَّرِّ اَنْ يُّحَقِّرَ اَخَاهُ الْمُسْلِمَ كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهٗ وَمَالُهٗ وَعِرْضُهٗ. (رواه مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر مسلمان دوسرے مسلمانوں کا

بھائی ہے' اس پر کوئی ظلم و زیادتی نہ کرے (اور جب وہ اسکی مدد و اعانت کا محتاج ہو تو اس کی مدد کرے) اور اس کو بے مدد کے نہ چھوڑے اور اس کو حقیر نہ جانے اور نہ اُس کے ساتھ حقارت کا برتاؤ کرے (کیا خبر کہ اس کے دل میں تقویٰ ہو جس کی وجہ سے وہ اللہ کے نزدیک مکرم اور محترم ہو) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار اپنے سینہ مبارک کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: تقویٰ یہاں ہوتا ہے (ہوسکتا ہے کہ تم کسی کو اُس کے ظاہری حال سے معمولی آدمی سمجھو اور اپنے دل کے تقویٰ کی وجہ سے وہ اللہ کے نزدیک محترم ہو اس لیے کبھی مسلمان کو حقیر نہ سمجھو) آدمی کے برا ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے اور اس کے ساتھ حقارت سے پیش آئے۔ مسلمان کی ہر چیز دوسرے مسلمان کے لیے قابل احترام ہے' اس کا خون' اس کا مال اور اس کی آبرو (اس لیے ناحق اس کا خون گرانا' اس کا مال لینا اور اس کی آبروریزی کرنا یہ سب حرام ہیں)۔ (صحیح مسلم)

تشریح:...... اس حدیث میں ہر مسلمان پر اس کے دوسرے مسلمان بھائی کا ایک یہ حق بھی بتایا گیا ہے کہ جب وہ اس کی مدد کا محتاج ہو تو یہ اس کی مدد کرے لیکن یہ اُسی صورت میں ہے جبکہ وہ حق پر ہو اور مظلوم ہو۔ ایک دوسری حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ تمہارا بھائی اگر مظلوم ہو تو اس کی مدد کرو اور اگر ظالم ہو تو اس کو ظلم سے روکو' اس کو ظلم سے روکنا ہی اُس کی مدد کرنا ہے۔

اکرام مسلم

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ صَعِدَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمِنبَرَ فَنَادىٰ بِصَوْتٍ رَفِيْعٍ يَا مَعْشَرَ مَنْ اَسْلَمَ بِلِسَانِهٖ وَلَمْ يُفْضِ الْاِيْمَانُ اِلىٰ قَلْبِهٖ لَا تُؤْذُوا الْمُسْلِمِيْنَ وَلَا تُعَيِّرُوْهُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا عَوْرَاتِهِمْ فَاِنَّهٗ مَنْ يَّتَّبِعْ عَوْرَةَ اَخِيْهِ الْمُسْلِمِ يَتَّبِعِ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ وَمَنْ يَّتَّبِعِ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ يَفْضَحْهُ وَلَوْ فِيْ جَوْفِ رَحْلِهٖ. (رواہ الترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر چڑھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلند آواز سے پکارا اور فرمایا' اے وہ لوگو! جو زبان سے اسلام لائے ہو اور ان کے دلوں میں ابھی ایمان پوری طرح اترا نہیں ہے' مسلمان بندوں کو ستانے سے اور ان کو عار دلانے اور شرمندہ کرنے اور اُن کے چھپے ہوئے عیبوں کے پیچھے پڑنے سے باز رہو کیونکہ اللہ کا قانون ہے کہ جو کوئی اپنے مسلمان بھائی کے چھپے عیبوں کے پیچھے پڑے گا اور اس کو رسوا کرنا چاہے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے عیوب کے پیچھے پڑے گا اور جس کے عیوب کے پیچھے اللہ تعالیٰ پڑے گا وہ اس کو ضرور رسوا کرے گا (اور وہ رسوا ہو کے رہے گا) اگرچہ اپنے گھر کے اندر ہی ہو۔ (جامع ترمذی)

تشریح:...... جب حقیقی ایمان کسی کے دل میں اُتر جاتا ہے تو اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی پر اپنے انجام کی فکر غالب ہو جاتی ہے اور وہ اللہ کے حقوق اور بندوں کے حقوق کے بارے میں محتاط ہو جاتا ہے' خاص کر اللہ تعالیٰ کے جو بندے سچے ایمان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے اپنا تعلق جوڑ چکے ہوں ان کے بارے میں اور بھی زیادہ محتاط ہو جاتا ہے' ان کو ستانے' ان کا دل دکھانے ان کی پچھلی برائیوں کا ذکر کر کے ان کو شرمندہ کرنے اور ان کی زندگی کے چھپے ہوئے کمزور پہلوؤں کی ٹوہ لگانے سے باز رہتا ہے لیکن اگر دل میں ایمان کی حقیقت نہ اُتری ہو اور صرف زبان سے اسلام کی باتیں ہوں تو آدمی کا حال اس کے برعکس ہوتا ہے وہ اپنی فکر کے بجائے دوسروں کے عیب ڈھونڈتا ہے' خاص کر اللہ کے اُن بندوں کے پیچھے پڑتا ہے جو اللہ کے ساتھ ایمان اور عبدیت

کا تعلق قائم کر چکے ہوتے ہیں ان کو لوگوں کی نظروں سے گرانا چاہتا ہے' ان کی غلطیوں کی تشہیر کرتا ہے' ان کو بدنام اور ذلیل کرنا چاہتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں ایسے لوگوں کو آگاہ کیا ہے کہ وہ اس حرکت سے باز آئیں' اللہ کے ایمان والے بندوں کو بدنام کرنے اور ان کے مقام کو گرانے اور ان کے چھپے ہوئے کمزور پہلوؤں کو اچھالنے کے مشغلہ کو ترک کریں ورنہ آخرت سے پہلے اس دنیا میں بھی وہ ذلیل کیے جائیں گے اور ذلت ورسوائی کی مار اُن پر ضرور پڑے گی۔ اگر بالفرض ذلت ورسوائی سے بچنے کے لیے وہ خانہ نشین ہو کے بھی بیٹھیں گے تو اللہ ان کو ان کے گھر کی چہار دیواری میں رسوا کرے گا۔

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد میلش اندر طعنہ پاکاں برد

حسد کی قباحت

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِیَّاکُمْ وَالْحَسَدَ فَاِنَّ الْحَسَدَ یَاْکُلُ الْحَسَنَاتِ کَمَا تَاْکُلُ النَّارُ الْحَطَبَ. (رواہ ابو داؤد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم حسد کے مرض سے بہت بچو' حسد آدمی کی نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح:...... تجربہ بھی شاہد ہے کہ جس کے دل میں حسد کی آگ بھڑکتی ہے وہ اسی کے درپے رہتا ہے کہ جس کی خوشحالی پر اس کو حسد ہے کسی طرح اس کو کوئی نقصان پہنچائے' اس کو بے آبرو کرے' پھر اگر کچھ بس نہیں چلتا تو اس کی غیبت ہی کر کے دل کی آگ بجھانا چاہتا ہے اور جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری حدیثوں سے معلوم ہوا ہے اس کا کم از کم یہ نتیجہ تو ضرور ہی ہوگا کہ قیامت میں اس غیبت کرنے والے حاسد کی نیکیاں اس محسود بندے کو دلا دی جائیں گی۔ نیکیوں کو حسد کے کھا جانے کی یہ آسان توجیہ ہے۔

عَنِ الزُّبَیْرِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ دَبَّ اِلَیْکُمْ دَاءُ الْاُمَمِ قَبْلَکُمُ الْحَسَدُ وَالْبُغْضَاءُ هِیَ الْحَالِقَةُ لَا اَقُوْلُ تَحْلِقُ الشَّعْرَ وَلٰکِنْ تَحْلِقُ الدِّیْنَ. (رواہ احمد والترمذی)

حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگلی اُمتوں کی مہلک بیماری یعنی حسد وبغض تمہاری طرف چلی آ رہی ہے یہ بالکل صفایا کر دینے والی اور مونڈ دینے والی ہے (پھر اپنا مقصد واضح کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) میرے اس کہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ بالوں کو مونڈنے والی ہے بلکہ یہ مونڈتی ہے اور بالکل صفایا کر دیتی ہے دین کا۔ (مسند احمد' جامع ترمذی)

تشریح:...... صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے متعلق اللہ علیم وخبیر کی یہ شہادت قرآن مجید میں محفوظ ہے کہ وہ ایک دوسرے پر شفیق اور مہربان ہیں: "رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ" دوسری جگہ فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خاص کرم نے ان کے دل ملا دیئے ہیں اور وہ پرانے جھگڑوں کو بالکل بھلا کر آپس میں بھائی بھائی ہو گئے ہیں۔ "فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ اِخْوَانًا (آل عمران ۳:۱۰۳)

ایک اور جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے کہ اللہ کا یہ خاص انعام ہے کہ اس نے تم پر ایمان لانے والوں

کے دل ملا دیئے ہیں، اگر تم اس مقصد کے لیے دنیا کی ساری دولت اور سارے خزانے بھی خرچ کر ڈالتے تو بھی ان کے دلوں میں یہ الفت و محبت پیدا نہ کر سکتے: "وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ." (انفال ۸:۶۳)

بہرحال قرآن مجید کی ان واضح شہادتوں سے معلوم ہوا کہ جہاں تک صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا تعلق ہے ان کے دل ایک دوسرے کی محبت والفت سے بھر دیئے گئے تھے اور ان میں باہم بغض وحسد کا نام ونشان بھی نہ تھا اس لیے اس حدیث "دَبَّ اِلَيْكُمْ دَاءُ الْاُمَمِ قَبْلَكُمُ الْحَسَدُ وَالْبَغْضَاءُ" کا منشاء یہی ہوسکتا ہے کہ بعد کے دوروں میں بغض وحسد کی جو مہلک بیماری مسلمانوں میں آنے والی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وہ منکشف ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو اس آنے والی بلا سے خبردار کیا اور بتلایا کہ بغض وحسد کی جس مہلک بیماری نے اگلی بہت سے اُمتوں کے دین وایمان کو برباد کیا وہ میری اُمت کی طرف بھی چلی آ رہی ہے۔ لہٰذا اللہ کے بندے ہوشیار رہیں اور اس لعنت سے اپنے دلوں اور سینوں کی حفاظت کی فکر کریں۔

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْرَضُ اَعْمَالُ النَّاسِ فِىْ كُلِّ جُمُعَةٍ مَرَّتَيْنِ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَيَوْمَ الْخَمِيْسِ فَيُغْفَرُ لِكُلِّ عَبْدٍ مُؤْمِنٍ اِلَّا عَبْدًا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ اَخِيْهِ شَحْنَاءُ فَيُقَالُ اُتْرُكُوْا هٰذَيْنِ حَتّٰى يَفِيْئَا. (رواہ مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہر ہفتہ میں دو دن دوشنبہ اور پنج شنبہ کو لوگوں کے اعمال پیش ہوتے ہیں تو ہر بندہ مؤمن کی معافی کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے سوائے ان دو آدمیوں کے جو ایک دوسرے سے کینہ رکھتے ہوں، پس ان کے بارے میں حکم دیدیا جاتا ہے کہ ان دونوں کو چھوڑے رکھو (یعنی ان کی معافی نہ لکھو) جب تک کہ یہ آپس کے اس کینہ اور باہم دشمنی سے باز نہ آئیں اور دلوں کو صاف نہ کرلیں۔ (صحیح مسلم)

تشریح: ...... اس حدیث کی تشریح ایک دوسری روایت سے ہوتی ہے جس کو امام منذری نے ترغیب وترہیب میں اوسط طبرانی کے حوالے سے نقل کیا ہے اس میں فرمایا گیا ہے کہ ہر دوشنبہ اور پنج شنبہ کو لوگوں کے اعمال پیش ہوتے ہیں تو جس نے توبہ کی ہوتی ہے اس کی توبہ قبول کی جاتی ہے لیکن باہم کینہ رکھنے والوں کے اعمال اُن کے کینہ کے سبب لوٹا دیئے جاتے ہیں (یعنی ان کی معافی اور توبہ کی قبولیت کا فیصلہ بھی نہیں کیا جاتا) جب تک کہ وہ اس سے باز نہ آئیں۔

اس مضمون کی چند اور حدیثیں بھی ہیں ان سب سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جس مسلمان کے دل میں دوسرے مسلمان بھائی کے لیے کینہ ہوگا جب تک وہ اس کینہ سے اپنے دل اور سینے کو صاف پاک نہ کرلے اس وقت تک وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ومغفرت کا مستحق نہ ہوگا: "رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِىْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ"

عَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْاَسْقَعِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُظْهِرِ الشَّمَاتَةَ بِاَخِيْكَ فَيُعَافِيْهِ اللّٰهُ وَيَبْتَلِيْكَ. (رواہ الترمذی)

حضرت واثلہ ابن الاسقع سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم اپنے کسی بھائی کی مصیبت پر خوشی کا اظہار مت کرو (اگر ایسا کرو گے تو ہوسکتا ہے کہ) اللہ اس کو اس مصیبت سے نجات دیدے اور تم کو مبتلا کردے۔ (جامع ترمذی)

تشریح:...... جب دو آدمیوں میں اختلاف پیدا ہوتا ہے اور وہ ترقی کر کے دشمنی اور عداوت کی حد تک پہنچ جاتا ہے تو یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک کے مبتلائے مصیبت ہونے سے دوسرے کو خوشی ہوتی ہے' اس کو شماتت کہتے ہیں' حسد اور بغض کی طرح یہ خبیث عادت بھی اللہ تعالیٰ کو سخت ناراض کرنے والی ہے اور اللہ تعالیٰ بسا اوقات دنیا ہی میں اس کی سزا اس طرح دے دیتے ہیں کہ مصیبت زدہ کو مصیبت سے نجات دے کر اس پر خوش ہونے والے کو مبتلائے مصیبت کر دیتے ہیں۔

نرم مزاجی اور سخت مزاجی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اخلاق کے سلسلہ میں جن باتوں پر خاص طور سے زور دیا ہے اور آپ کی اخلاقی تعلیم میں جن کو خاص اہمیت حاصل ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آدمی کو چاہیے کہ وہ لوگوں کے ساتھ نرمی سے پیش آئے اور درشتی اور سختی کا رویہ اختیار نہ کرے۔ اس سلسلہ کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات یہاں پڑھئے:

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى رَفِيْقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ وَيُعْطِىْ عَلَى الرِّفْقِ مَالَا يُعْطِىْ عَلَى الْعُنْفِ وَمَا لَا يُعْطِىْ عَلٰى مَا سِوَاهُ. (رواہ مسلم)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ خود مہربان ہے (نرمی اور مہربانی کرنا اس کی ذاتی صفت ہے) اور نرمی اور مہربانی کرنا اس کو محبوب بھی ہے (یعنی اُس کو یہ بات پسند ہے کہ اس کے بندے بھی آپس میں نرمی اور مہربانی کا برتاؤ کریں) اور نرمی پر وہ اتنا دیتا ہے جتنا کہ درشتی اور سختی پر نہیں دیتا اور جتنا کہ نرمی کے ماسوا کسی چیز پر بھی نہیں دیتا۔ (صحیح مسلم)

تشریح:...... بعض لوگ اپنے مزاج اور معاملہ اور برتاؤ میں سخت ہوتے ہیں اور بعض لوگ نرم اور مہربان اور ناآشنایانِ حقیقت سمجھتے ہیں کہ سخت گیری سے آدمی وہ حاصل کر لیتا ہے جو نرمی سے حاصل نہیں کر سکتا گویا ایسے لوگوں کے خیال میں سخت گیری کاربراری کا وسیلہ اور مقاصد میں کامیابی کی کنجی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد میں اس غلط خیال کی بھی اصلاح فرمائی ہے۔

سب سے پہلے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نرم خوئی کی عظمت اور رفعت یہ بیان فرمائی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفت ہے اس کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو یہ محبوب ہے کہ اس کے بندوں کا باہمی معاملہ اور برتاؤ بھی نرمی کا ہو' پھر آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مقاصد کا پورا ہونا نہ ہونا اور کسی چیز کا ملنا نہ ملنا تو اللہ تعالیٰ ہی کی مشیت پر موقوف ہے' جو کچھ ہوتا ہے اسی کے فیصلہ اور اسی کی مشیت سے ہوتا ہے اور اس کا قانون یہ ہے کہ وہ نرمی پر اس قدر دیتا ہے جس قدر کہ سختی پر نہیں دیتا بلکہ نرمی کے علاوہ کسی چیز پر بھی اللہ تعالیٰ اتنا نہیں دیتا جتنا کہ نرمی پر دیتا ہے اس لیے اپنے منافع اور مصالح کے نقطہ نظر سے بھی اپنے تعلقات اور معاملات میں آدمی کو نرمی اور مہربانی ہی کا رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ دوسرے لفظوں میں اسی کو یوں کہہ لیجئے کہ جو شخص چاہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر مہربان ہو اور اس کے کام پورے کرے اس کو چاہیے کہ وہ دوسروں کے حق میں مہربان ہو اور بجائے سخت گیری کے نرمی کو اپنا اصول اپنا طریقہ بنائے۔

عَنْ جَرِيْرٍ عَنِ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ يُحْرَمُ الرِّفْقَ يُحْرَمُ الْخَيْرَ. (رواہ مسلم)

حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا کہ جو آدمی نرمی کی صفت سے محروم کیا گیا وہ سارے خیر سے محروم کیا گیا۔ (صحیح مسلم)

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ نرمی کی صفت اتنی بڑی خیر ہے اور اس کا درجہ اتنا بلند ہے کہ جو شخص اس سے محروم رہا، گویا وہ اچھائی اور بھلائی سے یکسر محروم اور خالی ہاتھ رہا یا یوں کہا جائے کہ انسان کی اکثر اچھائیوں اور بھلائیوں کی جڑ بنیاد اور ان کا سرچشمہ چونکہ اس کی نرم مزاجی ہے لہٰذا جو شخص اس سے محروم رہا وہ ہر قسم کے خیر اور ہر اچھائی اور بھلائی سے محروم رہے گا۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اُعْطِىَ حَظَّهُ مِنَ الرِّفْقِ اُعْطِىَ حَظَّهُ مِنْ خَيْرِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمَنْ حُرِمَ حَظَّهُ مِنَ الرِّفْقِ حُرِمَ حَظَّهُ مِنْ خَيْرِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ. (رواه البغوى فى شرح السنة)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نرمی کی خصلت کا اپنا حصہ مل گیا اس کو دنیا اور آخرت کے خیر میں سے حصہ مل گیا اور جس کو نرمی نصیب نہیں ہوئی وہ دنیا اور آخرت میں خیر کے حصے سے محروم رہا۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُرِيْدُ اللّٰهُ بِاَهْلِ بَيْتٍ رِفْقًا اِلَّا نَفَعَهُمْ وَلَا يُحْرِمُهُمْ اِيَّاهُ اِلَّا ضَرَّهُمْ. (رواه البيهقى فى شعب الايمان)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نہیں ارادہ کرتا اللہ تعالیٰ کسی گھر کے لوگوں کے لیے نرمی کی صفت عطا کرنے کا مگر ان کو نفع پہنچاتا ہے اس کے ذریعہ اور نہیں محروم کرتا کسی گھر کے لوگوں کو نرمی کی صفت سے مگر یہ کہ ضرر پہنچاتا ہے ان کو۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ عام سنت اور اس کا کلی قانون ہے کہ جس گھر کے لوگوں کو وہ نرمی کی خصلت عطا فرماتا ہے ان کے لیے یہ نرمی بہت سی منفعتوں اور برکتوں کا ذریعہ بنتی ہے اور جن لوگوں کو وہ اس اچھی خصلت سے محروم رکھتا ہے ان کے لیے یہ محرومی بہت سے نقصانات اور بہت سی زحمتوں کا سبب بنتی ہے۔

انسان کی خصلتوں میں نرمی اور سختی کی یہ خصوصیت ہے کہ ان کے استعمال کا دائرہ بہت زیادہ وسیع ہے جس شخص کے مزاج اور رویہ میں سختی ہوگی وہ اپنے گھر والوں، بیوی بچوں، عزیزوں، قریبوں کے لیے سخت ہوگا، پڑوسیوں کے حق میں سخت ہوگا، اگر استاد ہے تو شاگردوں کے حق میں سخت ہوگا۔ اسی طرح اگر حاکم اور افسر ہے تو محکوموں اور ماتحتوں کے حق میں سخت ہوگا۔ غرضیکہ زندگی میں جہاں جہاں اور جن جن سے اس کا واسطہ پڑے گا ان کے ساتھ اس کا رویہ سخت ہوگا اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کی زندگی خود اس کے لیے اور اس سے تعلق رکھنے والوں کے لیے مستقل عذاب ہوگی اور اس کے برعکس جس بندہ کے مزاج اور رویہ میں نرمی ہوگی وہ گھر والوں، پڑوسیوں، افسروں، ماتحتوں، شاگردوں، استادوں، اپنوں، بیگانوں، غرضیکہ سب کے ساتھ نرم ہوگا اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس نرمی کی بدولت وہ خود بھی راحت سے رہے گا اور دوسروں کے لیے بھی راحت اور سکون کا باعث ہوگا۔ پھر یہ نرمی باہم محبت ومؤدت پیدا کرے گی اور اکرام واحترام اور خیر خواہی کے جذبات کو ابھارے گی اور اس کے برعکس درشت مزاجی اور تند خوئی دلوں میں بغض وعداوت پیدا کرے گی اور حسد وبدخواہی اور جنگ وجدل کے منحوس جذبات کو بھڑکائے گی۔ سختی اور نرمی کے یہ تو چند وہ دنیوی نتائج ہیں جن کا ہم

روز مرہ اپنی زندگیوں میں اور اپنے ماحول میں تجربہ اور مشاہدہ کرتے رہتے ہیں (اور تھوڑے سے غور وفکر سے بہت سے ان بڑے اور دور رس نتائج کو بھی سمجھ سکتے ہیں) ان کے علاوہ اس نرم مزاجی اور درشت خوئی کے جو بے حد عظیم الشان اخروی نتائج آخرت کی زندگی میں سامنے آنے والے ہیں ان کا تجربہ اور مشاہدہ تو اپنے وقت پر ہی ہوگا لیکن اس دنیوی زندگی میں آخرت کے نفع ونقصان اور ثواب و عذاب کو جتنا کچھ ہم جان اور سمجھ سکتے ہیں اس کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سلسلہ کے ارشادات ہمارے لیے کافی ہیں۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِمَنْ يَحْرُمُ عَلَى النَّارِ وَبِمَنْ تَحْرُمُ النَّارُ عَلَيْهِ عَلٰى كُلِّ هَيِّنٍ لَيِّنٍ قَرِيْبٍ سَهْلٍ. (رواه ابو داؤد والترمذی)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تم کو ایسے شخص کی خبر نہ دوں جو دوزخ کے لیے حرام ہے اور دوزخ کی آگ اس پر حرام ہے؟ (سنو! میں بتاتا ہوں دوزخ کی آگ حرام ہے) ہر ایسے شخص پر جو مزاج کا تیز نہ ہو' نرم ہو' لوگوں سے قریب ہونے والا ہو' نرم خو ہو۔ (رواہ ابوداؤد والترمذی)

تشریح:......اس حدیث میں "هَيِّنٍ 'لَيِّنٍ 'قَرِيْبٍ 'سَهْلٍ" یہ چاروں لفظ قریب المعنی ہیں اور نرم مزاجی کے مختلف پہلوؤں کی یہ ترجمانی کرتے ہیں۔ مطلب حدیث کا یہ ہے کہ جو آدمی اپنے مزاج اور رویہ میں نرم ہو اور اپنی نرم خوئی کی وجہ سے لوگوں سے خوب ملتا جلتا ہو' دور دور اور الگ الگ نہ رہتا ہو اور لوگ بھی اس کی اچھی اور شیریں خصلت کی وجہ سے اس سے بے تکلف اور محبت سے ملتے ہوں جس سے بات اور معاملہ کرتا ہو' نرمی اور مہربانی سے کرتا ہو' ایسا شخص جنتی ہے اور دوزخ کی آگ اس پر حرام ہے۔

شرح حدیث کے اسی سلسلہ میں بار بار ذکر کیا جا چکا ہے کہ قرآن مجید کے نصوص اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسلسل تعلیم وتربیت سے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ذہن میں چونکہ یہ بات پوری طرح راسخ ہو چکی تھی (اور دین کی صرف ضروری درجہ کی بھی واقفیت رکھنے والا ہر شخص آج بھی اتنی بات جانتا ہے) کہ اس قسم کی بشارتوں کا تعلق صرف ان ہی لوگوں سے ہے جو ایمان رکھتے ہوں اور دین کے لازمی مطالبات ادا کرتے ہوں اس لیے اس قسم کی بشارتوں کے ساتھ عموماً اس شرط کو الفاظ میں ذکر نہیں کیا جاتا۔ (اور بشارت کے موضوع کے لیے یہی مناسب ہے) لیکن ذہنوں میں یہ شرط ملحوظ اور محفوظ رہنی چاہیے' یہ ایک مسلمہ ایمانی حقیقت ہے کہ ایمان کے بغیر اللہ کے یہاں اعمال اور اخلاق کی کوئی قیمت نہیں۔

عَنْ حَارِثَةَ بْنِ وَهْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ الْجَوَّاظُ وَلَا الْجَعْظَرِيُّ. (رواه ابو داؤد)

حارثہ بن وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سخت گو اور درشت خو آدمی جنت میں نہیں جائیگا۔ (ابوداؤد)

تشریح:......حدیثوں میں کبھی کبھی کسی برے عمل یا بری عادت کی برائی بیان کرنے کے لیے اور لوگوں کو اس سے بچانے کے لیے یہ اندازِ بیان بھی اختیار کیا جاتا ہے کہ "اس عمل یا عادت والا آدمی جنت میں نہ جا سکے گا" اور مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ یہ عمل اور یہ عادت شانِ ایمان کے خلاف اور جنت کے راستہ میں رکاوٹ بننے والی ہے اس لیے جنت کے طلب گار اہل ایمان کو اس سے پورے اہتمام سے بچنا چاہیے۔

حارثہ بن وہب کی اس حدیث کا مقصد بھی یہی ہے کہ سخت گوئی اور درشت خوئی ایمان کے منافی اور جنت کا راستہ روکنے والی نہایت منحوس عادتیں ہیں جو کسی مسلمان میں نہ ہونی چاہئیں اور ان ناپاک عادتوں والے لوگ سچے مومنین کی طرح اور ان کے ساتھ جنت میں نہ جا سکیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نرم مزاجی

عَنْ اَنَسٍ قَالَ خَدَمْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرَ سِنِيْنَ بِالْمَدِيْنَةِ وَاَنَا غُلَامٌ لَيْسَ كُلُّ اَمْرِيْ كَمَا يَشْتَهِيْ صَاحِبِيْ اَنْ يَكُوْنَ عَلَيْهِ مَا قَالَ لِيْ فِيْهَا اُفٍّ قَطُّ وَمَا قَالَ لِيْ لِمَ فَعَلْتَ هٰذَا اَوْ اَلَّا فَعَلْتَ هٰذَا. (رواہ ابو داؤد)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں مدینہ میں دس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہا اور میں نوعمر لڑکا تھا، اس لیے میرا ہر کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے بالکل مطابق نہیں ہوتا تھا (یعنی نوعمری کی وجہ سے بہت سی کوتاہیاں بھی ہو جاتی تھیں) لیکن دس سال کی اس مدت میں کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُف کہہ کے بھی مجھے نہیں ڈانٹا اور نہ کبھی یہ فرمایا کہ تم نے یہ کیوں کیا؟ یا کیوں نہیں کیا؟ (ابوداؤد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لائے تو اس وقت حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر تقریباً دس سال کی تھی، ان کی والدہ اُم سلیم نے ان کو مستقلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دے دیا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری روزِ حیات تک یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہے۔ اُن ہی کا یہ بیان ہے کہ نوعمری اور لڑکپن کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاموں میں مجھ سے بہت سی کوتاہیاں بھی ہو جاتی تھیں لیکن کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کسی غلطی اور قصور پر اُف تک نہیں کہا اور کبھی مجھ پر غصہ نہیں فرمایا۔ بلاشبہ یہ بہت بڑی اور بہت مشکل بات ہے لیکن ہم اُمتیوں کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوۂ حسنہ یہی ہے، اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی اُس نرم مزاجی اور بردباری کا کوئی حصہ ہم کو بھی نصیب فرمائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو جن اخلاق کی تاکید واہتمام کے ساتھ تعلیم دی ہے ان میں سے ایک حلم وبُردباری بھی ہے۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَجُلاً قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْصِنِيْ قَالَ لَاتَغْضَبْ فَرَدَّدَ ذَالِكَ مِرَارًا قَالَ لَا تَغْضَبْ. (رواه البخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ حضرتؐ! مجھے کوئی وصیت فرمائیے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ غصہ مت کیا کرو، اس شخص نے پھر اپنی وہی درخواست کئی بار دُہرائی کہ حضرتؐ! مجھے اور وصیت فرمائیے؟ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر دفعہ یہی فرمایا کہ غصہ مت کیا کرو۔ (صحیح بخاری)

تشریح:...... معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وصیت کی درخواست کرنے والے یہ صاحب کچھ غیر معمولی قسم کے تیز مزاج اور مغلوب الغضب تھے اور اس وجہ سے ان کے لیے مناسب ترین اور مفید ترین وصیت اور نصیحت یہی ہو سکتی تھی کہ ''غصہ نہ کیا کرو''، اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار ان کو یہی ایک نصیحت فرمائی۔

اور یہ بھی واقعہ ہے کہ بری عادتوں میں غصہ نہایت ہی خطرناک اور بہت ہی بدانجام عادت ہے۔ غصہ کی حالت میں آدمی کو نہ اللہ تعالیٰ کی حدود کا خیال رہتا ہے نہ اپنے نفع اور نقصان کا، تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ انسان پر شیطان کا قابو جیسا غصہ کی حالت میں چلتا ہے۔ ایسا شاید کسی دوسری حالت میں نہیں چلتا۔ گویا اس وقت انسان اپنے بس میں نہیں ہوتا بلکہ شیطان کی مٹھی میں ہوتا ہے۔ حدیہ

ہے کہ غصہ کی حالت میں آدمی کبھی کبھی کفریہ کلمات بھی بکنے لگتا ہے اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دوسری حدیث میں فرمایا ہے کہ "غصہ دین وایمان کو اس طرح خراب کر دیتا ہے جس طرح کہ ایلوا شہد کو خراب اور بالکل ہی کڑوا کر دیتا ہے۔"

غصہ میں خود پر قابو رکھنے کی فضیلت

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ الشَّدِيْدُ بِالصُّرْعَةِ اِنَّمَا الشَّدِيْدُ الَّذِیْ يَمْلِكُ نَفْسَهٗ عِنْدَ الْغَضَبِ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' پہلوان اور طاقتور وہ نہیں ہے جو مدمقابل کو پچھاڑ دے بلکہ پہلوان اور شہ زور درحقیقت وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح:......مطلب یہ ہے کہ آدمی کا سب سے بڑا اور بہت ہی مشکل سے زیر ہونے والا دشمن اس کا نفس ہے۔ جیسا کہ فرمایا گیا ہے کہ "اَعْدیٰ عَدُوِّكَ نَفْسُكَ الَّتِیْ بَيْنَ جَنْبَيْكَ" (تیرا سخت ترین دشمن خود تیرا نفس ہے) اور معلوم ہے کہ خاص کر غصہ کے وقت اس کا قابو میں رکھنا نہایت ہی مشکل ہوتا ہے اس لیے فرمایا گیا ہے کہ طاقتور اور پہلوان کہلانے کا اصلی حق دار وہی مرد خدا ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس کو قابو میں رکھے اور نفسانیت اس سے کوئی بیجا حرکت اور کوئی غلط کام نہ کرا سکے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالبہ یہ نہیں ہے کہ بندہ کے دل میں وہ کیفیت ہی پیدا نہ ہو جس کو غیظ' غضب اور غصہ کے لفظوں سے تعبیر کیا جاتا ہے (کیونکہ کسی سخت ناگوار بات پر دل میں اس کیفیت کا پیدا ہو جانا تو بالکل فطری بات ہے اور اس سے انبیاء علیہم السلام بھی مستثنیٰ نہیں ہیں) البتہ مطالبہ یہ ہے کہ اس کیفیت کے وقت بھی نفس پر پورا قابو رہے ایسا نہ ہو کہ اس سے مغلوب ہو کر آدمی وہ حرکتیں کرنے لگے جو شانِ بندگی کے خلاف ہوں۔

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا غَضِبَ اَحَدُكُمْ وَهُوَ قَائِمٌ فَلْيَجْلِسْ فَاِنْ ذَهَبَ عَنْهُ الْغَضَبُ وَاِلَّا فَلْيَضْطَجِعْ. (رواه احمد والترمذی)

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے اور وہ کھڑا ہو تو چاہیے کہ بیٹھ جائے' پس اگر بیٹھنے سے غصہ فرو ہو جائے تو فبہا اور اگر پھر بھی غصہ باقی رہے تو چاہیے کہ لیٹ جائے۔ (مسند احمد' جامع ترمذی)

تشریح:......رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غصہ کو فرو کرنے کی یہ ایک نفسیاتی تدبیر بتلائی ہے جو بلاشبہ نہایت کارگر ہے۔ علاوہ اس کے اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ غصہ میں آدمی سے بیجا حرکتیں اور جو لغویات سرزد ہو سکتی ہیں کسی جگہ جم کر بیٹھ جانے سے اُن کا امکان بہت کم ہو جاتا ہے اور پھر لیٹ جانے سے ان کا امکان اور کم سے کمتر ہو جاتا ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلِّمُوْا وَيَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا وَاِذَا غَضِبَ اَحَدُكُمْ فَلْيَسْكُتْ وَاِذَا غَضِبَ اَحَدُكُمْ فَلْيَسْكُتْ وَاِذَا غَضِبَ اَحَدُكُمْ فَلْيَسْكُتْ. (رواه احمد والطبرانی فی الکبیر)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں کو دین سکھاؤ' دین کی تعلیم دو اور تعلیم میں آسانی پیدا کرو' دشواری پیدا نہ کرو اور جب تم سے کسی کو غصہ آئے تو چاہیے کہ وہ اس وقت خاموشی

اختیار کر لے، یہ آخری بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دفعہ ارشاد فرمائی۔ (مسند احمد و معجم کبیر فی الطبرانی)

تشریح:.......غصہ کے برے نتیجوں سے اپنی حفاظت کرنے کے لیے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی دوسری تدبیر ہے کہ جب غصہ آئے تو آدمی خاموش رہنے کا فیصلہ کر لے۔ ظاہر ہے کہ پھر غصہ دل ہی میں گھٹ کر رہ جائے گا اور بات آگے نہ بڑھے گی۔

عَنْ عَطِيَّةَ بْنِ عُرْوَةَ السَّعْدِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْغَضَبَ مِنَ الشَّيْطَانِ وَاِنَّ الشَّيْطَانَ خُلِقَ مِنَ النَّارِ وَاِنَّمَا تُطْفَأُ النَّارُ بِالْمَاءِ فَاِذَا غَضِبَ اَحَدُكُمْ فَلْيَتَوَضَّأْ. (رواه ابو داؤد)

عطیہ بن عروہ سعدی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، غصہ شیطان کے اثر سے آتا ہے (یعنی غصہ میں حدود سے تجاوز شیطان کے اثر سے ہوتا ہے) اور شیطان کی آفرینش آگ سے ہوئی ہے (یعنی شیطان اپنی اصل کے لحاظ سے آتشی ہے) اور آگ پانی سے بجھائی جاتی ہے۔ لہٰذا جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو اس کو چاہیے کہ وہ وضو کر لے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح:.......غصہ کو فرو کرنے کی یہ خاص الخاص تدبیر ہے اور پہلی تدبیروں سے بھی زیادہ کارگر ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ غصہ کی حدت اور تیزی کی حالت میں اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد یاد آجائے اور اسی وقت اُٹھ کے اچھی طرح پورے آداب کے لحاظ کے ساتھ وضو کر لیا جائے تو غصہ کی حدت میں فوراً سکون پیدا ہو جائے گا اور بالکل ایسا محسوس ہو گا کہ وضو کا پانی براہ راست غصہ کی بھڑکتی ہوئی آگ پر پڑا۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تَجَرَّعَ عَبْدٌ اَفْضَلَ عِنْدَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ مِنْ جُرْعَةِ غَيْظٍ يَكْظِمُهَا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللّٰهِ تَعَالٰى. (رواه احمد)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کسی بندہ نے کسی چیز کا کوئی گھونٹ ایسا نہیں پیا جو اللہ کے نزدیک غصہ کے اس گھونٹ سے افضل ہو جسے کوئی بندہ اللہ کی رضا کی خاطر پی جائے۔ (مسند احمد)

تشریح:.......غصہ کو پی جانا جس طرح اُردو زبان کا محاورہ ہے اسی طرح عربی زبان کا بھی یہی محاورہ ہے بلکہ اُردو میں یہ محاورہ غالباً عربی ہی سے آیا ہے۔ حدیث کا مطلب یہی ہے کہ پینے کی بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کا پینا اللہ تعالیٰ کی رضا کا باعث ہو سکتا ہے لیکن ان سب میں افضل ترین اللہ کی رضا جوئی کی خاطر غصہ کو پی جانا ہے۔

جن خوش خصال اور پاکیزہ صفات بندوں کے لیے جنت آراستہ کی گئی ہے، قرآن مجید میں ان کی ایک صفت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ:

وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ.

(غصہ کو پی جانیوالے اور دوسروں کی زیادتی یا دوسرے کے قصور کو معاف کر دینے والے)

عَنْ سَهْلِ بْنِ مُعَاذٍ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَظَمَ غَيْظًا وَهُوَ يَقْدِرُ عَلٰى اَنْ يُّنَفِّذَهٗ دَعَاهُ اللّٰهُ عَلٰى رُؤُسِ الْخَلَائِقِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حَتّٰى يُخَيِّرَهٗ فِيْ اَيِّ الْحُوْرِ شَاءَ. (رواه الترمذی و ابو داؤد)

سہل بن معاذ اپنے والد ماجد حضرت معاذ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص پی جائے غصہ کو درانحالیکہ اس میں اتنی طاقت اور قوت ہے کہ اپنے غصہ کے تقاضے کو وہ نافذ اور

پورا کرسکتا ہے (لیکن اس کے باوجود محض اللہ کے لیے اپنے غصہ کو پی جاتا ہے اور جس پر اس کو غصہ ہے اُس کو کوئی سزا نہیں دیتا) تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ساری مخلوق کے سامنے اس کو بلائیں گے اور اس کو اختیار دیں گے کہ حورانِ جنت میں سے جس حور کو چاہے اپنے لیے انتخاب کرلے۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

تشریح:...... تجربہ شاہد ہے کہ غصہ کی شدت کے وقت آدمی کے دل کی انتہائی خواہش یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے غصہ کے تقاضے کو پورا کرڈالے۔ پس جو بندہ قدرت کے باوجود محض اللہ کی رضا کے لیے اپنے دل کی اس انتہائی خواہش کو دنیا میں قربان کرے گا، اللہ تعالیٰ آخرت میں اس کی جزا اس شکل میں عطا فرمائیں گے کہ ساری مخلوق کے سامنے اس کو بلا کر فرمایا جائے گا کہ اپنے دل کی چاہت کی اس قربانی کے بدلے آج حورانِ جنت میں سے جو حور چاہو اپنے لیے انتخاب کرلو۔

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ خَزَنَ لِسَانَهُ سَتَرَ اللّٰهُ عَوْرَتَهُ وَمَنْ كَفَّ غَضَبَهُ كَفَّ اللّٰهُ عَنْهُ عَذَابَهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَمَنْ اِعْتَذَرَ اِلَى اللّٰهِ قَبِلَ اللّٰهُ عُذْرَهُ. (رواه البيهقي في شعب الايمان)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو کوئی (دوسروں کی بدگوئی وغیرہ بری باتوں سے) اپنی زبان روکے گا اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی فرمائے گا (یعنی اس کے عیوب اور اس کی برائیاں دوسروں پر نہیں کھلنے دے گا) اور جو کوئی اپنے غصہ کو روکے گا اور پی جائے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس سے اپنے عذاب کو روکے گا اور وہ عذاب سے بچ جائے گا اور جو بندہ اپنی تقصیر کی معذرت اللہ کے حضور میں کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی معذرت قبول فرمائے گا (اور اس کو معاف فرمادے گا) (شعب الایمان للبیہقی)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِاَشَجِّ عَبْدِ الْقَيْسِ اِنَّ فِيْكَ لَخَصْلَتَيْنِ يُحِبُّهُمُ اللّٰهُ اَلْحِلْمُ وَالْاَنَاةُ. (رواه مسلم)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ قبیلہ عبدالقیس کے سردار اشج سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں دو خصلتیں ایسی ہیں جو اللہ تعالیٰ کو محبوب اور پیاری ہیں، ایک بُردباری (غصہ سے مغلوب نہ ہونا) اور دوسرے جلدی نہ کرنا۔ (صحیح مسلم)

تشریح:...... قبیلہ عبدالقیس کا ایک وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے مدینہ طیبہ آیا، اس وفد کے سارے لوگ اپنی سواریوں سے کود کود کر جلدی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے لیکن رئیس وفد جن کا نام منذر اور عرف اشج تھا، انہوں نے یہ جلد بازی نہیں کی بلکہ اُتر کے پہلے سارے سامان کو یکجا اور محفوظ کیا، پھر غسل کیا اور کپڑے تبدیل کیے اور اس کے بعد متانت اور وقار کے ساتھ خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس رویہ کو پسند فرمایا اور اسی موقع پر ان سے یہ ارشاد فرمایا کہ تم میں یہ دو خصلتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کو بہت پیاری اور محبوب ہیں ایک حلم (بُردباری) یعنی غصہ سے مغلوب نہ ہونا اور غصہ کے وقت اعتدال پر قائم رہنا اور دوسری اناۃ یعنی کاموں میں جلد بازی اور بےصبری نہ کرنا بلکہ ہر کام کو متانت اور وقار کے ساتھ اطمینان سے انجام دینا۔

متانت اور وقار کی فضیلت اور ترغیب

عَنْ سَهْلِ ابْنِ سَعْدِ السَّاعِدِيِّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْاَنَاةُ مِنَ اللّٰهِ وَالْعُجْلَةُ مِنَ الشَّيْطَانِ. (رواه الترمذي)

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کاموں کو متانت اور اطمینان سے انجام دینا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جلد بازی کرنا شیطان کے اثر سے ہوتا ہے۔ (جامع ترمذی)

تشریح:...... یعنی ہر ذمہ داری کو اطمینان سے انجام دینے کی عادت ایک محمود عادت ہے اور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے نصیب ہوتی ہے اور اس کے برعکس جلد بازی ایک بری عادت ہے اور اس میں شیطان کا دخل ہوتا ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَرْجِسَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ السَّمْتُ الْحَسَنُ وَالتُّؤَدَةُ وَالْاِقْتِصَادُ جُزْءٌ مِنْ اَرْبَعٍ وَّعِشْرِیْنَ جُزْءً مِنَ النُّبُوَّةِ. (رواه الترمذی)

عبداللہ بن سرجس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اچھی سیرت اور اطمینان ووقار سے اپنے کام انجام دینے کی عادت اور میانہ روی ایک حصہ ہے نبوت کے چوبیس حصوں میں سے۔ (جامع ترمذی)

تشریح:...... حدیث کا اصل مقصد ان تینوں چیزوں کی اہمیت بیان کرنا اور ان کی ترغیب دینا ہے اور نبوت کے حصوں میں سے ہونے کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ پیغمبر کی زندگی جن محاسن اور کمالات سے مکمل اور مزین ہوتی ہے یہ تینوں اوصاف ان کا چوبیسواں حصہ ہیں یا یہ کہ انسانی سیرت کی تعمیر کے سلسلہ میں انبیاء علیہم السلام جن خصائل کی تعلیم دیتے اور تلقین فرماتے ہیں ان کے چوبیس حصوں میں سے ایک حصہ یہ تین چیزیں ہیں یعنی اچھی سیرت اور اطمینان ووقار سے اپنے کام انجام دینے کی عادت اور میانہ روی۔

میانہ روی

''میانہ روی'' ہم نے حدیث کے لفظ اقتصاد کا ترجمہ کیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر کام اور ہر حال میں افراط وتفریط سے بچا جائے اور اعتدال کی روش اختیار کی جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیمات میں اس چیز پر خاص طور سے زور دیا ہے۔ یہاں تک کہ عبادت جیسے بہترین انسانی عمل میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتدال ومیانہ روی کی تاکید فرمائی ہے۔ بعض صحابہؓ نے بہت زیادہ عبادت گزاری کا ارادہ کیا' یعنی دن کو ہمیشہ روزہ رکھنے اور پوری رات جاگ کر نمازیں پڑھنے کا منصوبہ بنایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سخت تنبیہ فرمائی اور اس سے منع فرمادیا۔ اسی طرح بعض صحابہؓ نے جب اپنا پورا مال راہِ خدا میں صرف کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس سے روک دیا اور صرف ایک تہائی کی اجازت دی۔ بہر حال اقتصاد کا مطلب یہی اعتدال کی چال ہے۔ ''کتاب الرقاق'' کی متعدد حدیثوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ''اَلْاِقْتِصَادُ فِی الْفَقْرِ وَالْغِنٰی'' کی ترغیب اور تاکید آپ پڑھ چکے ہیں۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ تنگدستی اور فراخ دستی دونوں حالتوں میں آدمی اعتدال کی درمیانی چال چلے' اسی کو اس حدیث میں نبوت کا ایک جز بتایا گیا ہے۔

خوش کلامی

انسان کی اخلاقی زندگی کے جن پہلوؤں سے اس کے ابنائے جنس کا سب سے زیادہ واسطہ پڑتا ہے اور جن کے اثرات اور نتائج بھی بہت دوررس ہوتے ہیں ان میں سے اس کی زبان کی شیرینی یا تلخی اور نرمی یا سختی بھی ہے۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے

متبعین و متعلقین کوشیریں گفتاری اور خوش کلامی کی بڑی تاکید فرماتے اور بدزبانی اور سخت کلامی سے شدت کے ساتھ منع فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ بری بات کے جواب میں بھی بری بات کہنے کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پسند نہیں فرماتے تھے۔ ذیل کی چند حدیثیں پڑھئے:

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ يَهُوْدَ اَتَوُا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا اَلسَّامُ عَلَيْكُمْ فَقَالَتْ عَائِشَةُ عَلَيْكُمْ وَلَعَنَكُمُ اللّٰهُ وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ قَالَ مَهْلاً يَا عَائِشَةُ! عَلَيْكِ بِالرِّفْقِ وَاِيَّاكِ وَالْعُنْفَ وَالْفُحْشَ. (رواه البخاری)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ کچھ یہودی لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے (نفس کی خباثت اور شرارت سے السلام علیکم کے بجائے) کہا ''السام علیکم'' (جو دراصل ایک گالی ہے اور جس کا مطلب یہ ہے کہ تم کو موت آئے) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے (ان کی اس گستاخی کو سن لیا اور سمجھ لیا اور) جواب میں فرمایا کہ تم ہی کو آئے اور تم پر خدا کی لعنت اور اس کا غضب ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا' اے عائشہ! (ایسی سختی نہیں) زبان کو روکو نرمی کا رویہ اختیار کرو اور سختی اور بدزبانی سے اپنے کو بچاؤ۔ (صحیح بخاری)

تشریح:...... گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان یہودیوں کی ایسی سخت گستاخی کے جواب میں بھی سختی کو پسند نہیں فرمایا اور نرمی ہی کے اختیار کرنے کی ہدایت فرمائی۔

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِطَعَّانٍ وَلَا لَعَّانٍ وَلَا فَاحِشٍ وَلَا بَذِيٍّ. (رواه الترمذی)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مؤمن بندہ نہ زبان سے حملہ کرنے والا ہوتا ہے نہ لعنت کرنے والا اور نہ بدگو اور گالی بکنے والا۔ (جامع ترمذی)

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ مؤمن کا مقام یہ ہے اور اس کا شیوہ یہ ہونا چاہیے کہ اس کی زبان سے لعن طعن اور گالی گلوچ نہ نکلے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِسْتَاذَنَ رَجُلٌ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ بِئْسَ اِبْنُ الْعَشِيْرَةِ اَوْ بِئْسَ رَجُلُ الْعَشِيْرَةِ ثُمَّ قَالَ ائْذَنُوْا لَهُ فَلَمَّا دَخَلَ اَلَانَ لَهُ الْقَوْلَ فَقَالَتْ عَائِشَةُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَنْتَ لَهُ الْقَوْلَ وَقَدْ قُلْتَ لَهُ مَا قُلْتَ قَالَ اِنَّ شَرَّ النَّاسِ مَنْزِلَةً عِنْدَ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَنْ وَدَعَهُ اَوْ تَرَكَهُ النَّاسُ لِاتِّقَاءِ فُحْشِهِ. (رواه البخاری و مسلم و ابو داؤد واللفظ له)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اجازت چاہی' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم (لوگوں سے) فرمایا کہ یہ اپنے قبیلہ کا برا فرزند ہے' یا فرمایا کہ یہ شخص اپنے قبیلہ کا برا آدمی ہے' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو آنے کی اجازت دے دو' پھر جب وہ آ گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ساتھ گفتگو بہت نرمی سے فرمائی (جب وہ چلا گیا) تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپؐ نے تو اس شخص سے بڑی نرمی کے ساتھ بات کی اور پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کے بارے میں وہ بات فرمائی تھی (کہ وہ اپنے قبیلے کا بہت برا آدمی ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ

12

کے نزدیک درجہ کے لحاظ سے بدترین آدمی قیامت کے دن وہ ہوگا جس کی بدزبانی اور سخت کلامی کے ڈر سے لوگ اس کو چھوڑ دیں (یعنی اس سے ملنے اور بات کرنے سے گریز کریں)۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد)

تشریح:......رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی شریر اور برا بھی ہو، جب بھی اس سے بات نرمی سے اور شریفانہ طریقہ ہی سے کرنی چاہیے ورنہ بدزبانی اور سخت کلامی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی ایسے شخص سے ملنے اور بات کرنے سے گریز کرنے لگتے ہیں اور جس شخص کا یہ حال ہو وہ اللہ کے نزدیک بہت برا آدمی ہے اور قیامت کے دن اس کا حال بہت برا ہوگا۔

اس حدیث کے بارے میں چند باتیں سمجھ لینی چاہئیں:

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے آنے سے پہلے اس کے برے آدمی ہونے کی اطلاع اپنے پاس والوں کو غالباً اس لیے دی تھی کہ وہ اس کے سامنے محتاط ہو کر بات کریں اور کوئی ایسی بات نہ کر بیٹھیں جو کسی شریر اور برے آدمی کے سامنے نہ کرنی چاہیے اور ایسی کسی مصلحت سے کسی شخص کی برائی سے دوسروں کو خبردار کرنا غیبت میں داخل نہیں ہے بلکہ اس کا حکم ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اُذْكُرُوا الْفَاجِرَ بِمَا فِيْهِ لِكَيْ يَحْذَرَهُ النَّاسُ" (فاجر و بدکار آدمی میں جو برائی ہے اس کا لوگوں سے ذکر کر دو تا کہ اللہ کے بندے اس کے شر سے محفوظ رہ سکیں)۔ (کنز العمال)

(۲) اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس آدمی کا شریر اور برا ہونا معلوم ہو اُس سے بھی گفتگو نرمی ہی سے کرنی چاہیے بلکہ اسی واقعہ کی صحیح بخاری کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: "فَلَمَّا جَلَسَ تَطَلَّقَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ وَجْهِهٖ وَانْبَسَطَ اِلَيْهِ" جس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ نے اس آدمی سے شگفتگی اور خندہ روئی کے ساتھ ملاقات اور بات چیت کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعض لوگوں کا یہ خیال کہ جن لوگوں کی برائی اور بدکرداری ہم جانتے ہوں، ان سے اچھی طرح ملنا بھی نہ چاہیے صحیح نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خود امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے تھے: "اِنَّا لَنَكْشِرُ فِيْ وُجُوْهِ اَقْوَامٍ وَاِنَّ قُلُوْبَنَا لَتَلْعَنُهُمْ" یعنی ہم بہت سے ایسے لوگوں سے بھی ہنس کر ملتے اور بولتے ہیں جن کے احوال اور اعمال کے لحاظ سے ہمارے دل ان پر لعنت کرتے ہیں۔

۳) اس حدیث کی ابوداؤد کی ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ جس آدمی کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا تھا کہ یہ بہت برا آدمی ہے، اس سے آپ نے ایسی بشاشت اور شگفتگی کے ساتھ کیوں ملاقات اور بات چیت فرمائی؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا "يَا عَائِشَةُ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَاحِشَ الْمُتَفَحِّشَ" (یعنی اے عائشہؓ! اللہ تعالیٰ بدزبان اور فحش گو آدمی کو دوست نہیں رکھتا) مطلب یہ ہے کہ بدزبانی کی عادت اللہ تعالیٰ کی محبت سے محروم کر دیتی ہے۔ لہٰذا میں کیسے اس کا مرتکب ہو سکتا ہوں۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ صَدَقَةٌ. (رواه البخاری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اچھی اور میٹھی بات بھی ایک صدقہ ہے (یعنی نیکی کی ایک قسم ہے جس پر بندہ اجر کا مستحق ہوتا ہے)۔ (صحیح بخاری)

تشریح:...... یہ دراصل ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے۔امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس پوری حدیث کو بھی روایت کیا ہے اور ایک جگہ تعلیقاً صرف اتنا ہی ٹکڑا نقل کیا ہے۔مطلب ظاہر ہے۔کسی کے ساتھ اچھی بات شیریں انداز میں کرنا اس کے دل کی خوشی کا باعث ہوتا ہے اور اللہ کے کسی بندہ کے دل کو خوش کرنا بلاشبہ بڑی نیکی ہے۔کہنے والے نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے:

''دل بدست آور کہ حج اکبر است''

زبان کی حفاظت

دنیا میں جھگڑے اور فسادات زیادہ تر زبان کی بے احتیاطیوں اور بے باکیوں ہی سے پیدا ہوتے ہیں اور جو بڑے بڑے گناہ آدمیوں سے بکثرت سرزد ہوتے ہیں ان کا تعلق بھی بیشتر زبان ہی سے ہوتا ہے اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی بڑی تاکید فرماتے تھے کہ زبان کو قابو میں رکھا جائے اور ہر قسم کی بری باتوں سے بلکہ بے ضرورت اور بے فائدہ باتیں کرنے سے بھی زبان کو روکا جائے اور جب بات کرنے کی کوئی خاص ضرورت نہ ہو اور بات سے کسی خیر اور نفع کی اُمید نہ ہو تو خاموش ہی رہا جائے۔یہ تعلیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان اہم تعلیمات میں سے ہے جن پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجات کا دارومدار بتلایا ہے اور بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز، روزہ، حج اور جہاد جیسی عبادات کی نورانیت اور ان کا حسن وقبول بھی زبان کی اسی احتیاط پر موقوف ہے۔

عَنْ مَعَاذٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخْبِرْنِىْ بِعَمَلٍ يُدْخِلُنِى الْجَنَّةَ وَيُبَاعِدُنِىْ مِنَ النَّارِ قَالَ لَقَدْ سَأَلْتَ عَنْ اَمْرٍ عَظِيْمٍ وَاِنَّهُ لَيَسِيْرٌ عَلٰى مَنْ يَّسَّرَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ تَعْبُدُ اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا وَتُقِيْمُ الصَّلٰوةَ وَتُؤْتِى الزَّكٰوةَ وَتَصُوْمُ رَمَضَانَ وَتَحُجُّ الْبَيْتَ، ثُمَّ قَالَ اَلَا اَدُلُّكَ عَلٰى اَبْوَابِ الْخَيْرِ؟ اَلصَّوْمُ جُنَّةٌ وَالصَّدَقَةُ تُطْفِئُ الْخَطِيْئَةَ كَمَا يُطْفِى الْمَاءُ النَّارَ وَصَلٰوةُ الرَّجُلِ فِىْ جَوْفِ اللَّيْلِ ثُمَّ تَلَا تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ ...... حَتّٰى بَلَغَ يَعْمَلُوْنَ ثُمَّ قَالَ اَلَا اَدُلُّكَ بِرَأْسِ الْاَمْرِ وَعَمُوْدِهٖ وَذُرْوَةِ سَنَامِهٖ قُلْتُ بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رَأْسُ الْاَمْرِ الْاِسْلَامُ وَعَمُوْدُهُ الصَّلٰوةُ وَذُرْوَةُ سَنَامِهِ الْجِهَادُ. ثُمَّ قَالَ اَلَا اُخْبِرُكَ بِمَلَاكِ ذٰلِكَ كُلِّهٖ قُلْتُ بَلٰى يَا نَبِىَّ اللّٰهِ فَاَخَذَ بِلِسَانِهٖ فَقَالَ كُفَّ عَلَيْكَ هٰذَا فَقُلْتُ يَانَبِىَّ اللّٰهِ وَاِنَّا لَمُؤَاخَذُوْنَ بِمَا نَتَكَلَّمُ بِهٖ قَالَ ثَكِلَتْكَ اُمُّكَ يَامَعَاذُ وَهَلْ يَكُبُّ النَّاسَ فِى النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اَوْ عَلٰى مَنَاخِرِهِمْ اِلَّا حَصَائِدُ اَلْسِنَتِهِمْ. (رواہ احمد والترمذی و ابن ماجه)

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ حضرت! (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے ایسا عمل بتا دیجئے کہ جس کی وجہ سے میں جنت میں پہنچ جاؤں اور دوزخ سے دور کر دیا جاؤں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے بہت بڑی بات پوچھی ہے لیکن (بڑی اور بھاری ہونے کے باوجود) وہ اس بندے کے لیے آسان ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ اس کو آسان کر دے (اور توفیق دے دے) لو سنو! (سب سے مقدم بات تو یہ ہے کہ دین کے ان بنیادی مطالبوں کو فکر اور اہتمام سے ادا کرو) اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو

اور اچھے طریقے (اور دل کی توجہ کے ساتھ) نماز ادا کیا کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور رمضان کے روزے رکھا کرو اور بیت اللہ کا حج کرو۔ پھر فرمایا کیا میں تمہیں خیر کے دروازے بھی بتا دوں؟ (گویا جو کچھ اب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا یہ تو اسلام کے ارکان اور فرائض تھے، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم چاہو تو میں تمہیں خیر کے اور دروازے بتلاؤں؟ غالباً اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد نفل عبادات تھیں۔ چنانچہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طلب دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا) روزہ (گناہوں سے اور دوزخ کی آگ سے بچانے والی) سپر اور ڈھال ہے اور صدقہ گناہ کو (اور گناہ سے پیدا ہونے والی آگ کو) اس طرح بجھا دیتا ہے جس طرح پانی آگ کو بجھا دیتا ہے اور رات کے درمیانی حصے کی نماز (یعنی نمازِ تہجد کا بھی یہی حال ہے اور ابوابِ خیر میں اس کا خاص الخاص مقام ہے) اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (تہجد اور صدقہ کی فضیلت کے سلسلہ میں) سورۂ سجدہ کی یہ آیت پڑھی:

تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفاً وَّطَمَعاً وَّمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ٥ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَآءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ

(اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے ایمان والے بندوں کا حال یہ ہوتا ہے کہ راتوں کو وہ اپنے بستروں کو چھوڑ کر خوف اور اُمید کی کیفیت کے ساتھ ہماری عبادت اور ہم سے دُعا کرنے میں مشغول رہتے ہیں اور ہم نے جو تھوڑا بہت دنیا میں ان کو دیا ہے وہ اس میں سے ہماری راہ میں بھی خرچ کرتے ہیں (یعنی صدقہ وخیرات کرتے ہیں) ان کے اعمال خیر کے صلہ میں دیئے جانے کے لیے جو نعمتیں اور آنکھوں کو ٹھنڈا کرنے والا جو سامان پردۂ غیب میں رکھا گیا ہے اس کو کوئی بھی نہیں جانتا۔ بس اللہ ہی کو اس کا علم ہے)

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا میں تمہیں معاملہ کا (یعنی دین کا) سر اور اس کا عمود یعنی ستون اور اس کی بلند چوٹی بتا دوں؟ (معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں) میں نے عرض کیا، حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) ضرور بتا دیں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دین کا سر یا سرا اسلام ہے اور اس کا ستون نماز ہے اور اس کی بلند چوٹی جہاد ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا میں تمہیں وہ چیز بھی بتا دوں جس پر گویا ان سب کا مدار ہے (اور جس کے بغیر یہ سب چیزیں ہیچ اور بے وزن ہیں۔ معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں) میں نے عرض کیا حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم)! وہ چیز بھی ضرور بتلا دیجئے! پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان پکڑی اور فرمایا اس کو روکو (یعنی اپنی زبان قابو میں رکھو، یہ چلنے میں بے باک اور بے احتیاط نہ ہو، معاذ کہتے ہیں) میں نے عرض کیا، حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم)! ہم جو باتیں کرتے ہیں، کیا ان پر بھی ہم سے مواخذہ ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے معاذ! تجھے تیری ماں روئے (عربی محاورہ کے مطابق یہاں یہ پیار کا کلمہ) آدمیوں کو دوزخ میں ان کے منہ کے بل یا فرمایا کہ ان کی ناکوں کے بل (زیادہ تر) ان کی زبانوں کی بیباکانہ باتیں ہی ڈلوائیں گی۔ (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

تشریح:...... اس حدیث میں ارکان اسلام کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابواب خیر کے عنوان سے روزہ اور صدقہ کا جو ذکر فرمایا ہے، اس عاجز کے نزدیک اس سے مراد نفلی روزہ اور نفلی صدقہ ہے اور اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ساتھ نمازِ تہجد کا ذکر فرمایا ہے جو نفل نمازوں میں سب سے افضل ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کو ''رَأسُ الامر'' یعنی

دین کا سر بتلایا ہے۔ بظاہر یہاں اسلام سے مراد اسلام قبول کرنا اور اس کو اپنا دین بنانا ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص سارے اچھے عمل کرے اور اس کے اخلاق و معاملات بھی اچھے ہوں لیکن وہ اسلام کو اپنا دین نہ بنائے تو اس کی مثال ایک ایسے جسم کی سی ہے جس کے ہاتھ پاؤں وغیرہ سب درست ہوں لیکن سر کٹ گیا ہو، پھر نماز کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کا ستون بتلایا، اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح کوئی مکان بغیر ستون کے قائم نہیں رہ سکتا، اسی طرح بغیر نماز کے دین کا قیام نہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کو دین کی بلند ترین چوٹی فرمایا۔ ظاہر ہے کہ دین کی بلندی اور رفعت جہاد ہی پر موقوف ہے۔
حدیث کا سب سے آخری جز جس کی وجہ سے یہاں اس حدیث کو درج کیا گیا ہے یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان سب چیزوں کا دارومدار اس پر ہے کہ آدمی اپنی زبان کی حفاظت کرے، یعنی زبان کی بیباکیاں ان سب اعمال حسنہ کو بے وزن اور بے نور کر دیتی ہیں۔ پھر جب حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ سن کر تعجب ہوا اور انہوں نے دریافت کیا کہ کیا باتوں پر بھی ہماری پکڑ ہوگی؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، آدمی جہنم میں اوندھے منہ زیادہ تر زبان ہی کی بے احتیاطیوں اور بے باکیوں کی وجہ سے ڈالے جائیں گے۔ آج بھی ہر دیکھنے والا بچشم خود دیکھ سکتا ہے کہ جو بڑے بڑے گناہ وبا کی طرح عام ہیں اور جن سے بچنے والے بہت ہی کم ہیں ان کا تعلق زیادہ تر زبان و دہن ہی سے ہے۔

ہرچہ بر آدمی برسد ز زیاں ہمہ از آفت زباں برسد

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ رَفَعَهٗ قَالَ اِذَا اَصْبَحَ ابْنُ آدَمَ فَاِنَّ الْاَعْضَاءَ كُلَّهَا تُكَفِّرُ اللِّسَانَ فَتَقُوْلُ اِتَّقِ اللّٰهَ فِيْنَا فَاِنَّا نَحْنُ بِكَ فَاِنِ اسْتَقَمْتَ اِسْتَقَمْنَا وَاِنِ اعْوَجَجْتَ اِعْوَجَجْنَا. (رواہ الترمذی)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب آدمی صبح کرتا ہے تو اس کے سارے اعضاء عاجزی اور لجاجت کے ساتھ زبان سے کہتے ہیں کہ (خدا کی بندی ہم پر رحم کر) اور ہمارے بارے میں خدا سے ڈر کیونکہ ہم تو تیرے ہی ساتھ بندھے ہوئے ہیں تو ٹھیک رہی تو ہم ٹھیک رہیں گے اور اگر تو نے غلط روی اختیار کی تو ہم بھی غلط روی کریں گے (اور پھر اس کا خمیازہ بھگتیں گے)۔ (جامع ترمذی)

تشریح:......اوپر والی حدیث سے معلوم ہوا تھا کہ انسان کے ظاہری اعضاء میں سے زیادہ تر زبان ہی کی غلط روی لوگوں کے جہنم میں ڈالے جانے کا باعث ہوگی۔ اس حدیث میں بتلایا گیا ہے کہ زبان کی اسی خاص نوعیت کی وجہ سے ہر روز انسان کے سارے اعضاء بزبانِ حال یا بزبان قال پوری عاجزی اور لجاجت کے ساتھ زبان سے درخواست کرتے ہیں کہ خدا کی بندی! ہماری صلاح و فلاح اور ہمارے انجام کی اچھائی برائی تجھ سے ہی وابستہ ہے اس لیے ہم پر رحم کر اور خدا سے بے خوف ہو کر بیباکانہ نہ چل ورنہ تیرے ساتھ ہم بھی اللہ کے عذاب میں گرفتار ہوں گے۔

ایک دوسری مشہور حدیث میں اعضاء انسانی میں سے قلب کی یہ خصوصیت بیان کی گئی ہے کہ "اِذَا صَلُحَ صَلُحَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ وَاِذَا فَسَدَ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ" (جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے تمام جسم اور اس کے سارے اعضاء کا صلاح و فساد اس کے قلب کے صلاح و فساد سے وابستہ ہے) لیکن ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد اور منافات نہیں ہے،

اصل تو قلب ہی ہے لیکن ظاہری اعضاء میں چونکہ زبان ہی اس کی خاص ترجمان ہے اس لیے دونوں کی نوعیت یہی ہے کہ اگر یہ ٹھیک ہیں تو خیریت ہے اور اگر ان میں فساد اور کجی ہے تو پھر انسان کی خیریت نہیں۔

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَّضْمَنْ لِيْ مَابَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ اَضْمَنْ لَهُ الْجَنَّةَ. (رواه البخاری)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ذمہ لے لے اپنی زبان اور اپنی شرمگاہ کا (کہ یہ دونوں غلط استعمال نہ ہوں گی) میں اس کے لیے ذمہ داری لیتا ہوں جنت کی۔(صحیح بخاری)

تشریح:...... انسانی اعضاء میں زبان کے علاوہ غلط استعمال سے جس عضو کی حفاظت کو خاص اہمیت حاصل ہے وہ انسان کی شرم گاہ ہے اس لیے اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ جو بندہ اس کا ذمہ لے لے کہ وہ غلط استعمال سے اپنی زبان کی بھی حفاظت کرے گا اور شہوت نفس کو بھی خدا کے احکام کا پابند رکھے گا میں اس کے لیے اللہ کی طرف سے جنت کا ذمہ لے سکتا ہوں۔

یہاں پھر یہ بات ملحوظ رہنی چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قسم کے ارشادات کے مخاطب وہ اہل ایمان ہوتے تھے جو آپ ہی کی تعلیم و تلقین سے اس بنیادی حقیقت کو جان چکے تھے کہ اس قسم کے وعدوں کا تعلق صرف ان لوگوں سے ہے جو صاحب ایمان اور ایمان کے بنیادی مطالبات کو بھی ادا کرتے ہوں۔

عَنْ سُفْيَانَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الثَّقَفِيِّ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اَخْوَفُ مَا تَخَافُ عَلَيَّ قَالَ فَاَخَذَ بِلِسَانِ نَفْسِهٖ وَقَالَ هٰذَا. (رواه الترمذی)

حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفیؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: حضرتؐ! میرے بارے میں جن باتوں کا حضور کو خطرہ ہوسکتا ہے ان میں زیادہ خطرناک اور خوفناک کیا ہے؟ سفیان کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبانِ مبارک پکڑ کر فرمایا کہ سب سے زیادہ خطرہ اس سے ہے۔(جامع ترمذی)

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ تم سے کسی اور برائی کا تو زیادہ خطرہ نہیں ہے البتہ یہ خطرہ ہے کہ تمہاری زبان بیجا چلے۔ لہٰذا اس کے بارے میں ہوشیار اور محتاط رہو۔ ہوسکتا ہے کہ سوال کرنے والے سفیان بن عبداللہ ثقفیؓ کی زبان میں کچھ تیزی ہو' اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے یہ فرمایا ہو۔ واللہ اعلم

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَمَتَ نَجَا.

(رواه احمد والترمذی والدارمی والبیهقی فی شعب الایمان)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' جو چپ رہا وہ نجات پا گیا۔(مسند احمد' جامع ترمذی' مسند دارمی' شعب الایمان للبیہقی)

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے بری باتوں اور فضول باتوں سے زبان کو روکا' وہ ہلاکت کے غار میں گرنے سے

بچ گیا، ابھی حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گزر چکا ہے کہ آدمی جہنم میں زیادہ تر زبان ہی کی بے باکیوں کی وجہ سے اوندھے منہ گرائے جائیں گے۔

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ لَقِيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ مَا النَّجَاةُ؟ فَقَالَ اَمْلِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ وَلْيَسَعْكَ بَيْتُكَ وَابْكِ عَلٰى خَطِيْئَتِكَ. (رواہ احمد والترمذی)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا کہ حضرت (مجھے بتادیجئے کہ) نجات حاصل کرنے کا گُر کیا ہے؟ (اور نجات حاصل کرنے کے لیے مجھے کیا کیا کام کرنے چاہئیں؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اپنی زبان پر قابو رکھو (وہ بے جا نہ چلے) اور چاہیے کہ تمہارے گھر میں تمہارے لیے گنجائش ہو اور اپنے گناہوں پر اللہ کے حضور میں رویا کرو۔ (جامع ترمذی)

تشریح:...... زبان پر قابو رکھنے اور اپنے گناہوں پر رونے کا مطلب تو ظاہر ہے لیکن ان دو کے علاوہ تیسری نصیحت جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمائی کہ ''تمہارے گھر میں تمہارے لیے گنجائش ہونی چاہیے'' اس کا مطلب یہ ہے کہ جب باہر کو کوئی کام نہ ہو تو آوارہ گردوں اور بےفکروں کی طرح باہر نہ گھوما کرو بلکہ اپنے گھر میں اور بال بچوں میں رہ کر گھر کے کام کاج دیکھا کرو اور اللہ کی عبادت کیا کرو۔ تجربہ شاہد ہے کہ بےضرورت باہر گھومنا سینکڑوں برائیوں اور فتنوں کا سبب بن جاتا ہے۔

عَنْ اَنَسٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا اَبَا ذَرٍّ اَلَا اَدُلُّكَ عَلٰى خَصْلَتَيْنِ هُمَا اَخَفُّ عَلَى الظَّهْرِ وَاَثْقَلُ فِي الْمِيْزَانِ؟ قَالَ قُلْتُ بَلٰى قَالَ طُوْلُ الصَّمْتِ وَحُسْنُ الْخُلُقِ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ مَا عَمِلَ الْخَلَائِقُ بِمِثْلِهِمَا. (رواہ البیھقی فی شعب الایمان)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ میں تمہیں ایسی دو خصلتیں بتادوں جو پیٹھ پر بہت ہلکی ہیں (ان کے اختیار کرنے میں آدمی پر کچھ زیادہ بوجھ نہیں پڑتا) اور اللہ کی میزان میں وہ بہت بھاری ہوں گی؟ ابوذر کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ دونوں خصلتیں ضرور بتلا دیجئے! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زیادہ خاموش رہنے کی عادت اور حسن اخلاق، قسم اُس پاک ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، مخلوقات کے اعمال میں یہ دونوں چیزیں بےمثل ہیں۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح:...... جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے، زیادہ خاموش رہنے کا مطلب یہی ہے کہ بےضرورت اور نامناسب اور ناپسندیدہ باتوں سے آدمی اپنی زبان روکے رہے جس شخص کا یہ طرز عمل ہوگا، قدرتی طور پر وہ کم بولنے والا اور زیادہ خاموش رہنے والا ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا میں سب سے زیادہ بولنے کی ضرورت تھی کہ قیامت تک پیدا ہونے والے انسانوں کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایات دینی تھیں اور آپ اس ضرورت سے بولنے میں کوئی کمی نہ کرتے تھے، بتانے کی ہر چھوٹی بڑی بات بتلاتے تھے لیکن اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیکھنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کا حال یہ بیان فرمایا کہ ''كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَوِيْلَ الصَّمْتِ'' (رواہ البغوی فی شرح السنہ) (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت زیادہ

خاموش رہتے تھے) ایک دوسری حدیث میں ہے کہ "وَلاَ یَتَکَلَّمَ اِلاَّ فِیْمَا یَرْجُوْ ثَوَابَه" (رواہ الطبرانی فی الکبیر) (آپ صرف وہی بات کرتے تھے جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ثواب کی اُمید ہوتی تھی)

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حَطَّانَ قَالَ اَتَیْتُ اَبَا ذَرٍّ فَوَجَدْتُّهُ فِی الْمَسْجِدِ مُحْتَبِیًا بِکِسَاءٍ اَسْوَدَ وَحْدَهُ فَقُلْتُ یَا اَبَا ذَرٍّ مَا هٰذِهِ الْوَحْدَةُ؟ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ الْوَحْدَةُ خَیْرٌ مِنْ جَلِیْسِ السُّوْءِ وَالْجَلِیْسُ الصَّالِحُ خَیْرٌ مِنَ الْوَحْدَةِ وَاِمْلاَءُ الْخَیْرِ خَیْرٌ مِّنَ السُّکُوْتِ وَالسُّکُوْتَ خَیْرٌ مِّنْ اِمْلاَءِ الشَّرِّ. (رواه البيهقى فى شعب الايمان)

عمران بن حطان تابعی سے روایت ہے کہ میں ایک دن حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے ان کو مسجد میں اس حالت میں دیکھا کہ ایک کالی کملی لپیٹے ہوئے بالکل اکیلے بیٹھے ہیں، میں نے عرض کیا اے ابوذر! یہ تنہائی اور یکسوئی کیسی ہے؟ (یعنی آپ نے اس طرح بالکل اکیلے اور سب سے الگ تھلگ رہنا کیوں اختیار فرمایا ہے؟) انہوں نے جواب دیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ "برے ساتھیوں کی ہم نشینی سے اکیلے رہنا اچھا ہے اور اچھے ساتھی کے ساتھ بیٹھنا تنہائی سے بہتر ہے اور کسی کو اچھی باتیں بتانا خاموش رہنے سے بہتر ہے اور بری باتیں بتانے سے بہتر خاموش رہنا ہے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح:......اس حدیث میں یہ بات زیادہ صراحت و وضاحت کے ساتھ آ گئی ہے کہ خاموشی کی جو افضلیت ہے وہ بری باتیں کرنے کے مقابلے میں ہے ورنہ اچھی باتیں کرنا خاموش رہنے سے افضل ہے۔ اسی طرح یہ بات بھی صراحت سے آ گئی ہے کہ برے لوگوں کے ساتھ اختلاط و ہم نشینی سے بہتر تنہائی ہے لیکن صلحا کی صحبت تنہائی سے بہتر ہے۔

فائدہ:...... یہاں ایک نکتہ یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ اللہ کے بندوں کی طبیعتیں اور ان کی استعدادیں اور ان کے رجحانات بہت مختلف ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم میں اتنی حکیمانہ وسعت اور ایسی جامعیت ہے کہ مختلف طبائع اور مختلف رجحانات رکھنے والے بندگانِ خدا اپنی اپنی طبیعت اور اپنے اپنے ذوق و رجحان کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کر کے اللہ کے قرب و رضا کے اعلیٰ سے اعلیٰ مقامات حاصل کر سکتے ہیں۔ مثلاً بعض لوگوں کا مزاج اور ذوق ایسا ہوتا ہے کہ جس قسم کے لوگوں کو وہ پسند نہ کریں ان سے ملنا جلنا ان کے لیے شاق اور گراں ہوتا ہے اور وہ ایسے لوگوں سے اختلاط رکھنے میں اپنا نقصان محسوس کرتے ہیں، ایسے لوگوں کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تعلیم اور رہنمائی موجود ہے جس کا ذکر حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس حدیث میں فرمایا اور جس پر خود ان کا عمل تھا اور بعض لوگ اپنی فطرت اور طبیعت کے لحاظ سے ایسے ہوتے ہیں کہ جن لوگوں کے احوال اور چال چلن کو وہ پسند نہ کریں ان کی بھی اصلاح اور درستی کے لیے ان سے ملنا جلنا اور ان کے برے اثرات سے اپنی حفاظت کرتے ہوئے ان کے ساتھ اختلاط رکھنا اور مختلف صورتوں سے ان کی خدمتیں کرنا ان کے لیے شاق نہیں ہوتا بلکہ ان کو اس سے مناسبت ہوتی ہے ان کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری حدیثوں میں (جو اپنے موقع پر آئیں گی) اسی طرز عمل کی رہنمائی فرمائی ہے اور اکثر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جو حضرت ابوذر

غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح تنہائی پسند نہیں تھے۔ ان کا طرز عمل وہی تھا۔ پس صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی سیرت کے بعض پہلوؤں میں اور اسی طرح زمانہ مابعد کے اہل ایمان اور اہل صلاح کے مختلف طبقوں کے طرز عمل میں جو اس طرح کی رنگارنگی کہیں کہیں نظر آتی ہے اس کی حقیقت بس اتنی ہی ہے کہ اللہ کی بنائی ہوئی طبیعتوں اور مزاجی مناسبتوں کے قدرتی فرق اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وتربیت کی جامعیت اور کاملیت کا وہ قدرتی نتیجہ ہے جو لوگ اپنی تنگ نظری سے سب کو ایک ہی حال اور بالکل ایک ہی رنگ میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ درحقیقت انہوں نے دین کی وسعت، تعلیم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی جامعیت وکاملیت اور اللہ تعالیٰ کی تکوینی وتشریعی حکمت پر غور نہیں کیا ہے۔

فضولیات سے احتراز

عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَالَا يَعْنِيْهِ. (رواه مالک و احمد و رواه ابن ماجة عن ابی هريرة والترمذی والبيهقی فی شعب الايمان عنهما)

حضرت علی بن الحسین زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آدمی کی اسلامیت کے حسن وکمال میں سے یہ بھی ہے کہ جو بات اس کے لیے ضروری اور مفید نہ ہو اس کو چھوڑ دے۔ (اس حدیث کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے مؤطا میں اور امام احمدؒ نے اپنی مسند میں حضرت علی بن الحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرسلاً روایت کیا ہے اور ابن ماجہ نے سنن میں مسنداً حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے جامع میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں اس حدیث کو اسی طرح مرسلاً ومسنداً ان دونوں بزرگوں سے روایت کیا ہے۔)

تشریح:......حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بے ضرورت اور بے فائدہ باتیں نہ کرنا اور لغو وفضول مشغلوں سے اپنے کو محفوظ رکھنا کمال ایمان کا تقاضا اور آدمی کے اسلام کی رونق وزینت سے ہے اسی خصلت کا مختصر اصطلاحی عنوان ''ترک مالا یعنی'' ہے۔

چغل خوری

جن بری عادتوں کا تعلق زبان سے ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن کو سنگین جرم اور گناہ عظیم قرار دیا ہے اور جن سے بچنے اور پرہیز کرنے کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت ترین تاکید فرمائی ہے ان میں سے ایک چغل خوری بھی ہے یعنی کسی کی ایسی بات دوسرے کو پہنچانا جو اس شخص کی طرف سے اس دوسرے آدمی کو بدگمان اور ناراض کر کے باہمی تعلقات کو خراب کر دے، اسی بری عادت کا نام چغل خوری ہے چونکہ آپس کے تعلقات کی درستی وخوشگواری اور حسن معاشرت اور باہم میل ومحبت تعلیم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقاصد میں سے ہے۔ (یہاں تک کہ ایک حدیث میں بعض حیثیتوں سے اس کو عبادات سے بھی اہم قرار دیا گیا ہے) اس لیے جو چیز باہمی تعلقات کو خراب کر کے بغض وعداوت اور مخالفت ومنافرت پیدا کرے، ظاہر ہے کہ وہ بدترین درجہ کی معصیت ہوگی۔ بہرحال چغل خوری کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی لیے سخت ترین گناہوں میں سے بتلایا ہے اور آخرت میں سامنے آنے والے اس کے برے انجام سے پوری طرح ڈرایا ہے۔

عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَّاتٌ. (رواه البخاری و فی روایۃ مسلم نمام)

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ چغل خور آدمی جنت میں داخل نہ ہو سکے گا۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ چغل خوری کی عادت اس سنگین گناہوں میں سے ہے جو جنت کے داخلہ میں رکاوٹ بننے والے ہیں اور کوئی آدمی اس گندی اور شیطانی عادت کے ساتھ جنت میں نہ جا سکے گا، ہاں اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے کسی کو معاف کر کے یا اس جرم کی سزا دے کے اس کو پاک کر دے تو اس کے بعد داخلہ ہو سکے گا۔

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ غُنْمٍ وَاَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خِيَارُ عِبَادِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ اِذَا رُأُوْا ذُكِرَ اللّٰهُ وَشِرَارُ عِبَادِ اللّٰهِ الْمَشَّاؤُنَ بِالنَّمِيْمَةِ الْمُفَرِّقُوْنَ بَيْنَ الْاَحِبَّةِ اَلْبَاغُوْنَ الْبُرَاءَ الْعَنَتَ. (رواه احمد والبيهقی فی شعب الايمان)

عبدالرحمٰن بن غنم اور اسماء بنت یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے بہترین بندے وہ ہیں جن کو دیکھ کر اللہ یاد آئے اور بدترین بندے وہ ہیں جو چغلیاں کھانے والے دوستوں میں جدائی ڈالنے والے ہیں اور جو اس کے طالب اور ساعی رہتے ہیں کہ اللہ کے پاک دامن بندوں کو کسی گناہ سے ملوث یا کسی مصیبت اور پریشانی میں مبتلا کریں۔ (مسند احمد، شعب الایمان للبیہقی)

تشریح:...... اس حدیث میں اللہ کے اچھے بندوں کی یعنی اللہ والوں کی نشانی یہ بتلائی گئی ہے کہ ان کے دیکھنے سے خدا یاد آئے اور بدترین انسان ان لوگوں کو قرار دیا گیا ہے جو عادتاً چغل خور ہوں اور چغلیاں کھا کھا کر دوستوں میں پھوٹ ڈلوانا جن کی عادت اور جن کا دلچسپ مشغلہ ہو اور جو بندگانِ خدا کو بدنام اور پریشان کرنے کے درپے رہتے ہوں۔ پس آدمی کو چاہیے کہ وہ صحبت ومحبت کے لیے ایسے بندگانِ خدا کو تلاش کرے جن کے دیکھنے سے دل کی غفلت دور ہو اور اللہ یاد آئے اور جن کے پاس بیٹھنے سے قلب میں زندگی اور بیداری پیدا ہو اور اس کے برخلاف جو ناخدا شناس اور موذی لوگ دوسروں کی برائی کے درپے رہتے ہوں اور ان کو بدنام کرنا اور نقصان پہنچانا جن کا خاص مشغلہ ہو ان سے بچے اور ان کے برے اثرات سے اپنے کو بچانے کی فکر کرتا رہے۔

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُبَلِّغُنِيْ اَحَدٌ مِنْ اَصْحَابِيْ عَنْ اَحَدٍ شَيْئًا فَاِنِّيْ اُحِبُّ اَنْ اُخْرُجَ اِلَيْكُمْ وَاَنَا سَلِيْمُ الصَّدْرِ. (رواه ابو داؤد)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرے ساتھیوں میں سے کوئی کسی دوسرے کی بات مجھے نہ پہنچایا کرے، میں چاہتا ہوں کہ جب میں تم لوگوں میں آؤں تو میرا دل (سب کی طرف سے صاف) اور بے روگ ہو۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح:...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث کے ذریعہ اُمت کو سبق دیا کہ دوسروں کے متعلق ایسی باتیں سننے سے بھی آدمی کو پرہیز کرنا چاہیے جن سے اس کے دل میں بدگمانی کی کدورت اور رنجش وغیرہ پیدا ہونے کا امکان ہو (لیکن واضح رہے کہ جن موقعوں پر شرعی ضرورت اور دینی مصلحت کا تقاضا ایسی باتیں کہنے یا سننے کا ہو وہ مواقع اس سے مستثنیٰ ہوں گے)۔

غیبت اور بہتان

جس قسم کے مفاسد اور جو خطرناک نتیجے چغل خوری سے پیدا ہوتے ہیں وہی بلکہ ان سے بھی کچھ زیادہ سنگین قسم کے نتیجے غیبت کرنے اور کسی پر بہتان لگانے سے پیدا ہوتے ہیں۔ غیبت یہ ہے کہ کسی بھائی کی ایسی بات یا اس کے کسی ایسے فعل یا حال کا ذکر کیا جائے جس کے ذکر سے اس کو ناگواری اور اذیت ہو اور جس کی وجہ سے وہ شخص حقیر و ذلیل یا مجرم سمجھا جائے۔ چونکہ غیبت سے ایک شخص کی رسوائی اور بے آبروئی ہوتی ہے اور اس کو روحانی تکلیف پہنچتی ہے اور دلوں میں فتنہ و فساد کا بیج پڑتا ہے جس کے نتائج بعض حالتوں میں بڑے خطرناک اور دوررس نکلتے ہیں۔ اس لیے غیبت کو بھی سخت ترین گناہ قرار دیا گیا ہے اور اس کی انتہائی شناعت اور گندگی کو ذہن نشین کرنے کے لیے قرآن وحدیث میں ''اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے'' سے اس کو تشبیہ دی گئی ہے۔ بہر حال غیبت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیم میں نہایت ذلیل اور گھناؤنی' بداخلاقی اور گناہِ کبیرہ قرار دیا ہے اور بہتان کا درجہ اس سے بھی آگے ہے۔ بہتان اس کا نام ہے کہ اللہ کے کسی بندہ کی طرف ایسی کسی برائی اور بداخلاقی کی نسبت کی جائے جس سے وہ بالکل بری اور پاک ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ بڑی شقاوت کی بات ہے اور ایسا کرنے والے اللہ کے اور اس کے بندوں کے سخت ترین مجرم ہیں۔

عَنْ اَبِیْ بَرْزَةَ الْاَسْلَمِیْ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَا مَعْشَرَ مَنْ اٰمَنَ بِلِسَانِهٖ وَلَمْ یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ قَلْبَهٗ لَا تَغْتَابُوا الْمُسْلِمِیْنَ وَلَا تَتَّبِعُوْا عَوْرَاتِهِمْ فَاِنَّهٗ مَنْ اِتَّبَعَ عَوْرَاتِهِمْ یَتَّبِعِ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ وَمَنْ یَّتَّبِعِ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ یَفْضَحْهُ فِیْ بَیْتِهٖ. (رواہ ابو داؤد)

حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے وہ لوگو! جو زبان سے ایمان لائے ہو اور ایمان ابھی ان کے دلوں میں نہیں اُترا ہے' مسلمانوں کی غیبت نہ کیا کرو اور ان کے چھپے ہوئے عیبوں کے پیچھے نہ پڑا کرو (یعنی ان کی چھپی ہوئی کمزوریوں کی ٹوہ لگانے اور ان کی تشہیر کرنے میں دلچسپی نہ لیا کرو) کیونکہ جو ایسا کرے گا اللہ تعالیٰ کا معاملہ بھی اس کے ساتھ ایسا ہی ہوگا اور جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ معاملہ ہوگا اللہ تعالیٰ اس کو اس کے گھر میں ذلیل کر دے گا۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح:...... اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ کسی مسلمان کی غیبت اور اس کے عیوب اور کمزوریوں کی تشہیر میں دلچسپی لینا دراصل ایک ایسی منافقانہ حرکت ہے جو صرف ایسے ہی لوگوں سے سرزد ہو سکتی ہے جو صرف زبان کے مسلمان ہوں اور ایمان نے ان کے دلوں میں گھر نہ کیا ہو۔

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا عُرِجَ بِیْ مَرَرْتُ بِقَوْمٍ لَهُمْ اَظْفَارٌ مِنْ نُحَاسٍ یَخْمِشُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَصُدُوْرَهُمْ فَقُلْتُ مَنْ هٰؤُلَآءِ یَا جِبْرِیْلُ قَالَ هٰؤُلَآءِ الَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ لُحُوْمَ النَّاسِ وَیَقَعُوْنَ فِیْ اَعْرَاضِهِمْ. (رواہ ابو داؤد)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ جب مجھے معراج ہوئی تو (ملاء اعلیٰ کے اس سفر میں) میرا گزر کچھ ایسے لوگوں پر ہوا جن کے ناخن سرخ تانبے کے سے تھے جن سے وہ

اپنے چہروں اور اپنے سینوں کو نوچ نوچ کے زخمی کر رہے تھے، میں نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں جو ایسے سخت عذاب میں مبتلا ہیں؟ جبرئیل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو زندگی میں لوگوں کے گوشت کھایا کرتے تھے (یعنی اللہ کے بندوں کی غیبتیں کیا کرتے تھے) اور ان کی آبروؤں سے کھیلتے تھے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح:...... نحاس کے اصل معنی تانبے کے ہیں اور آگ جب بالکل سرخ ہو تو اُس کو بھی نحاس کہا جاتا ہے۔ اس حدیث میں "نحاس کے ناخنوں" کا جو ذکر ہے بظاہر اس سے مراد یہ ہے کہ ان لوگوں کے ناخن جہنم کی آگ میں تپے ہوئے سرخ تانبے یا تانبے کے سے تھے اور یہ انہی ناخنوں سے اپنے چہرے اور اپنے سینوں کو نوچ نوچ کے زخمی کر رہے تھے۔ ان کے لیے عالم برزخ میں خاص طور سے یہ سزا اس لیے تجویز کی گئی کہ دنیوی زندگی میں یہ مجرمین اللہ کے بندوں کا گوشت نوچا کرتے تھے یعنی غیبتیں کیا کرتے تھے اور یہ ان کا محبوب مشغلہ تھا۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ وَ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْغِیْبَۃُ اَشَدُّ مِنَ الزِّنَا" قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ کَیْفَ الْغِیْبَۃُ اَشَدُّ مِنَ الزِّنَا؟ قَالَ اِنَّ الرَّجُلَ لَیَزْنِیْ فَیَتُوْبُ فَیَتُوْبُ اللّٰہُ عَلَیْہِ (وَفِیْ رِوَایَۃٍ فَیَتُوْبُ فَیَغْفِرُ اللّٰہُ لَہٗ) وَاِنَّ صَاحِبَ الْغِیْبَۃِ لَا یُغْفَرُ لَہٗ حَتّٰی یَغْفِرَھَا لَہٗ صَاحِبُہٗ. (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

حضرت ابوسعید خدری اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہما وعنہم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، غیبت زنا سے بھی زیادہ سخت اور سنگین ہے۔ بعض صحابہؓ نے عرض کیا کہ حضرتؐ! غیبت زنا سے زیادہ سنگین کیونکر ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (بات یہ ہے کہ) آدمی اگر بدبختی سے زنا کر لیتا ہے تو صرف توبہ کرنے سے اس کی معافی اور مغفرت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو سکتی ہے مگر غیبت کرنے والے کو جب تک خود وہ شخص معاف نہ کر دے جس کی اُس نے غیبت کی ہے اس کی معافی اور بخشش اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہوگی۔ (شعب الایمان للبیہقی)

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَتَدْرُوْنَ مَا الْغِیْبَۃُ؟ قَالُوْا اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ قَالَ ذِکْرُکَ اَخَاکَ بِمَا یَکْرَہُ قِیْلَ اَفَرَاَیْتَ اِنْ کَانَ فِیْ اَخِیْ مَا اَقُوْلُ؟ قَالَ اِنْ کَانَ فِیْہِ مَا تَقُوْلُ فَقَدْ اِغْتَبْتَہٗ وَاِنْ لَّمْ یَکُنْ فِیْہِ مَا تَقُوْلُ فَقَدْ بَھَتَّہٗ. (رواہ مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن فرمایا، کیا تم جانتے ہو کہ غیبت کس کو کہتے ہیں؟ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا، اللہ اور اس کے رسول ہی کو زیادہ علم ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا اپنے کسی بھائی کو اس طرح ذکر کرنا جس سے اُس کو ناگواری ہو (بس یہی غیبت ہے) کسی نے عرض کیا کہ حضرتؐ! اگر میں اپنے بھائی کی کوئی ایسی برائی ذکر کروں جو واقعتہً اس میں ہو (تو کیا یہ بھی غیبت ہے؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: غیبت جب ہی ہوگی جبکہ وہ برائی اس میں موجود ہو، اور اگر اس میں وہ برائی اور عیب موجود ہی نہیں ہے (جو تم نے اس کی نسبت کر کے ذکر کیا) تو پھر تو یہ بہتان ہوا (اور یہ غیبت سے بھی زیادہ سخت اور سنگین ہے)۔ (صحیح مسلم)

تشریح:...... اس حدیث سے غیبت کی حقیقت اور غیبت اور بہتان کا فرق واضح طور پر معلوم ہو جاتا ہے اور یہ بھی کہ بہتان غیبت سے زیادہ سنگین قسم کا جرم ہے۔

ف:...... یہاں یہ بات بھی ملحوظ رکھنی چاہیے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے بندوں کی خیر خواہی یا کسی مضرت اور مفسدہ کے انسداد کے لیے کسی شخص یا گروہ کی واقعی برائی دوسروں کے سامنے بیان کرنا ضروری ہو جائے یا اس کے علاوہ ایسے ہی کسی شرعی، اخلاقی یا تمدنی مقصد کا حاصل ہونا اس پر موقوف ہو تو پھر اس شخص یا گروہ کی برائی کا بیان کرنا اس غیبت میں داخل نہ ہوگا جو شرعاً حرام اور گناہ کبیرہ ہے بلکہ بعض حالتوں میں تو یہ کارِ ثواب ہوگا۔

چنانچہ حاکم کے سامنے ظالم کے خلاف گواہی دینا یا کسی پیشہ ور دھوکے باز کی حالت سے لوگوں کو باخبر کرنا تا کہ وہ اس کے دھوکے میں نہ آئیں اور حضرات محدثین کا غیر ثقہ اور غیر عادل راویوں پر جرح کرنا اور دین و شریعت کے محافظ علماء حق کا اہل باطل کی غلطیوں پر لوگوں کو مطلع کرنا یہ سب اسی قبیل سے ہے۔

دورُخے پن کی مذمت

بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ جب دو آدمیوں یا گروہوں میں اختلاف اور نزاع ہو تو وہ ہر فریق سے مل کر دوسرے کے خلاف باتیں کرتے ہیں۔ اسی طرح بعض لوگوں کا حال یہ ہوتا ہے کہ جب کسی سے ملتے ہیں تو اس کے ساتھ اپنے حسن تعلق کا اظہار کرتے ہیں اور پیچھے اس کی برائی اور بدخواہی کی باتیں کرتے ہیں ایسے آدمی کو اُردو زبان میں "دورُخا" کہتے ہیں اور عربی میں "ذوالوجہین" کہا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ طرزِ عمل ایک طرح کی منافقت اور ایک قسم کی دھوکہ بازی ہے جس سے بچنے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل ایمان کو سخت تاکید فرمائی ہے اور بتلایا ہے کہ یہ سخت گناہ کی بات ہے اور ایسے لوگ سخت ترین عذاب میں مبتلا کیے جائیں گے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَجِدُوْنَ شَرَّ النَّاسِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ذَالْوَجْهَیْنِ الَّذِیْ یَاتِیْ هٰؤُلَاءِ بِوَجْهٍ وَهٰؤُلَاءِ بِوَجْهٍ. (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم قیامت کے دن سب سے برے حال میں اس آدمی کو پاؤ گے جو کچھ لوگوں کے پاس جاتا ہے تو اس کا رُخ اور ہوتا ہے اور دوسروں کے پاس جاتا ہے تو اور۔ (صحیح بخاری ومسلم)

تشریح:...... قیامت میں ایسا آدمی جس بدترین حالت میں دیکھا جائے گا اس کی کچھ تفصیل اس سے اگلی حدیث سے معلوم ہوسکتی ہے۔

عَنْ عَمَّارٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ ذَاوَجْهَیْنِ فِی الدُّنْیَا كَانَ لَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ لِسَانَانِ مِنْ نَّارٍ. (رواہ ابو داؤد)

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دنیا میں جو شخص دورُخا ہوگا (اور منافقوں کی طرح مختلف لوگوں سے مختلف قسم کی باتیں کریں گے) قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی دو زبانیں ہوں گی۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح:...... اچھے اعمال اور اچھے اخلاق جن پر آخرت میں ثواب کے وعدے ہیں، مختلف قسم کے ہیں اور ان کے درجے بھی مختلف ہیں۔ اسی طرح برے اعمال اور برے اخلاق جن پر عذاب کی وعیدیں ہیں وہ بھی مختلف قسم کے اور مختلف درجے کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم و حکمت سے ہر نیکی اور بدی کا ثواب و عذاب اس کے مناسب مقرر فرمایا ہے۔ پس دو رُخا پن (جو ایک طرح کی منافقت ہے) اس کی سزا یہ مقرر فرمائی گئی ہے کہ ایسے آدمی کے منہ میں وہاں آگ کی دو زبانیں

ہوں گی۔ "اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا!" واضح رہے کہ جانوروں میں سے بعضے سانپوں کی دوزُبانیں ہوتی ہیں۔

یہاں یہ بات ہمارے لیے سوچنے سمجھنے کی ہے کہ بعض بداعمالیاں اور بداخلاقیاں حقیقت میں نہایت خطرناک اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہایت سنگین ہیں لیکن ہم لوگ ان کو معمولی بات سمجھتے ہیں اور ان سے بچنے کی جتنی فکر کرنی چاہیے اتنی فکر نہیں کرتے، ایسی ہی برائیوں کے بارے میں قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے: "وَتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ o" (تم اس کو معمولی اور ہلکی بات سمجھتے ہو حالانکہ اللہ کے نزدیک وہ بہت سنگین اور بہت بڑی بات ہے) یہ بری عادت (دوزُخاپن) بھی اسی قبیل سے ہے، ہم میں سے بہت سے اس کو معمولی بات سمجھتے ہیں اور اس سے بچنے کی فکر نہیں کرتے حالانکہ ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتنا سنگین اور خطرناک گناہ ہے اور آخرت میں اس پر کتنا سخت عذاب ہونے والا ہے۔

صدق وامانت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیم میں جن اخلاق حسنہ پر بہت زور دیا اور جن کو لازمہ ایمان واسلام قرار دیا ہے ان میں سچائی اور امانت داری کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ امانت میں خیانت کرنا اور عہد کو توڑنا، نفاق کی خاص علامات میں سے ہے اور جس شخص میں یہ برائیاں جمع ہوں وہ منافق ہے۔ اسی طرح یہ حدیث بھی ہے کہ "جس میں امانت نہیں اس میں ایمان نہیں" اور یہ کہ "مؤمن جھوٹ بولنے کا عادی نہیں ہوسکتا۔"

اب یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ ارشادات درج کیے جاتے ہیں جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے براہ راست سچائی اور امانت داری پر قائم رہنے اور جھوٹ اور خیانت سے پرہیز کرنے کی تاکید فرمائی ہے:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ فَإِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِىْ اِلَى الْبِرِّ وَاِنَّ الْبِرَّ يَهْدِىْ اِلَى الْجَنَّةِ وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَصْدُقُ وَيَتَحَرَّى الصِّدْقَ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ صِدِّيْقًا وَاِيَّاكُمْ وَالْكِذْبَ فَاِنَّ الْكِذْبَ يَهْدِىْ اِلَى الْفُجُوْرِ وَاِنَّ الْفُجُوْرَ يَهْدِىْ اِلَى النَّارِ وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَكْذِبُ وَيَتَحَرَّى الْكِذْبَ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ كَذَّابًا. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم سچائی کو لازم کو پکڑو اور ہمیشہ سچ ہی بولو کیونکہ سچ بولنا نیکی کے راستے پر ڈال دیتا ہے اور نیکی جنت کی تک پہنچا دیتی ہے اور آدمی جب ہمیشہ سچ ہی بولتا ہے اور سچائی ہی کو اختیار کر لیتا ہے تو وہ مقام صدیقیت تک پہنچ جاتا ہے اور اللہ کے یہاں صدیقین میں لکھ لیا جاتا ہے اور جھوٹ سے ہمیشہ بچتے رہو کیونکہ جھوٹ بولنے کی عادت آدمی کو بدکاری کے راستے پر ڈال دیتی ہے اور بدکاری اس کو دوزخ تک پہنچا دیتی ہے اور آدمی جھوٹ بولنے کا عادی ہو جاتا ہے اور جھوٹ کو اختیار کر لیتا ہے تو انجام یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ کے یہاں کذابین میں لکھ لیا جاتا ہے۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ سچ بولنا بذاتِ خود بھی نیک عادت ہے اور اس کی یہ خاصیت بھی ہے کہ وہ آدمی کو زندگی کے دوسرے پہلوؤں میں بھی نیک کردار اور صالح بنا کر جنت کا مستحق بنا دیتی ہے اور ہمیشہ سچ بولنے والا آدمی مقام صدیقیت

تک پہنچ جاتا ہے۔ اسی طرح جھوٹ بولنا بذات خود بھی ایک خبیث خصلت ہے اور اس کی یہ خاصیت بھی ہے کہ وہ آدمی کے اندر فسق و فجور کا میلان پیدا کر کے اس کی پوری زندگی کو بدکاری کی زندگی بنا کر دوزخ تک پہنچا دیتی ہے۔ نیز جھوٹ کی عادت ڈال لینے والا آدمی کذابیت کے درجے تک پہنچ کر پورا لعنتی بن جاتا ہے۔

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ قُرَادٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ یَوْمًا فَجَعَلَ اَصْحَابُهٗ یَتَمَسَّحُوْنَ بِوَضُوْئِهٖ فَقَالَ لَهُمُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا یَحْمِلُکُمْ عَلٰی هٰذَا قَالُوْا حُبُّ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ یُّحِبَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اَوْ یُحِبَّهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ فَلْیَصْدُقْ حَدِیْثَهٗ اِذَا حَدَّثَ وَلْیُؤَدِّ اَمَانَتَهٗ اِذَا ائْتُمِنَ وَلْیُحْسِنْ جِوَارَ مَنْ جَاوَرَهٗ. (رواه البیهقی فی شعب الایمان)

عبدالرحمٰن بن ابی قراد سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن وضو کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ وضو کا پانی لے لے کر (اپنے چہروں اور جسموں پر) ملنے لگے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم کو کیا چیز اس فعل پر آمادہ کرتی ہے اور کون سا جذبہ تم سے یہ کام کراتا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ: اللہ اور اس کے رسول کی محبت۔ ان کا یہ جواب سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کی یہ خوشی ہو اور وہ یہ چاہے کہ اس کو اللہ اور اس کے رسول سے حقیقی محبت ہو یا یہ کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس سے محبت کریں تو اسے چاہیے کہ جب وہ بات کرے تو ہمیشہ سچ بولے اور جب کوئی امانت اس کے سپرد کی جائے تو ادنیٰ خیانت کے بغیر اس کو ادا کرے اور جس کے پڑوس میں اس کا رہنا ہو، اس کے ساتھ بہتر سلوک کرے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح: ...... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور ان کے ساتھ سچے تعلق کا اولین تقاضا یہ ہے کہ آدمی ہمیشہ سچ بولے، امانت داری کو شعار بنائے اور جھوٹ اور خیانت سے کامل پرہیز کرے۔ اگر یہ نہیں تو محبت کا دعویٰ ایک بے جا جسارت اور ایک طرح کا نفاق ہے۔

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِضْمَنُوْا لِیْ سِتًّا مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَضْمَنْ لَکُمُ الْجَنَّةَ اُصْدُقُوْا اِذَا حَدَّثْتُمْ وَاَوْفُوْا اِذَا وَعَدْتُّمْ وَاَدُّوْا اِذَا ائْتُمِنْتُمْ وَاحْفَظُوْا فُرُوْجَکُمْ وَغُضُّوْا اَبْصَارَکُمْ وَکُفُّوْا اَیْدِیَکُمْ. (رواه احمد والبیهقی فی شعب الایمان)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم چھ باتوں کے ضامن ہو جاؤ اور ان کی ذمہ داری لے لو تو میں تمہارے لیے جنت کی ذمہ داری لیتا ہوں۔ (وہ چھ باتیں یہ ہیں) جب بات کرو تو ہمیشہ سچ بولو، جب کسی سے وعدہ کرو تو اس کو پورا کرو، جب کوئی امانت سپرد کی جائے تو اس کو ٹھیک ٹھیک ادا کرو اور حرام کاری سے اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو اور جن چیزوں کی طرف نظر کرنے سے منع فرمایا گیا ہے ان کی طرف سے آنکھیں بند کرو، یعنی کوشش کرو کہ ان پر نظر نہ پڑے اور جن موقعوں پر ہاتھ روکنے کا حکم دیا گیا ہے وہاں ہاتھ روک لو (یعنی ناحق کسی کو نہ مارو نہ ستاؤ نہ کسی کی کوئی چیز چھیننے کے لیے ہاتھ بڑھاؤ وغیرہ وغیرہ)

تشریح: ...... مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایمان لے آیا ہے اور فرائض و ارکان ادا کرتا ہے اور مذکورہ بالا چھ بنیادی اخلاق

(صدق وامانت وغیرہ) کا بھی اپنے کو پابند بنالیتا ہے تو پھر یقیناً وہ جنتی ہے اور اس کے لیے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جنت کی ضمانت اور بشارت ہے۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِيْنُ مَعَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ. (رواه الترمذی، والدارمی والدارقطنی)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سچا اور امانت دار سوداگر انبیاء صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔ (جامع ترمذی، مسند دارمی، سنن دارقطنی)

تشریح:...... اس حدیث نے واضح طور پر یہ بھی بتایا ہے کہ قرب خداوندی کے اعلیٰ سے اعلیٰ مقامات حاصل کرنے کے لیے بھی دنیا اور مشاغل دنیا چھوڑنا ضروری نہیں بلکہ ایک سوداگر بازار میں بیٹھ کر اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی فرمانبرداری اور صدق و امانت جیسے دینی قوانین کی پابندی کے ذریعے حضرات انبیاء علیہم السلام اور صدیقین وشہداء کی معیت اور رفاقت تک حاصل کرسکتا ہے۔

عَنْ عُبَيْدِ بْنِ رِفَاعَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلتُّجَّارُ يُحْشَرُوْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فُجَّارًا اِلَّا مَنِ اتَّقٰى وَبَرَّ وَصَدَقَ. (رواه الترمذی و ابن ماجة والدارمی)

عبید بن رفاعہ اپنے والد ماجد حضرت رفاعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث روایت کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: تاجر لوگ قیامت کے دن بدکار اٹھائے جائیں گے (یعنی عام تاجروں کا حشر بدکاروں کا سا ہوگا) سوائے ان (خداترس اور خداپرست) تاجروں کے جنہوں نے اپنی تجارت میں تقویٰ اور حسن سلوک اور سچائی کو برتا ہوگا۔ (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، مسند دارمی)

جھوٹ اور خیانت

عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُطْبَعُ الْمُؤْمِنُ عَلَى الْخِلَالِ كُلِّهَا اِلَّا الْخِيَانَةَ وَالْكِذْبَ. (رواه احمد والبیهقی فی شعب الایمان)

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مؤمن کی طبیعت اور فطرت میں ہر خصلت کی گنجائش ہے۔ سوائے خیانت اور جھوٹ کے۔ (مسند احمد، شعب الایمان للبیہقی)

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ مؤمن اگر واقعی مؤمن ہو تو جھوٹ اور خیانت کی اس کی فطرت میں گنجائش نہیں ہوسکتی، دوسری برائیاں اور کمزوریاں اس میں ہوسکتی ہیں لیکن خیانت اور جھوٹ جیسی خالص منافقانہ عادتیں ایمان کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتیں۔ پس اگر کسی میں یہ بری عادتیں موجود ہوں تو اسے سمجھنا چاہیے کہ اس کو ایمان کی حقیقت ابھی نصیب نہیں ہوئی ہے اور اگر اپنی اس محرومی پر وہ مطمئن نہیں رہنا چاہتا ہے تو اس کو ان خلاف ایمان عادتوں سے اپنی زندگی کو پاک رکھنا چاہیے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَذَبَ الْعَبْدُ تَبَاعَدَ عَنْهُ الْمَلَكُ مِيْلًا مِنْ نَتْنِ مَا جَاءَ بِهٖ. (رواه الترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو فرشتہ اس کے جھوٹ کی بدبو کی وجہ سے ایک میل دور چلا جاتا ہے۔ (جامع ترمذی)

تشریح:...... جس طرح اسی مادی عالم کی مادی چیزوں میں خوشبو اور بدبو ہوتی ہے اسی طرح اچھے اور برے اعمال اور کلمات میں بھی خوشبو اور بدبو ہوتی ہے، جس کو اللہ کے فرشتے اسی طرح محسوس کرتے ہیں جس طرح ہم یہاں کی مادی خوشبو اور بدبو کو محسوس کرتے ہیں اور کبھی کبھی وہ اللہ کے بندے بھی اس کو محسوس کرتے ہیں جن کی روحانیت ان کی مادیت پر غالب آ جاتی ہے۔

بڑی سخت خیانت

عَنْ سُفْيَانَ بْنِ اَسِيْدِ الْحَضْرَمِيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ كَبُرَتْ خِيَانَةً اَنْ تُحَدِّثَ اَخَاكَ حَدِيْثًا وَهُوَ لَكَ بِهٖ مُصَدِّقٌ وَاَنْتَ بِهٖ كَاذِبٌ. (رواہ ابو داؤد)

سفیان بن اسید حضرمی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے، یہ بہت بڑی خیانت ہے کہ تم اپنے بھائی سے کوئی جھوٹی بات بیان کرو درانحالیکہ وہ تم کو اس بیان میں سچا سمجھتا ہو۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ جھوٹ اگرچہ بہرحال گناہ اور بہت سنگین گناہ ہے لیکن بعض خاص صورتوں میں اس کی سنگینی اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ ان ہی صورتوں میں سے ایک صورت یہ بھی ہے کہ ایک شخص تم پر پورا بھروسہ اور اعتبار کرے اور تم کو بالکل سچا سمجھے اور تم اس کو اعتبار اور حسن ظن سے ناجائز فائدہ اُٹھا کر اس سے جھوٹ بولو اور اس کو دھوکہ دو۔

جھوٹی گواہی

عَنْ خُرَيْمِ بْنِ فَاتِكٍ قَالَ صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةَ الصُّبْحِ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَامَ قَائِمًا فَقَالَ عُدِلَتْ شَهَادَةُ الزُّوْرِ بِالْاِشْرَاكِ بِاللّٰهِ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ قَرَأَ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ (رواہ ابو داؤد و ابن ماجہ)

خریم بن فاتک سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن صبح کی نماز پڑھی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے فارغ ہوئے تو ایک دم کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ جھوٹی گواہی اشراک باللہ کے برابر کر دی گئی۔ یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دفعہ ارشاد فرمائی اور قرآن مجید (سورۂ حج) کی یہ آیت تلاوت فرمائی: "فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ" (بتوں کی، یعنی بت پرستی کی گندگی سے بچو اور جھوٹی بات کہنے سے بچتے رہو، صرف ایک اللہ کے ہو کر کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ کرتے ہوئے)...... (سنن ابی داؤد، ابن ماجہ)

تشریح:...... ابھی اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ ہر جھوٹ گناہ ہے لیکن اس کی بعض قسمیں اور صورتیں بہت ہی بڑا گناہ ہیں۔ ان ہی میں سے ایک یہ ہے کہ کسی قضیہ اور معاملہ میں جھوٹی گواہی دی جائے اور اس جھوٹی گواہی کے ذریعے کسی اللہ کے بندے کو نقصان پہنچایا جائے۔ سورہ حج کی مذکورہ بالا آیت میں جھوٹ کی اسی قسم کو شرک اور بت پرستی کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اور دونوں

سے بچنے کی تاکید کے لیے ایک ہی لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ قرآن مجید کے اس طرز بیان کا حوالہ دے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں یہ ارشاد فرمایا کہ جھوٹی گواہی اپنی گندگی میں اور اللہ کی ناراضی اور لعنت کا باعث ہونے میں شرک باللہ کے ساتھ جوڑ دی گئی ہے اور یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار ارشاد فرمائی ہے۔

اور جامع ترمذی کی ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے ارشاد فرمایا اور تین دفعہ ارشاد فرمایا: کیا میں تم لوگوں کو بتاؤں کہ سب سے بڑے گناہ کون کون سے ہیں؟ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کے ساتھ شرک کرنا' ماں باپ کی نافرمانی کرنا اور معاملات میں جھوٹی گواہی دینا اور جھوٹ بولنا'' راوی کا بیان ہے کہ پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سہارا لگائے بیٹھے تھے لیکن پھر سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور بار بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد کو دُہرایا۔ یہاں تک کہ ہم نے کہا کہ کاش! اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو جاتے یعنی اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک ایسی کیفیت طاری تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے جوش سے فرما رہے تھے کہ ہم محسوس کر رہے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر اس وقت بڑا بوجھ ہے اس لیے جی چاہتا تھا کہ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو جائیں اور اپنے دل پر اتنا بوجھ نہ ڈالیں۔

جھوٹی قسم

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَلَفَ عَلٰى يَمِيْنِ صَبْرٍ وَهُوَ فِيْهَا فَاجِرٌ يَقْتَطِعُ بِهَا مَالَ امْرِئٍ مُسْلِمٍ لَقِىَ اللّٰهَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے حاکم کے سامنے جھوٹی قسم کھائی تاکہ اس کے ذریعے کسی مسلمان کا مال مار لے تو قیامت کے دن اللہ کے سامنے اس حال میں اس کی پیشی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ اس پر سخت غضب ناک اور ناراض ہوں گے۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

عَنْ اَبِىْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اقْتَطَعَ حَقَّ امْرِئٍ مُسْلِمٍ بِيَمِيْنِهٖ فَقَدْ اَوْجَبَ اللّٰهُ لَهُ النَّارَ وَحَرَّمَ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ فَقَالَ لَهٗ رَجُلٌ وَاِنْ كَانَ شَيْئًا يَسِيْرًا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَاِنْ كَانَ قَضِيْبًا مِنْ اَرَاكٍ. (رواه مسلم)

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جس شخص نے قسم کھا کر کسی مسلمان کا حق ناجائز طور پر مار لیا تو اللہ نے ایسے آدمی کے لیے دوزخ واجب کر دی ہے اور جنت کو اس پر حرام کر دیا ہے' حاضرین میں سے کسی شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) اگرچہ وہ کوئی معمولی ہی چیز ہو (یعنی اگر کسی نے کسی کی بہت معمولی سی چیز قسم کھا کر ناجائز طور سے حاصل کر لی تو کیا اس صورت میں بھی دوزخ اس کے لیے واجب اور جنت اس کے لیے حرام ہوگی؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہاں! اگرچہ جنگلی درخت پیلو کی ٹہنی ہی ہو۔

تشریح: یعنی اگر بالکل معمولی اور بالکل بے حیثیت قسم کی کوئی چیز بھی جھوٹی قسم کھا کر کوئی حاصل کریگا تو وہ بھی دوزخ میں ڈالا جائیگا۔

عَنِ الْاَشْعَثِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقْتَطِعُ اَحَدٌ مَالاً بِيَمِيْنٍ اِلَّا لَقِيَ اللّٰهَ وَهُوَ اَجْذَمُ. (رواه ابو داؤد)

اشعث بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی کا مال جھوٹی قسم کھا کر مار لے گا وہ اللہ کے سامنے کوڑھی ہو کر پیش ہوگا۔ (سنن ابوداؤد)

تشریح:......ان تینوں حدیثوں میں اس شخص کا انجام بیان کیا گیا ہے کہ جو کسی معاملہ اور مقدمہ میں جھوٹی قسم کھا کر دوسرے فریق کا مال مار لے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی پہلی حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ قیامت کے دن جب خدا کے دربار میں اس کی پیشی ہوگی تو اس شخص پر اللہ تعالیٰ کا سخت غضب ہوگا۔ (**نعوذ باللّٰہ من غضبہٖ و عقابہ**)......اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی دوسری حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ ایسے شخص پر جنت حرام ہے اور دوزخ کا اس کے لیے لازمی اور قطعی فیصلہ ہے اور اشعث بن قیس کی اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ ایسا شخص قیامت کے دن کوڑھی ہو کر خدا کے سامنے پیش ہوگا۔ اللہ کی پناہ! کتنی سخت ہیں تینوں سزائیں اور ظاہر ہے کہ ان میں باہم کوئی منافات اور تضادات نہیں ہے۔ لہٰذا اگر یہ شخص اس گناہ عظیم سے توبہ اور تلافی کر کے اس دنیا سے نہیں گیا ہے تو پھر ان حدیثوں کا تقاضا یہی ہے کہ اس کو یہ سب کچھ پیش آئے گا اور وہ یہ سارے عذاب چکھے گا اور واقعہ یہ ہے کہ حاکم کی عدالت میں خدا کی قسم کھا کر اور خدا کو گویا اپنا گواہ قرار دے کر جھوٹ بولنا اور کسی بندے کا مال مارنے کے لیے یا اس کو بے آبرو کرنے کے لیے خدا کے پاک نام کو استعمال کرنا، ہے بھی ایسا بڑا گناہ کہ اس کی سزا جتنی بھی سخت دی جائے عین حکمت ہے۔

عَنْ اَبِيْ ذَرٍّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلٰثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ قَالَ اَبُوْ ذَرٍّ خَابُوْا وَخَسِرُوْا مَنْ هُمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُسْبِلُ وَالْمَنَّانُ وَالْمُنَفِّقُ سِلْعَتَهٗ بِالْحَلْفِ الْكَاذِبِ. (رواه مسلم)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین آدمی ایسے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نہ ان سے ہم کلام ہوگا نہ ان پر عنایت کی نظر کرے گا اور نہ گناہوں اور گندگیوں سے ان کو پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: یہ لوگ تو نامراد ہوئے اور ٹوٹے میں پڑے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم! یہ تین کون کون ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اپنا تہبند حد سے نیچے لٹکانے والا (جیسا کہ متکبروں اور مغروروں کا طریقہ ہے) اور احسان جتانے والا اور جھوٹی قسمیں کھا کے اپنا سودا چلانے والا۔ (صحیح مسلم)

تشریح:......جس طرح حاکم اور پنچ کے سامنے کسی معاملے میں جھوٹی قسم کھانا اللہ تعالیٰ کے پاک نام کا نہایت غلط اور ناپاک استعمال ہے۔ اسی طرح سودے کو بیچنے کے لیے گاہک کے سامنے جھوٹی قسم کھا کر اس کو یقین دلانا بھی اسم الٰہی کا نہایت بے محل استعمال اور بڑی دنی حرکت ہے اس لیے یہ بھی جھوٹ کی نہایت سنگین قسم ہے اور قیامت میں ایسے شخص کو دردناک عذاب دیا جائے گا اور اپنی اس ذلیل بدکرداری کی وجہ سے یہ کذاب تاجر آخرت میں اللہ تعالیٰ کی ہم کلامی اور اس کی نظر کرم اور گناہوں کی بخشش سے محروم رہے گا۔

جھوٹ کی اقسام

جھوٹ کی چند سنگین قسموں کا ذکر تو اوپر ہو چکا لیکن بعض جھوٹ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو بہت سے لوگ جھوٹ ہی نہیں سمجھتے حالانکہ وہ بھی جھوٹ ہی میں داخل ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بھی پرہیز کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ ذیل کی حدیثوں میں جھوٹ کی بعض ایسی ہی صورتوں کا ذکر ہے:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَامِرٍ قَالَ دَعَتْنِیْ اُمِّیْ یَوْمًا وَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَاعِدٌ فِیْ بَیْتِنَا فَقَالَتْ هَا تَعَالِ اُعْطِیْکَ فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا اَرَدْتِّ اَنْ تُعْطِیَهٗ؟ قَالَتْ اَرَدْتُّ اَنْ اُعْطِیَهٗ تَمْرًا فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَمَا اَنَّکِ لَوْ لَمْ تُعْطِهٖ شَیْئًا کُتِبَتْ عَلَیْکِ کَذْبَةٌ. (رواہ ابو داؤد والبیهقی فی شعب الایمان)

عبداللہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر میں تشریف فرما تھے، میری والدہ نے مجھے پکارا اور کہا بڑھ کے آ، میں تجھے کچھ دوں گی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری ماں سے فرمایا: تم نے اس بچے کو کیا چیز دینے کا ارادہ کیا ہے؟ میری ماں نے عرض کیا میں نے اس کو ایک کھجور دینے کا ارادہ کیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یاد رکھو! اگر اس کہنے کے بعد اس بچے کو کوئی چیز بھی نہ دیتیں تو تمہارے نامہ اعمال میں ایک جھوٹ لکھا جاتا۔ (سنن ابی داؤد، شعب الایمان للبیہقی)

تشریح:...... حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا اصل منشا یہ ہے کہ بچوں کو بہلانے کے لیے بھی جھوٹ کا استعمال نہ کیا جائے کیونکہ مسلمان کی زبان جھوٹ سے آلودہ ہونی ہی نہیں چاہیے۔ علاوہ ازیں اس کی ایک بڑی حکمت یہ بھی ہے کہ ماں باپ اگر بچوں سے جھوٹ بولیں گے اگرچہ ان کا مقصد صرف بہلاوا ہی ہو، پھر بھی بچے ان سے جھوٹ بولنا سیکھیں گے اور جھوٹ بولنے میں وہ کوئی قباحت نہ سمجھیں گے۔

عَنْ بَهْزِ بْنِ حَکِیْمٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَیْلٌ لِّمَنْ یُّحَدِّثُ فَیَکْذِبُ لِیُضْحِکَ بِهِ الْقَوْمَ وَیْلٌ لَّهٗ وَیْلٌ لَّهٗ. (رواہ احمد والترمذی و ابوداؤد والدارمی)

بہز بن حکیم بواسطہ اپنے والد معاویہ کے اپنے دادا حیدہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص لوگوں کو ہنسانے کے لیے اپنے بیان میں جھوٹ بولے اس پر افسوس! اس پر افسوس! (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، دارمی)

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ صرف لطف صحبت اور ہنسنے ہنسانے کے لیے جھوٹ بولنا بھی بری بات اور بری عادت ہے۔ اگرچہ اس سے کسی کو نقصان نہیں پہنچتا لیکن اولاً تو خود بولنے والے کی زبان جھوٹ سے آلودہ ہوتی ہے، دوسرے جھوٹی باتوں سے اہل ایمان کے دل میں جو نفرت ہونی چاہیے اس میں بھی کمی آتی ہے اور تیسری خرابی یہ ہے کہ لوگوں میں جھوٹی باتیں کرنے کی جرأت اس سے پیدا ہوتی اور جھوٹ کے رواج کو مدد ملتی ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَفٰی بِالْمَرْءِ کَذِبًا اَنْ یُّحَدِّثَ بِکُلِّ مَاسَمِعَ. (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کے لیے یہی جھوٹ کافی

ہے کہ وہ جو کچھ سنے اسے بیان کرتا پھرے۔ (صحیح مسلم)

تشریح:......مطلب یہ ہے کہ ہر سنی سنائی بات کو بغیر تحقیق کے بیان کرتے پھرنا بھی ایک درجے کا جھوٹ ہے اور جس طرح جان بوجھ کر جھوٹ بولنے کی عادت رکھنے والا آدمی قابل اعتبار نہیں ہوتا اسی طرح یہ آدمی بھی لائق اعتماد نہیں رہتا۔ بہر حال مؤمن کو چاہیے کہ وہ خفی قسم کے ان سب جھوٹوں سے بھی اپنی زبان کی حفاظت کرے۔

خیانت کی اقسام

جس طرح بعض جھوٹ اس قسم کے ہیں کہ بہت سے لوگ ان کو جھوٹ ہی نہیں سمجھتے اسی طرح خیانت کی بھی بعض صورتیں ایسی ہیں کہ بہت سے لوگ ان کو خیانت ہی نہیں جانتے اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں بھی اُمت کو واضح طور پر آگاہی دی ہے۔ اس سلسلے میں ذیل کی حدیثیں پڑھیئے:

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَبِی الْهَيْثَمِ بْنِ الْتَيِّهَانِ اِنَّ الْمُسْتَشَارَ مُؤْتَمَنٌ. (رواه الترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ابوالہیثم بن التیہان سے فرمایا: جس سے کسی معاملے میں مشورہ کیا جائے وہ اس میں امین ہے اور اس کے سپرد امانت کی جاتی ہے۔ (جامع ترمذی)

تشریح:......ابوالہیثم بن التیہان نے ایک معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ چاہا تھا، اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے یہ ارشاد فرمایا: جس کا مطلب یہ تھا کہ جس سے کسی معاملہ میں مشورہ لیا جائے اسے چاہیے کہ وہ محسوس کرے کہ مشورہ چاہنے والے نے اس کو اعتماد اور بھروسے کے قابل سمجھ کر اس سے مشورہ چاہا ہے اور اپنی ایک امانت اس کے سپرد کی ہے۔ لہٰذا اسے چاہیے کہ حق امانت ادا کرنے میں کوتاہی نہ کرے یعنی اچھی طرح سوچ سمجھ کر مشورہ دے اور پھر اس کی بات کو راز میں رکھے اگر ایسا نہیں کرے گا تو ایک درجے کی خیانت کا مجرم ہوگا۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا حَدَّثَ الرَّجُلُ الْحَدِيْثَ ثُمَّ الْتَفَتَ فَهِيَ اَمَانَةٌ. (رواه الترمذی و ابو داؤد)

حضرت جابر بن عبداللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی شخص اپنی کوئی بات کہے اور پھر اِدھر اُدھر دیکھے تو وہ امانت ہے۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

تشریح:......مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص تم سے بات کرے اور وہ زبانی تم سے نہ کہے اس کو راز رکھنا لیکن اس کے کسی طریقے سے تمہیں محسوس ہو کہ وہ نہیں چاہتا ہے کہ اس کی یہ بات عام لوگوں کے علم میں آئے تو پھر اس کی یہ بات امانت ہی ہے اور امانت کی طرح تم کو اس کی حفاظت کرنی چاہیے اگر ایسا نہ کیا اور دوسروں کو تم نے پہنچا دیا تو تمہاری طرف سے یہ امانت میں خیانت ہوگی اور تمہیں خدا کے سامنے اس کا جواب دینا ہوگا۔

لیکن ایک دوسری حدیث میں صاف فرمایا گیا ہے کہ اگر کسی بندے کے ناحق قتل یا اس کی آبروریزی یا اس کو مالی نقصان پہنچانے

کی سازش تمہارے علم میں آئے تو پھر ہرگز اس کو راز میں نہ رکھو بلکہ متعلقہ آدمیوں کو اس سے مطلع کر دو۔ وہ حدیث بھی یہیں پڑھ لیجئے:

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمَجَالِسُ بِالْاَمَانَةِ اِلَّا ثَلٰثَةَ مَجَالِسَ سَفْكُ دَمٍ حَرَامٍ اَوْ فَرْجٍ حَرَامٍ اَوْ اِقْتِطَاعُ مَالٍ بِغَيْرِ حَقٍّ. (رواه ابو داؤد)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نشستیں امانت داری کے ساتھ ہوں (یعنی کسی مجلس میں راز داری کے ساتھ جو مشورہ یا فیصلہ ہو اہل مجلس امانت سمجھ کر اس کو راز میں رکھیں) لیکن تین مجلسیں اس سے مستثنیٰ ہیں، ایک وہ جس کا تعلق کسی کے خون ناحق کی سازش سے ہو، دوسرے وہ جس کا تعلق کسی کی عصمت وعفت لوٹنے کے مشورے سے ہو، تیسرے وہ جس کا تعلق بغیر کسی حق کے کسی کا مال چھیننے سے ہو۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح:...... ان باتوں کو بھی صرف مثال سمجھنا چاہیے ورنہ منشاء یہ ہے کہ اگر کسی مجلس میں کسی معصیت اور ظلم کے لیے کوئی سازش اور کوئی مشورہ کیا جائے اور تم کو بھی اس میں شریک کیا جائے تو پھر ہرگز اس کو راز میں نہ رکھو بلکہ اس صورت میں تمہاری دیانتداری اور امانت داری کا تقاضا یہ ہے کہ ظلم ومعصیت کے اس منصوبہ کو ناکام بنانے کے لیے جن کو اس سے باخبر کرنا ضروری سمجھو ان کو ضرور باخبر کر دو، اگر ایسا نہ کرو گے تو اللہ کے حق میں بھی خیانت ہوگی اور بندوں کے حق میں بھی۔

عَنْ اُمِّ كُلْثُوْمٍ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ الْكَذَّابُ الَّذِىْ يُصْلِحُ بَيْنَ النَّاسِ وَيَقُوْلُ خَيْرًا وَيَنْمِىْ خَيْرًا. (رواه البخارى و مسلم)

اُم کلثوم (بنت عقبہ بن ابی معیط) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ آدمی جھوٹا اور گنہگار نہیں ہے جو باہم لڑنے والے آدمیوں کے درمیان صلح کرانے کی کوشش کرے اور اس سلسلے میں (ایک فریق کی طرف سے دوسرے فریق کو) خیر اور بھلائی کی باتیں پہنچائے اور (اچھا تاثر ڈالنے والی) اچھی باتیں کرے۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح:...... کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دو شخصوں یا دو پارٹیوں کے درمیان سخت نزاع اور رنجش ہے اور ہر فریق دوسرے کو اپنا دشمن سمجھتا ہے اور پھر اس کے نتیجے میں بڑے بڑے شر اور فتنے پیدا ہوتے ہیں کبھی کبھی تو خون خرابہ اور قتل وغارت اور آبروریزی تک نوبت پہنچ جاتی ہے اور عداوت کے جوش میں ہر طرف سے ظلم اور تعدی کو اپنا حق سمجھا جاتا ہے۔ ان حالات میں اگر کوئی مخلص اور بے غرض بندہ ان دونوں برسر جنگ فریقوں کے درمیان صلح کرانے کی کوشش کرے اور اس کے لیے وہ ضرورت محسوس کرے کہ ایک فریق کی طرف سے دوسرے فریق کو ایسی خیر اندیشی کے باتیں پہنچائی جائیں جن سے جنگ وعداوت کی آگ بجھے اور خوش گمانی اور مصالحت کی فضا پیدا ہو تو اس مقصد کے لیے اگر اللہ کا وہ بندہ ایک فریق کی طرف سے دوسرے فریق کو ایسی خوش کن اور صلح جویانہ باتیں بھی پہنچائیں جو واقعہ میں اس فریق نے نہ کہی ہوں اس مخلص بندے کا ایسا کرنا اس جھوٹ میں شمار نہ ہوگا جو معصیت اور گناہ کبیرہ ہے۔ بس یہی اس حدیث کا منشاء ہے اور یہی مطلب ہے۔ حضرت سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کے اس مقولے کا "دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز"

ایفاء وعدہ اور وعدہ خلافی

وعدہ کر کے پورا کرنا درحقیقت سچائی ہی کی ایک عملی قسم ہے اور وعدہ خلافی ایک طرح کا عملی جھوٹ ہے اس لیے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اخلاقی تعلیم میں وعدہ خلافی سے بچنے اور ہمیشہ وعدہ پورا کرنے کی بھی سخت تاکید فرمائی ہے۔

چند ہی صفحے پہلے وہ حدیث گزر چکی ہے کہ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند اچھے اخلاق کا ذکر کر کے فرمایا کہ: جو شخص ان باتوں کی پابندی کی ذمہ داری لے میں اس کے لیے جنت کا ذمہ لیتا ہوں اور ان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایفاء وعدہ کو بھی گنایا۔ ''شعب الایمان'' کے حوالے سے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ حدیث گزر چکی ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ جو شخص اپنے کیے عہد کا پابند نہیں اس کا دین میں کوئی حصہ نہیں۔ اب چند حدیثیں اس سلسلہ کی یہاں اور بھی درج کی جاتی ہیں:

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اٰيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلٰثٌ اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ وَاِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: منافق کی تین نشانیاں ہیں جب بات کرے تو جھوٹ بولے وعدہ کرے تو اس کو پورا نہ کرے اور جب اس کو کسی چیز کا امین بنا دیا جائے تو خیانت کرے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح:...... اس حدیث کی صحیح مسلم کی روایت میں یہ الفاظ زیادہ ہیں: ''وَاِنْ صَلّٰى وَصَامَ وَزَعَمَ اَنَّهٗ مُسْلِمٌ'' یعنی وہ آدمی اگرچہ نماز پڑھتا ہو اور روزہ رکھتا ہو اور اپنے کو مسلمان بھی کہتا اور سمجھتا ہو پھر بھی ان بداخلاقیوں کی وجہ سے وہ ایک قسم کا منافق ہی ہے۔

بہرحال اس حدیث میں وعدہ خلافی کو نفاق کی نشانی اور ایک منافقانہ خصلت بتلایا گیا ہے۔

عَنْ عَلِيٍّ وَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْعِدَّةُ دَيْنٌ. (رواه الطبرانی فی الاوسط)

حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: وعدہ بھی ایک طرح کا قرض ہے (لہٰذا اس کو ادا کرنا چاہیے) (معجم اوسط للطبرانی)

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کو کچھ دینے کا یا اس کے ساتھ کوئی سلوک کرنے کا یا اسی طرح کا کوئی اور وعدہ کیا گیا ہے تو وعدہ کرنے والے کو چاہیے کہ وہ اس کو اپنے پر قرض سمجھے اور اس کو پورا کرنے کی فکر کرے لیکن اگر بالفرض کسی برے کام میں ساتھ دینے کا یا کسی اور ایسے کام کے کرنے کا وعدہ کیا گیا ہے جو شرعاً صحیح نہیں ہے یا اس سے کسی دوسرے کی حق تلفی ہوتی ہے تو اس وعدہ کا پورا کرنا ضروری نہ ہوگا بلکہ اس کے خلاف ہی کرنا ضروری ہوگا اور اس وعدہ خلافی میں کوئی گناہ نہ ہوگا بلکہ اتباع شریعت کا ثواب ہوگا۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِی الْحَمْسَاءِ قَالَ بَايَعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ اَنْ يُّبْعَثَ وَبَقِيَتْ لَهٗ بَقِيَّةٌ فَوَعَدْتُّهٗ اَنْ اٰتِيَهٗ بِهَا فِیْ مَكَانِهٖ فَنَسِيْتُ فَذَكَرْتُ بَعْدَ ثَلَاثٍ فَاِذَا هُوَ فِیْ مَكَانِهٖ فَقَالَ لَقَدْ شَقَقْتَ عَلَیَّ اَنَا هٰهُنَا مُنْذُ ثَلٰثٍ اَنْتَظِرُكَ. (رواه ابو داؤد)

عبداللہ بن ابی الحمساء سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے سے پہلے) آپ سے خرید و فروخت کا ایک معاملہ کیا (پھر جو کچھ مجھے دینا تھا اس کا کچھ حصہ تو میں نے وہیں دے دیا) اور کچھ ادا کرنا باقی رہ گیا تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کیا کہ میں اسی جگہ لے کر آتا ہوں، پھر میں بھول گیا اور تین دن کے بعد مجھے یاد آیا (میں اسی وقت لے کر پہنچا) تو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی جگہ موجود ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا کہ تم نے مجھے بڑی مشکل میں ڈالا اور بڑی زحمت دی، میں تمہارے انتظار میں تین دن سے یہیں ہوں۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح:...... گویا نبی ہونے سے پہلے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وعدہ کی ایسی پابندی فرماتے تھے کہ تین دن تک ایک جگہ رہ کر ایک شخص کا انتظار فرماتے رہے۔ واضح رہے کہ وعدہ کی اس حد تک پابندی کرنا شرعاً ضروری نہیں ہے (جیسا کہ اس کے بعد والی حدیث سے معلوم بھی ہو جائے گا) لیکن اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فطرت میں جو "خلق عظیم" ودیعت فرمایا تھا اس کا تقاضا یہی تھا۔

عَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ وَعَدَ رَجُلاً فَلَمْ يَاتِ اَحَدُهُمَا اِلٰى وَقْتِ الصَّلٰوةِ وَذَهَبَ الَّذِىْ جَاءَ لِيُصَلِّىْ فَلاَ اِثْمَ عَلَيْهِ. (رواه رزين)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے کسی دوسرے شخص سے (کسی جگہ آ کر ملنے کا) وعدہ کیا، پھر نماز کے وقت تک ان میں سے ایک نہیں آیا (اور دوسرا وقت معین پر مقرر جگہ پر پہنچ گیا اور نہ آنے والے کا انتظار کرتا رہا، یہاں تک کہ نماز کا وقت آ گیا) اور یہ پہنچ جانے والا نماز پڑھنے کے لیے مقررہ جگہ سے چلا گیا تو اس کو کوئی گناہ نہ ہوگا۔ (رزین)

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ جب وعدہ کے مطابق یہ شخص مقررہ جگہ پر پہنچ گیا اور کچھ دیر تک دوسرے آدمی کا انتظار بھی کرتا رہا تو اس نے اپنا حق ادا کر دیا، اب اگر نماز کا وقت آ جانے پر یہ شخص نماز پڑھنے کے لیے چلا جائے یا اپنی کسی دوسری ضرورت سے چلا جائے تو اس پر وعدہ خلافی کا الزام نہیں آئے گا اور یہ گنہگار نہیں ہوگا۔

عَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ عَنِ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا وَعَدَ الرَّجُلُ اَخَاهُ وَمِنْ نِيَّتِهٖ اَنْ يَّفِىَ وَلَمْ يَجِئْ لِلْمِيْعَادِ فَلاَ اِثْمَ عَلَيْهِ. (رواه ابو داؤد والترمذى)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب کسی آدمی نے اپنے کسی بھائی سے آنے کا وعدہ کیا اور اس کی نیت یہی تھی کہ وہ وعدہ پورا کرے گا لیکن (کسی وجہ سے) وہ مقررہ وقت پر آیا نہیں تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

تشریح:...... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی شخص نے کوئی وعدہ کیا ہے اور نیت اس کو پورا کرنے کی ہی تھی لیکن کسی وجہ سے وہ اپنا وعدہ پورا نہ کر سکا تو عند اللہ گنہگار نہ ہوگا لیکن اگر نیت ہی وعدہ پورا کرنے کی نہ تھی اور اس کا یہ وعدہ ایک طرح کا فریب تھا تو اس کے گناہ ہونے میں شبہ نہیں۔

تواضع اور تکبر

تواضع یعنی فروتنی اور خاکساری ان خاص اخلاق میں سے ہے جن کی قرآن وحدیث میں بہت زیادہ تاکید فرمائی گئی ہے اور بڑی ترغیب دی گئی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ انسان بندہ ہے اور بندہ کا حسن وکمال یہی ہے کہ اس کے عمل سے بندگی اور نیازمندی ظاہر ہو اور تواضع اور خاکساری بندگی اور عبدیت ہی کا مظہر ہے جیسے کہ اس کے بالکل برعکس تکبر کبریائی کا مظہر ہے اور اسی لیے وہ شان بندگی کے قطعاً خلاف اور صرف خدا ہی کیلئے زیبا ہے۔

عَنْ عَيَاضِ بْنِ حِمَارٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ اَوْحٰى اِلَيَّ اَنْ تَوَاضَعُوْا حَتّٰى لَايَبْغِى اَحَدٌ عَلٰى اَحَدٍ وَلَا يَفْخَرُ اَحَدٌ عَلٰى اَحَدٍ. (رواه ابو داؤد)

حضرت عیاض بن حمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی فرمائی اور حکم بھیجا ہے کہ تواضع اور خاکساری اختیار کرو جس کا نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ کوئی کسی پر ظلم وزیادتی نہ کرے اور کسی کے مقابلہ میں فخر نہ کرے۔ (سنن ابی داؤد)

عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ يَااَيُّهَا النَّاسُ تَوَاضَعُوْا فَاِنِّىْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ فَهُوَ فِىْ نَفْسِهٖ صَغِيْرٌ وَفِىْ اَعْيُنِ النَّاسِ عَظِيْمٌ وَمَنْ تَكَبَّرَ وَضَعَهُ اللّٰهُ فَهُوَ فِىْ اَعْيُنِ النَّاسِ صَغِيْرٌ وَفِىْ نَفْسِهٖ كَبِيْرٌ حَتّٰى لَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِمْ مِنْ كَلْبٍ اَوْ خِنْزِيْرٍ. (رواه البيهقى فى شعب الايمان)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن خطبہ میں برسر منبر فرمایا: لوگو! فروتنی اور خاکساری اختیار کرو کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے جس نے اللہ کے لیے (یعنی اللہ کا حکم سمجھ کر اور اس کی رضا حاصل کرنے کے لیے) خاکساری کا رویہ اختیار کیا (اور بندگان خدا کے مقابلہ میں اپنے کو اونچا کرنے کے بجائے نیچا رکھنے کی کوشش کی) تو اللہ تعالیٰ اس کو بلند کرے گا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ اپنے خیال اور اپنی نگاہ میں تو چھوٹا ہوگا لیکن عام بندگانِ خدا کی نگاہوں میں اونچا ہوگا اور جو کوئی تکبر اور بڑائی کا رویہ اختیار کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو نیچے گرادے گا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ عام لوگوں کی نگاہوں میں ذلیل وحقیر ہو جائے گا۔ اگرچہ خود اپنے خیال میں بڑا ہوگا لیکن دوسروں کی نظر میں وہ کتوں اور خنزیروں سے بھی زیادہ ذلیل اور بے وقعت ہو جائے گا۔ (شعب الایمان للبیہقی)

عَنْ حَارِثَةَ بْنِ وَهْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِاَهْلِ الْجَنَّةِ كُلُّ ضَعِيْفٍ مُتَضَعَّفٍ لَوْ اَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَاَبَرَّهٗ اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِاَهْلِ النَّارِ كُلُّ عُتُلٍّ جَوَّاظٍ مُسْتَكْبِرٍ. (رواه البخارى و مسلم)

حضرت حارثہ بن وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تم کو بتاؤں کہ جنتی کون ہے؟ ہر وہ شخص جو (معاملہ اور برتاؤں میں اکھڑ اور سخت نہ ہو بلکہ) عاجزوں' کمزوروں کا سا اس کا رویہ ہو اور اس لیے لوگ اس کو کمزور سمجھتے ہوں اور اللہ کے ساتھ اس کا تعلق ایسا ہو کہ) اگر وہ اللہ پر قسم کھالے تو اللہ اس کی قسم پوری کر دکھائے اور کیا میں تم کو بتاؤں کہ دوزخی کون ہے؟ ہر اکھڑ' بدخو اور مغرور شخص۔ (بخاری ومسلم)

تشریح:......اس حدیث میں اہل جنت کی صفت "ضعیف' متضعف" بتلائی گئی ہے اس سے مراد وہ ضعف وکمزوری نہیں ہے جو قوت وطاقت کے مقابلہ میں بولی جاتی ہے کیونکہ وہ ضعف وکمزوری کوئی قابل تعریف صفت نہیں ہے بلکہ ایک حدیث میں تو صراحۃً فرمایا گیا ہے کہ: "اَلْمُؤْمِنُ الْقَوِىُّ خَيْرٌ وَاَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيْفِ" (صحیح مسلم) (طاقتور مسلمان خدا کے نزدیک کمزور مسلمان سے زیادہ بہتر اور محبوب ہے) بلکہ جیسا کہ ترجمہ میں واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہاں ضعیف ومتضعف سے مراد وہ شریف الطبع متواضع اور نرم خوش شخص ہے جو معاملہ اور برتاؤ میں عاجزوں اور کمزوروں کی طرح

دوسروں سے دب جائے اور اس لیے لوگ اسے کمزور سمجھیں اور دبا لیا کریں۔ اسی لیے اس حدیث میں ضعیف و متضعف کے مقابلہ میں عتل، جواظ، متکبر کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ بہر حال حدیث کا حاصل یہ ہے کہ تواضع و نرمی اور عاجزی اہل جنت کی صفت ہے اور غرور، استکبار اور اکھڑ پن دوزخیوں کے اوصاف ہیں۔

اس حدیث میں جنتیوں کی صفت میں "ضعيفٌ متضعف" کے ساتھ ایک بات یہ بھی فرمائی گئی ہے کہ اگر وہ بندہ اللہ پر قسم کھالے تو اللہ اُس کی قسم پوری کر دے۔ بظاہر اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد اس طرف اشارہ فرمانا ہے کہ جب کوئی بندہ اللہ کے لیے اپنی خود کو مٹا کر اس کے بندوں کے ساتھ عاجزی اور فروتنی کا رویہ اختیار کرے گا تو اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ اتنا مقرب ہو جائے گا کہ اگر وہ قسم کھالے کہ فلاں بات یوں ہوگی تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم کی لاج رکھے گا اور اس کی بات کو پورا کر دکھائے گا یا یہ کہ اگر وہ بندہ کسی خاص معاملہ میں اللہ کو قسم دے کر اس سے کوئی خاص دعا کرے گا تو اللہ اس کی دعا ضرور قبول کرے گا۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَايَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ. (رواه مسلم والبخاری)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا۔ (مسلم و بخاری)

تشریح:...... کبریائی اور بڑائی دراصل صرف اس ذات پاک کا حق ہے جس کے ہاتھ میں سب کی موت و حیات اور عزت و ذلت ہے جس کے لیے کبھی فنا نہیں اور اس کے علاوہ سب کے لیے فنا ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے:

وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ. (جاثیہ: ۴۵:۳۷)

(اور اسی کے لیے کبریائی اور بڑائی ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور وہی ہے زبردست اور حکمت والا)

پس اب جو بر خود غلط انسان کبریائی اور بڑائی کا دعویدار ہو اور اللہ کے بندوں کے ساتھ غرور و تکبر اس کا رویہ ہو، وہ گویا اپنی حقیقت بھول کر اللہ تعالیٰ کا حریف بنتا ہے اس لیے وہ بہت ہی بڑا مجرم ہے اور اس کا جرم نہایت ہی سنگین ہے اور اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا ہے کہ اپنی اس فرعونی صفت کی وجہ سے وہ جنت میں نہ جا سکے گا۔

یہ اصولی بات پوری تفصیل سے پہلے واضح کی جا چکی ہے کہ جن حدیثوں میں کسی بدعملی یا بداخلاقی کا انجام یہ بتایا جاتا ہے کہ اس کا مرتکب جنت میں نہ جا سکے گا ان کا مطلب عموماً یہ ہوتا ہے کہ یہ بدعملی یا بداخلاقی اپنی اصل تاثیر کے لحاظ سے جنت سے محروم کر دینے والی اور دوزخ میں پہنچانے والی ہے۔

یا یہ مطلب ہوتا ہے کہ اس کے مرتکب سچے ایمان والوں کے ساتھ اور ان کی طرح سیدھے جنت میں نہ جا سکیں گے بلکہ ان کو جہنم کا عذاب بھگتنا پڑے گا اس لیے اس حدیث کا مطلب بھی اسی اصول کی روشنی میں یہی سمجھنا چاہیے کہ غرور و تکبر اپنی اصلیت کے لحاظ سے جنت سے دور کر کے دوزخ میں ڈلوانے والی خصلت ہے یا یہ کہ مغرور اور متکبر شخص سیدھا جنت میں نہ جا سکے گا بلکہ اس کو دوزخ میں اپنے غرور و تکبر کی سزا بھگتنی پڑے گی اور جب وہاں آگ میں تپا کے اس کے تکبر کے مادہ کو جلا دیا جائے گا اور

غرور کی گندگی سے اس کو پاک وصاف کر دیا جائے گا تو اگر وہ صاحب ایمان ہے تو اس کے بعد جنت میں جا سکے گا۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثَةٌ لَا یُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَلَا یُزَكِّیْهِمْ وَفِیْ رِوَایَةٍ وَلَا یَنْظُرُ اِلَیْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ. شَیْخٌ زَانٍ وَمَلِكٌ كَذَّابٌ وَعَائِلٌ مُسْتَكْبِرٌ. (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' تین آدمی ہیں جن سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کلام نہیں فرمائے گا اور ان کا تزکیہ نہیں کرے گا اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ان کی طرف نگاہ بھی نہیں کرے گا اور ان کے لیے آخرت میں دردناک عذاب ہے۔ایک بوڑھا زانی' دوسرا جھوٹا فرمانروا اور تیسرا نادار وغریب متکبر۔(صحیح مسلم)

تشریح:...... بعض معصیتیں بذاتِ خود بھی سنگین اور گناہ کبیرہ ہوتی ہیں لیکن بعض خاص حالات میں اور خاص اشخاص سے اگر ان کا صدور ہو تو ان کی سنگینی اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔مثلاً چوری بذاتِ خود بڑی معصیت ہے لیکن اگر چوری کرنے والا کوئی دولت مند ہو جس کو چوری کی کوئی ضرورت نہ ہو یا سرکاری سپاہی و چوکیدار ہو تو پھر اس کا چوری کرنا اور بھی زیادہ سنگین جرم ہوگا اور اس کو قابل معافی نہیں سمجھا جائے گا۔اس حدیث میں اسی قسم کے تین مجرموں کے حق میں اعلان فرمایا گیا ہے کہ ان بدبختوں' بدنصیبوں سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہم کلام نہ ہوگا اور ان کا تزکیہ بھی نہ فرمائے گا اور آخرت میں یہ مجرم رب کریم کی نظر کرم سے بھی قطعی محروم رہیں گے۔ایک بوڑھا زناکار' دوسرا جھوٹا فرمانروا' تیسرا ناداری کی حالت میں تکبر کرنے والا اور یہ اس لیے کہ جوانی کی حالت میں اگر کوئی شخص زنا کا مرتکب ہوا تو اس کا یہ گناہ کبیرہ ہونے کے باوجود قابل درگزر بھی ہو سکتا ہے کیونکہ جوانی کی حالت میں شہوت سے مغلوب ہونا ایک فطری کمزوری ہے لیکن اگر کوئی بوڑھا بڑھاپے میں یہ حرکت کرے تو یہ اس کی طبیعت کی سخت خباثت کی نشانی ہے۔اسی طرح اگر کوئی بیچارہ عام آدمی اپنی ضرورت نکالنے کے لیے جھوٹ بول جائے تو اس کا گناہ بھی کبیرہ ہونے کے باوجود قابل معافی ہو سکتا ہے لیکن ایک صاحب اقتدار حکمران اگر جھوٹ بولتا ہے تو یہ اس کی طبیعت کی انتہائی گندگی اور خدا سے بے خوفی کی نشانی ہے۔ایسے ہی کوئی دولت مند اگر تکبر کرے تو انسان کی عام فطرت کے لحاظ سے کچھ زیادہ مستبعد نہیں۔

لیکن گھر میں فقر و فاقہ کے باوجود اگر کوئی شخص غرور و تکبر کی چال چلتا ہے تو بلاشبہ یہ اس کی انتہائی دنائت اور کمینہ پن ہے۔الغرض تینوں قسم کے یہ مجرم قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی ہم کلامی سے اور اس کی نظر کرم سے اور تزکیہ سے محروم رہیں گے۔تزکیہ نہ کیے جانے کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ ان کے گناہ معاف نہیں کیے جائیں گے اور صرف عقیدہ یا بعض اعمال صالحہ کی بنیاد پر ان کو مؤمنین صالحین کے ساتھ شمار نہ کیا جائے گا بلکہ ان کو سزا بھگتنی ہی پڑے گی۔واللہ اعلم

شرم وحیا

شرم وحیا ایک ایسا اہم فطری اور بنیادی وصف ہے جس کو انسان کی سیرت سازی میں بہت زیادہ دخل ہے۔یہی وہ وصف اور خلق ہے جو آدمی کو بہت سے برے کاموں اور بری باتوں سے روکتا اور فواحش و منکرات سے اس کو بچاتا ہے اور اچھے اور شریفانہ کاموں کے لیے آمادہ کرتا ہے۔الغرض شرم وحیا انسان کی بہت سی خوبیوں کی جڑ بنیاد اور فواحش و منکرات سے اس کی محافظ ہے اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیم و تربیت میں اس پر بہت زیادہ زور دیا ہے۔

عَنْ زَيْدِ بْنِ طَلْحَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِكُلِّ دِيْنٍ خُلُقًا وَخُلُقُ الْاِسْلَامِ الْحَيَاءُ. (رواه مالک مرسلاً و رواه ابن ماجة والبيهقي في شعب الايمان عن انس و ابن عباس)

زید بن طلحہ سے روایت ہے وہ نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر دین کا کوئی امتیازی وصف ہوتا ہے اور دین اسلام کا امتیازی وصف حیا ہے۔ (مؤطا امام مالک، سنن ابن ماجہ وشعب الایمان للبیہقی)

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ ہر دین اور ہر شریعت میں اخلاق انسانی کے کسی خاص پہلو پر نسبتاً زیادہ زور دیا جاتا ہے اور انسانی زندگی میں اسی کو نمایاں اور غالب کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم اور شریعت میں رحم دلی اور عفو و درگزر پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے (یہاں تک کہ مسیحی تعلیمات کا مطالعہ کرنے والے کو صاف محسوس ہوتا ہے کہ رحم دلی اور عفو و درگزر ہی گویا ان کی شریعت کا مرکزی نقطہ اور ان کی تعلیم کی روح ہے) اسی طرح اسلام یعنی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت اور تعلیم میں حیاء پر خاص زور دیا گیا ہے۔

یہاں یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ قرآن و حدیث کی اصطلاح میں حیا کا مفہوم بہت وسیع ہے، ہمارے عرف اور محاورہ میں تو حیا کا تقاضا اتنا ہی سمجھا جاتا ہے کہ آدمی فواحش سے بچے یعنی شرمناک باتیں اور شرمناک کام کرنے سے پرہیز کرے لیکن قرآن و حدیث کے استعمالات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حیا طبیعت انسانی کی اس کیفیت کا نام ہے کہ ہر نامناسب بات اور ناپسندیدہ کام سے اس کو انقباض اور اس کے ارتکاب سے اذیت ہو، پھر قرآن و حدیث ہی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حیاء کا تعلق صرف اپنے ابناء جنس ہی سے نہیں ہے بلکہ حیاء کا سب سے زیادہ مستحق وہ خالق و مالک ہے جس نے بندہ کو وجود بخشا اور جس کی پروردگاری سے وہ ہر آن حصہ پا رہا ہے اور جس کی نگاہ سے اس کا کوئی عمل اور کوئی حال چھپا نہیں ہے اس کو یوں بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ شرم و حیا کرنے والے انسانوں کو سب سے زیادہ شرم و حیا اپنے ماں باپ کی اور اپنے بڑوں اور محسنوں کی ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ سب بڑوں سے بڑا اور سب محسنوں کا محسن ہے۔ لہٰذا بندہ کو سب سے زیادہ شرم و حیا اسی کی ہونی چاہیے اور اس حیاء کا تقاضا یہ ہوگا کہ جو کام اور جو بات بھی اللہ تعالیٰ کی مرضی اور اس کے حکم کے خلاف ہو، آدمی کی طبیعت اس سے خود انقباض اور اذیت محسوس کرے اور اس سے باز رہے اور جب بندہ کا یہ حال ہو جائے تو اس کی زندگی جیسی پاک اور اس کی سیرت جیسی پسندیدہ اور اللہ کی مرضی کے مطابق ہوگی، ظاہر ہے۔

(اس حدیث کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے مؤطا میں زید بن طلحہ تابعی سے مرسلاً روایت کیا ہے (یعنی ان صحابی کا ذکر نہیں کیا جن سے یہ حدیث زید بن طلحہ کو پہنچی تھی) لیکن ابن ماجہ اور بیہقی نے اس حدیث کو اپنی سند کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو صحابیوں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے)

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلٰى رَجُلٍ مِنَ الْاَنْصَارِ وَهُوَ يَعِظُ اَخَاهُ فِي الْحَيَاءِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعْهُ فَاِنَّ الْحَيَاءَ مِنَ الْاِيْمَانِ. (رواه البخاري و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر انصار میں سے ایک شخص پر ہوا اور وہ اس وقت اپنے بھائی کو حیا کے بارے میں کچھ نصیحت و ملامت کر رہا تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا

کہ اس کو اس کے حال پر چھوڑ دو کیونکہ حیاء تو ایمان کا جز یا ایمان کا پھل ہے۔ (صحیح بخاری و مسلم)

تشریح:......حدیث کا مطلب یہ ہے کہ انصار میں سے کوئی صاحب تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے شرم و حیا کا وصف خاص طور سے عطا فرمایا تھا جس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ اپنے معاملات میں نرم ہوں گے، سخت گیری کے ساتھ لوگوں سے اپنے حقوق کا مطالبہ بھی نہ کرتے ہوں گے اور بہت سے موقعوں پر اسی شرم و حیاء کی وجہ سے کھل کر باتیں بھی نہ کر پاتے ہوں گے جیسا کہ اہل حیا کا عموماً حال ہوتا ہے اور ان کے کوئی بھائی تھے جو ان کی اس حالت اور روش کو پسند نہیں کرتے تھے۔ ایک دن یہ بھائی ان صاحب حیا بھائی کو اس پر ملامت اور سرزنش کر رہے تھے کہ تم اس قدر شرم و حیا کیوں کرتے ہو، اسی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان دونوں بھائیوں پر گزر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی باتیں سن کر ملامت و نصیحت کرنے والے بھائی سے ارشاد فرمایا کہ اپنے ان بھائی کو ان کے حال پر چھوڑ دو، ان کا یہ حال تو بڑا مبارک حال ہے، شرم و حیا تو ایمان کی ایک شاخ یا ایمان کا پھل ہے۔ اگر اس کی وجہ سے بالفرض دنیا کے مفادات کچھ فوت بھی ہوتے ہوں تو آخرت کے درجے بے انتہا بڑھتے ہیں۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْحَيَاءُ مِنَ الْاِيْمَانِ وَالْاِيْمَانُ فِى الْجَنَّةِ وَالْبَذَاءُ مِنَ الْجَفَاءِ وَالْجَفَاءُ فِى النَّارِ. (رواہ احمد والترمذی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، حیا ایمان کی ایک شاخ ہے (یا ایمان کا ثمرہ ہے) اور ایمان کا مقام جنت ہے اور بے حیائی و بے شرمی بدکاری میں سے ہے اور بدی دوزخ میں لے جانے والی ہے۔ (مسند احمد، جامع ترمذی)

تشریح:......اس حدیث میں اور اس سے پہلی حدیث میں بھی جو "الحیاء من الایمان" فرمایا گیا ہے بظاہر اس کا مطلب یہی ہے کہ شرم و حیاء شجر ایمان کی خاص شاخ یا اس کا ثمرہ ہے۔ صحیحین کی ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے "والحیاء شعبة من الایمان" (اور حیا ایمان ہی کی ایک شاخ ہے) بہر حال حیا اور ایمان میں ایک خاص نسبت اور خاص رشتہ ہے اور یہ سب اُسی کی تعبیریں ہیں اور اسی کی ایک تعبیر وہ بھی ہے جو اس سے بعد والی حدیث میں آ رہی ہے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْحَيَاءَ وَالْاِيْمَانَ قُرَنَاءُ جَمِيْعًا فَاِذَا رُفِعَ اَحَدُهُمَا رُفِعَ الْاٰخَرُ. (رواه البيهقى فى شعب الايمان)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: حیا اور ایمان یہ دونوں ہمیشہ ساتھ اور اکٹھے ہی رہتے ہیں، جب ان دونوں میں سے کوئی ایک اُٹھالیا جائے تو دوسرا بھی اُٹھالیا جاتا ہے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح:......مطلب یہ ہے کہ ایمان اور حیاء میں ایسا گہرا تعلق ہے کہ اگر کسی آدمی یا کسی قوم میں سے ان دونوں میں سے ایک اُٹھالیا جائے تو دوسرا بھی اُٹھ جائے گا۔ الغرض کسی شخص یا جماعت میں حیاء اور ایمان یا تو دونوں ہوں گے یا دونوں میں سے ایک بھی نہ ہوگا۔

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْحَيَاءُ لَا يَاْتِىْ اِلَّا بِخَيْرٍ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، حیاء صرف خیر ہی کو لاتی ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح:...... بعض اوقات سرسری نظر میں یہ شبہ ہوتا ہے کہ شرم وحیا کی وجہ سے آدمی کو کبھی کبھی نقصان بھی پہنچ جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اسی شبہ کا ازالہ فرمایا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ شرم وحیا کے نتیجہ میں کبھی کوئی نقصان نہیں ہوتا بلکہ ہمیشہ نفع ہی ہوتا ہے حتیٰ کہ جن مواقع پر ایک عام آدمی کو عامیانہ نقطہ نظر سے نقصان کا شبہ ہوتا ہے وہاں بھی اگر ایمانی اور اسلامی وسیع نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو بجائے نقصان کے نفع ہی نفع نظر آئے گا۔

یہاں بعض لوگوں کو ایک اور بھی شبہ ہوتا ہے اور وہ شبہ یہ ہے کہ شرم وحیا کی زیادتی بعض اوقات دینی فرائض ادا کرنے سے بھی رکاوٹ بن جاتی ہے مثلاً جس آدمی میں شرم وحیا کا مادہ زیادہ ہو وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جیسے فرائض ادا کرنے اور اللہ کے بندوں کو نصیحت کرنے اور مجرموں کو سزا دینے جیسے اعلیٰ دینی کاموں میں بھی ڈھیلا اور کمزور ہوتا ہے لیکن یہ شبہ دراصل ایک مغالطہ پر مبنی ہے انسان کی طبیعت کی جو کیفیت اس قسم کے کاموں کے انجام دینے میں رکاوٹ بنتی ہے وہ دراصل حیاء نہیں ہوتی بلکہ وہ اس آدمی کی ایک فطری اور طبعی کمزوری ہوتی ہے لوگ ناواقفی سے اس میں اور حیاء میں فرق نہیں کر پاتے۔

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِمَّا اَدْرَکَ النَّاسُ مِنْ کَلَامِ النُّبُوَّةِ الْاُوْلٰى اِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَاشِئْتَ. (رواه البخاری)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگلی نبوت کی باتوں میں سے لوگوں نے جو کچھ پایا ہے اس میں ایک یہ مقولہ بھی ہے کہ "جب تم میں شرم وحیا نہ ہو تو پھر جو چاہو کرو" (صحیح بخاری)

تشریح:...... انبیائے سابقین کی پوری تعلیمات اگرچہ محفوظ نہیں رہیں لیکن ان کی کچھ سچی پکی باتیں ضرب المثل کی طرح ایسی مقبول عام اور مشہور عام ہو گئیں کہ سینکڑوں ہزاروں برس گزرنے پر بھی وہ محفوظ اور زبان زد خلائق رہیں، انہیں میں سے ایک تعلیم یہ بھی ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک بطورِ ضرب المثل لوگوں کی زبان پر چڑھی ہوئی تھی۔ "اِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَاشِئْتَ"، جس کو فارسی میں کہا جاتا ہے "بے حیا باش وہر چہ خواہی کن" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں تصدیق فرمائی کہ یہ حکیمانہ اور ناصحانہ مقولہ اگلی نبوت کی تعلیمات میں سے ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِسْتَحْيُوا مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَيَاءِ قُلْنَا اِنَّا نَسْتَحْيِيْ مِنَ اللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ قَالَ لَيْسَ ذَالِکَ وَلٰكِنَّ الْاِسْتِحْيَاءَ مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَيَاءِ اَنْ تَحْفَظَ الرَّأْسَ وَمَا وَعٰى وَالْبَطْنَ وَمَا حَوٰى وَتَذْکُرَ الْمَوْتَ وَالْبِلٰى وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ تَرَکَ زِيْنَةَ الدُّنْيَا وَاٰثَرَ الْاٰخِرَةَ عَلَى الْاُوْلٰى فَمَنْ فَعَلَ ذَالِکَ فَقَدْ اِسْتَحْيٰى مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَيَاءِ. (رواه الترمذی)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ سے ایسی حیا کرو جیسی اس سے حیا کرنی چاہیے۔ مخاطبین نے عرض کیا، الحمدللہ! ہم اللہ سے حیا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا، یہ نہیں (یعنی حیاء کا مفہوم اتنا محدود نہیں ہے جتنا کہ تم سمجھ رہے ہو) بلکہ اللہ تعالیٰ سے حیا کرنے کا حق یہ ہے کہ سر اور سر میں جو افکار و خیالات ہیں ان سب کی

نگہداشت کرو اور پیٹ کی اور جو کچھ اس میں بھرا ہے اس سب کی نگرانی کرو (یعنی برے خیالات سے دماغ کی اور حرام و ناجائز غذا سے پیٹ کی حفاظت کرو) اور موت اور موت کے بعد قبر میں جو حالت ہونی ہے اس کو یاد کرو اور جو شخص آخرت کو اپنا مقصد بنائے وہ دنیا کی آرائش و عشرت سے دستبردار ہو جائے گا اور اس چند روزہ زندگی کے عیش کے مقابلہ میں آگے آنے والی زندگی کی کامیابی کو اپنے لیے پسند اور اختیار کرے گا۔ پس جس نے یہ سب کچھ کیا' سمجھو کہ اللہ سے حیاء کرنے کا حق اُس نے ادا کیا۔ (جامع ترمذی)

تشریح:...... اس سلسلہ کی پہلی حدیث کی تشریح میں حیاء کے معنی کی وسعت کی طرف جو اشارہ کیا گیا تھا ترمذی کی اس حدیث سے اس کی توثیق ہی نہیں بلکہ مزید توضیح و تشریح بھی ہو جاتی ہے۔ نیز حدیث کے آخری حصہ سے ایک اصولی بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ سے حیاء کرنے کا حق وہی بندے ادا کر سکتے ہیں جن کی نظر میں اس دنیا اور اس کے عیش و عشرت کی کوئی قیمت نہ ہو اور دنیا کو ٹھکرا کے آخرت کو انہوں نے اپنا مطمح نظر بنا لیا ہو اور موت اور موت کے بعد کی منزلیں ان کو ہمہ وقت یاد رہتی ہوں اور جس کا یہ حال نہ ہو وہ خواہ کیسی ہی باتیں بناتا ہو اس حدیث کا فیصلہ ہے کہ اس نے اللہ سے حیاء کا حق ادا نہیں کیا۔

قناعت واستغناء اور حرص وطمع

جن اخلاق کی وجہ سے انسان اللہ تعالیٰ کا محبوب اور اس دنیا میں بھی بہت بلند ہو جاتا ہے اور دل کی بے چینی اور کڑھن کے سخت عذاب سے بھی اس کو نجات مل جاتی ہے' ان میں سے ایک قناعت اور استغناء بھی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ بندہ کو جو کچھ ملے اس پر وہ راضی اور مطمئن ہو جائے اور زیادہ کی حرص و لالچ نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ اپنے جس بندے کو قناعت کی یہ دولت عطا فرمائے بلاشبہ اس کو بڑی دولت عطا ہوئی اور بڑی نعمت سے نوازا گیا۔ اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشاد ذیل میں پڑھیے:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ اَسْلَمَ وَرُزِقَ كَفَافًا وَقَنَّعَهُ اللّٰهُ بِمَا اٰتَاهُ. (رواہ مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کامیاب اور بامراد ہوا وہ بندہ جس کو حقیقت اسلام نصیب ہوئی اور اس کو روزی بھی بقدر کفاف ملی اور اللہ تعالیٰ نے اس کو اس قدر قلیل روزی پر قانع بھی بنا دیا۔ (صحیح مسلم)

تشریح:...... بلاشبہ جس بندہ کو ایمان کی دولت نصیب ہو اور ساتھ ہی اس دنیا میں گزارے کا کچھ ضروری سامان بھی اور پھر اللہ تعالیٰ اس کے دل کو قناعت اور طمانیت کی دولت بھی نصیب فرما دے تو اس کی زندگی بڑی مبارک اور بڑی خوشگوار ہے اور اس پر اللہ کا بڑا ہی فضل ہے۔ یہ قناعت اور دل کی طمانیت وہ کیمیا ہے جس سے فقیر کی زندگی بادشاہ کی زندگی سے زیادہ لذیذ اور پُر مسرت بن جاتی ہے۔

ایں کیمیائے ہستی قاروں کند گدارا

آدمی کے پاس اگر دولت کے ڈھیر ہوں لیکن اس میں اور زیادہ کے لیے طمع اور حرص ہو اور وہ اس میں اضافہ ہی کی فکر اور کوشش میں لگا رہے اور "هَلْ مِنْ مَّزِيْد" ہی کے پھیر میں پڑا رہے تو اسے کبھی قلبی سکون نصیب نہ ہوگا اور وہ دل کا فقیر ہی رہے گا برخلاف اس کے اگر آدمی کے پاس صرف جینے کا مختصر سامان ہو مگر وہ اس پر مطمئن اور قانع ہو تو فقر و افلاس کے باوجود وہ دل کا غنی رہے گا اور اس کی زندگی بڑے اطمینان اور آسودگی کی زندگی ہوگی۔ اس حقیقت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دوسری حدیث میں ان الفاظ میں ارشاد فرمایا ہے:

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ الْغِنٰى عَنْ كَثْرَةِ الْعُرُوْضِ وَلٰكِنَّ الْغِنٰى غِنَى النَّفْسِ. (رواہ البخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دولت مندی مال و اسباب سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ اصلی دولت مندی دل کی بے نیازی ہے۔ (صحیح بخاری)

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَبَا ذَرٍّ تَقُوْلُ كَثْرَةُ الْمَالِ الْغِنٰى قُلْتُ نَعَمْ قَالَ تَقُوْلُ قِلَّةُ الْمَالِ الْفَقْرُ؟ قُلْتُ نَعَمْ، قَالَ ذَالِكَ ثَلاَثًا ثُمَّ قَالَ الْغِنٰى فِی الْقَلْبِ وَالْفَقْرُ فِی الْقَلْبِ. (رواہ الطبرانی فی الکبیر)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن مجھ سے ارشاد فرمایا: ابوذر! کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ مال زیادہ ہونے کا نام تونگری ہے؟ میں نے عرض کیا' ہاں حضورؐ! (ایسا ہی سمجھا جاتا ہے) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ مال کم ہونے کا نام فقیری اور محتاجی ہے؟ میں نے عرض کیا' جی ہاں حضورؐ! (ایسا ہی خیال کیا جاتا ہے) یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے تین دفعہ ارشاد فرمائی۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا: اصلی دولت مندی دل کے اندر ہوتی ہے اور اصلی محتاجی اور فقیری بھی دل ہی میں ہوتی ہے۔ (معجم کبیر للطبرانی)

تشریح:...... حقیقت یہی ہے کہ تونگری اور محتاجی' خوشحالی اور بدحالی کا تعلق روپیہ پیسہ سے زیادہ آدمی کے دل سے ہے' اگر دل غنی اور بے نیاز ہے تو آدمی نچنت اور خوشحال ہے اور اگر دل حرص وطمع کا گرفتار ہے تو دولت کے ڈھیروں کے باوجود وہ خوشحالی سے محروم اور محتاج و پریشان حال ہے۔ سعدی علیہ الرحمۃ کا مشہور قول ہے:

تونگری بدل ست نہ بہ مال

عَنْ اَبِیْ سَعِيْدِ الخدری اَنَّ نَاسًا مِنَ الْاَنْصَار سَأَلُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فاعطاهُم ثُم سَأَلُوْهُ فَاَعطاهم حتّٰى اذا نفدا ما عندهٗ قَالَ مَا يَكُوْنَ عِنْدِى من خَيرٍ فَلَنْ اَدَّخِرَهٗ ...... من يَّسْتَعفَّ يَعَفَّا اللّٰه من يستغن يَغْنَى اللّٰه مَنْ يَّتَصَبَّرْ يصبّرهُ اللّٰه مَا اعطى اَحَدً من عطاء اَسَعَ مِنَ الصَّبر. (رواہ ابو داؤد)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انصار میں سے کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک دفعہ کچھ طلب کیا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو عطا فرمادیا (لیکن ان کی مانگ ختم نہیں ہوئی) اور انہوں نے پھر طلب کیا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر ان کو عطا فرمادیا' یہاں تک کہ جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا وہ سب ختم ہوگیا اور کچھ نہ رہا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصاریوں سے فرمایا' سنو! جو مال و دولت بھی میرے پاس ہوگا اور کہیں سے آئے گا' میں اس کو تم سے بچا کر نہیں رکھوں گا اور اپنے پاس ذخیرہ جمع نہیں کروں گا (بلکہ تم کو دیتا رہوں گا لیکن یہ بات خوب سمجھ لو کہ اس طرح مانگ مانگ کر حاصل کرنے سے آسودگی اور خوش عیشی حاصل نہیں ہوگی بلکہ اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ) جو کوئی خود عفیف بننا چاہتا ہے یعنی دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے اپنے کو بچانا چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرماتا ہے اور سوال کی ذلت سے اس کو بچا دیتا ہے اور جو کوئی بندوں کے سامنے اپنی محتاجی ظاہر کرنے سے بچنا چاہتا ہے یعنی اپنے کو بندوں کا محتاج اور نیازمند بنانا نہیں چاہتا تو اللہ تعالیٰ اس کو بندوں سے بے

نیاز کر دیتا ہے اور جو کوئی کسی کٹھن موقع پر اپنی طبیعت کو مضبوط کر کے صبر کرنا چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو صبر کی توفیق دے دیتا ہے (اور صبر کی حقیقت اس کو نصیب ہو جاتی ہے) اور کسی بندہ کو بھی صبر سے زیادہ وسیع کوئی نعمت عطا نہیں ہوئی۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح:......اس حدیث کا خاص سبق یہی ہے کہ بندہ اگر چاہتا ہے کہ وہ دوسرے بندوں کا محتاج نہ ہو اور ان کے سامنے اس کو دست سوال دراز نہ کرنا پڑے اور مصائب و مشکلات اس کو اپنی جگہ سے ہٹا نہ سکیں تو اسے چاہیے کہ اپنی استطاعت کی حد تک وہ خود ایسا بننے کی کوشش کرے اگر وہ ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی پوری پوری مدد فرمائے گا اور یہ سب چیزیں اس کو نصیب ہو جائیں گی۔

حدیث کے آخری حصہ میں فرمایا گیا ہے کہ ''کسی بندے کو صبر سے زیادہ وسیع کوئی نعمت عطا نہیں ہوئی۔'' واقعہ یہی ہے کہ ''صبر'' دل کی جس کیفیت کا نام ہے وہ اللہ تعالیٰ کی نہایت وسیع اور نہایت عظیم نعمت ہے اسی لیے قرآن مجید کی آیت ''وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ'' میں صبر کو صلوٰۃ یعنی نماز پر بھی مقدم کیا گیا ہے۔

عَنْ حَكِيْمِ بْنِ حِزَامٍ قَالَ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَعْطَانِىْ ثُمَّ سَأَلْتُهٗ فَأَعْطَانِىْ ثُمَّ قَالَ لِىْ يَا حَكِيْمُ اِنَّ هٰذَا الْمَالَ خَضِرٌ حُلْوٌ فَمَنْ اَخَذَهٗ بِسَخَاوَةِ نَفْسٍ بُوْرِكَ لَهٗ فِيْهِ وَمَنْ اَخَذَهٗ بِاِشْرَافِ نَفْسٍ لَمْ يُبَارَكْ لَهٗ فِيْهِ وَكَانَ كَالَّذِىْ يَاْكُلُ وَلَا يَشْبَعُ وَالْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلٰى قَالَ حَكِيْمٌ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِىْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَا اَرْزَأُ اَحَدًا بَعْدَكَ شَيْئًا حَتّٰى اُفَارِقَ الدُّنْيَا. (رواه البخارى و مسلم)

حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ مال طلب کیا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے عطا فرمادیا' میں نے پھر مانگا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر عطا فرمادیا' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نصیحت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ: اے حکیم! یہ مال سب کو بھلی لگنے والی اور لذیز و شیریں چیز ہے۔ پس جو شخص اس کو بغیر حرص اور طمع کے سیر چشمی اور نفس کی فیاضی کے ساتھ لے اس کے واسطے اس میں برکت دی جائے گی اور جو شخص دل کے لالچ کے ساتھ لے گا اس کے واسطے اس میں برکت نہیں ہوگی اور اس کا حال جوع البقر کے اس مریض کا سا ہوگا جو کھائے اور پیٹ نہ بھرے اور اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔ (یعنی دینے والے کا مقام اونچا ہے اور ہاتھ پھیلا کر لینا ایک گھٹیا بات ہے۔ لہٰذا جہاں تک ہو سکے اس سے بچنا چاہیے۔ حکیم بن حزام کہتے ہیں کہ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ نصیحت سن کر) میں نے عرض کیا' یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) قسم ہے اس پاک ذات کی جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے اب آپ کے بعد مرتے دم تک میں کسی سے کچھ نہ لوں گا۔ (صحیح بخاری' صحیح مسلم)

تشریح:......اسی حدیث کی صحیح بخاری ہی کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ حکیم بن حزام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جو عہد کیا تھا اس کو پھر ایسا نبھایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اپنے اپنے دورِ خلافت میں (جب کہ سب ہی کو وظیفے اور عطیے دیئے جاتے تھے) ان کو بھی بلا کر بار بار کچھ وظیفہ یا عطیہ دینا چاہا لیکن یہ لینے پر آمادہ ہی نہیں ہوئے اور فتح الباری میں حافظ ابن حجر نے مسند اسحاق بن راہویہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ شیخین

کے بعد حضرت عثمان اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ خلافت وامارت میں بھی انہوں نے کبھی کوئی وظیفہ یا عطیہ قبول نہیں کیا۔ یہاں تک کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ امارت میں ایک سو بیس سال کی عمر میں ۵۴ھ میں وفات پائی۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ خَطَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِيَّاكُمْ وَالشُّحَّ فَاِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِالشُّحِّ اَمَرَهُمْ بِالْبُخْلِ فَبَخِلُوْا وَاَمَرَهُمْ بِالْقَطِيْعَةِ فَقَطَعُوْا وَاَمَرَهُمْ بِالْفُجُوْرِ فَفَجَرُوْا. (رواہ ابو داؤد)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن خطبہ دیا اور اس میں ارشاد فرمایا کہ حرص وطمع سے بچو کیونکہ تم سے پہلی قومیں اسی حرص سے تباہ ہوئیں۔ اسی نے ان کو بخل کرنے کو کہا تو انہوں نے بخل اختیار کیا۔ اسی نے ان کو قطع رحمی یعنی حقوق قرابت کی پامالی کیلئے کہا تو انہوں نے قطع رحمی اختیار کی' اسی نے ان کو بدکاری کے لیے کہا تو انہوں نے بدکاریاں کیں۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح:...... یعنی حرص وطمع صرف ایک بری خصلت ہی نہیں ہے بلکہ اس کی وجہ سے انسانی معاشرہ میں دوسری بھی نہایت تباہ کن خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں جو بالآخر قوموں کو لے ڈوبتی ہیں۔ اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ اس خطرناک اور تباہ کن جذبہ سے اپنے دلوں اور سینوں کی پوری پوری حفاظت کریں۔

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَرُّ مَا فِىْ رَجُلٍ شُحٌّ هَالِعٌ وَجُبْنٌ خَالِعٌ. (رواہ ابو داؤد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے تھے کہ انسان میں سب سے بری بات کڑھا دینے والی حرص اور گھبرا دینے والی بزدلی ہے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح:...... یہ حقیقت ہے کہ حریص اور لالچی آدمی ہر وقت اس غم میں گھلتا اور کڑھتا رہتا ہے کہ یہ نہیں ملا' وہ نہیں ملا' فلاں کے پاس یہ ہے اور میرے پاس یہ نہیں ہے۔ اسی طرح زیادہ بزدل آدمی خواہ مخواہ موہوم خطرات سے بھی ہر وقت گھبراتا رہتا ہے اور اس کو اطمینان کے سانس لینے نصیب نہیں ہوتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کے دل کی ان دونوں کیفیتوں کو بدترین کیفیت بتلایا اور فی الحقیقت یہ بدترین اور ذلیل ترین خصلتیں ہیں۔

صبر وشکر

اس دنیا میں دکھ اور رنج بھی ہے اور آرام اور خوشی بھی' شادی بھی ہے اور غمی بھی' شیرینی بھی ہے اور تلخی بھی' سردی بھی ہے اور گرمی بھی' خوشگواری بھی ہے اور ناخوشگواری بھی اور سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے اور اسی کے حکم اور فیصلہ سے ہوتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے والے بندوں کا حال یہ ہونا چاہیے کہ جب کوئی دُکھ اور مصیبت پیش آجائے تو وہ مایوسی اور سراسیمگی کا شکار نہ ہوں بلکہ ایمانی صبر وثبات کے ساتھ اس کا استقبال کریں اور دل میں اس یقین کو تازہ کریں کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جو ہمارا حکیم اور کریم رب ہے اور وہی ہم کو اس دُکھ اور مصیبت سے نجات دینے والا ہے۔ اسی طرح جب ان کے حالات سازگار ہوں اور ان کی چاہتیں ان کو مل رہی ہیں اور خوشی اور شادمانی کے سامان میسر ہوں تو بھی وہ اس کو اپنا کمال اور اپنی قوت بازو کا نتیجہ نہ سمجھیں بلکہ اس وقت اپنے دل میں اس یقین کو تازہ کریں کہ یہ سب کچھ محض اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی بخشش

ہے اور وہ جب چاہے اپنی بخشی ہوئی ہر نعمت چھین بھی سکتا ہے اس لیے ہر نعمت پر اس کا شکر ادا کریں۔

یہ اسلام کی خاص تعلیمات میں سے ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طرح طرح سے اس کی ترغیب اور تعلیم دی ہے۔ اس تعلیم پر عمل کرنے کا ایک نتیجہ تو یہ ہوتا ہے کہ بندہ ہر حال میں خدا سے وابستہ رہتا ہے اور دوسرا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ وہ کبھی مصیبتوں اور ناکامیوں سے شکست نہیں کھاتا اور رنج و غم کے تسلسل سے بھی اس کی جان نہیں گھلتی اور مایوسی اور دل شکستگی اس کی عملی قوتوں کو ختم نہیں کر سکتی۔ اس سلسلے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چند حدیثیں ذیل میں پڑھیے:

عَنْ صُهَيْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَجَبًا لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ إِنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ لَهُ خَيْرٌ وَلَيْسَ ذَالِكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ. (رواہ مسلم)

حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندہ مؤمن کا معاملہ بھی عجیب ہے اس کے ہر معاملہ اور ہر حال میں اس کے لیے خیر ہی خیر ہے۔ اگر اس کو خوشی اور راحت و آرام پہنچے تو وہ اپنے رب کا شکر ادا کرتا ہے اور یہ اس کے لیے خیر ہی خیر ہے اور اگر اُسے کوئی دُکھ اور رنج پہنچتا ہے تو وہ (اس کو بھی اپنے حکیم و کریم رب کا فیصلہ اور اس کی مشیت یقین کرتے ہوئے) اس پر صبر کرتا ہے اور یہ صبر بھی اس کے لیے سراسر خیر اور موجب برکت ہوتا ہے۔ (مسلم)

تشریح:...... اس دنیا میں تکلیف اور آرام تو سب ہی کے لیے ہے لیکن اس تکلیف اور آرام سے اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی رضا حاصل کرنا یہ صرف ان اہل ایمان ہی کا حصہ ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا ایمانی رابطہ قائم کر لیا ہے کہ وہ چین و آرام اور مسرت و خوشی کی ہر گھڑی میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں اور جب کسی رنج اور دُکھ میں مبتلا کیے جاتے ہیں اور کوئی ناخوشگواری ان کو پیش آتی ہے تو وہ بندگی کی پوری شان کے ساتھ صبر کرتے ہیں اور چونکہ دُکھ سکھ اور خوشی و ناخوشی ایسی چیزیں ہیں جن سے انسان کی زندگی کسی وقت بھی خالی نہیں رہتی اس لیے ان بندگانِ خدا کے قلوب بھی صبر و شکر کی کیفیات سے ہمہ دم معمور رہتے ہیں۔

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى يَا ابْنَ آدَمَ إِنْ صَبَرْتَ وَاحْتَسَبْتَ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْأُوْلٰى لَمْ أَرْضَ لَكَ ثَوَابًا دُوْنَ الْجَنَّةِ. (رواہ ابن ماجہ)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اے فرزند آدم! اگر تو نے شروع صدمہ میں صبر کیا اور میری رضا اور ثواب کی نیت کی تو میں نہیں راضی ہوں گا کہ جنت سے کم اور اس کے سوا کوئی ثواب تجھے دیا جائے۔ (ابن ماجہ)

تشریح:...... جب کوئی صدمہ کسی آدمی کو پہنچتا ہے تو اس کا زیادہ اثر ابتداء ہی میں ہوتا ہے ورنہ کچھ دن گزرنے کے بعد تو وہ اثر خود بخود بھی زائل ہو جاتا ہے اس لیے صبر دراصل وہی ہے جو صدمہ پہنچنے کے وقت اللہ تعالیٰ کا خیال کر کے اور اس کی رضا اور ثواب کی اُمید پر کیا جائے اس کی فضیلت ہے اور اسی پر ثواب کا وعدہ ہے بعد میں طبعی طور پر جو صبر آ جاتا ہے اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی کوئی قیمت نہیں ہے۔

ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان فرمایا ہے کہ جو صاحب ایمان بندہ کسی صدمہ کے پہنچنے کے وقت اللہ تعالیٰ کی رضا اور ثواب کی نیت سے صبر کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت ضرور عطا فرمائے گا

اور جنت کے سوا اور اس سے کم درجہ کی کوئی چیز اس کے صبر کے ثواب میں دینے پر خود خدائے تعالیٰ راضی نہ ہوگا۔ اللہ اکبر! کس قدر کریمانہ انداز ہے براہِ راست بندہ کو خطاب کر کے فرمایا گیا ہے کہ اے ابن آدم! جب تجھے میرے تقدیری حکم سے کوئی صدمہ پہنچے اور تو اس وقت میری رضا اور ثواب کی اُمید پر اس صدمہ کا استقبال صبر سے کرے تو تجھے جنت دیئے بغیر میں راضی نہ ہوں گا۔ گویا اس صبر کی وجہ سے بندے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو ایسا خاص تعلق ہو جائے گا کہ اس بندہ کو جنت دیئے بغیر اللہ تعالیٰ راضی اور خوش نہ ہوں گے۔

ف:...... جب کسی بندۂ خدا کو کسی قسم کا کوئی صدمہ پہنچے تو اگر اس وقت اس حدیث کو اور اللہ تعالیٰ کے اس کریمانہ وعدہ کو یاد کر کے صبر کر لے تو ان شاء اللہ اس صبر میں ایک خاص لذت اور حلاوت ملے گی اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یقیناً جنت بھی عطا ہوگی۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَفَعَهُ مَنْ أُصِيبَ بِمُصِيبَةٍ فِيْ مَالِهٖ اَوْفِيْ نَفْسِهٖ فَكَتَمَهَا وَلَمْ يَشْكُهَا اِلَى النَّاسِ كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ اَنْ يَّغْفِرَلَهٗ. (رواه الطبرانی فی الاوسط)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جو بندہ کسی جانی یا مالی مصیبت میں مبتلا ہو اور وہ کسی سے اس کا اظہار نہ کرے اور نہ لوگوں سے شکوہ و شکایت کرے تو اللہ تعالیٰ کا ذمہ ہے کہ وہ اس کو بخش دیں گے۔ (معجم اوسط طبرانی)

تشریح:...... صبر کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ اپنی مصیبت اور تکلیف کا کسی سے اظہار بھی نہ ہو اور ایسے صابروں کے لیے اس حدیث میں مغفرت کا پختہ وعدہ کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی بخشش کا ذمہ لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان مواعید پر یقین اور ان سے فائدہ اُٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔

عَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ اَرْسَلَتْ اِبْنَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَيْهِ اَنَّ ابْنًا لِيْ قُبِضَ فَأْتِنَا فَاَرْسَلَ يَقْرَءُ السَّلَامَ وَيَقُوْلُ اِنَّ لِلّٰهِ مَا اَخَذَ وَلَهٗ مَا اَعْطٰى وَكُلٌّ عِنْدَهٗ بِأَجَلٍ مُسَمًّى فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ فَأَرْسَلَتْ اِلَيْهِ تُقْسِمُ عَلَيْهِ لَيَاتِيَنَّهَا فَقَامَ وَمَعَهٗ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ وَمَعَاذُ بْنُ جَبَلٍ وَاُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَّرِجَالٌ فَرُفِعَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّبِيُّ وَنَفْسُهٗ يَتَقَعْقَعُ فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ فَقَالَ سَعْدٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا هٰذَا فَقَالَ هٰذِهٖ رَحْمَةٌ جَعَلَهَا اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِ عِبَادِهٖ فَاِنَّمَا يَرْحَمُ اللّٰهُ مِنْ عِبَادِهِ الرُّحَمَاءَ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت اسامہ ابن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی (حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا) نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کہلا بھیجا کہ میرے بچے کا آخری دم ہے اور چل چلاؤ کا وقت ہے لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تشریف لے آئیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں سلام کہلا کے بھیجا اور پیام دیا کہ بیٹی! اللہ تعالیٰ کسی سے جو کچھ لے وہ بھی اسی کا ہے اور کسی کو جو کچھ دے وہ بھی اسی کا ہے۔ الغرض ہر چیز ہر حال میں اُسی کی ہے (اگر کسی کو دیتا ہے تو اپنی چیز دیتا ہے اور کسی سے لیتا ہے تو اپنی چیز لیتا ہے) اور ہر چیز کے لیے اس کی طرف سے ایک مدت اور وقت مقرر ہے (اور اس وقت کے آجانے پر وہ چیز اس دنیا سے اٹھالی جاتی ہے) پس چاہیے کہ تم صبر کرو اور اللہ تعالیٰ سے اس صدمہ کے اجر و ثواب کی

طالب بنو۔صاحبزادی صاحبہ نے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیام بھیجا اور قسم دی کہ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ضرور ہی تشریف لے آئیں۔پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھ کر چل دیئے اور آپ ؐ کے اصحابؓ میں سے سعد بن عبادہ اور معاذ بن جبلؓ اور ابی بن کعبؓ اور زید بن ثابتؓ اور بعض اور لوگ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو لئے، پس وہ بچہ اُٹھا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں دیا گیا اور اس کا سانس اُکھڑ رہا تھا، اس کے حال کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔اس پر سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا، حضرتؐ! یہ کیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ رحمت کے اس جذبہ کا اثر ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں رکھ دیا ہے اور اللہ کی رحمت ان ہی بندوں پر ہوگی جن کے دلوں میں رحمت کا یہ جذبہ ہو (اور جن کے دل سخت اور رحمت کے جذبہ سے بالکل خالی ہوں، وہ خدا کی رحمت کے مستحق نہ ہوں گے)

تشریح:...... حدیث کے آخری حصے سے معلوم ہوا کہ کسی صدمہ سے دل کا متاثر ہونا اور آنکھوں سے آنسو بہنا صبر کے منافی نہیں، صبر کا مقتضیٰ صرف اتنا ہے کہ بندہ مصیبت اور صدمہ کو اللہ تعالیٰ کی مشیت یقین کرتے ہوئے اس کو بندگی کی شان کے ساتھ انگیز کرے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس اور اس کا شاکی نہ ہو اور اس کی مقرر کی ہوئی حدود کا پابند رہے۔باقی طبعی طور پر دل کا متاثر ہونا اور آنکھوں سے آنسو بہنا تو قلب کی رقت اور اس جذبہ رحمت کا لازمی نتیجہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے بندوں کی فطرت میں ودیعت رکھا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی خاص نعمت ہے اور جو دل اس سے خالی ہو وہ اللہ تعالیٰ کی نگاہِ رحمت سے محروم ہے۔سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو بہتے دیکھ کر تعجب سے سوال اس لیے کیا کہ اس وقت تک ان کو یہ بات معلوم نہ تھی کہ دل کا یہ تاثر اور آنکھوں سے آنسو گرنا صبر کے منافی نہیں ہے۔واللہ اعلم

عَنْ مَعَاذٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهُ مَاتَ لَهُ ابْنٌ فَكَتَبَ اِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلتَّعْزِيَةَ "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِo مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى مَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ سَلَامٌ عَلَيْكَ فَاِنِّيْ اَحْمَدُ اِلَيْكَ اللّٰهَ الَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَمَّا بَعْدُ فَاَعْظَمَ اللّٰهُ لَكَ الْاَجْرَ وَاَلْهَمَكَ الصَّبْرَ وَرَزَقْنَا وَاِيَّاكَ الشُّكْرَ فَاِنَّ اَنْفُسَنَا وَاَمْوَالَنَا وَاَهْلَنَا مِنْ مَوَاهِبِ اللّٰهِ الْهَنِيْئَةِ وَعَوَارِيْهِ الْمُسْتَوْدَعَةِ مَتَّعَكَ اللّٰهُ بِهٖ فِيْ غِبْطَةٍ وَسُرُوْرٍ وَقَبَضَهٗ مِنْكَ بِاَجْرٍ كَبِيْرٍ، اَلصَّلٰوةُ وَالرَّحْمَةُ وَالْهُدٰى اِنِ احْتَسَبْتَهٗ فَاصْبِرْ وَلَا يُحْبِطْ جَزَعُكَ اَجْرَكَ فَتَنْدَمَ وَاعْلَمْ اَنَّ الْجَزَعَ لَا يَرُدُّ مَيِّتًا وَّلَا يَدْفَعُ حَزَنًا وَمَا هُوَ نَازِلٌ فَكَانَ قَدْ. وَالسَّلَامُ." (رواه الطبرانی فی الکبیر والاوسط)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے ایک لڑکے کا انتقال ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ تعزیت نامہ لکھوایا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، اللہ کے رسول محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی طرف سے معاذ بن جبل کے نام، میں پہلے اُس اللہ کی تم سے حمد بیان کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔(بعد ازاں) دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تم کو اس صدمہ کا اجر عظیم دے اور تمہارے دل کو صبر عطا فرمائے اور ہم کو اور تم کو نعمتوں پر شکر کی توفیق دے۔حقیقت یہ ہے کہ ہماری جانیں اور ہمارے مال اور

ہمارے اہل وعیال یہ سب اللہ تعالیٰ کے مبارک عطیے ہیں اور اس کی سونپی ہوئی امانتیں ہیں (اس اصول کے مطابق تمہارا لڑکا بھی اللہ تعالیٰ کی امانت تھا) اللہ تعالیٰ نے جب تک چاہا خوشی اور عیش کے ساتھ تم کو اس سے نفع اٹھانے اور جی بہلانے کا موقع دیا اور جب اس کی مشیت ہوئی اپنی اس امانت کو تم سے واپس لے لیا اور وہ تم کو اس کا بڑا اجر دینے والا ہے، اللہ کی خاص نوازش اور اس کی رحمت اور اس کی طرف سے ہدایت (کی تم کو بشارت ہے) اگر تم نے ثواب اور رضاء الٰہی کی نیت سے صبر کیا۔ پس اے معاذ! صبر کرو اور ایسا نہ ہو کہ جزع وفزع تمہارے اجر کو غارت کردے اور پھر تمہیں ندامت ہو (کہ صدمہ بھی پہنچا اور اجر سے بھی محروم رہا) اور یقین رکھو کہ جزع وفزع سے کوئی مرنے والا واپس نہیں آتا اور نہ اس سے دل کا رنج وغم دور ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو حکم اترتا ہے وہ ہو کر رہنے والا ہے بلکہ یقیناً ہو چکا ہے۔ والسلام (معجم کبیر و معجم اوسط)

تشریح:...... قرآن مجید میں مصائب پر صبر کرنے والے بندوں کو تین چیزوں کی بشارت دی گئی ہے۔ ارشاد ہے: ''اُولٰئِکَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَاُولٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ'' (ان پر اللہ تعالیٰ کی خاص نوازش اور عنایت ہوگی اور وہ رحمت سے نوازے جائیں گے اور وہ ہدایت یاب ہوں گے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تعزیت نامہ میں اُسی قرآنی بشارت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ ''تم نے ثواب اور رضاء الٰہی کی نیت سے اس صدمہ پر صبر کیا تو تمہارے لیے اللہ کی خاص نوازش اور اس کی رحمت اور ہدایت کی بشارت ہے۔''

فائدہ:...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس تعزیت نامہ میں ہر اُس صاحب ایمان بندے کے لیے تعزیت ونصیحت اور تسلی وتشفی کا پورا سامان ہے جس کو کوئی صدمہ پہنچے۔ کاش! اپنی مصیبتوں میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ایمان افروز تعزیت ونصیحت سے سکون حاصل کریں اور صبر وشکر کو اپنا شعار بنائیں۔

عَنْ اُمِّ الدَّرْدَاءِ قَالَتْ سَمِعْتُ اَبَا الدَّرْدَاءِ يَقُوْلُ سَمِعْتُ اَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى قَالَ يَا عِيْسٰى اِنِّىْ بَاعِثٌ مِنْ بَعْدِكَ اُمَّةً اِذَا اَصَابَهُمْ مَّا يُحِبُّوْنَ حَمِدُوا اللّٰهَ وَاِنْ اَصَابَهُمْ مَا يَكْرَهُوْنَ اِحْتَسَبُوْا وَصَبَرُوْا وَلَا حِلْمَ وَلَا عَقْلَ فَقَالَ يَا رَبِّ كَيْفَ يَكُوْنُ هٰذَا لَهُمْ وَلَا حِلْمَ وَلَا عَقْلَ قَالَ اُعْطِيْهِمْ مِنْ حِلْمِىْ وَعِلْمِىْ. (رواه البيهقى فى شعب الايمان)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی اُم الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، وہ بیان کرتی ہیں مجھ سے میرے شوہر ابوالدرداء نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ اے عیسیٰ! میں تمہارے بعد ایک اُمت پیدا کروں گا جس کی سیرت یہ ہوگی کہ جب ان کو ان کی چاہت اور خواہش کے مطابق نعمتیں ملیں گی تو وہ جذبہ شکر سے معمور ہو کر اللہ کی حمد وثناء کریں گے اور جب ان پر ناخوشگوار احوال آئیں گے تو وہ صبر سے ان کا استقبال کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے اجر وثواب کے طالب ہوں گے حالانکہ ان میں (کوئی خاص درجہ کی) بُردباری اور دانش مندی نہ ہوگی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ جب ان میں بُردباری اور دانش مندی نہ ہوگی تو ان سے خوشحالیوں میں شکر اور مصائب پر صبر کیونکر ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، میں ان کو اپنے حلم اور اپنے علم میں سے کچھ حصہ دوں گا۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح:...... مصیبت میں مایوس، دل شکستہ اور سراسیمہ ہو جانا اور نعمت اور خوشحالی میں مست ہو کر اپنی اصل حقیقت کو اور خدا کو بھی بھول جانا انسانوں کی عام کمزوری ہے، اسی کو قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے: "اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا وَّ اِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًاo" اب اگر کسی اُمت اور کسی گروہ کی سیرت ایسی ہو کہ وہ مصیبتوں میں صابر اور نعمتوں پر شاکر ہو تو اللہ تعالیٰ کا اس پر خاص فضل ہے اور یہ اس کا بڑا امتیاز ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عام صحابہ اور قرون مابعد کے صلحاء مؤمنین کو اللہ تعالیٰ نے جو خاص روحانی صفات عطا فرمائیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ان کو صبر و شکر کی دولت سے بہرہ ور فرمایا اور ان کے اس صبر و شکر کا سرچشمہ ان کی عقلیت اور علم کی وسعت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے کہ اس نے اپنے علم و حلم کے کچھ ذرے ان بندوں کو عطا فرما دیئے ہیں اور یہ صبر و شکر اُسی کے ثمرات ہیں۔

جس طرح اس اُمت کے اور بہت سے امتیازات اور خصائص کا ذکر اللہ تعالیٰ نے بعض انبیاء سابقین سے فرمایا، اسی طرح صبر و شکر میں اس کے امتیاز کا ذکر اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تا کہ انہیں معلوم ہو کہ انسانوں کی روحانی تربیت اور سیرت سازی کا جو کام انہوں نے اور ان سے پہلے اللہ کے پیغمبروں نے کیا اس کی تکمیل ان کے بعد آنے والے اللہ کے پیغمبر کے ذریعہ ہونے والی ہے اور اس کے نتیجہ میں ایک ایسی اُمت ظہور میں آنے والی ہے جو صبر و شکر کے مقام پر فائز ہو گی اور اللہ تعالیٰ کے علم و حلم سے وہ بہرہ یاب ہو گی۔

توکل اور رضا

ہم انسانوں کو جو حقیقتیں حضرات انبیاء علیہم السلام کے ذریعے معلوم ہوتی ہیں ان میں سے ایک اہم حقیقت یہ بھی ہے کہ اس کارخانہ ہستی میں جو کچھ ہوتا ہے اور جس کو جو کچھ ملتا یا نہیں ملتا ہے سب براہِ راست اللہ تعالیٰ کے حکم اور فیصلہ سے ہوتا ہے اور ظاہری اسباب کی حیثیت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ وہ چیزوں کے ہم تک پہنچنے کے لیے اللہ تعالیٰ ہی کے مقرر کیے ہوئے صرف ذریعے اور راستے ہیں جس طرح کہ گھروں میں پانی جن نلوں کے ذریعے پہنچتا ہے وہ پانی پہنچانے کے صرف راستے ہیں پانی کی تقسیم میں ان کا اپنا کوئی دخل اور کوئی حصہ نہیں ہے۔ اسی طرح عالم وجود میں کارفرمائی اسباب کی بالکل نہیں ہے بلکہ کارفرما اور مؤثر صرف اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کا حکم ہے۔

اس حقیقت پر دل سے یقین کر کے اپنے تمام مقاصد اور کاموں میں صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتماد اور بھروسہ کرنا اسی سے لَو لگانا، اسی کی قدرت اور اسی کے کرم پر نظر رکھنا، اسی سے اُمید یا خوف ہونا اور اسی سے دُعا کرنا، بس اسی طرزِ عمل کا نام دین کی اصطلاح میں توکل ہے۔ توکل کی اصل حقیقت بس اتنی ہی ہے۔ ظاہری اسباب و تدابیر کا ترک کر دینا، یہ توکل کے لیے لازم نہیں ہے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام خاص کر سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور ہر دور کے عارفین کاملین کا توکل یہی تھا۔ یہ سب حضرات اس کارخانہ ہستی کے اسبابی سلسلے کو اللہ تعالیٰ کے امر و حکم کے ماتحت اور اس کی حکمت کا تقاضا جانتے ہوئے عام حالات میں اسباب کا بھی استعمال کرتے تھے لیکن دل کا اعتماد اور بھروسہ صرف اللہ ہی کے حکم پر ہوتا تھا اور جیسا کہ عرض کیا گیا وہ اسباب کو پانی کے نلوں کی طرح صرف ایک ذریعہ ہی جانتے تھے اور اسی واسطے وہ ان اسباب کے استعمال میں بھی اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے احکام کی تعمیل کا پورا پورا لحاظ رکھتے تھے۔ نیز یہ بھی یقین رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ان اسباب کی پابند

نہیں ہے۔ وہ اگر چاہتے تو ان کے بغیر بھی سب کچھ کر سکتا ہے اور کبھی کبھی وہ اللہ تعالیٰ کی اس قدرت کا مشاہدہ اور تجربہ بھی کرتے تھے۔

الغرض ترکِ اسباب نہ توکل کی حقیقت میں داخل ہے نہ اس کے لیے شرط ہے۔ ہاں اگر غلبہ حال سے اللہ تعالیٰ کا کوئی صاحب یقین بندہ ترکِ اسباب کر دے تو قابل اعتراض بھی نہیں بلکہ ان کے حق میں یہی کمال ہی ہوگا۔ اسی طرح اگر اسباب سے دل کا تعلق توڑنے کے لیے اور بجائے اسباب کے اللہ پر یقین پیدا کرنے کے لیے یا دوسروں کو اس کا مشاہدہ اور تجربہ کرانے کے لیے کوئی بندہ خدا ترکِ اسباب کا رویہ اختیار کر لے تو یہ بھی بالکل درست ہوگا لیکن توکل کی اصل حقیقت صرف اسی قدر ہے جو اوپر عرض کی گئی اور قرآن و حدیث میں اسی کی ترغیب و دعوت دی گئی ہے اور اسی کے حاملین کی مدح و ثناء کی گئی ہے اور بلاشبہ یہ توکل ایمان اور توحید کے کمال کا لازمی ثمرہ ہے جس کو توکل نصیب نہیں یقیناً اس کا ایمان اور اس کی توحید کامل نہیں ہے۔

پھر توکل سے بھی آگے رضا بالقضا کا مقام ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ بندے پر جو بھی اچھے یا برے احوال آئیں وہ یہ یقین کرتے ہوئے کہ ہر حال کا بھیجنے والا میرا مالک ہی ہے اس کے حکم اور فیصلہ پر دل سے راضی اور شاد رہے اور راحت و عافیت کے دنوں کی طرح تکلیف و مصیبت کی گھڑیوں میں بھی اس کے خدا آشنا دل کی صدا یہی ہو کہ:

ہر چہ از دوست میرسد نیکوست

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ اُمَّتِىْ سَبْعُوْنَ اَلْفًا بِغَيْرِ حِسَابٍ هُمُ الَّذِيْنَ لَا يَسْتَرْقُوْنَ وَلَا يَتَطَيَّرُوْنَ وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری اُمت میں سے ستر ہزار بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے وہ بندگانِ خدا ہوں گے جو منتر نہیں کراتے اور شگون بد نہیں لیتے اور اپنے پروردگار پر توکل کرتے ہیں۔ (بخاری و مسلم)

تشریح:...... اس حدیث کا مطلب صحیح طور پر سمجھنے کے لیے پہلے یہ جان لینا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت مبعوث ہوئے اس وقت اہل عرب میں دوسری بہت سی چھوٹی بڑی قابل اصلاح برائیوں کے علاوہ یہ دو برائیاں بھی عام طور پر رائج تھیں۔ ایک یہ کہ جب وہ خود یا ان کے بچے کسی بیماری اور دُکھ درد میں مبتلا ہوتے تو اس وقت کے منتر کرنے والوں سے منتر کراتے اور سمجھتے کہ یہ جنتر منتر دُکھ اور بیماری کو بھگانے کی ایک آسان تدبیر ہے (اور یہ منتر عموماً جاہلیت کے زمانہ ہی کے تھے) اور دوسرے یہ کہ جب وہ کوئی ایسا کام کرنے کا ارادہ کرتے جس میں نفع اور نقصان ٗ ہار اور جیت دونوں کا احتمال ہوتا تو شگون لیتے اور اگر شگون برا نکلتا تو سمجھتے کہ یہ کام ہم کو راست نہیں آئے گا اس لیے پھر اس کو نہیں کرتے تھے۔ الغرض شگون کو بھی وہ نقصان سے بچنے کی ایک آسان تدبیر جانتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں چیزوں کی مختلف موقعوں پر مذمت فرمائی اور تعلیم دی کہ بیماری دور کرنے کے لیے منتر نہ کرائے جائیں اور شگون بد لینے اور اس کا اثر قبول کرنے کا یہ طریقہ بھی چھوڑا جائے اور یقین رکھا جائے کہ بیماری اور تندرستی اور نفع نقصان سب کچھ اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔ لہٰذا اس پر بھروسہ کیا جائے اور اپنے مقاصد اور ضروریات کے لیے صرف وہی اسباب اور تدابیر استعمال کی جائیں جو اس کی مرضی کے خلاف نہیں ہیں کیونکہ اصل کارفرما اور مؤثر اسباب نہیں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ

کی ذات اوراس کا حکم ہے۔لہٰذا کسی مقصد کے لیے ایسے اسباب استعمال کرنا جواللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں سخت حماقت کی بات ہے۔

پس اس حدیث کا مطلب یہی ہے کہ جنت میں بے حساب جانے والے یہ بندگانِ خدا وہ ہوں گے جنہوں نے اللہ پر اعتماد اور بھروسہ کر کے منتر اور شگونِ بد کے ان غلط طریقوں کو چھوڑ دیا۔

بعض لوگوں نے اس حدیث سے یہ سمجھا ہے کہ یہ لوگ اسباب کا استعمال مطلقاً ترک کر کے توکل کرنے والے ہوں گے لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔اگر یہ مقصد ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی صراحت فرماتے۔اس موقع پر اسباب میں سے صرف ان ہی دو چیزوں (منتر اور شگون بد) کے ذکر کرنے سے (جو کہ شریعت میں خود ہی ممنوع ہیں) صاف معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کا مطلب یہی ہے کہ یہ بندے وہ ہوں گے جو اپنے مقاصد اور ضروریات میں اللہ تعالیٰ ہی پر اعتماد اور بھروسہ کرنے کی وجہ سے اور اسی کی مشیت اور اسی کے حکم کو اصل کارفرما اور مؤثر سمجھنے کے سبب سے اس اسباب کو استعمال نہیں کرتے ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں۔پس یہ حدیث خود ہی اس کی دلیل ہے کہ جو اسباب اللہ تعالیٰ نے جن مقاصد کے لیے اپنی حکمت سے مقرر فرمائے ہیں اور شریعت نے ان کی اجازت دی ہے ان کا ترک کر دینا توکل کا مقتضیٰ نہیں ہے بلکہ صرف ان اسباب اور تدابیر کا ترک کرنا توکل کا اقتضا ہے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں اور شریعت نے جن کو غلط قرار دیا ہے۔

البتہ توکل کے لیے یہ ضروری ہے کہ اسباب کو بس ایک راستہ اور اللہ کی حکمت کا پردہ سمجھے اور دل کا تعلق بس اللہ ہی سے ہو اور یہی چیز متوکل اور غیر متوکل کے طرزِ عمل میں ایک محسوس فرق بھی پیدا کر دیتی ہے۔

اس حدیث میں جنت میں بے حساب داخل ہونے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتیوں کی تعداد ستر ہزار بتلائی گئی ہے۔یہ تعداد صرف ان کی ہے جو اس فضیلت کے درجہ اول میں مستحق ہوں گے ورنہ ایک دوسری حدیث میں یہ اضافہ بھی آیا ہے کہ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ستر ستر ہزار اور بھی بے حساب ہی جنت میں داخل کیے جائیں گے۔علاوہ ازیں یہ بات کئی دفعہ ذکر کی جا چکی ہے کہ عربی زبان اور محاورات میں یہ عدد صرف کثرت اور غیر معمولی بہتات کے اظہار کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے اور اس حدیث میں بھی غالباً ایسا ہی ہے۔واللہ اعلم

یہ حدیث صرف ایک پیشین گوئی اور آخرت میں پیش آنے والے ایک واقعہ کی صرف خبر ہی نہیں ہے بلکہ حدیث کا اصل منشاء یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جن اُمتیوں کو یہ حدیث پہنچے وہ اپنی زندگی کو توکل والی زندگی بنانے کی کوشش کریں تا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے جنت میں بے حساب داخل ہونے والوں کی فہرست میں ان کا نام بھی چڑھ جائے۔

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَوْ اَنَّكُمْ تَتَوَكَّلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ حَقَّ تَوَكُّلِهٖ لَرَزَقَكُمْ كَمَا يَرْزُقُ الطَّيْرَ تَغْدُوْ خِمَاصًا وَتَرُوْحُ بِطَانًا. (رواہ الترمذی و ابن ماجہ)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے تھے کہ اگر تم لوگ اللہ پر ایسا توکل اور اعتماد کرو جیسا کہ اس پر توکل کرنے کا حق ہے تو تم کو وہ اس طرح روزی دے جس طرح کہ پرندوں کو دیتا ہے وہ صبح کو بھوکے اپنے آشیانوں سے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھرے واپس آتے ہیں۔(ترمذی ابن ماجہ)

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ اگر بنی آدم روزی کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ پر ایسا اعتماد اور بھروسہ کریں جیسا کہ انہیں کرنا چاہیے تو اللہ کا معاملہ ان کے ساتھ یہ ہو کہ جس طرح وہ چڑیوں کو سہولت سے رزق دیتا ہے کہ انہیں آدمیوں کی سی محنت ومشقت کے بغیر معمولی نقل وحرکت سے روزی مل جاتی ہے، صبح کو وہ خالی پیٹ نکلتی ہیں اور شام کو پیٹ بھری اپنے آشیانوں میں واپس آتی ہیں۔ اسی طرح پھر اللہ تعالیٰ آدمیوں کو بھی سہولت سے رزق پہنچائے اور انہیں زیادہ کدوکاش نہ اُٹھانی پڑے۔ جیسا کہ اب اُٹھانی پڑتی ہے۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِقَلْبِ ابْنِ آدَمَ بِكُلِّ وَادٍ شُعْبَةً فَمَنْ اَتْبَعَ قَلْبَهُ الشُّعَبَ كُلَّهَا لَمْ يُبَالِ اللّٰهُ بِاَيِّ وَادٍ اَهْلَكَهُ وَمَنْ تَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ كَفَاهُ الشُّعَبَ. (رواہ ابن ماجہ)

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کے دل کے لیے ہر میدان میں ایک شاخ ہے (یعنی ہر میدان میں آدمی کے دل کی خواہشیں پھیلی ہوئی ہیں) پس جو آدمی اپنے دل کو ان سب شاخوں اور خواہشوں میں لگا دے گا اور فکر کے گھوڑے ہر طرف دوڑائے گا تو اللہ تعالیٰ کو پروانہ ہوگی کہ کس وادی اور کس میدان میں اس کی ہلاکت ہو اور جو آدمی اللہ پر بھروسہ کرے (اور اپنی حاجتیں اس کے سپرد کر دے اور اپنی زندگی کو اس کا تابع فرمان بنا دے) تو اللہ تعالیٰ اس کی ساری ضرورتوں کے لیے کفایت کرے گا (اور اس کو دل کے اطمینان و سکون کی وہ دولت نصیب ہوگی جو اس دنیا کی سب سے بڑی دولت ہے)

تشریح:...... حدیث کا نفس مطلب ترجمہ کے ساتھ واضح کیا جا چکا ہے۔ حاصل اور اصل پیغام اس حدیث کا یہ ہے کہ بندہ اپنی ساری ضروریات کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے اور اس پر توکل اور اعتماد کرے اور اس کے احکام کا پابند ہو کر زندگی گزارے اور دنیوی ضرورتوں کے سلسلہ میں اپنی جدوجہد کو بھی اس کے احکام کے تحت کر دے، پھر اللہ اس کے لیے کافی ہوگا اور وہی اس کی ضرورتیں پوری کرتا رہے گا۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كُنْتُ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا فَقَالَ يَا غُلَامُ اِحْفَظِ اللّٰهَ يَحْفَظْكَ، اِحْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ تِجَاهَكَ وَاِذَا سَاَلْتَ فَاسْئَلِ اللّٰهَ وَاِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ وَاعْلَمْ اَنَّ الْاُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلٰى اَنْ يَّنْفَعُوْكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَنْفَعُوْكَ اِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ لَكَ وَلَوِ اجْتَمَعُوْا عَلٰى اَنْ يَّضُرُّوْكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَضُرُّوْكَ اِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ رُفِعَتِ الْاَقْلَامُ وَجَفَّتِ الصُّحُفُ. (رواہ احمد والترمذی)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک ہی سواری پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سوار تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: اے لڑکے! تو اللہ تعالیٰ کا خیال رکھ (یعنی اس کے احکام کی تعمیل اور اس کے حقوق کی ادائیگی سے غافل نہ ہو) اللہ تعالیٰ تیرا خیال فرمائے گا اور دنیا و آخرت کی آفات و بلیات سے تیری حفاظت کرے گا تو اللہ کو یاد رکھ، جیسا کہ یاد رکھنا چاہیے، اس کو تو اپنے سامنے پائے گا اور جب تو کسی چیز کو مانگنا چاہے تو بس اللہ سے مانگ اور جب کسی ضرورت اور مہم میں تو مدد کا محتاج اور طالب ہو تو اللہ ہی سے امداد و اعانت طلب کر اور اس بات کو دل میں بٹھا لے کہ اگر ساری انسانی برادری بھی باہم متفق ہو کر اور جڑ کر چاہے کہ تجھ کو کسی چیز سے نفع پہنچائے تو صرف اُسی چیز سے تجھ کو

نفع پہنچاسکے گی جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے مقدر کردی ہے اس کے سوا کسی چیز سے نہیں اور اسی طرح اگر ساری انسانی دنیا تجھ کو کسی چیز سے نقصان پہنچانا چاہے تو صرف اُسی چیز سے نقصان پہنچا سکے گی جس سے نقصان پہنچنا اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی تیرے لیے مقدر کردیا ہے اس کے سوا کسی چیز سے تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچایا جاسکے گا' اُٹھ چکے قلم اور خشک بھی ہو چکے صحیفے۔ (مسند احمد و جامع ترمذی)

تشریح:...... حدیث کا مطلب و منشاء اور اس کی روح یہی ہے کہ ہر قسم کا نفع و نقصان اور دُکھ آرام صرف اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے اس کے سوا کسی کے بس میں کچھ بھی نہیں حتیٰ کہ اگر ساری دنیا کے انسان مل کر کسی بندہ کو کوئی نفع یا نقصان یا دُکھ یا آرام پہنچانا چاہیں تب بھی اللہ کے حکم اور اس کے فیصلے کے خلاف کچھ نہیں کر سکتے' وجود میں وہی آئے گا اور وہی ہوگا جس کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے ہی فیصلہ ہو چکا ہے اور قلم تقدیر جس کو اب سے بہت پہلے لکھ کر فارغ ہو چکا ہے اور اس کی تحریر خشک بھی ہو چکی ہے۔ ایسی صورت میں اپنی حاجات کے لیے کسی مخلوق سے سوال کرنا اور اس سے مدد مانگنا صرف نادانی اور گمراہی ہے۔ لہٰذا جو مانگنا ہو اللہ سے مانگو اور اپنی حاجات کے لیے اُسی کے آگے ہاتھ پھیلاؤ اور اس سے لینے کی صورت یہ ہے کہ اس کو اور اس کے احکام و حقوق کو یاد رکھو' وہ تمہیں یاد رکھے گا اور تمہاری ضرورتیں پوری کرے گا اور دنیا و آخرت میں تم پر فضل فرمائے گا۔

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنْ شَيْءٍ يُقَرِّبُكُمْ اِلَى الْجَنَّةِ وَيُبَاعِدُكُمْ مِنَ النَّارِ اِلَّا قَدْ اَمَرْتُكُمْ بِهٖ وَلَيْسَ شَيْءٌ يُقَرِّبُكُمْ مِنَ النَّارِ وَيُبَاعِدُكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ اِلَّا قَدْ نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ وَاِنَّ الرُّوْحَ الْاَمِيْنَ (وَفِيْ رِوَايَةٍ وَاِنَّ رُوْحَ الْقُدُسِ) نَفَثَ فِيْ رَوْعِيْ اَنَّ نَفْسًا لَنْ تَمُوْتَ حَتّٰى تَسْتَكْمِلَ رِزْقَهَا اَلَا فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَجْمِلُوْا فِي الطَّلَبِ وَلَايَحْمِلَنَّكُمْ اِسْتِبْطَاءُ الرِّزْقِ اَنْ تَطْلُبُوْهُ بِمَعَاصِى اللّٰهِ فَاِنَّهٗ لَا يُدْرَكُ مَا عِنْدَ اللّٰهِ اِلَّا بِطَاعَتِهٖ. (رواه البغوی فی شرح السنة والبيهقی فی شعب الايمان)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! نہیں ہے کوئی چیز ایسی جو جنت سے تم کو قریب اور دوزخ سے تم کو بعید کرے مگر اس کا حکم میں تم کو دے چکا ہوں اور اسی طرح نہیں ہے کوئی چیز ایسی جو دوزخ سے تم کو قریب اور جنت سے بعید کرے مگر میں تم کو اس سے منع کر چکا ہوں (یعنی کوئی نیکی اور ثواب کی بات ایسی باقی نہیں رہی جس کی تعلیم میں نے تم کو نہ دے دی ہو اور کوئی بدی اور گناہ کی بات ایسی نہیں رہی جس کی میں نے تم کو ممانعت نہ کردی ہو' اس طرح اوامر و نواہی کی پوری تعلیم میں تم کو دے چکا ہوں اور اللہ کے تمام مثبت و منفی احکام جو مجھے ملے تھے وہ میں تم کو پہنچا چکا ہوں) اور الروح الامین نے اور ایک روایت میں ہے کہ روح القدس نے (اور دونوں سے مراد جبرئیل امین ہیں) ابھی میرے دل میں یہ بات ڈالی ہے (یعنی اللہ کی طرف سے یہ وحی پہنچائی ہے) کہ کوئی متنفس اس وقت تک نہیں مرتا جب تک کہ اپنا رزق پورا نہ کرلے (یعنی ہر شخص کو اس کے مرنے سے پہلے اس کا مقدر رزق ضرور بالضرور مل جاتا ہے اور جب تک رزق پورا نہ ہو جائے اس کو موت آ ہی نہیں سکتی ہے) لہٰذا اے لوگو! خدا سے ڈرو اور تلاش رزق کے سلسلہ میں نیکی اور پرہیز گاری کا رویہ اختیار کرو اور روزی میں کچھ تاخیر ہو جانا تمہیں اس پر آمادہ نہ کردے کہ تم اللہ کی نافرمانیوں اور نامشروع طریقوں سے اس کے حاصل کرنے کی فکر و کوشش کرنے لگو کیونکہ جو کچھ اللہ کے قبضہ میں ہے وہ اس کی فرمانبرداری اور طاعت گزاری ہی کے ذریعہ اس سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ (شرح السنۃ' شعب الایمان للبیہقی)

تشریح:......حدیث کا ابتدائی حصہ صرف تمہید ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس موقع پر دراصل وہی خاص بات اپنے مخاطبین کو بتلانا اور پہنچانا چاہتے تھے جو جبرئیل امین علیہ السلام نے اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں ڈالی تھی لیکن مخاطبین کے ذہنوں کو پوری طرح متوجہ کرنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ارشاد فرمایا کہ لوگو! حلال وحرام اور گناہ وثواب کی پوری تعلیم میں تم کو دے چکا ہوں اب ایک اہم تکمیلی بات جو ابھی جبرئیل امین نے مجھے پہنچائی ہے میں تم کو بتانا چاہتا ہوں۔

اس تمہید کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے اپنے مخاطبین کے ذہنوں کو بیدار اور متوجہ کیا اور اس کے بعد وہ خاص بات ارشاد فرمائی جس کا حاصل یہ ہی ہے کہ ہر شخص کا رزق مکتوب اور مقدر ہو چکا ہے وہ مرنے سے پہلے پہلے اس کو مل کر رہے گا اور جب معاملہ یہ ہے تو آدمی کو چاہیے کہ اگر روزی میں کچھ تنگی اور تاخیر بھی ہو جب بھی وہ اس کے حاصل کرنے کیلئے کوئی ایسا قدم نہ اُٹھائے جو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہو اور جس میں اس کی نافرمانی ہوتی ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کی رزاقیت پر یقین رکھتے ہوئے صرف حلال اور مشروع طریقوں ہی سے اس کے حاصل کرنے کی کوشش کرے کیونکہ اللہ کا فضل وانعام اس کی فرمانبرداری اور اطاعت شعاری ہی کے راستہ سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

اس کو ایک جزئی مثال کے انداز میں آسانی سے یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ فرض کیجئے اللہ تعالیٰ کا کوئی بندہ تنگ دستی میں مبتلا ہے اور اس کو اپنا پیٹ بھرنے کے لیے کچھ پیسوں کی ضرورت ہے۔ اس موقع پر وہ ایک شخص کو دیکھتا ہے کہ وہ سو رہا ہے شیطان اس کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے کہ اس سونے والے شخص کی کوئی چیز اُٹھالے اور ابھی ہاتھ کے ہاتھ بیچ کر روزی حاصل کرلے ایسے وقت کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تعلیم ہے کہ یقین رکھو جو روزی تم کو پہنچنے والی ہے وہ پہنچ کر رہے گی پھر کیوں چوری کر کے اپنے اللہ کو ناراض اپنے ضمیر اور اپنی روح کو ناپاک اور اپنی عاقبت کو خراب کرتے ہو بجائے چوری کرنے کے کسی حلال اور جائز ذریعہ سے روزی حاصل کرنے کی کوشش کرو حلال کا میدان ہرگز تنگ نہیں ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ دَخَلَ رَجُلٌ عَلٰی اَهْلِهٖ فَلَمَّا رَأٰی مَابِهِمْ مِنَ الْحَاجَةِ خَرَجَ اِلَی الْبَرِیَّةِ فَلَمَّا رَأَتِ امْرَأَتُهٗ قَامَتْ اَلَی الرَّحٰی فَوَضَعَتْهَا وَاِلَی التَّنُّوْرِ فَسَجَرَتْهُ ثُمَّ قَالَتْ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا فَنَظَرَتْ فَاِذَا الْجَفْنَةُ قَدِ امْتَلَأَتْ قَالَ وَذَهَبَتْ اِلَی التَّنُّوْرِ فَوَجَدَتْهُ مُمْتَلِئًا قَالَ فَرَجَعَ الزَّوْجُ قَالَ اَصَبْتُمْ بَعْدِیْ شَیْئًا قَالَتِ امْرَأَتُهٗ نَعَمْ مِنْ رَبِّنَا وَقَامَ اِلَی الرَّحٰی فَذَکَرَ ذَالِکَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَمَا اَنَّهٗ لَوْ لَمْ یَرْفَعْهَا لَمْ تَزَلْ تَدُوْرُ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ. (رواه احمد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے بیان کرتے ہیں کہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں) اللہ کا ایک بندہ اپنے اہل وعیال کے پاس پہنچا جب اس نے ان کو فقر وفاقہ کی حالت میں دیکھا تو (الحاح کے ساتھ اللہ سے دعا کرنے کے لیے) جنگل کی طرف چل دیا جب اس کی نیک بی بی نے دیکھا (کہ شوہر اللہ تعالیٰ سے مانگنے کے لیے گئے تو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم پر بھروسہ کر کے اس نے تیاری شروع کر دی) وہ اُٹھ کر چکی کے پاس آئی اور اس کو تیار کیا (تا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے کہیں سے کچھ غلہ آئے تو جلدی سے اس کو پیسا جاسکے) پھر وہ تنور کے پاس گئی اور اس کو گرم کیا (تا کہ آٹا پس جانے کے بعد پھر روٹی پکانے میں دیر نہ لگے) پھر اس نے خود

بھی دُعا کی اور اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ اے مالک! ہمیں رزق دے۔ اب اس کے بعد اس نے دیکھا کہ چکی کے گرداگرد آٹے کے لیے جو جگہ بنی ہوتی ہے (جس کو چکی کا گرانڈ اور کہیں کہیں چکی کی بھر بھی کہتے ہیں) وہ آٹے سے بھری ہوئی ہے پھر وہ تنور کے پاس گئی تو دیکھا کہ تنور بھی روٹیوں سے بھرا ہوا ہے (اور جتنی روٹیاں اس میں لگ سکتی ہیں، لگی ہوئی ہیں) اس کے بعد اس بیوی کے شوہر واپس آئے اور بیوی سے پوچھا کہ میرے جانے کے بعد تم نے کچھ پایا؟ بیوی نے بتایا کہ ہاں ہمیں اپنے پروردگار کی طرف سے ملا ہے (یعنی براہِ راست خزانہ غیب سے اس طرح ملا ہے) یہ سن کر یہ بھی چکی کے پاس گئے (اور اس کو اُٹھا کر دیکھا یعنی تعجب اور شوق میں غالباً اس کا پاٹ اٹھا کر دیکھا) پھر جب یہ ماجرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ معلوم ہونا چاہیے کہ اگر یہ اس کو اُٹھا کر نہ دیکھتے تو چکی قیامت تک یوں ہی چلتی رہتی اور اس سے ہمیشہ آٹا نکلتا رہتا۔ (مسند احمد)

تشریح:...... اس روایت میں جو واقعہ نقل کیا گیا ہے وہ خوارق کے قبیل سے ہے۔ اس دنیا میں عام طور سے اللہ تعالیٰ کی عطائیں اسباب ہی کے سلسلہ سے ملتی ہیں لیکن کبھی کبھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کا یہ تماشا بھی ظہور میں آتا ہے کہ عالم اسباب کے عام دستور کے خلاف براہِ راست اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ایسے واقعات ظاہر ہوتے ہیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ جو زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا ہے اس کے لیے یہ کچھ بھی مشکل نہیں۔ پھر اس قسم کے واقعات اگر اللہ تعالیٰ کے کسی پیغمبر کے ہاتھ پہ ظاہر ہوں تو ان کو معجزہ کہا جاتا ہے اور اگر ان کے کسی متبع اُمتی کے ہاتھ پہ ایسے واقعہ کا ظہور ہو تو اس کو کرامت کہا جاتا ہے۔

ان دونوں میاں بیوی نے اللہ تعالیٰ پر پوری طرح یقین کر کے اس سے روزی مانگی تھی، اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو اس طرح قبول کیا کہ خارقِ عادت طریقہ سے ان کے لیے روزی کا سامان بھیجا، غیب سے چکی میں آٹا آ گیا اور تنور میں روٹیاں لگ گئیں۔

جو لوگ یقین اور توکل کی دولت سے محروم اور اللہ کی قدرت کی وسعتوں سے ناآشنا ہیں ان کے دلوں میں شاید اس قسم کی روایات پر شبہات اور وساوس پیدا ہوتے ہوں لیکن اللہ کے جن بندوں کو یقین و توکل اور اللہ تعالیٰ کی صفات کی معرفت کا کچھ حصہ ملا ہے ان کے لیے تو ایسے واقعات میں کوئی اچنبھے کی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا اعلان ہے "ومن یتوکل علی اللّٰہ فھو حسبہ" (سورۂ طلاق) اور جو کوئی اللہ پر توکل کرے (جیسا کہ توکل کا حق ہے) تو اللہ اس کیلئے اور اسکے کام بنانے کیلئے کافی ہے۔

عَنْ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ سَعَادَةِ ابْنِ آدَمَ رِضَاهُ بِمَا قَضَى اللّٰهُ لَهُ وَمِنْ شَقَاوَةِ ابْنِ آدَمَ تَرْكُهُ اِسْتِخَارَةَ اللّٰهِ وَمِنْ شَقَاوَةِ ابْنِ آدَمَ سَخَطُهُ بِمَا قَضَى اللّٰهُ لَهُ. (رواہ احمد والترمذی)

حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آدمی کی نیک بختی اور خوش نصیبی میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لیے جو فیصلہ ہو وہ اس پر راضی رہے اور آدمی کی بدبختی اور بدنصیبی میں سے یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے خیر اور بھلائی کا طالب نہ ہو اور اس کی بدنصیبی اور بدبختی یہ بھی ہے کہ وہ اپنے بارے میں اللہ تعالیٰ کے فیصلے سے ناخوش ہو۔ (مسند احمد، جامع ترمذی)

تشریح:...... اللہ کے فیصلہ اور اس کی تقدیر سے بعض اوقات بندہ پر ایسے حالات آتے ہیں جو اس کی طبیعت اور چاہت کے خلاف ہوتے ہیں، ایسے موقع پر بندہ کی سعادت اور نیک بختی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو علیم کل اور حکیم مطلق اور رؤف بالعباد یقین

کرتے ہوئے اس کے فیصلہ پر راضی رہے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے: "عَسٰی اَنْ تَکْرَهُوْا شَیْئًا وَّهُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ وَعَسٰی اَنْ تُحِبُّوْا شَیْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّکُمْ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَo" (ہوسکتا ہے کہ تم ایک چیز کو برا سمجھو اور حقیقت اور انجام کے لحاظ سے اس میں تمہارے لیے بہتری ہو اور اسی طرح ہوسکتا ہے کہ تم ایک چیز کو پسند کرو اور چاہو اور حقیقت اور انجام کے لحاظ سے اس میں تمہارے لیے برائی اور خرابی ہو، علم حقیقی صرف اللہ کو ہے اور تم بے خبر ہو)

دوسری بات اس حدیث میں یہ فرمائی گئی ہے کہ بندہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے برابر یہ دُعا کرتا رہے کہ اس کے نزدیک بندہ کے لیے جو خیر ہو اسی کا اس کے لیے فیصلہ کیا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ کا اپنے لیے اللہ تعالیٰ سے خیر نہ مانگنا بندہ کی بڑی بدنصیبی اور بدبختی ہے۔ اسی طرح یہ بھی بدبختی اور بدنصیبی ہے کہ بندہ اللہ کی قضاوقدر اور اس کے فیصلوں سے ناخوش اور ناراض ہو۔

ظاہر ہے کہ "رضا بالقضا" کا یہ مقام بندہ کو جب ہی حاصل ہوسکتا ہے جب کہ اس کو اللہ تعالیٰ کی ان صفات کمال و جمال پر پورا ایمان ویقین حاصل ہو جو قرآن مجید نے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلائی ہیں اور پھر اس معرفت اور اس ایمان ویقین کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی محبت اس کے دل میں رچ بس گئی ہو۔ ایمان ومحبت کے اس مقام پر پہنچ جانے کے بعد بندہ کے دل کی صدا یہ ہوتی ہے:

دل شدہ مبتلائے تو ہرچہ کنی رضائے تو زندہ کنی عطائے تو وربکشی فدائے تو

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَنْظُرُ اِلٰی صُوَرِکُمْ وَاَمْوَالِکُمْ وَلٰکِنْ یَنْظُرُ اِلٰی قُلُوْبِکُمْ وَاَعْمَالِکُمْ. (رواہ مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے مالوں کو نہیں دیکھتا لیکن تمہارے دلوں اور تمہارے عملوں کو دیکھتا ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح: ...... مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبولیت کا معیار کسی کی شکل وصورت یا اس کی دولت مندی نہیں ہے بلکہ دل کی درستی اور نیک کرداری ہے وہ کسی بندے کے لیے رضا اور رحمت کا فیصلہ اس کی شکل وصورت یا اس کی دولت مندی کی بنیاد پر نہیں کرتا بلکہ اس کے دل یعنی اس کی نیت کے صحیح رُخ اور اس کی نیک کرداری کی بنیاد پر کرتا ہے۔ بلکہ اس حدیث کی بعض روایتوں میں بجائے مذکورہ بالا الفاظ کے یہ الفاظ ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَنْظُرُ اِلٰی اَجْسَادِکُمْ وَلَا اِلٰی صُوَرِکُمْ وَاَمْوَالِکُمْ وَلٰکِنْ یَنْظُرُ اِلٰی قُلُوْبِکُمْ. (جمع الفوائد ج۲ ص ۱۶۰)

(اللہ تعالیٰ تمہارے جسموں اور تمہاری صورتوں اور تمہارے صرف ظاہری اعمال کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے)

یہ الفاظ اس حقیقت کے ادا کرنے کے لیے زیادہ واضح اور زیادہ صریح ہیں کہ مقبولیت کا اصل دارومدار دل کے رُخ کی صحت یعنی نیت کی درستی پر ہے۔ پس اگر کسی شخص کا عمل بظاہر اچھے سے اچھا ہو لیکن اس کا دل اخلاص سے خالی ہو اور اس کی نیت درست نہ ہو تو وہ عمل ہرگز قبول نہ ہوگا۔

اخلاص کی تاثیر وبرکات

عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَیْنَمَا ثَلٰثَةُ نَفَرٍ یَتَمَاشَوْنَ اَخَذَهُمُ الْمَطَرُ

فَمَالُوْا اِلٰی غَارٍ فِی الْجَبَلِ فَانْحَطَّتْ عَلٰی فَمِ غَارِهِمْ صَخْرَةٌ مِنَ الْجَبَلِ فَاَطْبَقَتْ عَلَيْهِمْ فَقَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ اُنْظُرُوْا اَعْمَالًا عَمِلْتُمُوْهَا لِلّٰهِ صَالِحَةً فَادْعُوا اللّٰهَ بِهَا لَعَلَّهٗ يُفَرِّجُهَا فَقَالَ اَحَدُهُمْ اَللّٰهُمَّ اِنَّهٗ كَانَ لِیْ وَلَدَانِ شَيْخَانِ كَبِيْرَانِ وَلِیَ صِبْيَةٌ صِغَارٌ كُنْتُ اَرْعٰی عَلَيْهِمْ فَاِذَا رُحْتُ عَلَيْهِمْ فَحَلَبْتُ بَدَأْتُ بِوَالِدَیَّ اَسْقِيْهِمَا قَبْلَ وُلْدِیْ وَاَنَّهٗ قَدْ نَاَی بِیَ الشَّجَرُ فَمَا اَتَيْتُ حَتّٰی اَمْسَيْتُ فَوَجَدْتُهُمَا قَدْ نَامَا فَحَلَبْتُ كَمَا كُنْتُ اَحْلُبُ فَجِئْتُ بِالْحِلَابِ فَقُمْتُ عِنْدَ رُؤُسِهِمَا اَكْرَهُ اَنْ اُوْقِظَهُمَا وَاَكْرَهُ اَنْ اَبْدَأَ بِالصِّبْيَةِ قَبْلَهُمَا وَالصِّبْيَةُ يَتَضَاغَوْنَ عِنْدَ قَدَمَیَّ فَلَمْ يَزَلْ ذٰلِكَ دَابِیْ وَدَابُهُمْ حَتّٰی طَلَعَ الْفَجْرُ فَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اِنِّیْ فَعَلْتُ ذٰلِكَ ابْتِغَاءَ وَجْهِكَ فَافْرِجْ لَنَا فُرْجَةً نَرٰی مِنْهَا السَّمَآءَ فَفَرَّجَ اللّٰهُ لَهُمْ حَتّٰی يَرَوْنَ السَّمَآءَ قَالَ الثَّانِیْ اَللّٰهُمَّ اِنَّهٗ كَانَتْ لِیْ بِنْتُ عَمٍّ اُحِبُّهَا كَاَشَدِّ مَا يُحِبُّ الرِّجَالُ النِّسَآءَ فَطَلَبْتُ اِلَيْهَا نَفْسَهَا فَاَبَتْ حَتّٰی اٰتِيَهَا بِمِائَةِ دِيْنَارٍ فَسَعَيْتُ حَتّٰی جَمَعْتُ مِائَةَ دِيْنَارٍ فَلَقِيْتُهَا بِهَا فَلَمَّا قَعَدْتُ بَيْنَ رِجْلَيْهَا قَالَتْ يَا عَبْدَ اللّٰهِ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تَفْتَحِ الْخَاتَمَ فَقُمْتُ عَنْهَا اَللّٰهُمَّ فَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنِّیْ فَعَلْتُ ذٰلِكَ ابْتِغَاءَ وَجْهِكَ فَاَخْرِجْ لَنَا مِنْهَا فَفَرَّجَ لَهُمْ فُرْجَةً وَقَالَ الْاٰخَرُ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ كُنْتُ اسْتَاجَرْتُ اَجِيْرًا بِفَرَقِ اَرُزٍّ فَلَمَّا قَضٰی عَمَلَهٗ قَالَ اَعْطِنِیْ حَقِّیْ فَعَرَضْتُ عَلَيْهِ حَقَّهٗ فَتَرَكَهٗ وَرَغِبَ عَنْهُ فَلَمْ اَزَلْ اَزْرَعُهٗ حَتّٰی جَمَعْتُ مِنْهُ بَقَرًا وَرَاعِيَهَا فَجَاءَنِیْ فَقَالَ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تَظْلِمْنِیْ وَاَعْطِنِیْ حَقِّیْ فَقُلْتُ اِذْهَبْ اِلَی الْبَقَرِ وَرَاعِيْهَا فَقَالَ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تَهْزَأْبِیْ فَقُلْتُ اِنِّیْ لَا اَهْزَأُ بِكَ فَخُذْ ذَالِكَ الْبَقَرَ وَرَاعِيَهَا فَاَخَذَهٗ فَانْطَلَقَ بِهَا فَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اِنِّیْ فَعَلْتُ ذٰلِكَ ابْتِغَاءَ وَجْهِكَ فَافْرِجْ مَابَقِیَ فَفَرَّجَ اللّٰهُ عَنْهُمْ. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا: ''تین آدمی کہیں چلے جارہے تھے کہ ان کو مینہ (بارش) نے آلیا' وہ پہاڑ کے ایک غار میں گھس گئے' پہاڑ سے غار کے منہ پر ایک پتھر کی چٹان آپڑی اور غار کو بند کردیا' تینوں میں سے ایک نے دوسروں سے کہا' اپنے ان نیک عملوں پر نظر ڈالو جو خاص طور پر خدا کے لیے کیے ہوں اور اس عمل کے وسیلہ سے خدا سے دعا مانگو' اُمید ہے کہ خداوند تعالیٰ اس پتھر یا مصیبت کو دور کردے۔ ایک نے ان میں سے کہا اے اللہ! میرے ماں باپ بہت بوڑھے تھے اور میرے کئی چھوٹے بچے تھے' میں بکریاں وغیرہ چرایا کرتا تھا کہ ان کا دودھ ان سب کو پلاؤں جب شام ہوجاتی تو میں گھر آتا دودھ دوہتا اور سب سے پہلے اپنے ماں باپ کو پلاتا' پھر بچوں کو دیتا' ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ چراگاہ کے درخت مجھ کو دور لے گئے (یعنی بکریوں کو چراتا چراتا میں دور نکل گیا) اور وقت پر میں گھر واپس نہ آسکا' یہاں تک کہ شام ہوگئی' جب گھر پہنچا تو دیکھا کہ میرے ماں باپ دونوں سوگئے ہیں' میں نے حسب معمول دودھ دوہا' پھر دودھ کا برتن لے کر ماں باپ کے پاس پہنچا اور ان کے سرہانے کھڑا ہوگیا' مجھ کو ان کو جگانا بھی برا معلوم ہوا اور یہ بھی کہ ماں باپ سے پہلے بچوں کو دودھ پلادوں' بچے میرے پاؤں کے پاس پڑے بھوک سے روتے اور چلاتے تھے اور میں دودھ لیے کھڑا تھا' صبح تک یہی کیفیت

رہی یعنی میں دودھ لیے کھڑا رہا اور بچے روتے رہے اور ماں باپ پڑے سوتے رہے' اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ میں نے یہ کام محض تیری رضامندی اور خوشنودی کے لیے کیا تھا تو تو اس پتھر کو اتنا کھول دے کہ ہم آسمان کو دیکھ سکیں۔ چنانچہ خداوند تعالیٰ نے پتھر کو اتنا ہٹا دیا کہ آسمان نظر آنے لگا۔ دوسرے شخص نے کہا اے اللہ! میرے چچا کی ایک بیٹی تھی' میں اس سے انتہائی محبت رکھتا تھا' ایسی محبت جیسی کسی مرد کو کسی عورت کے ساتھ زیادہ سے زیادہ ہوسکتی ہے۔ میں نے اس سے جماع کی خواہش ظاہر کی' اس نے کہا کہ جب تک سو اشرفی نہ دو گے ایسا نہیں ہوسکتا' میں نے کوشش شروع کی اور سو اشرفیاں جمع کرلیں اور ان کو لے کر میں اس کے پاس پہنچا' پھر جب میں اس کی دونوں ٹانگوں کے درمیان بیٹھ گیا (یعنی جماع کے لیے) تو اس نے کہا کہ اے خدا کے بندے! خدا سے ڈر اور مُہر کو نہ توڑ! میں خدا کے خوف سے فوراً اُٹھ کھڑا ہوا (یعنی اس سے جماع نہیں کیا) اے اللہ! اگر تیرے نزدیک میرا یہ فعل محض تیری رضامندی اور خوشنودی کے لیے تھا تو اس پتھر کو ہٹا دے اور ہمارے لیے راستہ کھول دے' خداوند تعالیٰ نے پتھر کو تھوڑا سا اور ہٹا دیا۔ تیسرے شخص نے کہا' اے اللہ! میں نے ایک شخص کو مزدوری پر لگایا تھا' ایک فرق (پیمانہ) چاول کے معاوضہ پر' جب وہ شخص اپنا کام ختم کر چکا تو کہا میری مزدوری مجھ کو دلوایئے؟ میں اس کی مزدوری دینے لگا تو وہ اس کو چھوڑ کر چلا گیا اور پھر اپنے حق کو لینے کیلئے نہ آیا تو میں نے اس کی مزدوری کے چاولوں سے کاشت شروع کردی اور ہمیشہ کاشت کرتا رہا یہاں تک کہ ان چاولوں کی قیمت سے میں نے بہت سے بیل اور ان کے چرواہے جمع کرلیے۔ پھر مدت کے بعد وہ مزدور میرے پاس آیا اور کہا' خدا سے ڈر اور مجھ پر ظلم نہ کر اور میرا حق میرے حوالے کر' میں نے کہا کہ ان بیلوں اور چرواہوں کو لے جا (کہ وہ تیرا حق ہے) اس نے کہا خدا سے ڈر اور مجھ سے مذاق نہ کر' میں نے کہا کہ میں تجھ سے مذاق نہیں کرتا' ان بیلوں اور چرواہوں کو لے جا' یہ سب تیرے ہی ہیں۔ چنانچہ اس نے ان سب کو جمع کیا اور لے کر چلا گیا۔ اے اللہ! اگر تیرے نزدیک میرا یہی فعل محض تیری خوشنودی اور رضامندی کے لیے تھا تو تو اس پتھر کو بالکل ہٹا دے' چنانچہ خداوند تعالیٰ نے پتھر کو ہٹا دیا اور راستہ کھول دیا۔''

تشریح:......رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں جن تین صاحبوں کا قصہ بیان فرمایا ہے بظاہر یہ کسی اگلے پیغمبر کے اُمتی تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کو سبق آموزی کے لیے اس قصہ کو بیان فرمایا۔ اس واقعہ میں اللہ کے ان بندوں نے اپنے جن اعمال کو خدا کے حضور میں پیش کر کے اس سے دعا کی ہے ان کی چند خصوصیتیں قابل لحاظ ہیں۔

سب سے پہلی اور سب سے اہم خصوصیت جس کا حدیث میں صراحۃً ذکر بھی ہے یہ ہے کہ تینوں عمل صرف اللہ کی رضا جوئی میں کیے گئے تھے اور ان اعمال کی اسی خصوصیت کی بناء پر ان بندوں نے اللہ کے حضور میں ان کو پیش کیا تھا۔

دوسری ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ تینوں عمل اللہ کے حکم و مرضی کے مقابلے میں اپنے نفس کی چاہت کو دبانے اور قربان کرنے کی اعلیٰ مثال ہیں۔ ذرا سوچئے پہلے شخص کا مجاہدہ نفس کتنا سخت ہے' دن بھر وہ جانوروں کو جنگل میں چراتا رہا ہے اور شام کو دیر سے تھکا ہارا آیا ہے' قدرتی طور پر اس کا جی سونے کو بے حد چاہتا ہوگا بلکہ وہ سونے کے لیے مضطر اور بیقرار ہوگا لیکن چونکہ ماں باپ بلا دودھ پیئے سو گئے تھے اور یہ اللہ کی رضا اسی میں سمجھتا تھا کہ جس وقت نیند سے ان کی آنکھ کھلے یہ ان کو دودھ پلا دے' اس

لیے یہ شخص رات بھر دودھ کا برتن ہاتھ میں لیے ان کے سرہانے کھڑا رہا اور پھر اس کے بچے اس کے قدموں میں پڑے بھوک سے روتے چلاتے رہے لیکن اس نے ماں باپ کے حق کو مقدم جان کر اللہ ہی کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے یہ مجاہدہ بھی کیا کہ بوڑھے ماں باپ سے پہلے اپنے پیارے بچوں کو بھی دودھ نہ پلایا' یہاں تک کہ اسی حال میں صبح ہوگئی۔

اسی طرح دوسرے شخص کے عمل کی یہ خصوصیت بھی ظاہر ہے ایک جوان ایک لڑکی سے عشق رکھتا ہے اور جب ایک بیش قرار رقم طے ہو جاتی ہے اور کسی طرح وہ رقم مہیا کر کے اس کو دے بھی دیتا ہے اور زندگی کی سب سے بڑی تمنا پوری کرنے کا اسے پورا موقع مل جاتا ہے اور کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہتی تو ٹھیک اس وقت اللہ کا نام بیچ میں آتا ہے اور وہ بندہ اپنے نفس کی خواہش پوری کیے بغیر اللہ سے ڈر کر اور اس کی رضا طلبی میں اُٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ ہر نفس رکھنے والا انسان اندازہ کرسکتا ہے کہ یہ کتنا سخت مجاہدہ ہے اور اللہ کی رضا کے مقابلے میں خواہش نفس قربان کرنے کی یہ کتنی اعلیٰ مثال ہے۔

اسی طرح تیسرے شخص کے عمل کی یہ خصوصیت بھی ظاہر ہے۔ ایک مزدور کے چند سیر چاول ایک شخص کے پاس رہ گئے' اس نے انہی چاولوں کو اپنی زمین میں بو دیا' پھر جو پیداوار ہوئی اس کو اس نے اسی مزدور کی ملکیت قرار دے کر اسی کے حساب میں اس کو لگاتا اور بڑھاتا رہا' یہاں تک کہ اس سے اتنی دولت فراہم ہوگئی کہ جانوروں کا ایک ریوڑ کا ریوڑ ہوگیا۔ پھر جب کچھ مدت کے بعد وہ مزدور آیا تو اس امانت دار اور نیک کردار بندہ نے وہ ساری دولت جو خود اس کی اپنی محنت اور توجہ سے فراہم ہوئی تھی وہ سب کی سب اُس مزدور کے حوالے کردی۔ ہر شخص اندازہ کرسکتا ہے کہ اس وقت شیطان نے دل میں کیسے کیسے وسوسے ڈالے ہوں گے اور اپنے نفس کی یہ کتنی شدید خواہش ہوگی کہ یہ دولت جو صرف اپنی محنت سے پیدا کی گئی ہے اور جس کا اس مزدور کو کوئی علم بھی نہیں ہے اس کو اپنے ہی پاس رکھا جائے لیکن اللہ کے اس بندے نے رضاء الٰہی کی طلب میں اپنے نفس کی اس خواہش کو قربان کیا اور وہ ساری دولت اس بے چارے مزدور کے حوالے کردی۔

اسی طرح ان تینوں عملوں کی ایک خصوصیت یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ ان میں سے کوئی بھی اصطلاحی اور عرفی عبادت نہیں ہے بلکہ ایک کا تعلق باب معاشرت سے ہے۔ ایک کا باب معاملت سے اور ایک کی نوعیت یہ ہے کہ اللہ کے ایک بندہ نے خدا سے ڈر کر اور اس کی رضا جوئی میں ایک ایسے گناہ کو چھوڑا ہے جو اس کی انتہائی تمنا اور خواہش تھی اور جس کے سارے اسباب بھی اس نے فراہم کر لیے تھے۔

اس حدیث سے ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ اگر بندہ اپنے کسی نیک عمل کے متعلق یہ اندازہ رکھتا ہو کہ وہ اخلاص کی کیفیت کے ساتھ ادا ہوا ہے تو اپنی دعا میں بطور وسیلہ کے اللہ تعالیٰ کے حضور میں اُس کو پیش کرسکتا ہے۔

ریا ایک درجہ شرک اور ایک قسم کا نفاق ہے

عَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى يُرَائِىْ فَقَدْ اَشْرَكَ وَمَنْ صَامَ يُرَائِىْ فَقَدْ اَشْرَكَ وَمَنْ تَصَدَّقَ يُرَائِىْ فَقَدْ اَشْرَكَ. (رواه احمد)

شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے جس نے دکھاوے کے لیے نماز پڑھی اس نے شرک کیا اور جس نے دکھاوے کے لیے روزہ رکھا اس نے شرک

15 کیا اور جس نے دکھاوے کے لیے صدقہ خیرات کیا اس نے شرک کیا۔ (مسند احمد)

تشریح:...... حقیقی شرک تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات یا اس کے افعال اور اس کے خاص حقوق میں کسی دوسرے کو شریک کیا جائے یا اللہ کے سوا کسی اور کی بھی عبادت کی جائے یہ وہ ''شرک حقیقی'' اور ''شرک جلی'' اور ''شرک اکبر'' ہے جس کے متعلق قرآن مجید میں اعلان فرمایا گیا ہے اور ہم مسلمانوں کا بنیادی عقیدہ ہے کہ اس کا کرنے والا ہرگز ہرگز نہیں بخشا جائے گا لیکن بعض اعمال اور اخلاق ایسے بھی ہیں جو اگرچہ اس معنی کے شرک نہیں ہیں لیکن ان میں اس شرک کا تھوڑا بہت شائبہ ہے' ان ہی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کوئی شخص اللہ کی عبادت یا کوئی اور نیک کام اللہ کی رضا جوئی اور اس کی رحمت طلبی کے بجائے لوگوں کے دکھاوے کے لیے کرے یعنی اس غرض سے کرے کہ لوگ اس کو عبادت گزار اور نیکوکار سمجھیں اور اس کے معتقد ہو جائیں' اسی کو ریا کہا جاتا ہے۔ یہ اگرچہ حقیقی شرک نہیں ہے لیکن ایک درجہ کا شرک اور ایک قسم کا نفاق اور سخت درجہ کا گناہ ہے۔ ایک دوسری حدیث میں اس کو ''شرک خفی'' اور ایک اور حدیث میں ''شرک اصغر'' کہا گیا ہے۔ (یہ دونوں حدیثیں آگے درج کی جارہی ہیں)۔ (مسند احمد)

واضح رہے کہ اس حدیث میں نماز' روزہ اور صدقہ وخیرات کا ذکر صرف مثال کے طور پر کیا گیا ہے ورنہ ان کے علاوہ بھی جو نیک عمل لوگوں کے دکھاوے کے لیے اور ان کی نظروں میں معزز ومحترم بننے کے لیے یا ان سے کوئی دنیوی فائدہ حاصل کرنے کے لیے کیا جائے گا وہ بھی ایک درجہ کا شرک ہی ہوگا اور اس کا کرنے والا بجائے ثواب کے خدا کے سخت عذاب کا مستحق ہوگا۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ خَرَجَ عَلَیْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ نَتَذَاکَرُ الْمَسِیْحَ الدَّجَّالَ فَقَالَ اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِمَا هُوَ اَخْوَفُ عَلَیْکُمْ عِنْدِیْ مِنَ الْمَسِیْحِ الدَّجَّالِ فَقُلْنَا بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الشِّرْکُ الْخَفِیُّ اَنْ یَّقُوْمَ الرَّجُلُ یُصَلِّیْ فَیُزَیِّنُ صَلٰوتَهٗ لِمَا یَرٰی مِنْ نَظَرِ رَجُلٍ. (رواہ ابن ماجۃ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اپنے حجرہ مبارک سے) نکل کر ہمارے پاس تشریف لائے اس وقت ہم لوگ آپس میں مسیح دجال کا کچھ تذکرہ کر رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا' کیا میں تم کو وہ چیز بتاؤں جو میرے نزدیک تمہارے لیے دجال سے بھی زیادہ خطرناک ہے؟ ہم نے عرض کیا' حضور! (صلی اللہ علیہ وسلم) ضرور بتلائیں وہ کیا چیز ہے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ شرک خفی ہے (جس کی ایک مثال یہ ہے) کہ آدمی نماز پڑھنے کے لیے کھڑا ہو' پھر اپنی نماز کو اس لیے لمبا کر دے کہ کوئی آدمی اس کو نماز پڑھتا دیکھ رہا ہے۔ (سنن ابن ماجہ)

تشریح:...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا مطلب غالباً یہ تھا کہ دجال جس کھلے شرک وکفر کی دعوت دے گا اور جس کے لیے وہ لوگوں کو مجبور کرے گا مجھے اس کا زیادہ خطرہ نہیں ہے کہ میرا کوئی سچا اُمتی اس کی بات ماننے کے لیے آمادہ ہوگا لیکن مجھے اس کا خطرہ ضرور ہے کہ شیطان تم کو کسی ایسے شرک میں مبتلا کر دے جو بالکل کھلا ہوا شرک نہ ہو بلکہ خفی قسم کا شرک ہو جس کی مثال آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دی کہ نماز اس لیے لمبی اور بہتر پڑھی جائے کہ دیکھنے والے معتقد ہو جائیں۔

سنن ابن ماجہ ہی کی ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ اپنی اُمت کے شرک میں مبتلا ہونے کا خطرہ ظاہر فرمایا تو بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا ایسا ہوگا کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کی اُمت شرک میں مبتلا ہو جائے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ تو اطمینان ہے کہ میرے اُمتی چاند، سورج کو اور پتھروں اور بتوں کو نہیں پوجیں گے لیکن یہ ہوسکتا ہے اور ہوگا کہ ریا والے شرک میں وہ مبتلا ہوں۔

عَنْ مَحْمُوْدِ بْنِ لَبِيْدٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَخْوَفَ مَا اَخَافُ عَلَيْكُمُ الشِّرْكُ الْاَصْغَرُ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا الشِّرْكُ الْاَصْغَرُ؟ قَالَ الرِّيَاءُ. (رواه احمد)

محمود بن لبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مجھے تمہارے بارے میں سب سے زیادہ خطرہ ''شرک اصغر'' کا ہے۔ بعض صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ''شرک اصغر'' کا کیا مطلب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ریا (یعنی کوئی نیک کام لوگوں کے دکھاوے کے لیے کرنا)۔ (مسند احمد)

تشریح: ......رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات کا اصل مقصد و منشاء اپنے اُمتیوں کو اس خطرہ سے خبر دار کرنا ہے تاکہ وہ ہوشیار رہیں اور اس خفی قسم کے شرک سے بھی اپنے دلوں کی حفاظت کرتے رہیں۔ ایسا نہ ہو کہ شیطان ان کو اس خفی قسم کے شرک میں مبتلا کر کے تباہ کر دے۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اَنَا اَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ فَمَنْ عَمِلَ عَمَلاً اَشْرَكَ فِيْهِ مَعِيَ غَيْرِيْ تَرَكْتُهٗ وَشِرْكَهٗ. وَفِيْ رِوَايَةٍ فَاَنَا مِنْهُ بَرِيْءٌ هُوَ لِلَّذِيْ عَمِلَهٗ. (رواه مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں شرک اور شرکت سے سب سے زیادہ بے نیاز ہوں (یعنی جس طرح اور شرکاء شرکت پر راضی ہو جاتے ہیں اور اپنے ساتھ کسی کی شرکت منظور کر لیتے ہیں اسی طرح میں راضی نہیں ہوتا اور کسی کی ادنیٰ شرکت گوارا نہیں کر سکتا، ہر قسم کی شرکت سے بالکل بے نیاز اور سخت بیزار ہوں) پس جو شخص کوئی عمل (عبادت وغیرہ) کرے جس میں میرے ساتھ کسی اور سے بھی کچھ شریک کرے (یعنی اس سے اس کی غرض میری رضا اور رحمت کے علاوہ کسی اور کو بھی کچھ حاصل کرنا یا اس کو معتقد بنانا ہو) تو میں اس کو اور اس کے شریک کو دونوں کو چھوڑ دیتا ہوں اور ایک روایت میں ہے کہ میں اس سے بیزار اور بے تعلق ہوں وہ عمل (میرے لیے بالکل نہیں بلکہ) صرف اس دوسرے کے لیے ہے، جس کے لیے اس نے کیا (یعنی جس کو اس نے شریک کیا)۔ (صحیح مسلم)

عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ بْنِ اَبِيْ فَضَالَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا جَمَعَ اللّٰهُ النَّاسَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لِيَوْمٍ لَارَيْبَ فِيْهِ نَادٰى مُنَادٍ مَنْ كَانَ اَشْرَكَ فِيْ عَمَلٍ عَمِلَهٗ لِلّٰهِ اَحَدًا فَلْيَطْلُبْ ثَوَابَهٗ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ اَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ. (رواه احمد)

ابوسعید بن ابی فضالہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جس کے آنے میں کوئی شک نہیں ہے سب آدمیوں (اولین و آخرین) کو جمع کرے گا تو ایک منادی یہ اعلان کرے گا کہ جس شخص نے اپنے کسی ایسے عمل میں جو اس نے اللہ کے لیے کیا کسی اور کو بھی شریک کیا تھا وہ اُس کا ثواب اسی دوسرے سے جا کر طلب کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ سب شرکاء سے زیادہ بے نیاز ہے شرک سے۔ (مسند احمد)

تشریح:......دونوں حدیثوں کا حاصل اور پیغام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف اس نیک عمل کو قبول کرتا ہے اور اسی پر ثواب دے گا جو اخلاص کی کیفیت کے ساتھ صرف اس کی رضا اور رحمت کی طلب میں کیا گیا ہو اور اس کے برخلاف جس عمل سے اللہ کے سوا کسی اور کی بھی خوشنودی یا اس سے کسی قسم کی نفع اندوزی مطلوب و مقصود ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو بالکل قبول نہ کرے گا وہ نہایت بے نیاز اور شرک کی لگاوٹ سے بھی بیزار ہے۔

یہ انجام تو ان اعمال کا ہے جو اللہ کے لیے کیے جائیں لیکن نیت میں پورا خلوص نہ ہو بلکہ کسی طور پر اللہ کے سوا کسی اور کی بھی لگاوٹ ہو لیکن جو ''نیک اعمال'' محض ریاکارانہ طور پر کیے جائیں جن سے صرف نام و نمود دکھاوا اور شہرت اور لوگوں سے خراج عقیدت وصول کرنا ہی مقصود ہو تو وہ نہ صرف یہ کہ مردود قرار دے کر ان عمل کرنے والوں کے منہ پر مار دیئے جائیں گے بلکہ یہ ریاکار اپنے ان ہی اعمال کی وجہ سے جہنم میں ڈالے جائیں گے۔

ریاکاری کی مذمت

عَنْ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَمَّعَ سَمَّعَ اللّٰهُ بِهٖ وَمَنْ يُرَائِيْ يُرَائِيْ اللّٰهُ بِهٖ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کوئی عمل سنانے اور شہرت دینے کیلئے کریگا اللہ تعالیٰ اسکو شہرت دیگا اور جو کوئی دکھاوے کیلئے کوئی نیک عمل کریگا تو اللہ تعالیٰ اسکو خوب دکھائے گا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح:......مطلب یہ ہے کہ دکھاوے اور شہرت کی غرض سے نیک اعمال کرنے والوں کو ایک سزا ان کے اس عمل کی مناسبت سے یہ بھی دی جائے گی کہ ان کی اس ریاکاری اور منافقت کو خوب مشہور کیا جائے گا اور سب کو مشاہدہ کرا دیا جائے گا کہ یہ بدبخت لوگ یہ نیک اعمال اللہ کے لیے نہیں کرتے تھے بلکہ نام و نمود اور دکھاوے اور شہرت کے لیے کیا کرتے تھے۔ الغرض جہنم کے عذاب سے پہلے ان کو ایک سزا یہ ملے گی کہ سر محشر ان کی ریاکاری اور منافقت کا پردہ چاک کر کے سب کو ان کی بدباطنی دکھا دی جائے گی۔ (**اللهم احفظنا**)

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ رِجَالٌ يَخْتَلُّوْنَ الدُّنْيَا بِالدِّيْنِ يَلْبَسُوْنَ لِلنَّاسِ جُلُوْدَ الضَّانِّ مِنَ اللِّيْنِ اَلْسِنَتُهُمْ اَحْلٰى مِنَ السُّكَّرِ وَقُلُوْبُهُمْ قُلُوْبُ الذِّيَابِ يَقُوْلُ اللّٰهُ اَبِيْ يَغْتَرُّوْنَ اَمْ عَلَيَّ يَجْتَرِؤُوْنَ فَبِيْ حَلَفْتُ لَاَبْعَثَنَّ عَلٰى اُولٰٓئِكَ مِنْهُمْ فِتْنَةً تَدَعُ الْحَلِيْمَ فِيْهِمْ حَيْرَانَ. (رواه الترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' آخری زمانہ میں کچھ ایسے مکار لوگ پیدا ہوں گے جو دین کی آڑ میں دنیا کا شکار کریں گے' وہ لوگوں پر اپنی درویشی اور مسکینی ظاہر کرنے اور ان کو متاثر کرنے کے لیے بھیڑوں کی کھال کا لباس پہنیں گے' ان کی زبانیں شکر سے زیادہ میٹھی ہوں گی مگر ان کے سینوں میں بھیڑیوں کے سے دل ہوں گے (ان کے بارے میں) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے' کیا یہ لوگ میرے ڈھیل دینے سے دھوکہ کھا رہے ہیں یا مجھ سے نڈر ہو کر میرے مقابلے میں جرأت کر رہے ہیں۔ پس مجھے اپنی قسم ہے کہ میں ان مکاروں پر انہی میں سے ایسا فتنہ کھڑا کروں گا جو ان کے عقل مندوں اور داناؤں کو بھی حیران بنا کے چھوڑے گا۔ (جامع ترمذی)

تشریح:......اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ریاکاری کی یہ خاص قسم کہ عابدوں' زاہدوں کی صورت بنا کر اور اپنے

اندرونی حال کے بالکل برعکس ان خاصان خدا کی سی نرم وشیریں باتیں کر کر کے اللہ کے سادہ لوح بندوں کو اپنی عقیدت کے جال میں پھانسا جائے اور ان سے دنیا کمائی جائے، بدترین قسم کی ریا کاری ہے اور ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی تنبیہ ہے کہ وہ مرنے سے پہلے اس دنیا میں بھی سخت فتنوں میں مبتلا کیے جائیں گے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ جُبِّ الْحُزْنِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) وَمَا جُبُّ الْحُزْنِ؟ قَالَ وَادٍ فِیْ جَهَنَّمَ يَتَعَوَّذُ مِنْهُ جَهَنَّمُ كُلَّ يَوْمٍ اَرْبَعَ مِائَةِ مَرَّةٍ. قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ يَدْخُلُهَا؟ قَالَ اَلْقُرَّاءُ الْمُرَاؤُنَ بِاَعْمَالِهِمْ. (رواہ الترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، تم لوگ "جب الحزن" (غم کے کنوئیں یا غم کے خندق) سے پناہ مانگا کرو۔ بعض صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا، حضرتؐ! جب الحزن کیا چیز ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جہنم میں ایک وادی (یا خندق) ہے (جس کا حال اتنا برا ہے کہ) خود جہنم ہر دن میں چار سو مرتبہ اس سے پناہ مانگتی ہے۔ عرض کیا گیا، یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) اس میں کون لوگ جائیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، وہ بڑے عبادت گزار اور یا وہ زیادہ قرآن پڑھنے والے جو دوسروں کو دکھانے کے لیے اچھے اعمال کرتے ہیں۔ (جامع ترمذی)

تشریح: ...... جہنم کے اس خندق جب الحزن میں ڈالے جانے والوں کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "القراء" کا لفظ بولا ہے اس کے معنی زیادہ عبادت کرنے والے کے بھی ہو سکتے ہیں اور قرآن کے علم اور قرآن پڑھنے میں خصوصیت اور امتیاز رکھنے والے کے بھی ہو سکتے ہیں۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جہنم کے اس خاص کنوئیں یا خندق میں وہ لوگ جھونکے جائیں گے جو بظاہر اعلیٰ درجہ کے دیندار، علم قرآن کے سرمایہ دار اور بڑے عبادت گزار ہوں گے لیکن حقیقت میں اور باطن کے لحاظ سے ان کی یہ ساری دینداری اور عبادات گزاری ریا کارانہ ہوگی۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَوَّلَ النَّاسِ يُقْضٰى عَلَيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ رَجُلٌ اُسْتُشْهِدَ فَاُتِیَ بِهٖ فَعَرَّفَهٗ نِعْمَتَهٗ فَعَرَفَهَا فَقَالَ فَمَا عَمِلْتَ فِيْهَا؟ قَالَ قَاتَلْتُ فِيْكَ حَتّٰى اسْتُشْهِدْتُ قَالَ كَذَبْتَ وَلٰكِنَّكَ قَاتَلْتَ لِاَنْ يُّقَالَ جَرِیْءٌ فَقَدْ قِيْلَ، ثُمَّ اُمِرَ بِهٖ فَسُحِبَ عَلٰى وَجْهِهٖ حَتّٰى اُلْقِیَ فِی النَّارِ وَرَجُلٌ تَعَلَّمَ الْعِلْمَ وَعَلَّمَهٗ وَقَرَأَ الْقُرْاٰنَ فَاُتِیَ بِهٖ فَعَرَّفَهٗ نِعَمَهٗ فَعَرَفَهَا قَالَ فَمَا عَمِلْتَ فِيْهَا؟ قَالَ تَعَلَّمْتُ الْعِلْمَ وَعَلَّمْتُهٗ وَقَرَأْتُ فِيْكَ الْقُرْاٰنَ، قَالَ كَذَبْتَ وَلٰكِنَّكَ تَعَلَّمْتَ الْعِلْمَ لِيُقَالَ اَنَّكَ عَالِمٌ وَقَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ لِيُقَالَ هُوَ قَارِئٌ فَقَدْ قِيْلَ ثُمَّ اُمِرَ بِهٖ فَسُحِبَ عَلٰى وَجْهِهٖ حَتّٰى اُلْقِیَ فِی النَّارِ، وَرَجُلٌ وَسَّعَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَعْطَاهُ مِنْ اَصْنَافِ الْمَالِ كُلِّهٖ فَاُتِیَ بِهٖ فَعَرَّفَهٗ نِعَمَهٗ فَعَرَفَهَا قَالَ فَمَا عَمِلْتَ فِيْهَا قَالَ مَا تَرَكْتُ مِنْ سَبِيْلٍ تُحِبُّ اَنْ يُّنْفَقَ فِيْهَا اِلَّا اَنْفَقْتُ فِيْهَا لَكَ قَالَ كَذَبْتَ وَلٰكِنَّكَ فَعَلْتَ لِيُقَالَ هُوَ جَوَادٌ فَقَدْ قِيْلَ ثُمَّ اُمِرَ بِهٖ فَسُحِبَ بِهٖ عَلٰى وَجْهِهٖ ثُمَّ اُلْقِیَ فِی النَّارِ. (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سب سے پہلا شخص جس نے

خلاف قیامت کے دن (دوزخ میں ڈالے جانے کا) فیصلہ عدالت خداوندی کی طرف سے دیا جائے گا ایک آدمی ہوگا جو (میدان جہاد میں) شہید کیا گیا ہوگا' یہ شخص خدا کے سامنے لایا جائے گا' پھر خداوند تعالیٰ اس کو بتائے گا کہ میں نے تجھے کیا کیا نعمتیں دی تھیں' وہ اللہ کی دی ہوئی سب نعمتوں کا اقرار کرے گا' پھر اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا بتا تو نے ان نعمتوں سے کیا کام لیا؟ (اور کن مقاصد کے لیے ان کو استعمال کیا) وہ کہے گا (میں نے آخری عمل یہ کیا ہے) کہ میں نے تیری راہ میں جہاد کیا' یہاں تک کہ میں شہید کر دیا گیا (اور اس طرح میں نے سب سے عزیز اور قیمتی چیز اپنی جان بھی تیری راہ میں قربان کر دی) اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹ کہتا ہے تو نے تو جہاد میں حصہ اس لیے اور اس نیت سے لیا تھا کہ تیری بہادری کے چرچے ہوں' سو (تیرا یہ مقصد حاصل ہو چکا اور دنیا میں) تیری بہادری کے چرچے ہولئے۔ پھر اس کے لیے خداوندی حکم ہوگا اور وہ اوندھے منہ گھسیٹ کے جہنم میں ڈال دیا جائے گا اور اسی کے ساتھ ایک دوسرا شخص ہوگا جس نے علم دین حاصل کیا ہوگا اور دوسروں کو اس کی تعلیم بھی دی ہوگی اور قرآن بھی خوب پڑھا ہوگا' اس کو بھی خدا کے سامنے پیش کیا جائے گا' اللہ تعالیٰ اس کو بھی اپنی بخشی ہوئی نعمتیں بتائے گا وہ سب کا اقرار کرے گا' پھر اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا' بتا تو نے میری ان نعمتوں سے کیا کام لیا؟ (اور ان کو کن مقاصد کے لیے استعمال کیا) وہ کہے گا خداوندا! میں نے آپ کا علم حاصل کیا اور دوسروں کو سکھایا اور آپ ہی کی رضا کے لیے آپ کی کتاب پاک قرآن میں مشغول رہا' اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو نے یہ بات جھوٹ کہی' تو نے تو علم دین اس لیے حاصل کیا تھا اور قرآن تو اس لیے پڑھتا تھا تاکہ تجھ کو عالم و قاری اور عابد کہا جائے' سو (تیرا یہ مقصد تجھے حاصل ہو چکا اور دنیا میں) تیرے عالم و عابد اور قاری قرآن ہونے کا چرچا خوب ہولیا' پھر اس کے لیے بھی خدا تعالیٰ کا حکم ہوگا اور وہ بھی اوندھے منہ گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا اور اسی کے ساتھ ایک تیسرا شخص ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بھرپور دولت دی ہوگی اور ہر طرح کا مال اس کو عطا فرمایا ہوگا' وہ بھی خدا کے سامنے پیش کیا جائے گا' اللہ تعالیٰ اس کو بھی اپنی نعمتیں بتلائے گا (کہ میں نے دنیا میں تجھے یہ یہ نعمتیں دی تھیں) وہ سب کا اقرار کرے گا' پھر اللہ تعالیٰ اس سے بھی پوچھے گا کہ تو نے میری ان نعمتوں سے کیا کام لیا؟ (اور کن مقاصد کے لیے ان کو استعمال کیا) وہ عرض کرے گا خداوندا! جس جس راستہ میں اور جن جن کاموں میں خرچ کرنا تجھے پسند ہے میں نے تیرا دیا ہوا مال ان سب ہی میں خرچ کیا ہے اور صرف تیری رضا جوئی کے لیے خرچ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو نے یہ جھوٹ کہا' درحقیقت یہ سب کچھ تو نے اس لیے کیا تھا کہ دنیا میں تو سخی مشہور ہو (اور تیری فیاضی اور داد و دہش کے چرچے ہوں) سو (تیرا یہ مقصد تجھے حاصل ہو گیا اور دنیا میں) تیری فیاضی اور داد و دہش کے چرچے خوب ہولئے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لیے بھی حکم ہوگا اور وہ بھی اوندھے منہ گھسیٹ کے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ (صحیح مسلم)

تشریح:...... العظمۃ للہ! کس قدر لرزا دینے والی ہے یہ حدیث۔ اسی کی بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس حدیث کو بیان کرتے وقت کبھی کبھی بے ہوش ہو جاتے تھے۔ اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا گیا ہے کہ ایک دفعہ ان کے سامنے یہ حدیث بیان کی گئی تو وہ بہت روئے اور روتے روتے بے حال ہو گئے۔

اس حدیث میں جن تین اعمال کا ذکر ہے یعنی علم دین کی تحصیل و تعلیم' قرآن مجید میں مشغولیت اور راہِ خدا میں جانی اور مالی

قربانی۔ ظاہر ہے کہ یہ تینوں اعلیٰ درجہ کے اعمال صالحہ میں سے ہیں اور اگر اخلاص کے ساتھ یہ عمل ہوں تو پھر ان کا صلہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور جنت کے اعلیٰ درجات ہیں لیکن یہی اعمال جب دکھاوے اور شہرت کے لیے یا اسی قسم کے دوسرے دنیوی مقاصد کے لیے کیے جائیں تو اللہ کے نزدیک یہ اس درجہ کے گناہ ہیں کہ دوسرے سب گنہگاروں (چوروں' ڈاکوؤں اور زناکاروں) سے بھی پہلے جہنم کا فیصلہ ان ہی کے لیے کیا جائے گا اور یہی سب سے پہلے جہنم میں جھونکے جائیں گے۔ **اللهم احفظنا!**

اچھی شہرت' اللہ کی ایک نعمت ہے

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قِیْلَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرَاَيْتَ الرَّجُلَ يَعْمَلُ الْعَمَلَ مِنَ الْخَيْرِ وَيَحْمَدُهُ النَّاسُ عَلَيْهِ ...... وَفِیْ رِوَايَةٍ وَيُحِبُّهُ النَّاسُ عَلَيْهِ ...... قَالَ تِلْكَ عَاجِلُ بُشْرَى الْمُؤْمِنِ. (رواه مسلم)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کیا ارشاد ہے ایسے شخص کے بارے میں جو کوئی اچھا عمل کرتا ہے اور اس کی وجہ سے لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں؟ اور ایک روایت میں ہے کہ پوچھنے والے نے یوں عرض کیا کہ کیا ارشاد ہے ایسے شخص کے بارے میں جو کوئی اچھا عمل کرتا ہے اور اس کی وجہ سے لوگ اس سے محبت کرتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ تو مؤمن بندہ کی نقد بشارت ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح:...... ریا اور شہرت طلبی کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مندرجہ بالا قسم کے ارشادات نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو اتنا ڈرا دیا تھا کہ ان میں سے بعض کو یہ شبہ ہونے لگا کہ جس نیک عمل پر دنیا کے لوگ عمل کرنے والے کی تعریفیں کریں اور اس کی نیکی کا چرچا ہو اور لوگ اس کو اللہ کا نیک بندہ سمجھ کر اس سے محبت کرنے لگیں تو شاید وہ عمل بھی اللہ کے یہاں مقبول نہ ہوگا کیونکہ اس عمل کرنے والے کو دنیا میں شہرت اور محبت کا صلہ ہی مل گیا۔ اسی کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا گیا تھا جس کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''**تِلْكَ عَاجِلُ بُشْرَى الْمُؤْمِنِ**''، جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کی نیک عملی کی شہرت ہو جانا اور لوگوں کا اس کی تعریف یا اس سے محبت کرنا کوئی بری بات نہیں ہے بلکہ سمجھنا چاہیے کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے آخرت میں ملنے والے اصل انعام سے پہلے اس دنیا میں نقد صلہ اس بندہ کی مقبولیت و محبوبیت کی ایک خوشخبری اور علامت ہے۔

اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک دفعہ یہ واقعہ پیش آیا کہ وہ اپنے گھر میں نماز پڑھ رہے تھے۔ اسی حال میں ایک شخص آیا اور اس نے ان کو نماز پڑھتا ہوا دیکھا' وہ کہتے ہیں کہ میرے دل میں اس بات سے خوشی پیدا ہوئی کہ اس شخص نے مجھے نماز جیسے اچھے کام میں مشغول پایا' انہوں نے اس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا (تاکہ خدانخواستہ اگر یہ بھی ریاکاری کی کوئی شاخ ہو تو اس سے توبہ واستغفار کیا جائے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اطمینان دلایا کہ یہ ریا نہیں ہے بلکہ تم کو اس صورت میں خلوت کی نیکی کا بھی ثواب ملے گا اور جلوت کی نیکی کا بھی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو اعمال صالحہ اخلاص کے ساتھ اللہ ہی کے لیے کیے جائیں لیکن عمل کرنے والے کے ارادہ اور کوشش کے بغیر اللہ کے دوسرے بندوں کو ان کا علم ہو جائے اور پھر اس کو اس سے خوشی ہو تو یہ اخلاص کے منافی نہیں

ہے۔اسی طرح اگر کوئی شخص کوئی نیک عمل اس لیے لوگوں کے سامنے کرتا ہے کہ وہ اس کی اقتداء کریں اور اس کو سیکھیں تو یہ بھی ریا نہ ہوگا بلکہ اس صورت میں اللہ کے اس بندہ کو تعلیم و تبلیغ کا بھی ثواب ملے گا۔ بہت سی حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے اعمال میں یہ مقصد بھی ملحوظ ہوتا تھا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حقیقت اخلاص نصیب فرمائے' اپنا مخلص بندہ بنائے اور ریا سمعہ جیسے مہلکات سے ہمارے قلوب کی حفاظت فرمائے۔ اَللّٰھُمَّ اٰمِیْن

نیک لوگوں کے پاس بیٹھنا

عن معاذ بن جبل قال سمنت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول قال الله تعالیٰ وحیث محبتی للمتحابین فی المتجالسین فی (رواہ مالک)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میری محبت ایسے لوگوں کے لئے واجب (یعنی ضروری الثبوت) ہوگئی جو میرے ہی علاقہ سے آپس میں محبت رکھتے ہیں اور جو میرے ہی علاقہ سے ایک دوسرے کے پاس بیٹھتے ہیں۔الخ

تا کہ ان لوگوں سے اچھی باتیں سنیں، ان سے اچھی خصلتیں سیکھیں اور جو نیک لوگ گذر گئے ہیں ان کے اچھے حالات کی کتابیں پڑھ کر یا سن کر ان کے حالات معلوم کرنا یہ بھی ایسا ہی ہے جیسے گویا ان کے پاس ہی بیٹھ کر ان سے باتیں سنیں اور ان سے اچھی خصلتیں سیکھ لیں۔

فائدہ: چونکہ انسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے یہ خاصیت رکھی ہے کہ دوسرے انسان کے خیالات اور حالات سے بہت جلد اور بہت قوت کے ساتھ اور بدوں کسی خاص کوشش کے اثر قبول کر لیتا ہے اچھا اثر بھی اور بُرا اثر بھی۔اس لیے اچھی صحبت بہت ہی بڑے فائدے کی چیز ہے اور اسی طرح بُری صحبت بڑے نقصان کی چیز ہے اور اچھی صحبت ایسے شخص کی صحبت ہے جس کو ضرورت کے موافق دین کی باتوں کی واقفیت بھی ہو اور جس کے عقیدے بھی اچھے ہوں شرک و بدعت اور دنیا کی رسموں سے بچتا ہو اعمال بھی اچھے ہوں، نماز، روزہ اور ضروری عبادتوں کا پابند ہو معاملات بھی اچھے ہوں لین دین صاف ہو، حلال و حرام کی احتیاط ہو، اخلاقِ ظاہر بھی اچھے ہوں، مزاج میں عاجزی ہو کسی کو بے وجہ تکلیف نہ دیتا ہو، غریبوں، حاجت مندوں کو ذلیل نہ سمجھتا ہو، اخلاقِ باطنی بھی اچھے ہوں، خدا تعالیٰ کی محبت اور اس کا خوف دل میں رکھتا ہو، دنیا کا لالچ دل میں نہ رکھتا ہو، دین کے مقابلہ میں مال اور راحت اور آبرو کی پروانہ رکھتا ہو، آخرت کی زندگی کے سامنے دنیا کی زندگی کو عزیز نہ رکھتا ہو، ہر حال میں صبر و شکر کرتا ہو۔جس شخص میں یہ باتیں پائی جائیں اس کی صحبت اکسیر ہے اور جس شخص کو ان باتوں کی پوری پہچان نہ ہو سکے اس کے لیے یہ پہچان ہے کہ اپنے زمانہ کے نیک لوگ (جن کو اکثر مسلمان عام طور پر نیک سمجھتے ہوں ایسے نیک لوگ) جس شخص کو اچھا کہتے ہوں اور دس پانچ بار اس کے پاس بیٹھنے سے بُری باتوں سے دل ہٹنے لگے اور نیک باتوں کی طرف دل جھکنے لگے بس تم اس کو اچھا سمجھو اور اس کی صحبت اختیار کرو اور جس شخص میں بُری باتیں دیکھی جاویں بدوں کسی سخت مجبوری کے اس سے میل جول مت کرو کہ اس سے دین تو بالکل تباہ ہو جاتا ہے اور بعض دفعہ دنیا کا بھی نقصان ہو جاتا ہے کبھی تو جان کا کہ کسی تکلیف یا پریشانی کا سامنا ہو جاتا

ہے اور کبھی مال کا کہ بُری جگہ خرچ ہو گیا یا دھوکہ میں آ کر کسی کو دے دیا۔ خواہ محبت کے جوش میں آ کر مفت دے دیا خواہ قرض کے طور پر دیا تھا پھر وصول نہ ہوا اور کبھی آبرو کا کہ بُروں کے ساتھ یہ بھی رسوا و بدنام ہوا اور جس شخص میں نہ اچھی علامتیں معلوم ہوں اور نہ بُری علامتیں اس پر گمان تو نیک رکھو اس کی صحبت مت اختیار کرو۔ غرض تجربہ سے نیک صحبت کو دین کے سنورنے میں اور دل کے مضبوط ہونے میں بڑا دخل ہے اور اسی طرح صحبت بد کو دین کے بگڑنے میں اور دل کے کمزور ہونے میں اب چند آیتیں اور حدیثیں صحبت نیک کی ترغیب میں اور صحبت بد کی مذمت میں لکھی جاتی ہیں۔

کس کی صحبت اختیار کی جائے

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال قیل یا رسول اللہ ای جلسائنا خیر قال من ذکرکم اللہ رؤیتہ وزاد فی علمکم منطقہ وذکرکم بالآخرۃ علمہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہم جن لوگوں کے پاس بیٹھتے ہیں ان میں سب سے اچھا کون شخص ہے؟ (کہ اسی کے پاس بیٹھا کریں) آپ نے ارشاد فرمایا ایسا شخص (پاس بیٹھنے کے لیے سب سے اچھا ہے) کہ جس کا دیکھنا تم کو اللہ تعالیٰ کی یاد دلا دے اور اس کا بولنا تمہارے علم (دین) میں ترقی دے اور اس کا عمل تم کو آخرت کی یاد دلا دے۔ (ابویعلیٰ)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا (اور یہ بھی احتمال ہے کہ شاید حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہو تب بھی حدیث ہی ہے) کہ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے سے فرمایا اے بیٹا تو علما کے پاس بیٹھنے کو اپنے ذمہ لازم رکھنا اور اہل حکمت کی باتوں کو سنتے رہنا (حکمت دین کی باریک باتوں کو کہتے ہیں جیسی سچے درویش کیا کرتے ہیں) کیونکہ اللہ تعالیٰ مردہ دل کو نورِ حکمت سے اس طرح زندہ کر دیتے ہیں جیسے مردہ زمین کو موسلا دھار پانی سے زندہ کر دیتے ہیں۔ (طبرانی فی الکبیر)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میری محبت ایسے لوگوں کے لیے واجب (یعنی ضروری الثبوت) ہو گئی جو میرے ہی علاقہ سے آپس میں محبت رکھتے ہیں اور جو میرے ہی علاقہ سے ایک دوسرے کے پاس بیٹھتے ہیں۔ الخ

فائدہ: یہ جو فرمایا میرے علاقہ سے مطلب یہ کہ محض دین کے واسطے۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نیک ہم نشین اور بد ہم نشین کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص مشک لیے ہوئے ہو (یہ مثال ہے نیک صحبت کی) اور ایک شخص بھٹی کو دھونک رہا ہے (یہ مثال ہے بد صحبت کی) سو وہ مشک والا تو تجھ کو دے دیگا اور یا (اگر نہ بھی دیا تو) اس سے تجھ کو خوشبو ہی پہنچ جاوے گی اور بھٹی کا دھونکنے والا یا تو تیرے کپڑوں کو جلا دے گا (اگر کوئی چنگاری آ پڑی) اور یا (اگر اس سے بچ بھی گیا تو) اس کی گندی بو ہی تجھ کو پہنچ جاوے گی۔

فائدہ: یعنی نیک صحبت سے اگر کامل نفع نہ ہوا تب بھی کچھ تو ضرور ہو جاوے گا اور بد صحبت سے اگر کامل ضرر نہ ہوا تب بھی کچھ تو ضرور ہو جاوے گا۔ (یہ سب حدیثیں ترغیب سے لی گئی ہیں)

حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ کسی کی صحبت اختیار مت کرو بجز ایمان والے کے۔

فائدہ: اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ کافر کی صحبت میں مت بیٹھو دوسرا یہ کہ جس کا ایمان کامل نہ ہو اس کے پاس مت بیٹھو۔ پس پورا قابلِ صحبت وہ ہے جو مومن ہو خصوص جو مومن کامل ہو یعنی دین کا پورا پابند ہو۔

حضرت ابورزین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تم کو ایسی بات نہ بتلاؤں جو اس دین کا (بڑا) مدار ہے جس سے تم دنیا و آخرت کی بھلائی حاصل کر سکتے ہو ایک تو اہل ذکر کی مجالس کو مضبوط پکڑ لو (اور دوسرے) جب تنہا ہوا کرو جہاں تک ممکن ہو ذکر اللہ کے ساتھ زبان کو متحرک رکھو (اور تیسرے) اللہ ہی کے لیے محبت رکھو اور اللہ ہی کے لیے بغض رکھو۔ الخ (بیہقی فی شعب الایمان)

فائدہ: یہ بات تجربہ سے بھی معلوم ہوتی ہے کہ صحبت نیک جڑ ہے تمام دین کی۔ دین کی حقیقت، دین کی حلاوت، دین کی قوت کے جتنے ذریعے ہیں سب سے بڑھ کر ذریعہ ان چیزوں کا صحبت نیک ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تھا تو آپ نے فرمایا کہ جنت میں یاقوت کے ستون ہیں ان پر زبرجد کے بالا خانے قائم ہیں ان میں کھلے ہوئے دروازے ہیں جو تیز چمکدار ستارہ کی طرح چمکتے ہیں۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ان بالا خانوں میں کون رہے گا؟ آپ نے فرمایا جو لوگ اللہ کے لیے (یعنی دین کے لیے) آپس میں محبت رکھتے ہیں اور جو لوگ اللہ کے لیے ایک دوسرے کے پاس بیٹھتے ہیں اور جو اللہ کے لیے آپس میں ملاقات کرتے ہیں۔ (بیہقی فی شعب الایمان)

حضرت سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مشرکین کے ساتھ نہ سکونت کرو اور نہ ان کے ساتھ یکجائی کرو (یعنی ان کی مجلس میں مت بیٹھو) جو شخص ان کے ساتھ سکونت کریگا یا یکجائی کرے گا وہ انہی میں سے ہے (ترمذی) (یہ حدیث جمع الفوائد سے لی گئی ہے) ان سب آیتوں وحدیثوں سے مدعا کے ایک جزو کا ثابت ہونا ظاہر ہے۔ یعنی نیک لوگوں کے پاس بیٹھنا تا کہ ان سے اچھی باتیں سنیں اور اچھی خصلتیں سیکھیں۔ اب مدعا دوسرا جزو رہ گیا یعنی جو نیک لوگ گذر گئے ہیں، کتابوں سے ان کے اچھے حالات معلوم کرنا کہ اس سے بھی ویسے ہی فائدے حاصل ہوتے ہیں جیسے ان کے پاس بیٹھنے سے۔ آگے اس دوسرے جزو کا بیان کرتے ہیں۔

ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور پیغمبروں کے قصوں میں سے ہم یہ سارے (مذکورہ) قصے (یعنی حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ اور حضرت ہود علیہ السلام کا اور حضرت صالح علیہ السلام کا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اور حضرت لوط علیہ السلام کا اور حضرت شعیب علیہ السلام کا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا، یہ سب قصے) آپ سے بیان کرتے ہیں جن کے ذریعہ سے ہم آپ کے دل کو تقویت دیتے ہیں۔ (سورۂ ہود۔ آیت ۱۲۰)

فائدہ: یہ ایک فائدہ ہے نیکوں کے قصوں کے بیان کرنے کا کہ ان سے دل کو مضبوطی اور تسلی ہوتی ہے کہ جیسے وہ حق پر مضبوط رہے

ہم کو بھی مضبوط رہنا چاہیے۔ اور جس طرح اس مضبوطی کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد فرمائی اسی طرح اس مضبوطی پر ہماری بھی مدد ہوگی جس کو اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت میں فرمایا ہے کہ ہم اپنے پیغمبروں کی اور ایمان والوں کی (یہاں) دنیاوی زندگانی میں بھی مدد کرتے ہیں اور (وہاں) اس روز بھی (مدد کریں گے) جس میں گواہی دینے والے (فرشتے) کھڑے ہوں گے (مراد اس سے قیامت کا دن ہے) (سورۂ مومن آیت ۵۱) اور وہاں کی مدد تو ظاہر ہے کہ حکم ماننے والے ظاہر میں بھی کامیاب ہوں گے اور بے حکمی کرنے والے ناکام ہوں گے اور یہاں کی مدد کبھی تو اسی طرح کی ہوتی ہے اور کبھی دوسری طرح ہوتی ہے وہ اس طرح کہ اول بے حکموں کو حکم ماننے والوں پر غلبہ ہوگیا مگر مومن جانب اللہ کسی وقت ان سے بدلہ ضرور لیا گیا۔ چنانچہ تاریخ بھی اس کی گواہ ہے (تفسیر ابن کثیر) اور ان قصوں سے یوں بھی تسلی ہوتی ہے کہ جیسے دین پر مضبوط رہنے پر آخرت میں وہ بڑھے رہیں گے جس کی خبر کئی قصوں کے بعد اس ارشاد میں دی گئی ہے یقیناً نیک انجامی متقیوں ہی کے لیے ہے اسی طرح ہم سے بھی اس بڑھے رہنے کا وعدہ ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا ہے کہ جو لوگ متقی ہیں ان کافروں سے اعلیٰ درجہ (کی حالت) میں ہوں گے۔ (سورۂ بقرہ آیت ۲۱۲)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص (ہمیشہ کے لیے) کوئی طریقہ اختیار کرنے والا ہو اس کو چاہیے کہ ان لوگوں کا طریقہ اختیار کرے جو گذر چکے ہیں کیونکہ زندہ آدمی پر تو بچل جانے کا بھی شبہ ہے (اس لیے زندہ آدمی کا طریقہ اسی وقت تک اختیار کیا جاسکتا ہے جب تک وہ راہ پر رہے) یہ لوگ (جن کا ہمیشہ کے لیے طریقہ لیا جاسکتا ہے) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابہ ہیں (اور اس حدیث کے آخر میں ہے کہ) جہاں تک ہو سکے ان کے اخلاق وعادات کو سند بناؤ۔ (رزین) (جمع الفوائد)

فائدہ: اور یہ ظاہر ہے کہ صحابہ کے اخلاق وعادات کا اختیار کرنا تب ہی ممکن ہے جب ان کے واقعات معلوم ہوں تو ایسی کتابوں کا پڑھنا سننا ضرور ٹھہرا۔ جس طرح قرآن مجید میں حضرات انبیاء وعلماء واولیاء کے قصے بمصلحت ان کی پیروی کرنے کے مذکور ہیں (جو اس ارشاد میں مذکور ہے فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ الانعام آیت ۹۱)

اسی طرح حدیثوں میں بھی ان مقبولین کے قصے بکثرت مذکور ہیں چنانچہ حدیث کی اکثر کتابوں میں کتاب القصص ایک مستقل حصہ قرار دیا گیا ہے اس سے بھی ایسے قصوں کا مفید اور قابل اشتغال ہونا ثابت ہوتا ہے اسی وجہ سے بزرگوں نے ہمیشہ ایسے قصوں کی کتابیں لکھنے کا اہتمام رکھا ہے۔

اب میں ایسی چند کتابوں کے نام بتلاتا ہوں کہ ان کو پڑھا کریں یا سُنا کریں اگر سنانے والا عالم مل جاوے تو سبحان اللہ ورنہ جو مل جاوے۔ (۱) نشر الطیب (۲) مغازی الرسول (۳) قصص الانبیاء، (۴) مجموعہ فتوح الشام والمصر والعجم (۵) فتوح العراق، (۶) فتوحاتِ بھنسہ، (۷) حکایات الصالحین (۸) تذکرۃ الاولیاء، (۹) انوار الحسنین (۱۰) نزہۃ البساتین (۱۱) امداد المشتاق (۱۲) نیک بیبیاں۔

مخلوق خدا پر شفقت

عن انس رضی اللہ عنہ قال خدمت النبی صلی اللہ علیہ وسلم عشر سنین فما قال لی اُف ولا لم صنعت ولا الاصنعت.

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دس برس خدمت کی، آپ

نے کبھی مجھ کو اُف بھی نہ کہا اور نہ کبھی یہ فرمایا کہ فلانا کام کیوں کیا اور فلانا کام کیوں نہیں کیا۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: ہر وقت کے خادم کو دس برس کے عرصہ تک ہوں سے یا ہاں نہ فرمانا یہ معمولی بات نہیں، کیا اتنے عرصہ تک کوئی بات بھی خلافِ مزاجِ لطیف نہ ہوئی ہوگی!

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب سے بڑھ کر خوش خلق تھے۔ آپ نے مجھ کو ایک دن کسی کام کے لیے بھیجا۔ میں نے کہا میں تو نہیں جاتا اور دل میں یہ تھا کہ جہاں حکم دیا ہے وہاں جاؤں گا (یہ بچپن کا اثر تھا) میں وہاں سے چلا تو بازار میں چند کھیلنے والے لڑکوں پر گزرا اچانک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پیچھے سے (آ کر) میری گردن پکڑ لی۔ میں نے آپ کو دیکھا تو آپ ہنس رہے تھے۔ آپ نے فرمایا تم تو جہاں میں نے کہا تھا جا رہے ہو۔ میں نے عرض کیا جی ہاں یا رسول اللہ میں جا رہا ہوں۔ (مسلم)

ان ہی سے روایت ہے کہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہا تھا اور آپ کے بدن مبارک پر ایک نجران کا بنا ہوا موٹی کنی کا چادرہ تھا۔ آپ کو ایک بدوی ملا اور اس نے آپ کو چادرہ پکڑ کر بڑے زور سے کھینچا اور آپ اس کے سینہ کے قریب جا پہنچے۔ پھر کہا اے محمد میرے لیے بھی اللہ کے اس مال میں سے دینے کا حکم دو جو تمہارے پاس ہے۔ آپ نے اس کی طرف التفات فرمایا پھر ہنسے پھر اس کے لیے عطا فرمانے کا حکم دیا۔ (بخاری ومسلم)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کبھی کوئی چیز نہیں مانگی جس پر آپ نے یہ فرمایا ہو کہ نہیں دیتا (اگر ہوا دے دیا ورنہ اس وقت معذرت اور دوسرے وقت کے لیے وعدہ فرما لیا)۔ (بخاری ومسلم)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بکریاں مانگیں جو (آپ ہی کی تھیں اور) دو پہاڑوں کے درمیان پھر رہی تھیں۔ آپ نے اس کو سب دے دیں، وہ اپنی قوم میں آیا اور کہنے لگا اے قوم مسلمان ہو جاؤ واللہ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خوب دیتے ہیں کہ خالی ہاتھ رہ جانے سے بھی اندیشہ نہیں کرتے۔ (مسلم)

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ چل رہے تھے جب کہ آپ مقامِ حنین سے واپس ہو رہے تھے۔ آپ کو بدوی لوگ لپٹ گئے اور آپ سے مانگ رہے تھے یہاں تک کہ آپ کو ایک ببول کے درخت سے اڑا دیا اور آپ کا چادرہ بھی چھین لیا۔ آپ کھڑے ہو گئے اور فرمایا میرا چادرہ تو دے دو اگر میرے پاس ان درختوں کی گنتی کے برابر بھی اونٹ ہوتے تو میں سب تم میں تقسیم کر دیتا پھر تم مجھ کو نہ بخیل پاؤ گے نہ جھوٹا نہ تھوڑے دل کا۔ (بخاری)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب صبح کی نماز پڑھ چکتے مدینہ (والوں) کے غلام اپنے برتن لاتے جن میں پانی ہوتا تھا۔ سو جو برتن بھی پیش کرتے آپ (برکت کے لیے) اس میں اپنا دستِ مُبارک ڈال دیتے۔ بعض اوقات سردی کی صبح ہوتی تب بھی اپنا دست مبارک اس میں ڈال دیتے۔ (مسلم)

ان ہی سے راویت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سخت مزاج نہ تھے اور نہ کوسنا دینے والے تھے۔ کوئی بات عتاب کی ہوتی تو یوں فرماتے تھے فلانے شخص کو کیا ہو گیا۔ اس کی پیشانی کو خاک لگ جاوے (جس سے کوئی تکلیف ہی نہیں خصوص اگر سجدہ میں لگ جاوے تب تو یہ دُعا ہے نمازی ہونے کی اور نماز میں خاصیت ہے بُری باتوں سے روکنے کی یہ اصلاح کی دُعا ہوئی۔) (بخاری)

حضرت ابوسعید خُدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس قدر شرمگین تھے کہ کنواری لڑکی جیسے اپنے پردہ میں ہوتی ہے اس سے بھی زیادہ۔ سو جب کوئی بات ناگوار دیکھتے تھے تو (شرم کے سبب زبان سے نہ فرماتے مگر) ہم لوگ اس کا اثر آپ کے چہرہ مبارک میں دیکھتے تھے۔ (بخاری ومسلم)

حضرت اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گھر کے اندر کیا کام کرتے تھے؟ انہوں نے کہا اپنے گھر والوں کے کام میں لگے رہتے تھے (جس کی کچھ مثالیں اگلی حدیث میں آتی ہیں)۔ (بخاری)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنا جوتا گانٹھ لیتے تھے اور اپنا کپڑا سی لیتے تھے اور اپنے گھر میں ایسے ہی کام کر لیتے تھے جس طرح تم میں معمولی آدمی اپنے گھر میں کام کر لیتا ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ بھی کہا کہ آپ منجملہ بشر کے ایک بشر تھے (گھر کے اندر مخدوم اور ممتاز ہو کر نہ رہتے تھے) اپنے کپڑے میں جوئیں دیکھ لیتے تھے (کہ شاید کسی کی چڑھ گئی ہو کیونکہ آپ اس سے پاک تھے) اور اپنی بکری کا دودھ نکال لیتے تھے۔ (یہ مثالیں ہیں گھر کے کام کی کیونکہ رواج میں یہ کام گھر والوں کے کرنے کے ہوتے ہیں) اور اپنا (ذاتی) کام بھی کر لیتے تھے۔ (ترمذی)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کسی چیز کو اپنے ہاتھ سے کبھی نہیں مارا اور نہ کسی عورت کو نہ کسی خادم کو، ہاں راہِ خدا میں جہاد اس سے مستثنیٰ ہے (مراد وہ مارنا ہے جیسے غصہ کے جوش میں عادت ہے) اور آپ کو کبھی کوئی تکلیف نہیں پہنچائی گئی جس میں آپ نے اس تکلیف پہنچانے والے سے انتقام لیا ہو۔ البتہ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیزوں میں کسی چیز کا ارتکاب کرتا تو اس وقت آپ اللہ کے لیے اس سے انتقام لیتے تھے۔ (مسلم)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں آٹھ برس کا تھا اس وقت آپ کی خدمت میں آ گیا تھا اور دس برس تک میں نے آپ کی خدمت کی۔ میرے ہاتھوں کوئی نقصان بھی ہو گیا تو آپ نے کبھی ملامت نہیں کی۔ اگر آپ کے گھر والوں میں سے کسی نے ملامت بھی کی تو آپ فرماتے جانے دو۔ اگر کوئی (دوسری) بات مقدر ہوتی تو وہی ہوتی۔

فکرِ آخرت

عن ابن مسعود قال تلا رسول الله صلى الله عليه وسلم فمن يرد الله ان يهديه يشرح صدره للاسلام فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان النور اذا دخل الصدر انفسخ فقيل يا رسول الله هل لتلك من علم يعرف به قال نعم التجافى من دار الغرور والانابة الى دار الخلود والاستعداد للموت قبل نزوله.

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی (جس کا ترجمہ یہ ہے کہ) جس شخص کو اللہ تعالیٰ ہدایت کرنا چاہتا ہے اُس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے پھر آپ نے فرمایا جب نور سینہ میں داخل ہوتا ہے وہ کشادہ ہو جاتا ہے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ کیا اس کی کوئی علامت ہے جس سے (اس نور کی) پہچان ہو جاوے؟ آپ نے فرمایا ہاں دھوکہ کے گھر سے (یعنی دنیا سے) کنارہ کشی اور ہمیشہ رہنے کے گھر کی طرف (یعنی آخرت کی طرف) توجہ ہو جانا اور

موت کے لیے اس کے آنے سے پہلے تیار ہو جانا۔ (بیہقی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کثرت سے یاد کیا کرو لذتوں کی قطع کرنے والی چیز کو یعنی موت کو۔ (ترمذی ونسائی وابن ماجہ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا موت تحفہ ہے مومن کا۔ (بیہقی)

فائدہ: سوتحفہ سے خوش ہونا چاہیے اور اگر کوئی عذاب سے ڈرتا ہو تو اس سے بچنے کی تدبیر کرے، یعنی اللہ ورسول کے احکام کو بجالاوے، کوتاہی پر توبہ کرے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے دونوں شانے پکڑے پھر فرمایا دنیا میں اس طرح رہ جیسے گویا تو پردیسی ہے (جس کا قیام پردیس میں عارضی ہوتا ہے اس لیے اس سے دل نہیں لگاتا) یا (بلکہ ایسی طرح رہ جیسے گویا تو) راستہ میں چلا جارہا ہے (جس کا بالکل ہی قیام نہیں) اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ جب شام کا وقت آوے تو صبح کے وقت کا انتظار مت کر اور جب صبح کا وقت آوے، تو شام کے وقت کا انتظار مت کر۔ (بخاری)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے (ایک لانبی حدیث میں) روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مومن دنیا سے آخرت کو جانے لگتا ہے تو اس کے پاس سفید چہرہ والے فرشتے آتے ہیں۔ ان کے پاس جنت کا کفن اور جنت کی خوشبو ہوتی ہے پھر ملک الموت آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے جانِ پاک اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رضامندی کی طرف چل، پھر جب اس کو لے لیتے ہیں تو وہ فرشتے ان کے ہاتھ میں نہیں رہنے دیتے اور اس کو اس کفن اور اس خوشبو میں رکھ لیتے ہیں اور اس سے مشک کی سی خوشبو مہکتی ہے اور اس کو لے کر (اوپر) چڑھتے ہیں اور (زمین پر رہنے والے) فرشتوں کی جس جماعت پر گذر رہتا ہے وہ پوچھتے ہیں یہ پاک روح کون ہے؟ یہ فرشتے اچھے اچھے القاب سے اس کا نام بتلاتے ہیں کہ یہ فلانا فلانے کا بیٹا ہے، پھر آسمان دنیا تک اس کو پہنچاتے ہیں اور اس کے لیے دروازہ کھلواتے ہیں اور دروازہ کھول دیا جاتا ہے اور ہر آسمان کے مقرب فرشتے اپنے قریب والے آسمان تک اس کے ساتھ جاتے ہیں یہاں تک کہ ساتویں آسمان تک اس کو پہنچایا جاتا ہے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندہ کا اعمال نامہ علّیین میں لکھو اور اس کو (سوال و جواب کے لیے) زمین کی طرف لے جاؤ سو اس کی روح اس کے بدن میں لوٹائی جاتی ہے (مگر اس طرح نہیں جیسے دنیا میں تھی بلکہ اس عالم کے مناسب جس کی حقیقت دیکھنے سے معلوم ہوگی) پھر اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور کہتے ہیں تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے، پھر کہتے ہیں تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے میرا دین اسلام ہے، پھر کہتے ہیں یہ کون شخص ہیں جو تم میں بھیجے گئے تھے؟ وہ کہتا ہے وہ اللہ کے پیغمبر ہیں۔ ایک پکارنے والا (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) آسمان سے پکارتا ہے میرے بندہ نے صحیح صحیح جواب دیا۔ اسکے لیے جنت کا فرش کردو اور اسکو جنت کی پوشاک پہنادو اور اس کے لیے جنت کی طرف دروازہ کھول دو سو اس کو جنت کی ہوا اور خوشبو آتی رہتی ہے۔ اس کے بعد اسی حدیث میں کافر کا حال بیان کیا گیا جو بالکل اس کی ضد ہے۔ (احمد)

فائدہ: اس کے بعد یہ واقعات ہوں گے۔

الف: صور پھونکا جاوے گا۔

ب: سب مردے زندہ ہوں گے۔

ج: میدان محشر کی بڑی بڑی ہولیں ہوں گی۔

د: حساب کتاب ہوگا۔

ہ: اعمال تولے جائیں گے کسی کا حق رہ گیا ہوگا اس کو نیکیاں دلائی جائیں گی۔

و: خوش قسمتوں کو حوضِ کوثر کا پانی ملے گا۔

ز: پل صراط پر چلنا ہوگا۔

ح: بعضے گناہوں کی سزا کے لیے جہنم میں عذاب ہوگا۔

ط: ایمان والوں کی شفاعت ہوگی۔

ی: جنتی جنت میں جاویں گے وہاں حق تعالیٰ کا دیدار ہوگا۔

ان سب واقعات کی تفصیل اکثر مسلمانوں کے کان میں بارہا پڑی ہے اور جس نے نہ سنا ہو یا پھر معلوم کرنا ہے شاہ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا قیامت نامہ اُردو پڑھ لے۔ ان سب باتوں کو سوچا کرے اگر سوچنے کا زیادہ وقت نہ ملے تو سوتے ہی وقت ذرا اچھی طرح سوچ لیا کرے۔

اس سے دین میں پختگی اور دل میں مضبوطی پیدا ہوتی ہے اور یہ بات اس طرح پیدا ہوتی ہے کہ ہمیشہ یوں سوچا کرے کہ دنیا ایک ادنیٰ درجہ کی چیز اور پھر ختم ہونے والی ہے خاص کر اپنی عمر تو بہت ہی جلد گذر جائے گی اور آخرت ایک شاندار چیز اور آنے والی ہے جس میں موت تو بہت ہی جلد آ کھڑی ہوگی پھر لگا تار یہ واقعات ہونا شروع ہو جائیں گے۔

گناہوں سے بچنا

عن ابی هريرة رضی الله عنه عن رسول الله صلی الله عليه وسلم ان العبد اذا اخطأ خطيئة نكت فی قلبه نكتة سوداءُ فاذا هو نزع واستغفر وتاب صقل فی قلبه وان عاد زيدت حتی يعلوا قلبه وهو الران الذی ذكر اللهُ كلا بل ران علی قلوبهم ما كانوا يكسبون.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن جب گناہ کرتا ہے اس کے دل پر ایک سیاہ دھبہ ہو جاتا ہے پھر اگر توبہ واستغفار کر لیا تو اس کا قلب صاف ہو جاتا ہے اور اگر (گناہ میں) زیادتی کی تو وہ (سیاہ دھبہ) اور زیادہ ہو جاتا ہے سو یہی ہے وہ زنگ جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے (اس آیت میں) فرمایا ہے۔ ہرگز ایسا نہیں (جیسا وہ لوگ سمجھتے ہیں) بلکہ ان کے دلوں پر ان کے اعمال (بد) کا زنگ بیٹھ گیا ہے۔ (احمد وترمذی وابن ماجہ)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے (ایک لانبی حدیث میں) روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے کو گناہ سے بچانا کیونکہ گناہ کرنے سے اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہو جاتا ہے۔ (احمد)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم کو تمہاری بیماری اور دوا

نہ بتلا دوں، سن لو کہ تمہاری بیماری گناہ ہیں اور تمہاری دوا استغفار ہے۔ (عین ترغیب از بیہقی والاشبہ انہ قول قتادۃ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دلوں میں ایک قسم کا زنگ لگ جاتا ہے (یعنی گناہوں سے) اور اس کی صفائی استغفار ہے۔ (بیہقی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک آدمی محروم ہو جاتا ہے رزق سے گناہ کے سبب جس کو وہ اختیار کرتا ہے۔ (عین جزاء الاعمال از مسند احمد غالباً)

فائدہ: ظاہر میں بھی محروم ہو جانا تو کبھی ہوتا ہے اور رزق کی برکت سے محروم ہو جانا ہمیشہ ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم دس آدمی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے آپ ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے، پانچ چیزیں ہیں میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں کہ تم لوگ ان کو پاؤ، جب کسی قوم میں بے حیائی کے افعال علی الاعلان ہونے لگیں گے وہ طاعون میں مبتلا ہوں گے اور ایسی بیماریوں میں گرفتار ہوں گے جو ان کے بڑوں کے وقت میں کبھی نہیں ہوئیں اور جب کوئی قوم ناپنے تولنے میں کمی کرے گی قحط اور تنگی اور ظلم حکام میں مبتلا ہوں گی، اور نہیں بند کیا کسی قوم نے زکوٰۃ کو مگر بند کیا جاوے گا ان سے بارانِ رحمت۔ اگر بہائم بھی نہ ہوتے تو کبھی ان پر بارش نہ ہوتی اور نہیں عہد شکنی کی کسی قوم نے مگر مسلط فرما دے گا اللہ تعالیٰ ان پر ان کے دشمن کو غیر قوم سے پس بجبر لے لیں گے وہ ان کے اموال کو۔ (عین جزاء الاعمال از ابن ماجہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب کسی قوم میں خیانت ظاہر ہوئی اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں رعب ڈال دیتا ہے اور جو قوم ناحق فیصلہ کرنے لگی ان پر دشمن مسلط کر دیا گیا۔ (مالک)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قریب زمانہ آ رہا ہے کہ کفار کی تمام جماعتیں تمہارے مقابلہ میں ایک دوسرے کو بلائیں گی جیسے کھانے والے اپنے خوان کی طرف ایک دوسرے کو بلاتے ہیں۔ ایک کہنے والے نے عرض کیا اور ہم اس روز (کیا) شمار میں کم ہوں گے؟ آپ نے فرمایا نہیں، بلکہ تم اس روز بہت ہو گے لیکن تم کوڑہ (اور ناکارہ) ہو گے جیسے رَو میں کوڑا آ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہاری ہیبت نکال دے گا اور تمہارے دلوں میں کمزوری ڈال دے گا۔ ایک کہنے والے نے عرض کیا کہ یہ کمزوری کیا چیز ہے (یعنی اس کا سبب کیا ہے؟) آپ نے فرمایا دنیا کی محبت اور موت سے نفرت۔ (ابوداؤد و بیہقی)

ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب اللہ تعالیٰ بندوں سے (گناہوں کا) انتقام لینا چاہتا ہے بچے بکثرت مرتے ہیں اور عورتیں بانجھ ہو جاتی ہیں۔ (عین جزاء الاعمال از ابن ابی الدنیا)

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، میں بادشاہوں کا مالک ہوں بادشاہوں کے دل میرے ہاتھ میں ہیں اور جب بندے میری اطاعت کرتے ہیں میں ان کے (بادشاہوں کے) دلوں کو ان پر رحمت اور شفقت کے ساتھ پھیر دیتا ہوں اور جب بندے میری نافرمانی کرتے ہیں میں ان بادشاہوں کے دلوں کو غضب اور عقوبت کے ساتھ پھیر دیتا ہوں پھر وہ ان کو سخت عذاب کی تکلیف دیتے ہیں۔ (آہ مختصراً) (ابونعیم)

حضرت وہب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ جب میری اطاعت کی جاتی ہے میں راضی ہوتا ہوں اور جب راضی ہوتا ہوں برکت کرتا ہوں اور میری برکت کی کوئی انتہا نہیں اور جب میری اطاعت نہیں ہوتی غضبناک ہوتا ہوں اور لعنت کرتا ہوں اور میری لعنت کا اثر سات پشت تک پہنچتا ہے۔ (عین جزاء الاعمال از احمد)

فائدہ: یہ مطلب نہیں کہ سات پشت پر لعنت ہوتی ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اسکے نیک ہونے سے جو اولاد کو برکت ملتی وہ نہ ملے گی۔

حضرت وکیع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ جب بندہ اللہ تعالیٰ کی بے حکمی کرتا ہے تو اس کی تعریف کرنے والا خود ہجو کرنے لگتا ہے۔ (عین جزاء الاعمال از احمد)

فائدہ: ان حدیثوں میں زیادہ تر مطلق گناہ کی خرابیاں مذکور ہیں، اب بعض بعض گناہوں کی خاص خاص خرابیاں بھی لکھی جاتی ہیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی سود کھانے والے پر اور اس کے لکھنے والے پر اور اس کے گواہ پر اور فرمایا یہ سب برابر ہیں (یعنی بعضی باتوں میں)۔ (مسلم)

بڑے گناہ

عن ابی موسی مرفوعا ان اعظم الذنوب عند اللہ ان یلقاہ بھا بعد الکبائر اللتی نھی عنھا ان یموت رجل وعلیہ دین لا یدع لہ قضاء.

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کبائر کے بعد سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ کوئی شخص مر جاوے اور اس پر دین (یعنی کسی کا حق مالی) ہو اور اس کے ادا کرنے کے لیے کچھ نہ چھوڑ جاوے۔ (اھ مختصراً احمد وابوداؤد)

گناہ ایسی چیز ہے کہ اگر اس میں سزا بھی نہ ہوتی تب بھی یہ سوچ کر اس سے بچنا ضروری تھا کہ اس کے کرنے سے اللہ تعالیٰ کی ناراضی ہو جاتی ہے اگر دنیا میں کوئی اپنے ساتھ احسان کرتا ہو اس کے ناراض کرنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ کے احسانات تو بندہ کے ساتھ بے شمار ہیں۔ اس کے ناراض کرنے کی کیسے ہمت ہوتی ہے اور اب تو سزا کا بھی ڈر ہے خواہ دنیا میں بھی سزا ہو جاوے یا صرف آخرت میں۔

چنانچہ دنیا میں ایک سزا یہ بھی ہے جو آنکھوں سے نظر آتی ہے کہ اس شخص کو دنیا سے رغبت اور آخرت سے وحشت ہو جاتی ہے اور اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اس سے دل کی مضبوطی اور دین کی پختگی جاتی رہتی ہے جیسا روح بست ویکم کے شروع مضمون سے بھی یہ صاف سمجھا جاتا ہے۔

تو اس حالت میں تو گناہ کے پاس بھی نہ پھٹکنا چاہیے خواہ دل کے گناہ ہوں خواہ ہاتھ پاؤں کے، خواہ زبان کے۔ پھر خواہ وہ اللہ تعالیٰ کے حقوق ہیں خواہ بندوں کے ہوں اور یہ سزا تو سب گناہوں میں مشترک ہے اور بعض بعض گناہوں میں خاص خاص سزائیں بھی آئی ہیں۔

حضرت ابی حرۃ رقاشی رضی اللہ عنہ اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سنو ظلم مت کرنا۔ سنو کسی کا مال حلال نہیں بدوں اس کی خوش دلی کے۔ (بیہقی ودارمی)

فائدہ: اس میں جیسے کھلم کھلا کسی کا حق چھین لینا یا مار لینا آ گیا۔ جیسے کسی کا قرض یا میراث کا حصہ وغیرہ دبا لینا، ایسے ہی جو چندہ دباؤ سے یا شرم ولحاظ سے لیا جاتا ہے وہ بھی آ گیا۔

حضرت سالم اپنے باپ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص (کسی کی) زمین سے بدوں حق

کہ ذراسی بھی لے لے(احمد کی ایک حدیث میں ایک بالشت آیا ہے)اسکو قیامت کے روز ساتوں زمین میں دھنسادیا جاوے گا۔(بخاری)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے رشوت دینے والے پر اور رشوت لینے پر (ابوداؤد وابن ماجہ وترمذی) اور ثوبان کی روایت میں یہ بھی زیادہ ہے اور (لعنت فرمائی ہے) اس شخص پر جو ان دونوں کے بیچ میں معاملہ ٹھہرانے والا ہو۔(احمد وبیہقی)

فائدہ:البتہ جہاں بدوں رشوت دیئے ظالم کے ظلم سے نہ بچ سکے وہاں دینا جائز ہے مگر لینا وہاں بھی حرام ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب اور جوئے سے منع فرمایا۔(ابوداؤد)

فائدہ:شراب میں سب نشہ کی چیزیں آ گئیں اور جوئے میں بیمہ ولاٹری وغیرہ سب آ گئی۔

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی سب چیزوں سے منع فرمایا ہے جو نشہ لاوے (یعنی عقل میں فتور لاوے) یا جو جواس میں فتور لاوے۔ (ابوداؤد)

فائدہ:اسمیں افیون بھی آ گئی اور بعضے حقے بھی آ گئے جن سے دماغ یا ہاتھ پاؤں بے کار ہو جاویں۔

حضرت ابو اُمامہ رضی اللہ عنہ سے (ایک لانبی حدیث میں) روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ کو میرے رب نے حکم دیا ہے باجوں کے مٹانے کا جو ہاتھ سے بجائے جاویں اور جو منہ سے بجائے جاویں۔ (احمد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دونوں آنکھوں کا زنا (شہوت سے) نگاہ کرنا ہے اور دونوں کانوں کا زنا (شہوت سے) باتیں سننا ہے اور زبان کا زنا (شہوت سے) باتیں کرنا ہے اور ہاتھ کا زنا (شہوت سے کسی کا ہاتھ وغیرہ) پکڑنا ہے اور پاؤں کا زنا (شہوت سے) قدم اُٹھا (کر جانا) ہے اور قلب کا (زنا یہ ہے کہ وہ خواہش کرتا ہے اور تمنا کرتا ہے۔ (مسلم)

فائدہ:اور لڑکوں کے ساتھ ایسی باتیں یا ایسے کام کرنا اس سے بھی زیادہ سخت گناہ ہے اور اس حدیث کے ساتھ اس سے پہلی حدیث کو ملا کر دیکھنا چاہیے کہ ناچ رنگ میں کتنے گناہ جمع ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بڑے بڑے گناہ یہ ہیں، اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا اور ماں باپ (کی نافرمانی کر کے ان) کو تکلیف دینا اور بے خطا جان کو قتل کرنا اور جھوٹی قسم کھانا۔ (بخاری)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اس حدیث میں بجائے اس کے جھوٹی گواہی دینا ہے۔(بخاری ومسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے (ایک لانبی حدیث میں) یہ چیزیں بھی ہیں۔یتیم کا مال کھانا اور (جنگجو کافر کی) جنگ کے وقت (جب شرع کے موافق جنگ ہو) بھاگ جانا اور پارسا ایمان والی بیبیوں کو جن کو ایسی بُری باتوں کی خبر بھی نہیں تہمت لگانا۔ (بخاری ومسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے (ایک لانبی حدیث میں) یہ چیزیں بھی ہیں۔زنا کرنا، چوری کرنا، ڈکیتی کرنا۔(بخاری ومسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار خصلتیں ہیں جس میں وہ چاروں ہیں وہ خالص منافق ہوگا اور جس میں ایک خصلت ہو اس میں نفاق کی ایک خصلت ہوگی جب تک اس کو چھوڑ نہ دے

گا (وہ خصلتیں یہ ہیں) جب اس کو امانت دی جائے خواہ مال ہو یا کوئی بات ہو، وہ خیانت کرے اور جب بات کہے جھوٹ بولے، اور جب عہد کرے اس کو توڑ ڈالے اور جب کسی سے جھگڑے تو گالیاں دینے لگے۔ (بخاری و مسلم) اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جب وعدہ کرے خلاف کرے۔

حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ سے (ایک لانبی حدیث میں) روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی حکم ارشاد فرمائے ان میں یہ بھی ہے کہ کسی بے خطا کو کسی حاکم کے پاس مت لے جاؤ کہ وہ اس کو قتل کرے (یا اس پر کوئی ظلم کرے) اور جادو مت کرو۔ (ترمذی وابوداؤد ونسائی)

اوران گناہوں پر عذاب کی وعیدیں آئی ہیں۔حقارت سے کسی کو ہنسنا، کسی پر طعن کرنا، بُرے لقب سے پکارنا، بدگمانی کرنا، کسی کا عیب تلاش کرنا، غیبت کرنا، بلا وجہ بُرا بھلا کہنا چغلی کھانا، دورویہ ہونا، یعنی اس کے منہ پر ایسا، اُس کے منہ پر ویسا، تہمت لگانا، دھوکا دینا، عار دلانا، کسی کے نقصان پر خوش ہونا، تکبر وفخر کرنا، ضرورت کے وقت باوجود قدرت کے مدد نہ کرنا، کسی کے مال کا نقصان کرنا، کسی کی آبرو پر صدمہ پہنچانا، چھوٹوں پر رحم نہ کرنا، بڑوں کی عزت نہ کرنا، بھوکوں ننگوں کی حیثیت کے موافق خدمت نہ کرنا، کسی دنیوی رنج سے بولنا چھوڑ دینا، جاندار کی تصویر بنانا، زمین پر موروثی کا دعویٰ کرنا، ہٹے کٹے کو بھیک مانگنا، ان امور کے متعلق آیتیں اور حدیثیں روح نہم ونوزدہم میں گذر چکی ہیں، ڈاڑھی منڈانا یا کٹانا کافروں کا یا فاسقوں کا لباس پہننا، عورتوں کے لیے مردانہ وضع بنانا جیسے مردانہ جوتا پہننا، ان کا بیان روح بست وپنجم میں آوے گا ان شاء اللہ تعالیٰ اور بہت سے گناہ ہیں نمونہ کے طور پر لکھ دیئے سب سے بچنا چاہیے اور جو گناہ ہو چکے ہیں ان سے توبہ کرتا رہے کہ توبہ سے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے اسکا کوئی گناہ ہی نہ تھا۔ (بیہقی مرفوعاً وشرح السنہ موقوفاً) البتہ حقوق العباد میں توبہ کی یہ بھی شرط ہے کہ اہل حقوق سے بھی معاف کرائے۔چنانچہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے ذمہ اس کے بھائی (مسلمان) کا کوئی حق ہو آبرو کا یا کسی چیز کا اس کو آج معاف کرالینا چاہیے اس سے پہلے کہ نہ دینار ہوگا نہ درہم ہوگا۔ (بخاری) (مراد قیامت کا دن ہے) بقیہ

اگر اس کے پاس کوئی نیک عمل ہوا تو بقدر اس کے حق کے اس سے لے لیا جاوے گا (اور صاحب حق کو دے دیا جاوے گا) اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہ ہوئیں تو دوسرے کے گناہ لے کر اس پر لاد دیئے جائیں گے۔ (عین جمع الفوائد از مسلم وترمذی)

فضائل صبر وشکر

عن ابی سعید رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم قال ما یصیب المسلم من نصب ولا وصب ولا هم ولا حزن ولا اذی ولا غم حتی الشوكة یشاكها الا كفر الله بها من خطایاهُ.

حضرت ابو ہریرہ وحضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی مسلمان کو کوئی مصیبت یا کوئی مرض یا کوئی فکر یا کوئی رنج یا کوئی تکلیف یا کوئی مصیبت یا کوئی غم نہیں پہنچتا یہاں تک کہ کانٹا جو

پُچھ جاوے مگر اللہ تعالیٰ ان چیزوں سے اس کے گناہ معاف فرماتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

انسان کو جو حالتیں پیش آتی ہیں خواہ اختیار ہوں خواہ غیر اختیاری، وہ دو طرح کی ہوتی ہیں یا تو طبیعت کے موافق ہوتی ہیں، ایسی حالت کو دل سے اللہ تعالیٰ کی نعمت سمجھنا اور اس پر خوش ہونا اور اپنی حیثیت سے اس کو زیادہ سمجھنا اور زبان سے اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنا اور اس نعمت کا گناہوں میں استعمال نہ کرنا یہ شکر ہے اور یا وہ حالتیں طبیعت کے موافق نہیں ہوتیں بلکہ نفس کو ان سے گرانی اور ناگواری ہوتی ہے ایسی حالت کو یہ سمجھنا کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں میری کوئی مصلحت رکھی ہے اور شکایت نہ کرنا اور اگر وہ کوئی حکم ہے تو اس پر مضبوطی سے قائم رہنا اور اگر وہ کوئی مصیبت ہے تو مضبوطی سے اس کی سہار کرنا اور پریشان نہ ہونا یہ صبر ہے اور چونکہ صبر زیادہ مشکل ہے اس لیے اس کا بیان شکر سے پہلے بھی کرتا ہوں اور زیادہ بھی کرتا ہوں۔ اول اس کے کثرت سے پیش آنے والے موقع بطور مثال کے بتلاتا ہوں پھر اس کے متعلق آیتیں اور حدیثیں لکھتا ہوں۔ وہ مثالیں یہ ہیں مثلاً نفس دین کے کاموں سے گھبراتا ہے اور بھاگتا ہے یا گناہ کے کاموں کا تقاضا کرتا ہے خواہ نماز روزہ سے جی چراتا ہے یا حرام آمدنی کو چھوڑنے سے یا کسی کا حق دینے سے ہچکچاتا ہے، ایسے وقت ہمت کرکے دین کے کام کو بجالاوے اور گناہ سے رُکے اگرچہ دونوں جگہ کسی قدر تکلیف ہی ہو۔ کیونکہ بہت جلدی اس تکلیف سے زیادہ آرام اور مزہ دیکھے گا اور مثلاً اس پر کوئی مصیبت پڑ گئی خواہ فقر وفاقہ کی، خواہ بیماری کی، خواہ کسی کے مرنے کی، خواہ کسی دشمن کے ستانے کی، خواہ مال کے نقصان ہو جانے کی، ایسے وقت میں مصیبت کی مصلحتوں کو یاد کرے اور سب سے بڑی مصلحت ثواب ہے جس کا مصیبت پر وعدہ کیا گیا ہے اور اس مصیبت کا بلا ضرورت اظہار نہ کرے اور دل میں ہر وقت اس کی سوچ بچار نہ کرے اس سے ایک خاص سکون پیدا ہو جاتا ہے البتہ اگر اس مصیبت کی کوئی تدبیر ہو جیسے حلال مال کا حاصل کرنا یا بیماری کا علاج کرنا یا کسی صاحب قدرت سے مدد لینا یا شریعت سے تحقیق کرکے بدلہ لے لینا یا دعا کرنا اس کا کچھ مضائقہ نہیں اور مثلاً دین کے کام میں کوئی ظالم روک ٹوک کرے یا دین کو ذلیل کرے، وہاں جان کو جان نہ سمجھے مگر قانون عقلی اور قانونِ شرعی کے خلاف نہ کرے۔ یہ صبر کی ضروری مثالیں ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے (ایک لانبی حدیث میں) روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی ایسا شخص نہیں جو طاعون واقع ہونے کے وقت اپنی بستی میں صبر کیے ہوئے ثواب کی نیت کیے ہوئے ٹھہرا رہے اور یہ اعتقاد رکھے کہ وہی ہوگا جو اللہ تعالیٰ نے (تقدیر میں) لکھ دیا ہے مگر ایسے شخص کو شہید کے برابر ثواب ملے گا۔ (بخاری)

اگرچہ مرے نہیں اور مرنے میں بڑے درجہ کی شہادت ہے۔ (مسلم وغیرہ)

فائدہ: لیکن گھر بدلنا یا محلّہ بدلنا یا اسی بستی کے جنگل میں چلا جانا اکثر علماء کے نزدیک جائز ہے بشرطیکہ بیماروں اور مُردوں کے حقوق ادا کرتا رہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب میں اپنے بندہ کو اس کی دو پیاری چیزوں (کی مصیبت) میں مبتلا کردوں اس سے مراد دو آنکھیں ہیں جیسا راوی نے یہی تفسیر اسی

حدیث میں کی ہے یعنی اس کی آنکھیں جاتی رہیں) پھر وہ صبر کرے، میں ان دونوں کے عوض میں اس کو جنت دوں گا۔ (بخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے مؤمن بندہ کیلئے جب کہ میں دنیا میں رہنے والوں میں سے اسکے کسی پیارے کی جان لے لوں پھر وہ اس کو ثواب سمجھے (اور صبر کرے تو ایسے شخص کیلئے) میرے پاس جنت کے سوا کوئی بدلہ نہیں۔ (بخاری)

فائدہ: وہ پیارا خواہ اولاد ہو یا بی بی ہو یا شوہر ہو یا اور کوئی رشتہ دار ہو یا دوست ہو۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کسی بندہ کا بچہ مر جاتا ہے اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے تم نے میرے بندہ کے بچہ کی جان لے لی، وہ کہتے ہیں ہاں، پھر فرماتا ہے میرے بندہ نے کیا کہا۔ وہ کہتے ہیں آپ کی حمد (وثناء) کی اور انا للہ و انا الیہ رجعون کہا۔ پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندہ کے لیے جنت میں ایک گھر بناؤ اور اس کا نام بیت الحمد رکھو۔ (احمد وترمذی)

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے (ایک لانبی حدیث میں) روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین شخص ہیں جن سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے اور ان کی طرف متوجہ ہو کر ہنستا ہے (جیسا اس کی شان کے لائق ہے) اور ان کی حالت پر خوش ہوتا ہے (ان تین میں) ایک وہ (بھی) ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے جان دینے کو تیار ہو گیا (جہاں اس کی شرطیں پائی جاویں) پھر خواہ جان جاتی رہی اور خواہ اللہ تعالیٰ نے اس کو غالب کر دیا اور اس کی طرف سے کافی ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے اس بندہ کو دیکھو میرے لیے کس طرح اپنی جان کو صابر بنا دیا۔ (اھ مختصراً عین ترغیب از طبرانی)۔ یہ صبر کا بیان ہو چکا اب کچھ شکر کا بیان کرتا ہوں اور یہ شکر جس طرح خود اپنی ذات میں بھی ایک عبادت ہے اسی طرح اس میں ایک یہ بھی خاصیت ہے کہ اس سے ایک دوسری عبادت یعنی صبر آسان ہو جاتا ہے عقلی طور سے بھی اور طبی طور سے بھی۔ عقلی طور سے تو اس طرح کہ جب اللہ کی نعمتوں کے سوچنے کی اور ان پر خوش ہونے کی (جو کہ شکر میں لازم ہے) عادت پختہ ہو جائے گی تو مصیبت وغیرہ کے وقت یہ بھی سوچے گا کہ جس ذات پاک کے اتنے احسانات ہوتے رہتے ہیں اگر اس کی طرف سے کوئی تکلیف بھی پیش آ گئی اور وہ بھی ہماری ہی مصلحت اور ثواب کے لیے (جیسا اوپر حدیثوں سے معلوم ہوا) تو اس کو خوشی سے برداشت کرنا چاہیے، جیسے دنیا میں اپنے محسنوں کی سختیاں خوشی سے گوارا کر لی جاتی ہیں۔ خاص کر جب بعد میں انعام بھی ملتا ہو اور طبعی طور پر اس طرح کہ نعمتوں کے سوچنے سے اللہ تعالیٰ کی محبت ہو جائے گی اور جس سے محبت ہوتی ہے اس کی سختی ناگوار نہیں ہوتی جیسا دنیا میں عاشق کو اپنے معشوق کی سختیوں میں خاص لطف آتا ہے۔ آگے اس شکر کے متعلق آیتیں اور حدیثیں آتی ہیں۔

فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھ کو یاد کرو میں تم کو (رحمت سے) یاد کروں گا اور میرا شکر کرو اور ناشکری نہ کرو۔ (بقرہ۔ آیت ۱۵۲)

فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور ہم بہت جلد جزا دیں گے شکر کرنے والوں کو۔ (آل عمران، آیت ۱۴۵)

فرمایا اللہ تعالیٰ نے اگر تم (میری نعمتوں کا) شکر کرو گے میں تم کو زیادہ نعمت دوں گا (خواہ دنیا میں بھی یا آخرت میں تو ضرور) اور اگر تم ناشکری کرو گے تو (یہ سمجھ رکھو کہ) میرا عذاب بڑا سخت ہے (ناشکری میں اس کا احتمال ہے)۔ (ابراہیم، آیت ۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار چیزیں ایسی ہیں کہ وہ جس شخص کو مل گئیں اس کو دنیا و آخرت کی بھلائیں مل گئیں، دل شکر کرنے والا اور زبان ذکر کرنے والی اور بدن جو بلا پر صابر ہو اور بیوی جو اپنی جان اور شوہر کے مال میں اسے خیانت نہیں کرنا چاہتی۔ (بیہقی)

خلاصہ: کوئی وقت خالی نہیں کہ انسان پر کوئی نہ کوئی حالت نہ ہوتی ہو، خواہ طبیعت کے موافق خواہ طبیعت کے خلاف اول حالت پر شکر کا حکم ہے، دوسری حالت پر صبر کا حکم ہے، تو صبر و شکر ہر وقت کے کرنے کے کام ہوئے۔

مسلمانو! اس کو نہ بھولنا، پھر دیکھنا ہر وقت کیسی لذت و راحت میں رہو گے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم کو ایسی چیزیں نہ بتلاؤں جن سے اللہ تعالیٰ گناہوں کو مٹاتا ہے اور درجوں کو بڑھاتا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا ضرور بتلایئے یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا وضو کا کامل کرنا ناگواری کی حالت میں (کہ کسی وجہ سے وضو کرنا مشکل معلوم ہوتا ہے مگر پھر ہمت کرتا ہے) اور بہت سے قدم ڈالنا مسجدوں کی طرف (یعنی دور سے آنا یا بار بار آنا) اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا۔ (مسلم و ترمذی)

فائدہ: ایسے وقت وضو کرنا صبر کی ایک مثال ہے۔

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ کو میرے دلی محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) نے وصیت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کیساتھ کسی چیز کو شریک مت کرنا اگرچہ تیری بوٹیاں کاٹ دی جاویں اور تجھ کو (آگ میں) جلا دیا جاوے۔ (ابن ماجہ)

فائدہ: ایسے وقت ایمان پر قائم رہنا صبر کی ایک مثال ہے اور کسی ظالم کی زبردستی کے وقت جو ایسی بات یا ایسا کام شرع سے معاف ہے وہ شرک و کفر میں داخل نہیں کیونکہ دل تو ایمان سے بھرا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو ایک لشکر پر سردار بنا کر دریا کے (سفر) میں بھیجا ان لوگوں نے اسی حالت میں اندھیری رات میں کشتی کا بادبان کھول رکھا تھا (اور کشتی چل رہی تھی) اچانک ان کے اوپر سے کسی پکارنے والے نے پکارا اے کشتی والو! ٹھہرو، میں تم کو اللہ تعالیٰ کے ایک حکم کی خبر دیتا ہوں جو اس نے اپنی ذات پر مقرر کر رکھا ہے، حضرت ابو موسیٰ نے کہا! اگر تم کو خبر دینا ہے تو ہم کو خبر دو۔ اس پکارنے والے نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پر یہ بات مقرر کر لی ہے کہ جو شخص گرمی کے دن میں (روزہ رکھ کر) اپنے کو پیاسا رکھے گا اللہ تعالیٰ اس کو پیاس کے دن (یعنی قیامت میں جب پیاس کی شدت ہوگی) سیراب فرماوے گا۔ (عین ترغیب از بزار)

فائدہ: یہ بھی صبر کی ایک مثال ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص قرآن پڑھتا ہو اور اس میں اٹکتا ہو اور وہ اس کو مشکل لگتا ہو اس کو دو ثواب ملیں گے۔ (بخاری و مسلم)

فائدہ: یہ بھی صبر کی ایک مثال ہے اور یہ پوری حدیث روح سوم نمبر ۳ میں گذر چکی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب میں زیادہ پیارا عمل

وہ ہے جو ہمیشہ ہو اگر چہ تھوڑا ہی ہو۔ (بخاری ومسلم)

فائدہ: ظاہر ہے کہ اسطرح ہمیشہ نباہنے میں ضرور کسی نہ کسی وقت نفس کو دشواری ہوتی ہے اسلئے یہ بھی صبر کی ایک مثال ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوزخ گھیری ہوئی ہے (حرام) خواہشوں کے ساتھ اور جنت گھیری ہوئی ہے ناگوار چیزوں کیساتھ۔ (مسلم)

فائدہ: جو عبادتیں نفس پر دشوار ہیں اور جن گناہوں سے بچنا دشوار ہے اس میں سب آ گئے۔

اسلامی اوصاف

عن سهل بن سعد ن الساعدی رضی الله عنه ان النبی صلی الله علیه وسلم قال الاناة من الله و العجلة من الشیطان

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اطمینان کے ساتھ کام کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جلدی کرنا شیطان کی طرف سے ہے۔ (ترمذی)

فائدہ: ظاہر ہے کہ مشورہ میں جلد بازی کا انسداد ہے اور یہ ان ہی امور میں ہے جس میں دیر کی گنجائش ہے اور دین کا بھی فائدہ ہے کہ شریعت میں اس کی فضیلت آئی ہے۔ چنانچہ

فرمایا اللہ تعالیٰ نے (اے پیغمبر) ان (صحابہ) سے خاص خاص باتوں میں مشورہ لیتے رہا کیجئے۔

پھر (مشورہ لینے کے بعد) جب آپ (ایک جانب) رائے پختہ کرلیں (خواہ وہ ان کے مشورہ کے موافق ہو یا مخالف ہو) سو اللہ تعالیٰ پر اعتماد (کر کے اسی کام کو کر ڈالا) کیجئے بے شک اللہ تعالیٰ ایسے اعتماد کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے۔ (آل عمران، آیت ۱۵۹)

فائدہ: خاص خاص باتوں سے مراد وہ امور ہیں جن میں وحی نازل نہ ہوئی ہو اور مہتم بالشان بھی ہوں یعنی معمولی نہ ہوں کیوں کہ وحی کے بعد اس کی گنجائش نہیں اور معمولی کاموں میں مشورہ منقول نہیں۔ جیسے دو وقت کا کھانا وغیرہ۔

فرمایا اللہ تعالیٰ نے عام لوگوں کی سرگوشیوں میں خیر (یعنی ثواب اور برکت) نہیں ہوتی، ہاں مگر جو لوگ ایسے ہیں کہ (خیر) خیرات کی یا اور کسی نیک کام کی یا لوگوں میں باہم اصلاح کر دینے کی ترغیب دیتے ہیں اور اس تعلیم و ترغیب کی تکمیل و انتظام کے لیے تدبیریں اور مشورہ کرتے ہیں ان کی سرگوشی میں البتہ خیر یعنی ثواب و برکت ہے۔ (نساء، آیت ۱۱۴)

فائدہ: اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض اوقات مشورہ خفیۃً ہی مصلحت ہے۔

فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور ان (مؤمنین کا ہر) کام (جو قابل مشورہ ہو جس کا بیان اوپر آچکا ہے) آپس کے مشورہ سے ہوتا ہے۔ (شوریٰ آیت ۳۸)

فائدہ: مشورہ پر مؤمنین کی مدح فرمانا مشورہ کی مدح کی صاف دلیل ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے (ایک طویل حدیث میں) روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (واقعہ بدر میں جانے کے متعلق صحابہ سے) مشورہ فرمایا۔ (عین مسلم)

حضرت میمون بن مہران رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (کسی مقدمہ میں جب) حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو (قرآن

وحدیث میں حکم نہ ملتا تو) بڑے لوگوں کو اور نیک لوگوں کو جمع کر کے ان سے مشورہ لیتے جب ان کی رائے متفق ہو جاتی تو اس کے موافق فیصلہ فرماتے۔ (عین حکمت بالغہ عن ازالۃ الخفاء عن الدارمی)

فائدہ: رائے کا متفق ہونا عمل کی شرط نہیں۔ (لعزمہ علی قتال مانعی الزکوٰۃ مع اختلاف الجماعۃ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اہل مشورہ علماء ہوتے تھے خواہ بڑی عمر کے ہوں یا جوان ہوں۔ (عین بخاری)

فائدہ: اخیر کی تین حدیثوں سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا معمول تھا مشورہ لینے کا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص اپنے (مسلمان) بھائی سے مشورہ لینا چاہے تو اس کو مشورہ دینا چاہیے (عین ابن ماجہ)

اب مشورہ کے کچھ آداب ذکر کیے جاتے ہیں۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی معرکہ کا ارادہ فرماتے تو اکثر دوسرے واقعہ کا پردہ فرماتے۔ (بخاری)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ جس مشورہ کا ظاہر کرنا مضر ہو اس کو ظاہر نہ کرنا چاہیے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجلسیں امانت کے ساتھ ہیں (یعنی کسی مجلس میں کسی معاملہ کے متعلق کچھ باتیں ہوں ان کو باہر ذکر نہ کرنا چاہیے۔ اس میں مشورہ کی مجلس بھی آ گئی) مگر تین مجلسیں۔ (ابوداؤد)

فائدہ: ان تین مجلسوں کا حاصل یہ ہے کہ کسی کی جان یا مال یا آبرو لینے کا مشورہ یا تذکرہ ہو اس کو چھپانا جائز نہیں اور جب خاص آدمی کے ضرر کے شبہ میں ظاہر کرنا گناہ ہے تو جس کے ظاہر کرنے میں عام مسلمانوں کا ضرر ہو اس کا ظاہر کرنا تو اور زیادہ گناہ ہوگا۔ چنانچہ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے بدنیتی سے نہیں بلکہ غلط فہمی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ایسا ہی راز کفار مکہ کو پہنچا دیا تھا، اس پر سورہ ممتحنہ کی شروع کی آیتوں میں تنبیہ کی گئی۔ (عین درمنثور از کتب حدیث) بلکہ جس معاملہ کا بھی تعلق عام مسلمانوں سے ہو اگرچہ اس کے ظاہر کرنے میں کوئی نقصان بھی معلوم نہ ہوتا ہو تب بھی بجز ان لوگوں کے جو عقل اور شرع کے موافق اس معاملہ کو ہاتھ میں لیے ہوئے ہیں عام لوگوں کو اس کا ظاہر کرنا نہ چاہیے کیونکہ ممکن ہے کہ اس کے نقصان کی طرف اس شخص کی نگاہ نہ پہنچی ہو۔ چنانچہ

فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور جب ان لوگوں کو کسی امر (جدید) کی خبر پہنچتی ہے خواہ (وہ امر موجب) امن ہو یا (موجب) خوف تو اس (خبر) کو فوراً مشہور کر دیتے ہیں (اس میں ایسے اخبار اور ایسے جلسے بھی آ گئے حالانکہ کبھی وہ غلط ہوتے ہیں کبھی ان کا مشہور کرنا خلاف مصلحت ہوتا ہے) اور اگر (بجائے خود مشہور کرنے کے) یہ لوگ اس (خبر) کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے) کے اوپر اور جوان میں ایسے امور کو سمجھتے ہیں (یعنی اکابر صحابہ ان کی رائے) کے اوپر حوالے رکھتے (اور خود کچھ دخل نہ دیتے) تو اس کو وہ حضرات پہچان لیتے جو ان میں تحقیق کر لیا کرتے ہیں۔ (پھر جیسا یہ حضرات عملدرآمد کرتے ویسا ہی ان خبر اڑانے والوں کو کرنا چاہیے تھا)۔ (نساء، آیت ۸۳)

فائدہ: اور اس آیت سے اکثر اخباروں کا خلاف حدود ہونا معلوم ہو گیا البتہ جو اخبار حدود کے اندر ہوں ان کا مفید ہونا اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

حضرت ابن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ سے (ایک لانبی حدیث میں) روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے حالات کی تلاش رکھتے تھے اور (خاص) لوگوں سے پوچھتے رہتے کہ (عام) لوگوں میں کیا واقعات (ہورہے) ہیں۔ (عین شمائل ترمذی)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم کو ایسی چیز کی خبر نہ دوں جو (اپنے بعض آثار کے اعتبار سے) روزہ اور صدقہ (زکوٰۃ) اور نماز کے درجہ سے بھی افضل ہے لوگوں نے عرض کیا ضرور خبر دیجئے آپ نے فرمایا وہ آپس کے تعلقات کو درست رکھنا ہے اور آپس کا بگاڑ (دین کو) مونڈ دینے والی چیز ہے۔ (ابوداؤد و ترمذی) اور جن باتوں سے اتفاق پیدا ہوتا ہے یا اتفاق قائم رہتا ہے یعنی آپس کے حقوق کا خیال رکھنا اور جن سے نا اتفاقی ہوتی ہے یعنی آپس کے حقوق میں کوتاہی کرنا ان کا بیان روح نہم میں ہو چکا ہے صفائی معاملہ وحسن معاشرت۔

جن لوگوں کو دین کا تھوڑا سا بھی خیال ہے وہ پہلی بات کا یعنی صفائی معاملہ کا تو کچھ خیال کرتے بھی ہیں اور اس کو دین کی بات بھی سمجھتے ہیں اور مسائل نہ جاننے سے کچھ کوتاہی ہو جائے تو اور بات ہے اس کا آسان علاج یہ ہے کہ میرا رسالہ صفائی معاملات اور پانچواں حصہ بہشتی زیور کا دیکھ لیں یا سن لیں جو معاملہ پیش آیا کرے اس کا حکم کسی عالم سے پوچھ لیا کریں اور اگر خود کوئی خیال نہیں کرتا تو دوسرا شخص جس کا حق ہے وہ تقاضا کر کے اس کے کان کھول دیتا ہے اس لیے اس جگہ اس کے لکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ لیکن دوسری چیز یعنی حسن معاشرت کا بہت سے دین دار لوگ بھی خیال نہیں کرتے بلکہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ محض دنیا کا ایک انتظام ہے اس کا دین سے کچھ تعلق نہیں اس لیے اس کی کچھ پروا نہیں کرتے۔ اس کے متعلق کچھ آیتیں اور حدیثیں لکھتا ہوں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری باری کی رات میں (اول) بستر پر لیٹ گئے پھر اتنا ہی توقف فرمایا کہ آپ نے یہ سمجھا کہ میں سو گئی سو اپنا چادرہ آہستہ سے لیا اور نعلِ مبارک آہستہ سے پہنے اور دروازہ آہستہ سے کھولا اور باہر تشریف لے گئے پھر دروازہ آہستہ سے بند کر دیا (اور بقیع میں تشریف لے گئے) اور (واپسی پر اس کی وجہ میں یہ) فرمایا کہ میں یہ سمجھا کہ تم سو گئیں اور میں نے تمہارا جگانا پسند نہیں کیا اور مجھ کو یہ اندیشہ ہوا کہ تم جاگ کر اکیلی گھبراؤ گی۔ الخ (عین مسلم)

فائدہ: حدیث میں صاف مذکور ہے کہ آپ نے سب کام اس لیے آہستہ کیے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو تکلیف نہ ہو خواہ جاگنے کی وجہ سے خواہ صرف گھبرانے کی۔

حضرت مقداد رضی اللہ عنہ سے (ایک لانبی حدیث میں) روایت ہے کہ ہم تین آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان تھے اور آپ ہی کے یہاں مقیم تھے بعد عشاء آ کر لیٹ رہتے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دیر سے تشریف لاتے تو چونکہ مہمانوں کے سونے جاگنے دونوں کا احتمال ہوتا تھا اس لیے سلام تو فرماتے کہ شاید جاگتے ہوں مگر ایسا آہستہ فرماتے کہ اگر جاگتے ہوں تو سن لیں اور اگر سوتے ہوں تو آنکھ نہ کھلے۔ (عین مسلم بحاصلہ)

نو صفات

قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْاِخْلَاصِ فِى السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ وَالْعَدْلِ فِى الرِّضَا وَالْغَضَبِ وَالْقَصَدِ فِى الْغِنٰى وَالْفَقْرِ وَ اَنْ اَعْفُوْ عَمَّنْ ظَلَمَتِىْ وَاَصِلَ مَنْ قَطَعَنِىْ وَاُعْطِىْ مَنْ حَرَمَنِىْ وَاَنْ يَّكُوْنَ نُطْقِىْ ذِكْرًا وَصَمْتِىْ فِكْرًا وَنَظْرِىْ عِبْرَةً.

مجھ کو میرے رب نے نو باتوں کا حکم فرمایا ہے۔(۱) اخلاص کا حکم دیا ہے پوشیدہ طور پر بھی، ظاہر میں بھی (۲) عدل وانصاف کا حکم دیا ہے خوشی کی حالت میں بھی اور غضب کی حالت میں بھی (۳) اعتدال اور میانہ روی کا حکم دیا ہے مالداری کی حالت میں بھی اور ناداری کی حالت میں بھی (۴) اور یہ حکم دیا ہے کہ جو میرے ساتھ زیادتی کرے اسے معاف کردوں (۵) اور جو مجھ سے قطع تعلق کرے اس سے جوڑ کر رہوں (۶) جو مجھے محروم رکھے میں اسے محروم نہ رکھوں بلکہ اسے عطا کروں (۷) میری گویائی اور میرا بولنا اللہ تعالیٰ کا ایک ذکر رہے (۸) میری خاموشی اللہ کی فکر میں گزرے (۹) اور میری ہر نظر نظر عبرت رہے۔ (اخرجہ ابن الاثیر فی جامع الاصول وفی المشکوٰۃ والقرطبی عن رزین)

تشریح: حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صرف نو کی گنتی فرمائی۔ اس کے ساتھ معدود کے لئے کوئی لفظ نہیں فرمایا ہے۔ بعد میں ذکر ہونے والی نو باتیں معدود ہیں۔ جن کی تفصیل اس طرح فرمائی ہے۔

(۱) پہلی چیز اخلاص ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت وبندگی صرف اللہ تعالیٰ ہی کیلئے کی جائے اسکے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ کیا جائے۔

(۲) دوسری چیز عدل وانصاف ہے۔ انسان کو چاہئے کہ خوشی کی حالت ہو یا غصہ وغضب کی حالت ہو ہر حال میں عدل وانصاف ملحوظ رکھے۔ عدل کا مطلب یہ ہے کہ کسی پر ظلم وزیادتی نہ ہو چاہے وہ کوئی بھی بات ہو اور کوئی بھی فیصلہ ہو۔ اور چاہے خوشی میں ہو یا غضب کی حالت میں ہو۔ عدل وانصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے۔

(۳) تیسری بات یہ ہے کہ اعتدال ومیانہ روی ہر بات اور ہر معاملہ میں اختیار کی جائے۔

(۴) جو کوئی ظلم وزیادتی کرے اس سے بدلہ نہ لیا جائے۔ بلکہ اسے معاف کر دیا جائے۔

(۵) جو شخص تم سے قطع تعلق کرے اس سے مل کر اور جوڑ کر رہو۔

(۶) جو شخص تم کو محروم رکھے تم اسے دیتے رہو، تم اسے محروم نہ کرو۔

یہ چھ باتیں اور ہدایتیں مکارِ اخلاق کی تعلیم پر مشتمل ہیں۔

(۷) ساتویں بات یہ ہے کہ مسلمان کی گویائی وتکلم (اس کا بولنا) صرف اللہ کے ذکر میں ہونا چاہئے۔ اس کی ہر بات اور اس کے ہر کلام کی روح اور جان اللہ تعالیٰ کا ذکر ہی ہونا چاہئے۔

(۸) آٹھویں بات یہ ہے کہ اس کا سکوت بھی یونہی اور بیکار نہ ہو بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی خلقت ومخلوقات میں اس کی قدرت ومصنوعات کی فکر میں صرف ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات کو کس طرح راضی وخوش کر سکتا ہے؟

(۹) نویں بات یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات ومصنوعات پر جب نظر کرے تو وہ نظر عبرت ہو۔ اس سے عبرت حاصل کرے اور اس پر غور کرے کہ وہ خود کس طرح صلاح وفلاح حاصل کر سکتا ہے؟

ایمان اور استقامت

حضرت عبداللہ ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے اسلام کے بارے میں کوئی ایک ایسی بات بتا دیجئے کہ میں پھر اسلام کے بارے میں آپ کے بعد کسی اور سے کچھ نہ پوچھوں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ ثُمَّ اسْتَقِمْ.

یہ کہہ دو کہ میں اللہ تعالیٰ پر کامل ایمان لے آیا۔اور پھر اسی بات پر ثابت قدم رہو۔اسی پر استقامت کرو،(اپنی زندگی میں کوئی ایسی بات نہ کرو جو اس اعلان کے خلاف ہو) (مسلم شریف)

تشریح: آج کی زیر درس حدیث میں یہ چند باتیں تشریح طلب ہیں:۔

(۱) سائل (یعنی حضرت عبداللہ ثقفیؓ) نے آپ کے نام کی جگہ ''یا رسول اللہ'' کہہ کر آپ کو مخاطب کیا ہے۔اس میں دو باتیں ملحوظ ہیں ایک تو یہ کہ اس عنوان سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ وہ صاحب ایمان مسلمان ہیں، اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں۔دوسری بات کہ اس طرح قرآن مجید کی اس ممانعت کی تعمیل بھی ہوگئی جس میں آپ کا نام نامی لے کر آپ کو مخاطب کرنے سے روکا ہے۔سائل نے بھی یہی کیا کہ آپ کے نام کی جگہ ''یا رسول اللہ'' کہا۔خود اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن مجید میں آپ کو متعدد جگہ مخاطب کیا ہے،لیکن ''یا محمد'' کہہ کر خطاب نہیں کیا ہے بلکہ ''یاایُّھَا النّبی''اور''یاایھا الرسول'' کہہ کر مخاطب کیا ہے۔

(۲) پوچھنے والے نے ''فی الاسلام'' (اسلام کے بارے میں) سوال کیا ہے جس سے مراد شریعت اسلامی ہے جس کی روشنی میں مسلمان اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی کرتے ہیں،یعنی اسلامی عقائد و عبادات، احکام و آداب اور اخلاق وغیرہ۔

(۳) ان سائل صحابی نے یہ بات کیوں کہی کہ پھر آپ کے بعد کسی اور سے کچھ نہ پوچھو؟ یہ اسلئے کہ آپ مجھے ایسی ہی بات بتائیں جو میری نجات دوزخ اور داخلہ جنت کے لئے کافی ہو جائے۔

(۴) اس سوال کے جواب میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ مختصر اور کافی جواب ایسا ہے کہ یہ جواب بجائے خود آپ کا اعجاز ہے۔آپ نے فرمایا کہ ایمان لاؤ اور اس کا برملا اظہار بھی کرو اور پھر اس پر استقامت بھی رکھو۔کیونکہ ایمان تین باتوں کا مجموعہ ہے۔دل سے اعتقاد ہو، زبان سے اقرار اور ارکان جسم سے اس پر عمل بھی ہو۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سائل کو یہ جواب دیتے وقت اللہ تعالیٰ کا یہ قول جو سورۂ فصلت اور سورہ احقاف میں آیا ہے۔اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا '' اپنے پیش نظر رکھی ہے۔

صلہ رحمی

یَقُوْلُ اللّٰہُ تَعَالٰی، اَنَا الرَّحْمٰنُ وَھٰذِہِ الرَّحِمُ شَقَقْتُ لَھَا اِسْمًا مِنْ اِسْمِیْ فَمَنْ وَصَلَھَا وَصَلْتُہٗ وَمَنْ قَطَعَھَا قَطَعْتُہٗ.

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میں رحمٰن ہوں، اور میں نے اس رحم (صلہ رحمی) کے لئے اپنے اسی نام سے مشتق کر کے ایک نام مقرر کر دیا ہے۔تو جو شخص صلہ رحمی کرتا ہے ''رحم'' کے تعلق کو جوڑ کر رہتا ہے تو میں اس سے جوڑ کر رہتا ہوں اور جو اسے

توڑتا ہے میں اس سے قطع تعلق کر لیتا ہوں۔ (رواہ احمد وابوداؤد والترمذی)

تشریح: یہ حدیث حدیث قدسی ہے (حدیث قدسی اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف منسوب فرما کر کوئی ارشاد نقل فرمائیں)

اس حدیث میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات خاص کے لئے ایک نام ''رحمٰن'' بتایا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں بھی فرمایا ہے '' هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ '' حدیث زیردرس کی تشریح بخاری شریف کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا جب مخلوق کا خلق ہو چکا تو ''رحم'' کھڑا ہو گیا اور بولا کہ میرا یہ قیام ''قطعِ رحم'' سے محفوظ رہنے کی خاطر آپ کی پناہ حاصل کرنے کے لئے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہاں ہاں! تمہاری بات منظور ہے۔ کیا تو اس پر راضی ہے کہ میں یہ اعلان کر دوں کہ جو تجھے جوڑے گا میں اس سے جوڑوں گا، اور جو تجھے قطع کرے گا میں اس سے قطع تعلق کرلوں گا۔ رحم نے کہا، ہاں ہاں یہی ہونا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمادیا، تجھے یہی مقام دے دیا گیا ہے۔ ایسا ہی ہوگا۔ لہذا مبارک ہیں وہ لوگ جو قطع رحمی سے بچتے اور صلہ رحمی اختیار کرتے ہیں۔ صلہ رحمی ان مندرجہ ذیل باتوں سے برقرار و پائیدار ہوتی ہے۔

(۱) تکلیف وایذ ارسانی کو روکنا۔

(۲) اکرام واحترام کا برتاؤ کرنا۔

(۳) حسن سلوک وخیر خواہی، دادودہش کرتے رہنا۔

قطع رحمی ان باتوں کیوجہ سے ہوتی ہے۔ ان سے احتراز کیا جائے۔

(۱) زبان یا ہاتھ سے تکلیف پہنچانا۔

(۲) اہانت و بے حرمتی و بے عزتی کرنا۔

(۳) حسن سلوک، خیر خواہی، دادودہش نہ کرنا۔

سچائی اختیار کرنا

قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ فَإِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِىْ اِلَى الْبِرِّ وَاِنَّ الْبِرَّ يَهْدِىْ اِلَى الْجَنَّةِ وَلَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَصْدُقُ وَيَتَحَرَّى الصِّدْقَ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ صِدِّيْقًا، وَاِيَّاكُمْ وَالْكِذْبَ فَاِنَّ الْكِذْبَ يَهْدِىْ اِلَى الْفُجُوْرِ وَ اِنَّ الْفُجُوْرَ يَهْدِىْ اِلَى النَّارِ وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَكْذِبُ وَيَتَحَرَّى الْكِذْبَ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ كَذَّابًا .

تم لوگ سچائی کو لازمی طور پر اختیار کرو کیونکہ سچائی نیکی کی راہ دکھاتی ہے اور نیکی جنت تک پہنچاتی ہے، اگر آدمی برابر سچ بولتا رہتا ہے اور سچائی کے مواقع تلاش کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ''صدیق'' (بہت سچا) لکھ دیا

جاتا ہے اور تم لوگ جھوٹ سے اپنے آپ کو بچاتے رہو، ہرگز جھوٹ نہ بولو کیونکہ جھوٹ برائی کا راستہ دکھاتا ہے۔ اور برائی دوزخ تک پہنچا دیتی ہے۔ آدمی برابر جھوٹ بولتا رہتا ہے اور جھوٹ کے مواقع تلاش کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ''کذاب'' (پکا جھوٹا) لکھ دیا جاتا ہے۔ (مسلم شریف)

تشریح: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ''عَلَیْکُمْ بِالصِّدْقِ'' فرما کر سچائی کو لازمی طور پر اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ یعنی سچائی کو اپنے لئے اس طرح لازم کرلو کہ نہ تم سچائی کو چھوڑو اور نہ سچائی تم کو چھوڑے، دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہو جاؤ۔ اپنی نیت، اپنے قول، اپنے عمل ہر بات میں ظاہری طور پر بھی اور باطن میں بھی سچے بن کر رہو کہ صادقین میں تمہارا نام درج ہو جائے۔ دنیا میں بھی سب تم کو سچا سمجھیں اور آخرت میں بھی تم کو نبیین، صدیقین، شہداء اور صالحین کی معیت نصیب ہو۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صدق کو لازم کر لینے کا جو حکم دیا تو اس کی یہ وجہ بھی بتا دی کہ صدق کی وجہ سے تم کو نیکی کا راستہ مل جائے گا اور وہ راستہ تم کو جنت تک پہنچا دے گا۔ پھر اتنی ہی بات پر اکتفا نہیں فرمایا مزید شوق ورغبت پیدا کرنے کے لئے یہ بھی سمجھا دیا کہ جو شخص ہمیشہ صدق وسچائی سے کام لیتا رہے گا وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ''صدیق'' (بہت سچا) لکھ لیا جائے گا اور پھر جنت میں صف اول کے لوگوں کے ساتھ رہے گا اور چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کے ساتھ حد درجہ شفقت وعنایت بھی ہے اس لئے آپ نے اس کے برعکس جو صورت تھی وہ بھی سمجھا دی کہ دیکھو جھوٹ سے بہت دور رہنا۔ کیونکہ جھوٹ خدا کی نافرمانی کے راستے پر تم کو ڈال دے گا اور وہ راستہ سیدھا دوزخ تک پہنچا دے گا۔ اور پھر کذب ودروغ گوئی سے مزید نفرت دلانے کے لئے یہ بھی بتا دیا کہ آدمی جب برابر جھوٹ بولتا رہے اور جھوٹ کے مواقع تلاش کرتا رہے گا تو اللہ تعالیٰ کے ہاں (کذاب) (پکا جھوٹا) لکھ لیا جائے گا اور پھر دوزخ میں ایسے جھوٹوں کے ساتھ رہے گا جو بہت برا ٹھکانہ ہے۔ (اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھیں۔ آمین!)



مومن کی صفات

ایمان کے تقاضے اور لوازم

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اَلْاِيْمَانُ بِضْعٌ وَسَبْعُوْنَ شُعْبَةً فَاَفْضَلُهَا قَوْلُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَدْنَاهَا اِمَاطَةُ الْاَذٰى عَنِ الطَّرِيْقِ وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْاِيْمَانِ. (بخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا (کمال) ایمان (و یقین) کے ستر سے زائد شعبے ہیں۔ ان میں سے افضل شعبہ زبان سے لا الہ الا اللہ کہنا ہے اور سب سے ہلکا شعبہ یہ ہے کہ تکلیف دہ چیز کو (چلنے کے) راستے سے ہٹا دیا جائے اور حیاء بھی ایمان کا ایک بڑا شعبہ ہے (اور حیاء سے مراد ایمان کی وجہ سے آدمی میں پیدا ہونے والا وہ وصف ہے جو آدمی کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے سے شرم دلاتا ہے اور روکتا ہے اور یہ وصف اس وقت پیدا ہوتا ہے جب آدمی کو صفت احسان حاصل ہو جائے کیونکہ اس بات کے استحضار سے کہ اللہ تعالیٰ میرے سامنے ہیں یا میں اللہ تعالیٰ کے سامنے ہوں آدمی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے سے شرم کرے گا۔

فائدہ: مذکورہ بالا حدیث میں ایمان کے ستر سے کچھ زائد شعبوں کا ذکر کیا جن میں صرف عقائد ہی نہیں بلکہ اکثر اعمال وافعال ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ یہ سب ایمانیات کے تقاضے اور لوازم ہیں اور ان کو کرنے سے خود ایمان کو رونق اور ترقی حاصل ہوتی ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب نقایہ میں وہ تمام باتیں جمع کی ہیں جن کو قرآن وحدیث میں ایمان کہا گیا ہے۔

(۱) اللہ کی ذات وصفات پر ایمان اور عالم کے حادث ہونے پر ایمان (۲) اللہ کے فرشتوں پر ایمان (۳) اللہ کی کتابوں پر ایمان (۴) اللہ کے رسولوں پر ایمان (۵) تقدیر پر ایمان (۶) قیامت کے دن پر ایمان (۷) اللہ کے ساتھ محبت (۸) اللہ کے لیے کسی سے محبت (۹) اللہ کے لیے کسی سے بغض رکھنا (۱۰) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت (۱۱) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم کا اعتقاد رکھنا۔ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر دُرُود بھیجنا اور آپ کی سنت کا اتباع کرنا شامل ہے۔ (۱۲) اخلاص (اس میں نفاق اور ریاء سے بچنا بھی آ گیا) (۱۳) توبہ کرنا (۱۴) اللہ کی پکڑ سے خوفزدہ ہونا (۱۵) اللہ کی رحمت کی اُمید رکھنا (۱۶) اللہ کا شکر ادا کرنا (۱۷) وعدہ پورا کرنا (۱۸) مصائب پر صبر کرنا (۱۹) اللہ کی قضا پر راضی رہنا (۲۰) حیاء (۲۱) توکل (۲۲) دوسروں پر رحم کرنا (۲۳) تواضع وعاجزی اختیار کرنا (۲۴) تکبر سے بچنا (۲۵) عجب سے بچنا (۲۶) حسد اور کینہ سے بچنا (۲۷) ناحق غضب سے بچنا (۲۸) توحید الٰہی کا اقرار کرنا (۲۹) تلاوت قرآن (۳۰) دین کا علم سیکھنا (۳۱) دین کا علم سکھانا (۳۲) دعا

کرنا (۳۳) ذکر واستغفار کرنا (۳۴) لغو باتوں سے بچنا (۳۵) ظاہری اور حکمی نجاست سے پاکی حاصل کرنا (۳۶) ستر عورت (۳۷) فرضی ونفلی نمازیں پڑھنا (۳۸) زکوٰۃ اور صدقات دینا (۳۹) غلام آزاد کرنا (۴۰) سخاوت کرنا (۴۱) فرضی ونفلی روزے رکھنا (۴۲) اعتکاف کرنا (۴۳) لیلۃ القدر کی جستجو کرنا (۴۴) حج کرنا (۴۵) عمرہ کرنا (۴۶) طواف کرنا (۴۷) دین کی حفاظت کے لیے نقل مکانی کرنا (۴۸) نذر پوری کرنا (۴۹) کفارہ ادا کرنا (۵۰) نکاح کے ذریعہ عفت حاصل کرنا (۵۱) عیالداری کے حقوق ادا کرنا (۵۲) والدین کے ساتھ حسن سلوک (۵۳) اولاد کی تربیت (۵۴) صلہ رحمی (۵۵) بزرگوں کی اطاعت کرنا (۵۶) غلاموں پر نرمی کرنا (۵۷) حکومت عدل وانصاف کے ساتھ کرنا (۵۸) مسلمانوں کی اجتماعیت کی پیروی کرنا (۵۹) حاکموں کی اطاعت کرنا (۶۰) لوگوں کے درمیان صلح وصفائی کرانا (۶۱) نیکی کے کاموں میں تعاون کرنا اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرنا (۶۲) حدود کو قائم کرنا (۶۳) جہاد کرنا (۶۴) امانت ادا کرنا (۶۵) قرض دینا اور واپس کرنا (۶۶) پڑوسی کا اکرام کرنا (۶۷) معاملات جائز طریقہ سے کرنا (۶۸) حق جگہ پر مال خرچ کرنا (۶۹) سلام کا جواب دینا۔ (۷۰) چھینکنے والے کو الحمدللہ کہنے پر یرحمک اللہ کہنا (۷۱) لوگوں سے تکلیف ونقصان کو دور کرنا (۷۲) لہو سے اجتناب کرنا (۷۳) راستہ سے تکلیف دہ چیز کو دور کرنا (۷۴) جو حکومت حق ہو اس کے خلاف بغاوت یعنی ناحق خروج کرنے والوں سے لڑنا۔

احتیاط اور ہوشیاری

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ وَاحِدٍ مَرَّتَيْنِ. (اخرجه احمد والشيخان وابوداؤد وابن ماجة)

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایماندار آدمی ایک سوراخ سے دوبارہ ڈسا نہیں جاتا۔ (احمد۔ بخاری ومسلم وغیرہما)

تشریح:۔ امام احمد نقل فرماتے ہیں کہ ابوغرہ جمحی شاعر جب جنگ بدر میں قید ہو کر آیا تو آپ کے سامنے اپنی تنگدستی اور اپنے بچوں کا رونا رونے لگا آپ نے ترس کھا کر فدیہ لئے بغیر اس کو رہا فرمادیا لیکن جب یہ کم ظرف وہاں چلا گیا تو پھر آپ کی ہجو کرنے لگا۔ تقدیر الٰہی کہ جنگ احد میں پھر یہ قید ہو کر آ گیا اور آپ کے سامنے پھر رحم کی درخواست پیش کرنے لگا۔ اس مرتبہ آپ نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی اور فرمایا کہ تو واپس جا کر یہ کہے گا کہ میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مذاق بنا رکھا ہے۔ مومن کی شان سے یہ بعید ہے کہ جب وہ ایک بار کسی سوراخ سے ڈس لیا جائے تو تجربہ کے لئے اس میں دوبارہ انگلی ڈالے اور پھر دھوکا کھائے اور اس کے قتل کا حکم دیدیا۔ ابن ہشام نے تہذیب سیرت میں لکھا ہے کہ یہ فقرہ سب سے پہلے آپ ہی کی زبان سے نکلا تھا اس سے قبل عرب میں کسی سے نہیں سنا گیا اس کے بعد پھر اس قسم کے مواقعہ میں ضرب المثل بن گیا ہے۔ امام طحاوی نے ابن وہب سے اس کی یہی شرح نقل کی ہے

وسئل ابن وهب عن تفسيره فقال الرجل يقع فى الشئ يكرهه فلا يعود فيه المعتصر ص ۴۰۵۔

سادگی و شرافت

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُؤْمِنُ غِرٌّ كَرِيْمٌ وَالْمُنَافِقُ خَبٌّ لَئِيْمٌ. (رواه الحاكم)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ایماندار آدمی بھولا، سیدھا اور شریف الطبع ہوتا ہے اور منافق دھوکے باز اور ذلیل الطبع ہوتا ہے۔ (مستدرک)

دانائی اور مردم شناسی

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّہٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰہِ ثُمَّ قَرَأَ اِنَّ فِیْ ذَالِکَ لَاٰیَةً لِّلْمُتَوَسِّمِیْنَ. (رواہ الترمذی فی تفسیر سورۃ الحجر)

ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مومن کی فراست اور مردم شناسی سے ڈرتے رہو کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے۔ اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی ان فی ذالک الخ اس میں بہت بڑی نشانی ہے شناخت والوں کے لئے۔ (ترمذی شریف)

تشریح:۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ فراست مومن میں نبی کی قوت عاقلہ کا ایک فیض ہوتا ہے وہ فرماتے ہیں:

اما تشبہ کہ در جزء علمی نفس ناطقہ دہند بایں وجہ تواند بود کہ کسے را از امت محدث وملہم کنند وایں معنی بدو طریق تواند بود......

دوم آنکہ فراست صادقہ اورا نصیب کنند وعقل اورا از حظیرہ القدس تائیدے دہند کہ غالبا اصابہ کند در مجتہدات خود واز لوازم ایں معنی است کہ وحی برحسب رائے او نازل شود۔

یعنی امتی کے اپنے نبی کے ساتھ اس کے علمی جزء میں تشبہ کے معنی یہ ہیں کہ اس کی امت میں سے کسی کو محدث وملہم کا منصب عنایت فرمادیں اس کے دو طریقے ہیں۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ سچی فراست اس کو مرحمت فرمادیں اور حظیرۃ القدس سے اس کی اس طرح تائید فرمائیں کہ اپنے اجتہادیات میں اس کی رائے اکثر صحیح ہوا کرے اور اسی صفت کے لوازم میں سے یہ ہے کہ وحی اس کی رائے کے موافق نازل ہو۔ (قرۃ العینین ص ۴۴)

شاہ صاحبؒ کی اس تحقیق سے واضح ہوگیا کہ مومن کی فراست کو کیا اہمیت ہے اور یہ کہ وحی کی حضرت عمرؓ کی موافقت کرنا بھی درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال تھا اگر آپ کی قوتِ عاقلہ اتنی بلند نہ ہوتی تو آپ کے ہم جلیسوں میں یہ کمال فراست بھی نمایاں نہ ہوتا۔

حضرت شاہ اسماعیل شہید نے فراست کی یہ تشریح فرمائی ہے۔ یعنی فراست ایسی مردم شناسی کو کہتے ہیں جس کی وجہ سے آدمی حالیہ اور مقالیہ قرائن کی مدد سے سچے اور منافق میں تمیز کر لیتا ہے اور بدخواہ لالچی اور مخلص وخائن اور پست ہمت وبلند ہمت کا امتیاز کر لیتا ہے اور اپنی اسی فراست کی وجہ سے ہر شخص کی عقل وفہم کا اندازہ بھی لگا لیتا ہے کہ کون شخص کس خدمت اور کس منصب کے لائق ہے۔

غرض اس سے مومن کی سادگی اور اسی کے ساتھ اس کے فہیم ہونے کی حقیقت واضح ہوگئی لہٰذا کسی صالح مومن کو اس کی سادہ لوحی کی بناء پر بیوقوف سمجھنا خود سب سے بڑی بیوقوفی ہوگی۔ درحقیقت سب سے بڑا فہیم شخص وہی ہے جس نے دنیا کی متاع کاسد کو آخرت کی بے بہا دولت پر قربان کر دیا۔ دنیا کی طرف رغبت اور آخرت سے بے رغبتی یہی ایک عام سے عام انسان کی ذہنیت ہوتی ہے اس کو بھلا معیار فہم کیا بنایا جائے۔ البتہ جو لوگ اس سطحی ذہنیت سے نکل کر اس سے ایک اور بالاتر ذہنیت پیدا کر چکے ہیں ان کی ذہنیت کو معیار فہم بنایا جا سکتا ہے۔ منافقوں نے اپنی ذہنیت اور اپنے ہی احساسات کو معیار فہم سمجھ کر اپنے آپ کو دانشمند اور مسلمانوں کو سفیر کا لقب دیدیا تھا۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَا اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْا اَنُؤْمِنُ كَمَا اٰمَنَ السُّفَهَاءُ اَلَا اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاءُ وَلٰكِنْ لَا يَعْلَمُوْنَ.

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جس طرح اور لوگ ایمان لے آئے ہیں تم بھی ایمان لے آؤ تو کہتے ہیں کہ ہم بھی اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح اور احمق ایمان لے آئے ہیں۔سن لو یہی لوگ احمق ہیں لیکن جانتے نہیں۔

لیکن قرآن کریم نے واضح کر دیا کہ سب سے بڑے بیوقوف وہی ہیں جنہوں نے دنیا کے ان سب سے بڑھ کر دانشمندوں کو بیوقوف سمجھا۔منافقین کی فہم یہ تھی کہ وہ اپنی دورخی پالیسی سے دوطرفہ نفع حاصل کرنے کی طمع میں رہا کرتے اور حق و ناحق کی تلاش سے آنکھیں بند کر لیتے اور مسلمانوں کی فہم یہ تھی کہ وہ تلاش حق کے لئے سرگرداں پھرتے اور جب حق کا دامن ان کے ہاتھ میں آجاتا تو اس کے پیچھے آنکھ بند کر کے اپنی جان کی بازی لگا دیتے۔منافقوں کی فہم تو یہ تھی کہ وہ خدا و رسول کے احکام کے سامنے بے چون و چرا اعتراف وتسلیم کا سر جھکا دینا سب سے بڑی بے وقوفی سمجھتے اور مسلمانوں کی فہم یہ تھی کہ وہ ان کے احکام کی تعمیل میں ادنیٰ توقف کرنا بھی سب سے بڑا جرم تصور کرتے۔قرآن کریم نے جہاں پہلی قسم کے ان دانشمندوں کو سفہاء قرار دیا ہے وہاں احکام اسلامیہ کے سامنے ان چون و چرا کرنے والوں کو بھی بیوقوف قرار دیا ہے۔

سَيَقُوْلُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا.

جن لوگوں کی عقل ماری گئی ہے وہ تو کہیں گے ہی کہ مسلمان جس قبلہ پر پہلے تھے یعنی بیت المقدس اس سے ان کے دوسری طرف کو مڑ جانے کی کیا وجہ ہوئی۔

خلاصہ یہ کہ ابلہ اور سفیہ کا لقب کچھ ابتداء ہی سے صالح مسلمانوں کے حصہ میں آرہا ہے اور تعجب کیا ہے جبکہ رسولوں کے حصہ میں مجنون اور ساحر کا لقب رہا ہو،مگر افسوس تو یہ ہے کہ پہلے ہم کو یہ لقب منافقوں کی زبان سے ملا کرتا تھا اور اب خود مسلمانوں ہی کی زبان سے ملتا ہے اور ٹھیک اسی فرزانگی کی بدولت ملتا ہے جس کی بناء پر منافقوں نے تجویز کیا تھا۔خدارا اگر آپ اس فرزانگی میں ہمارے حصہ دار نہیں بنتے تو کم از کم منافقوں کی دیوانگی میں تو حصہ دار نہ بنئے۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى عِيْسَى بْنُ مَرْيَمَ رَجُلًا يَسْرِقُ فَقَالَ لَهٗ عِيْسٰى بْنُ مَرْيَمَ سَرَقْتَ قَالَ كَلَّا وَالَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَقَالَ عِيْسٰى اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَكَذَّبْتُ نَفْسِيْ. (رواہ مسلم)

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک شخص کو چوری کرتے ہوئے اپنی آنکھ سے دیکھا تو اس سے فرمایا ارے تو نے چوری کی ہے وہ بولا اس ذات کی قسم جس کے سواء معبود کوئی نہیں میں نے ہرگز چوری نہیں کی۔(اس کی اس دیدہ دلیری کے بعد) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پوچھا اچھا بھئی میں اللہ پر ایمان لایا اور اپنی آنکھ کی تکذیب کرتا ہوں۔(مسلم شریف)

تشریح:۔معلوم نہیں کہ خدا کے اس اولوالعزم رسول کے قلب میں عظمت الٰہی کا عالم کیا ہوگا جس کے سامنے اس کا باعظمت نام آجانے کے بعد کسی انسان کے متعلق یہ تصور ہی نہیں آسکتا کہ وہ اس کا واسطہ دیکر بھی جھوٹ بول سکتا ہے اس لئے وہ متحیر ہو کر اپنی آنکھوں کے بدیہی مشاہدہ کی تکذیب پر آمادہ ہو جاتا ہے۔

17

ایک حدیث میں آتا ہے کہ جب تمہارا غلام سزا کے وقت اللہ کے نام کا واسطہ دے تو فوراً اپنا ہاتھ روک لو، بہر حال خدائے تعالیٰ کے نام پاک کی عظمت اس کو مقتضی ہے کہ جب کہیں اس کا واسطہ آ جائے تو فوراً اپنے حق سے دست بردار ہو جانا چاہئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی اتنی بھاری قسم سن کر اس چور کے ساتھ الجھنے کے بجائے یہ اچھا سمجھا کہ اس کو اپنا یہ نقشۂ عظمت دکھا کر یہ سمجھا دیں کہ اس ذات کا نام لے کر جھوٹ بولنا انسان کا کام نہیں۔ وقتی حالات اور انتظامی معاملات میں فرق کرنا چاہئے۔ ایک وقت یہ اغماض قابلِ تعریف ہوتا ہے اور بعض حالات ایسے بھی ہوتے ہیں کہ مخاطب کی قسم میں کھود کرید بھی کرنی پڑ جاتی ہے یہ باب اللہ کی بارگاہ میں بھی ہے کبھی ننانوے انسانوں کا قاتل بخش دیا جاتا ہے اور کبھی ایک بلی کو بھوکا رکھنے والا دوزخ میں ڈال دیا جاتا ہے۔ ہمارے یہاں مقصد یہ ہے کہ خدائی عظمت کے استحضار کی وجہ سے کسی مسلمان میں کسی کے پیچھے نہ پڑنے کی جو ایک صفت ہوتی ہے وہ انبیاء کے اخلاق فاضلہ کا ایک اثر ہے در اصل یہ صفت ان کی ہوتی ہے۔ پھر امت میں ان کی اتباع کے ثمرہ میں بقدر نصیب منتقل ہو جاتی ہے، ناواقف دین کی ہر بات کو اپنے اندازہ فکر کے مطابق سمجھتا ہے پھر اس کا مذاق اڑانے لگتا ہے۔ مثل مشہور ہے الناس اعداء ما جھلوا۔ لوگ جس بات کو نہیں جانتے اس کے دشمن بن جاتے ہیں۔

مومن نجس نہیں ہوتا مشرک نجس ہوتا ہے

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ لَقِيَنِیْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا جُنُبٌ فَاَخَذَ بِيَدِیْ فَمَشَيْتُ مَعَهٗ حَتّٰی قَعَدَ فَانْسَلَلْتُ فَاَتَيْتُ الرَّحْلَ فَاغْتَسَلْتُ ثُمَّ جِئْتُ وَهُوَ قَاعِدٌ فَقَالَ اَيْنَ كُنْتَ يَا اَبَاهُرَيْرَةَ فَقُلْتُ لَهٗ فَقَالَ سُبْحَانَ اللهِ اِنَّ الْمُؤْمِنَ لاينجس. (رواه البخاری)

ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ (راستہ میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میری ملاقات ہوگئی اس وقت میں جنابت کی حالت میں تھا آپ نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا میں آپ کے ساتھ ساتھ چلتا رہا یہاں تک کہ جب آپ آ کر بیٹھ گئے تو میں اس وقت (وہاں سے) کھسک گیا اپنے گھر آیا اور غسل کیا پھر غسل کر کے آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا، آپ اس وقت تک بیٹھے ہوئے تھے، آپ نے پوچھا ابوہریرہ کہاں گئے تھے میں نے اصل ماجرا عرض کر دیا آپ نے از راہِ تعجب سبحان اللہ کہا اور فرمایا مومن کہیں ایسا ناپاک ہوتا ہے۔ (بخاری)

تشریح:۔ ابوہریرہؓ نے اپنی حسن فطرت سے جتنی بات سمجھی وہ قابل داد تھی یعنی بحالت جنابت آپ کی مقدس محفل میں حاضری نامناسب ہے مگر خاتم الانبیاء علیہم السلام کو آداب سے بڑھ کر عقائد کی رعایت مقدم تھی، قرآن میں مشرک کو نجس فرمایا گیا تھا جس کے معنی یہ تھے کہ مومن اس قسم کا نجس نہیں اس کی ناپاکی عارضی ہوتی ہے اور مشرک کی ناپاکی نجاست کی طرح ذاتی ہوتی ہے اس لئے آپ نے مؤمن کی اس خصوصی شان کو واضح فرما دیا گویا قرآنی نظر میں مومن و مشرک میں ایسا فرق ہے جیسا نجاست و غیر نجاست میں۔ نجاست سے جتنا دور رہنا ممکن ہو بہتر ہے مومن ناپاک ہو کر بھی نشست و برخاست کے قابل رہتا ہے اور مشرک پاک وصاف ہو کر بھی اس قابل نہیں ہوتا اگر آپ ان کے حسن ادب پر خاموشی اختیار فرماتے تو یہ اہم نکتہ مخفی رہ جاتا۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُنَجِّسُوْا مَوْتَاكُمْ فَاِنَّ الْمُسْلِمَ لَيْسَ بِنَجَسٍ حَيًّا وَّلَا مَيِّتًا. (رواه الدارقطنی)

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے مردوں کو ناپاک مت سمجھو کیونکہ مسلمان کی شان یہ ہے کہ وہ نہ زندگی میں ناپاک سمجھا جاتا ہے اور نہ مرنے کے بعد۔ (دارقطنی)

تشریح:۔اس حدیث میں بھی مرد مومن کی اُسی خصوصیت کا اظہار کیا گیا ہے شہید کو شریعت نے طہارت کا ایک اور بلند مقام دیدیا ہے وہ یہ کہ اس کا خون بھی ناپاک نہیں ہوتا اس لئے اس کو غسل بھی نہیں دیا جاتا۔

نرم مزاجی اور ہر دلعزیزی

عَنْ مَكْحُوْلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُؤْمِنُوْنَ هَيِّنُوْنَ لَيِّنُوْنَ كَالْجَمَلِ الْاَنِفِ اِنْ قِيْدَ انْقَادَ وَاِنْ اُنِيْخَ عَلٰى صَخْرَةٍ اِسْتَنَاخَ. (رواہ الترمذی مرسلاً)

مکحول روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو لوگ ایمان والے ہیں وہ بہت کہنا ماننے والے اور نہایت نرم خو ہوتے ہیں جیسے نکیل پڑا اونٹ جدھر اس کو گھسیٹا جائے چلا جائے اور اگر اس کو کسی پتھر پر بٹھا دیا جائے تو وہیں بیٹھ جائے۔ (ترمذی شریف)

تشریح:۔امام احمدؒ نے حضرت ابوذرؓ سے روایت کیا ہے **الاسلام ذلول لا یرکب الا ذلولا**۔ اسلام کا مزاج خود نرم ہے اور وہ اسی کے قلب میں اچھی طرح سرایت کرتا ہے جو نرم خو ہوتا ہے۔ اس کی اسناد میں ایک راوی ابوخلف ہے اس کو متروک کہا گیا ہے۔ قرآن میں اسی مخصوص صفت کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔ **وعباد الرحمن الذین یمشون علی الارض ھونا واذ اخاطبھم الجاھلون قالوا سلاما**۔ اور خدائے رحمٰن کے خاص بندے تو وہ ہیں جو زمین پر فروتنی کے ساتھ چلیں اور جب جاہل ان سے جہالت کی باتیں کرنے لگیں تو ان کو سلام کر کے الگ ہو جائیں۔

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْمُؤْمِنَ مَأْلَفٌ وَلَا خَيْرَ فِيْمَنْ لَا يَأْلِفُ وَلَا يُؤْلِفُ. (رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان والحاکم فی المستدرک)

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایماندار آدمی تو وہ ہے جو مجسم پیکرِ محبت ہو جو شخص کسی سے الفت نہ رکھے اور نہ اس سے کوئی الفت رکھے اس میں تو بھلائی کی بو بھی نہیں۔ (احمد۔ حاکم۔ بیہقی)

عَنْ حَارِثَةَ بْنِ وَهْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِاَهْلِ الْجَنَّةِ كُلُّ ضَعِيْفٍ مُتَضَعَّفٍ لَوْ اَقْسَمَ عَلَى اللهِ لَاَبَرَّهٗ اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِاَهْلِ النَّارِ كُلُّ عُتُلٍّ جَوَّاظٍ مُسْتَكْبِرٍ. (متفق علیہ)

حارثہ بن وہبؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں یہ نہ بتادوں کہ جنتی لوگ کون ہیں۔ ہر وہ شخص جو اپنی نظر میں اور لوگوں کی نظروں میں کمزور اور بے سہارا ہو۔ اگر وہ کسی معاملہ میں اللہ تعالیٰ پر قسم کھا بیٹھے تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم کو ضرور پورا کرے گا۔ (اس کے بعد فرمایا) سنو، کیا میں تمہیں نہ بتادوں کہ دوزخی کون ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو سرکش منہ پھٹ اور مغرور ہوں۔ (متفق علیہ)

تشریح:۔ان احادیث سے واضح ہو گیا کہ مسلمان کی نرم مزاجی سے مراد کیا ہے۔ اس کے بعد حضرت عمر فاروقؓ کی شدتِ طبع کو ان سے کوئی تعارض نہیں رہتا وہ حدید الطبع ہو کر بھی اتنے نرم تھے کہ ایک عام سے عام شخص بھی برسرِ منبر ان کو ٹوک دیتا اور وہ خوشی سے اس کو جواب دیدیتے۔ بہرحال مؤمن کا وجود صفحہ عالم پر قدرت کی صناعی کا وہ عجیب تر مجموعہ ہوتا ہے جس میں بیک

وقت شدت ولین، سادگی وفہم، زینت وبذاذت اور فصاحت وکم سخنی کی تمام متضاد صفتیں جمع نظر آتی ہیں۔اس تضاد کے جمع کی صورت گذشتہ احادیث کے ضمن میں اپنی اپنی جگہ ملاحظہ سے گذر چکی ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعِسَ عَبْدُ الدِّيْنَارِ وَعَبْدُ الدِّرْهَمِ وَعَبْدُ الْخَمِيْصَةِ اِنْ اُعْطِیَ رَضِیَ وَاِنْ لَّمْ يُعْطَ سَخِطَ تَعِسَ وَانْتُكِسَ وَاِذَا شِيْكَ فَلَا انْتُقِشَ طُوْبٰى بِعَبْدٍ اٰخِذٍ بِعَنَانِ فَرَسِهٖ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَشْعَثَ رَأْسُهٗ مُغْبَرَّةً قَدَمَاهُ اِنْ كَانَ فِی الْحِرَاسَةِ كَانَ فِی الْحِرَاسَةِ وَاِنْ كَانَ فِی السَّاقَةِ كَانَ فِی السَّاقَةِ اِنِ اسْتَأْذَنَ لَمْ يُؤْذَنْ لَهٗ وَاِنْ شَفَعَ لَمْ يُشَفَّعْ. (رواہ البخاری)

ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص ہلاک ہو جو دینار کا بندہ، درہم کا بندہ اور کملی کا بندہ ہو (اس کی دون ہمتی کا یہ حال ہو) کہ اگر اس کو کچھ دیدیا جائے تو خوش ہو جائے اور اگر نہ دیا جائے تو روٹھ جائے ایسا کم ہمت خدا کرے ہلاک اور ذلیل ہو اور اگر اس کے کوئی کانٹا چبھے تو نہ نکلے۔وہ بندہ مبارک ہے جو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں اپنے گھوڑے کی باگیں سنبھالے ہمہ وقت (خدمت دین کے لئے) تیار ہے۔اس کے سر کے بال پراگندہ اور پیر غبار آلودہ ہیں (اس کی نرم خوئی اور للّٰہیت کا یہ عالم ہے) کہ اگر اسے اگلے دستہ میں محافظ کی حیثیت سے جگہ دی جائے تو حفاظت کی خدمت انجام دے اور اگر اس کو پچھلے حصہ میں ڈال دیا جائے تو پیچھے رہ کر بھی بخوشی اپنی ڈیوٹی کو پورا کرے (غرض نہایت مطیع مزاج ہو اور صرف دین کی خدمت اس کا مطمح نظر ہو) (بخاری شریف)

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ اَقْوَامٌ اَفْئِدَتُهُمْ مِثْلُ اَفْئِدَةِ الطَّيْرِ. (رواہ مسلم)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں ایسے لوگ جائیں گے جن کے دلوں کی کیفیت پرندوں کے دلوں سے بہت مشابہ ہوگی۔(مسلم)

تشریح:۔علماء نے یہاں وجہ تشبیہ رقت ولین تحریر فرمائی ہے یعنی پرندوں میں چوپایوں کی نسبت یہ صفت عام طور پر زیادہ پائی جاتی ہے وہ ہر اثر کو نسبۃً جلد قبول کر لیتے ہیں کینہ پرور نہیں ہوتے۔چند تنکوں کا آشیانہ بنا کر عمر گذار دیتے ہیں، روزی جمع کرنے کی فکر نہیں کرتے صبح کو تلاشِ رزق میں نکلے اور شام کو پیٹ بھر کر واپس آ گئے ان کو دیکھو تو نہایت بھولے بھالے نظر آتے ہیں یہ تمام صفتیں ایک مسلمان کی بھی ہوتی ہیں۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَقُوْلُوْا الْكَرْمَ فَاِنَّ الْكَرْمَ قَلْبُ الْمُؤْمِنِ. (رواہ مسلم وفی روایة ولکن قولوا العنب والحبطة)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انگور کو کرم نہ کہا کرو کیونکہ کرم تو مومن کے قلب کا نام ہے (انگور میں کرم کہاں اس سے تو شراب بنتی ہے جو بے حیائیوں کا سرچشمہ ہے) (مسلم)

تشریح:۔نہایہ میں لکھا ہے کہ چونکہ انگور سے شراب بنائی جاتی ہے اور عرب کے مذاق کے مطابق شراب سخاوت وکرم کی محرک ہوتی ہے اس لئے وہ انگور کو کرم کہہ دیتے تھے۔آپ نے اس غلط اشتقاق کو ناپسند کیا اور فرمایا کہ اس خوبصورت اور معنی خیز نام کا زیادہ مستحق مومن کا قلب ہے شراب کا مادہ یعنی انگور نہیں۔

یہاں قلب کو کریم کہنے کی بجائے مبالغہ کے طور پر عین کرم کہدیا گیا ہے جیسے زید کو مبالغہ میں عین انصاف کہدیا جائے۔ زمخشری اس کی شرح میں یوں رقمطراز ہیں کہ یہاں دراصل انگور کا نام رکھنے سے ممانعت کرنا مقصود ہی نہ تھا بلکہ اس طرف اشارہ کرنا مقصود تھا کہ جب قرآن کریم کا ارشاد یہ ہے کہ **ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم.** تو اس کا حق ہونا چاہئے کہ اب اس مقدس نام میں متقی مسلمان کے سواء کسی اور چیز کو شریک نہ کیا جائے تاکہ ذہنوں میں یہ بات نقش کالحجر ہو جائے کہ کریم درحقیقت صرف متقی ہوتا ہے۔ اس کے سوا کہیں اور کرم کا نام ونشان نہیں ہوتا۔ غیر متقی کا کرم صرف نمائشی ہوتا ہے اس میں صورت ہی صورت ہوتی ہے معنی کچھ نہیں ہوتے۔

صاف سینہ ہونا

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قِيْلَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَىُّ النَّاسِ اَفْضَلُ قَالَ كُلُّ مَخْمُوْمِ الْقَلْبِ صَدُوْقُ اللِّسَانِ قَالُوْا صَدُوْقُ اللِّسَانِ نَعْرِفُهٗ فَمَا مَخْمُوْمُ الْقَلْبِ قَالَ هُوَ النَّقِىُّ التَّقِىُّ لَا اِثْمَ عَلَيْهِ وَلَا بَغْىَ وَلَا غِلَّ وَلَا حَسَدَ. (رواہ ابن ماجه والبيهقى فى شعب الايمان)

عبداللہ بن عمرو بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا لوگوں میں کون شخص سب سے بہتر ہے آپ نے فرمایا ہر وہ شخص جو ''مخموم القلب'' اور زبان کا سچا ہو۔ صحابہ نے عرض کیا، صدوق اللسان (زبان کا سچا) شخص تو ہم سمجھ گئے مخموم القلب ہماری سمجھ میں نہیں آیا اس کی تشریح آپ فرمادیں۔ فرمایا یہ وہ دل کا صاف اور خدا ترس انسان ہے جس پر نہ گناہوں کا بوجھ ہو، نہ ظلم تعدی کا بار، نہ اس کے دل میں کسی کا کینہ ہو اور نہ حسد۔ (ابن ماجہ۔ شعب الایمان)

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُبَلِّغُنِىْ اَحَدٌ مِنْ اَصْحَابِىْ عَنْ اَحَدٍ شَيْئًا فَاِنِّىْ اُحِبُّ اَنْ اَخْرُجَ اِلَيْكُمْ سَلِيْمَ الصَّدْرِ. (رواہ ابوداؤد)

ابن مسعودؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تاکید فرمائی کہ میرے صحابہ میں سے مجھ سے کوئی شخص کسی کی کوئی بات نہ پہنچایا کرے کیونکہ میرا دل چاہتا ہے کہ جب میں تمہارے پاس آؤں تو میرا دل تم سب کی طرف سے صاف ہو۔ (ابوداؤد)

تشریح:۔ نبی اپنی سلامتی صدر اپنے ہی فائدہ کے لئے نہیں چاہتا بلکہ اپنی امت کے فائدہ کے لئے بھی چاہتا ہے کیونکہ اس کے قلب مبارک میں اگر کسی امتی کی طرف سے کوئی ادنیٰ خلش بھی پڑ جائے تو وہ بھی اس امتی کے لئے ایمانی ضعف کا موجب ہوسکتی ہے **اعوذ من غضب اللہ وغضب رسولہ وغضب اولیاء ہ**۔ حدیث میں ارشاد ہے **من عادی لی ولیافقد اذنته بالحرب**۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نبی کا قلب مبارک ساری نزاہتوں اور پورے تقدس کے باوجود غلط خبروں سے متاثر بھی ہوسکتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کے لئے یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ اس کو ہمہ وقت ہر ہر چیز کا علم حاصل ہو وہ روزمرہ کے معاملات سے بھی بے خبر رہ سکتا ہے اور اگر وہ غلط طور پر اس کے پاس پہنچ جائیں تو ان کا اثر بھی لے سکتا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ سلامتی صدر کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ غیر ضروری باتیں کسی کے متعلق نہ سنی جائیں۔ باقی جو باتیں نظم امور کے متعلق ہیں ان کا باب ہی علیحدہ ہے۔

مسلمانوں کی تکلیف کا اپنی تکلیف کے برابر احساس کرنا

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ تَرَاحُمِهِمْ وَتَوَادِّهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ اِذَا اشْتَكٰى عَضْوًا تَدَاعٰى لَهٗ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهْرِ وَالْحُمّٰى. (متفق علیہ)

نعمان بن بشیر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایمانداروں کو باہم رحمدل، باہم محبت اور ایک دوسرے کی تکلیف کے احساس کے بارے میں تم ایسا دیکھو گے جیسا ایک قالب۔ ایک عضو بیمار پڑ جائے تو سارا جسم بخار میں مبتلا ہو جاتا اور بیداری کیلئے تیار ہو جاتا ہے۔ (متفق علیہ)

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُؤْمِنُوْنَ كَرَجُلٍ وَاحِدٍ اِنْ اشْتَكٰى عَيْنُهٗ اشْتَكٰى كُلُّهٗ وَاِنِ اشْتَكٰى رَاْسُهٗ اشْتَكٰى كُلُّهٗ. (رواہ مسلم)

نعمان بن بشیر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام مومن شخص واحد کی طرح ہیں اگر اس کی آنکھ دکھتی ہے تو اس کا تمام جسم بیمار پڑ جاتا ہے اگر اس کا سر دکھتا ہے تو بھی اس کا تمام جسم بیمار پڑ جاتا ہے۔ (مسلم)

عَنْ اَبِيْ مُوْسٰى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهٗ بَعْضًا ثُمَّ شَبَّكَ بَيْنَ اَصَابِعِهٖ. (متفق علیہ)

ابوموسیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک مؤمن دوسرے مؤمن کے حق میں ایک عمارت کی طرح ہونا چاہئے اور ایک دوسرے کے لئے اس طرح مضبوطی اور قوت کا باعث ہونا چاہئے جیسا مکان کی ایک اینٹ دوسری اینٹ کے لئے۔ اس کے بعد آپ نے اپنے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈالدیں۔ (اور اس کا نقشہ دکھانے کے لئے فرمایا کہ اس طرح)۔ (متفق علیہ)

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رضی اللہ تعالٰی عنہ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُؤْمِنُ فِيْ اَهْلِ الْاِيْمَانِ بِمَنْزِلَةِ الرَّاْسِ مِنَ الْجَسَدِ يَاْلَمُ الْمُؤْمِنُ لِاَهْلِ الْاِيْمَانِ كَمَا يَاْلَمُ الْجَسَدُ لِمَا فِي الرَّاْسِ. (رواہ احمد)

سہل بن سعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ مومنوں کی جماعت میں ایماندار آدمی کی مثال ایسی ہونی چاہئے جیسی سارے جسم میں سر کی۔ جیسا درد سر کی وجہ سے تمام جسم تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے اسی طرح ایماندار آدمی کو بھی اور مومنوں کی تکلیف سے تکلیف ہوتی ہے۔ (احمد)

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالَّذِيْ يَشْبَعُ وَجَارُهٗ جَائِعٌ اِلٰى جَنْبِهٖ. (رواہ البیہقی فی شعب الایمان.)

ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے وہ بھی کیا مومن ہے جو اپنا تو پیٹ بھر لے اور اس کے قریب اس کا پڑوسی بھوکا پڑا رہے۔ (شعب الایمان)

تشریح:۔ بے حسی اور بے دردی کا سب سے بڑا اور سب سے بُرا مظاہرہ یہ ہے کہ ایک انسان خود تو اپنا پیٹ بھرتا رہے اور

اس کے پاس ہی اس کا پڑوسی بھوکا پڑا رہے۔ اسلام اس حسن اخلاق کی تعلیم دیتا ہے کہ اگر یہ اپنے بھائی کا پیٹ نہیں بھر سکتا تو اس کو چاہئے کہ اپنا پیٹ کاٹ کر اس کی بھوک میں اس کا حصہ دار بن جائے۔ دیوار کی حقیقت بھی یہی ہے کہ اس کی اینٹیں باہم بھی ایک دوسرے کے لئے باعث استحکام ہوتی ہیں اور چھت کا بوجھ بٹانے میں بھی برابر کی شریک رہتی ہیں۔ مسلمانوں کو بھی چاہئے کہ وہ باہمی اور قومی بار کو اسی طرح باہم تقسیم کرلیا کریں اگر وہ ایسا کرلیں تو ان کا منتشر شیرازہ دنیا کے سامنے ایک مضبوط دیوار کی طرح بن جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایمان وحدت واجتماع کی دعوت دیتا ہے اور کفر تحزب وتشتت کی۔ اسی لئے قرآن کریم نے جب صحابہ کے دور کفر کا نقشہ کھینچا تو اس کا جو پہلو سب سے نمایاں فرمایا وہ ان کی باہمی عداوت وتحزب تھا۔ پھر اسلام کے بعد جس نعمت کا سب سے زیادہ احسان جتایا وہ ان کی باہمی وحدت اور محبت واخوت تھی ایسی وحدت واخوت کہ اگر یہ ان کے قالبوں کے مابین مشرق ومغرب کا فاصلہ بھی ہوتا مگر پھر بھی وہ ایک دوسرے کی تکلیف کے احساس میں اتنے قریب ہوتے کہ مشرق کے ایک مسلمان کے پیر کے کانٹے کی چسک مغرب کا رہنے والا مسلمان اپنے دل میں محسوس کرتا ان کا یہ رشتہ محبت و اخوت صرف مبالغہ اور محض ایک رنگ آمیزی نہیں بلکہ ان کے احساسات کی صحیح ترجمانی ہے۔

وَاذْكُرُوْا اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاۗءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا.

یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تمہارے درمیان ایسی محبت پیدا کردی کہ محض اس کی مہربانی کی بدولت تم ایک دوسرے کے بھائی بن گئے۔ دوسری جگہ کفار کے ظاہری اتحاد واتفاق کی حقیقت اس طرح واشگاف فرمادی۔

تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى.

آپ تو ان کو متحد خیال کرتے ہیں مگر ان کے دل سب پراگندہ ہیں۔

اس کے بعد اب آپ ہی غور کیجئے کہ اگر درحقیقت ہمارے قلوب میں وہی اخوتِ ایمانی موجود ہے تو اس میں وہ محبت و وحدت کیوں نہیں بلکہ اس کے برعکس کفار کے تفرق وتشتت کا نقشہ کیوں ہے۔ **اللھم الف بین قلوبنا و اصلح ذات بیننا.**

یاد رکھئے کہ آپ کا ایمان جتنا کامل اور مستحکم ہوتا چلا جائے گا اتنا ہی آپ کا اتحاد اور قومی تعمیر بھی مستحکم ہوتی چلی جائیگی اور جتنا اس میں نقصان پیدا ہوتا رہے گا اسی قدر آپ کے اتحاد اور قومی تعمیر میں بھی ضعف پیدا ہوتا رہے گا۔ آپ نقصان ایمانی کے ساتھ اپنے اتحاد پر مغرور نہ ہوں وہ صرف آپ کے قالب کا اتحاد ہوگا قلب کا نہیں اور اگر آپ کے قلوب رشتہ ایمانی کی بدولت وحدت کا رنگ اختیار کرچکے ہیں تو قالب کے انتشار سے مغموم نہ ہوں کہ وہ صرف آپ کے جسموں کا انتشار ہے۔ قلوب کا انتشار نہیں تعجب ہے کہ وحدت وافتراق کے جو بنیادی اسباب ہیں کم از کم مسلمان اس سے کیونکر غافل ہیں۔ وہ جس مجمع میں اتحاد واخوت کی دعوت دیتے ہیں اسی میں اصل رشتہ ایمانی پر ضرب بھی لگاتے جاتے ہیں اور نہیں سمجھتے کہ نعمت اخوت صرف عطاء ربانی ہے ان کی تقریروں اور تحریروں سے حاصل نہیں ہوسکتی۔

لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ.

اے پیغمبر اگر آپ ساری زمین کا مال بھی خرچ کر ڈالتے تو بھی ان کے دلوں میں ایسی الفت ومحبت پیدا نہ کرسکتے یہ تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے جس نے ان میں باہم یہ الفت ڈالدی ہے۔

گناہوں سے ڈرنا

عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ اِنَّ الْمُؤْمِنَ يَرٰى ذُنُوْبَهٗ كَاَنَّهٗ قَاعِدٌ تَحْتَ جَبَلٍ يَخَافُ اَنْ يَقَعَ عَلَيْهِ وَاِنَّ الْفَاجِرَ يَرٰى ذُنُوْبَهٗ كَذُبَابٍ مَرَّ عَلٰى اَنْفِهٖ فَقَالَ بِهٖ هٰكَذَا. ای بیدہ فَذَبَّهٗ عَنْهُ رواہ البخاری وذکر معہ الحدیث الاٰخر المرفوع ایضا.

حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں مومن اپنے گناہوں سے اس طرح ڈرتا ہے جیسا وہ پہاڑ کے نیچے بیٹھا ہوا ڈرتا ہے کہ وہ اب اس پر گرا اور فاجر آدمی ان کو اس طرح حقیر سمجھتا ہے جیسا مکھی اس کے ناک کے پاس سے گذری اور اس نے اپنے ہاتھ کی حرکت سے اس طرح اڑا دی۔ (بخاری شریف)

اپنی عزتِ نفس کی حفاظت کرنا

عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَنْبَغِیْ لِلْمُؤْمِنِ اَنْ يُّذِلَّ نَفْسَهٗ قَالُوْا وَكَيْفَ يُذِلُّ نَفْسَهٗ قَالَ يَتَعَرَّضُ مِنَ الْبَلَاءِ لِمَا لَا يُطِيْقُ. (رواہ الترمذی وابن ماجہ والبیھقی فی شعب الایمان.)

حذیفہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ اپنے نفس کو ذلیل کرے صحابہ نے عرض کیا بھلا اپنے نفس کو کوئی کیسے ذلیل کرسکتا ہے فرمایا ایسا بار اٹھالینا جس کے اٹھانے کی اس میں طاقت نہ ہو (یہ ذلیل ہی کرنا ہے۔ (ترمذی۔ ابن ماجہ۔ شعب الایمان)

تشریح:۔ صحابہ کی فہم میں اپنے نفس کے ذلیل کرنے کی کوئی صورت ہی نہ آسکی وہ فطرۃً ذلت سے نفور تھے اور اسلام نے آکر ان کو احساس کمتری سے اور بھی دور کر دیا تھا آپ نے ان کو بتایا کہ کبھی عزت کے کام میں بھی ذلت کا خمیازہ بھگتنا پڑ جاتا ہے براہ راست ذلت کے کاموں سے بچنا سب جانتے تھے لیکن خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک قدم اور آگے بڑھا کر سمجھایا کہ ایسے عزت کے کاموں میں پھنسنا جن کا انجام ذلت ہو یہ بھی مومن کا کام نہیں پھر معلوم نہیں ذلت کا جو تعلق یہود کے ساتھ تھا وہ مسلمانوں نے اپنے ساتھ کیسے سمجھ رکھا ہے شاید تکبر اور عزت کے مفہوم سمجھنے میں غلط فہمی ہوگئی ہے۔ اللہ تعالیٰ تکبر اور غرور سے ہم کو بچائے اور اپنی صحیح عزت نفس محفوظ رکھنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

ہمیشہ توبہ کرتے رہنا

عَنْ عَلِیٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْعَبْدَ الْمُؤْمِنَ الْمُفَتَّنَ التَّوَّابَ. (رواہ احمد)

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے اس مومن بندہ سے محبت رکھتا ہے جو فتنوں میں مبتلا ہوتا رہے اور ہمیشہ توبہ کرتا رہے۔ (احمد)

تشریح:۔ جب گناہ بندہ کی فطرت ہو تو پھر توبہ ضرور اس کی صفت ہونی چاہیے پس اگر وہ اپنی فطرت کی بناء پر طرح طرح کے فتنوں میں گرفتار ہوتا رہتا ہے مگر ہر بار اپنی صفت توبہ واستغفار کو فراموش نہیں کرتا تو وہ ارحم الراحمین کی نظروں میں

کیوں نہ پیارا ہو یہاں محبت اس کے تکرار جرم پر نہیں بلکہ ہر بار اس کی صفت توبہ واستغفار پر ہے۔ یہ اسلوب بیان اس لئے اختیار نہیں کیا گیا کہ گنہگار اپنے گناہوں پر اصرار کریں بلکہ اس لئے اختیار کیا گیا ہے کہ جو نادم وشرمسار رہیں وہ زیادہ دل شکستہ نہ ہوں اور اپنی اس ندامت کی بدولت عصیاں کے بعد بھی خدائے تعالیٰ کی محبت کی خوشخبری سن لیں ندامت پر خدا تعالیٰ کی محبت کی خوشخبری بندہ میں گناہ کی جرأت پیدا نہیں کرتی بلکہ اس کی فطرت سے تخم جڑ سے نکال پھینکتی ہے۔

احکام اسلامی کا اس طرح پابند رہنا جیسے گھوڑا اپنے کھونٹے کا

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ قَالَ مَثَلُ الْمُؤْمِنِ کَمَثَلِ الْفَرَسِ عَلٰی اٰخِیَّتِہٖ یَجُوْلُ ثُمَّ یَرْجِعُ عَلٰی اٰخِیَّتِہٖ وَاِنَّ الْمُؤْمِنَ یَسْھُوْ ثُمَّ یَرْجِعُ اِلَی الْاِیْمَانِ. (رواہ احمد وسندہ جید واخرجہ ایضاً الضیاء المقدسی فی المختارہ وحسنۃ الحافظ السیوطیؒ)

ابوسعید خدری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا مومن کی مثال اس گھوڑے کی سی ہے جو اپنے کھونٹے سے بندھا ہوا ہو اور اِدھر اُدھر پھر پھرا کر آخر اپنے کھونٹے کے پاس ہی آ جاتا ہے اسی طرح مومن سے بھی بھول چوک ہو جاتی ہے آخر کار وہ پھر کر ادھر ہی آ جاتا ہے جو ایمان کی بات ہوتی ہے۔ (احمد)

تشریح:۔ یعنی مومن دین اسلام کا ایسا پابند ہوتا ہے جیسے گھوڑا کھونٹے کا نہ یہ اپنے کھونٹے سے علیحدہ جا سکتا ہے نہ وہ شعب ایمان سے کہیں علیحدہ ہو سکتا ہے۔ سہو ونسیان کی بات دوسری ہے اگر غلطی ہو جائے تو پھر لوٹ کر اسے آنا ادھر ہی پڑتا ہے۔ حریت کیسی اور آزادی کہاں۔

ازسرتاقدم خیرخواہی اور نفع محض بن جانا

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّہٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ اِنَّ مَثَلَ الْمُؤْمِنِ لَکَمَثَلِ الْقِطْعَۃِ مِنَ الذَّھَبِ نَفَخَ عَلَیْھَا صَاحِبُھَا فَلَمْ تَغَیَّرْ وَلَمْ تَنْقُصْ وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ اِنَّ مَثَلَ الْمُؤْمِنِ لَکَمَثَلِ النَّحْلَۃِ اَکَلَتْ طَیِّبًا وَوَضَعَتْ طَیِّبًا وَوَقَعَتْ فَلَمْ تُکْسِرْ وَلَمْ تُضِرْ. (رواہ احمد وذکرہ السیوطی فی الجامع الصغیر وقال المناوی اسناد احمد صحیح)

عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے کہ مومن کی مثال سونے کی اس ڈلی کی سی ہے جس کے مالک نے اس کو تپایا پھر نہ تو اس کا رنگ بدلا اور نہ وزن گھٹا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے مومن کی مثال ٹھیک اس شہد کی مکھی کی سی ہے جس نے عمدہ پھول چوسے، اچھا شہد بنایا۔ اور جس شاخ پر وہ بیٹھی نہ تو اپنے وزن سے اس کو توڑا نہ خراب کیا۔ (احمد)

تشریح:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں مومن کی چند صفتیں بیان فرمائی ہیں۔ اس کی پہلی صفت یہ ہے کہ اس میں کھوٹ بالکل نہیں نکلتا جتنا اس کو آزماؤ اتنا ہی وہ اور کھرا نکلتا ہے وہ اس نقلی سونے کی طرح نہیں ہوتا جس کا تپانے سے رنگ بدل جائے یا اس کا وزن گھٹ جائے۔ اس کی دوسری صفت یہ ہے کہ وہ شہد کی مکھی کی طرح صاف ستھری غذا کے سوا کوئی مشتبہ کھانا نہیں

کھاتا۔اس کی تیسری صفت یہ ہے کہ وہ شہد کی مکھی کی طرح جہاں بیٹھتا ہے کسی کو ضرر نہیں پہنچاتا۔

عَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنَ الشَّجَرِ شَجَرَةً لَا يَسْقُطُ وَرَقُهَا وَاِنَّهَا مَثَلُ الْمُسْلِمِ فَحَدِّثُوْا فِيْ مَا هِيَ فَوَقَعَ النَّاسُ فِيْ شَجَرِ الْبَوَادِيْ قَالَ عَبْدُاللّٰہِ فَوَقَعَ فِيْ نَفْسِيْ اَنَّهَا النَّخْلَةُ فَاسْتَحْيَيْتُ ثُمَّ قَالُوْا حَدِّثْنَا مَاهِيَ يَارَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ هِيَ النَّخْلَةُ. (متفق علیه)

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔درختوں میں ایک درخت ایسا ہے جس کے پتے کبھی نہیں جھڑتے اور یہی درخت ہے جو مومن کی مثال ہے۔اچھا بتاؤ وہ کونسا درخت ہے لوگوں کا خیال تو جنگل کے اور اور درختوں کی طرف چلا گیا۔ابن عمرؓ فرماتے ہیں مگر میرے دل میں آیا کہ یہ کھجور کا درخت ہوگا۔لیکن مجھے (اپنے سے بزرگ ہستیوں کے سامنے بولتے) شرم آئی،اس کے بعد لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ہی ارشاد فرمائیں (وہ درخت کونسا ہے) فرمایا وہ کھجور کا درخت ہے۔(متفق علیہ)

تشریح:۔عرب کی سرزمین میں کھجور کے درخت سے بڑھ کر کوئی اور درخت پُر از منافع نہیں ہوتا۔یہ اپنی پوری دورِ زندگی میں مجسم نفع ہی نفع ہوتا ہے اس کا کوئی جزء ایسا نہیں ہوتا جو نفع سے خالی ہو۔حتیٰ کہ اس کی گٹھلیاں بھی بیکار نہیں ہوتیں وہ بھی اونٹوں کے چارے کے کام آتی ہیں۔یہ ہمیشہ سرسبز اور سایہ دار رہتا ہے اور جب تک خشک نہیں ہو جاتا ہمیشہ پھل دیتا رہتا ہے خشک ہونے کے بعد بھی اس کا تنا چھتوں کی کڑیوں کے کام آتا ہے اور اس کے پتوں کی رسیاں بنتی ہیں وغیرہ وغیرہ۔یہی صفت ایک مسلمان کی ہے جو سر سے لے کر قدم تک دور طفولیت سے لیکر پیری تک سرتاسر نفع ہی نفع ہوتا ہے۔

ہر حالت میں خدائے تعالیٰ کا شکر گذار رہنا

عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَجَبًا لِلْمُؤْمِنِ اِنْ اَصَابَهٗ خَيْرٌ حَمِدَ اللّٰہَ وَشَكَرَ وَاِنْ اَصَابَتْهُ مُصِيْبَةٌ حَمِدَ اللّٰہَ وَصَبَرَ فَالْمُؤْمِنُ يُؤْجَرُ فِيْ كُلِّ اَمْرِهٖ حَتّٰى فِي اللُّقْمَةِ يَرْفَعُهَا اِلٰى فِيْ اِمْرَءَ تِهٖ. (رواه البيهقى فى شعب الايمان)

سعد بن ابی وقاصؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کا حال بھی قابل تعجب ہے اگر اس کو کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتا ہے اور اس کا شکر ادا کرتا ہے اور اگر اس کو مصیبت پیش آجاتی ہے تو بھی اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتا اور اس پر صبر کرتا ہے خلاصہ یہ کہ مومن کو ہر حال میں ثواب ملتا ہے حتیٰ کہ اس لقمہ میں بھی جو وہ اٹھا کر اپنی بیوی کے منہ میں ڈالتا ہے۔(شعب الایمان)

تشریح:۔فراخی و تنگی اور صحت و مرض کے ہر حال میں اسی مدح سرائی کی بدولت اس امت کا لقب حمادون مشہور ہو گیا ہے۔ کیوں نہ ہو جس امت کا رسول احمد و محمد ہوں (صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی وامی) اس کی امت کا لقب حمادون ہونا چاہئے۔وہ افراد کتنے بدنصیب ہیں جو اپنی اس شہرت کے ساتھ نہ نعمت میں حمد کرنا یاد رکھیں اور نہ مصیبت میں حمد و شکر بجالائیں۔

عَنْ صُهَيْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَجَبًا لِاَمْرِ الْمُؤْمِنِ اِنَّ اَمْرَهٗ كُلَّهٗ لَهٗ خَيْرٌ وَلَيْسَ ذٰلِكَ لِاَحَدٍ اِلَّا لِلْمُؤْمِنِ اِنْ اَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهٗ وَاِنْ اَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهٗ. (رواه مسلم)

صہیبؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کا ہر معاملہ تعجب خیز اور حیرت انگیز ہے۔

مسرت کی بات ہو یا غم کی اس کے حق میں سب بہتر ہی بہتر ہوتی ہے، یہ مومن کے سوا کسی اور کو نصیب نہیں۔ اگر اس کو کوئی خوشی کی بات پیش آ جائے تو وہ شکر کرتا ہے، یہ بھی اس کے لئے بہتر ہوتی ہے اور اگر کوئی تکلیف پیش آ جائے تو صبر کر لیتا ہے یہ بھی اس کے حق میں بہتر ہوتی ہے۔ (مسلم شریف)

نرم دلی

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَ اَهْلُ الْيَمَنِ هُمْ اَرَقُّ اَفْئِدَةً الْاِیْمَانُ یَمَانٍ وَالْفِقْهُ یَمَانٍ وَالْحِکْمَةُ یَمَانِیَةٌ. (رواہ مسلم)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لو اہل یمن آ گئے یہ لوگ نہایت رقیق القلب ہوتے ہیں، ایمان اور دین کی سمجھ اور حکمت تو یمن ہی کا حصہ ہے۔ (مسلم شریف)

تشریح:۔ صحیح بخاری میں اس حدیث کو ذرا زیادہ تفصیل کے ساتھ روایت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ قبیلہ بنو تمیم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا اے بنو تمیم تم کو بشارت ہو۔ ان بدقسمتوں نے اس کو مال کی بشارت سمجھا اور کہا اچھا تو دلوایئے کیا دلواتے ہیں آپ کو ان کی یہ پست فطرتی پسند نہ ہوئی۔ اتنی دیر میں یمن کی ایک جماعت آ نکلی آپ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ بنو تمیم نے تو بشارت قبول نہ کی لو تم اسے قبول کر لو۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے بسرو چشم قبول کی۔ اس کے بعد عرض کیا "جئنا لتفقه في الدين" ہم اس لئے حاضر ہوئے ہیں کہ اپنے دین کے کچھ مسائل سیکھیں۔ الخ اس واقعہ سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ ان کے قلب میں دین اور احکام دین کے قبول کرنے کی کتنی صلاحیت تھی جو بشارت انہیں سنائی گئی وہ کسی بحث اور کسی تفصیل کے بغیر انہوں نے قبول کر لی اور اپنے آنے کا جو زریں مقصد آپ کے سامنے رکھا وہ صرف ایک فقہ فی الدین یعنی دین کی طلب تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے اس طرح بے چون و چرا بشارت نبویہ کو لپک لیجانے سے بہت محظوظ ہوئے اور ان کی اس صلاحیت اور علو استعداد کو دیکھ کر فرمایا کہ ایمان اور فقہ اور حکمت تو درحقیقت ان لوگوں کا حصہ ہے اور اسی کو یہاں رقۃ قلب سے تعبیر کیا گیا ہے اس کے بالمقابل قلبی قساوۃ ہے وہ یہ کہ نصیحت کے نفوذ کرنے کی اس میں کوئی صلاحیت نہ ہو بلکہ وہ اس خشک پتھر کی طرح ہو جس سے پانی کی ایک بوند بھی نہیں ٹپکتی۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِنْ بَعْدِ ذٰلِکَ فَهِیَ کَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا یَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنهارُ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا یَشَّقَّقُ فَیَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاءُ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا یَهْبِطُ مِنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ.

پھر اس کے بعد تمہارے دل ایسے سخت ہو گئے کہ گویا وہ پتھر ہیں یا ان سے بھی سخت تر اور پتھر ہیں یا ان سے بھی سخت تر اور پتھروں میں تو بعضے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان سے نہریں نکلتی ہیں اور بعض پتھر ایسے بھی ہوتے ہیں جو پھٹ جاتے ہیں اور ان سے پانی جھرتا ہے اور بعض پتھر ایسے بھی ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں۔

آیت بالا میں قلوب کی قساوۃ اور اس کے مختلف مدارج کو ایک بلیغ تشبیہ دیکر سمجھایا گیا ہے کہ قلب کی قساوت یہ ہے کہ اس میں اثر پذیری اور تاثر کی کوئی صلاحیت نہ رہے، دین کی فہم کے لئے اس میں کوئی حرکت نہ ہو اور خشیۃ الٰہی سے وہ یکسر خالی ہو

جائے۔ یہی بے فیض قلوب جن سے ہدایت کے چشمے تو کیا بہتے اس کا کوئی قطرہ بھی ان سے نہیں ٹپکتا قلوب قاسیہ ہیں جو سختی میں پتھروں سے بھی بڑھ کر ہیں کہ پتھروں میں کچھ نہ کچھ آثار تاثر کچھ نہ کچھ حرکت تو نظر آتی ہے۔ اس کے برخلاف مومن کے قلب میں رِقت ولین کی صفت ہوتی ہے یہ صفت صرف اس کے قلب تک محدود نہیں رہتی بلکہ اس کے اعضاء وجوارح تک بھی سرایت کر جاتی ہے۔ وہ نرم خو، نرم مزاج، شیریں طبیعت، صاحب محبت ومروت اور ہر کس وناکس کی بات سننے اور ماننے والا ہوتا ہے حتیٰ کہ مسلمانوں کے لئے ہمہ تن رحمت اور کفار کے مقابلہ میں مجسم شدت بن جاتا ہے۔ اسی صفت کو **اشداء علی الکفار رحماء بینھم** میں ذکر کیا گیا ہے اور ذیل کی حدیث میں بھی اس کے اسی رِقت ولین کے اثرات کا ذکر ہے۔

پاکیزہ زبان ہونا

عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ وَلَا بِاللَّعَّانِ وَلَا الْفَاحِشِ وَلَا الْبَذِیِّ. (رواہ الترمذی)

ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کے لئے نہ یہ مناسب ہے کہ وہ ہر وقت لعن طعن کرتا رہے اور نہ یہ کہ فحش کلامی اور بدزبانی کرتا رہے۔ (ترمذی۔بیہقی)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یَنْبَغِیْ لِصِدِّیْقٍ اَنْ یَکُوْنَ لَعَّانًا. (رواہ مسلم)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صدیق ہو کر یہ بات اس کی شایانِ شان نہیں کہ ہر وقت لعنت برسایا کرے۔ (مسلم)

عَنْ عَائِشَةَ قَالَ مَرَّ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِاَبِیْ بَکْرٍ وَهُوَ یَلْعَنُ بَعْضَ رَقِیْقِهٖ فَالْتَفَتَ اِلَیْهِ فَقَالَ لَعَّانِیْنَ وَصِدِّیْقِیْنَ کَلَّا وَرَبِّ الْکَعْبَةِ فَاَعْتَقَ اَبُوْبَکْرٍ یَوْمَئِذٍ بَعْضَ رَقِیْقِهٖ ثُمَّ جَاءَ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَا اَعُوْدُ. (رواہ البیھقی فی شعب الایمان)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکرؓ کے پاس سے گذرے وہ اتفاقاً اپنے کسی غلام کے متعلق لعنت کا لفظ استعمال فرما رہے تھے آپ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا رب کعبہ کی قسم یہ ہرگز نہیں ہوگا کہ جو لوگ لعنتیں برسائیں وہ صدیق بھی شمار ہوں۔ اس واقعہ کے بعد ابوبکرؓ نے اس غلام کو آزاد کر دیا اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اب آئندہ ایسا قصور نہیں ہوگا۔ (بیہقی)

عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ اللَّعَّانِیْنَ لَا یَکُوْنُوْنَ شُهَدَاءَ وَلَا شُفَعَاءَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ. (رواہ مسلم)

ابوالدرداء روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ ہر وقت لعنت برسانے والوں کو نہ شہادت کا حق دیا جائے گا نہ شفاعت کا۔ (مسلم)

تشریح:۔ لعنت لغت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کرنے کو کہتے ہیں۔ جو شخص دنیا میں دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے

دور کرنے کا عادی ہو قیامت میں اسے شفاعت اور شہادت کا بھلا کیا حق ہوسکتا ہے۔شفاعت لعنت کے برعکس اللہ تعالیٰ کی رحمت کے طلب کا نام ہے۔دنیا میں قانون شہادت یہ ہے کہ مقدمہ میں گواہ وہ ہوسکتا ہے جو اس کا دشمن نہ ہو۔پھر دنیا میں جو شخص خدائے تعالیٰ کی رحمت سے دور کر کے اپنی دشمنی کا ثبوت دے چکا ہے وہ آخرت میں کب کسی کا گواہ بن سکتا ہے۔

نبی کے بعد صدیق کی شفاعت کا درجہ ہے اور اس کے بعد شہداء و صالحین کی شفاعت کا صاحب نبوت نے سمجھایا کہ آخرت میں جس امت کو شفاعت اور شہادت دونوں کا منصب عطا ہوا ہو جب اس کے لئے بالعموم لعنت کا استعمال کرنا ناموزوں ہے تو پھر ان میں جو صدیق کہلائیں ان کے لئے تو کتنا کچھ ناموزوں ہوگا۔صدیق اکبرؓ نے اس نکتہ کو خوب سمجھ لیا اور اسی لئے اس غلطی کی ہر ممکن طریقہ پر تلافی کرنے کی کوشش بھی کی۔اس ضمن میں آپ کو باہم اسباب افتراق مٹانے کا بھی ایک بڑا سبق دیا گیا ہے۔فرق یہ ہے کہ دنیا ان ظاہری مضرتوں کو اہمیت دیتی ہے اور شریعت آخرت کی مضرتوں کو۔اس لئے شریعت اپنی نظر حقیقت میں کے مطابق ان اسباب واثرات کا ذکر کرتی رہتی ہے اور ظاہر بین ان آثار ظاہری کے درپے رہتا ہے اور اسی کو فلسفہ سے تعبیر کرتا رہتا ہے۔پس ایک ظاہر پرست کے نزدیک تو نزاہت لسان کا فلسفہ صرف دعوت اتحاد اور باہمی اسباب منافرت کا ترک کرنا ہے۔اور حدیث کی نظر میں یہ سب ضمنی اور سطحی نفع نقصان ہے۔ان کو سمجھنے سمجھانے کے لئے انسان کی عقل خود بھی کافی ہے جو اصل اور دائمی نقصان ہے اور ہماری ادراکِ عقل سے بالاتر ہے۔وہ امت کی امتیازی خصوصیت یعنی شفاعت سے محرومی ہے۔حدیث اس کا انکار نہیں کرتی تم اس کا انکار مت کرو بلکہ اس حقیقت کو حاصل کرنے کی کوشش کرو جس کے پا جانے کے بعد تمہارا بنایا ہوا فلسفہ۔بلاتعب ومشقت خود بخود حاصل ہو جائے گا۔

عَنْ صَفْوَانَ بْنَ سَلِيْمٍ اَنَّهٗ قِيْلَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيَكُوْنُ الْمُؤْمِنُ جَبَانًا قَالَ نَعَمْ فَقِيْلَ لَهٗ اَيَكُوْنُ الْمُؤْمِنُ بَخِيْلًا قَالَ نَعَمْ فَقِيْلَ لَهٗ اَيَكُوْنُ الْمُؤْمِنُ كَذَّابًا قَالَ لَا. (رواه مالک والبیهقی فی شعب الایمان مرسلاً)

صفوان بن سلیم روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ مومن بزدل ہوسکتا ہے فرمایا جی ہاں۔پھر پوچھا گیا، کیا بخیل ہوسکتا ہے فرمایا جی ہاں۔پھر پوچھا گیا اچھا کیا اول نمبر کا جھوٹا بھی ہوسکتا ہے۔فرمایا جی نہیں۔(مالک۔شعب الایمان)

تشریح:۔حدیث کی مراد یہ ہے کہ بزدلی اور شجاعت فطرت کی ایک تقسیم ہے جیسا سخاوت و بخل اس لئے بزدلی اور بخل اگر چہ مذموم صفات سہی مگر ہے غیر اختیاری۔اس لئے اگر ایک مومن میں بہادری نہ ہو یا حقوق اسلام ادا کرنے کے بعد اس میں سخاوت کا مضمون نہ ہو تو وہ مواخذہ سے بری ہوسکتا ہے لیکن خیانت اور جھوٹ کی عادتیں غیر اختیاری صفات نہیں۔ایمان امانت سے مشتق ہے جو خیانت کی ضد ہے اس لئے ایمان اور خیانت جمع نہیں ہوسکتے۔اسی طرح دروغگوئی کی عادت نفاق کا شعبہ ہے ایمان یک رُخی کا طالب ہے اس لئے دورخا پن اسلام وایمان کے ساتھ نبھ نہیں سکتا۔اس لئے مومن نہ خیانت کا عادی ہوسکتا ہے نہ دورغ گوئی کا۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَلَّمَا خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا قَالَ لَا اِيْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَةَ لَهٗ وَلَا دِيْنَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهٗ. (رواه البیهقی فی شعب الایمان)

انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی خطبہ ایسا کم دیا ہوگا جس میں یہ نہ فرمایا ہو کہ جس

شخص میں امانت نہیں اس کا ایمان بھی کچھ نہیں اور جس میں وفاء عہد نہیں اس کا دین بھی کچھ نہیں۔ (شعب الایمان)

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ جَوَادٍ قَالَ قَالَ اَبُو الدَّرْدَاءِ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ھَلْ یَکْذِبُ الْمُؤْمِنُ قَالَ لَا یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَلَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ مَنْ اِذَا حَدَّثَ کَذَبَ. (الجامع الکبیر)

عبداللہ بن جواد روایت کرتے ہیں کہ ابوالدرداء نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا مومن جھوٹ بولتا ہے آپ نے ارشاد فرمایا جس شخص کی عادت یہ ہو کہ جب بات کرے تو جھوٹ ہی بولے وہ نہ تو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے اور نہ آخرت کے دن پر۔ (جامع کبیر)

اس حدیث میں اس امر کی وضاحت ہوگئی کہ اوپر کی حدیثوں میں کذب سے مراد اتفاقاً جھوٹ بولنا نہیں بلکہ اس کا عادی ہونا مراد ہے اسی لئے صحیح حدیثوں میں جھوٹ کی عادت نفاق کی ایک خصلت قرار دی گئی ہے۔

عَنْ مَالِکٍ قَالَ بَلَغَنِیْ اَنَّہٗ قِیْلَ لِلُقْمَانِ الْحَکِیْمِ مَا بَلَغَ بِکَ مَا نَرٰی یَعْنِیْ الْفَضْلَ قَالَ صِدْقُ الْحَدِیْثِ وَاَدَاءُ الْاَمَانَةِ وَتَرْکُ مَالَا یَعْنِیْنِیْ. (رواہ فی الموطا)

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ لقمان حکیم سے پوچھا گیا فرمایئے کہ یہ رتبہ بلند آپ کو کیسے نصیب ہوا انہوں نے جواب دیا۔ راست گوئی، اداء امانت اور بیکار باتوں سے کنارہ کشی کی بدولت۔ (موطاء)

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ کُنْتُ اَکْتُبُ کُلَّ شَیْئٍ اَسْمَعُہٗ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اُرِیْدُ حِفْظَہٗ فَنَھَتْنِیْ قُرَیْشٌ وَقَالُوْا اَتَکْتُبُ کُلَّ شَیْئٍ تَسْمَعُہٗ وَرَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَشَرٌ یَتَکَلَّمُ فِی الْغَضَبِ وَالرِّضَا فَاَمْسَکْتُ عَنِ الْکِتَابِ فَذَکَرْتُ ذٰلِکَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَوْمَأَ بِاِصْبَعِہٖ اِلٰی فِیْہِ فَقَالَ اُکْتُبْ فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ مَا یَخْرُجُ مِنْہُ اِلَّا حَقٌّ. (رواہ ابوداؤد)

عبداللہ بن عمروؓ روایت کرتے ہیں کہ جو کچھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن پاتا وہ سب کچھ لکھ لیا کرتا تھا اس سے میرا مقصد آپ کے کلمات کی حفاظت کرنی تھی۔ قریش نے مجھے اس بات سے روکا اور کہا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو بات بھی سنتے ہو وہ سب قلمبند کر لیتے ہو حالانکہ آپ ایک بشر ہی تو ہیں کبھی کوئی بات غصہ کی حالت میں بھی فرما دیتے ہیں۔ (ہوسکتا ہے کہ اس حالت میں وہ مقام نبوت کے معیار اعتدال سے اتری ہوئی بات ہو) اس کے بعد میں نے لکھنا بند کر دیا اور اس قصہ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا۔ آپ نے اپنے دہن مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا (بے خوف وخطر) سب کچھ لکھو۔ اس خدائے توانا کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس منہ سے بجز حق کے اور کچھ نہیں نکلتا۔ (ابوداؤد)

تشریح:۔ انبیاء علیہم السلام کا کلام صرف سچا ہی نہیں ہوتا بلکہ وہ جو کچھ بولتے ہیں وہ حق بھی ہوتا ہے سبحان اللہ! وہ دہن مبارک بھی کتنا مقدس دہن ہوگا جس میں مذاق اور غصہ کے بشری حالات میں بھی ملکی نطق کی صفات موجود رہتی تھیں جب تک خدائے برحق کی عصمت کسی کی اس طرح نگرانی نہ رکھے اس وقت تک کسی بشر کے لئے مقام صدق وصفا کی منزل تک رسائی ناممکن ہے۔ متکلم کی نیت کے لحاظ سے اس کو صادق تو کہہ سکتے ہیں مگر جب تک اس کا کلام حقیقت کے مطابق نہ ہو اس کو حق نہیں کہہ سکتے۔

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَجُلًا جَاءَ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ مَا عَمَلُ

الْجَنَّةِ قَالَ الصِّدْقُ وَاِذَا صَدَقَ الْعَبْدُ بَرَّ وَاٰمَنَ فَاِذَا اٰمَنَ دَخَلَ الْجَنَّةَ. قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَا عَمَلُ النَّارِ قَالَ الْكِذْبُ اِذَا كَذَبَ الْعَبْدُ فَجَرَ وَاِذَا فَجَرَ كَفَرَ وَاِذَا كَفَرَ دَخَلَ يعني النَّارَ. (رواه احمد)

عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے پوچھا یا رسول اللہ جنت کا عمل کیا ہے؟ فرمایا سچ بولنا۔ جب بندہ سچ بولتا ہے تو نیک بن جاتا ہے اور ایماندار ہو جاتا ہے اور جب ایماندار بن جاتا ہے تو جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ پھر اس نے پوچھا اچھا دوزخ کا عمل کیا ہے فرمایا جھوٹ بولنا۔ جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو حدودِ شریعت سے تجاوز کرنے لگتا ہے اور جب تجاوز کرنے لگتا ہے تو کفر میں گرفتار ہو جاتا ہے اور جب کفر میں گرفتار ہو جاتا ہے تو دوزخ میں داخل ہو جاتا ہے۔ (احمد)

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ فَاِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِىْ اِلَى الْبِرِّ وَاِنَّ الْبِرَّ يَهْدِىْ اِلَى الْجَنَّةِ وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَصْدُقُ وَيَتَحَرَّى الصِّدْقَ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَاللّٰهِ صِدِّيْقًا وَاِيَّاكُمْ وَالْكِذْبَ فَاِنَّ الْكِذْبَ يَهْدِىْ اِلَى الْفُجُوْرِ وَاِنَّ الْفُجُوْرَ يَهْدِىْ اِلَى النَّارِ وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَكْذِبُ وَيَتَحَرَّى الْكِذْبَ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَاللّٰهِ كَذَّابًا. (متفق عليه)

عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا راست گوئی کی عادت اختیار کرو کیونکہ راست گوئی سے نیکی کرنے کی توفیق نصیب ہوتی ہے اور نیکی انسان کو جنت تک پہنچا دیتی ہے۔ آدمی سچ بولتا رہتا ہے اور تلاش کر کر کے سچ بولتا رہتا ہے نتیجہ یہ ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کا لقب صدیق پڑ جاتا ہے اور دیکھو جھوٹ سے بچنا کیونکہ جھوٹ فسق میں مبتلا کر دیتا ہے اور فسق دوزخ میں پہنچا کر چھوڑتا ہے۔ انسان جھوٹ بولتا رہتا ہے اور ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر جھوٹ بولتا رہتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کا لقب کذاب پڑ جاتا ہے۔ (متفق علیہ)

تشریح:۔ یہ تنبیہ کی جا چکی ہے کہ خیر و شر کے علیحدہ علیحدہ دو سلسلے ہیں اور ان دونوں میں ایک کڑی اپنی دوسری کڑی سے متصل ہے۔ پھر سلسلہ خیر کے منتہی پر جنت ہے اور سلسلہ شر کے آخر میں دوزخ۔ پس کوئی انسان بھی دفعۃً جنت یا دوزخ میں نہیں چلا جاتا اولاً اس کے ہاتھ میں خیر و شر کی کوئی معمولی سی کڑی آ جاتی ہے پھر اس کی وجہ سے اس میں اسی سلسلہ کی دوسری کڑی کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے اور اس طریق سے وہ بتدریج جنت یا دوزخ میں جا پہنچتا ہے پس نہ کسی خیر کو معمولی سمجھنا چاہئے نہ کسی شر کو معمولی ترمذی میں سلمہ بن اکوع سے روایت ہے کہ تکبر کرتے کرتے ایک دن ایسا آ جاتا ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جبارین کی فہرست میں درج ہو جاتا ہے آخر اس پر بھی وہ عذاب آ جاتا ہے جو ان پر آیا تھا۔ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ صدیقین اور کاذبین کی ایک فہرست ہے یہ حدیث بتاتی ہے کہ انسان کو یہ کوشش کرنی چاہئے کہ اس کا نام صدیقین کی فہرست میں آ جائے **یا یھا الذین اٰمنوا کونوا مع الصادقین** اور اس سے ڈرنا چاہئے کہ اس کا نام کہیں کاذبین کی فہرست میں درج نہ ہو جائے۔ **ان لعنة اللہ علی الکاذبین** اور یہ اس لئے کہ صدق و کذب صرف معمولی خیر و شر نہیں بلکہ ان کا ثمرہ جنت اور دوزخ بھی ہو سکتا ہے۔

عَنْ اُمِّ كُلْثُوْمٍ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ الْكَذَّابُ الَّذِىْ يُصْلِحُ بَيْنَ النَّاسِ وَيَقُوْلُ خَيْرًا وَيَنْمِىْ خَيْرًا. (متفق عليه)

وزاد مسلم قَالَتْ وَلَمْ اَسْمَعْهُ تَعْنِیْ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُرَخِّصُ فِیْ شَیْئٍ مِمَّا یَقُوْلُ النَّاسُ اِنَّهٗ كِذْبٌ اِلَّا فِیْ ثَلَاثٍ الْحَرْبُ. وَالْاِصْلَاحُ بَیْنَ النَّاسِ وَحَدِیْثُ الرَّجُلِ اِمْرَأَتَهٗ وَحَدِیْثُ الْمَرْأَةِ زَوْجَهَا. (وروی احمد والترمذی عن اسماء بنت یزید مثله)

حضرت ام کلثومؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کذاب وہ نہیں جو لوگوں میں صلح جوئی کے ارادہ سے کوئی کلمہ خیر زبان سے کہدے اور کسی کو کسی دوسرے شخص کی طرف سے کوئی بھلی بات پہنچادے۔ (متفق علیہ)

مسلم میں اتنا مضمون اور ہے کہ حضرت ام کلثومؓ فرماتی ہیں جو باتیں لوگوں کے درمیان جھوٹ شمار ہوتی ہیں ان میں سے صرف تین موقعہ پر میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت سنی ہے۔ جنگ میں، لوگوں کے درمیان صلح جوئی کے لئے، اور تیسرے شوہر کا اپنی بی بی اور بی بی کا اپنے شوہر کی رضامندی کے لئے۔ (مسند احمد)

تشریح:۔ صریح جھوٹ بولنے کی اجازت تو مشکل ہے کہ کہیں ثابت ہو البتہ کسی اہم مصلحت کے لئے ایسی ذو معنیین بات کہدینے کی اجازت ہے جس پر بظاہر جھوٹ کا گمان ہو سکے مگر اصلی مراد کے لحاظ سے وہ سچ ہو اس کا نام توریہ ہے۔ پس توریہ کذب نہیں وہ صدق ہی کی ایک کذب نما صورت ہے مسلم کی روایت میں **مما یقول الناس انه کذب**'' کے لفظ میں غالباً اسی طرف اشارہ ہے۔ ایسے کلمات کے استعمال کی اجازت بھی عام طور پر نہیں بلکہ اس میں ہی صرف تین مقامات کا استثناء کیا گیا ہے۔ جنگ کی حالت میں اور دوسرے دو مقام ایسے ہیں جن میں صاف گوئی موجب فتنہ ہو۔ اسی لئے مشہور ہے:۔

دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز

شافعیہ کے نزدیک یہاں کچھ زیادہ وسعت ہے۔ شیخ محی الدین نوویؒ نے امام غزالیؒ سے نقل کیا ہے کہ اگر کسی اچھے مقصد کے لئے صدق و کذب کے دونوں راستے ہوں تو ظاہر ہے کہ اب کذب بلا حاجت ہوگا اس لئے یہاں جھوٹ بولنا حرام ہے لیکن اگر اس کے حصول کی جھوٹ کے سوا کوئی صورت نہیں تو دیکھنا چاہئے کہ وہ مقصد مباح ہے یا واجب۔ اگر مباح ہے تو یہ جھوٹ بھی مباح رہے گا ورنہ واجب ہو جائے گا مثلاً ایک مسلمان کسی ظالم سے بچ کر کہیں چھپا ہوا ہے تو واجب ہے کہ اس کو اس ظالم سے بچانے کے لئے جھوٹ بول دیا جائے یہ اس وقت ہے جبکہ توریہ سے کام نہ چلے ورنہ احتیاط اسی میں ہے کہ توریہ کرلے۔ (مختصر کتاب الاذکار ۱۶۲)

عَنْ سُفْیَانَ بْنِ اسید الْحَضْرَمِیِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ كَبُرَتْ خِیَانَةً اَنْ تُحَدِّثَ اَخَاكَ حَدِیْثًا هُوَ لَكَ بِهٖ مُصَدِّقٌ وَاَنْتَ بِهٖ كَاذِبٌ. (رواہ ابوداؤد وسکت علیہ قال النووی وفی اسنادہ ضعف)

سفیان بن اسید بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ یہ بھی ایک بڑی خیانت کی بات ہے کہ تم اپنے بھائی سے اس طرح کی ذو معنیین باتیں بناؤ کہ وہ تو تم کو سچا سمجھ رہا ہو اور تم اس سے جھوٹ بول رہے ہو۔ (ابوداؤد)

تشریح:۔ نوویؒ فرماتے ہیں کہ توریہ یہ ہے کہ تم ایسا لفظ بولو جو ایک معنی میں ظاہر ہو مگر تم اس کے دوسرے ایسے معنے مراد لے لو جو اگرچہ اس لفظ سے مفہوم تو ہوں مگر اس کے ظاہر معنی کے خلاف ہوں چونکہ یہ بھی ایک قسم کا دھوکا ہے اس لئے حاجت کے بغیر یہ بھی ممنوع ہے۔ تفصیل یہ ہے کہ اگر توریہ کا مقصد کسی کا حق تلف کرنا ہو جب تو یہ حرام ہوگا ورنہ پھر بھی بے حاجت بات ہے اس

لئے مکروہ رہے گا اور اگر کسی صحیح مقصد کے لئے ہو تو مباح ہوگا۔ (کتاب الاذکار ص ۱۶۷)

فیہ بات یادرکھنی چاہئے کہ مبالغہ اگر چہ فی نفسہ کذب میں شمار نہیں مگر جب بے محل اور اپنی حد سے تجاوز کر جائے تو وہ بھی کذب کی تعریف میں آ سکتا ہے مثلاً آپ نے کسی شخص کو صرف ایک بار بلایا ہو اور آپ اس سے یہ کہیں کہ ہم نے تجھے سینکڑوں بار بلایا۔ مگر تو نہیں آیا اب یہاں سینکڑوں بار کا لفظ اگر چہ بطریق مبالغہ ہی استعمال کیا گیا ہے مگر اس موقعہ پر یہ کذب شمار ہوگا۔ اس کو مبالغہ نہیں کہتے۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ اس قسم کے کذب میں عام ابتلاء ہے لہٰذا اس سے بھی احتراز لازم ہے۔ (کتاب الاذکار ص ۱۶۷)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کذب بھی ایک قسم کی خیانت ہے۔ خیانت صرف ہاتھ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ انسانی تمام اعضاء کی صفت ہو سکتی ہے۔ ہاتھ کی خیانت ناجائز مال حاصل کرنا، زبان کی خیانت واقع کے خلاف بات زبان سے نکالنا اور آنکھ کی خیانت خلاف شرع نظر اٹھانا ہے آیۃ **یعلم خائنة الاعین** میں آنکھ کی اسی خیانت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ایمان جب قلب میں سرایت کر جاتا ہے تو پھر رگ رگ میں امانت سما جاتی ہے اور عضو عضو سے خیانت نکل جاتی ہے۔ جب تک مومن کی رگ و پے میں اس طرح امانت سرایت نہیں کرتی وہ پورا مومن نہیں کہلاتا اسی لئے حدیث میں ہے۔ **لا ایمان له لمن لا امانة لهٗ۔**

مجبوری میں توریہ کر لینا جھوٹ سے بچنے کا ایک صحیح طریقہ ہے

عَنْ سُوَيْدِ بْنِ حَنْظَلَةَ قَالَ خَرَجْنَا نُرِيْدُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَنَا وَائِلُ بْنُ حُجْرٍ فَاَخَذَهٗ عَدُوٌّ لَهٗ فَتَحَرَّجَ الْقَوْمُ اَنْ يَحْلِفُوْا وَحَلَفْتُ اَنَّهٗ اَخِيْ فَخَلّٰى سَبِيْلَهٗ فَاَتَيْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرْتُهٗ اَنَّ الْقَوْمَ تَحَرَّجُوْا اَنْ يَحْلِفُوْا وَحَلَفْتُ اَنَّهٗ اَخِيْ فَقَالَ صَدَقْتَ الْمُسْلِمُ اَخُوا الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهٗ وَلَا يَخْذِلُهٗ وَلَا يُسْلِمُهٗ. (رواه ابوداؤد واخرجه احمد الشيخان وعن ابن عمر.)

سوید بن حنظلہ بیان کرتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کے ارادہ سے نکلے ہمارے ہمراہ وائل بن حجر بھی تھے (راستہ میں) ان کو ان کے کسی دشمن نے پکڑ لیا اور لوگوں نے تو قسم کھانے میں کچھ تامل سا کیا مگر میں نے قسم کھا کر کہدیا کہ یہ میرا بھائی ہے اس نے میری وجہ سے ان کو چھوڑ دیا جب ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو میں نے عرض کیا کہ ان لوگوں نے تو قسم کھانے میں گناہ محسوس کیا مگر میں نے تو قسم کھالی کہ یہ میرے بھائی ہیں۔ آپ نے فرمایا تم نے سچ تو کہا ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہی ہوتا ہے وہ نہ اس کی حق تلفی کرتا ہے، نہ بروقت اس کی مدد کرنے سے پیچھے ہٹتا ہے اور نہ اس کو کسی مصیبت میں گرفتار کر سکتا ہے۔ (ابوداؤد)

تشریح:۔ ایک موقعہ پر حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی زبان مبارک سے بھی حضرت سارہ کے حق میں "انها اختی" کا کلمہ حق نکلا تھا وہ بھی ایک ظالم بادشاہ سے اپنی تحفظ ناموس و آبرو کی خاطر تھا اور بلاشبہ سچا تھا لیکن جب کسی کو اس قسم کے نازک مواقع پر کوئی صحیح بات نہ آتی ہو تو وہ بیچارہ اپنے دامن تقدس کو سنبھالنے کے سوا اور کر ہی کیا سکتا تھا انصاف کیجئے کہ مذکورہ بالا واقعہ میں اگر اخوت اسلامی کی بناء پر یہ قسم کھانے والا شخص نہ نکل آتا تو کیا ایک صحابی کا خون ناحق نہ بہا دیا گیا ہوتا، اسی لئے مفسدہ اور مصلحت

کا علم نہایت اہم اور نازک ہے دیندار بیوقوف کے پلے پڑ جائے تو نہ معلوم وہ کتنے ناحق خون کرڈالے اور بے دین سمجھدار کے ہاتھ آ جائے تو مصلحت کے پردوں میں نہ معلوم وہ کتنے احکام اسلامیہ کی بساط الٹ دے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَكْذِبْ اِبْرَاهِيْمُ اِلَّا ثَلَاثَ كَذِبَاتٍ ثِنْتَيْنِ مِنْهُ فِیْ ذَاتِ اللّٰهِ قَوْلُهٗ اِنِّیْ سَقِيْمٌ وَقَوْلُهٗ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا وَقَالَ بَيْنَا هُوَ ذَاتَ يَوْمٍ وَسَارَةُ اِذْ اَتٰى عَلٰى جَبَّارٍ مِنَ الْجَبَابِرَةِ فَقِيْلَ لَهٗ اِنَّ هٰهُنَا رَجُلًا مَعَهُ امْرَءَةٌ مِنْ اَحْسَنِ النَّاسِ فَاَرْسَلَ اِلَيْهِ فَسَاَلَهٗ مَنْ هٰذِهٖ قَالَ اُخْتِیْ فَاَتٰى سَارَةَ فَقَالَ لَهَا اِنَّ هٰذَا الْجَبَّارَ اِنْ يَعْلَمْ اَنَّكِ امْرَاَتِیْ يَغْلِبْنِیْ عَلَيْكِ فَاِنْ سَاَلَكِ فَاَخْبِرِيْهِ اَنَّكِ اُخْتِیْ فِی الْاِسْلَامِ لَيْسَ عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ مُؤْمِنٌ غَيْرِیْ وَغَيْرُكِ فَاَرْسَلَ اِلَيْهَا فَاُتِیَ بِهَا قَامَ اِبْرَاهِيْمُ يُصَلِّیْ فَلَمَّا دَخَلَتْ عَلَيْهِ ذَهَبَ يَتَنَاوَلُهَا بِيَدِهٖ فَاُخِذَ وَيُرْوٰى فَغُطَّ حَتّٰى رَكَضَ بِرِجْلِهٖ فَقَالَ اُدْعِیْ اللّٰهَ لِیْ وَلَا اَضُرُّكِ فَدَعَتِ اللّٰهَ فَاُطْلِقَ ثُمَّ تَنَاوَلَهَا الثَّانِيَةَ فَاُخِذَ مِثْلَهَا اَوْ اَشَدَّ فَقَالَ اُدْعِیْ اللّٰهَ لِیْ وَلَا اَضُرُّكِ فَدَعَتِ اللّٰهَ فَاُطْلِقَ فَدَعَا بَعْضَ حَجَبَتِهٖ فَقَالَ اِنَّكَ لَمْ تَاْتِنِیْ بِاِنْسَانٍ اِنَّمَا اَتَيْتَنِیْ بِشَيْطَانٍ فَاَخْدَمَهَا هَاجَرَ فَاَتَتْهُ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّیْ فَاَوْمَاَ بِيَدِهٖ مَهْيَمْ قَالَتْ رَدَّ اللّٰهُ كَيْدَ الْكَافِرِ فِیْ نَحْرِهٖ فَاَخْدَمَ هَاجَرَ قَالَ اَبُوْهُرَيْرَةَ تِلْكَ اُمُّكُمْ يَابَنِیْ مَاءِ السَّمَاءِ. (متفق علیه)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی تمام عمر میں صرف تین مقامات پر توریہ سے کام لیا ہے جن میں دو تو خدائے تعالیٰ ہی کی راہ میں ہیں۔ ایک اُن کا قول انی سقیم (میں بیمار پڑنے والا ہوں) دوسرا بل **فعله کبیرهم** (یہ کام اس نے کیا جوان میں بڑا ہے) اور تیسرا اس وقت جبکہ وہ ایک دن سفر کر رہے تھے اور ان کی بی بی سارۃ ان کے ہمراہ تھیں راستہ میں ان کا ایک ظالم بادشاہ کے ملک سے گذر ہوا اس بادشاہ سے کسی نے ذکر کیا کہ آپ کی قلمرو میں ایک شخص آیا ہوا ہے، اس کے ساتھ اس کی بی بی ہے اور وہ بڑی حسینہ ہے۔ یہ سن کر اس نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس اپنا آدمی بھیجا اس نے پوچھا تمہارے ساتھ یہ کون ہے انہوں نے فرما دیا میری بہن۔ اس کے بعد حضرت سارۃ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا اگر یہاں کے بادشاہ کو یہ علم ہوگیا کہ تم میری بی بی ہو تو وہ تم کو مجھ سے زبردستی چھین لے گا لہٰذا اگر وہ تم سے پوچھے تو کہدینا کہ تم میری (اسلامی) بہن ہو کیونکہ اس خطہ زمین پر میرے اور تمہارے سوا اس وقت کوئی اور مومن نہیں ہے بادشاہ نے حضرت سارہ کو بلا بھیجا وہ حاضر کر دی گئیں ادھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نماز کے لئے کھڑے ہو گئے جب وہ اس کے سامنے پیش کی گئیں تو اس بدبخت نے بدنیتی سے ان کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا فوراً اس کا گلہ پکڑا گیا اور ایک روایت میں ہے کہ گھٹ گیا یہانتک کہ وہ اپنے پیر پٹخنے لگا اور کہنے لگا میرے واسطے دعا کریں میں تجھے کچھ نہ ستاؤں گا۔ حضرت سارہ نے دعا فرمائی فوراً وہ درست ہوگیا بدبخت نے پھر ہاتھ بڑھایا اور پہلے کی طرح اس کا گلا گھٹنے لگا بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت۔ وہ پھر چیخا میرے لئے دعا کریں میں تجھے کچھ نہ کہوں گا۔ حضرت سارہ نے دعا فرمائی فوراً وہ درست ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے اپنے ایک دربان کو بلا کر کہا تو تو میرے پاس کوئی انسان نہیں لایا کسی بلا کو لے آیا ہے اور رخصت

کے وقت حضرت سارہ کی خدمت میں حضرت ہاجرہ کو پیش کیا۔ جب سارہ آئیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نماز میں مشغول تھے اشارہ سے پوچھا کہو کیا حال رہا انہوں نے عرض کیا اللہ تعالیٰ نے اس کی بدنیتی کا نتیجہ اس کو دکھا دیا اور اس نے ہاجرہ کو بطور نذر پیش کیا ہے۔ ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں اے (پانی پر بسر کرنے والے) عرب یہ تھیں تمہاری ماں۔ (متفق علیہ)

عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ قُرَادٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ یَوْمًا فَجَعَلَ اَصْحَابُہٗ یَتَمَسَّحُوْنَ بِوَضُوْئِہٖ فَقَالَ لَھُمُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا یَحْمِلُکُمْ عَلٰی ھٰذَا قَالُوْا حُبُّ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ سَرَّہٗ اَنْ یُحِبَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ اَوْ یُحِبُّہُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ فَلْیَصْدُقْ حَدِیْثَہٗ اِذَا حَدَّثَ وَالْیُؤَدِّ اَمَانَتَہٗ اِذَا ائْتُمِنَ وَالْیُحْسِنْ جِوَارَ مَنْ جَاوَرَہٗ. (رواہ البیھقی فی شعب الایمان)

عبدالرحمٰن بن قراد بیان کرتے ہیں کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا تو صحابہ کرامؓ آپ کے وضو کا پانی لے لیکر اپنے جسموں پر ملنے لگے، آپ نے پوچھا تم یہ حرکت کیوں کر رہے ہو؟ انہوں نے عرض کیا صرف خدائے تعالیٰ اور اس کے رسول کی محبت کے جذبہ میں اس پر آپ نے فرمایا۔ اچھا تو جس کو یہ بات اچھی معلوم ہو کہ وہ ٹھیک ٹھیک خدائے تعالیٰ اور اس کے رسول سے محبت کرے یا یہ کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول خود اس سے محبت کرنے لگیں تو اسے چاہئے کہ جب بات کیا کرے تو سچی بات کیا کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس کو پورا پورا ادا کیا کرے اور جو شخص بھی اس کا پڑوس اختیار کرے یہ اس کے ساتھ اچھا ہی معاملہ کیا کرے۔ (شعب الایمان)

تشریح:۔ حدیث بالا میں محبوب رب العالمین نے مجذوبین راہ محبت کو سالک بننے کی تعلیم دی ہے اور فرمایا ہے کہ تمہارا یہ جذبہ محبت بیشک بہت مبارک ہے مگر راہ محبت صرف جذب سے طے نہیں ہوگی۔ اس کے لئے سلوک بھی درکار ہے وہ چند پاکیزہ صفات اختیار کرنے سے ہوگی جن میں سب سے پہلی صفت صدق اور راست گوئی ہے۔ دوسری صفت امانتداری اور تیسری خدائے تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ ہمدردی ہے اس صفت میں سب سے زیادہ نمایاں یہ ہے کہ جو شخص بھی تمہاری دیوار کے سایہ کے نیچے آجائے وہ کسی تفریق کے بغیر تمہاری ہمدردیوں کا مرکز بن جائے۔ ان تین صفتوں کے بالمقابل جو صفتیں ہیں وہ مومن کی نہیں منافق کی صفتیں ہیں۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَفٰی بِالْمَرْءِ کَذِبًا اَنْ یُّحَدِّثَ بِکُلِّ مَا سَمِعَ. (رواہ مسلم)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی کے جھوٹ بولنے کے لئے اتنی سی بات کافی ہے کہ وہ جو سن پائے اسی کو (قبل از تحقیق) دوسروں سے نقل کردے۔ (مسلم)

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ اِنَّ الشَّیْطَانَ لَیَتَمَثَّلُ فِیْ صُوْرَۃِ الرَّجُلِ فَیَاْتِی الْقَوْمَ فَیُحَدِّثُھُمْ بِالْحَدِیْثِ مِنَ الْکَذِبِ فَیَتَفَرَّقُوْنَ فَیَقُوْلُ الرَّجُلُ مِنْھُمْ سَمِعْتُ رَجُلًا اَعْرِفُ وَجْھَہٗ وَلَا اَدْرِیْ مَا اسْمُہٗ یُحَدِّثُ. (رواہ مسلم)

ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (بعض مرتبہ) شیطان لوگوں کے سامنے ایک آدمی کی شکل بنا کر آتا ہے اور ان سے ایک جھوٹی بات کہدیتا ہے جب وہ اس مجلس سے اِدھر اُدھر جاتے ہیں تو ان میں کا کوئی شخص کہتا ہے کہ (آج) میں نے ایک آدمی کو یہ بات کہتے خود سنا تھا جس کو میں شناخت تو کرسکتا ہوں مگر اس کا نام نہیں جانتا کیا تھا۔ (مسلم)

تشریح:۔حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ اول تو ہر بات میں اور خاص کر حدیث رسول سننے میں بڑی احتیاط لازم ہے۔جو شخص حدیث بیان کرے پہلے اس کے متعلق پوری تحقیق کر لینی چاہئے وہ کون ہے سچا ہے یا جھوٹا ہے بے تحقیق بات کو چلتا کر دینا بے وجہ اشاعت کذب کا موجب ہوتا ہے۔اب رہا شیطان کا تمثل تو جو لوگ عالم ارواح کی کیفیات کا کچھ علم رکھتے ہیں ان کے نزدیک یہ بدیہیات میں سے ہے اور جو اس کے اب تک منکر ہیں ان سے یہاں خطاب لا حاصل ہے۔

عَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدِ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ لِاَبِیْ عَبْدِاللّٰہِ اَوْ قَالَ اَبُوْ عَبْدِاللّٰہِ لِاَبِیْ مَسْعُوْدٍ مَا سَمِعْتَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ فِیْ زَعَمُوْا قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ بِئْسَ مَطِیَّۃُ الرَّجُلِ. (رواہ ابوداؤد قال ان ابا عبداللہ حذیفۃ)

ابومسعودؓ اور حذیفہؓ نے باہم ایک گفتگو میں یہ سوال کیا۔(راوی کو شک ہے کہ یہ سوال کس نے کیا،ابومسعودؓ نے حذیفہ سے یا حذیفہ نے ابومسعودؓ سے) کہ آپ نے کلمہ زعموا (لوگوں کا گمان ہے) کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا سنا ہے انہوں نے جواب دیا کہ یہ کلمہ بے تحقیق باتوں کے چلتا کرنے کا بہت بُرا ذریعہ ہے۔(ابوداؤد)

تشریح:۔ابن قتیبہ نے مختلف الحدیث میں اور امام طحاوی نے مشکل الآثار میں اس روایت پر طویل کلام کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب تک کسی بات کا خود یقین نہ ہو جائے اس وقت تک صرف اپنی گردن کو دروغ گوئی سے رہا کرنے کے لئے اس کو لوگوں کی طرف نسبت کر کے بیان کر دینا کافی نہیں۔شریعت کی نظر میں یہ بھی قابل مؤاخذہ ہے۔اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کذب اور اشاعتِ کذب کی شرعاً کتنی اہمیت ہے۔

اچانک قتل کرنے سے بچنا

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ الْاِیْمَانُ قَیْدُ الْفَتْکِ لَا یَفْتِکُ مُؤْمِنٌ. (رواہ ابوداؤد)

ابوہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ایمان بے تحقیق اور اچانک قتل کرنے میں مومن کے ہاتھوں کی ہتھکڑی بن جاتا ہے۔مومن کبھی اچانک قتل کر سکتا ہی نہیں۔(ابوداؤد)

تشریح:۔قتل کرنا کوئی کارِ ثواب نہیں اور اچانک قتل کر ڈالنا جس میں گناہ و بے گناہ کی کوئی تحقیق نہ ہو اور ایمان و کفر کی کوئی تمیز نہ ہو یہ تو انتہائی درندگی اور بدترین قسم کی معصیت ہے۔مومن قتل کے معاملہ میں کبھی جری نہیں ہوتا۔بعض مرتبہ حالت جنگ میں اس کا دل بے اختیار چاہتا ہے کہ وہ اپنے کافر دشمن کا سر اڑا دے اگرچہ وہ ایک ہزار بار بھی کلمہ اسلام پڑھتا رہے لیکن اس کا ایمان آ کر اس کے ہاتھوں کی قید بن جاتا ہے۔وہ قتل کرنا چاہے بھی تو وہ ان کو جنبش کرنے نہیں دیتا۔جب حالت جنگ میں اس کی تلوار اتنی مقید ہے تو عام حالات میں بھلا وہ کہاں بیباک ہو سکتی ہے صحابہ کرام کے جنگی کارنامے پڑھو تو تم کو معلوم ہوگا کہ جہادوں میں جو تلواریں نیام سے نکلنے کے بعد نیام میں جانے نہیں کہتی تھیں جب مسلمانوں میں باہمی جنگ شروع ہوئی تو وہی تلواریں نکالے سے بھی باہر نہ نکلتی تھیں اگر کافر و مسلمان اس ایک حدیث کو بغور پڑھ لیتے تو اسلام کی طرف جوابدہی کے لئے یہی ایک حدیث کافی ہو جاتی۔

مؤمن مرد کا مومنہ بی بی سے بغض نہ رکھنا

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَفْرَكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً اِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ مِنْهَا اٰخَرَ. (رواہ مسلم)

ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مرد مؤمن کی یہ شان نہیں کہ وہ اپنی مومنہ بی بی سے بغض رکھے اگر اس کی ایک عادت اسے ناپسند ہوگی تو دوسری پسندیدہ بھی ہوگی۔ (مسلم)

تشریح:۔ حسن معاشرت شریعت میں ایک بہت بڑا باب ہے اور اس میں میاں بی بی کی معاشرت کو خاص طور پر اہمیت حاصل ہے حتیٰ کہ اس کی تحسین و تکمیل کو شریعت نے انسان کے ایمانی کمال کا معیار قرار دیدیا ہے گویا اس سے تغافل برتنا مومن کی شان ہی نہیں ہوسکتی اور اس کی تسلی کے لئے یہ موثر اور مختصر اصول بتادیا ہے کہ ایک انسان میں اگر کچھ خوبیاں بھی ہوں تو اس کی برائیاں قابل چشم پوشی ہونی چاہئیں۔ یہی مقتضائے انصاف ہے۔ ایسا کون ہوگا جس میں کوئی برائی نہ ہو۔ پس ایک شوہر کے لئے یہ امر قابل تسلی ہونا چاہئے کہ اس کی بی بی میں کچھ خوبیاں بھی تو ہیں مگر یہ واضح رہے کہ یہ حسن معاشرت اسی حد تک ہے جب تک بی بی مومنہ کا مصداق رہے اگر وہ اس لقب سے نکل کر فاسقہ یا فاجرہ بن چکی ہے تو اس کے احکام اب دوسرے ہیں۔

کسی مسلمان کو ہنسی مذاق میں بھی پریشان نہ کرنا

عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ لَیْلٰی عَنْ رِجَالٍ مِنَ الصَّحَابَةِ اَنَّ الصَّحَابَةَ كَانُوْا يَسْرُوْنَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَامَ رَجُلٌ مِنْهُمْ فَانْطَلَقَ بَعْضُهُمْ اِلٰى حَبْلٍ مَعَهُ فَاَخَذَهُ فَفَزِعَهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ اَنْ يُرَوِّعَ مُسْلِمًا. (اخرجه الامام احمد وابوداؤد والطبرانی قال الذین العراقی حدیث حسن ورمز السیوطی لصحته)

عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ متعدد صحابہ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ کے صحابہ ایک مرتبہ آپ کے ساتھ شب کے وقت سفر کر رہے تھے (جب کسی مقام پر قافلہ ٹھہرا) تو ان میں ایک شخص اٹھا اور دوسرے شخص کی رسی جو وہ اپنے ساتھ لیکر (سورہا) تھا اٹھالی اور اس طرح (مذاق میں) اس کو پریشان کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مسلمان کے لئے یہ بات حلال نہیں ہے کہ وہ کسی مسلمان کو (ہنسی مذاق میں بھی) پریشان کرے۔ (احمد۔ابوداؤد)

عَنِ الْوَاقِدِيِّ قَالَ اَوَّلُ مَشْهَدٍ شَهِدَهٗ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْخَنْدَقُ وَهُوَ ابْنُ خَمْسَ عَشْرَةَ سَنَةً وَكَانَ مِمَّنْ يَنْقُلُ التُّرَابَ يَوْمَئِذٍ مَعَ الْمُسْلِمِيْنَ وَغَلَبَتْهُ عَيْنَاهُ يَوْمَئِذٍ فَرَقَدَ فَجَاءَ عُمَارَةُ بْنُ حَزْمٍ فَاَخَذَ سَلَاحَهٗ وَهُوَ لَا يَشْعُرُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَهٗ عِلْمٌ بِسَلَاحِ هٰذَا الْغُلَامِ فَقَالَ عُمَارَةُ بْنُ حَزْمٍ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَنَا اَخَذْتُهٗ فَرَدَّهٗ فَنَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُرَوَّعَ الْمُؤْمِنُ اَوْ اَنْ يُؤْخَذَ مَتَاعُهٗ لَا لَعِبًا وَلَا جِدًّا. (اخرجه ابن عساکر)

واقدی بیان کرتے ہیں کہ سب سے پہلا غزوہ جس میں زید بن ثابت شریک ہوئے۔ غزوۂ خندق تھا اس وقت ان کی عمر صرف پندرہ سال کی تھی۔ عام مسلمانوں کے ساتھ یہ بھی (خندق کھودنے اور) مٹی ڈھونے کی خدمت انجام دے رہے تھے اتفاقاً انہیں نیند آ گئی اور یہ سو رہے۔ کہیں عمارہ بن حزم (ادھر) آ نکلے اور ان کی بے خبری میں (چپکے سے) ان کے ہتھیار لے لئے۔ (جب وہ بیدار ہوئے تو آپ کی خدمت میں آ کر ماجرا بیان کیا) آپ نے پوچھا اس نوجوان کے ہتھیاروں کی کسی کو خبر ہے؟ اس پر عمارہ بن حزم بولے یا رسول اللہ جی ہاں، میں نے لے لئے ہیں اور فوراً ان کو واپس کر دیئے۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی ممانعت فرما دی کہ (آئندہ) کسی مومن کو ڈرایا جائے اور ہنسی میں یا واقعی طور پر کسی کا کوئی سامان لیا جائے۔ (ابن عساکر)

مسلمانوں کے حقوق

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اُنْصُرْ اَخَاکَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا فَقَالَ رَجُلٌ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَنْصُرُہٗ مَظْلُوْمًا فَکَیْفَ اَنْصُرُہٗ ظَالِمًا قَالَ تَمْنَعُہٗ مِنَ الظُّلْمِ فَذٰلِکَ نَصْرُکَ اِیَّاہُ. (متفق علیہ)

انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے مسلمان بھائی کی ہر حال میں مدد کیا کرو۔ خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ ایک شخص نے سوال کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مظلوم ہونے کی حالت میں تو میں اس کی مدد کرتا ہوں، ظالم ہونے کی صورت میں اس کی کیسے مدد کروں۔ آپ نے فرمایا اس طرح کہ اس کو ظلم کرنے سے روکو، کیونکہ ظالم کو ظلم کرنے سے روک دینا بس یہی اس کی مدد کرنی ہے۔ (متفق علیہ)

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَحَدَکُمْ مِرْاٰۃُ اَخِیْہِ فَاِنْ رَأٰی بِہٖ اَذًی فَلْیُمِطْ عَنْہُ رواہ الترمذی وَضَعَّفَہٗ وفی روایۃ لہ ولا بی داؤد اَلْمُؤْمِنُ مِرْاٰۃُ الْمُؤْمِنِ وَالْمُؤْمِنُ اَخُو الْمُؤْمِنِ یَکُفُّ عَنْہُ ضَیْعَتَہٗ وَیَحُوْطُہٗ مِنْ وَرَائِہٖ.

ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں ہر شخص اپنے بھائی مسلمان کے لئے آئینہ کی مثل ہونا چاہئے پس اگر وہ اس میں کوئی عیب کی بات دیکھے تو اس کو چاہئے کہ اس کا ازالہ کر دے (ترمذی) ابوداؤد میں یہ مضمون اس طرح ہے کہ ایک مومن دوسرے مومن کا آئینہ ہوتا ہے اور مومن مومن کا بھائی ہوتا ہے جو بات اس کے نقصان کی ہو وہ اس کو روکتا ہے اور اس کی غیبت میں اس کی نگرانی کیا کرتا ہے۔ (ابوداؤد)

تشریح:۔ بعض علماء نے اسی حدیث کا مضمون حسب ذیل اشعار میں بصورت نظم یوں ادا کیا ہے۔

صدیقی مراۃ امیط بھا الاذی وغضبٌ حسامٌ ان منعت حقوقی

میرے لئے میرا دوست آئینہ کی طرح ہے جسے دیکھ کر میں اپنی بدنمائی کی اصلاح کر لیتا ہوں اور ایک تیز تلوار کی طرح ہے جبکہ کوئی شخص میرے حقوق ادا کرنے سے انکار کرے۔

وان ضاق امرًا والمّت ملمّۃٌ لجأت الیہ دون کل شقیق

اگر کوئی اڑا وقت آ جائے یا مصیبت درپیش ہو تو میں اپنے حقیقی بھائی کو چھوڑ کر اس کی پناہ لیتا ہوں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جس طرح آئینہ انسان کے عیوب دکھا کر اس کی اصلاح کا موجب ہوتا ہے اسی طرح ایک مسلمان کو اپنے بھائی مسلمان کے لئے ہونا چاہئے۔

عَنْ اِبْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَا یَظْلِمُہٗ وَلَا یُسْلِمُہٗ وَمَنْ کَانَ فِیْ حَاجَۃِ اَخِیْہِ کَانَ اللّٰہُ فِیْ حَاجَتِہٖ وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ کُرْبَۃً فَرَّجَ اللّٰہُ عَنْہُ کُرْبَۃً مِنْ کُرْبَاتِ یَوْمِ الْقِیَامَۃِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَہُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ۔ (متفق علیہ)

ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان مسلمان سب بھائی بھائی ہیں۔ نہ ایک دوسرے پر ظلم کرتا ہے نہ اس کو کسی مصیبت میں ڈال سکتا ہے جو اپنے کسی بھائی کی حاجت روائی کی فکر میں رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت روائی کرتا رہتا ہے اور جو کسی مسلمان کی کوئی مشکل آسان کر دیتا ہے اللہ تعالےٰ قیامت کی مشکلات میں اس کی مشکل آسان کر دیتا ہے اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کر لیتا ہے اللہ تعالیٰ بھی آخرت کے دن اس کی پردہ پوشی فرمالیتا ہے۔ (متفق علیہ)

تشریح:۔ حدیث میں جزاء من جنس العمل کا ایک بہت بڑا وسیع باب ہے یہ حدیث بھی اسی باب کی ایک جزئی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ عمل اور اس کی جزاء میں صورۃ بھی تناسب کی رعایت رکھی جاتی ہے۔ جیسا انسان عمل کرتا ہے اس کی جزاء بھی اسی عمل کے مناسب اس کو دی جاتی ہے۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَحِلُّ لِمُؤْمِنٍ اَنْ یَھْجُرَ مُؤْمِنًا فَوْقَ ثَلٰثٍ فَاِنْ مَرَّتْ بِہٖ ثَلَاثٌ فَلْیَلْقَہٗ فَلْیُسَلِّمْ عَلَیْہِ فَاِنْ رَدَّ عَلَیْہِ السَّلَامَ فَقَدْ اِشْتَرَکَا فِی الْاَجْرِ وَاِنْ لَمْ یَرُدَّ عَلَیْہِ فَقَدْ بَاءَ بِالْاِثْمِ وَخَرَجَ الْمُسَلِّمُ مِنَ الْھِجْرَۃِ۔ (رواہ ابوداؤد)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کو یہ اجازت نہیں کہ وہ تین دن سے زیادہ اپنے مومن بھائی سے بات چیت کرنا بند کر دے۔ اگر اس درمیان میں اس کو ملاقات کی نوبت نہ آئے تو اسے چاہئے کہ قصداً اس سے ملاقات کرے اور اس کو سلام کرے اب اگر وہ اس کے سلام کا جواب دیدے تو دونوں ثواب میں شریک ہو گئے ورنہ تو گناہ اسی کے سر رہے گا اور سلام کرنے والا گناہ سے بری الذمہ ہو جائے گا۔ (ابوداؤد)

مسلمانوں کا اکرام

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ یَرْحَمْ صَغِیْرَنَا وَلَمْ یُوَقِّرْ کَبِیْرَنَا وَیَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْہَ عَنِ الْمُنْکَرِ۔ (رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث غریب)

ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اپنے چھوٹوں پر رحم نہ کھائے، بڑوں کی تعظیم نہ کرے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کرے وہ ہمارے مشرب کا انسان نہیں۔ (ترمذی)

تشریح:۔ اسلام میں چھوٹے کا حق شفقت اور بڑے کا تعظیم مقرر کیا گیا ہے رہا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تو وہ ایک عام

اسلامی حق ہے اس میں چھوٹے بڑے کی قید نہیں صرف اسلامی شرکت کافی ہے۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اَكْرَمَ شَابٌّ شَيْخًا مِنْ اَجْلِ سِنِّهٖ اِلَّا قَيَّضَ اللّٰهُ لَهٗ عِنْدَ سِنِّهٖ مَنْ يُكْرِمُهٗ. (رواہ الترمذی)

انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی نوجوان کسی بوڑھے شخص کی صرف اس کے بڑھاپے کی خاطر تعظیم نہیں کرتا، مگر اللہ تعالیٰ اس کے لئے بھی ایسا شخص مقدر فرما دیتا ہے جو اس کی ضعیفی میں اس کی تعظیم کرتا ہے۔ (ترمذی)

عَنْ اَبِىْ مُوْسٰى قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ اِجْلَالِ اللّٰهِ اِكْرَامَ ذِى الشَّيْبَةِ الْمُسْلِمِ وَحَامِلِ الْقُرْاٰنِ غَيْرَ الْغَالِىْ فِيْهِ وَلَا الْجَافِىْ عَنْهُ وَاِكْرَامُ السُّلْطَانِ الْمُقْسِطِ. (رواہ ابوداؤد والبیهقی فی شعب الایمان)

ابوموسیٰؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی مسلمان کی تعظیم کرنا اور ایسے حافظ قرآن کی جو اس میں افراط وتفریط سے کام نہ لے۔ یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی تعظیم کرنے میں شامل ہے اسی طرح اس بادشاہ کی تعظیم کرنا بھی جو منصف ہو۔ (ابوداؤد، بیہقی)

تشریح:۔ وہ حافظ جو قرآن شریف کے بارے میں اور وہ بادشاہ جو عدل وانصاف میں راہ اعتدال پر قائم ہو خدائے تعالیٰ کی صفت کلام اور اس کی صفت عدل کے خاص مظہر ہوتے ہیں۔ اسی طرح وہ مسلمان جو خدائے تعالیٰ کی فرمانبرداری میں بوڑھا ہو گیا ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کا خاص مورد ہوتا ہے۔ اس لئے ان تینوں کا اکرام حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی کے اکرام کرنے میں شامل ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ بندہ براہ راست خدا تعالیٰ کا اکرام کرنے میں تو فطرۃً پس وپیش نہیں کرتا شیطان کو بھی حق تعالیٰ کو سجدہ کرنے سے کوئی انحراف نہ تھا ہاں اس کو کچھ تامل ہوتا ہے تو اپنے ہم جنس کے اکرام میں ہوتا ہے۔ اس لیے اس اسلوب بیان میں اس کی فطرت کو اپنے ہم جنس کے اکرام کرنے پر اس طرح ابھارا گیا ہے کہ اس اکرام کو بھی وہ اللہ تعالیٰ ہی کے اکرام میں شمار کرلے کیونکہ حافظ کے اکرام میں خدا کے کلام کا اکرام اور منصف بادشاہ کے اکرام میں خدائے تعالیٰ کے خلیفہ عدل کا اکرام ہے۔ رہا بوڑھا مسلمان تو اس میں ایک خدائے تعالیٰ کے سوا کسی اور نیت کی گنجائش ہی نہیں اس تعلیم میں ایک بڑی گہری حکمت یہ ہے کہ جس قوم کے عادل بادشاہ اور اس کے دین کے حاملین اور اس کے کمزور مکرم ومعزز رہ کر زندگی بسر کریں گے۔ وہ قوم کبھی دنیا میں ذلت کی زندگی بسر نہیں کر سکتی۔ ذلت کی ابتداء ان ہی تین گوشوں سے ہوتی ہے۔ ایک مسلمان کی نظر میں ایک اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا اور کچھ نہیں رہتا اس لیے وہ جو حرکت بھی کرتا ہے اسی کے لئے کرتا ہے اسی کا نام مرتبہ احسان ہے۔

عَنْ اُسَامَةَ بْنِ شَرِيْكٍ قَالَ خَرَجْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَاجًّا فَكَانَ النَّاسُ يَاْتُوْنَهٗ فَمِنْ قَائِلٍ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ سَعَيْتُ قَبْلَ اَنْ اَطُوْفَ اَوْ اَخَّرْتَ شَيْئًا اَوْ قَدَّمْتُ شَيْئًا فَكَانَ يَقُوْلُ لَا حَرَجَ اِلَّا عَلٰى رَجُلٍ اِقْتَرَضَ عِرْضَ رَجُلٍ مُسْلِمٍ وَهُوَ ظَالِمٌ فَذٰلِكَ الَّذِىْ حَرَجَ وَهَلَكَ. (رواہ ابوداؤد)

اسامہ بن شریک بیان کرتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کے لئے آیا تھا (میں نے کیا دیکھا) کہ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہو رہے ہیں پھر کوئی تو یہ پوچھ رہا ہے کہ میں نے طواف سے پہلے سعی کرلی ہے یا فلاں کام پہلے کرلیا فلاں بعد میں کرلیا ہے (تو اب مجھے کیا کرنا چاہئے) آپ نے سب کے جواب میں یہی فرمایا کہ اس میں بھی کچھ

حرج نہیں۔ اس میں بھی کچھ حرج نہیں۔ حرج تو بس اس میں ہے کہ ظلم کی راہ سے اپنے ایک مسلمان بھائی کی آبروریزی کرے۔ یہ ہے وہ شخص جو حرج میں پڑگیا اور ہلاک ہوگیا۔ (بخاری شریف)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَا یَظْلِمُهٗ وَلَا یَخْذِلُهٗ وَلَا یَحْقِرُهٗ. اَلتَّقْوٰی هٰهُنَا وَیُشِیْرُ اِلٰی سَدْرِهٖ ثَلٰثَ مِرَارٍ بِحَسْبِ اِمْرَءٍ مِنَ الشَّرِّ اَنْ یُحَقِّرَ اَخَاهُ الْمُسْلِمَ کُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَی الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهٗ وَمَالُهٗ وَعِرْضُهٗ. (رواہ مسلم)

ابوہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان مسلمان سب بھائی بھائی ہیں۔ ایک مسلمان دوسرے مسلمان پر نہ ظلم کرسکتا ہے نہ بروقت اس کی امداد سے دست کش ہوسکتا ہے اور نہ اس کی تحقیر کرسکتا ہے۔ اس کے بعد آپ نے سینہ کی طرف تین بار اشارہ کر کے فرمایا (کہ تقویٰ صرف ظاہری افعال میں منحصر نہیں) اصل تقویٰ یہاں ہے (اس لئے دل کا حال بھی دیکھنا چاہئے) برائی کے لئے بس اتنی ہی بات بہت کافی ہے کہ اپنے کسی مسلمان بھائی کو ذلیل اور حقیر سمجھے (یاد رکھو) کہ ہر مسلمان پورا کا پورا قابل احترام ہوتا ہے اس کی جان بھی، اس کا مال بھی اور اس کی آبرو بھی۔ (مسلم)

تشریح:۔ یہ بات بڑی اہمیت سے یاد رکھنی چاہئے کہ خدائے تعالیٰ کی نظر میں عزت واحترام صرف ایک اللہ اور اس کے رسول یا پھر مسلمان کا حق ہے اس کی جان ہی کا نہیں بلکہ اس کی آبرو اور اس کے مال کا بھی جو شخص اس کے خلاف ایک قدم بھی اٹھاتا ہے وہ معمولی مجرم نہیں بلکہ ایک شرعی نصب العین کا مخالف ہے حتیٰ کہ ترمذی اور نسائی کی ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مسلمان کی جان اتنی قیمتی ہے کہ اس کے مقابلہ میں تمام دنیا کا فناء ہو جانا بھی معمولی بات ہے۔ ابوسعید خدری اور ابوہریرہؓ کی حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ یہ ایک احمقانہ خیال ہے کہ اسلام پستی وذلت کی تعلیم دیتا ہے۔ یہاں نرمی و تواضع اور تکبر وذلت کے مابین فرق نہیں کیا گیا۔ اب اگر کسی فرقہ کے طرز عمل سے تم کو یہ شبہ ہوگیا ہے تو اس کی ذمہ داری اسلام پر نہیں اس پر ہے اور اگر عزت کے مفہوم سمجھنے میں تم ہی نے غلطی کھائی ہے تو پھر اس کی ذمہ داری تم پر ہوگی۔ عزت وہ نہیں جو دنیا کی کسی سربرآوردہ قوم کی نظروں میں عزت شمار ہو جائے بلکہ دراصل عزت وہ صحیح اخلاق وملکات ہیں جو انسان کی علمی وعملی قوت کے ثمرات ہوسکتے ہیں ان ہی سے انسان کے ظاہر وباطن کو عزت حاصل ہوسکتی ہے اور یہی اسلام کی نظر میں بھی عزت کا موجب ہیں صرف کسی متغلب قوم کے آداب ومعاشرت اختیار کرلینے کا نام عزت نہیں ہے۔ سوچو کہ قومی سربلندی کے لئے اس سے بڑھ کر سبق اور کیا ہوسکتا ہے کہ تحقیر مسلم کو مذہب کی سب سے سخت دفعہ قرار دی جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس قوم میں باہم ایک دوسرے کی عزت کرنے کی عادت نہیں ہوتی وہ دوسروں کی نظروں میں کبھی معزز نہیں ہوسکتی اس لئے اسلام یہ تاکید کرتا ہے کہ تم باہم ایک دوسرے کی عزت کرنا اپنا اولین فرض سمجھو تاکہ خود بخود دنیا کی نظروں میں معزز بن جاؤ۔ رہبانیت کا دور ختم ہوا، یہ دین محمدی کا دور ہے اب تم میں حاکمیت اور عزت کے جذبات پیدا ہو جانے چاہئیں۔ خود باعزت بنو اور دنیا کو عزت کی زندگی بسر کرنے کی دعوت دو تاکہ دنیا کی خلقت کا مقصد پورا ہو اور خدا کی دی ہوئی عزت سے تمام جہان معزز بن جائے۔

عَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ دَخَلَ رَجُلٌ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِیْ

اَلْمَسْجِدِ قَاعِدًا فَتَزَحْزَحَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ الرَّجُلُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ فِي الْمَكَانِ سِعَةً فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِلْمُسْلِمِ لَحَقًّا اِذَا رَاٰهُ اَخُوْهُ اَنْ يَتَزَحْزَحَ لَهُ.

واثلۃ بن الخطاب روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے آپ نے اس کے احترام میں اپنی جگہ سے کچھ حرکت کی وہ بولا یا رسول اللہ (آپ تکلیف نہ فرمایئے) صف میں کافی گنجائش ہے۔ آپ نے فرمایا (میرا حرکت کرنا جگہ کی تنگی کی وجہ سے نہیں) بلکہ مسلمان کے لئے یہ ضروری ہے کہ جب کوئی مسلمان بھائی اس کے پاس آئے تو اس کے احترام میں وہ تھوڑی سی حرکت کر جائے۔ (بیہقی)

تشریح:۔ انبیاء علیہم السلام کا طریق تعلیم سب عملی ہوتا ہے صرف زبانی نہیں ہوتا خلاصہ یہ ہے کہ اکرام مسلم اسلام کی سب سے اہم تعلیم ہے، اب بادشاہ و رعایا، والد و مولود، بھائی بھائی اور اجنبی سے اجنبی کے ساتھ اکرام کے طور و طریق کیا ہیں اس کیلئے مفصل ابواب کو دیکھنا چاہئے۔

عَنْ سَعِيْدِ بْنِ زَيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ مِنْ اَرْبَى الرِّبٰوا الْاِسْتِطَالَةُ فِي عِرْضِ الْمُسْلِمِ بِغَيْرِ حَقٍّ. (رواه ابوداؤد والبيهقى فى شعب الايمان)

سعید بن زید روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ایک سود تو تم جانتے ہی ہو لیکن) سب سے بدتر سود مسلمان کی عزت برباد کرنے میں ناحق زبان چلانا ہے۔ (ابوداؤد۔ بیہقی)

تشریح:۔ اس اسلوب بیان میں ایک طرف مسلمان کی آبرو کی حفاظت کی ترغیب دینا تو ظاہر و باہر مضمون ہے دوسری طرف اس کی آبروریزی کو سود سے تشبیہ دے کر سود کی حرمت کو پورے طور پر ذہن نشین کرنا بھی ایک اہم مقصد ہے۔ گویا دین میں یہ ایسی قابل نفرت چیز ہے کہ جب کسی بات سے روکنا منظور ہو تو اس سے ممانعت کے لئے جو سب سے قابل نفرت مثال ہو سکتی ہے وہ سود کی ہے۔

عَنْ خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ عَنْ مُعَاذٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ عَيَّرَ اَخَاهُ بِذَنْبٍ لَمْ يَمُتْ حَتّٰى يَعْمَلَهُ يَعْنِيْ مِنْ ذَنْبٍ قَدْ تَابَ مِنْهُ. (رواه الترمذى)

خالد بن معدان معاذ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اپنے مسلمان بھائی کو کسی بری حرکت پر عار دلائی تو وہ اس وقت تک ہرگز نہیں مرے گا جب تک کہ اسی حرکت کو خود بھی نہ کرے۔ راوی اس کی تشریح کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یہاں اس حرکت پر عار دلانا مراد ہے جسے وہ غلطی سے کر گذرا تھا اور اس پر اظہار ندامت اور توبہ بھی کر چکا تھا (توبہ کے بعد اب پھر عار دلانا اخوت اسلامی کے خلاف ہے۔) (ترمذی)

تشریح:۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں پر جب ندامت کے آثار نظر ہونے لگے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے پیش قدمی کر کے فرمایا لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لنا ولکم۔ خدا مجھے اور تمہیں معاف کرے اب میں تمہیں ملامت کرنا نہیں چاہتا۔ اسی طرح آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب غلام پر حد جاری کر دی جائے تو اس کے بعد (ولا یثرب) اب اس کو ملامت نہ کرو، اس حدیث کی شرح اور طرح بھی کی گئی ہے۔ خلاصہ یہ کہ توبہ کے بعد اس گناہ پر عار دلانے کا ہمیں کیا حق ہے جبکہ صاحب حق ہی اس سے درگذر کر چکا

پھر نفسیاتی لحاظ سے اس کا اثر ایک مجرم کی نظر میں اس کے جرم کی اہمیت کو کم کرنا ہے اور اپنے حق میں بدخلقی کا ثبوت، ہی شریعت چاہتی ہے کہ تم بار بار عار دلا کر اس کو بے غیرت نہ بناؤ اور جب مقصد حاصل ہو چکا تو اب اس فضول تذکرہ سے اپنی بداخلاقی کا ثبوت بھی نہ دو۔

عَنْ مُعَاذِ بْنِ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَمٰى مُؤْمِنًا مِنْ مُنَافِقٍ بَعَثَ اللّٰهُ مَلَكًا يَحْمِيْ لَحْمَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ نَارِ جَهَنَّمَ وَمَنْ رَمٰى مُسْلِمًا بِشَيْءٍ يُرِيْدُ بِهٖ شَيْنَهٗ حَبَسَهُ اللّٰهُ عَلٰى جَسْرِ جَهَنَّمَ حَتّٰى يَخْرُجَ مِمَّا قَالَ. (رواہ ابوداؤد)

معاذ بن انس روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کسی مؤمن کو کسی منافق کی نکتہ چینی سے بچالیا اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ مقرر کرے گا کہ وہ قیامت میں اس کے گوشت کو آتشِ دوزخ سے بچائے گا اور جس نے کسی مسلمان پر عیب لگانے کے لئے کوئی تہمت رکھی اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں جانے نہیں دے گا اور پل صراط پر روکے رکھے گا جب تک کہ وہ اس کی سزا نہ بھگت لے۔ (ابوداؤد)

تشریح:۔ احادیث سے ثابت ہے کہ پل صراط سے گذر کر جنت سے قبل ایک مختصر پل اور ہے اس پر کچھ لوگوں کو روک لیا جائے گا اور جو سزا اللہ تعالیٰ کے علم میں ان کے لئے مقدر ہے یہاں اس کو بھگتا کر جنت میں داخلہ کی اجازت دی جائے گی اہل جنت کو بھی باہم قلوب کی رنجشیں یہاں صاف کر لینی ہوں گی اسی لئے دنیا میں صاف سینہ رہنا بہت مفید ہے۔ باہمی عداوت کے نتیجہ میں جنت سے نکلنا ہوا تھا اسی عیب کو پھر ساتھ لیکر جانا کیسے ہو سکتا ہے۔ قلنا اهبطا منها جميعا بعضكم لبعض عدو۔

عَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ صَعِدَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمِنْبَرَ فَنَادٰى بِصَوْتٍ رَفِيْعٍ فَقَالَ يَا مَعْشَرَ مَنْ اَسْلَمَ بِلِسَانِهٖ وَلَمْ يُفْضِ الْاِيْمَانُ اِلٰى قَلْبِهٖ لَا تُؤْذُوا الْمُسْلِمِيْنَ وَلَا تُعَيِّرُوْهُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا عَوْرَاتِهِمْ فَاِنَّهٗ مَنْ يَّتَّبِعُ عَوْرَةَ اَخِيْهِ الْمُسْلِمِ يَتَّبِعِ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ وَمَنْ يَّتَّبِعِ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ يَفْضَحْهُ وَلَوْ فِيْ جَوْفِ رَحْلِهٖ. (رواہ الترمذی)

ابن عمر روایت فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف لائے اور بلند آواز سے فرمایا اے وہ جماعت جن کا اسلام صرف زبانوں پر ہے اور ابھی دلوں میں نہیں اترا (دیکھو) مسلمانوں کو تکلیف نہ دو، ان کو عار نہ دلاؤ، اور ان کے عیب جوئی کے در پے نہ ہو کیونکہ جو شخص اپنے بھائی کی عیب جوئی کے در پے ہوگا اللہ تعالیٰ اس کے عیوب کے در پے ہو جائے گا اور (یہ ظاہر ہے) کہ جس کی عیب جوئی کے خدا در پے ہوگا پھر (وہ کہاں چھپ سکتا ہے) وہ اس کو رسوا کر کے چھوڑے گا اگر چہ وہ اپنے گھر کے اندر گھس کر کیوں نہ بیٹھ رہے۔ (ترمذی)

تشریح:۔ انسان کمزوریوں کا مجموعہ ہے ایسا کون بشر ہے جس کے احوال کا تفقد کیا جائے تو اس میں کوئی نہ کوئی عیب اور خامی نہ نکل آئے اس لئے شریعت نے اس عادت ہی کو مذموم قرار دیا ہے پس اگر کسی شریف الطبع انسان سے کوئی لغزش ہو جائے تو اس سے چشم پوشی کر لینی چاہئے لیکن اگر کوئی بدطینت دن دیہاڑے بے حیائی کا عادی ہو چکا ہے تو اس کے لئے سنت ستر نہیں ہے اس کے جرم سے چشم پوشی کرنا خود جرم ہے اس کا معاملہ حکومت تک پہنچا دینا چاہئے تا کہ وہ اس کی مناسب پاداش کو پہنچ جائے۔ حدیث کے لفظ ''اتباع عورت'' اس طرف اشارہ کرتے ہیں کہ قابل مذمت بات یہ ہے کہ کسی کو رسوا کرنے کیلئے اس کے عیوب کے پیچھے لگ جانا کھلے ہوئے مجرم کا معاملہ بالکل جداگانہ ہے مجرم کسی رحم کا مستحق نہیں۔

عَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ اِمْرَأٍ مُسْلِمٍ یَخْذُلُ اِمْرَأً مُسْلِمًا فِیْ مَوْضِعٍ یُنْتَهَکُ فِیْهِ حُرْمَتُهٗ وَیُنْتَقَصُ فِیْهِ مِنْ عِرْضِهٖ اِلَّا خَذَلَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی فِیْ مَوْطِنٍ یُحِبُّ فِیْهِ نُصْرَتَهٗ وَمَا مِنْ اِمْرَأٍ مُسْلِمٍ یَنْصُرُ مُسْلِمًا فِیْ مَوْضِعٍ یُنْتَقَصُ مِنْ عِرْضِهٖ وَیُنْتَهَکُ فِیْهِ مِنْ حُرْمَتِهٖ اِلَّا نَصَرَهُ اللّٰهُ فِیْ مَوْطِنٍ یُحِبُّ فِیْهِ نُصْرَتَهٗ. (رواہ ابوداؤد)

جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان کسی مسلمان کی امداد کرنے سے ایسے موقعہ پر بیٹھ جاتا ہے جہاں اس کی عزت کی دھجیاں اڑائی جارہی ہوں اور اس کی آبروریزی کی جارہی ہو تو اللہ تعالیٰ بھی ایسے (نازک) مقام پر اس کی اعانت اور نصرت ترک کر دیتا ہے جہاں یہ چاہتا ہو کہ کوئی شخص اس کی طرف سے جواب کے لئے کھڑا ہو جاتا۔اور جو مسلمان کسی مسلمان کی مدد کرنے کے لئے ایسی جگہ کھڑا ہو جاتا ہے جہاں اس کی آبروریزی کی جارہی ہو اور اس کی مٹی خراب کی جارہی ہو تو اللہ تعالیٰ بھی ایسے مقام پر اس کی نصرت و مدد فرماتا ہے۔جہاں یہ چاہتا ہو کہ کوئی اس کی نصرت و مدد کر دیتا۔(ابوداؤد)

عَنْ اَبِیْ الدَّرْدَاءِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَا مِنْ مُسْلِمٍ یَرُدُّ عَنْ عِرْضِ اَخِیْهِ اِلَّا کَانَ حَقًّا عَلَی اللّٰهِ اَنْ یَرُدَّ عَنْهُ نَارَ جَهَنَّمَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الْاٰیَةَ وَکَانَ حَقًّا عَلَیْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ. (رواہ فی شرح السنہ)

ابوالدرداء کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے یہ فرماتے خود سنا ہے کہ جو مسلمان کسی مسلمان بھائی کی آبرو کی حفاظت کے لئے جوابدہی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ پر یہ حق ہو جاتا ہے کہ قیامت کے دن وہ آتشِ دوزخ سے اس کی حفاظت کرے۔اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی کہ مؤمنین کی مدد کرنا ہمارے ذمہ لازم ہے۔(شرح السنہ)

تشریح:۔ان جملہ حدیثوں سے ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر سب سے بڑا حق یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ حاضر و غائب اس کی آبرو و عزت کا نگران بنا رہے جس دن سے مسلمانوں نے اس سبق کو فراموش کیا ہے ان کی حالت دن بدن زبوں ہوتی چلی جارہی ہے۔اللہ تعالیٰ ہم کو تعلیمات اسلامی پر صحیح صحیح عمل پیرا ہونے کی توفیق ارزانی فرمائے۔



زبان کی حفاظت

وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَّضْمَنْ لِیْ مَا بَيْنَ لِحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ اَضْمَنْ لَهُ الْجَنَّةَ (رواہ البخاری)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص میرے لئے اس چیز (کی حفاظت کا) ضامن بن جائے جو اس کے دونوں جبڑوں کے درمیان ہے (یعنی زبان) اور جو اس کی دونوں رانوں کے درمیان ہے (یعنی شرمگاہ) تو میں اس کیلئے جنت کا ضامن ہوں۔'' (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۱ از بخاری)

تشریح: اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ زبان اور شرمگاہ کی حفاظت کرنا بہت ضروری ہے، جو شخص ان کی حفاظت کرے اس کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جنت کے داخلہ کی ضمانت دی ہے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا کیا تم جانتے ہو لوگوں کو جنت میں کیا چیز سب سے زیادہ داخل کرانے والی ہے؟ (پھر خود ہی جواب دیا کہ) اللہ سے ڈرنا اور اچھے اخلاق اختیار کرنا (سب سے زیادہ جنت میں داخل کرانے والی چیزیں ہیں) پھر فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ لوگوں کو دوزخ میں سب سے زیادہ داخل کرانے والی کیا چیز ہے؟ (اس کے بعد خود ہی جواب دیا کہ) سب سے زیادہ دوزخ میں داخل کرانے والی چیز منہ اور شرمگاہ ہے۔ (مشکوٰۃ)

منہ یعنی زبان اور شرمگاہ کے گناہ بہت خطرناک ہیں، ان دونوں کی حفاظت نہ کرنے سے دوزخ کے داخلہ کا سامان بن جاتا ہے، اور دوزخ کے داخلہ کا زیادہ تر سبب انہی دو چیزوں کے اعمال ہوتے ہیں، **اعاذنا الله منها**۔

بہت سے لوگ شرمگاہ کی تو حفاظت کر لیتے ہیں مگر زبان کی حفاظت میں بہت کوتاہی اور کم ہمتی دکھاتے ہیں، اس لئے ضروری معلوم ہوا کہ حفاظت زبان کے موضوع کو قدرے تفصیل سے لکھا جائے۔

انسان کے اعضاء میں زبان بھی ہے لیکن اس کو بہ نسبت دوسرے اعضاء کے خاص قسم کی اہمیت حاصل ہے، اعضاء انسانی میں زبان سب سے اچھی چیز ہے، اور سب سے بُری چیز بھی ہے، اللہ کا نام زبان سے لیا جاتا ہے، اسلام کا کلمہ اُسی سے پڑھا جاتا ہے، قرآن کی تلاوت اسی سے ہوتی ہے، خیر کی دعوت اسی سے دی جاتی ہے اور دوسرے اعضاء سے جو نیکیاں ہوتی ہیں ان میں بھی عموماً کسی نہ کسی طرح زبان کی شرکت ہوتی ہے۔

اور اس کے برعکس زبان ہی سے کفر کا کلمہ نکلتا ہے، اور شرکیہ الفاظ صادر ہوتے ہیں اور اسی سے گالی دی جاتی ہے، لعنت کی جاتی ہے، غیبت کی جاتی ہے، چغلی ہوتی ہے، جھوٹ بولا جاتا ہے، جھوٹی قسم کھائی جاتی ہے، جھوٹی گواہی دی جاتی ہے۔

پس زبان کی حفاظت کی بہت زیادہ ضرورت ہے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بلاشبہ بندہ کبھی اللہ کی رضامندی کا کوئی ایسا کلمہ کہہ دیتا ہے کہ جس کی طرف اسے دھیان بھی نہیں ہوتا، اور اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے بہت سے درجات بلند فرما دیتا ہے، اور بلاشبہ بندہ کبھی اللہ کی ناراضگی کا کوئی ایسا کلمہ کہہ گذرتا ہے کہ اس کی طرف اس کا دھیان بھی نہیں ہوتا، اور اس کی وجہ سے دوزخ میں گرتا چلا جاتا ہے۔ (بخاری)

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ انسان اپنی زبان کی وجہ سے اس سے بھی زیادہ پھسل جاتا ہے جتنا اپنے قدم سے پھسلتا ہے۔ (بیہقی فی شعب الایمان)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب صبح ہوتی ہے تو سب اعضاء عاجزی کیساتھ زبان سے کہتے ہیں کہ تو ہمارے بارے میں اللہ سے ڈر، کیونکہ ہم تجھ سے متعلق ہیں، (یعنی ہماری خیر وعافیت اور دُکھ تکلیف تجھ سے متعلق ہے) پس اگر تو ٹھیک رہی تو ہم بھی ٹھیک رہیں گے اور اگر تجھ میں کجی آ گئی تو ہم میں بھی کجی آ جائے گی۔ (ترمذی)

کجی ٹیڑھے پن کو کہتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ تو ٹیڑھی چلی اور تو نے بے راہی اختیار کی تو ہماری بھی خیر نہیں، دیکھو گالی زبان دیتی ہے اور اس کے عوض جوتا سر پر پڑتا ہے۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور عرض کیا کہ نجات کی کیا صورت ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ زبان کو قابو میں رکھو، اور اپنے گھر میں اپنی جگہ رکھو، (یعنی زیادہ تر اپنے گھر ہی رہو، باہر بہت کم نکلو، کیونکہ گھر کے باہر بہت سے فتنے ہیں) اور اپنے گناہ پر رویا کرو۔ (ترمذی)

حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ آپ کو مجھ پر سب سے زیادہ کس چیز کا خوف ہے؟ آپؐ نے اپنی زبان مبارک پکڑی اور فرمایا کہ سب سے زیادہ اس کا خوف ہے۔ (ترمذی)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ زبان کی بہت زیادہ حفاظت کی ضرورت ہے، مومن بندوں پر لازم ہے کہ اپنی زبان کو ہر وقت ذکر وتلاوت میں مشغول رکھیں، اور بقدر ضرورت تھوڑی بہت دنیاوی ضرورتوں کے لئے بھی بات کر لیا کریں۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ اللہ کے ذکر کے علاوہ زیادہ مت بولا کرو کیونکہ اللہ کے ذکر کے علاوہ زیادہ بولنا دل میں سختی پیدا ہونے کا سبب ہے، اور اللہ سے سب سے زیادہ دور وہی شخص ہے جس کا دل سخت ہو۔ (ترمذی)

ایک اور حدیث میں یہ فرمایا کہ انسان کی ہر بات اس کے لئے وبال ہے، نفع دینے والی نہیں ہے، سوائے اس کے کہ امر بالمعروف کرے (یعنی نیکیوں کا حکم دے) یا نہی عن المنکر کرے (یعنی بُرائیوں سے روکے) یا اللہ کا ذکر کرے۔ (ترمذی)

اس سے معلوم ہوا کہ جس بات کے کرنے میں گناہ نہیں ہے اور ثواب بھی نہیں جس کو کلام مباح کہتے ہیں اس سے بھی پرہیز کرنا چاہئے، کیونکہ وہ بھی وبال کا باعث ہے، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ جتنی دیر میں وہ بات کی ہے اتنی دیر میں ذکر اور تلاوت اور درود شریف میں مشغول ہو کر جو ثواب اور بلند درجات حاصل ہو سکتے تھے ان سے محرومی ہو گئی، دوسرا نقصان یہ ہے کہ ذکر اللہ کے علاوہ زیادہ بولنے سے دل میں سختی آ جاتی ہے، اور تجربہ کیا گیا ہے کہ اس کی وجہ سے دل کی نورانیت ختم ہو جاتی ہے۔

اور یہ بھی تجربہ کی بات ہے کہ زیادہ بولنے والا اگر جائز بات بھی کر رہا ہو تو بولتے بولتے گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے، یعنی اس کی زبان

سے تھوڑی ہی دیر میں ایسی باتیں نکلنی شروع ہوجاتی ہیں جو گناہ کی باتیں ہوتی ہیں، مثلاً کوئی جھوٹی بات نکل جاتی ہے اور یہ تو بہت زیادہ ہوتا ہے کہ باتیں کرتے کرتے خواہ مخواہ کسی کی غیبت شروع ہوجاتی ہے، لہٰذا خیریت اسی میں ہے کہ انسان خاموش رہے، یا اللہ کا ذکر کرے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک صحابی کی وفات ہوگئی، تو ایک شخص نے کہا کہ تجھے جنت کی خوشخبری ہے، یہ سن کر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم جنت کی خوش خبری دے رہے ہو حالانکہ تمہیں معلوم نہیں کہ اس نے کوئی لایعنی بات کی ہوگی، یا ایسی چیز خرچ کرنے سے کنجوسی کی ہوگی جس کے خرچ کرنے سے نقصان نہیں ہوتا، (ترمذی) مثلاً علم دین سکھا دینا یا زکوٰۃ دینا وغیرہ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

من صمت نجا ''یعنی جو خاموش رہا اس نے نجات پائی۔'' (بخاری)

یعنی دنیا اور آخرت میں ان آفات اور بلیات سے محفوظ رہا جو زبان سے متعلق ہیں۔ایک حدیث میں ارشاد ہے:۔

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا اَوْلِيَصْمُتْ

''یعنی جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہئے کہ خیر کی بات کرے (اس میں ہر نیک بات آ گئی جس میں ثواب ہو) یا خاموش رہے۔'' (بخاری ومسلم)

حضرت عمران بن حطان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں آیا، وہ مسجد میں بالکل تن تنہا تشریف فرما تھے، میں نے عرض کیا اے ابوذر! یہ تنہائی کیسی ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ تنہائی بُرے ہمنشین (یعنی ساتھ کے بیٹھنے والے بُرے شخص سے) بہتر ہے، اور نیک ہمنشین تنہائی سے بہتر ہے، اور خیر کی باتیں کرنا خاموش رہنے سے بہتر ہے، اور خاموش رہنا بُری باتیں زبان سے نکالنے سے بہتر ہے، (کیونکہ خاموشی پر پکڑ نہیں ہے، الا یہ کہ کسی واجب کلام سے گریز کیا ہو)۔(مشکوٰۃ)

ان روایات واحادیث جان لینے کے بعد سمجھ لینا چاہئے کہ زبان کی آفات اور مہلکات (یعنی انسان کو برباد کرنے والی چیزیں) بہت زیادہ ہیں، بہت سے لوگوں کو بے جا بولنے کی عادت ہوجاتی ہے، خواہ مخواہ جھگ جھگ کرتے ہیں، اور دنیا بھر کے قصوں اور ایسی باتوں میں اپنی زبان کو استعمال کرتے ہیں جن میں اپنا کوئی نفع دنیا اور آخرت کا نہیں ہوتا، بلکہ باتیں کرتے کرتے بڑے گناہوں میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔

زبان کی آفات بہت ہیں ہم ان میں سے چند چیزوں پر روشنی ڈالنا چاہتے ہیں، پہلے ان چیزوں کو بطور فہرست لکھ دیتے ہیں، پھر ان شاء اللہ تفصیل سے لکھیں گے، زبان کی آفات میں یہ چیزیں آتی ہیں:۔

(۱) جھوٹ بولنا۔(۲) لعنت کرنا۔(۳) چغلی کھانا۔(۴) گالی دینا۔(۵) غیبت کرنا۔(۶) کسی کا مذاق اڑانا۔(۷) جھوٹا وعدہ کرنا۔(۸) جھوٹی قسم کھانا۔(۹) جھوٹی گواہی دینا۔(۱۰) دوسروں کو ہنسانے کے لئے باتیں کرنا۔(۱۱) گانا گانا۔(۱۲) کسی کے منہ پر تعریف کرنا۔(۱۳) جھوٹی تعریف کرنا۔(۱۴) کافر یا فاسق کی تعریف کرنا۔(۱۵) جھگڑا کرنا۔(۱۶) فحش

کلامی کرنا۔(۱۷) کسی مسلمان کو کافر کہنا (۱۸) کسی کی مصیبت پر خوشی ظاہر کرنا۔(۱۹) کسی کی نقل اتارنا۔(۲۰) طعنہ زنی کرنا۔
ان سب چیزوں کے متعلق حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشادات نقل کئے جاتے ہیں:۔

جھوٹ کا وبال اور فرشتوں کو اس سے نفرت

وعن ابن عمر رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَذَبَ الْعَبْدُ تَبَاعَدَ عَنْهُ الْمَلَكُ مِيْلاً مِّنْ نَتْنِ مَا جَاءَ بِهٖ (رواہ الترمذی)

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو فرشتہ اس کی بات کی بدبو کی وجہ سے ایک میل دور چلا جاتا ہے۔'' (مشکوۃ المصابیح ص ۴۱۳، از ترمذی)

تشریح: اس حدیث سے جھوٹ کی سخت مذمت معلوم ہوئی، اور پتہ چلا کہ فرشتوں کو جھوٹ سے بہت زیادہ نفرت ہے، اور ان کو جھوٹ سے ایسی گھن آتی ہے کہ جوں ہی کسی کے منہ سے جھوٹ نکلا فرشتہ وہاں سے چل دیتا ہے اور ایک میل تک چلا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ اس سے اعمال لکھنے والے فرشتوں کے علاوہ دوسرے فرشتے مراد ہیں، ناگواری اور نفرت تو سب ہی فرشتوں کو ہوتی ہے، لیکن جو فرشتے اعمال لکھنے پر مامور ہیں وہ مجبوراً ناگواری کو برداشت کرتے ہیں، اللہ کی پیاری مخلوق کو تکلیف پہنچانا کتنا برا عمل ہے، اس کو خوب سمجھ لیں اور اوپر سے جھوٹ کا گناہ ہے جو اس کے علاوہ ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم سچ کو لازم پکڑو، کیونکہ سچ نیکی کی راہ دکھاتا ہے اور نیکی جنت کی راہ بتاتی ہے، اور انسان سچ بولتا رہتا ہے، اور سچ بولنے کا خوب دھیان رکھتا ہے، یہاں تک کہ اللہ کے نزدیک صدیق (یعنی بہت سچائی والا) لکھ دیا جاتا ہے، (پھر فرمایا کہ) جھوٹ سے بچو، کیونکہ جھوٹ فجور (یعنی گناہوں میں گھس جانے) کی راہ بتاتا ہے، اور فجور دوزخ کی راہ دکھاتا ہے، اور انسان برابر جھوٹ بولتا رہتا ہے اور جھوٹ بولنے کا دھیان رکھتا ہے (یعنی جان بوجھ کر جھوٹ بولتا ہے اور جھوٹ کے مواقع سوچتا رہتا ہے) یہاں تک کہ اللہ کے نزدیک بہت بڑا جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

پس مؤمن بندوں پر لازم ہے کہ ہمیشہ سچ بولیں، اور سچ ہی کو اختیار کریں، بچوں کو سچ ہی سکھلائیں، اور سچ ہی کی عادت ڈالیں، ان کے بہلانے کے لئے بھی جو کوئی وعدہ کریں وہ وعدہ بھی سچا ہونا چاہئے۔

بچوں کو منانے کے لئے جھوٹ بولنے کی ممانعت

وَعَنْ عَبْدُاللهِ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ دَعَتْنِيْ اُمِّيْ يَوْمًا وَرَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاعِدٌ فِيْ بَيْتِنَا فَقَالَتْ هَا تَعَالَ اُعْطِيْكَ فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اَرَدْتِّ اَنْ تُعْطِيْهِ قَالَتْ اَرَدْتُّ اَنْ اُعْطِيَهٗ تَمْراً فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَا اِنَّكِ لَوْ لَمْ تُعْطِيْهِ شَيْئًا كُتِبَتْ عَلَيْكِ كَذِبَةٌ (رواہ ابوداؤد والبیہقی فی شعب الایمان)

''حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ (جب میں چھوٹا سا تھا) میری والدہ نے ایک دن مجھے بلایا اور

کہا، لے، آ، میں تجھے دے رہی ہوں اس وقت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے گھر میں تشریف فرما تھے، آپ نے میری والدہ سے فرمایا، تونے اس کو کیا چیز دینے کا ارادہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں نے اس کو کھجوریں دینے کی نیت کی ہے۔ آپ نے فرمایا خبردار! اگر تو اس کو (کچھ بھی) نہ دیتی تو تیرے اوپر ایک جھوٹ (کا گناہ) لکھ دیا جاتا۔" (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۶ از ابوداؤد و بیہقی)

تشریح: اس حدیث سے والدین کے حق میں ایک بڑی نصیحت معلوم ہوئی، بچوں کو کسی کام کے لئے بلانے کے لئے یا کہیں ہمراہ جانے کی ضد ختم کرنے کے لئے یا رونا بند کرنے کے لئے جھوٹے وعدے کر لیتے ہیں، اور ایک ایک دن میں کئی کئی بار ایسا ہوتا رہتا ہے وعدہ کر کے پھر وعدہ پورا کرنے کی فکر نہیں کرتے، بچہ کو بہلانے کے لئے جھوٹ بہکا دیتے ہیں کہ فلاں چیز لائیں گے، یہ منگا کر دیں گے، وہ بنوا کر لائیں گے یہ جھوٹے وعدے کرنا اور پورا نہ کرنا گناہ ہے، جیسا کہ حدیث بالا سے معلوم ہوا۔

سوتن وغیرہ کو جلانے کے لئے جھوٹ بولنے کی مذمت

وَعَنْ اَسْمَاءَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهَا اَنَّ امْرَأَةً قَالَتْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ لِیْ ضَرَّةً فَهَلْ عَلَیَّ جُنَاحٌ اِنْ تَشَبَّعْتُ مِنْ زَوْجِیْ غَيْرَ الَّذِیْ يُعْطِيْنِیْ فَقَالَ الْمُتَشَبِّعُ بِمَا لَمْ يُعْطَ كَلَابِسِ ثَوْبَیْ زُوْرٍ (رواہ البخاری)

"حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک عورت نے عرض کیا یا رسول اللہؐ بلاشبہ میری ایک سوتن ہے، کیا مجھے گناہ ہوگا؟ اگر میں (اس کو جلانے کیلئے) جھوٹ موٹ یوں کہہ دوں کہ یہ چیز مجھے شوہر نے دی ہے، حالانکہ اس نے نہ دی ہو، اس کے جواب میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کو کوئی چیز حقیقت میں نہ ملی ہو اس کے بارے میں یہ ظاہر کرنا کہ یہ مجھے ملی ہے ایسا ہے جیسے کوئی جھوٹ کے دو کپڑے پہن لے۔" (مشکوٰۃ ص ۲۸۱ از بخاری و مسلم)

تشریح: مؤمن کے دل میں جو ایمان ہے یہ اللہ کا واعظ ہے، غلط جذبات اور برے وسوسے جو دل میں آتے ہیں یہ واعظ قلب جو اندر بیٹھا ہوا ہے متنبہ کرتا ہے کہ یہ ٹھیک نہیں ہے جن کا ایمان اصلی ایمان ہے اور جنہوں نے ایمان کی روشنی کو گناہوں کی کثرت سے دھندلا نہیں کیا ان کو جب کسی خراب عمل کا خطرہ گذرے گا، یا گناہ کرنے کا وسوسہ آئے گا، فوراً دل میں ایک چبھن محسوس کریں گے، ان کو ایسا معلوم ہوگا جیسے اندر کوئی الارم دے رہا ہے اور بتا رہا ہے کہ یہ کام ٹھیک نہیں ہے، اگر ٹھیک بے ٹھیک کا فیصلہ خود نہیں کر سکتے تو جاننے والوں سے معلوم کر لیں، جب الحمدللہ ہم جیسے مسلمان کا یہ حال ہے تو حضرات صحابہؓ جن کا ایمان پہاڑ سے بھی بڑا تھا وہ ایسے خطرات اور وساوس پر کیوں متنبہ نہ ہوتے۔

حدیث بالا میں اسی طرح کا ایک واقعہ ایک صحابی خاتون کا مذکور ہے، ان کے دل میں یہ خیال آیا کہ میں اپنی سوتن کو نیچا دکھانے کے لئے جھوٹ کہہ دوں کہ مجھے شوہر نے فلاں فلاں چیزیں دی ہیں تو اس کا دل جلے گا، اور اس کے جلنے سے مجھے خوشی ہو گی لیکن فوراً نفس کے اس عیب کو ان کے بیدار قلب نے پکڑ لیا، اور دل میں کھٹک ہوئی کہ ایسا کرنا شاید ناجائز ہو، لہٰذا ہادی عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرنا چاہئے، درحقیقت مومن صادق کا دل گناہ پر مطمئن نہیں ہو سکتا۔

ایک حدیث میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایک شخص نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہؐ ایمان (کی علامت) کیا ہے؟ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا:

اذا سرتک حسنتک وساءتک سیئتک فانت مؤمنٌ

''جب نیکی کرنے سے تیرا دل خوش ہو اور برائی سے تیرا دل دکھے تو (سمجھ لے) تو مؤمن ہے۔''

اس شخص نے عرض کیا کہ یارسول اللہ گناہ (کی نشانی) کیا ہے؟ آپ نے فرمایا:

اذا حاک فی نفسک شیءٌ فدعهُ

''یعنی جب کوئی چیز تیرے دل میں کھٹکے تو اسے چھوڑ دینا۔'' (مشکوۃ المصابیح ص ۱۶ عن مسند احمد ۱۲)

مطلب یہ ہے کہ جب کسی کام کے متعلق اچھا یا برا ہونے میں تردد ہو اور اس کے کرنے کے تصور سے دل میں بے چینی کی سی کیفیت معلوم ہوتی ہو تو اسے نہ کرنا، کیونکہ یہ گناہ ہونے کی نشانی ہے، یہ بات ان لوگوں کو حاصل ہوتی ہے، جو گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرتے ہیں اور دل کو سنوارنے کی فکر میں رہتے ہیں اور جو شخص گناہوں سے بچنے کی فکر نہیں کرتا اس کے دل کا ناس ہو جاتا ہے، پھر اس کو نیکی بدی کا احساس نہیں رہتا، اور گناہ پر خوش ہوتا ہے، دل کے اندر جو گناہوں کی وجہ سے ٹیس ہونی چاہئے وہ نہیں ہوتی۔

اسی قلبی کھٹک اور چبھن نے اس صحابی خاتون کو مسئلہ معلوم کرنے پر مجبور کیا، اور انہوں نے فخر کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بے تکلف نفس کا کھوٹ ظاہر کر دیا، اور عرض کیا کہ میرے دل میں اپنی سوتن کو جلانے کے لئے ایسا خیال آیا ہے اگر میں ایسا کروں تو کیا اس میں گناہ ہوگا؟

قربان جایئے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے، جواب میں کیا ارشاد فرمایا؟ بہت پُر مغز جملہ ارشاد فرمایا جس سے اس مقدس خاتون کے جزوی سوال کا جواب بھی ہو گیا اور ایک مستقل قاعدۂ کلیہ امت کو مل گیا، جو زندگی کے ہر شعبہ میں کام دے سکتا ہے، اور ہر صاحب فہم اس کی روشنی میں سچائی کا پتلہ بن سکتا ہے، ارشاد فرمایا:

المتشبع بما لم یعط کلابس ثوبی زورٍ

''یعنی جس کو کوئی چیز نہیں ملی اور اس کے باوجود جھوٹ کہتا ہے کہ مجھے ملی ہے وہ ایسا ہے جیسے کسی نے جھوٹ کے دو کپڑے لئے۔''

یعنی اس نے سر سے پاؤں تک اپنے اوپر جھوٹ ہی جھوٹ لپیٹ لیا، کسی کی زبان جھوٹی ہوتی ہے، لیکن یہ پورا کا پورا جھوٹا ہے۔

معلوم ہوا کہ جس طرح غلط بات سے زبان جھوٹی ہو جاتی ہے غلط کردار سے دیگر اعضاء بھی جھوٹے قرار دیئے جاتے ہیں، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہر اس شخص کو نصیحت و عبرت حاصل کرنا چاہئے جو کسی چیز کا مالک نہ ہو اور ظاہر کرتا ہو کہ میں اس کا مالک ہوں، جیسے بہت سی عورتیں مانگ کر بیاہ شادی کے موقع پر زیور پہن کر چلی جاتی ہیں اور شیخی بگھارنے کے لئے یہ باور کراتی ہیں کہ یہ ہمارا زیور ہے، شیخی بگھارنا یوں ہی برا ہے چہ جائیکہ دوسرے کے مال کو اپنا بنا کر فخر کیا جائے، بعضے لوگ حاجی نہیں ہوتے مگر نیچے کُرتے پہن کر حاجی ہونا بیان کرتے ہیں، اسی طرح بہت سے لوگ مرشد و صوفی نہیں ہوتے لیکن اپنے کو لوگوں کی نظروں میں بڑا ظاہر کرنے کے لئے ایسی باتیں کرتے ہیں جن سے ان کا صوفی اور پیر ہونا ظاہر ہو جائے بہت سے لوگ ایسی ہی نیت سے مشائخ کا لباس پہن لیتے ہیں، ایسے لوگ بھی اس حدیث کے مضمون میں داخل ہیں، یعنی بحکم حدیث سر سے پاؤں تک جھوٹے ہیں، بہت سے لوگ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما یا

کسی مشہور بزرگ کی نسل سے نہیں ہوتے لیکن اپنے نام کے ساتھ صدیقی، فاروقی لکھتے ہیں یا چشتی، قادری (۱) ہونے کے مدعی ہوتے ہیں، حالانکہ ان کو چشتیت، قادریت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا، یہ لوگ بھی حدیث بالا کے ذیل میں آتے ہیں، الغرض جس کا ظاہر باطن کے خلاف ہے اس کا ظاہر سراپا کذب اور جھوٹ ہے۔

اعاذنا اللہ تعالیٰ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا.

(۱)۔ (یہاں پہنچ کر حضرت اقدس مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کا ایک ملفوظ یاد آ گیا، فرمایا آج کل نسبتیں لگانے کا فیشن ہو گیا ہے، میں کچھ نہیں، اور بنتے ہیں رشیدی، خلیلی، امدادی، صابری وغیرہ اور بعض تو کوڑی بھی نہیں ہیں مگر اشرفی بنتے ہیں (یعنی اشرف علی کی طرف اپنے کو منسوب کرتے ہیں) کیا ذو معنیین جملہ ارشاد فرمایا۔)

سختی اور فحش کلامی پر تنبیہ

وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ اِسْتَاْذَنَ رَهْطٌ مِّنَ الْيَهُوْدِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا اَلسَّامُ عَلَيْكُمْ فَقُلْتُ بَلْ عَلَيْكُمُ السَّامُ وَاللَّعْنَةُ فَقَالَ يَا عَائِشَةَ اِنَّ اللّٰهَ رَفِيْقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ فِي الْاَمْرِ كُلِّهٖ قُلْتُ اَوَ لَمْ تَسْمَعْ مَا قَالُوْا قَالَ قَدْ قُلْتُ وَعَلَيْكُمْ وَفِيْ رِوَايَةٍ عَلَيْكُمْ وَلَمْ يذكر الواو، (رواہ البخاری)

''حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ چند یہودیوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کی اجازت چاہی، اور اس موقع پر (دبی زبان میں انہوں) نے کہا ''السام علیکم (یعنی السلام کے بجائے السام کہہ دیا، سلام سلامتی کو اور سام موت کو کہتے ہیں، انہوں نے بددعاء دینے کی نیت سے یہ سمجھ کر ایسا کہا کہ سننے والوں کی سمجھ میں نہ آئے گا) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سن لیا اور فوراً جواب دیا اور فرمایا **بَل علیکم السام و اللعنة** بلکہ تم پر موت ہو اور لعنت ہو، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عائشہؓ! بے شک اللہ رحیم ہے، ہر کام میں نرمی کو پسند فرماتا ہے، تم کو اس طرح جواب نہیں دینا چاہئے تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ آپ نے نہیں سنا انہوں نے کیا کہا؟ آپؐ نے فرمایا میں نے اس کو جواب میں وعلیکم کہہ دیا (یعنی ان کو موت کی بددعاء دے دی، پس میری بددعاء ان کے حق میں قبول ہو گی اور میرے حق میں ان کی بددعاء قبول نہ ہو گی۔'' (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۹۸ از بخاری و مسلم)

تشریح: صحیح مسلم کی ایک روایت میں یوں ہے کہ اس موقعہ پر آپؐ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ تو فحش گو مت بن، کیونکہ اللہ تعالیٰ فحش کو اور فحش اختیار کرنے کو پسند نہیں فرماتا۔

یہودی بڑے شریر تھے، ان کی شرارتیں آج تک کام کر رہی ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ کا نبی جانتے تھے اور واضح نشانیوں سے پہچانتے تھے لیکن مانتے نہیں تھے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب مکہ معظمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو مدینہ منورہ میں جو یہودی رہتے تھے وہ آپؐ کے سخت دشمن ہو گئے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایذاء دیا کرتے تھے، بلکہ شہید کرنے اور اسلام و مسلمانوں کو مٹانے کے پروگرام اور تدبیریں کیا کرتے تھے، آپؐ کی مجلس میں بھی آتے

تھے، باتیں بھی پوچھتے تھے، لیکن اپنی شرارتوں سے باز نہیں آتے تھے، انہی شرارتوں میں سے ایک یہ تھی کہ آپ ؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو بجائے **السلام علیکم** کے دبی زبان سے **السام علیکم** کہتے تھے، درمیان سے لام کو قصداً کھا جاتے تھے، سلام بمعنی سلامتی ہے اور السام بمعنی موت ہے، یہودی اپنی خباثت اور شرارت سے بظاہر سلام کرتے تھے لیکن دبی زبان اور دل کے ارادہ سے موت کی بددُعا دیتے تھے، ایک مرتبہ جو آئے اور ایسی ہی شرارت کی تو حضرت عائشہؓ نے سن لیا، اور فوراً سخت الفاظ میں ان کو جواب دیا اور انہوں نے جو کچھ کہا تھا اس سے بڑھ کر بددعا دی، یہودیوں نے تو صرف موت کی بددعاء دی تھی۔ حضرت عائشہؓ نے ان کو آڑے ہاتھوں لیا، اور موت کی بددعا کے ساتھ ان پر لعنت بھیجی، اور اللہ پاک کا غضب نازل ہونے کی بھی بددعاء دی۔ (ایک روایت میں حضرت عائشہؓ کے یہ الفاظ ہیں: **السام علیکم ولعنکم اللہ وغضب علیکم**، کما فی المشکوٰۃ ص ۳۹۸)۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کو تنبیہ فرمائی اور فرمایا کہ اے عائشہ! ٹھہر، اور نرمی اختیار کر، سختی اور فحش کلامی سے پرہیز کر، کیونکہ اللہ تعالیٰ بدکلامی کو اور بدکلامی اختیار کرنے کو پسند نہیں فرماتا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ آپ ؐ نے ان کی حرکتوں کی طرف توجہ نہیں فرمائی آپ ؐ نے فرمایا ہاں مجھے پتہ ہے انہوں نے کیا کہا، میں نے بھی تو **وعلیکم السلام** نہیں کہا بلکہ صرف **وعلیکم** کہہ کر جواب دیا، جو کچھ انہوں نے میرے لئے کہا وہ میں نے ان پر الٹ دیا، ان کی بددعا میرے حق میں قبول نہ ہوگی اور میری بددعاء ان کو لگ کر رہے گی، مطلب یہ ہے کہ جو انہوں نے کہا وہ ان پر الٹ دیا گیا، اور مزید سخت کلامی اور بدکلامی کی ضرورت نہیں، اللہ تعالیٰ شانہٗ کو نرمی پسند ہے، سختی اور سخت کلامی اور فحش کلامی پسند نہیں ہے۔

دیکھو اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کیسی مبارک نصیحت فرمائی، یہودی جو دشمن خدا اور دشمن دین تھے ان کو جواب دینے میں بھی پسند نہ فرمایا کہ سختی کی جائے اور بدکلامی اختیار کی جائے، جب دشمنوں کے ساتھ یہ معاملہ ہے تو آپس میں مسلمانوں کو سخت کلامی اور بدکلامی اختیار کرنے کی کہاں گنجائش ہوسکتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہ ”مومن طعنہ زنی کرنے والا اور لعنت بکنے والا اور فحش باتیں کرنے والا اور بے حیاء نہیں ہوتا“ (ترمذی)

مؤمن کی شان ہی دوسری ہے، وہ تو نرم مزاج، نرم زبان، میٹھے الفاظ والا ہوتا ہے، انتقام اور جواب میں کوئی لفظ نکل جائے تو وہ بھی اسی قدر ہوتا ہے جتنا دوسرے نے کہا ہے، ہم سب اس سے سبق لیں اور اپنی زبان پر کنٹرول کریں۔

لعنت کرنے کی ممانعت

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ اَضْحٰی اَوْ فِطْرٍ اِلَی الْمُصَلّٰی فَمَرَّ عَلَی النِّسَاءِ فَقَالَ یَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ تَصَدَّقْنَ فَاِنِّیْ اُرِیْتُکُنَّ اَکْثَرَ اَھْلِ النَّارِ فَقُلْنَ وَبِمَ یَا رَسُوْلَ اللہِ قَالَ تُکْثِرْنَ اللَّعْنَ وَتَکْفُرْنَ الْعَشِیْرَ مَا رَاَیْتُ مِنْ نَاقِصَاتِ عَقْلٍ وَّدِیْنٍ اَذْھَبَ لِلُبِّ الرَّجُلِ الْحَازِمِ مِنْ اِحْدٰکُنَّ قُلْنَ وَمَا نُقْصَانُ دِیْنِنَا وَعَقْلِنَا یَارَسُوْلَ اللہِ؟ قَالَ اَلَیْسَ شَھَادَۃُ

اَلْمَرْأَةِ مِثْلَ نِصْفِ شَهَادَةِ الرَّجُلِ قُلْنَ بَلٰى قَالَ فَذَالِکَ مِنْ نُقْصَانِ عَقْلِهَا، قَالَ اَلَيْسَ اِذَا حَاضَتْ لَمْ تُصَلِّ وَلَمْ تَصُمْ قُلْنَ بَلٰى قَالَ فَذَالِکَ مِنْ نُقْصَانِ دِيْنِهَا (رواہ البخاری ومسلم)

''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (ایک مرتبہ) عید یا بقر عید کے موقع پر عیدگاہ تشریف لے جا رہے تھے، (راستہ میں) عورتوں پر گذر رہوا، آپؐ نے ان کو خطاب کر کے فرمایا کہ اے عورتو! صدقہ کرو، کیونکہ مجھے دوزخ میں زیادہ تعداد عورتوں ہی کی دکھائی گئی ہے، عورتوں نے سوال کیا یہ کس وجہ سے یا رسول اللہؐ؟ آپؐ نے فرمایا اس لئے کہ تم لعنت بہت کرتی ہو، اور شوہر کی ناشکری کرتی ہو، (پھر فرمایا کہ) میں نے عورت سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا کہ عقل اور دین کے اعتبار سے ناقص ہوتے ہوئے بہت ہوشیار مرد کی عقل کو ختم کر دے، عورتوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ ہمارے دین اور عقل میں کیا نقصان ہے؟ آپؐ نے فرمایا کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ عورت کی گواہی مرد کی آدھی گواہی کے برابر ہے؟ عرض کیا، جی ہاں ایسا تو ہے، فرمایا یہ اس کی عقل کی کمی (کے باعث) ہے پھر فرمایا کیا یہ بات نہیں ہے کہ جب عورت کو حیض آتا ہے تو (ان دنوں میں حسب حکم شرع) نہ نماز پڑھتی ہے نہ روزہ رکھتی ہے؟ عورتوں نے جواب دیا کہ ہاں ایسا تو ہے، فرمایا یہ اس کے دین کا نقصان ہے۔'' (مشکوٰۃ شریف، ص ۱۳، از بخاری ومسلم)

تشریح: یہ حدیث بہت سی نصیحتوں پر مشتمل ہے، سب کی تشریح خوب غور سے پڑھیں۔

سرور دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اولاً فرمایا کہ عورتو! صدقہ دو، کیونکہ دوزخ میں زیادہ تر میں نے عورتوں کو دیکھا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ دوزخ میں زیادہ تعداد عورتوں ہی کی ہوگی، جو انسان (مرد یا عورت) کافر یا مشرک یا منافق یا بے دین ہوں گے وہ تو ہمیشہ ہی دوزخ میں رہیں گے، اور بہت سے مسلمان (مرد وعورت) بھی اپنی اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے دوزخ میں چلے جائیں گے۔ پھر جب خدا تعالیٰ کی مرضی ہوگی ان کو وہاں سے نکال کر جنت میں داخل فرما دیں گے، دوزخ کے داخل ہونے والوں میں زیادہ تر عورتیں ہوں گی اور ان کے دوزخ میں جانے کی کئی وجہیں ہیں، عورتوں کا جو عام حال ہے، نمازوں کو قضاء کرنا، زیور کی زکوٰۃ نہ دینا اور بدگوئی و بدزبانی میں لگا رہنا، یہ سب بڑے بڑے گناہ ہیں، اللہ تعالیٰ معاف نہ کرے اور جن لوگوں کی برائیاں کرتی تھیں وہ معاف نہ کریں تو عذاب بھگتنا پڑے گا۔

اس حدیث میں ایک خاص عمل کی ترغیب دی گئی ہے، یعنی صدقہ کرنا، صدقہ کو دوزخ سے بچانے میں بہت دخل ہے، ایک حدیث میں فرمایا ہے:۔ اتقوا النار ولو بشق تمرة (مشکوٰۃ شریف)

''یعنی صدقہ کر کے دوزخ سے بچو، اگرچہ آدھی کھجور ہی دے دو۔'' (مشکوٰۃ شریف)

اس میں فرض صدقہ یعنی زکوٰۃ اور نفلی صدقہ یعنی عام خیر خیرات سب داخل ہو گئے، ان سب کو دوزخ سے بچانے میں خاص دخل ہے، جس قدر ہو سکے اللہ کی راہ میں مال خرچ کرو، اپنے مال میں تو پورا اختیار ہے، اور شوہر کا مال ہو تو اس سے اجازت لے کر خرچ کرو۔

زیادہ تعداد میں عورتوں کے دوزخ میں جانے کا ایک سبب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ بتایا کہ لعنت بہت کرتی ہیں، یعنی کوسنا پیٹنا، بُرا بھلا کہنا، اُلٹی سیدھی باتیں زبان سے نکالنا، یہ عورتوں کا ایک خاص مشغلہ ہے، شوہر، اولاد اور بھائی بہن،

گھر در جانور، چوپایہ، آگ پانی ہر چیز کو کوستی رہتی ہیں، اسے آگ لگے، وہ لگٹی لگا ہے، یہ ناس پیٹی ہے اُسے ڈھائی گھڑی کی آئے، وہ موت کالیا ہے، اس کا ناس ہو، اس طرح کی ان گنت باتیں عورتوں کی زبان پر جاری رہتی ہیں، اس میں بددعاء کے کلمات بھی ہوتے ہیں، گالیاں بھی ہوتی ہیں، یہ بات اللہ تعالیٰ کو بہت ناپسند ہے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو دوزخ میں جانے کا سبب بتایا، لعنت کرنا یعنی یوں کہنا کہ فلاں پر لعنت ہے یا فلاں ملعون ہے، یا مردود ہے یا اس پر اللہ کی مار یا پھٹکار ہو، بہت سخت بات ہے، اللہ کی رحمت سے دور ہونے کی بددعاء کو لعنت کہا جاتا ہے، عام طور سے یوں تو کہہ سکتے ہیں کہ کافروں پر اللہ کی لعنت ہو، اور جھوٹوں پر اور ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے، لیکن کسی پر نام لے کر لعنت کرنا جائز نہیں ہے، جب تک یہ یقین نہ ہو کہ وہ کفر پر مر گیا، آدمی تو آدمی بخار کو، ہوا کو، جانور کو بھی لعنت کرنا جائز نہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اس نے ہوا پر لعنت کی۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہوا پر لعنت نہ کرو، کیونکہ وہ اللہ کی طرف سے حکم دی ہوئی ہے، اور جو شخص کسی ایسی چیز پر لعنت کرے جو لعنت کی مستحق نہیں ہے تو لعنت اسی پر لوٹ جاتی ہے جس نے لعنت کی۔ (ترمذی)

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ بلاشبہ انسان جب کسی چیز پر لعنت کرتا ہے تو لعنت آسمان کی طرف چڑھ جاتی ہے، وہاں دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں (اوپر کو جانے کا کوئی راستہ نہیں ملتا) پھر زمین کی طرف اتاری جاتی ہے، زمین کے دروازے بھی بند کر دیئے جاتے ہیں، (کوئی جگہ ایسی نہیں ملتی جہاں وہ نازل ہو) پھر وہ دائیں بائیں کا رُخ کرتی ہے، جب کسی جگہ کوئی راستہ نہیں پاتی تو پھر اس شخص پر لوٹ جاتی ہے جس پر لعنت کی ہے، اگر وہ لعنت کا مستحق تھا تو اس پر پڑ جاتی ہے ورنہ اس شخص پر آ کر پڑتی ہے جس نے منہ سے لعنت کے الفاظ نکالے تھے۔ (ابوداؤد)

ایک حدیث میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی لعنت ایک دوسرے پر نہ ڈالو، اور نہ آپس میں یوں کہو کہ تجھ پر اللہ کا غصہ ہو اور نہ آپس میں ایک دوسرے کے لئے یوں کہو کہ جہنم میں جائے۔ (ترمذی، ابوداؤد)

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان سے ایک موقع پر بعض غلاموں کے بارے میں لعنت کے الفاظ نکل گئے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وہاں سے گذر رہے تھے، آپؐ نے (کراہت اور تعجب کے انداز میں) فرمایا **لعانین و صدیقین کلا ورب الکعبة** "یعنی لعنت کرنے والے اور صدیقین (کیا یہ دونوں جمع ہو سکتے ہیں) رب کعبہ کی قسم! ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا (کہ کوئی شخص صدیق بھی ہو اور لعنت کرنے والا بھی ہو) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اس بات کا بہت اثر ہوا اور اس روز انہوں نے اپنے بعض غلام (بطور کفارہ) آزاد کر دیئے، اور بارگاہ رسالتؐ میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اب ہرگز ایسا نہیں کروں گا۔ (بیہقی)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ لعنت کرنیوالے قیامت کے دن کسی کے حق میں گواہ نہ بن سکیں گے اور نہ سفارش کر سکیں گے۔ (صحیح مسلم)

دوسری بات حدیث میں یہ بتائی (جو دوزخ میں داخل ہونے کا باعث ہے) کہ عورتیں شوہر کی ناشکری کرتی ہیں، ایک دوسری حدیث میں اس کی تشریح اس طرح وارد ہوئی ہے:

لو احسنت الی احدھن الدھر ثم رأت منک شیئا قالت ما رأیت منک خیرا قط.

''یعنی اگر تم عورت کے ساتھ ایک عرصہ دراز تک اچھا سلوک کرتے رہو، پھر کبھی کسی موقع پر ذرا سی کوئی بات پیش آ جائے تو (پچھلا سب کیا دھرا سب مٹی کردے گی اور) کہے گی میں نے تیری جانب سے کبھی کوئی بھلائی نہیں دیکھی ہے۔'' (مشکوٰۃ ص ۱۳۰ از بخاری و مسلم)

درحقیقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے مزاج اور اخلاق و عادات کا بہت صحیح پتہ دیا ہے، عورتیں واقعی عموماً اسی طرح سے شوہروں کے ساتھ برتاؤ کرتی ہیں۔

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عورتوں کی ایک اور عادت کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ بہت زیادہ ہوشمند مرد کو بالکل بے وقوف بنا کر رکھ دیتی ہیں، ضد کر کر کے اور پٹی پڑھا پڑھا کر اچھے خاصے ہوش و گوش والے مرد کو بدھو بنا دیتی ہیں مثلاً مرد سے کہا تمہاری آمدنی کم ہے، سارے گھر کا گذارہ نہیں ہوتا ایسا کرو کہ ماں باپ سے علیحدہ ہو جاؤ، پھر ہمارا تمہارا گذارہ کشادگی کے ساتھ ہو سکے گا، ماں باپ کا فرمانبردار بیٹا اولاً تو کچھ دنوں تک دھیان نہیں دیتا مگر وہ اسے اتنا مجبور کرتی ہیں اور روزانہ اتنا سبق پڑھاتی ہیں کہ آخر وہ کسی دن ماں باپ سے جُدا ہونے کا فیصلہ کر ہی لیتا ہے۔ وہ شخص جو بڑے بڑے اداروں کو چلاتا ہے، حکومت کے کسی اعلیٰ محکمہ کا افسر ہے، اس کے ماتحت بہت سے آدمی کام کرتے ہیں، باوجود اس بڑائی اور ہوش مندی کے اسے بھی سبق پڑھا پڑھا کر بالآخر اپنے ڈھب پر ڈال ہی لیتی ہے، اس کا سارا ہوش و گوش عورت کے سامنے کچھ کام نہیں دیتا، زیور اور کپڑے کے سلسلہ میں بھی شوہر کو مجبور کر کے اپنا مطلب پورا کر ہی لیتی ہیں، محلّہ کی کسی عورت نے ہار بنوالیا، بس خیال ہو گیا کہ ہم پیچھے رہ گئے، ہمارا بھی ہار بنے اور اسی ڈیزائن کا ہو، اور کم سے کم اتنے ہی تولہ کا ہو جیسا کہ پڑوسن نے بنوایا ہے، اب شوہر کے سر ہیں کہ ابھی بنے اور آج ہی آرڈر دو، شوہر کہتا ہے کہ ابھی موقع نہیں ہے، کاروبار مندا ہے، یا تنخواہ تھوڑی ہے، بس برس پڑیں، تم کبھی فرمائش پوری ہی نہیں کرتے، ہمیشہ حیلے بہانے کرتے ہو، کیا ضرورت تھی کسی کی بیٹی پلے باندھنے کی؟ خرچ نہیں چلتا ہے تو باپ کاٹو، پہلی مرتبہ تو اتنی بات سن کر شوہر خاموش ہو گیا، رات کو جب گھر آیا تو پھر کان کھانے شروع کئے، بے چارہ سمجھا بجھا کر کسی طرح سو گیا، صبح اٹھ کے جب کام پر جانے لگا تو پھر ٹانگ پکڑی، کہ آج ضرور تم کہیں سے رقم لے کر آؤ، شوہر نے کہا کہ آج کہاں سے لے آؤں گا، کیا کہیں ڈاکہ ڈالوں! فوراً کہیں گی ہم کچھ نہیں جانتے، ڈاکہ ڈالو یا کچھ کرو، رقم لانی ہو گی، شوہر نے کہا کہ میں تو رشوت بھی نہیں لیتا، کہیں سے قرض ملنے کی بھی امید نہیں، کہاں سے لاؤں گا؟ فوراً آڑے ہاتھوں لیا، ساری دنیا رشوت لیتی ہے، تم بہت بڑے متقی بنے ہو، ہم چار عورتوں میں بیٹھنے کے قابل بھی نہیں، نہ ہاتھ میں چُوڑی نہ گلے میں لاکٹ۔

غرض کہ ضد کر کے پیچھے پڑ کے زیور بنوا کر چھوڑتی ہیں، کپڑوں کے سلسلہ میں بھی یہی طرز عمل ہے، جب کوئی نیا کاٹ دیکھا، نیا کپڑا بازار میں آیا جدید طرز کا فیشن چلا، فوراً اسی طرح کا کپڑا بنانے کے لئے تیار ہو گئیں، شوہر کے پاس پیسہ ہو نہ ہو، موقع ہو نہ ہو بنانے کے لئے ضد شروع کر دی، اصرار کرتے کرتے آخر بنا کر چھوڑتی ہیں، پھر عجیب بات یہ ہے کہ جو جوڑا ایک مرتبہ کسی شادی میں پہن لیا اب اسے آئندہ کسی تقریب میں پہننے کو عیب سمجھتی ہیں، نئی شادی کے لئے نیا جوڑا ہونا چاہئے، پھر کاٹ بھی نئی ہو، چھانٹ بھی ماڈرن ہو، انہی خیالات میں گم رہتی ہیں، اور ان خواہشات کے پورا کرنے میں بہت سے گناہ خود ان سے سرزد ہوتے ہیں، اور بہت

سے گناہ شوہر سے کراتی ہیں، شوہر اتنے اخراجات سے عاجز ہوتا ہے تو رشوت لیتا ہے، یا بہت زیادہ محنت کر کے رقم حاصل کرتا ہے، جس سے صحت پر اثر پڑتا ہے، یہ جانتے ہوئے کہ رشوت لینا حرام ہے اور یہ عمل دوزخ میں لے جانے والا ہے، اور زیادہ محنت کرنے سے صحت پر بُرا اثر پڑے گا، اچھا خاصا ہوشمند آدمی بیوقوف بن جاتا ہے اور عورت کی ضد پوری کرنے کے لئے سب کر گذرتا ہے۔

عورت کو زیور پہننا جائز تو ہے، مگر اس جائز کیلئے اتنے بکھیڑے کرنا اور شوہر کی جان پر قرض چڑھانا اور اس کو رشوت لینے پر مجبور کرنا، اور پھر دکھاوے کیلئے پہننا اسلام میں اس کی گنجائش کہاں ہے؟

بیاہ وشادی کے موقع پر عورتوں نے بہت سی بُری رسموں کا رواج ڈال رکھا ہے جو غیر شرعی ہیں، ان رسموں کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتی ہیں، مرد کیسا ہی علم والا اور دیندار ہو اس کی ایک نہیں چلنے دیتیں، آخر وہی ہوتا ہے جو یہ چاہتی ہیں۔

مرنے جینے میں بھی بہت سی بدعات اور شرکیہ رسمیں نکال رکھی ہیں ان کی پابندی نماز سے بھی بڑھ کر ضروری سمجھی جاتی ہے، اگر مرد سمجھائے کہ یہ شریعت سے ثابت نہیں انہیں چھوڑ دو تو ایک نہیں سنتیں، بالآخر مرد مجبور ہو کر ان رسموں میں خرچ کرنے کو تیار ہو جاتا ہے۔

یہ سب مثالیں ہم نے حدیث کا مطلب واضح کرنے کیلئے لکھ دی ہیں، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ دین اور عقل میں ناقص ہوتے ہوئے بہت بڑے بڑے ہوشمند آدمی کو بیوقوف بنا دیتی ہے بالکل حق ہے۔

حدیث کے آخر میں ہے کہ جب عورتوں نے یہ دریافت کیا کہ ہمارے دین اور عقل میں کیا کمی ہے؟ تو آپ ؐ نے فرمایا عقل کی کمی تو اس سے ظاہر ہے کہ شریعت نے دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر شمار کی ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:۔

فَاِنْ لَّمْ یَکُوْنَا رَجُلَیْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّھَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰھُمَا فَتُذَکِّرَ اِحْدٰھُمَا الْاُخْرٰی ط وَلَا یَاْبَ الشُّھَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا ط وَلَا تَسْئَمُوْٓا اَنْ تَکْتُبُوْہُ صَغِیْرًا اَوْ کَبِیْرًا اِلٰٓی اَجَلِہٖ ط ذٰلِکُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰہِ وَاَقْوَمُ لِلشَّھَادَۃِ وَاَدْنٰٓی اَلَّا تَرْتَابُوْٓا اِلَّآ اَنْ تَکُوْنَ تِجَارَۃً حَاضِرَۃً تُدِیْرُوْنَھَا بَیْنَکُمْ فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَکْتُبُوْھَا ط وَاَشْھِدُوْٓا اِذَا تَبَایَعْتُمْ وَلَا یُضَآرَّ کَاتِبٌ وَّ لَا شَھِیْدٌ ط وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّہٗ فُسُوْقٌ بِکُمْ ط وَاتَّقُوا اللّٰہَ ط وَیُعَلِّمُکُمُ اللّٰہُ ط وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ

’’پھر اگر وہ دو گواہ مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ایسے گواہوں میں سے جن کو تم پسند کرتے ہو، تاکہ ان دونوں عورتوں میں سے کوئی ایک بھول جائے تو ان میں کی ایک دوسری کو یاد دلا دے۔‘‘ (سورۂ بقرہ، ع ۳۹ آیت ۲۸۲)

اور عورت کے دین کا نقصان یہ ہے کہ ہر مہینہ جو خاص ایام آتے ہیں ان میں نمازوں سے محروم رہتی ہیں، اور ان میں روزہ بھی نہیں رکھ سکتیں (اگر رمضان میں یہ دن آجائیں تو رمضان میں روزہ چھوڑ دیں اور بعد میں قضاء رکھ لیں)۔

شاید کوئی عورت دل میں یہ سوال اٹھائے کہ اس میں ہمارا کیا قصور ہے؟ خاص ایام کی مجبوری قدرتی ہے، اور شریعت نے ان دنوں میں خود ہی نماز روزہ سے روکا ہے۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ مجبوری اگرچہ فطری اور طبعی ہے اور شریعت نے بھی ان دنوں میں نماز روزے سے روکا ہے، مگر یہ بات بھی تو ہے کہ نماز روزہ کی ادائیگی کی جو برکات ہیں ان سے محرومی رہتی ہے، فطری مجبوری ہی کی وجہ سے تو یہ قانون ہے کہ

ان ایام کی نمازیں بالکل معاف کردی گئی ہیں جن کی قضاء بھی نہیں اور رمضان کے روزہ کی قضاء تو ہے مگر رمضان میں روزہ نہ رکھنے پر کوئی مواخذہ نہیں، اب اگر کوئی عورت یوں کہے کہ خدا تعالیٰ نے یہ مجبوری کیوں لگائی ہے؟ تو یہ اللہ کی حکمت میں دخل دینا اور اس کی قدرت ومشیت پر اعتراض کرنا ہوا، یہ ایسی ہی بات ہے کہ جو شخص حج کرے گا اسے حج کا ثواب ملے گا جو نہ کرے گا اسے یہ ثواب نہیں ملے گا جس کے پاس حج کرنے کا پیسہ نہیں ہے اگر وہ کہے کہ خدا تعالیٰ نے مجھے پیسہ کیوں نہیں دیا تو یہ اس کی بیوقوفی ہے اور اس کے کم عقل ہونے کی دلیل ہے۔ قرآن شریف میں ارشاد ہے:۔

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَافَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ط

''یعنی تم لوگ کسی ایسی چیز کی تمنا مت کرو جس میں اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر فوقیت دی ہے۔'' (سورۂ نساء)

گالی گلوچ سے پرہیز کرنے کی سخت تاکید

وعن انس رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْمُسْتَبَّانِ مَا قَالَا فَعَلَى الْبَادِئُ مَالَمْ يَعْتَدِ الْمَظْلُوْم. (رواہ مسلم)

''حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو دو آدمی آپس میں ایک دوسرے کو گالیاں دیں سب کا وبال اسی پر ہوگا جس نے گالی دینے میں پہل کی ہے، جب تک کہ مظلوم زیادتی نہ کرے۔'' (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۱ از مسلم)

تشریح: زبان کے گناہوں میں گالی دینا بھی ہے، یہ بھی ایک ایسی بُری چیز ہے جو کسی طرح سے بھی مومن کے شایان شان نہیں ہے، ایک حدیث میں ارشاد ہے:۔ **سباب المسلم فسوق وقتاله كفرٌ.** (بخاری ومسلم)

''یعنی مسلمان کو گالی دینا بڑی گنہگاری کی بات ہے اور اس سے جنگ کرنا کفر کی چیز ہے۔'' (بخاری ومسلم)

بہت سے مردوں اور عورتوں کو گالی دینے کی عادت ہوتی ہے اور بعضے تو اس کو بڑا کمال سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ جہالت اور جاہلیت کی بات ہے، اور اس میں سخت گناہ بھی ہے اور اس کی وجہ سے آپس میں تعلقات بھی خراب ہوتے ہیں اور گالی گلوچ کرتے کرتے مُردوں تک پہنچ جاتے ہیں، ایک نے کسی کو گالی دی دوسرے نے اس کے باپ کو گالی دی، پھر پہلے والے نے جواب میں دوسرے والے کے باپ کے ساتھ دادا کو بھی لپیٹ لیا، اس طرح سے اپنے ماں باپ کو گالیاں دلوانے کا ذریعہ بھی بن جاتے ہیں۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا کہ بڑے بڑے گناہوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کوئی شخص اپنے ماں باپ کو گالی دے، صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا کوئی شخص اپنے ماں باپ کو گالی دے گا؟ آپؐ نے فرمایا ہاں! کوئی کسی آدمی کے باپ کو گالی دے گا تو وہ الٹ کر اس کے باپ کو گالی دے گا، اور کسی کی ماں کو گالی دے گا تو وہ الٹ کر اس کی ماں کو گالی دے دے گا۔ (بخاری ومسلم)

یعنی خود گالی نہ دی دوسرے سے گالی دلوادی، اور اس کا سبب بن گیا، تو وہ ایسا ہی ہوا جیسے خود گالی دے دی، اور یہ بھی اس زمانہ کی بات ہے کہ صحابہؓ کو تعجب ہوا کہ کوئی شخص اپنے ماں باپ کو کیسے گالی دے گا؟ آج کل تو بہت سے لوگ پیدا ہوگئے ہیں جو ماں باپ کو بالکل سیدھی صاف ستھری گالی دے دیتے ہیں، گالی یوں بھی کبیرہ گناہ ہے لیکن ماں باپ

کو گالی دینا اور بھی شدید ہے، اللہ تعالیٰ جہالت سے بچائے۔

اگر کوئی شخص کسی کو گالی دے دے تو اچھی بات یہ ہے کہ جس کو گالی دی ہے وہ خاموش ہو جائے، اور صبر کرے، اور گالی دینے کا وبال اسی پر رہنے دے لیکن اگر صبر نہ کرے اور جواب دینا چاہے تو صرف اسی قدر جواب دے سکتا ہے جتنا دوسرے نے کہا ہے اگر آگے بڑھ گیا تو یہ ظالم ہو جائے گا، حالانکہ اس سے پہلے مظلوم تھا اسی کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب دو آدمی گالم گلوچ کر رہے ہوں تو سب کا گناہ پہل کرنے والے پر ہوگا اور اگر مظلوم نے زیادتی کر دی (جسے اولاً گالی دی تھی) تو پھر دونوں گناہ میں شریک ہو گئے۔

حضرت جابر بن سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ میں آیا، وہاں میں نے دیکھا کہ ایک بڑی شخصیت ہے کہ سب لوگ ان کی رائے پر عمل کرتے ہیں، جو بھی کچھ فرمایا جھٹ لوگوں نے عمل کر لیا، میں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ کون ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ اللہ کے رسول ہیں، میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا **علیک السلام** یارسول اللہؐ دو مرتبہ ایسا ہی کہا، آپؐ نے فرمایا **علیک السلام** مت کہو، کیونکہ **علیک السلام** (زمانہ جاہلیت میں) میت کے لئے کہا جاتا تھا، تم **السلام علیک** کہو، میں نے کہا آپ اللہ کے رسول ہیں؟ فرمایا میں اللہ کا رسول ہوں، وہ اللہ ایسا صاحب قدرت ہے کہ اگر تم کو کوئی تکلیف پہنچ جائے پھر تم اس سے دعاء کرو تو تمہاری تکلیف رفع کر دے، اور اگر تم کو قحط سالی پہنچ جائے اور تم اس سے دعاء مانگو تو وہ تمہارے لئے (ضرورت کی چیزیں زمین سے) اُگا دے اور جب تم کسی چٹیل زمین میں ہو جہاں گھاس پانی اور آبادی نہ ہو، اور ایسے موقع پر تمہاری سواری گم ہو جائے، پھر تم اس سے دعاء کرو تو تمہاری سواری تمہارے پاس واپس لوٹا دے، میں نے عرض کیا مجھے کچھ نصیحت فرمایئے: آپؐ نے فرمایا ہرگز کسی کو گالی مت دینا، حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اس کے بعد کبھی میں نے کسی آزاد کو یا غلام کو یا اونٹ کو یا بکری کو گالی نہیں دی، (پھر تین نصیحتوں کے بعد فرمایا کہ) اگر کوئی شخص تم کو گالی دے اور تم کو اس چیز کا عیب لگائے جو تمہارے اندر ہے تو تم اسے اس چیز کا عیب نہ لگاؤ جو عیب اس کا تم اس کے اندر جانتے ہو۔ (مشکوٰۃ المصابیح عن ابی داؤد)

دیکھو! اس حدیث میں کیسی سخت تنبیہ فرمائی کہ ہرگز کسی کو گالی نہ دینا جن صحابی کو نصیحت کی تھی انہوں نے ایسی سختی کے ساتھ اس کو پلہ باندھا اور ایسی مضبوطی کے ساتھ اس پر عمل کیا کہ کبھی کسی انسان کو یا حیوان کو گالی نہیں دی، اونٹ، بکری، گدھا، گھوڑا کبھی کسی کو گالی کا نشانہ نہیں بنایا۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:۔

وَ لَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ

"اور دشنام مت دو ان کو جن کی یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں کیونکہ پھر وہ براہ جہل حد سے گذر کر اللہ کی شان میں گستاخی کرینگے۔"

دیکھئے آیت شریفہ میں مشرکین کے بتوں کو گالیاں دینے سے بھی منع فرمایا اور وجہ یہ بتائی کہ جب تم ان کے بتوں کو گالی دو گے تو وہ تمہارے معبود برحق اللہ جل شانہٗ کی شان اقدس میں گستاخی کریں گے، پس تم اس کا ذریعہ کیوں بنتے ہو؟

اسی طرح سے مسلمانوں کو آپس میں کسی کے خاندان کے بڑوں کو (خاندان نسبی ہو یا دینی ہو یا علمی ہو) گالی دینے یا بُرا کہنے سے پرہیز کرنا لازم ہے، کیونکہ ایک فریق دوسرے فریق کے بڑوں کو بُرا کہے گا تو دوسرا فریق بھی جواب میں بُرا کہے گا اور

گالی دے گا، اگر کوئی شخص کسی کے باپ کو گالی دے گا تو جواب میں دوسرا شخص گالی دینے والے کے باپ دادا اور پردادا کو گالی دے گا۔ اس میں بسا اوقات ان لوگوں کو گالی دینے کی بھی نوبت آجاتی ہے جو دنیا سے گذر گئے ہیں، مُردہ لوگوں کو بُرا کہنے کی ممانعت خصوصیت کے ساتھ وارد ہوئی ہے فرمایا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہ جو لوگ مر گئے ان کو گالی نہ دو، یعنی بُرائی کے ساتھ یاد نہ کرو، کیونکہ وہ ان اعمال کی طرف پہنچ گئے جو انہوں نے پہلے سے آگے بھیجے۔ (بخاری)

ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ مُردوں کو گالی نہ دو جسکی وجہ سے تم زندوں کو ایذاء دو گے۔ (ترمذی)

یعنی جب مُردوں کو گالی دو گے تو ان کے متعلقین جو زندہ ہیں ان کو تکلیف پہنچے گی اور اس سے دُوہرا گناہ ہوگا، ایک اموات کو گالی دینے کا دوسرا ان کے متعلقین کا دل دکھانے کا۔

ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا کہ اپنے مُردوں کی خوبیاں بیان کیا کرو اور ان کی بُرائیوں سے (زبان کو) روکے رکھو۔ (ابوداؤد، ترمذی)

اسلام پاکیزہ دین ہے، اس میں جانوروں کو گالی دینے تک کی بھی ممانعت کی گئی ہے، ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ مرغ کو گالی نہ دو، کیونکہ وہ نماز کے لئے جگاتا ہے۔ (ابوداؤد)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ ایک شخص کو چیچڑی نے کاٹ لیا، (یہ جوں سے ذرا بڑا جانور ہوتا ہے جو اونٹ وغیرہ کے جسم میں ہوتا ہے) اس شخص نے چیچڑی کو گالی دے دی، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو گالی نہ دے، کیونکہ اس نے اللہ کے نبیوں میں سے ایک نبی کو نماز کے لئے جگایا تھا۔ (جمع الفوائد)

فائدہ:۔ لفظ سبّ کا ترجمہ جگہ جگہ ہم نے گالی دینے سے کیا ہے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ فحش بازاری گالی دی جائے وہی گالی ہے، بلکہ کسی کو کسی بھی بُرے لفظ سے یاد کرنا بھی گالی میں شامل ہے خوب سمجھ لیں، اگر ماں بہن کی گالی نہ دی بلکہ بے ہودہ، گدھا، کمینہ کہہ دیا، یہ بھی ان احادیث کے مفہوم میں آتا ہے جن میں سب وشتم کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔

کسی مسلمان کو فاسق یا کافر یا اللہ کا دشمن کہنے کا وبال

وعن ابی ذر رَضِیَ اللّٰہ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ دَعَا رَجُلاً بِالْکُفْرِ اَوْ قَالَ عَدُوُّ اللّٰہِ وَلَیْسَ کَذٰلِکَ اِلَّا حَارَ عَلَیْہِ (رواہ البخاری ومسلم)

”حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے کسی آدمی کو کافر کہہ کر پکارا یا یوں کہا کہ اے اللہ کے دشمن، اور وہ ایسا نہیں ہے تو یہ کلمہ اسی پر لوٹ جاتا ہے جس نے ایسا کہا۔“ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۱ از بخاری ومسلم)

تشریح: اس حدیث میں اس بات سے ممانعت فرمائی ہے کہ مسلمان کو کافر یا اللہ کا دشمن کہا جائے دوسری روایت میں ہے کہ جو شخص کسی کو فاسق یا کافر کہہ دے اور وہ ایسا نہیں ہے تو یہ بات اسی پر لوٹ آتی ہے جس نے زبان سے نکالی۔ (بخاری)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت کا عجیب طرز اختیار فرمایا، آپؐ نے فرمایا کہ جب کسی مسلمان کو کافر یا اللہ کا دشمن کہا، اور وہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے تو جس نے کہا اس کی بات اس پر لوٹ آئے گی، بہت سے مرد اور عورتیں غصہ کے جنون میں آپس میں ایک

دوسرے کو کافر یا اللہ کا دشمن کہہ دیتے ہیں، اس کا وبال بہت سخت ہے، بات وہی ہے کہ زبان پر ہر شخص کو کنٹرول کرنے کی ضرورت ہے، ذرا ذرا سے کلمہ میں کیا سے کیا ہو جاتا ہے، اور انسان کو اس کا دھیان بھی نہیں ہوتا، یہ بات خوب خوب ذہن نشین کرلو۔

چُغلی کھانے والوں کا عذاب اور وبال

وَعَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خِيَارُ عِبَادِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ اِذَا رُؤُوْا ذُكِرَ اللّٰهُ وَشِرَارُ عِبَادِ اللّٰهِ الْمَشَّاؤُوْنَ بِالنَّمِيْمَةِ الْمُفَرِّقُوْنَ بَيْنَ الْاَحِبَّةِ الْبَاغُوْنَ الْبُرَاءَ الْعَنَتَ (رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان)

''حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ کے اچھے بندے وہ ہیں کہ جب انہیں دیکھا جائے تو اللہ یاد آجائے، اور اللہ کے بُرے بندے وہ ہیں جو چغلی لے کر چلتے پھرتے رہتے ہیں (اور چغلی کی وجہ سے) محبت کرنے والوں میں جُدائی کرنے والے ہوتے ہیں (اور) جو لوگ بُرائی سے بیزار ہیں ان کے لئے فساد کی تلاش میں رہتے ہیں۔'' (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۵ از احمد وبیہقی)

تشریح: اس حدیث مبارک میں چغلی کی مذمت فرمائی اور جو لوگ چغلی کرتے پھرتے ہیں ان کو بُرے انسانوں میں شمار فرمایا اور فرمایا کہ یہ لوگ اہل محبت اور اہل تعلق میں چغلی کھا کھا کر جدائی پیدا کرنے کا سامان پیدا کر دیتے ہیں، اور جو لوگ شر اور فساد سے بری ہیں ان کے فساد اور بربادی کا ذریعہ بنتے ہیں۔

درحقیقت چغلی کھانا بدترین چیز ہے، جو چغلی کھاتا ہے اسے کچھ نفع نہیں ہوتا، بلکہ اس کے گناہ بڑھتے چلتے جاتے ہیں، اور اس کی بُری حرکت اور شرارت سے اچھے خاصے اہل محبت اور اہل وفاء میں جنگ ہو جاتی ہے، اور دلوں میں اور نفرت کے شعلے بھڑک کر برائیاں شروع ہو جاتی ہیں، اور افراد کی لڑائیاں خاندانوں کو لے بیٹھتی ہیں، چغلخور ذرا سا شگوفہ چھوڑتا ہے اور یہاں کی بات وہاں پہنچا کر جنگ وجدال کی آگ کو سلگاتا ہے، لوگوں میں لڑائی ہوتے ہوئے دیکھتا ہے تو خوش ہوتا ہے، گویا اس نے بہت بڑا کام کیا، لیکن وہ یہ نہیں جانتا کہ دوسروں کے لئے جو لڑائی کی آگ سلگائی اس سے اپنی قبر میں بھی انگارے بھر دیئے۔

ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دو قبروں پر گذر ہوا آپؐ نے فرمایا کہ بلاشبہ ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے، اور کسی بڑی چیز کے بارے میں عذاب نہیں ہے (کہ جس کے چھوڑنے میں کوئی مشکل اٹھانی پڑے اگرچہ گناہ میں وہ بڑی چیز ہے) اس کے بعد فرمایا کہ ان میں سے ایک پیشاب کرتے وقت پردہ نہیں کرتا تھا، اور ایک روایت میں ہے کہ پیشاب سے نہیں بچتا تھا، اور دوسرا شخص چغلی لے کر چلتا تھا، (یعنی فساد کیلئے ادھر کی بات اُدھر اور اُدھر کی بات اِدھر لے جاتا تھا)۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۲)

اس حدیث کے پیش نظر علماء نے بتایا ہے کہ پیشاب سے نہ بچنا (یعنی استنجاء نہ کرنا) اور بدن پر پیشاب کے چھینٹے آنے سے نہ بچنا اور پیشاب کے وقت پردہ نہ کرنا اور چغلی کھانا عذاب قبر لانے کا بہت بڑا سبب ہے۔

چغل خور جنت میں داخل نہ ہوگا۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ لا یدخل الجنۃ قتات ''یعنی جو شخص سخن چین ہو جو دوسروں کی باتیں کان لگا کر سنتا ہے اور ان کو خبر بھی نہیں پھر چغلی کھاتا ہے ایسا شخص جنت میں داخل نہ ہوگا۔''

اور ایک حدیث میں قتات کی جگہ نمام آیا ہے نمام چغلخور کو کہتے ہیں، ترجمہ یہ ہوا کہ چغلخور جنت میں داخل نہ ہوگا۔ علمائے

نے قتات اور نمام میں یہ فرق بتایا ہے کہ نمام وہ ہے جو بات کرنے والوں کے ساتھ موجود ہو پھر وہاں سے اٹھ کر چغلی کھائے اور قتات وہ ہے جو چپکے سے بات سن لے، جس کا بات کرنے والوں کو علم بھی نہ ہو، اس کے بعد چغلی کھائے۔

مجلس کی باتیں امانت ہوتی ہیں۔ جب کسی مجلس میں موجود ہو خواہ ایک دو آدمی ہی ہوں وہاں اگر کسی کی غیبت ہو رہی ہو تو منع کر دے اور نہ روک سکے تو وہاں سے اٹھ جائے اور مجلس میں جو باتیں ہوں ان کو مجلس سے باہر کسی جگہ نقل نہ کرے۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مجلسیں امانت کے ساتھ ہیں (مجلس میں جو بات کان میں پڑے اس کو اِدھر اُدھر نقل کرنا امانت داری کے خلاف ہے) ہاں اگر کسی مجلس میں کسی جان کو قتل کرنے کا مشورہ ہوا ہو یا زنا کاری کا مشورہ ہوا ہو، یا کسی کا ناحق مال لینے کا مشورہ ہوا ہو تو یہ بات نقل کر دے۔ (ابوداؤد)

ایک حدیث میں ارشاد ہے جب کوئی شخص کوئی بات کہے پھر اِدھر اُدھر دیکھے تو اسکی یہ بات امانت ہے۔ (ترمذی، ابوداؤد)

یعنی کسی شخص نے کسی سے کوئی خاص بات کہہ دی پھر وہ اِدھر اُدھر دیکھنے لگا کہ کسی نے سنا تو نہیں، تو اس کا یہ دیکھنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ کسی کو سنانا نہیں چاہتا لہٰذا جس سے کہی ہے اس پر لازم ہے کہ وہ بات کسی سے نہ کہے، بہت سے لوگ مجلس کی بات یہاں سے وہاں پہنچا دیتے ہیں جو غلط فہمی اور لڑائی کا ذریعہ بن جاتی ہے، اور یہ شخص چغلخور بن جاتا ہے اور خود اپنا بُرا کرتا ہے، نہ بات نقل کرتا نہ خرابی کا ذریعہ بنتا۔

بعض مردوں اور عورتوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ جن دو شخصوں یا دو خاندانوں یا دو جماعتوں کے درمیان اَن بَن ہو ان کے ساتھ ملنے جلنے کا ایسا طور طریق اختیار کرتے ہیں کہ ہر فریق کے خاص اور ہمدرد بنتے ہیں، اور یہ ظاہر کرتے ہیں کہ تم صحیح راہ پر ہو، اور ہم تمہاری طرف ہیں، ہر فریق ان کو ہمدرد سمجھ کر اپنی سب باتیں اُگل دیتا ہے، پھر ہر طرف کی باتیں اِدھر کی اُدھر اور اُدھر کی اِدھر پہنچاتے ہیں، جس سے دونوں فریق کے درمیان اور زیادہ لڑائی کے شعلے بھڑک اٹھتے ہیں۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن لوگوں میں سب سے زیادہ بدترین آدمی اس کو پاؤ گے جو (دنیا میں) دو چہرے والا ہے، ان لوگوں کے پاس ایک منہ سے آتا ہے اور ان لوگوں کے پاس دوسرا منہ لے کر جاتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دنیا میں جس کے دو چہرے تھے قیامت کے دن اس کی آگ کی دو زبانیں ہوں گی۔ (سنن ابوداؤد)

دو چہرہ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ درحقیقت پیدائشی طور پر اس کے دو منہ تھے بلکہ چونکہ ہر فریق سے اس طرح بات کرتا تھا جیسے خاص اسی کا ہمدرد ہے اس لئے ایسے شخص کو دو منہ والا فرمایا، گویا کہ فریق اول سے جو بات کی وہ اس منہ سے کی اور دوسرے فریق کے ساتھ دوسرا منہ لے کر کلام کیا اور بات میں دوغلہ پن اختیار کیا، ایسے شخص کے ایک ہی چہرے کو دو چہرے قرار دیا گیا، کیونکہ غیرت مند آدمی اپنی زبان سے جب ایک بات کہہ دیتا ہے تو اس کے خلاف دوسری بات اسی زبان سے کہتے ہوئے شرم کرتا ہے، بے ضمیر اور بے غیرت آدمی ایک چہرے کو دو چہروں کی جگہ استعمال کرتا ہے، چونکہ زبان کی الٹا پلٹی کی وجہ سے ایک چہرے کے دو چہرے قرار دیئے گئے اور ایک زبان سے دو شخصوں کا کردار ادا کیا اس لئے قیامت کے دن اس حرکت بد کی سزا یہ مقرر کی گئی کہ

ایسے دو غلے شخص کے منہ میں آگ کی دو زبانیں پیدا کردی جائیں گی، جن کے ذریعہ جلتا بھنتا رہے گا اور اس کا یہ خاص عذاب دیکھ کر لوگ سمجھ لیں گے کہ یہ شخص دو منہ والا اور دوغلہ تھا، اعاذنا اللہ من ذلک۔

بہنو! ایسی حرکت بد سے بچو، جن لوگوں میں رنجش اور پرخاش ہو ان سے ملنے میں تو کوئی حرج نہیں، لیکن ہر فریق کو اس کی غلطی سمجھاؤ، اور دونوں میں میل ملاپ کی کوشش کرو، اِدھر کی بات اُدھر پہنچا کر اور ہر ایک کی بات صحیح کہہ کر پیٹھ نہ ٹھونکو، اور لڑائی کے بڑھانے کا ذریعہ نہ بنو، اور اللہ سے ڈرو جو علیم بذات الصدور ہے۔

غیبت کسے کہتے ہیں؟.... اور اسکا نقصان اور ضرر وبال کیا ہے؟

وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَتَدْرُوْنَ مَا الْغِیْبَۃُ، قَالُوْا اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ، قَالَ ذِکْرُکَ اَخَاکَ بِمَا یَکْرَہُ قِیْلَ اَفَرَءَیْتَ اِنْ کَانَ فِیْ اَخِیْ مَا اَقُوْلُ قَالَ اِنْ کَانَ فِیْہِ مَا تَقُوْلُ فَقَدِ اغْتَبْتَہٗ وَاِنْ لَّمْ یَکُنْ فِیْہِ مَا تَقُوْلُ فَقَدْ بَھَتَّہٗ (رواہ مسلم)

’’حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے (ایک مرتبہ صحابہؓ سے) فرمایا کیا تم جانتے ہو، غیبت کیا ہے؟ عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی سب سے زیادہ جانتے ہیں، آپؐ نے فرمایا (غیبت یہ ہے کہ تُو) اپنے بھائی کو اس طریقہ سے یاد کرے جو اسے بُرا لگے، اس پر ایک صاحب نے عرض کیا کہ اگر وہ بات میرے بھائی میں موجود ہی ہو جو میں بیان کر رہا ہوں (تو اس کا کیا حکم ہے) اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تو نے بھائی کا وہ عیب بیان کردیا جو اس میں ہے) تب تو تُو نے اس کی غیبت کی اور اگر تو نے اس کے بارے میں وہ بات کہی جو اس میں نہیں ہے تو تُو نے اسے بہتان لگایا۔‘‘ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۲ از مسلم)

تشریح: اس حدیث مبارک سے معلوم ہوا کہ غیبت یہ ہے کہ کسی کا ذکر اس طرح کیا جائے کہ اسے ناگوار ہو اس سے ان لوگوں کی غلطی بھی معلوم ہوگئی جو کسی کی بُرائی کرتے ہوئے یوں کہتے ہیں کہ ہم نے غلط تو نہیں کہا جو کچھ کہا ہے درست کہا ہے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی بُرائی یا عیب کسی کے اندر موجود ہو پھر اس کو بیان کرو گے تو غیبت ہوگی، اور اگر اس کے اندر وہ خرابی اور عیب و برائی نہیں ہے جو بیان کر رہے ہو تو یہ بہتان ہوگا جو غیبت سے بھی زیادہ سخت ہے، بعض جاہل کہتے ہیں کہ میں اس کے منہ پر کہہ دوں گا یا میں نے اس کے منہ پر کہا ہے پیٹھ پیچھے غیبت نہیں کی ہے، یہ دلیل شیطان نے سجھائی ہے، اس دلیل سے غیبت کرنا جائز نہیں ہوجاتا، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غیبت یہ ہے کہ کسی کا ذکر اس طرح کیا جائے کہ اسے ناگوار ہو، معلوم ہوا کہ گناہ کی بنیاد دل دکھانے اور ناگوار ہونے پر ہے، سامنے بُرائی کی جائے تب گناہ ہے، منہ پر کی جائے تب گناہ ہے۔

کیا کیا چیز غیبت ہے؟ -علماء نے فرمایا ہے کہ کسی کے گناہ کا ذکر کرنا، کپڑے میں عیب بتانا، نسب میں کیڑے ڈالنا، بُرے القاب سے یاد کرنا، اس کی اولاد کو کالا بے ڈھنگا بتانا اور ہر وہ چیز جس سے دل دُکھے، اس سب کا کرنا حرام ہے اور غیبت میں داخل ہے۔

عورتوں میں یہ بڑا مرض ہے کہ بات بات میں نام دھرتی ہیں، اور طعن و تشنیع کرتی ہیں، جہاں دو چار مل کر بیٹھیں عیب لگانے شروع کردیئے، فلاں کالی ہے اور وہ پھوڑیا ہے اور وہ چندھی ہے، اسے خاندان کے رسم ورواج کا علم نہیں، کپڑے ڈھنگ کے نہیں پہنتی، نہ کپڑا سینا جانتی ہے نہ کاتنا، بس پان کھانے کے سوا کچھ نہیں جانتی، ایسی، ہے ویسی ہے، یہ سب باتیں سراسر غیبت ہیں۔

غیبت زنا سے زیادہ سخت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا غیبت زنا سے زیادہ سخت (گناہ اور وبال کی چیز) ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ غیبت زنا سے زیادہ سخت کیسے ہے؟ ارشاد فرمایا، زانی توبہ کرتا ہے خدا اس کی توبہ کو قبول کر لیتا ہے، اور اس کو بخش دیتا ہے، اور غیبت والے کی اس وقت تک بخشش نہ ہوگی جب تک وہ شخص خود معاف نہ کردے جس کی غیبت کی ہے۔ (مشکوٰۃ شریف)

غیبت کرنا مردہ کا گوشت کھانے کے برابر ہے

قرآن مجید میں ارشاد ہے:۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّ لَا تَجَسَّسُوْا وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا. اَیُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ یَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ. وَاتَّقُوا اللّٰهَ. اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ

''اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچا کرو کہ بعضے گمان گناہ ہوتے ہیں اور سراغ مت لگایا کرو، اور کوئی کسی کی غیبت بھی نہ کیا کرے، کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے سو اس کو تم ناگوار سمجھتے ہو اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔'' (سورۂ حجرات ع ۲)

غور فرمائیں، قرآن مجید کی اس آیت میں غیبت کرنے کو اپنے مُردہ بھائی کا گوشت کھانے کے برابر قرار دیا ہے، پس جب کسی کی غیبت کی تو یہ ایسا ہی ہے جیسے موت کے بعد اس کا گوشت کھایا، مطلب یہ ہے کہ جس طرح مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے طبعاً نفرت ہے ایسا ہی اس کو غیبت سے سخت نفرت ہونی چاہئے۔

احیاء العلوم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جس نے (غیبت کرکے) دنیا میں اپنے بھائی کا گوشت کھایا آخرت میں اس کا (جسم والا گوشت) غیبت کرنے والے کے قریب لایا جائے گا اور کہا جائے گا کہ اس کو کھالے، اس حالت میں کہ وہ مردہ ہے، جیسا کہ تو نے اس کا زندگی کی حالت میں گوشت کھایا تھا، اس کے بعد وہ اس گوشت کو کھائے گا اور چیختا جائے گا اور اپنا منہ بگاڑتا جائے گا۔

حضرت عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ دو عورتوں نے روزہ رکھا تھا، ایک شخص آیا اور عرض کیا یا رسول اللہؐ یہاں دو عورتیں ہیں جنہوں نے روزہ رکھا ہے، اور قریب ہے کہ وہ پیاس سے مرجائیں، یہ سن کر آپؐ نے خاموشی اختیار فرمائی، وہ شخص دوپہر کے وقت پھر آیا اور عرض کیا یا نبی اللہ! اللہ کی قسم وہ مرچکی ہیں یا مرنے کے قریب ہیں، آپؐ نے فرمایا ان دونوں کو بلاؤ، چنانچہ دونوں حاضر ہوگئیں، اور ایک پیالہ لایا گیا، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان میں سے ایک عورت سے فرمایا قے کر، چنانچہ اس نے قے کی، تو پیپ اور خون یا گوشت کے ٹکڑے نکلے جس سے آدھا پیالہ بھر گیا، پھر دوسری عورت کو قے کرنے کا حکم فرمایا، چنانچہ اس نے بھی پیپ اور خون اور ادھ کچرے گوشت وغیرہ کی قے کی، یہاں تک کہ پورا پیالہ بھر گیا، آپؐ نے فرمایا کہ ان دونوں نے حلال چیزوں کو ترک کرکے روزہ رکھ لیا، اور جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے حرام فرمائی تھیں ان کے چھوڑنے کا روزہ نہ رکھا، (بلکہ اس میں مشغول رہیں) ان میں سے ایک دوسری کے پاس بیٹھی اور دونوں لوگوں کے گوشت کھاتی رہیں، (یعنی غیبت کرتی رہیں) (قال الہیثمی فی مجمع الزوائد)

حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک صحابی تھے، ان سے ایک مرتبہ گناہ (یعنی زنا) صادر ہوگیا، انہوں نے بارگاہ

رسالتؐ میں آ کر چار مرتبہ اپنے گناہ کا اقرار کیا، ہر بار آپؐ ان کی طرف سے بے توجہی برتتے رہے لیکن وہ برابر اقرار کرتے رہے، پھر آپؐ نے فرمایا کہ اس بات کے کہنے سے تمہارا کیا مقصد ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ آپؐ مجھے پاک فرمادیں اس پر آپؐ نے فرمایا ان کو سنگسار کرنے، یعنی پتھروں سے مارنے کا حکم دیا، چنانچہ ان کو سنگسار کر دیا گیا۔

اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے صحابی میں سے دو آدمیوں کی یہ بات سنی کہ ایک دوسرے سے کہہ رہا ہے کہ اس کو دیکھو! اللہ نے اس کی پردہ پوشی کی، پھر اس کے نفس نے اس کو نہیں چھوڑا، یہاں تک کہ (اس نے خود ہی آ کر گناہ کا اظہار اور اقرار کیا اور) اس کو سنگسار کر دیا گیا، جیسے کتے کو سنگسار کیا جاتا ہے، اس کی یہ بات سن کر اس وقت آپؐ نے خاموشی اختیار فرمائی، پھر تھوڑی دیر چلتے رہے، یہاں تک کہ ایک مردہ گدھے پر گذرا ہوا جس کی ٹانگ اوپر کو اٹھی ہوئی تھی، آپؐ نے ان دونوں شخصوں کو بلایا (جنہوں نے مذکورہ کلمات کہے تھے) اور فرمایا کہ فلاں فلاں کہاں ہیں؟ ان دونوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہؐ ہم حاضر ہیں، فرمایا تم دونوں اترو، اور اس مُردہ گدھے کی لاش میں سے کھاؤ، ان دونوں نے کہا، اے اللہ کے نبیؐ! اس میں سے کون کھائے گا؟ فرمایا وہ جو تم نے ابھی اپنے بھائی کی بے آبروئی کی (یعنی غیبت کی اور بُرا کہا) وہ اس کے کھانے سے بھی زیادہ سخت ہے، قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے بلاشبہ یہ شخص (یعنی حضرت ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی سچی توبہ اور ندامت کی وجہ سے) جنت کی نہروں میں غوطے لگا رہا ہے۔ (سنن ابوداؤد)

غیبت کئی طرح سے ہوتی ہے اور اس کا سننا بھی حرام ہے

غیبت بہت بُری بلا ہے جس طرح غیبت کرنا منع ہے۔ غیبت سننا بھی منع ہے اور آخرت میں اس کا وبال بھی بہت بڑا ہے، بعض مَردوں اور عورتوں کو دیکھا گیا ہے کہ غیبت کا ان کو ایسا چسکہ لگ جاتا ہے کہ ہر مجلس اور ہر موقع میں غیبت ہی کرتے یا سنتے رہتے ہیں، جب تک کسی کی غیبت نہ کریں ان کی روٹی ہی ہضم نہیں ہوتی، کسی کی زبان سے غیبت کردی اور کسی کی آنکھ کے اشارہ سے، اور کسی کی نقل اتار کر، کسی کی خط لکھ کر اور کسی کی غیبت اخبار میں مضمون دے کر کر دی، غیبت کے شوقین مُردوں کو بھی نہیں بخشتے، جو لوگ اس دنیا سے گذر گئے ان کی بھی غیبتیں کرتے ہیں، حالانکہ یہ اس اعتبار سے بہت خطرناک ہے کہ دنیا میں نہ ہونے کی وجہ سے ان سے معافی نہیں مانگی جاسکتی، پھر اس میں دوہرا گناہ ہے، کیونکہ میت کی غیبت کے ساتھ ان لوگوں کی دل آزاری بھی ہوتی ہے جو مرنے والے سے نسب کا یا کسی طرح کی نسبت کا تعلق رکھتے ہیں، جو شخص دنیا سے چلا گیا، اگر اس کا کوئی مالی حق رہ گیا ہو تو وہ اس کے وارثوں کو دیکر جان چھوٹ سکتی ہے لیکن مرنے والے کی غیبت کو ورثہ بھی معاف نہیں کر سکتے۔

غیبت کرنے یا سننے میں جو نفس کو مزہ آتا ہے اس مزہ کا نتیجہ جو آخرت میں بصورت عذاب ظاہر ہوگا اس وقت نفس کی اس لذت کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا جو بہت بُرا ہوگا، جس طرح کسی کا مالی حق دبا لینے یعنی روپیہ پیسہ یا کوئی چیز غیر شرعی طور پر لے کر قبضہ کر لینے سے میدان قیامت میں نیکیوں اور گناہوں سے لین دین ہوگا، اسی طرح جس نے کسی کی غیبت کی ہوگی یا غیبت سنی ہوگی، یا کسی بھی طرح سے کسی کی بے آبروئی کی ہوگی بے جا مار پیٹ کی ہوگی، گالی دی ہوگی، تہمت لگائی ہوگی، ان صورتوں میں بھی نیکیوں اور برائیوں سے

لین دین ہوگا جس کی صورت یہ ہوگی کہ جس کا حق دبایا ہوگا یا کسی بھی طرح سے اس کی بے آبروئی کی ہوگی تو جس نے ایسی حرکت کی ہوگی اس کو ظالم قرار دیا جائے گا اور جس کا پیسہ یا کوئی حق دبایا یا غیبت کی ہو یا کسی بھی طرح سے بے آبروئی کی تو اس کے عوض ظالم کی نیکیاں مظلوم کو دلا دی جائیں گی، اگر نیکیوں سے پورا نہ پڑا تو مظلوم کی بُرائیاں یعنی گناہ لے کر ظالم کے سر ڈال دیئے جائیں گے، پھر اسے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا، یہ مضمون حدیث شریف میں بہت واضح طور پر بیان فرمایا ہے۔ (مشکوۃ المصابیح صفحہ ۴۳۵،۱۲)

ہوشمند بندے وہی ہیں جو اپنی زبان پر قابو رکھتے ہیں، تیری میری بُرائی میں نہیں پڑتے، نہ غیبت کرتے ہیں نہ غیبت سنتے ہیں، بہت سے لوگوں کو دیکھا گیا ہے خوب زیادہ ذکر و تلاوت کرتے ہیں، نمازیں بھی لمبی لمبی پڑھتے ہیں، اور بھی طرح طرح کی نیکیوں میں مشغول رہتے ہیں، لیکن چونکہ غیبتوں اور تہمتوں سے بچنے کا اہتمام نہیں کرتے اس لئے اپنی ساری نیکیوں کو اپنے حق میں مٹی کر دیتے ہیں، جن کے حق دبائے یا غیبتیں کیں یا غیبتیں سنیں یہ بھاری بوجھل نیکیاں ان کو دے دی جائیں گی اور ان کے گناہ اپنے سر پر اٹھائیں گے اور پھر حیران کھڑے رہ جائیں گے، پھر دوزخ کا عذاب بھگتنا پڑے گا۔

جو غیبت کی ہے یا سُنی ہے اس دنیا میں معافی مانگ کر اس سے سبکدوش ہو جائے

ہر مسلمان پر لازم ہے کہ آئندہ کے لئے غیبت کرنے، غیبت سننے، تہمت لگانے گالی دینے، کسی کی نقل اتارنے، کسی کا مذاق بنانے سے اپنی حفاظت کرلے، اور جن لوگوں کے حقوق دبائے ہیں یا غیبتیں کی ہیں یا سُنی ہیں، یا کسی کے حق میں کسی بھی طرح سے آگے یا پیچھے کوئی کلمہ ایسا کہا ہے جو ناگواری کا باعث ہو تو ان سب سے معافی مانگے، اگر ملاقات ہونے کی صورت نہ ہو تو خط کے ذریعہ معافی طلب کریں، اگر کوئی شخص مر گیا ہو تو مالی حق اس کے وارثوں کو دے دے اور دوسری چیزوں کی معافی کے واسطے مرنے والے کے لئے اتنی زیادہ دعائے مغفرت کرے جس سے یقین ہو جائے کہ اس کی جو غیبت یا بُرائی کی تھی، یا غیبت سنی تھی یا تہمت لگائی تھی اس کی تلافی ہوگئی۔

بعض علماء نے یوں فرمایا ہے کہ جس کی غیبت کی یا سنی اگر اسے پتہ چل گیا ہو تو اس سے معافی مانگ لے، اور اگر اسے پتہ نہ چلا ہو تو اسے بتائے بغیر اس کے لئے اس قدر دعائے مغفرت کرے کہ غیبت وغیرہ کی پوری طرح سے تلافی ہو جائے۔

کسی جگہ غیبت ہونے لگے تو دفاع کرے ورنہ اٹھ جائے

ہمارے ایک استاد غیبت سے بچنے کا اس قدر اہتمام فرماتے تھے کہ کسی کا اچھا تذکرہ بھی اپنی مجلس میں نہیں ہونے دیتے تھے۔ وہ فرماتے تھے کہ آج کل کسی کی تعریف کے کلمات کہنا بھی مشکل ہے، اگر کوئی شخص کسی کے حق میں اچھے کلمات کہنا شروع کرے تو فوراً ہی دوسرا شخص اس کی بُرائی شروع کر دیتا ہے، پھر سب حاضرین غیبت سننے میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ غیبت کرنا، غیبت سننا، دونوں گناہ کبیرہ ہیں، لہٰذا اگر کسی موقع پر کسی کی غیبت ہونے لگے تو حاضرین کو چاہئے کہ اس کو روکیں اور جس کی غیبت ہو رہی ہے اس کا پارٹ لیں، اگر تردید کرنے کی قدرت نہ ہو تو دل سے بُرا سمجھتے ہوئے وہاں سے اٹھ جائیں، اٹھنا تو اپنے اختیار میں ہے، غیبت سننے میں کوئی مجبوری نہیں، جیسا کہ غیبت کرنے والے کے

2

لئے بھی کوئی مجبوری نہیں ہوتی، دوزخ کی آگ کا تصور کریں تو ہر گناہ چھوڑنا آسان ہو جاتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کے پاس اس کے مسلمان بھائی کی غیبت کی گئی اور وہ اس کی مدد کرنے پر قدرت رکھتے ہوئے مدد کر دیتا ہے (یعنی اس کی حمایت کرتا ہے اور اس کی طرف سے دفاع کرتا ہے اور غیبت کرنے والے کو روک دیتا ہے) تو اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کی مدد فرمائے گا اور اگر قدرت ہوتے ہوئے اس کی مدد نہ کی تو اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کی گرفت فرمائے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

جس کی غیبت ہو رہی ہے اس کی طرف سے دفاع کرنے کا اجر

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اپنے بھائی کے گوشت کی طرف سے دفاع کیا جو غیبت کے ذریعہ کھایا جا رہا تھا تو اللہ تعالیٰ شانہٗ کے ذمہ ہوگا کہ اس کو دوزخ سے آزاد فرما دے۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی کوئی مسلمان اپنے بھائی کی آبرو کی طرف سے دفاع کرے (یعنی اس کی بے آبروئی کے موقع پر جو غیبت وغیرہ کے ذریعہ ہو رہی ہے اس کی حمایت کرے، اور جو لوگ بے آبروئی کر رہے ہوں ان کی کاٹ کرے) تو اللہ جل شانہٗ کے ذمہ ہوگا کہ قیامت کے دن دوزخ کو اس سے دور فرما دے، پھر آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

پس اے بہنو! غیبت کرنے اور غیبت سننے، کسی کا مذاق بنانے اور نقل اتارنے اور ہر اس فعل سے سختی سے بچو، اور اپنی اولاد کو اور سہیلیوں کو اور ملنے والیوں کو بچاؤ جس سے کسی مسلمان کی آگے یا پیچھے بے آبروئی ہو رہی ہو۔

تانبے کے ناخنوں سے چہروں اور سینوں کو چھیلنے والے

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب میرے رب نے مجھے معراج کرائی تو میں ایسی قوم پر گذرا جس کے تانبے کے ناخن تھے، وہ ان سے اپنے چہروں اور سینوں کو چھیل رہے تھے، میں نے پوچھا کہ اے جبرئیلؑ! یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے ہیں (یعنی غیبتیں کرتے ہیں) اور لوگوں کی آبرو ریزی کرتے ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

بہت سے مرد اور عورت مجلس والوں کو ہنسانے کے لئے کسی حاضر یا غائب کی غیبت کرتے ہیں یا مسخرہ پن کرتے ہیں یا نقل اتارتے ہیں، اس وقت تو ذرا سی دیر کی ہنسی میں نفس کو ذرا مزہ آ جاتا ہے، لیکن جب اس کی سزا ملے گی تو اس مزہ کا پتہ چلے گا، فرمایا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہ بے شک بندہ کبھی کوئی ایسا کلمہ کہہ دیتا ہے جس سے لوگوں کو صرف ہنسانا مقصود ہوتا ہے اس کلمہ کی وجہ سے اتنا زیادہ گہرائی میں گرتا چلا جاتا ہے کہ اس گہرائی کا فاصلہ اس سے بھی زیادہ ہوتا ہے جتنا فاصلہ آسمانوں و زمین کے درمیان میں ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

کسی کو تہمت لگانے کا عذاب

وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ اَنَسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَمٰى

مُؤْمِنًا مِنْ مُنَافِقٍ بَعَثَ اللّٰهُ مَلَكًا يَحْمِيْ لَحْمَهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنْ نَّارِ جَهَنَّمَ وَمَنْ رَمٰى مُسْلِمًا بِشَيْءٍ يُرِيْدُ بِهٖ شَيْنَهُ حَبَسَهُ اللّٰهُ عَلٰى جَسْرِ جَهَنَّمَ حَتّٰى يَخْرُجَ مِمَّا قَالَ. (رواہ ابوداؤد)

''حضرت معاذ بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے کسی مومن کو منافق سے بچایا (یعنی غیبت کرنے والے کی تردید کی، اور جس کی غیبت ہو رہی ہو اس کی حمایت کی) تو اللہ جل شانہٗ قیامت کے دن ایک فرشتہ بھیجیں گے، جو حمایت کرنے والے کے گوشت کو دوزخ کی آگ سے بچائے گا۔ (یعنی یا تو اسے دوزخ میں داخل نہ ہونے دے گا، اور اگر وہ داخل ہو گیا تو اسے عذاب نہ ہونے دے گا) اور جس کسی نے کسی مسلمان کو تہمت لگا دی اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ کے پُل پر ٹھہرائے رکھے گا، یہاں تک کہ وہ اپنی کہی ہوئی بات سے (صاف ستھرا) ہو کر نکل جائے گا۔'' (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۲۴ از ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث پاک میں دو باتوں کی طرف توجہ دلائی ہے، اول یہ کہ جو کوئی کسی کی غیبت کرے تو جس کی غیبت کی جا رہی ہو اس کی طرف سے دفاع کیا جائے، اور اس کا بہت بڑا فائدہ بتایا ہے، یہ مضمون غیبت کے بیان میں بھی گذر چکا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ کسی کو کسی طرح سے بھی تہمت لگانے سے پرہیز کرنا واجب ہے اگر کسی نے کسی کو تہمت لگا دی تو یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے، اس کی وجہ سے قیامت کے دن بڑی مصیبت کھڑی ہو جائے گی، جس کسی کو تہمت لگائی تھی اس سے چھٹکارا کرنا ضروری ہو گا، دوزخ کی پشت پر پُل صراط قائم کی جائے گی، سب کو اس پر سے گذرنا ہو گا، جو اس سے پار ہو تا جائے گا جنت میں داخل ہوتا چلا جائے گا، تہمت لگانے والا شخص پل صراط پر روک لیا جائے گا اور جب تک تہمت لگانے کے گناہ سے پاک وصاف نہ ہو گا جنت میں نہ جائے گا۔ پاک صاف ہونے کے دو طریقے ہیں، یا تو وہ شخص معاف کر دے جس کو تہمت لگائی، یا اپنی نیکیاں اس کو دے کر اور اس کے گناہ اپنے سر لے کر دوزخ میں جلے، چونکہ وہاں بندے حاجت مند ہوں گے اس لئے یہ امید تو بہت کم ہے کہ کوئی شخص معاف کر دے، اب دوسری صورت یعنی دوزخ میں جلنا ہی رہ جاتا ہے، کس کو ہمت ہے جو دوزخ میں جلنے کا ارادہ کرے، جب اس کی ہمت نہیں تو اپنے نفس اور زبان پر قابو پانا ضروری ہوا، بہت سی عورتیں اور مرد اس بات کا بالکل خیال نہیں کرتے کہ کسی کے حق میں کیا کہہ گذرے، کس پر کیا تہمت لگا دی، اور کس کو کس بہتان سے نواز دیا، جہاں ساس بہوؤں میں لڑائی ہوئی جھٹ کہہ دیا کہ رنڈی ہے، سوکنیں لڑنے لگیں تو ایک نے دوسری کو بدکار کہہ دیا، نند بھاوج میں لڑائی ہوئی تو کہہ دیا کہ یار گھیرے پھرتی ہو، کسی کو چور بتا دیا، کسی کے بارے میں کہہ دیا کہ شرابی ہے، اور تہمت لگانے میں ان لوگوں تک کو نہیں بخشا جاتا، جن سے کبھی ملاقات بھی نہیں ہوئی بلکہ جو لوگ مر گئے دنیا سے جا چکے ان پر بھی تہمتیں دھر دیتے ہیں، یہ بہت ہی خطرناک بات ہے، جس کی پاداش بہت سخت ہے۔

جو لوگ دنیا میں کمزور ہیں یا دور ہیں یا مر گئے ہیں، بدلہ لینے سے عاجز ہیں ان کے آگے یا پیچھے اگر ان کو کوئی تہمت لگا دی اور وہ بدلہ نہ لے سکے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ معاملہ یہیں ختم ہو گیا، آخرت کا دن آنے والا ہے جہاں پیشی ہو گی، حساب کتاب ہو گا مظلوموں کو بدلے دلائے جائیں گے، اس دن کیا ہو گا؟ اس کو غور کرنا چاہئے، عام لوگ تو پھر بھی کچھ نہ کچھ حیثیت رکھتے ہیں، اپنا زرخرید غلام تو دنیا کے رواج میں کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتا، لیکن اگر کسی نے اپنے زرخرید غلام کو زنا کی تہمت لگا دی تو

تہمت لگانے والوں پر قیامت کے دن حد قائم کی جائے گی، الا یہ کہ وہ تہمت لگانے میں سچا ہو۔ (کمافی الترغیب والترہیب عن البخاری ومسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہلاک کرنے والی سات چیزوں سے (خاص خصوصیت اور اہتمام کے ساتھ) بچو، حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا کہ وہ سات ہلاک کرنیوالی چیزیں کیا ہیں؟ فرمایا:

(۱) اللہ کے ساتھ شرک کرنا (۲) جادو کرنا (۳) اس جان کو قتل کرنا جس کا قتل اللہ نے حرام فرمادیا مگر یہ کہ حق کے ساتھ ہو (جس کو علماء اور شرعی قاضی جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں) (۴) سود کھانا (۵) یتیم کا مال کھانا (۶) میدان جہاد سے پشت پھیر کر بھاگ جانا۔ (۷) پاک باز مؤمن عورتوں کو تہمت لگانا، (جو بُرائیوں سے) غافل ہیں، (بخاری ومسلم)

یعنی جو عورتیں پاک باز اور عصمت والی ہیں ان کو تہمت لگانا ان بڑے بڑے گناہوں میں شامل ہے جو ہلاک کردینے والے ہیں، یعنی دوزخ میں پہنچانے والے ہیں، ان کو تہمت لگانا اس لئے سخت ہے کہ انہیں بُرائی کا دھیان تک نہیں ہے، اور جنہیں زبان پر قابو نہیں مرد ہوں یا عورت وہ ان بے چاریوں پر تہمتوں کے گولے پھینکتے رہتے ہیں، اگر چہ کسی ایسی عورت پر بھی تہمت لگانا درست نہیں جس کا چال چلن مشکوک ہو۔

نقل اُتارنے پر تنبیہ

وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ قُلْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَسْبُكَ مِنْ صَفِيَّةَ كَذَا وَكَذَا تَعْنِيْ قَصِيْرَةً فَقَالَ لَقَدْ قُلْتِ كَلِمَةً لَوْ مُزِجَ بِهَا الْبَحْرُ لَمَزَجَتْهُ قَالَتْ وَحَكَيْتُ لَهُ اِنْسَانًا فَقَالَ مَا اُحِبُّ اَنِّيْ حَكَيْتُ اِنْسَانًا وَاَنَّ لِيْ كَذَا وَكَذَا. (رواہ ابوداؤد)

''حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ میں نے (ایک مرتبہ کسی موقع پر) رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کر دیا کہ صفیہ بس اتنی سی ہے (یعنی اس کے حسن وغیرہ کی کوئی مزید خامی بتانے کی ضرورت نہیں ہے پستہ قد ہونا ہی کافی ہے) یہ سن کر رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو نے ایسا کلمہ کہا ہے کہ اگر اسے سمندر میں ملا دیا جائے تو سمندر کو بھی بگاڑ ڈالے۔ یہ واقعہ بتا کر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان فرمایا کہ میں نے ایک مرتبہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے ایک آدمی کی نقل اتاری، اس پر سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ مجھے پسند نہیں ہے کہ کسی شخص کی نقل اتاروں اگر چہ مجھے ایسا کرنے پر (دنیا کی) اتنی اتنی دولت مل جائے۔'' (سنن ابوداؤد، ص ۳۱۲ ج ۲ باب فی الغیبۃ کتاب الادب)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی کے قد وقامت، ہاتھ پاؤں، ناک کان وغیرہ کو عیب دار بتانا (اگر چہ واقعۃً عیب دار ہو) اور کسی کی بات یا چال ڈھال کی نقل اُتارنا گناہ ہے، اور سخت ممنوع ہے، عام طور سے کسی کے ہکلانے یا لنگڑا کر چلنے یا تو تلانے یا نظر گھمانے کی نقل اتاری جاتی ہے اور اس میں کچھ حرج نہیں سمجھا جاتا جس کی وجہ سے سخت گنہگار ہوتے ہیں چونکہ یہ بات حقوق العباد سے ہے، اس لئے جب تک بندہ سے معافی نہ مانگی جائے توبہ سے بھی معاف نہ ہوگا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قد کی کوتاہی کو خاص انداز میں ذکر کیا تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کلمہ ایسا خراب ہے کہ اگر اس کو جسم کی صورت دے کر سمندر میں گھول دیا جائے تو سمندر کو بھی گدلا کر کے رکھ دے اور اس کے موجودہ رنگ و بُو اور مزہ کو بدل ڈالے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہمارے لئے کس قدر باعث عبرت ہے، ہر شخص غور کرے، کتنے انسانوں کے اعضاء جسم میں اب تک کیڑے ڈالے ہیں، اور کتنے لوگوں کی چال ڈھال کو عیب دار بتایا ہے۔

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے تو لنگڑے کو لنگڑا کہا ہے اور بہرہ کو بہرہ بتایا ہے اور اندھے کو اندھا کہہ کر بلایا ہے، اور یہ بات حقیقت اور واقعہ کے خلاف نہیں ہے، جھوٹ ہوتا تو قابل گرفت ہوتا، مگر یہ حیلہ شرعاً بے معنی ہے۔ پہلے حدیث کے ذیل میں گذر چکا ہے کہ گناہ کا مدار ناگواری پر ہے، بات کے جھوٹا سچا ہونے پر نہیں ہے، دیکھو! حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جو قد چھوٹا بتایا ہے غلط بات نہ تھی، پھر بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس پر تنبیہ فرمائی۔

بندوں کی تعریف کرنے کے احکام

وَعَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ اَثْنٰی رَجُلٌ عَلٰی رَجُلٍ عِنْدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ وَیْلَکَ وَقَطَعْتَ عُنُقَ اَخِیْکَ ثَلاَثًا مَّنْ کَانَ مِنْکُمْ مَّادِحًا لاَ مَحَالَۃَ فَلْیَقُلْ اَحْسِبُ فُلاَنًا وَاللّٰہُ حَسِیْبُہٗ اِنْ کَانَ یَرٰی اَنَّہٗ کَذٰلِکَ وَلاَ یُزَکِّیْ عَلَی اللّٰہِ اَحَدًا. (رواہ البخاری ومسلم)

”حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے ایک شخص نے دوسرے شخص کی تعریف کردی، اس پر آپؐ نے ناگواری کا اظہار فرماتے ہوئے تین بار ارشاد فرمایا تیرے لئے ہلاکت ہے تو نے اپنے بھائی کی گردن کاٹ دی، (پھر فرمایا) کہ جس کو کسی کی تعریف کرنی ہو تو یوں کہے میں فلاں کو ایسا سمجھتا ہوں، اور اللہ اس کا حساب لینے والا ہے، اور یہ بھی اس وقت ہے جب کہ اس کو واقعۃً ایسا سمجھتا ہو (پھر فرمایا) اور اللہ کے ذمہ رکھ کر کسی کا تزکیہ نہ کرے۔“ (مشکوۃ المصابیح ص ۴۱۲ از بخاری ومسلم)

تشریح: اگر کسی کی تعریف میں کچھ کلمات کہے تو اس کے سامنے نہ کہے، کیونکہ اندیشہ ہے کہ اس کے دل میں خود پسندی اور بڑائی آجائے، جب ایک شخص نے دوسرے شخص کی تعریف کی تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو تنبیہ فرمائی اور فرمایا کہ تو نے اپنے بھائی کی گردن کاٹ دی، یعنی اس کے سامنے تعریف کر کے اس کو غرور اور خود پسندی میں ڈالنے کا انتظام کر دیا، پھر یہ اس صورت میں ہے جبکہ تعریف سچی ہو، اگر جھوٹی تعریف ہو تو اس کی گنجائش بالکل نہیں، کیونکہ وہ تو گناہ عظیم ہے۔

پھر دوسری تنبیہ یہ فرمائی اگر کسی کی تعریف کرنی ہی ہے (اس میں آگے پیچھے کا کوئی فرق نہیں) تو یوں کہے کہ میں تو فلاں کو ایسا سمجھتا ہوں اور صحیح صورت حال اللہ کو معلوم ہے، وہی اس کا حساب لینے والا ہے، ان کلمات کے کہنے سے اول تو وہ شخص نہیں پھولے گا جس کی تعریف میں یہ الفاظ کہے اور اس میں تعریف کرنے والے کی طرف سے اس کا دعویٰ بھی نہ ہوگا کہ وہ واقعۃً ایسا

ہی ہے، کیونکہ بندہ صرف ظاہر کو جانتا ہے اور پورے کمالات اور حالات ظاہری ہوں یا باطنی ان سب کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور آخرت میں ہر شخص کس حال میں ہوگا اس کو بھی اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، لہٰذا یقین کے ساتھ کسی کو یہ کہنا کہ وہ ایسا ایسا ہے اس میں پورے حالات سے واقف ہونے کا دعویٰ ہے، جب اللہ پاک کی جانب سے اس کے بارے میں کوئی خبر نہیں دی گئی تو پختہ یقین اور جزم کے ساتھ یہ کہہ دینا کہ ایسا ایسا ہے گویا اللہ کے ذمہ یہ بات لگا دینا کہ اللہ کے نزدیک بھی یہ شخص ایسا ہی ہے جیسا میں بتا رہا ہوں، اسی کو فرمایا و لا یزکی علی اللہ احداً یعنی اللہ کے ذمہ رکھ کر کسی کا تزکیہ نہ کرے۔

فاسق اور کافر کی تعریف – یہ جو کچھ بیان ہوا اچھے بندوں کی تعریف اور سچے بندوں کی تعریف میں بیان ہوا اور جھوٹی تعریف اور کافر و فاسق کی تعریف کی تو اسلام میں کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب فاسق کی تعریف کی جاتی ہے تو پروردگار عالم جل مجدہٗ غصہ ہوتے ہیں، اور اللہ کا عرش حرکت کرنے لگتا ہے۔ (بیہقی)

عرش کا حرکت کرنا اللہ تعالیٰ کی ہیبت و عظمت کی وجہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہے اس کی تعریف کرنا ایک بہت بُری چیز ہے جس کے سامنے اللہ کی عظمت نہیں ہوتی وہی ان لوگوں کی تعریف کرتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ شانہٗ ناراض ہے عرش الٰہی کو یہ تعریف ناگوار ہے، اس لئے وہ حرکت میں آ جاتا ہے۔

کافروں اور فاسقوں کی تعریف بہت بڑا اور بہت پرانا مرض ہے، شاعروں کا کام ہی یہ ہے کہ آسمان و زمین کے قلابے ملایا کریں، اور جھوٹی تعریفیں کر کے روٹی حاصل کیا کریں اور دنیائے سیاست میں بھی یہی ہوتا ہے کہ جس کو لیڈر بنالیا وہ چاہے کافر ہو چاہے بہت بڑا فاسق فاجر ہو اس کی تعریف اور توصیف کرنے کو فرض کا درجہ دیتے ہیں، اول تو ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اللہ کے صالح بندوں کو اپنا مقتدا بنائے، اور ان کے ساتھ چلے، اور ان کی نگرانی کرتا رہے کہ شریعت کے مطابق کہاں تک چل رہے ہیں، کافروں اور فاسقوں کو مقتدا بنانا ہی گناہ ہے، اور کافروں اور فاسقوں کی تعریف تو اور زیادہ گناہگاری کی بات ہے، الیکشن کے مواقع میں تو اپنے لیڈر اور اپنی جماعت کے لوگوں کو سپورٹ کرتے ہیں، اور جسے جتانا مقصود ہو اس کی جھوٹی سچی تعریفوں کے پُل باندھ دیتے ہیں، خواہ وہ کیسا ہی فاسق فاجر ہو، اور اس کے برعکس دوسرے فریق کا امیدوار خواہ کیسا ہی نیک، صالح ہو، مجمعوں میں اور جلسوں میں اور کانفرنسوں میں اس کی غیبتیں کرنے کو ضروری سمجھتے ہیں، اور تہمتیں رکھتے ہیں اور ناکردہ گناہ اس کے ذمہ عائد کرتے ہیں، اور یہ نہیں سوچتے کہ ان تعریفوں اور مذمتوں کا انجام آخرت میں کیا ہے، یہ زبان کی لگائی ہوئی کھیتیاں جب کاٹنی پڑیں گی اور انجام بھگتنا ہوگا تو کیا ہوگا؟ خوب غور و فکر کرنے کی بات ہے۔

جھوٹی قسم اور جھوٹی گواہی کا وبال

وَعَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِىَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْكَبَائِرُ الْاِشْرَاكُ بِاللهِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَيْنِ وَقَتْلُ النَّفْسِ وَالْيَمِيْنُ الْغَمُوْسُ (رواہ البخاری ومسلم)

''حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہ بڑے بڑے گناہ یہ ہیں (۱) اللہ کے ساتھ شرک کرنا (۲) ماں باپ کو ستانا (۳) کسی جان کو قتل کرنا اور (۴) جھوٹی قسم کھانا۔ (بخاری)

تشریح: کبیرہ گناہ تو بہت سے ہیں، لیکن اس حدیث میں چند ایسے گناہ ذکر فرمائے جو بہت بڑے ہیں، اور جن میں عام طور سے لوگ مبتلا رہتے ہیں، چونکہ اس موقع پر ہم زبان کی آفتیں ذکر کر رہے ہیں، اس لئے اس حدیث میں جھوٹی قسم کی مناسبت سے یہ حدیث یہاں نقل کی ہے۔

اللہ کے ساتھ شرک کرنا تو سب سے بڑا گناہ ہے، جس کی کبھی بھی بخشش نہیں ہے۔ اس کو تو سب مسلمان جانتے ہیں، والدین کی نافرمانی اور ان کو ستانا اور تکلیف دینا بھی بڑے گناہوں میں ہے اور اس حدیث میں اس کو شرک کے بعد ذکر فرمایا ہے جس سے اس کی قباحت خوب ظاہر ہو رہی ہے، اور اس بارے میں ہم اس کتاب میں تفصیل سے لکھ بھی چکے ہیں، اور ایک مستقل رسالہ بھی ''حقوق الوالدین'' کے نام سے لکھا ہے اور جھوٹی قسم کے بارے میں ہم یہاں لکھنا چاہتے ہیں۔

جھوٹی قسم کا تعلق گذشتہ زمانہ کے واقعات سے ہوتا ہے جو کوئی واقعہ ہوا ہو اس کے بارے میں کہہ دیا کہ ایسا ہوا، اور اس پر قسم کھالی، اور کسی نے کوئی کام نہیں کیا، اس کے بارے میں کہہ دیا کہ اس نے ایسا کیا ہے، اور اس پر قسم کھالی، اسی طرح اپنے کسی فعل کے کرنے یا نہ کرنے پر جھوٹی قسم کھالی، یہ بہت بڑا گناہ ہے، اول تو جھوٹ پھر اوپر سے جھوٹی قسم یعنی اللہ کے نام کو جھوٹ کے لئے استعمال کرنا گناہ در گناہ ہو جاتا ہے، بہت سے مرد اور عورت جھوٹی قسم سے بالکل پرہیز نہیں کرتے، بات بات میں قسم کھاتے چلے جاتے ہیں، اور اس کا گناہ اور وبال جو دنیا اور آخرت میں ہے اس کی طرف توجہ نہیں کرتے۔

عورتوں میں تیری میری بُرائی کرنے کی عادت ہوتی ہے، خواہ مخواہ لڑائی جھگڑوں میں اپنے آپ کو پھنساتی ہیں، تیرے میرے بارے میں کچھ نہ کچھ کہہ دیتی ہیں، جب کوئی موقع آتا ہے تو مُکر جاتی ہیں اور صاف انکار کر دیتی ہیں کہ میں نے نہیں کہا اور اس پر قسم بھی کھا جاتی ہیں، بہت سے لوگ مال بیچتے وقت جھوٹی قسم کھا جاتے ہیں کہ یہ اتنے کا لیا ہے اور اتنے کا پڑا ہے، اور بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ کسی چیز کے بارے میں جھوٹی قسم کھا جاتے ہیں، کہ یہ میری ہے حالانکہ اپنی نہیں ہوتی، یہ سب باتیں اس لئے سرزد ہوتی ہیں کہ آخرت کی پیشی کا خیال نہیں ہوتا۔

فرمایا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس کسی شخص نے اللہ کی قسم کھائی اور اس میں مچھر کے پَر کے برابر (ذرا سی بات غلط) داخل کر دی تو یہ قسم اس کے دل میں ایک سیاہ دھبہ بن جائے گی جو قیامت تک رہے گا۔ (ترمذی)

جھوٹی قسم کے ذریعہ مال حاصل کرنے کی سزا

ایک حدیث میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی نے جھوٹی قسم کے ذریعہ کوئی مال حاصل کر لیا، وہ اللہ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ کوڑھی ہوگا۔ (ابوداؤد شریف)

حضرت عبدالرحمٰن بن شبلؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلاشبہ تاجر لوگ فاجر ہیں

(یعنی بڑے گنہگار ہیں) صحابہؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ کیا اللہ نے خرید وفروخت کو حلال نہیں قرار دیا؟ آپؐ نے فرمایا ہاں حلال تو ہے، لیکن تاجر لوگ قسم کھاتے ہیں، گنہگار ہوتے ہیں، اور باتیں کرتے ہیں، اور جھوٹ بولتے ہیں۔ (رواہ احمد)

حضرت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دو جمروں (حج کے موقع پر جہاں کنکریاں ماری جاتی ہیں ان کو جمرات کہتے ہیں، یہ تین جگہیں ہیں ۱۲) کے درمیان یہ فرماتے ہوئے میں نے سنا کہ جس کسی نے اپنے بھائی کا مال جھوٹی قسم کے ذریعہ حاصل کرلیا، وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے، اس کے بعد دو یا تین مرتبہ فرمایا جو حاضر ہیں غائبوں کو پہنچادیں۔ (رواہ احمد)

ایک روایت میں ہے کہ جھوٹی قسم آبادیوں کو کھنڈر بنا کر چھوڑ دیتی ہے۔ (الترغیب)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قسم سودا تو بکوا دیتی ہے (اور) کمائی کی برکت کو ختم کر دیتی ہے۔ (بخاری ومسلم)

جس طرح اپنا مال بیچنے کے لئے یا کسی کا کوئی حق مارنے کے لئے جھوٹی قسم کھانا حرام ہے اسی طرح کسی دوسرے کو کسی کا مال ناحق دلانے کے لئے یا مقدمہ میں جتانے کے لئے جھوٹی گواہی دینا حرام ہے، بڑے بڑے گناہوں کی فہرست میں بخاری ومسلم کی بعض روایات میں شهادة الزور کا لفظ آیا ہے، جھوٹی گواہی دینا بھی سخت گناہ ہے۔ بہت سے لوگ کسی کی دوستی میں، یا رشتہ داری کے تعلقات کی وجہ سے جھوٹی گواہی دے دیتے ہیں، جھوٹی گواہی خود بہت بڑا گناہ ہے، پھر اس کے ساتھ حاکم قسم بھی کہلواتا ہے، جو جھوٹی ہوتی ہے، اس لئے گناہ دوگنا ہوتا ہے اور حرام پر حرام ہوتا چلا جاتا ہے، تعجب ہے کہ لوگ دنیا کے تعلقات اور رشتہ داری کو دیکھتے ہیں اور آخرت کے عذاب کی طرف دھیان نہیں دیتے، بہت سے لوگوں نے تو جھوٹی گواہی کو پیشہ ہی بنا رکھا ہے، پولیس سے اور وکیلوں سے جوڑ رکھتے ہیں اور روزانہ کورٹ کچہری میں پہنچ جاتے ہیں، پولیس اور وکیل الفاظ رٹا دیتے ہیں اور اسی وقت نقد گواہی دے کر نقد دام لے آتے ہیں، ان کا یہ پیشہ حرام ہے اور آمدنی بھی حرام ہے۔ حرام کے ذریعہ حرام کماتے ہیں، اس میں بڑے بڑے نمازی تک مبتلا ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک مرتبہ فجر کی نماز پڑھ کر کھڑے ہوئے اور ارشاد فرمایا جھوٹی گواہی اللہ کے ساتھ شرک کرنے کے برابر قرار دی گئی ہے اس کو تین بار فرمایا، پھر یہ آیت تلاوت فرمائی:۔

فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ

"سو بچتے رہو بتوں کی گندگی سے اور بچتے رہو جھوٹی بات سے۔ (مشکوٰۃ ص ۳۲۸)

قرآن مجید میں شرک سے بچنے کا اور جھوٹی بات سے بچنے کا حکم ایک ساتھ ایک جگہ بیان فرمایا ہے اس سے جھوٹی گواہی کی مذمت اور قباحت ظاہر ہے۔

فائدہ:۔ غیر اللہ کی قسم کھانا شرک ہے، اگرچہ سچی قسم کھائی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اللہ کے علاوہ کسی کی قسم کھائی اس نے شرک کیا۔ (ترمذی)

بہت سی عورتیں غیر اللہ کی قسم کھا جاتی ہیں، اور یہ بھی کہتی رہتی ہیں کہ تیرے سر کی قسم، دودھ کی قسم، پوت کی قسم، دھن دولت کی قسم، باپ کی قسم یہ سب شرک ہے، اول تو جہاں تک ممکن ہو قسم کھائے ہی نہیں، اگر کسی موقع پر سچی قسم کھانی پڑ جائے تو صرف اللہ کی قسم کھائے۔

گانا گانے کی مذمت اور حرمت

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاَنْ يَّمْتَلِیءَ جَوْفُ رَجُلٍ قَيْحًا يَرِيْهِ خَيْرٌ مِّنْ اَنْ يَّمْتَلِیَ شِعْرًا (رواہ البخاری ومسلم)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ البتہ انسان کا باطن (پیٹ وغیرہ) پیپ سے بھر جائے جس سے اسکے معدہ وغیرہ کو خراب کر کے رکھ دے، تو یہ اس سے بہتر ہے کہ اس کا باطن شعروں سے بھر جائے۔“ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۰۹ از بخاری ومسلم)

تشریح: اس حدیث میں شعر پڑھنے کی مذمت فرمائی ہے اور توضیح اس کی یہ ہے کہ اشعار معنی کے اعتبار سے اچھے بھی ہوتے ہیں اور بُرے بھی ہوتے ہیں، بُرے شعر پڑھنے کی اجازت نہیں ہے، جن شعروں میں جھوٹ ہو، جھوٹی تعریف ہو، کسی کی مذمت یا غیبت ہو، جہالت وجاہلیت کی حمایت ہو، کفر اور شرک کے مضامین ہوں، ایسے اشعار کہنے پڑھنے لکھنے سننے میں گناہ ہونا ظاہر ہے، اور عموماً ایسے اشعار سے نفس کو مزہ آتا ہے، پھر ان کے ساتھ ساز سارنگی، باجا گاجا بھی ہو تو گناہ دوگنا اور دوہرا ہو جاتا ہے، اور جو اشعار اچھے ہوں ان کو پڑھنا، زبان پر لانا درست ہے، لیکن ساز، سارنگی اور باجے گاجے اور ہارمونیم، الغوزہ اور ڈھول کے ساتھ ان کا پڑھنا بھی گناہ ہے اور یہ چیزیں اگر نہ ہوں تب بھی عورتوں کو بلند آواز سے پڑھنا درست نہیں ہے، ہاں تنہائی میں کوئی شعر پڑھ لے تو درست ہے، نامحرموں کو نرم لہجہ والی یا گانے کے طرز والی آواز سنانا ممنوع ہے، قرآن مجید میں ارشاد ہے:

فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا

”یعنی تم بولنے میں نزاکت مت کرو کہ ایسے شخص کو خیال ہونے لگتا ہے جس کے دل میں خرابی ہے۔“

یہ جو عورتوں میں رواج ہے کہ منگنی یا بیاہ شادی یا بچہ کی پیدائش پر گاتی ہیں، جس میں بجانے کی چیزیں بھی استعمال ہوتی ہیں اور نامحرم کو آواز بھی جاتی ہے، یہ کسی طرح بھی درست نہیں ہے، سخت افسوس کی بات ہے کہ اسکولوں اور کالجوں میں موسیقی کے لئے مستقل وقت دیا جاتا ہے، اور گانا بجانا سیکھنے سکھانے بلکہ ناچنا سکھانے کے لئے مستقل پریڈ رکھے جاتے ہیں، پھر یہ لڑکیاں یہ سب کچھ سیکھ کر اسٹیج پر آتی ہیں، مجمعوں اور محفلوں میں ڈانس اور موسیقی کا مظاہرہ کرتی ہیں، اس بیہودگی اور بدکرداری کو فنون لطیفہ کا نام دیا جاتا ہے اور ثقافت سے تعبیر کیا جاتا ہے، اللہ اکبر! نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اُمت کی عورتیں اور یہ جاہلیت کی حرکتیں؟ پھر اوپر سے شریف ہونے کا دعویٰ! اہل دین اور اہل فہم غور کر لیں کہ ان حالات میں رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہونے کا کیا منہ ہے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو یہ فرمائیں کہ میرے رب

نے مجھے گاجے باجے کی چیزیں مٹانے کا حکم دیا ہے۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۳۱۸) اور نالائق اُمتی گانے بجانے کو اور آلات موسیقی کو زندگی کا جزو بنالیں، یہ کہاں تک زیب دیتا ہے، اے ایمان کے دعویدار و غور کرو۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ گانا دل میں نفاق کو اُگاتا ہے، جیسے پانی کھیتی کو اُگاتا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

افسوس! کہ جن ممالک کی حکومتیں مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہیں، وہ ریڈیو اور ٹی وی پر گانے بجانے کے خصوصی اور ہمہ وقتی پروگرام پیش کرتے رہتے ہیں اور ٹی وی پر تو ناچ بھی دکھاتے ہیں، مسلمان حاکموں کی یہ ذمہ داری ہے کہ عوام کو منکرات وفواحش سے روکیں، نہ یہ کہ خود خلاف شرع پروگرام پیش کریں، اور اُمت کی آنے والی نسلوں کو بگاڑ کر رکھ دیں، ٹی وی نے تو ہر گھر کو فواحش کا مرکز بنا کر رکھ دیا ہے، چھوٹے بڑے سب مل کر بے حیائی کے پروگرام دیکھتے ہیں اور مزے لیتے ہیں، ٹی وی پر چونکہ تصویر ہوتی ہے اس لئے اس کو تو اچھی باتیں سننے کے لئے بھی استعمال نہ کریں۔

لوگوں نے گانے بجانے کو ایسا جزو زندگی بنا رکھا ہے کہ کھا رہے ہیں تو گانا سن رہے ہیں، اور لیٹے بیٹھے ہیں تو گانا سن رہے ہیں، عورتیں کھانا پکا رہی ہیں یا دوسرے مشغلہ میں ہیں تو ریڈیو کھول رکھا ہے، یا ٹیپ ریکارڈ چالو کر رکھا ہے، اسی لئے تو عملی نفاق ہو رہا ہے۔ شیطان نے قابو پایا ہوا ہے اور نیکی کی طرف طبیعت نہیں آتی، اللہ سمجھ دے اور ہدایت دے۔

بسوں میں سفر کرو تو گانا ٹیکسی میں بیٹھو تو گانا، ایک سچے مسلمان کے لئے سفر حضر سب مصیبت بن کر رہ گیا ہے، کالجوں میں مستقل موسیقی روم ہیں جس کو جس وقت گانا سننا ہو وہاں چلا جاتا ہے، مسجدوں کا انتظام نہیں ہوتا، مگر گانے بجانے کا انتظام ضرور ہوتا ہے اور اساتذہ وطلبہ سب اسلام کا دم بھرتے ہیں اور مسلمان ہونے کے مدعی ہیں، **فاللہ یھدیھم**۔

عشقیہ گانوں اور غزلوں اور ناول، افسانوں نے قوم کی نسلوں کو تباہ کر دیا ہے، اور خاندان کے بڑوں کو اس پر خوشی ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔



آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کے منافقوں کا کچھ تذکرہ

حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ وَهْبٍ قَالَ كُنَّا عِنْدَ حُذَيْفَةَ فَقَالَ مَا بَقِيَ مِنْ اَصْحَابِ هٰذِهِ الْاٰيَةِ (قَاتِلُوْا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ) اِلَّا ثَلَاثَةٌ وَلَا مِنَ الْمُنَافِقِيْنَ اِلَّا اَرْبَعَةٌ فَقَالَ اَعْرَابِيٌّ اِنَّكُمْ اَصْحَابُ مُحَمَّدٍ تُخْبِرُوْنَا لَا نَدْرِيْ فَمَا بَالُ هٰؤُلَاءِ الَّذِيْنَ يَنْقُرُوْنَ بُيُوْتَنَا وَيَسْرِقُوْنَ اَعْلَاقَنَا قَالَ اُولٰئِكَ الْفُسَّاقُ اَجَلْ لَمْ يَبْقَ مِنْهُمْ اِلَّا اَرْبَعَةٌ اَحَدُهُمْ شَيْخٌ كَبِيْرٌ لَوْ شَرِبَ الْمَاءَ الْبَارِدَ لَمَا وَجَدَ بَرْدَهٗ. (رواہ البخاری فی التفسیر)

زید بن وہب بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت حذیفہؓ کی خدمت میں حاضر تھے تو انہوں نے فرمایا کہ اس آیت کے مصداق میں سے بجز تین اشخاص کے اور کوئی زندہ نہیں رہاقاتلوا ائمة الکفر (کفر کے سرداروں کو قتل کرو) اوراسی طرح منافقین میں سے بھی چار آدمیوں کے سواء اور کوئی نہیں رہا۔ اس پر ایک بادیہ نشین شخص بولا آپ لوگ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہیں ہم سے ایسی باتیں بیان فرماتے ہیں جن کو ہم تو کچھ سمجھ نہیں سکتے (اچھا اگر منافقوں میں صرف چار اشخاص ہی بچے ہیں) تو یہ ہمارے گھروں میں نقب زنی کرنے والے اور ہمارے قیمتی مال چوری کر کر کے لیجانے والے لوگ کون ہیں۔ انہوں نے فرمایا یہ تو فاسق لوگ ہیں اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ منافقوں میں سے تو صرف چار آدمی ہی بچے ہیں ان میں ایک تو اتنا بوڑھا ہوگیا ہے کہ اگر ٹھنڈا پانی پیئے تو اس کو اس کی ٹھنڈک کا احساس بھی نہ ہو۔ (بخاری شریف)

عَنْ قَيْسٍ قَالَ قُلْتُ لِعَمَّارٍ اَرَأَيْتُمْ صَنِيْعَكُمْ هٰذَا الَّذِيْ صَنَعْتُمْ فِيْ اَمْرِ عَلِيٍّ اَرَأْيًا رَأَيْتُمُوْهُ اَوْ شَيْئًا عَهِدَهٗ اِلَيْكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا عَهِدَ اِلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَعْهَدْهُ اِلَى النَّاسِ كَافَّةً وَلٰكِنْ حُذَيْفَةُ اَخْبَرَنِيْ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ اَصْحَابِيْ اِثْنَا عَشَرَ مُنَافِقًا فِيْهِمْ ثَمَانِيَةٌ لَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ثَمَانِيَةٌ مِنْهُمْ تَكْفِيْهِمُ الدُّبَيْلَةُ وَاَرْبَعَةٌ لَمْ اَحْفَظْ مَا قَالَ شُعْبَةُ فِيْهِمْ. (رواہ مسلم)

قیسؓ کہتے ہیں کہ میں نے عمارؓ سے پوچھا فرمایئے حضرت علیؓ کے معاملہ میں جو روش آپ نے اختیار کی یہ آپ کی ذاتی رائے تھی یا آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آپ کے پاس کوئی حکم تھا۔ انہوں نے کہا آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے کوئی بات ایسی نہیں فرمائی جو عام مسلمانوں سے نہ کہی ہو۔ لیکن حذیفہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت بیان کی ہے کہ آپ نے فرمایا ہے میری امت میں بارہ منافق ہوں گے۔ آٹھ ان میں ایسے کٹر ہیں کہ جب تک اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل نہ ہو وہ جنت میں داخل نہیں ہو سکتے۔ ان کی پشت پر ایک سی پھوڑا نکلے گا اور وہی ان کے لئے کافی ہو جائے گا۔ (ان

کے شر سے حفاظت کے لئے ہمیں کچھ کرنے کی ضرورت نہ ہوگی یعنی اس کی وجہ سے ان کی موت واقع ہو جائے گی) اور چار کے متعلق مجھے یاد نہیں رہا شعبہ (راوی حدیث) نے کیا کہا تھا۔ (مسلم شریف)

عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ كُنْتُ اٰخِذًا بِخِطَامِ نَاقَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقُوْدُ بِهٖ وَعَمَّارٌ يَسُوْقُ النَّاقَةَ اَوْ اَنَا اَسُوْقُهٗ وَعَمَّارٌ يَقُوْدُهٗ حَتّٰى اِذَا كُنَّا بِالْعَقَبَةِ فَاِذَا اَنَا بِاِثْنٰى عَشَرَ رَاكِبًا قَدْ اِعْتَرَضُوْهُ فِيْهَا قَالَ فَانْبَهْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهِمْ فَصَرَخَ بِهِمْ فَوَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ فَقَالَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ عُرَفْتُمُ الْقَوْمَ قُلْنَا لَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ كَانُوْا مُلْتَثِمِيْنَ وَلٰكِنَّا قَدْ عَرَفْنَا الرِّكَابَ قَالَ هٰؤُلَاءِ الْمُنَافِقُوْنَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهَلْ تَدْرُوْنَ مَا اَرَادُوْا قُلْنَا لَا قَالَ اَرَادُوْا اَنْ يُزَاحِمُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِى الْعَقَبَةِ فَيُلْقُوْهُ مِنْهَا قُلْنَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَفَلَا نَبْعَثُ اِلٰى عَشَائِرِهِمْ حَتّٰى يَبْعَثَ اَلَيْكَ كُلُّ قَوْمٍ بِرَأْسِ صَاحِبِهِمْ قَالَ لَا اَكْرَهُ اَنْ تَتَحَدَّثُ الْعَرَبُ بَيْنَهَا اَنَّ مُحَمَّدًا قَاتَلَ بِقَوْمٍ حَتّٰى اِذَا اَظْهَرَهُ اللّٰهُ بِهِمْ اَقْبَلَ عَلَيْهِمْ بَقَتْلِهِمْ. ثُمَّ قَالَ. اَللّٰهُمَّ ارْمِهِمْ بِالدُّبَيْلَةِ قُلْنَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا الدُّبَيْلَةُ؟ قَالَ شِهَابٌ مِنْ نَارٍ يَقَعُ عَلٰى نِيَاطِ قَلْبِ اَحَدِهِمْ فَيَهْلِكُ. (رواه البيهقى فى كتاب دلائل النبوة واخرجه ابن كثير فى تفسير سورة البنى اء ة)

حذیفہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کی مہار پکڑے ہوئے اس کو آگے سے کھینچ رہا تھا اور عمارؓ اس کے پیچھے پیچھے تھے یا معاملہ اس کے برعکس تھا۔ یہاں تک کہ چلتے چلتے جب ہم گھاٹی پر پہنچے تو دفعۃً کیا دیکھتے ہیں کہ بارہ اشخاص اونٹوں پر سوار سامنے سے آ رہے ہیں۔ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی آمد سے متنبہ کیا آپ نے ان کو زور سے آواز دی تو وہ پشت پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے اس کے بعد آپ نے فرمایا تم نے ان کو کچھ پہچانا؟ میں نے عرض کیا جی نہیں یہ لوگ اپنے منہ پر ڈھاٹے باندھے ہوئے تھے لیکن ان کے اونٹوں کو پہچان لیا ہے فرمایا یہ منافقین تھے جو ہمیشہ منافق ہی رہیں گے اور تم کو کچھ یہ بھی معلوم ہے کہ ان کا ارادہ کیا تھا۔ ہم نے عرض کیا جی نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ خدا کے رسول کو اس گھاٹی میں گرا دینا چاہتے تھے۔ ہم نے عرض کیا آپ ان سب کے قبائل کی طرف کہلا بھیجئے تاکہ وہ ان میں جو اس شرارت میں شریک تھا اس کا سر کاٹ کر آپ کی خدمت میں بھیج دیں۔ آپ نے فرمایا میں ایسا نہیں کرونگا مجھے یہ پسند نہیں کہ میرے متعلق عرب یہ چہ میگوئیاں کریں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایک قوم سے جنگ کی اور جب ان کو اللہ تعالیٰ نے ان پر غالب کر دیا تو پھر وہ ان کو قتل کرنے لگا اس کے بعد آپ نے بددعا فرمائی خدایا! ان کو دبیلہ میں مبتلاء فرما۔ ہم نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دبیلہ کیا چیز ہے فرمایا وہ ایک زہریلا پھوڑا ہے جو شعلہ کی طرح دل کی رگوں کو پھونک دیتا ہے اور موت کا باعث ہوتا ہے۔ (دلائل النبوۃ)

تشریح:۔ طبرانی نے مسند حذیفہ میں ان اصحاب عقبہ کے نام پر ایک عنوان قائم کیا ہے اور ان منافقین کے حسب ذیل نام روایت فرمائے ہیں۔ معتب بن قشیر، ودیعۃ بن ثابت، جد بن عبداللہ، حارث بن یزید، اوس بن قیظی، حارث بن سوید، سعد بن زرارہ، قیس بن فہد، سوید، داعش، قیس بن عمرو، زید بن العصیت، سلاقۃ بن الطمام۔ (تفسیر ابن کثیر)

حافظ ابن کثیر وممن حولکم منافقون کی تفسیر کے ذیل میں لکھتے ہیں ''وهذا تخصيص لا يقتضى انه

اطلع علیٰ اسمائھم واعیانھم کلھم (ج ۲ ص ۳۸۴) اس تخصیص کا یہ تقاضا نہیں ہے کہ آپ نے ان کو جتنے منافقین بھی تھے سب ہی کے اسماء اور اشخاص بتا دیئے تھے۔

واضح رہے کہ جن روایات میں منافقین کی تعداد بارہ آتی ہے وہ خاص اس واقعہ میں شریک ہونے والے منافقین تھے جیسا کہ اس روایت میں موجود ہے۔ تعجب ہے کہ پھر بعض مصنفین نے یہ کیسے سمجھ لیا ہے کہ یہ تعداد کُل بڑے منافقوں کی تھی۔

عَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ فَلَمَّا كَانَ قُرْبَ الْمَدِيْنَةِ هَاجَتْ رِيْحٌ شَدِيْدَةٌ تَكَادُ اَنْ تُدْفِنَ الرَّاكِبَ فَزَعَمَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بُعِثَتْ هٰذِهِ الرِّيْحُ لِمَوْتِ مُنَافِقٍ فَلَمَّا قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ فَاِذَا مُنَافِقٌ عَظِيْمٌ مِنَ الْمُنَافِقِيْنَ قَدْمَاتَ. (رواہ مسلم)

جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر سے واپس آ رہے تھے اتنی تیز ہوا چلی کہ سوار کو بھی مٹی میں دفن کر دے۔ راوی کا گمان ہے کہ اس پر آپ نے فرمایا یہ ہوا ایک منافق کی موت کے لئے چلی ہے جب آپ مدینہ شریف تشریف لے آئے تو معلوم ہوا کہ منافقوں میں ایک بڑا منافق مر گیا ہے۔ (مسلم شریف)

حَدَّثَنَا اِيَاسٌ حَدَّثَنِیْ اَبِیْ قَالَ عُدْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلاً مَّرْعُوْكًا فَوَضَعْتُ يَدِیْ عَلَيْهِ فَقُلْتُ وَاللهِ مَا رَأَيْتُ كَالْيَوْمِ رَجُلاً اَشَدَّ حَرًّا فَقَالَ نَبِیُّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِاَشَدَّ حَرٍّ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ هٰذَيْنِكَ الرَّجُلَيْنِ الرَّاكِبَيْنِ الْمُقَفِّيَيْنِ لِرَجُلَيْنِ حِيْنَئِذٍ مِنْ اَصْحَابِهٖ. (رواہ مسلم)

ایاس اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک تپ زدہ شخص کی عیادت کی۔ میں نے اس پر اپنا ہاتھ رکھا تو کہا خدا کی قسم بخار میں اتنا جلتا ہوا شخص جتنا آج میں نے دیکھا ہے اتنا کبھی نہیں دیکھا آپ نے فرمایا کیا میں تم کو وہ شخص نہ بتا دوں جو روز محشر اس سے بھی زیادہ جلتا ہوا ہوگا پھر آپ نے اپنے ہمراہیوں میں سے دو شخصوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ وہ یہ دو منافق ہیں جو گھوڑے پر سوار اپنا منہ پھیرے کھڑے ہیں۔ (مسلم شریف)

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَقُوْلُ لَمَّا تُوُفِّیَ عَبْدُاللهِ بْنُ اُبَیٍّ دُعِیَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلصَّلٰوةِ عَلَيْهِ فَقَامَ اِلَيْهِ فَلَمَّا وَقَفَ عَلَيْهِ يُرِيْدُ الصَّلٰوةَ تَحَوَّلْتُ حَتّٰى قُمْتُ فِیْ صَدْرِهٖ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللهِ اَعَلٰى عَدُوِّاللهِ عَبْدِاللهِ بْنِ اُبَیٍّ اَلْقَائِلِ يَوْمَ كَذَا وَكَذَا. كَذَا اَوْكَذَا يَعُدُّ اَيَّامَهٗ قَالَ وَرَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَبَسَّمُ حَتّٰى اِذَا اَكْثَرْتُ عَلَيْهِ قَالَ اَخِّرْعَنِّیْ يَاعُمَرُ اِنِّیْ قَدْ خُيِّرْتُ فَاخْتَرْتُ قَدْ قِيْلَ لِیْ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْلَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَاللهُ لَهُمْ لَوْ اَعْلَمُ اِنِّیْ لَوْزِدْتُ عَلَى السَّبْعِيْنَ غُفِرَ لَهٗ لَزِدْتُ ثُمَّ صَلّٰى عَلَيْهِ وَمَشٰى مَعَهٗ فَقَامَ عَلٰى قَبْرِهٖ حَتّٰى فُرِغَ مِنْهُ قَالَ فَعَجَبَ لِیْ وَجُرْءَتِیْ عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ فَوَاللهِ مَاكَانَ اِلَّا يَسِيْرًا حَتّٰى نَزَلَتْ هَاتَانِ الْاٰيَتَانِ وَلَا تُصَلِّ عَلٰى اَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ اَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ اِلٰى اٰخِرِهِ الْاٰيَةَ قَالَ فَمَا صَلّٰى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَهٗ عَلٰى مُنَافِقٍ وَلَا

قَامَ عَلٰى قَبْرِهٖ حَتّٰى قَبَضَهُ اللّٰهُ. (رواہ الترمذی وھو فی الصحیحین ایضاً)

ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ جب عبداللہ ابن ابی (منافق) کا انتقال ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر نماز جنازہ پڑھنے کے لئے بلایا گیا آپ تشریف لے چلے جب نماز کے ارادہ سے کھڑے ہوئے تو میں آپ کے سامنے آ گیا اور میں نے عرض کیا کیا اس عبداللہ بن اُبی خدا کے دشمن پر بھی آپ نماز پڑھائیں گے جس نے فلاں فلاں دن ایسے ایسے کلمات منہ سے نکالے تھے (حضرت عمرؓ نے اس کے گذشتہ ایام کے کفریات سب گن گن کر بتائے) راوی کہتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے سنتے رہے اور مسکراتے رہے حتیٰ کہ جب میں نے حد سے زیادہ اصرار کیا تو فرمایا عمر! جانے بھی دو جب مجھے دو باتوں میں اختیار دیا گیا ہے تو جو میرے لئے ان میں مناسب تھی وہ میں نے اختیار کر لی ہے (مجھ سے کہا گیا ہے کہ آپ خواہ ان کے حق میں استغفار کریں یا نہ کریں۔ اگر آپ ستر بار ان کے لئے استغفار فرمائیں گے تو بھی اللہ تعالیٰ ہرگز ان کو نہ بخشے گا) اگر مجھے یقین ہو جائے کہ میں ستر بار سے زیادہ استغفار کروں تو اس کی مغفرت ہو جائے گی تو ضرور اس سے زیادہ استغفار کروں گا یہ کہہ کر آپ نے اس کی نماز پڑھا دی اور اس کے جنازہ کے ساتھ ساتھ بھی تشریف لے گئے اور اس وقت تک برابر قبر پر کھڑے رہے جب تک اس سے فراغت نہ ہوگئی۔ بخدا! ابھی ذرا سا وقفہ ہی گذرا ہوگا کہ یہ دو آیتیں نازل ہوگئیں۔ ولا تقم علی قبرہ الآیة.

اس کے بعد آخری دم تک پھر نہ تو آپ نے کسی منافق کی نماز پڑھائی نہ کسی کی قبر پر جا کر کھڑے ہوئے۔ (ترمذی)

تشریح:۔ علماء کو یہاں یہ سخت اشکال گذرا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اتنی کھلی ہوئی حقیقت کیسے پوشیدہ رہ سکتی ہے یہانتک کہ قاضی ابوبکر باقی نے اس حدیث کی صحت ہی سے انکار کر دیا ہے امام الحرمین یہ کہہ بیٹھے ہیں کہ یہ حدیث صحیح بخاری میں ہے ہی نہیں۔ امام غزالیؒ اور داؤدیؒ جیسے علماء نے یہ تصریح کر دی ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں لیکن ان جیسے مقامات کا رمز شناس زمخشری جیسا شخص ہو سکتا ہے علماء کلام یہاں اپنی علمی دقتوں میں ہی الجھے رہا کرتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ بلاشبہ ان امور کو آپ سے زیادہ سمجھنے والا اور کون ہو سکتا ہے لیکن اس انتہائی دلسوزی کی بناء جس کا جوش نبی کے سینہ میں ہوتا ہے نبی قصداً الفاظ کی ظاہری گنجائشوں سے فائدہ اٹھا لینا چاہتا ہے وہ اپنی امت کے معاملہ میں دوسرے خلاف پہلو کو تا امکان ذہن میں لاتا ہی نہیں جب تک کہ الفاظ میں اس کے لئے آخری گنجائش بھی ختم نہ کر دی جائے ٹھیک اسی طرح جس طرح کہ ایک ہمدرد وکیل آئین کی وسعتوں سے آخری حد تک فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتا ہے بلکہ اس سے کہیں اور بڑھ کر چنانچہ اسی واقعہ میں جب صراحت سے ممانعت آ گئی تو پھر کسی واقعہ میں آپ کی نماز ثابت نہیں ہوئی۔

عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ جَاءَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اُبَيِّ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ مَاتَ اَبُوْهُ فَقَالَ اَعْطِنِىْ قَمِيْصَكَ اُكَفِّنْهُ فِيْهِ وَصَلِّ عَلَيْهِ وَاسْتَغْفِرْ لَهٗ فَاَعْطَاهُ قَمِيْصَهٗ وَقَالَ اِذَا فَرَغْتُمْ فَاٰذِنُوْنِىْ فَلَمَّا اَرَادَ اَنْ يُّصَلِّىَ جَذَبَهٗ عُمَرَ وَقَالَ اَلَيْسَ قَدْ نَهَى اللّٰهُ اَنْ تُصَلِّىَ عَلَى الْمُنَافِقِيْنَ فَقَالَ اَنَا بَيْنَ خِيَرَتَيْنِ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْلَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ فَصَلّٰى عَلَيْهِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تُصَلِّ عَلٰى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ فَتَرَكَ الصَّلٰوةَ عَلَيْهِمْ. (رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث حسن صحیح)

ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن ابی کے بیٹے اپنے والد کی وفات کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت

میں حاضر ہوئے اور عرض کیا آپ اپنی قمیض مرحمت فرما دیں تو میں اپنے باپ کو اس کا کفن دیدوں اور اس کی نماز بھی پڑھائیں اور اس کے حق میں دعاء مغفرت بھی فرمائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت اپنا قمیص دیدیا اور فرمایا جب اس کے غسل وغیرہ سے فارغ ہو جاؤ تو مجھے اطلاع دیدینا۔ جب آپ اس کی نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہوئے تو عمرؓ نے آپ کو کھینچ لیا اور عرض کیا اللہ تعالیٰ نے اس بات سے ممانعت نہیں فرمائی کہ آپ منافقین کی نماز پڑھائیں، آپ نے فرمایا مجھے دونوں باتوں میں اختیار ملا ہے خواہ ان کے حق میں استغفار کروں یا نہ کروں یہ کہہ کر اس کی نماز پڑھادی اس کے بعد فوراً یہ آیت نازل ہوگئی و لا تصل علیٰ احدالخ پھر آپ نے منافقین پر نماز ترک فرمادی۔

تشریح:۔ شارحینِ بخاری شریف نقل کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قمیض اتار کر اس منافق کو دی ضرور تھی مگر اس کے ساتھ یہ بھی فرمادیا تھا **وما یغنی عنه قمیصی وصلوتی من الله والله انی کنت ارجوان یسلم به الف من تومه وروی انه اسلم الف من قومه لما راؤه یتبرک بقمیص النبی صلی الله علیه وسلم.** بھلا اللہ تعالیٰ کے یہاں میری یہ قمیص اور نماز اس کو کیا فائدہ دے سکتی ہے مجھے تو یہ امید تھی کہ اس عمل سے شاید اس کی قوم کے ایک ہزار افراد اسلام قبول کرلیں گے۔ چنانچہ روایت میں ہے کہ جب اس کی قوم نے آپ کی شفقت ورحمت کا یہ عالم دیکھا تو ہزار افراد نے اسلام قبول کرلیا۔ ان تصریحات سے یہ صاف سمجھ میں آجاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ سارا عمل کس جذبہ کے ماتحت تھا۔ آپ اس کی قوم کے اسلام کی آس لگا کے بیٹھے تھے یا یہ کہ درحقیقت اس کی مغفرت کے خیال میں تھے۔ حضرت عمرؓ کے اصرار پر آپ کا خاموش رہے چلے جانا پھر آخر میں مسکرا دینا کیا اسی کی غمازی نہیں کررہا تھا کہ آپ یہاں ایک اہم مقصد کے پیش نظر محض آئینی وسعتوں سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔ عمرؓ اپنی طبعی حلاوت کی وجہ سے جس طرف مائل ہوئے ان کو اسی طرف مائل ہونا چاہئے تھا لیکن وہ اس عمیق حکمت تک کہاں پہنچ سکتے تھے جس کا ظہور بعد میں ہوا اور جس کی بدولت ایک جماعت اسلام کے حلقہ بگوش ہوگئی اسی کے قریب جنگ بدر میں حضرت ابوبکرؓ کا واقعہ ہے وہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حد سے بڑھتی ہوئی الحاح وزاری سے دردمند ہو کر اور زیادہ الحاح وزاری سے آپ کو روک رہے ہیں اور تسلی دے رہے ہیں مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھے کہ اپنے پروردگار کے سامنے اتنے بے اختیار ہوتے چلے جاتے تھے کہ آپ کی ردائے مبارک بھی آپ کے شانوں سے گری جارہی تھی مقام نبوت والے ہی اس اضطراب کو یا اس واقعہ میں اتنے سکون کو پہچان سکتے ہیں۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِاللهِ يَقُوْلُ كُنَّا فِيْ غَزَاةٍ قَالَ سفيان يرون انها غزوة بنى المصطلق فَكَسَعَ رَجُلٌ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ رَجُلاً مِنَ الْاَنْصَارِ فَقَالَ الْمُهَاجِرِيُ يَا لَلْمُهَاجِرِيْنَ وَقَالَ الْاَنْصَارِيُّ يَالَلْاَنْصَارِ فَسَمِعَ ذٰلِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا بَالُ دَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ قَالُوْا رَجُلٌ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ كَسَعَ رَجُلاً مِنَ الْاَنْصَارِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعُوْهَا فَاِنَّهَا مُنْتِنَةٌ فَسَمِعَ ذَالِكَ عَبْدُاللهِ بْنُ اُبَيٍّ اِبْنُ سَلُوْلَ فَقَالَ اَوَقَدْ فَعَلُوْهَا لَئِنْ رَجَعْنَا اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ فَقَالَ عُمَرُ يَارَسُوْلَ اللهِ دَعْنِىْ

اَضْرِبُ عُنُقَ هٰذَا الْمُنَافِقِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعْهُ لَا يَتَحَدَّثُ النَّاسُ اَنَّ مُحَمَّدًا يَقْتُلُ اَصْحَابَهٗ وَقَالَ عمرو فَقَالَ لَهٗ اِبْنُهٗ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ وَاللّٰهِ لَا تَنْقَلِبُ حَتّٰى تُقِرَّ اَنَّكَ الذَّلِيْلُ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَزِيْزُ فَفَعَلَ. (رواه الترمذی وقال هذا حديث حسن صحيح)

عمرو بن دینار بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے جابر بن عبداللہ کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ ہم ایک غزوہ میں تھے (سفیان کہتے ہیں کہ لوگوں کا خیال یہ ہے کہ وہ غزوہ۔غزوۂ بنی المصطلق تھا) کہ ایک مہاجر نے ایک انصاری کے لات ماردی اس پر مہاجر نے دوسرے مہاجروں کو جھگڑے کی دعوت دی اور انصاری نے دوسرے انصاروں کو آپ نے یہ غل شور سنا تو فرمایا یہ کیا زمانہ جاہلیت کی سی آوازیں آرہی ہیں۔لوگوں نے آپ سے عرض کیا کہ ایک مہاجر شخص نے کسی انصاری کے لات ماردی ہے (اس پر کچھ ہنگامہ برپا ہوگیا ہے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان ناشائستہ کلمات کو چھوڑ دو۔یہ قصہ کہیں عبداللہ بن ابی نے بھی سن پایا اس نے کہا اچھا کیا مہاجر نے یہ فعل کیا ہے چلو ذرا مدینہ چلیں تو جو باعزت فریق ہے وہ ذلیل کو نکال باہر کریگا۔اس پر عمرؓ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ اجازت دیں تو میں اس منافق کی گردن اڑادوں آپ نے فرمایا رہنے دو۔کہیں لوگ یہ مشہور نہ کردیں کہ میں اپنے لوگوں کو بھی قتل کردیتا ہوں۔عمرو بن دینار کے علاوہ بعض اور راویوں نے اس قصہ میں اتنا اور نقل کیا ہے کہ ابن اُبی کے اس گستاخانہ فقرہ پر اس کے بیٹے عبداللہ نے کہا خدا کی قسم تو مدینہ طیبہ میں اس وقت تک گھس نہیں سکتا جب تک اپنے منہ سے اس کا اقرار نہ کرلے کہ تو ہی ذلیل ہے اور معزز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔آخر اس نے اس کا اقرار کرلیا۔

تشریح:۔امام بخاریؒ نے ابواب المناقب کے باب ما ینھی عنہ من دعوی الجاھلیۃ کے ضمن میں بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے اس میں اس مہاجر شخص کے متعلق یہ لفظ روایت کئے ہیں وکان من المھاجرین رجل لعابٌ شارحین نے اس کے دو معنی لکھے ہیں ایک یہ کہ اس شخص کے مزاج میں خوش طبعی اور ذرا مذاق کا مضمون تھا اور کسی نے لکھا ہے کہ یہ نیزہ گھمانا خوب جانتا تھا۔ حافظ ابن حجرؒ نے اس کا نام جہجاہ بن قیس لکھا ہے۔عمرؓ کی درخواست پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک کی تشریح کرتے ہوئے امام خطابی تنبیہ فرماتے ہیں کہ آپ کے ان مختصر کلمات سے دینی سیاست کا ایک اہم باب کھل جاتا ہے اور وہ یہ کہ کسی شخص کا قلبی ایمان واذعان معلوم کرنے کے لئے اس کے سوا اور کیا صورت نکل سکتی ہے کہ اس کے کسی ظاہری عمل ہی کو اس کا معیار مقرر کیا جائے اب اگر منافقوں کے صرف باطنی کفر پر صریح کفر کے سے احکام لگادیئے جاتے تو دشمنان دین کو یہ بدظنی پھیلانے کا موقعہ مل جاتا کہ مسلمان اسلام کے حلقہ بگوشوں کو بھی کفر باطن کا بہانہ لیکر جب چاہتے ہیں قتل کرڈالتے ہیں اس لئے اسلام کی صریح حلقہ بگوشی کے بعد بھی جان ومال کے محفوظ ہونے کی کوئی صورت نہیں۔اس پروپیگنڈے کو جھوٹا ثابت کرنے کیلئے یہ صورت اختیار کی گئی کہ جب تک کسی کے ظاہری اعمال سے بھی کفر ثابت نہ ہوجائے صرف اس کے باطنی کفر کی وجہ سے اس کو کافر قرار نہ دیا جائے۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَصْعَدُ الثَّنِيَّةَ ثَنِيَّةَ الْمُرَارِ فَاِنَّهٗ يُحَطُّ عَنْهُ مَا حُطَّ عَنْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ قَالَ فَاَوَّلُ مَنْ صَعِدَهَا خَيْلُنَا خَيْلُ بَنِي الْخَزْرَجِ ثُمَّ تَتَامَّ النَّاسُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّكُمْ مَغْفُوْرٌ لَهٗ اِلَّا صَاحِبُ الْجَمَلِ الْاَحْمَرِ فَاَتَيْنَاهُ

فَقُلْنَا تَعَالِ يَسْتَغْفِرُ لَكَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ وَاللهِ لَئِنْ اَجِدُ ضَالَّتِىْ اَحَبُّ اِلَىَّ مِنْ اَنْ يَسْتَغْفِرَلِىْ صَاحِبُكُمْ قَالَ وَكَانَ رَجُلٌ يَنْشُدُ ضَالَّةً لَهُ. (رواہ مسلم)

جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ٹیلہ پر جس کا نام مرار ہے پہلے کون چڑھے گا کہ اس کے گناہ اسی طرح معاف ہو جائیں جیسے بنی اسرائیل کے معاف ہوئے تھے۔ یہ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے ہمارے قبیلہ بنی خزرج کے گھوڑے اس پر چڑھ گئے اس کے بعد پھر سب لوگ یکے بعد دیگرے چڑھنا شروع ہو گئے آپ نے فرمایا مغفرت میں تم سب ہی شریک ہو گئے صرف وہ سرخ اونٹ والا شخص رہ گیا ہم اس کے پاس آئے اور ہم نے اس سے کہا چل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تیری بخشش کی بھی دعا کرالیں۔ وہ بولا خدا کی قسم تمہارے اس صاحب کی مغفرت کی دعا سے میں یہ بدرجہا بہتر سمجھتا ہوں کہ میرا کھویا ہوا جانور مل جائے۔ راوی کہتا ہے کہ یہ شخص اپنا جانور تلاش کرنے کے لئے آیا ہوا تھا۔ (مسلم شریف)

عَنِ الْاَسْوَدِ قَالَ كُنَّا فِىْ حَلَقَةِ عَبْدِاللهِ فَجَاءَ حُذَيْفَةُ حَتّٰى قَامَ عَلَيْنَا فَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ لَقَدْ اُنْزِلَ النِّفَاقُ عَلٰى قَوْمٍ خَيْرٌ مِّنْكُمْ قَالَ الْاَسْوَدُ سُبْحَانَ اللهِ اِنَّ اللهَ يَقُوْلُ اِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ فَتَبَسَّمَ عَبْدُاللهِ وَجَلَسَ حُذَيْفَةُ فِىْ نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ فَقَامَ عَبْدُاللهِ فَتَفَرَّقَ اَصْحَابُهُ فَرَمَانِىْ بِالْحَصَا فَاَتَيْتُهُ فَقَالَ حُذَيْفَةُ عَجِبْتُ مِنْ ضِحْكِهٖ وَقَدْ عَرَفَ مَا قُلْتُ لَقَدْ اُنْزِلَ النِّفَاقُ عَلٰى قَوْمٍ كَانُوْا خَيْرًا مِّنْكُمْ ثُمَّ تَابُوْا فَتَابَ اللهُ عَلَيْهِمْ. (رواه البخارى فى التفسير)

اسود بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے حلقہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت حذیفہؓ آ کر ہمارے سامنے کھڑے ہو گئے۔ سلام کیا اس کے بعد فرمایا (مطمئن رہنے کا مقام نہیں) نفاق ان لوگوں میں بھی پیدا ہو چکا ہے جو تم سے بہتر تھے (کیونکہ وہ عہدِ صحابہ میں تھے اور تم طبقہ تابعین میں ہو) یہ سن کر اسود نے ازراہِ تعجب کہا سبحان اللہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو منافقین کی شان میں فرماتا ہے ان المنافقين الخ وہ دوزخ کے سب سے تحتانی طبقے میں ہوں گے۔ اس پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ مسکرائے۔ حضرت حذیفہؓ مسجد کے ایک گوشہ میں جا بیٹھے اس کے بعد حضرت عبداللہؓ کی مجلس ختم ہو گئی اور ان کے شاگرد بھی متفرق ہو گئے تو حضرت حذیفہؓ نے ایک کنکری مار کر بلایا اور فرمایا مجھے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی مسکراہٹ سے تعجب ہوا وہ میری مراد سمجھ گئے تھے۔ بیشک ایک زمانہ میں تم سے بہتر لوگوں میں نفاق پیدا ہو گیا تھا لیکن آخر انہوں نے توبہ کی اور مخلصین صحابہ میں سے بن گئے اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی توبہ قبول فرمالی۔ (پہلے حضرت حذیفہؓ نے بغرض تنبیہ صرف ان کے ابتدائی حال کو ذکر فرمایا تھا بعد میں ان کی توبہ اور اخلاص کو ذکر فرما دیا تو پھر کوئی اشکال نہ رہا۔ (بخاری شریف)

تشریح:۔ اس روایت سے بھی یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ منافقین کے بارے میں سلف کا تصور کیا تھا۔

عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ اِلٰى اُحُدٍ فَرَجَعَ نَاسٌ مِّمَّنْ كَانَ مَعَهُ فَكَانَ اَصْحَابُ النَّبِىِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْهِمْ فِرْقَتَيْنِ قَالَ بَعْضُهُمْ نَقْتُلُهُمْ وَقَالَ بَعْضُهُمْ لَا فَنَزَلَتْ فَمَالَكُمْ فِى الْمُنَافِقِيْنَ فِئَتَيْنِ. (رواه مسلم)

زید بن ثابت روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب جنگِ احد کے لئے نکلے تو بعض منافقین جو آپ کے ساتھ آ گئے تھے واپس لوٹ گئے۔ ان لوگوں کے معاملہ میں صحابہ کرام کی دو جماعتیں ہوگئیں ایک نے کہا ہم ان کو قتل کریں گے دوسری نے کہا نہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوگئی۔ تم کو کیا ہوگیا کہ منافقین کے بارے میں تمہاری دو جماعتیں ہوگئیں۔ (مسلم شریف)

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ رِجَالاً مِنَ الْمُنَافِقِیْنَ فِیْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا خَرَجَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِلَی الْغَزْوِ تَخَلَّفُوْا عَنْهُ وَفَرِحُوْا بِمَقْعَدِهِمْ خِلَافَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاِذَا قَدِمَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِعْتَذَرُوْا اِلَیْهِ وَحَلَفُوْا وَاَحَبُّوْا اَنْ یُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ یَفْعَلُوْا فَنَزَلَتْ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَفْرَحُوْنَ بِمَا وَیُحِبُّوْنَ اَنْ یُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ یَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ. (رواہ مسلم)

ابو سعید خدری بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں منافقین کا یہ دستور تھا کہ جب آپ کسی غزوہ کے لئے تشریف لے جاتے تو یہ لوگ پیچھے رہ جاتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بیٹھ کر خوش ہوا کرتے پھر جب آپ واپس تشریف لے آتے تو آپ کے سامنے اس کا کوئی نہ کوئی عذر تراش دیتے اور قسمیں کھاجاتے اور یہ چاہتے کہ جو کام وہ نہیں کر سکے اس پر بھی ان کی تعریف کی جائے اس پر یہ آیت نازل ہوگئی۔ جو لوگ اپنی کارستانیوں پر خوش ہوتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ جو کام وہ نہیں کرتے اس پر ان کی تعریف ہو آپ یہ گمان نہ فرمائیں کہ وہ عذاب کی گرفت سے باہر ہیں۔ (مسلم شریف)

عملی نفاق

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَجِدُوْنَ شَرَّ النَّاسِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ذَا الْوَجْهَیْنِ الَّذِیْ یَاْتِیْ هٰؤُلَاءِ بِوَجْهٍ وَهٰؤُلَاءِ بِوَجْهٍ. (متفق علیه)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت میں سب سے بدتر شخص تم اس کو پاؤ گے جو دورخا ہو ان کے پاس آئے تو ان کی سی باتیں بنادے اور اُن کے پاس جائے تو ان کی سی باتیں بنادے۔ (متفق علیہ)

عَنْ عَمَّارٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ کَانَ ذَاوَجْهَیْنِ فِی الدُّنْیَا کَانَ لَهٗ یَوْمَ الْقِیَامَةِ لِسَانَانِ مِنْ نَّارٍ. (رواہ الدارمی)

عمارؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص دنیا میں دورُخی باتیں بنائے گا قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی دو زبانیں ہوں گی۔ (دارمی)

تشریح:۔ امام غزالی تحریر فرماتے ہیں۔ واتفقوا علی ان ملاقاة الاثنین بوجهین نفاق. یہ متفق علیہ بات ہے کہ دو طرفہ باتیں بنانا نفاق کی خصلت ہے پھر اس کی تفصیل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ خصلت چغلخوری سے بدتر ہے کیونکہ چغلخوری تو صرف ایک دشمن کی بات دوسرے کے سامنے نقل کرنے کا نام ہے اور یہاں دو طرفہ ایک کی مخالف بات دوسرے کے سامنے نقل کرنی ہوتی ہے۔ اگر اس نے دو دشمنوں کے کلمات نقل تو نہیں کئے مگر ان کے مخالفانہ کلمات کو سن سن کر دونوں ہی کی تصدیق کرتا رہا

اور دونوں کی ہاں میں ہاں ملاتا رہا۔ یا ہر ایک کے سامنے ان کی باہم دشمنی پر تعریف کرتا رہا۔ یا ان میں سے ہر ایک کی مدد کا وعدہ کرتا رہا تو ان سب صورتوں میں اس کو ذوالوجہین اور ذوالِلسانین کہا جائے گا اسے چاہئے یا تو بسبب ہمدردی خاموش رہے یا ان میں سے جو حق پر ہو اس کی تعریف کرے اس کے سامنے بھی، پس پشت بھی اور اس کے دشمن کے روبرو بھی۔ (احیاء العلوم ج۳ ص۱۱۰)

عَنْ اِبْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ قِيْلَ لَهٗ اِنَّا نَدْخُلُ عَلٰى سُلْطَانِنَا فَنَقُوْلُ لَهٗ بِخَلَافِ مَا نَتَكَلَّمُ اِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِهٖ قَالَ كُنَّا نَعُدُّ هٰذَا نِفَاقًا. (رواه البخاری)

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ان سے پوچھا گیا ہم لوگ جب اپنے بادشاہ کے دربار میں جاتے ہیں تو ان سے اور قسم کی باتیں بناتے ہیں اور جب ان کی مجلس سے باہر نکل آتے ہیں تو دوسری قسم کی باتیں کرتے ہیں (اس اختلاف بیانی کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں) انہوں نے فرمایا اس حرکت کو ہم ایک قسم کا نفاق شمار کیا کرتے تھے۔ (بخاری شریف)

تشریح:۔ امام بخاری نے کتاب الاحکام میں حدیث مذکور کو کسی قدر اور تفصیل کے ساتھ روایت کیا ہے۔ حافظ ابن رجب نے مسند امام احمد سے بروایت حذیفہؓ یہی مضمون ان الفاظ میں نقل کیا ہے **انکم متكلمون كلاما ان كنا لتغده على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم النفاق وفى رواية قال ان كان الرجل ليتكلم بالكلمة على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم يصيرها منافقا وانى لا سمعها من احدكم فى اليوم او المجلس عشر مرات.** تم آج ایسی باتیں منہ سے نکالتے ہو جن کو ہم عہد نبوت میں نفاق شمار کیا کرتے تھے ایک روایت میں یہی مضمون اس طرح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں جس کلمہ کو زبان سے نکالنے پر آدمی منافقوں میں شمار ہوجاتا تھا آج وہ دن ہے کہ اسی کلمہ کو ہم ایک مجلس میں تمہاری زبانوں سے دس دس بار سن لیتے ہیں۔ (جامع العلوم) اللہ اکبر کتنی جلدی زمانہ کہاں سے کہاں جا پہنچا جو بات کل تک نفاق گنی جا رہی تھی آج وہ زبانوں پر بے محابا آ رہی ہے۔ لیکن یہ واضح رہنا چاہئے کہ یہاں نفاق سے وہی ظاہر و باطن کا اختلاف مراد ہے پھر جس کا تقویٰ جتنا زیادہ تھا اس کی گرفت بھی اسی قدر باریک تھی سلف کے حالات کو اپنے حال پر قیاس نہ کرنا چاہئے۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ بادشاہوں کے سامنے جا کر اس قسم کی باتیں بنانا اس وقت نفاق شمار ہوگا جبکہ انکے پاس جانے کی اور ثنا خوانی کی کوئی مجبوری نہ ہو۔ اب اس شخص کا جاجا کر ان کی تعریفیں کرنا اور باہر آ کر مذمت کرنا یقیناً بلا حاجت ہے اور نفاق ہے۔ کیونکہ اس نے محض حب جاہ و مال کے لئے اپنے ضمیر کے خلاف تعریف کی اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حب مال و جاہ قلب میں نفاق کی اس طرح پرورش کرتے ہیں جیسا پانی سبزہ کی۔ یعنی یہ دو خصلتیں انسان کو اس پر ابھارتی ہیں کہ وہ بادشاہوں کی خدمت میں جا کر اپنے ضمیر کے خلاف باتیں بنائے اور نفاق میں گرفتار ہو۔ لیکن اگر ان کے درباروں میں جائے بغیر گذر نہ ہو اور ان کی تعریف کیے بغیر کوئی چارہ نہ ہو تو اب دفع شر کے قصد سے جو تعریف ہوگی وہ نفاق شمار نہ ہوگی۔ حضرت ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں کہ ہمیں بعض مرتبہ ایسے لوگوں کے سامنے بھی دانت نکال دینے پڑتے ہیں جن پر ہمارا دل لعنت کرتا ہے۔ سلف میں جہاں اس قسم کی مثالیں ملتی ہیں ان کا دائرہ صرف ظاہری توجہ، مسکراہٹ اور کشادہ روئی کے اندر محدود ہے۔ صریح جھوٹ اور صریح تصدیق پھر بھی مکروہ عمل ہے۔ (احیاء ج۳ ص۱۱۰)

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّمَا اَخَافُ عَلٰى هٰذِهِ الْاُمَّةِ كُلَّ مُنَافِقٍ يَتَكَلَّمُ بِالْحِكْمَةِ وَيَعْمَلُ بِالْجَوْرِ. (رواه البيهقى فى شعب الايمان)

عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اس امت پر اگر خطرہ ہے تو صرف اس منافق کا ہے جو باتیں بڑی پُر حکمت بنائے مگر اس کے کارنامے سب ظلم کے ہوں۔ (شعب الایمان)

تشریح:۔ حافظ ابن رجب نے اسی مضمون کو حضرت عمرؓ سے بالفاظ ذیل موقوفاً نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے منبر پر فرمایا تمہارے متعلق مجھے سب سے زیادہ خطرہ اس شخص کا ہے جو منافق علیم ہو، لوگوں نے پوچھا منافق ہو کر پھر اس کو علیم بھی کہا جائے یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ فرمایا اس کی باتیں بڑی پُر حکمت ہوں گی مگر اس کا عمل حق کے خلاف ہوگا۔ حضرت حذیفہ سے منافق کی تعریف میں منقول ہے **الذی یصف الایمان ولایعمل به.** بلال بن سعد فرماتے ہیں **المنافق یقول ما یعرف ویعمل ما ینکر (جامع العلوم والحکم)** یہ سب عبارتیں ایک ہی مضمون کی مختلف تعبیرات ہیں ان سب میں جزیل الفاظ حضرت عمرؓ ہی کے ہیں اور یہاں نفاق سے ان کی مراد نفاقِ عملی ہے۔

عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ قَالَ اِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ الْيَوْمَ شَرٌّ مِنْهُمْ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانُوْا يَوْمَئِذٍ يُسِرُّوْنَ وَالْيَوْمَ يَجْهَرُوْنَ. (رواه البخارى فى الفتن)

حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ آج کے منافق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کے منافقوں سے زیادہ بے حیاء ہیں۔ اس وقت کے منافق تو اپنا نفاق چھپاتے پھرتے تھے اور آج تو بے دھڑک ظاہر کرتے پھرتے ہیں (اور جنگ میں مقابلہ پر نکل آتے ہیں) (بخاری شریف)

عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ اِنَّمَا كَانَ النِّفَاقُ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَمَّا الْيَوْمَ فَاِنَّمَا هُوَ الْكُفْرُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ. (رواه البخارى)

حذیفہ فرماتے ہیں کہ نفاق کا حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد پر ختم ہوگیا اب ہم اسکو ایمان کے بعد کفر یعنی ارتداد شمار کرینگے۔ (بخاری شریف)

نفاق کے شعبے

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَغْزُوْا وَلَمْ يُحَدِّثْ بِهٖ نَفْسُهٗ مَاتَ عَلٰى شُعْبَةٍ مِنْ نِفَاقٍ. (رواه مسلم)

ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مرگیا اور اس نے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں نہ کبھی جنگ کی اور نہ اس کے دل میں اس کا خطرہ گذرا تو وہ اپنے ساتھ نفاق کا ایک شعبہ لے کر مرا۔ (مسلم شریف)

تشریح:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں غزوات ہی سے مومن مخلص اور منافق کے درمیان پورا امتیاز ہوا کرتا تھا۔ جو مومن تھے وہ تو پروانہ وار آتش جنگ میں کود پڑتے تھے اور جو منافق تھے وہ دم چرا جاتے تھے۔ درحقیقت ایک مومن کی شان یہی ہونی بھی چاہئے کہ وہ خدا اور اس کے رسول کی راہ میں اپنی جان قربان کرنے کے لئے بے چین نظر آئے اور یہی اس کا ثبوت ہوگا کہ خدا اور رسول کی محبت اور اس کے قلب میں تمام محبتوں پر غالب آچکی ہے۔ اگر بالفرض کوئی ایسا

نادر موقعہ اس کے ہاتھ نہ آئے تو کم ازکم اس تمنا میں تو اس کا دل ہمیشہ تڑپتا رہنا چاہئے۔ اگر ایسا بھی نہیں تو یہ اس کی علامت ہوگی کہ اس کا دعویٰ ایمان صرف زبانی ہی زبانی ہے اس کا قلب جذبات محبت سے یکسر خالی ہے۔ یہ بھی ظاہر و باطن میں ایک قسم کا اختلاف ہے اس لئے اس کو بھی نفاق کا شعبہ کہا جائے گا۔

عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْحَیَاءُ وَالْعِیُّ شُعْبَتَانِ مِنَ الْاِیْمَانِ وَالْبَذَاءُ وَالْبَیَانُ شُعْبَتَانِ مِنَ النِّفَاقِ. (رواه الترمذی)

ابوامامہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شرم وکم سخنی اور جھجک ایمان کے دوشعبے ہیں اور بدزبانی اور زبان آوری نفاق کے دوشعبے۔ (ترمذی شریف)

منافق کی صفتیں

عَنْ کَعْبِ بْنِ مَالِکٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْمُؤْمِنِ کَمَثَلِ الْخَامَةِ مِنَ الزَّرْعِ تُفَیِّئُهَا الرِّیَاحُ تَصْرَعُهَا مَرَّةً وَتَعْدِلُهَا اُخْرٰی حَتّٰی یَأْتِیَ اَجَلُهٗ وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ کَمَثَلِ الْاَرْزَةِ الْمُجْذِیَةِ الَّتِیْ لَا یُصِیْبُهَا شَیْءٌ حَتّٰی یَکُوْنَ اِنْجِعَافُهَا مَرَّةً وَاحِدَةً. (متفق علیه)

کعب بن مالک بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مرد مومن کی مثال گیہوں کی اس پتلی اور نازک شاخ کی سی ہے جس کو ہوائیں اِدھر اُدھر گراتی رہتی ہیں اس طرف کی ہوا چلی تو ادھر دے پٹخا اور اس طرف کی ہوا چلی تو پھر اس کو سیدھا کھڑا کر دیا اس کی روش یونہی رہا کرتی ہے یہانتک کہ اس کی موت آجاتی ہے اور منافق آدمی کی مثال اس مضبوط اور جمے ہوئے چیڑ کے درخت کی سی ہے جس پر کوئی آفت نہیں آتی پھر جب اکھڑتا ہے تو ایک دم جڑ سے اکھڑ کر جا پڑتا ہے۔ (متفق علیہ)

تشریح:۔ اس حدیث میں مومن و منافق کی کچھ قدرتی صفات مذکور ہیں اور ان کے اظہار سے مقصد مومن کی تسلی اور منافق کو انتباہ ہے مومن ساری دنیا کو خدا کا پیغام سناتا ہے اور سارے جہان کو اپنا مدمقابل بنالیتا ہے پھر رحمت اس کی عملی کوتاہیوں کی طرح طرح سے مکافات کرتی رہتی ہے اس لئے وہ ہر طرف سے حوادث کی آماجگاہ بن جاتا ہے منافق کو نہ دنیا ستاتی ہے نہ وہ رحمت کے انتباہ کا اہل ہے اس کے لئے استدراج وامہال کا قانون ہے وہ ایک باغی کی طرح جب گرفتار ہوتا ہے تو ایک ہی سزا یعنی سزا موت پالیتا ہے۔ سبحان اللہ کتنے مختصر کلمات ہیں مگر حقیقت سے کتنے لبریز اور عبرت سے کتنے بھرے ہوئے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْمُنَافِقِ کَالشَّاةِ الْعَائِرَةِ بَیْنَ الْغَنَمَیْنِ تَعِیْرُ اِلٰی هٰذِهٖ مَرَّةً وَاِلٰی هٰذِهٖ مَرَّةً. (رواه مسلم)

ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منافق کی مثال اس بکری کی سی ہے جو نر کی تلاش میں دو گلوں کے درمیان کبھی اس طرف اور کبھی اس طرف ماری ماری پھرتی ہے۔ (مسلم شریف)

تشریح:۔ منافق ذلیل کی مثال اس بکری سے بڑھ کر نہیں ہوسکتی جو نر کی تلاش میں بکھری بکھری پھرتی ہے اسی طرح یہ مادہ صفت بزدل جماعت کبھی اپنے نفع کی خاطر مسلمانوں میں اور کبھی کافروں میں مارے مارے پھرتے ہیں ان کا سارا نقطہ نظر

صرف دنیا کا مال اور جان کی حفاظت ہوتا ہے مردوں کی طرح مقابلہ کی ہمت نہیں رکھتے اور عورتوں کی طرح دوسروں کی آغوش میں عافیت کے متلاشی رہتے ہیں۔ اس مرض سے نفرت پیدا کرنے کیلئے اس سے زیادہ مؤثر تشبیہ اور کیا ہوگی۔

عَنْ عَامِرِ الرَّامِ قَالَ ذَكَرَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْاَسْقَامَ فَقَالَ اِنَّ الْمُؤْمِنَ اِذَا اَصَابَهُ السَّقَمُ ثُمَّ عَافَاهُ اللهُ عَزَّوَجَلَّ مِنْهُ كَانَ كَفَّارَةً لِمَا مَضٰى مِنْ ذُنُوْبِهٖ وَمَوْعِظَةً لَهٗ فِيْمَا يَسْتَقْبِلُ وَاِنَّ الْمُنَافِقَ اِذَا مَرِضَ ثُمَّ عُوْفِيَ كَانَ كَالْبَعِيْرِ عَقَلَهٗ اَهْلُهٗ ثُمَّ اَرْسَلُوْهُ فَلَمْ يَدْرِ لِمَ عَقَلُوْهُ وَلِمَ اَرْسَلُوْهُ فَقَالَ رَجُلٌ يَارَسُوْلَ اللهِ وَمَا الْاَسْقَامُ وَاللهِ مَامَرِضْتُ قَطُّ فَقَالَ قُمْ عَنَّا فَلَسْتَ مِنَّا. (رواہ ابوداؤد)

عامر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیماریوں کے ثواب کا تذکرہ فرمایا اس سلسلہ میں یہ بھی فرمایا کہ کامل مومن جب بیمار پڑتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اس کو شفاء دیدیتا ہے تو اس کی بیماری اس کے گذشتہ گناہوں کے لئے تو کفارہ بن جاتی ہے اور آئندہ اس کے لئے نصیحت کا باعث بن جاتی ہے لیکن جب منافق بیمار پڑتا اور شفایاب ہوتا ہے تو وہ اس اونٹ کی طرح ہوتا ہے جس کو اس کے مالک نے باندھا اور پھر کھول دیا مگر نہ وہ یہ سمجھا کہ کیوں تو اس کو باندھا اور کیوں کھولا تھا۔ حاضرین مجلس میں ایک شخص بولا میں تو یہ بھی نہیں جانتا کہ بیماری ہے کیا چیز، خدا کی قسم میں تو کبھی بیمار نہیں پڑا۔ اس پر آپ نے فرمایا جا تو ہم میں سے نہیں۔ (ابوداؤد)

تشریح:۔ اس حدیث کا مضمون بھی تقریباً وہی ہے جو اس باب کی پہلی حدیث کعب بن مالک کا تھا اس میں بھی یہی سمجھایا گیا تھا کہ منافق کو دنیوی مصائب کی آنچ بھی نہیں لگتی۔ باطنی اسباب کے علاوہ یہاں کچھ ظاہری اسباب بھی اس کے جمع ہو جاتے ہیں۔ اور وہ یہ کہ شرعی قیودات اور آخرت کا غم مومن کے لئے ایسا بار بن جاتے ہیں جو اس کو ابھرنے نہیں دیتے۔ منافق ان تمام غموں سے آزاد ہوتا ہے اس لئے اول تو بیمار ہی کم پڑتا ہے اور اگر پڑتا ہے تو عبرت پذیری کی اس میں کوئی روح نہیں ہوتی۔

یہاں اس شخص نے بڑی گستاخی کی کہ ایسے نازک مرحلہ پر جبکہ آپ کی محفل میں مؤمن ومنافق کے امتیازات بیان ہو رہے تھے اپنے نفس میں خود منافقین کی صفت بیان کردی مگر لسانِ نبوت سے پھر بھی یہ ارشاد نہیں ہوا کہ جا تو منافق ہے صرف اپنی غلطی کی وجہ سے اتنا ضرور ہوا کہ اس محفل میں شمار نہ ہو سکا اب اگر یہ شخص کوئی منافق ہی تھا جب تو بات ظاہر ہے ورنہ پھر بھی بڑی محرومی رہی۔

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُنْتَزِعَاتُ وَالْمُخْتَلِعَاتُ هُنَّ الْمُنَافِقَاتُ. (رواہ النسائی)

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو عورتیں اپنے نفسوں کو اپنے شوہروں سے خلع کر کر کے علیحدہ کر لیتی ہیں یہ بھی منافق ہیں۔ (نسائی)

تشریح:۔ جو عورتیں نکاح کے بعد بے وجہ خلع کرنے پر تیار ہوتی ہیں ان کا ظاہر وباطن بھی یکساں نہیں ہوتا۔ اگر وہ دل میں رضامند ہوتیں تو اب خلع کیوں کرتیں۔ یہی خصلت منافق کی ہے یہاں اس عمل کی مذمت ذہن نشین کرنے کے لئے مختلعات کو منافقات کا لقب دیدیا گیا ہے۔ مالک علی الاطلاق کے ساتھ فریب کرنے والا بھی منافق ہوتا ہے اور جو اپنے شوہر کے ساتھ یہ چال چلے وہ بھی اسی زمرہ میں شمار ہے۔ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ شوہر کو شریعت میں کچھ مالکانہ حقوق دیئے گئے ہیں اب بھی عوام میں شوہر کو مالک سے تعبیر کیا جاتا ہے اسی تناسب سے شوہر کی حق ناشناسی کو حدیثوں میں کفر سے بھی تعبیر کیا

گیا ہے۔اصل یہ ہے کہ من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ.

سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِيَّةُ الْمُؤْمِنِ خَيْرٌ مِنْ عَمَلِهٖ وَعَمَلُ الْمُنَافِقِ خَيْرٌ مِنْ نِيَّتِهٖ وَكُلٌّ يَعْمَلُ عَلٰى نِيَّتِهٖ فَاِذَا عَمِلَ الْمُؤْمِنُ عَمَلاً ثَارَ فِيْ قَلْبِهٖ نُوْرٌ. (رواہ فی الحلیہ)

سہل بن سعد سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر رہتی ہے اور منافق کا عمل اس کی نیت سے زیادہ خوشنما نظر آتا ہے اور ہر شخص کا عمل اس کی نیت کے تابع رہتا ہے۔ جب مومن کوئی عمل کرتا ہے تو اس کی وجہ سے اس کے قلب میں ایک نور چمک اٹھتا ہے۔ (منافق کی نیت چونکہ اچھی نہیں ہوتی اس لئے اس کا عمل بے نور رہوتا ہے) (حلیہ)

تشریح:۔حدیث مذکور سند کے لحاظ سے گو کوئی بڑا پایہ نہ رکھتی ہو مگر بلحاظ مضمون بہت جزیل ہے اور اس کے ہم معنی اعلیٰ درجہ کی اور حدیثیں بھی ملتی ہیں معتبر علماء نے بھی اس کی شرح میں کافی دلچسپی لی ہے۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ انسان کی عبادات وطاعات کا تمام کارخانہ اس کے دو عملوں سے مل کر بنتا ہے۔عمل جوارح اور نیت یہ دونوں اس کے عمل ہیں، فرق صرف یہ ہے کہ نیت قلب کا عمل ہے اور ظاہری عمل اعضاء ظاہری کا۔اس کے یہ دونوں عمل اپنی اپنی حد پر موجب اجر ہوتے ہیں اس لئے دونوں ہی بہتر شمار ہوں گے۔لیکن اگر سوال ان دونوں میں افضل کے متعلق ہو تو حدیث کا فیصلہ یہ ہے کہ نیت اس کے عمل جوارح سے بہتر رہے گی اس کی وجہ یہ ہے کہ عبادت کا جو اصل مقصد ہے اس میں جتنی تاثیر نیت کی ہوتی ہے اتنی ظاہری عمل کی نہیں ہوتی۔ مثلاً نماز کا اصل مقصد اپنے رب کے سامنے تواضع اور اظہار عجز و نیاز ہے ظاہری ارکان اس کیلئے صرف ایک وسیلہ ہیں اللہ تعالیٰ نے قلب و جوارح میں ایسا محکم علاقہ رکھا ہے کہ جب قلب پر کوئی خوف وصدمہ آ پڑتا ہے تو ظاہری اعضاء بھی فوراً لرزنے لگتے ہیں اسی طرح جب کسی یتیم و بے کس کے سر پر ہاتھ پھیرا جاتا ہے تو فوراً قلب میں رقت ونرمی کا اثر پیدا ہونے لگتا ہے۔رکوع وسجود کا مقصد بھی صرف ان اعضاء کا جھکانا یا زمین پر رکھنا نہیں بلکہ قلب میں خشوع و خضوع کی کیفیت پیدا کرنی ہے پس اگر کوئی شخص دنیوی تفکرات میں گرفتار ہو کر سجدہ میں جا پڑتا ہے اور اپنا مقصد پیش نظر نہیں رکھتا تو ظاہر ہے کہ اس عمل سے اس کے قلب میں تواضع و نیاز کا کوئی اثر پیدا نہیں ہوسکتا پھر جب اس کا کوئی نفع نہ ہوا تو کیا یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ یہ عبادت ہی باطل ہے کیونکہ اس کا کرنا نہ کرنا دونوں برابر ہوگئے اور اگر کہیں اس نے کسی کی نمائش دربار کی نیت کرلی تو اب معاملہ اور سخت ہو جاتا ہے اور بجائے بطلان کے وہ عمل خیر معصیت کی صورت اختیار کرلیتا ہے اس سے ثابت ہوگیا کہ مومن کے عمل سے اس کی نیت کا مرتبہ بلند ہے کیونکہ عمل خیر کی خیریت بھی نیت کی خیریت پر موقوف ہے۔ (احیاء العلوم ج۳ ص ۲۹۳)

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اٰيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ وَاِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ. (رواہ البخاری)

ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منافق کی تین نشانیاں ہیں جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو اس کا خلاف کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے۔ (بخاری شریف)

دروغ گوئی

عَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيْمٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيْلٌ لِمَنْ يُحَدِّثُ فَيَكْذِبُ لِيُضْحِكَ بِهِ الْقَوْمَ وَيْلٌ لَهٗ وَيْلٌ لَهٗ. (رواہ احمد والترمذی وابوداؤد والدارمی)

بہز بن حکیم اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس شخص پر افسوس صد افسوس جو صرف اتنی بات کے لئے جھوٹ بولتا ہے کہ لوگوں کو خوش کردے اور ان کو ذرا ہنسا دے۔ (احمد۔ترمذی۔ابوداؤد۔دارمی)

عَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَذَبَ الْعَبْدُ تَبَاعَدَ عَنْهُ الْمَلَكُ مِيْلاً مِنْ نَتْنِ مَاجَاءَ بِهٖ. (رواہ الترمذی)

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی بندہ جھوٹ بولتا ہے تو خدا کا فرشتہ اس کلمہ کی بدبو سے ایک میل دور چلا جاتا ہے۔ (ترمذی)

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَامِرٍ قَالَ دَعَتْنِىْ اُمِّىْ يَوْمًا وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاعِدٌ فِىْ بَيْتِنَا فَقَالَتْ هَاتَعَالَ اُعْطِيْكَ فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اَرَدْتِ اَنْ تُعْطِيَهٗ قَالَتْ اَرَدْتُ اَنْ اُعْطِيَهٗ تَمْرًا فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَا اَنَّكِ لَوْ لَمْ تُعْطِيْهِ شَيْئًا كُتِبَتْ عَلَيْكِ كَذْبَةٌ. (رواہ ابوداؤد)

عبداللہ بن عامر کہتے ہیں کہ ایک دن میری والدہ نے مجھے بلایا، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر میں رونق افروز تھے میری والدہ نے کہا ادھر آ میں تجھے کچھ دوں گی۔ آپ نے پوچھا تم نے اس کو کیا چیز دینے کا ارادہ کیا ہے وہ بولیں میں نے ایک کھجور دینے کا ارادہ کیا ہے آپ نے فرمایا اگر کہیں تم نے یہ ارادہ نہ کیا ہوتا تو اتنی سی خلاف واقع بات بھی تمہارے نامہ اعمال میں ایک جھوٹ لکھ دی جاتی۔ (ابوداؤد۔بیہقی)

تشریح:۔ اسلام کی پاکیزگی اور نزاہت ان جیسے روزمرہ اور چھوٹے چھوٹے معاملات کے ضمن میں دیکھنی چاہئے جہاں صدق وکذب کا وہم وگمان بھی نہیں گذرتا۔ اسلام وہاں بھی زبان پر اپنا محاسبہ قائم کرتا ہے۔ اس سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کس قسم کے مواقع پر توریہ کی اجازت دی جاسکتی ہے۔ بے محل توریہ کرنا بھی ایک قسم کا فریب اور جھوٹ ہے۔

عَنْ خُرَيْمِ بْنِ فَاتِكٍ قَالَ صَلَّى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةَ الصُّبْحِ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَامَ قَائِمًا فَقَالَ عُدِلَتْ شَهَادَةُ الزُّوْرِ بِالْاِشْرَاكِ بِاللّٰهِ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ قَرَأَ فَاجْتَنِبُوْا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ حُنَفَاءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ. (احمد والترمذی)

خریم بن فاتک بیان کرتے ہیں کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز ادا فرمائی جب فارغ ہو چکے تو کھڑے ہوکر فرمایا (آج) جھوٹی شہادت شرک کے برابر کردی گئی۔ تین بار فرمایا۔ اس کے بعد قرآن کی یہ آیت تلاوت فرمائی۔ فَاجْتَنِبُوْا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ. بتوں کی نجاست سے بچو اور جھوٹی شہادت سے بھی اجتناب کرو۔ (احمد۔ترمذی)

تشریح:۔ قرآن کی آیت بالا میں شرک اور بت پرستی کے ساتھ جھوٹی شہادت سے ممانعت فرمائی گئی ہے اس سے معلوم ہوا

کہ شرعی نظر میں ان تینوں کے مابین کوئی اندرونی تناسب ہے۔ قرآن کریم جب ایک سیاق میں چند امور کو ذکر کرتا ہے تو وہ ضرور کسی تناسب کی بناء پر ہی ذکر کرتا ہے گویا شہادتِ زور ایسی چیز ہے جس کو اسلام سے کوئی تناسب نہیں اگر ہے تو شرک سے ہے۔

عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَحْلِفُ اَحَدٌ عِنْدَ مِنْبَرِیْ هٰذَا عَلٰی يَمِيْنٍ اٰثِمَةٍ وَعَلٰی سِوَاكٍ اَخْضَرَ اِلَّا تَبَوَّأَ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ اَوْ وَجَبَتْ لَهُ النَّارُ۔ (رواہ مالک وابوداؤد وابن ماجہ)

جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بھی میرے منبر کے پاس آکر جھوٹی قسم کھائے اگر چہ وہ ایک سبز مسواک کے معاملہ میں ہو اس نے اپنا ٹھکانہ دوزخ میں کرلیا یا اس کے لئے دوزخ کا عذاب واجب ہو گیا (راوی کو شک ہے) (مالک۔ ابوداؤد۔ ابن ماجہ)

تشریح:۔ غرض یہ ہے کہ جھوٹ کی انواع جتنی سخت ہوتی جائیں گی اس کا عذاب بھی اتنا ہی سخت ہوتا چلا جائیگا۔ جھوٹی شہادت اور جھوٹی قسم سے جہاں ایک گناہ کبیرہ لازم آتا ہے اسی کے ساتھ نظام عالم بھی برباد ہوتا ہے گناہ کا تعلق انسان کی ذات سے ہے اور نظام کی تباہی کا سب انسانوں سے شریعت میں حقوق العباد کو حقوق اللہ پر اس لئے جا بجا اہمیت دی گئی ہے کہ حقوق العباد محتاج انسانوں کے حق ہیں اور حقوق اللہ ایک بے نیاز کا۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا كَانَ خُلُقٌ اَبْغَضَ اِلٰی رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْكِذْبِ وَلَقَدْ كَانَ الرَّجُلُ يَكْذِبُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْكَذْبَةَ فَمَا يَزَالُ فِیْ نَفْسِهٖ عَلَيْهِ حَتّٰی يَعْلَمَ اَنَّهٗ قَدْ اَحْدَثَ بِهَا تَوْبَةً۔ (رواہ احمد)

حضرت عائشہؓ روایت فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک جھوٹ سے زیادہ اور کوئی عادت قابل نفرت نہ تھی کوئی شخص آپکے سامنے جھوٹ بولتا جب تک وہ اس سے توبہ نہ کرلیتا آپکے قلب مبارک میں اسکی طرف سے ناگواری کا اثر برابر محسوس ہوا کرتا۔ (احمد)

عَنْ صَفْوَانَ اَنَّ رَجُلًا قَالَ لِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكْذِبُ امْرَأَتِیْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا خَيْرَ فِی الْكَذِبِ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللهِ اَعِدُهَا وَاَقُوْلُ لَهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا جُنَاحَ عَلَيْكَ۔ (رواہ مالک)

صفوان سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا میں اپنی بی بی سے جھوٹ بول سکتا ہوں؟ فرمایا جھوٹ میں تو کوئی بھلائی نہیں، اس نے عرض کیا اچھا تو پھر اس سے وعدہ کرلوں۔ آپ نے فرمایا اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ (احمد)

تشریح:۔ زن و شوہر کے تعلقات کو شریعت میں بڑی اہمیت دی گئی ہے۔ اگر بی بی کی رضامندی کے لئے شوہر کوئی تسلی آمیز کلمہ اپنی زبان سے نکال دے تو خاص اس موقعہ کے لئے اس کو وسعت دی گئی ہے۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَكَ الْكَذِبَ وَهُوَ بَاطِلٌ بُنِیَ لَهٗ فِیْ رَبَضِ الْجَنَّةِ وَمَنْ تَرَكَ الْمِرَاءَ وَهُوَ مُحِقٌّ بُنِیَ لَهٗ فِیْ وَسَطِ الْجَنَّةِ وَمَنْ حَسَّنَ خُلُقَهٗ بُنِیَ لَهٗ فِیْ اَعْلَاهَا۔ (رواہ الترمذی)

انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے جھوٹ بولنا چھوڑ دیا حالانکہ وہ بری اور بیکار بات ہے اس کا صحن جنت میں مکان بنایا جائے گا اور جس نے جھگڑا کرنا چھوڑا حالانکہ وہ حق پر تھا اس کے لئے وسط جنت میں مکان،

بنے گا۔اور جس نے اپنے اخلاق درست کر لئے اس کے لئے جنت کے اعلیٰ طبقہ میں مکان بنایا جائے گا۔(ترمذی)

تشریح:۔ جھوٹ بولنا اور جھگڑا کرنا دونوں نفاق کی خصلتیں ہیں جس میں جھگڑا کرنا جھوٹ سے زیادہ سخت ہے جھوٹ باطل ہو کر چھوڑنے کی چیز ہے اور جھگڑنا سچے معاملہ میں بھی پسندیدہ نہیں۔ عدالتی چارہ جوئی جدا چیز ہے جس کو عرف میں جھگڑا کہتے ہیں وہ سچے معاملات میں بھی اعلیٰ اخلاق سے گری ہوئی بات ہے اسی لئے فرمایا کہ جس نے اپنے اخلاق سنوار لئے اس نے تو جنت کے اعلیٰ طبقہ کا سامان کر لیا۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَكْذَبُ الْحَدِيْثِ وَلَا تَحَسَّسُوْا وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا تَنَاجَشُوْا وَلَا تَحَاسَدُوْا وَلَا تَبَاغَضُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا وَكُوْنُوْا عِبَادَاللهِ اِخْوَانًا. (رواه البخاری)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دیکھو خبردار بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی ایک بدترین جھوٹ ہے اور لوگوں کے عیوب تلاش کرنے کی فکر میں نہ رہو، دھوکا بازی مت کرو۔ باہم ایک دوسرے پر حسد نہ کرو، آپس میں بغض نہ رکھو، غصہ کے ساتھ ایک دوسرے سے منہ نہ پھیرو اور سب اللہ کے بندے بھائی بھائی کی طرح بن جاؤ۔(بخاری شریف)

تشریح:۔اس حدیث میں یہ تنبیہ کی گئی ہے کہ ایک مومن کی صدق وصفا کی منزل اس کے نطق پر جا کر ختم ہو جاتی بلکہ وہ اس سے گذر کر اس کے ظنون اور خیالات تک بھی پہنچتی ہے یعنی خلاف واقع بات منہ سے نکالنا اور کسی کے متعلق واقع کے خلاف بدگمانی کرنا دونوں جھوٹ ہیں اور دونوں میں بڑھ کر جھوٹ یہ دوسرا جھوٹ ہے۔ کسی سوسائٹی کا سب سے بڑا عیب یہ ہوتا ہے کہ اس میں باہم ایک دوسرے کے عیوب کی چھان بین کی جائے اس عادت بد سے باہم منافرت پھیلتی ہے اور نفسیاتی لحاظ سے جو عیوب پہلے نہ ہوں ان کے بھی جراثیم پیدا ہونے لگتے ہیں اس کے برخلاف حسن ظن سے انس ومحبت کی فضا پیدا ہوتی ہے اور ایک دوسرے کے نفس میں شرافت وکرم کے آثار نمایاں ہونے لگتے ہیں۔ پھر مسلمانوں کے اس عام حسن ظن کی بناء پر رحمت خداوندی بھی ان کے ساتھ ان کے ظن کے مطابق معاملہ کرتی ہے۔ معاملات کو تا امکان ظاہر کے تابع رکھنا اور بلاوجہ درپے تجسس ہونا اجتماعی حیاۃ کا ایک اہم اصول ہے۔ سورۂ حجرات میں آیت ولا تجسسوا میں اسی کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّی اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَحَلَّمَ بِحُلْمٍ لَمْ يَرَهُ كُلِّفَ اَنْ يَعْقِدَ بَيْنَ شَعِيْرَيْنِ وَلَنْ يَفْعَلَ وَمَنْ اِسْتَمَعَ اِلٰی حَدِيْثِ قَوْمٍ وَهُمْ لَهٗ كَارِهُوْنَ اَوْ يَفِرُّوْنَ مِنْهُ صُبَّ فِیْ اُذُنَيْهِ الْاٰنُكُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَعَنْ صَوَّرَ صُوْرَةً عُذِّبَ وَكُلِّفَ اَنْ يَنْفُخَ فِيْهَا وَلَيْسَ بِنَافِخٍ. (رواه البخاری)

ابن عباسؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ہے جو شخص جھوٹا خواب بنائے (قیامت میں) اس کو حکم دیا جائے گا کہ وہ دو جو کے دانوں میں گرہ لگائے (جیسا اس نے دنیا میں گرہ بندی کی تھی) اور ظاہر ہے کہ یہ ہرگز اس کی قدرت میں نہ ہوگا (اور جو شخص لوگوں کی باتیں کان لگا کر سنے گا اس حال میں کہ وہ اس کو ناپسند کرتے ہوں یا اس سے بھاگتے ہوں

(راوی کو شک ہے) تو قیامت کے دن اس کے کانوں میں سیسہ پگھلا کر ڈالا جائے گا اور جو شخص کسی جاندار کی صورت بنائے، اس سے کہا جائے گا کہ اس میں روح بھی ڈال اور ظاہر ہے کہ وہ روح ڈال نہیں سکے گا (بالآخر اس کو بھی عذاب ہوگا۔) (بخاری شریف)

عَنْ اِبْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَفْرَی الْفِرَیٰ اَنْ یُرِیَ عَیْنَیْہِ مَالَمْ تَرَیَا. (رواہ البخاری)

ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے بدنما بہتان یہ ہے کہ آدمی اپنی آنکھوں کے متعلق ایسی چیز کا دیکھنا بیان کرے جو انہوں نے نہیں دیکھی یعنی (جھوٹا خواب بنائے۔) (بخاری شریف)

تشریح:۔ ان دونوں حدیثوں کا حاصل یہ ہے کہ صدق وصفا کا احاطہ صرف حالت بیداری تک ختم نہیں ہوتا، بلکہ حالت نوم تک بھی کھنچتا ہے۔ اگر کوئی شخص حالت خواب کے متعلق بھی کوئی جھوٹا کلمہ کہے تو وہ بھی سخت مجرم ہے بلکہ اس کا جرم دوسرے مجرموں سے زیادہ ہے کیونکہ مؤمن کا خواب نبوت کا چالیسواں جزء ہوتا ہے اور یہ اسے بھی گندہ کرتا ہے۔

غرض اس باب میں کذب کی جتنی صورتیں گذر چکی ہیں ان سب سے احتراز کرنے کے بعد آپ منزل صدق کو حاصل کر سکتے ہیں۔ یہ تمام صورتیں نفاق کا شعبہ ہیں۔ ان میں سے چھوٹا یا بڑا کوئی بھی شعبہ اگر کسی مومن کے اندر موجود ہے تو اس میں نفاق کا ایک شعبہ ہے وہ مومن صادق نہیں پھر یہ تو کسی کسی کے نصیب ہیں کہ مومن صدیق کی فہرست میں داخل ہو جائے جس کے سردار صدیق اکبر ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ. یا یھا الذین امنوا اتقوا اللہ و کونوا مع الصادقین.

وعدہ خلافی

عَنْ زَیْدِ بْنِ اَرْقَمَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا وَعَدَ الرَّجُلُ اَخَاہُ وَمِنْ نِیَّتِہٖ اَنْ یَفِیَ لَہٗ فَلَمْ یَفِ وَلَمْ یَجِیْٔ لِلْمِیْعَادِ فَلَا اِثْمَ عَلَیْہِ. (رواہ ابوداؤد والترمذی)

زید بن ارقم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جب انسان وعدہ کرے اور اس کی نیت یہ ہو کہ اس کو پورا کرے گا مگر اتفاقاً پورا نہ کر سکے اور وقت مقرر پر نہ آ سکے تو اب اس پر کوئی گناہ نہیں۔ (ابوداؤد۔ترمذی)

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُمَارِ اَخَاکَ وَلَا تُمَازِحْہُ وَلَا تَعِدْہُ مَوْعِدًا فَتُخْلِفَہٗ. (رواہ الترمذی)

ابن عباس روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے بھائی سے جھگڑا بھی نہ کرو اور نہ اس سے زیادہ مذاق کرو اور نہ بے وجہ اس سے وعدہ کرو کہیں پھر وعدہ خلافی کی نوبت آ جائے۔ (ترمذی)

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ اَبِی الْحَمَاءِ قَالَ بَایَعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَبْلَ اَنْ یُبْعَثَ وَبَقِیَتْ لَہٗ بَقِیَّۃٌ فَوَعَدْتُہٗ اَنْ اٰتِیَہٗ فِیْ مَکَانِہٖ فَنَسِیْتُ فَذَکَرْتُ بَعْدَ ثَلَاثٍ فَاِذَا ھُوَ فِیْ مَکَانِہٖ فَقَالَ لَقَدْ شَقَقْتَ عَلَیَّ اَنَا ھٰھُنَا مُنْذُ ثَلَاثٍ اَنْتَظِرُکَ. (رواہ ابوداؤد)

عبداللہ بن ابی الحماء سے روایت ہے کہ میں نے بعثت سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خرید وفروخت کا معاملہ کیا۔ مجھے آپ کو کچھ دینا رہ گیا تھا اس لئے میں نے وعدہ کیا کہ میں آپ کو اسی مقام پر لا کر دیتا ہوں پھر مجھے یہ بات

یاد نہ رہی اور تین دن کے بعد یاد آئی۔ آ کر کیا دیکھتا ہوں کہ آپ برابر اسی جگہ موجود ہیں۔ آپ نے فرمایا تم نے بڑی تکلیف دی میں تین دن سے تمہارے انتظار میں یہاں موجود ہوں۔ (ابوداؤد)

لڑائی اور جھگڑا

عَنْ اِبْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ خَاصَمَ فِيْ بَاطِلٍ وَهُوَ يَعْلَمُهٗ لَمْ يَزَلْ فِيْ سَخَطِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْزِعَ. (رواہ ابوداؤد)

ابن عمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جو شخص جان بوجھ کر جھوٹے معاملہ میں جھگڑا کرے وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے تحت رہتا ہے تا آنکہ اس کو ترک نہ کردے۔ (ابوداؤد)

عَنْ عَائِشَةَؓ تَرْفَعُهٗ قَالَ اَبْغَضُ الرِّجَالِ اِلَى اللّٰهِ الْاَلَدُّ الْخَصِمُ. (روہ الشیخان)

حضرت عائشہؓ مرفوعاً روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے نزدیک انسانوں میں سب سے زیادہ مبغوض وہ شخص ہے جو ہر قسم کا جھگڑالو ہو۔ (بخاری شریف)

عَنْ زِيَادِ بْنِ حُدَيْرٍ قَالَ قَالَ لِيْ عُمَرُ هَلْ تَعْرِفُ مَا يَهْدِمُ الْاِسْلَامَ قَالَ قُلْتُ لَا قَالَ يَهْدِمُهٗ زَلَّةُ الْعَالِمِ وَجِدَالُ الْمُنَافِقِ بِالْكِتَابِ وَحُكْمُ الْاَئِمَّةِ الْمُضِلِّيْنَ. (رواہ الدارمی)

زیاد بن حُدیر بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے حضرت عمرؓ نے پوچھا جانتے ہو اسلام کو ڈھا دینے والی چیزیں کیا ہیں؟ میں نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا ایک تو عالم کی لغزش، دوم منافق کا کتاب اللہ میں بے بات جھگڑے نکالنا، سوم گمراہ حاکموں کے ظالمانہ اور جاہلانہ فیصلے۔ (دارمی)

تشریح:۔ منافق کی جتنی خصائل بد ہیں ان سب کا رشتہ کہیں نہ کہیں جا کر خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کے ساتھ لگتا ہے۔ یہاں بھی اس کے جدال کا رُخ کتاب اللہ کی طرف ہے۔ خصائل نفاق عملی جب راسخ ہو جاتے ہیں تو خدا اور رسول کے معاملہ میں بھی ظاہر ہونا شروع ہو جاتے ہیں اور آخر اس کا ثمرہ نفاق کی شکل میں نمودار ہو جاتا ہے۔

نمازوں میں کاہلی اور سستی

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَقَدْ رَأَيْتُنَا وَمَا يَتَخَلَّفُ عَنِ الصَّلٰوةِ اِلَّا مُنَافِقٌ قَدْ عُلِمَ نِفَاقُهٗ اَوْ مَرِيْضٌ. اِنْ كَانَ الْمَرِيْضُ لَيَمْشِيْ بَيْنَ رَجُلَيْنِ حَتّٰى يَاْتِيَ الصَّلٰوةَ وَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَّمَنَا سُنَنَ الْهُدٰى وَاِنَّ مِنْ سُنَنِ الْهُدٰى الصَّلٰوةُ فِي الْمَسْجِدِ الَّذِيْ يُؤَذَّنُ فِيْهِ. (رواہ مسلم)

ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ہم دیکھتے تھے کہ جماعت سے بس دو ہی شخص پیچھے رہتے تھے یا کھلا ہوا منافق یا مریض اور مریض بھی دو شخصوں کا سہارا لے کر مسجد میں آ ہی جاتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ہدایت کے راستے بتا دیئے ہیں ان میں ایک یہ ہے کہ اس مسجد میں آ کر نماز ادا کی جائے جہاں پنج وقتہ اذان دی جاتی ہو۔ (مسلم)

عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِلْكَ صَلٰوةُ الْمُنَافِقِ يَجْلِسُ يَرْقُبُ الشَّمْسَ

حَتّٰی اِذَا اصْفَرَّتْ وَكَانَتْ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ قَامَ فَنَقَرَ اَرْبَعًا لَا يَذْكُرُ اللّٰهَ فِيْهَا اِلَّا قَلِيْلًا. (رواہ مسلم)

انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ نماز تو منافق کی نماز ہے کہ آفتاب کو دیکھتا رہے (اور اس میں اتنی تاخیر کرے) کہ جب وہ زرد ہونے لگے اور شیطان کی عبادت کا وقت آ جائے تو اب اٹھے اور (جلدی جلدی) چار چونچ مار لے کہ ذکر اللہ (جو نماز کا اصل مقصد ہے) اس میں بس یونہی رہ جائے۔ (مسلم)

تشریح:۔ یہ منافق کی نماز کا نقشہ ہے جس کا دل اول تو نماز پڑھنا چاہتا ہی نہیں اور اگر بہ ہزار مشکل پڑھتا ہے تو اس وقت پڑھتا ہے جبکہ نماز کا وقت بالکل تنگ ہونے لگتا ہے پھر ایسی بے دلی سے پڑھتا ہے کہ اس کے سجدوں کی حقیقت صرف پرندے کے چونچ مارنے کے برابر رہ جاتی ہے اور چونکہ تعدیل ارکان بھی نہیں کرتا اس لئے اس کے دو سجدے گویا ایک چونچ مارنے کے برابر ہوتے ہیں۔ پھر وہ نماز جس کو ولذکر اللہ اکبر فرمایا گیا ہے اس بری طرح ادا کرتا ہے کہ اس میں ذکر کی روح بس اتنی ہی رہ جاتی ہے جتنی اس کے ظاہری رکوع وسجود میں نظر آتی ہے۔

عَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا الصُّبْحَ فَلَمَّا سَلَّمَ قَالَ اَشَاهِدٌ فُلَانٌ قَالُوْا لَا قَالَ اِنَّ هَاتَيْنِ الصَّلٰوتَيْنِ اَثْقَلُ الصَّلٰوتِ عَلَى الْمُنَافِقِيْنَ وَلَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا فِيْهِمَا لَاَتَيْتُمُوْهَا وَلَوْ حَبْوًا عَلَى الرُّكَبِ وَاِنَّ الصَّفَّ الْاَوَّلَ عَلٰى مِثْلِ صَفِّ الْمَلَائِكَةِ وَلَوْ عَلِمْتُمْ مَا فَضِيْلَتَهٗ لَابْتَدَرْتُمُوْهُ وَاِنَّ صَلٰوةَ الرَّجُلِ مَعَ الرَّجُلِ اَزْكٰى مِنْ صَلٰوتِهٖ وَحْدَهٗ وَصَلَاتُهٗ مَعَ الرَّجُلَيْنِ اَزْكٰى مِنْ صَلٰوتِهٖ مَعَ الرَّجُلِ وَمَا كَثُرَ فَهُوَ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ. (رواہ ابوداؤد والنسائی)

اُبی بن کعب سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو نماز پڑھائی جب سلام پھیر چکے تو فرمایا کیا فلاں شخص جماعت میں آیا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا نہیں فرمایا منافقین پر یہ دو نمازیں سب نمازوں سے زیادہ بار گذرتی ہیں کاش جو اجر ان میں ہے اگر تم لوگ جانتے تو گھسٹ گھسٹ کر گھٹنوں کے بل بھی آیا کرتے خوب سن لو کہ تمہاری پہلی صف ایسی افضل ہوتی ہے جیسی فرشتوں میں پہلی صف، کاش تم اس کی فضیلت جانتے تو لپک لپک کر آتے اور یہ بھی سن لو کہ آدمی کی وہ نماز جو ایک شخص کے ساتھ ہو وہ اس کی تنہا نماز سے افضل ہوتی ہے اور جو دو شخصوں کے ساتھ ہو وہ ایک شخص کی جماعت سے افضل ہے اس کے بعد جماعت جتنی بڑھتی جائے گی اس کی فضیلت بھی اسی قدر بڑھتی جائے گی۔ (ابوداؤد۔نسائی)

تشریح:۔ یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیکر دریافت فرمانا پتہ دیتا ہے کہ منافقین کا علم آپ کو تھا کہ کون کون ہیں۔

عَنْ عُثْمَانَ ابْنِ عَفَّانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَدْرَكَهُ الْاَذَانُ فِي الْمَسْجِدِ ثُمَّ خَرَجَ لَمْ يَخْرُجْ لِحَاجَةٍ وَهُوَ لَا يُرِيْدُ الرَّجْعَةَ فَهُوَ مُنَافِقٌ. (رواہ ابن ماجہ)

حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مسجد میں ہو اور اذان ہو جائے اس کے باوجود وہ بے ضرورت مسجد سے باہر چلا جائے اور اس کا ارادہ واپسی کا نہ ہو تو یہ شخص منافق ہے۔ (ابن ماجہ)

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَصْلَتَانِ لَا يَجْتَمِعَانِ فِيْ مُنَافِقٍ

حُسْنُ سَمْتٍ وَلَا فِقْهٌ فِي الدِّيْنِ. (رواه الترمذی)

ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو باتیں کسی منافق میں یک جا جمع نہیں ہوتیں اچھا طریقہ اور دین کی سمجھ۔ (ترمذی شریف)

تشریح:۔ پہلی حدیثوں میں تو ایسے خصائل کا ذکر کیا گیا تھا جن کے موجود ہونے سے ایک مومن پر بھی خالص منافق ہونے کا گمان ہوسکتا ہے اور یہاں ان فضائل کا ذکر کیا گیا ہے جن کے بعد اس پر منافق ہونے کا شبہ بھی نہیں ہوسکتا۔ پہلی حدیثوں کا منشاء یہ تھا کہ کوئی مسلمان ایسا نہ ہونا چاہئے کہ اس میں ان خصلتوں میں سے ایک خصلت بھی نظر آئے اور اس حدیث کا مقصد یہ ہے کہ کوئی مسلمان ایسا باقی نہ رہنا چاہئے جس میں یہ فضائل بیک وقت موجود نظر نہ آئیں خلاصہ یہ کہ ایک مومن کی شان یہ ہونی چاہئے کہ وہ جملہ خصائل ایمانی سے مرصع ہو اور نفاق کی ایک ایک خصلت سے منزہ ہو۔

دین کی فہم کے ساتھ اگر کوئی اپنے ظاہری افعال کو بھی حسین وخوبصورت بنالیتا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کا ظاہر و باطن درست ہو چکا اب اس میں نفاق کی کوئی گنجائش نہیں رہی۔ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ ایک شخص کے ظاہری حالات بہت اچھے نظر آئیں مگر اس کا باطن فہم دین کی رعنائی سے خالی ہو یہ انسان ظاہر پرست انسان ہے یہ خود بھی دھوکے میں مبتلا ہے اور اپنے حسن ظاہر سے دوسروں کو بھی حسن باطن کا دھوکا دینا چاہتا ہے اسی طرح جو کچھ نہ کچھ دین کی فہم تو رکھتا ہے مگر اس کے مقتضا کے مطابق اپنے ظاہر کو درست نہیں کرتا یہ بھی محروم القسمت ہے اور نفاق عملی کی بیماری میں مبتلا ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایمان صرف باطن کی اصلاح کا نام نہیں، اپنی ظاہری شکل وصورت اور حرکات وسکنات کا خوبصورت بنانا بھی اس کا ایک جزء اہم ہے اس کی توفیق کامل مسلمان ہی کو میسر آسکتی ہے۔ جو فرقہ صرف اصلاحِ باطن کے درپے ہے اور اصلاح ظاہر سے غافل ہے وہ بھی اسلام کی اصل تعلیم سے ناواقف ہے اور جو صرف ظاہری بناؤ سنوار میں لگ رہا ہے اور دین کی اصل فہم کی فکر نہیں کرتا وہ بھی جہل مرکب کا شکار ہو رہا ہے۔

عَنْ مُعَاذِ بْنِ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَمَىٰ مُؤْمِنًا مِنْ مُنَافِقٍ بَعَثَ اللّٰهُ مَلَكاً يَحْمِيْ لَحْمَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ نَارِ جَهَنَّمَ وَمَنْ رَمٰى مُسْلِمًا بِشَيْئٍ يُرِيْدُ بِهٖ شَيْنَهٗ حَبَسَهُ اللّٰهُ عَلٰى جِسْرِ جَهَنَّمَ حَتّٰى يَخْرُجَ مِمَّا قَالَ. (رواه ابوداؤد)

معاذ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کسی مسلمان کو کسی منافق کی غیبت سے بچالیا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ مقرر کرے گا جو اس کے گوشت کو دوزخ کی آگ سے محفوظ رکھے گا۔ اور جس نے کسی مسلمان کے سر ایسی بات لگائی جس کا مقصد اس کو عیب لگانا ہو اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ کے پل پر روکے رکھے گا یہانتک کہ وہ اس کی سزا بھگت کر فارغ نہ ہو لے۔ (ابوداؤد)

تشریح:۔ یہاں غیبت کرنے والے شخص کو منافق کہا گیا ہے اس سے سمجھ لینا چاہئے کہ حدیث کی اصطلاح میں منافق کا اطلاق کن معنوں میں آیا ہے۔ غیبت کرنے والے کا ظاہر و باطن بھی مختلف ہوتا ہے وہ بھی ذوالوجہین ہوتا ہے۔ غیبت کی عادت بزدلی اور بداخلاقی کا ثمرہ ہے غیبت کے مقاصد بھی وہی ہوتے ہیں جو نفاق کے۔ اس لئے یہاں ایسے شخص کو منافق سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ دراصل غیبت کی عادت سے نفرت دلانے کیلئے سب سے زیادہ مؤثر تعبیر بھی ہے اور حقیقت کی ترجمانی کے لئے سب سے قریب بھی۔

نفاق کے چند اسباب

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْغِنَاءُ يُنْبِتُ النِّفَاقَ فِى الْقَلْبِ كَمَا يُنْبِتُ الْمَاءُ الزَّرْعَ. (رواه البيهقى فى شعب الايمان)

جابر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا گانا قلب میں نفاق کو اس طرح اگاتا ہے جس طرح پانی کھیتی کو۔ (شعب الایمان)

تشریح:۔ صرف خوش آوازی منع نہیں سراور سرود کے ساتھ گانا ممنوع ہے۔

عَنْ نَافِعٍ قَالَ كُنْتُ مَعَ اِبْنُ عُمَرَ فِىْ طَرِيْقٍ فَسَمِعَ مِزْمَارًا فَوَضَعَ اِصْبَعَيْهِ فِىْ اُذُنَيْهِ وَنَا عَنِ الطَّرِيْقِ اِلَى الْجَانِبِ الْاٰخرِ ثُمَّ قَالَ لِىْ بَعْدَ اَنْ بَعُدَ يَانَافِعُ هَلْ تَسْمَعُ شَيْئًا قُلْتُ لَا فَرَفَعَ اِصْبَعَيْهِ مِنْ اُذُنَيْهِ قَالَ كُنْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَمِعَ صَوْتَ يَرَاعٍ فَصَنَعَ مِثْلَ مَا صَنَعْتُ قَالَ نَافِعٌ وَكُنْتُ اِذْ ذَاكَ صَغِيْرًا. (رواه احمد وابوداؤد)

نافع بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابن عمرؓ کے ساتھ ایک راستہ پر جارہا تھا کہ انہوں نے بانسری کی آواز سنی فوراً دونوں کانوں میں انگلیاں دے لیں اور راستہ سے دوسری جانب ہٹ کر چلنے لگے پھر جب دور نکل گئے تو مجھ سے کہا اے نافع کچھ آواز سنتا ہے میں نے کہا نہیں یہ سن کر اپنی انگلیاں کانوں سے نکال لیں پھر فرمایا میں رسول اللہ کے ہمراہ تھا آپ نے بانسری کی آواز سنی تو یہی عمل کیا جو میں نے اب تیرے سامنے کیا تھا۔ نافع کہتے ہیں کہ میں اس وقت بچہ تھا (اس لئے میں کان کھولے رہا۔) (ابوداؤد)

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَنْ تَرَكَ الْجُمُعَةَ مِنْ غَيْرِ ضَرُوْرَةٍ كُتِبَ مُنَافِقًا فِىْ كِتَابٍ لَا يُمْحٰى وَلَا يُبَدَّلُ. وفى بعض الروايات ثلاثًا. (رواه الشافعى كما فى المشكوة)

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے کسی عذر کے بغیر جمعہ ترک کیا اس کا نام ایسے دفتر میں منافق لکھ دیا جائے گا جس میں کوئی ترمیم و تنسیخ نہیں کی جاتی۔ (مشکوٰۃ شریف)

نفاق سے علیحدہ ہونا

عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى لِلّٰهِ اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا فِىْ جَمَاعَةٍ يُدْرِكُ التَّكْبِيْرَةَ الْاُوْلٰى كُتِبَ لَهٗ بَرَاءَتَانِ بَرَاءَةٌ مِنَ النَّارِ وَبَرَاءَةٌ مِنَ النِّفَاقِ. (رواه الترمذى والصحيح وقفه)

انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص چالیس دن برابر جماعت کے ساتھ اس طرح نماز پڑھتا رہے کہ اس کی تکبیر اولیٰ بھی فوت نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے حق میں دو باتوں سے براءت لکھ دی جاتی ہے۔ عذاب دوزخ سے اور مرضِ نفاق سے۔ (ترمذی شریف)

تشریح:۔ چالیس کے عدد میں کوئی ایسی خاص برکت پنہاں ہے کہ اس کا تذکرہ آپ کی حراء میں خلوتوں تک میں ملتا ہے۔ حضرت موسیٰؑ نے جس میقات کو پورا کیا وہ بھی قرآن کریم میں چالیس راتیں بتائی گئی ہیں۔ حدیثوں میں اور بہت جگہ بھی اس خاص عدد کا ذکر آیا

ہے صوفیاء کرام نے اس کا نام ہی چلہ رکھ لیا ہے۔ اب آپ یوں سمجھ لیجئے کہ جو شخص ایک چلہ با جماعت نماز پڑھ لے اس کو یہ دو برائتیں نصیب ہو جاتی ہیں یا اپنے دل کو یوں تسلی دے لیجئے کہ ایک چلہ پابندی وہی کر سکے گا جس کے نصیب میں یہ دو سعاتیں لکھی جا چکی ہیں۔

منافق کی تعظیم کرنا

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُوْلَنَّ لِلْمُنَافِقِ سَيِّدٌ فَاِنَّهُ اِنْ يَّكُنْ فَقَدْ اَسْخَطْتُمْ رَبَّكُمْ. (رواہ ابوداؤد)

عبداللہ بن بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منافق کو ہرگز سید اور سردار کا لفظ نہ کہنا کیونکہ اگر درحقیقت وہ سردار ہو بھی پھر بھی تم نے اپنے پروردگار کو ناراض کرنے کا سامان کرلیا۔ (ابوداؤد)

تشریح:۔ یعنی اگر شومئ قسمت سے منافق سردار بن بھی جائے جب بھی اس کے حق میں تعظیمی کلمہ کہنا رب العزۃ کی ناراضگی کا موجب ہے یاد رکھئے جس طرح اکرام مومن دین اسلام کا ایک شعبہ اور رب العزت کی رضامندی کا باعث ہے اسی طرح اکرام منافق اسکی ناراضگی کا سبب ہے۔

نفاق سے پناہ مانگنے کی چند دعائیں

عَنْ اُمِّ مَعْبَدٍ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ طَهِّرْ قَلْبِىْ مِنَ النِّفَاقِ وَعَمَلِىْ مِنَ الرِّيَاءِ وَلِسَانِىْ مِنَ الْكِذْبِ وَعَيْنِىْ مِنَ الْخِيَانَةِ فَاِنَّكَ تَعْلَمُ خَائِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِى الصُّدُوْرُ. (رواہ البیھقی فی الدعوات الکبیر)

ام معبد روایت فرماتی ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دعا فرماتے خود سنا ہے خدایا! میرے قلب کو نفاق سے، میرے عمل کو ریا سے، میری زبان کو جھوٹ سے اور میری آنکھ کو خیانت سے پاک وصاف کردے۔ تو خوب جانتا ہے کہ خیانت کرنے والی آنکھ کون ہے اور ان باتوں کو بھی خوب جانتا ہے جو دلوں میں پوشیدہ ہوتی ہیں۔

تشریح:۔ قلب کا مرض نفاق ہے عمل کا نمایش، زبان کا دروغگوئی اور آنکھوں کا نظریں چرا کر محرمات کو دیکھنا، سبحان اللہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے دعائیہ کلمات کتنے جزیل ہیں کہ ان مختصر سے کلمات میں ان تمام خاص خاص امراض سے نجات کی دعا سکھادی۔ جو ان قیمتی اعضاء کو فاسد کر سکتے تھے۔

عَنْ عُمَرَ قَالَ عَلَّمَنِىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قُلْ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ سَرِيْرَتِىْ خَيْرًا مِنْ عَلَانِيَتِىْ وَاجْعَلْ عَلَانِيَتِىْ صَالِحَةً اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْأَلُكَ مِنْ صَالِحِ مَاتُؤْتِى النَّاسَ مِنَ الْاَهْلِ وَالْمَالِ وَالْوَلَدِ غَيْرَ الضَّالِّ وَلَا الْمُضِلِّ. (رواہ الترمذی)

عمرؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو یہ دعا تعلیم فرمائی اور فرمایا کہ یوں دعا کیا کرو خدایا میرے باطن کو میرے ظاہر سے بہتر بنادے اور میرے ظاہر کو بھی بہتر بنادے خدایا میں تجھ سے وہ تمام اچھی اچھی چیزیں مانگتا ہوں جو

لوگوں کوعطا فرماتا ہے، نیک بی بی، حلال مال اور نیک اولاد جو نہ خود گمراہ ہو نہ دوسروں کو گمراہ کرنے والی ہو۔ (ترمذی شریف)

تشریح:۔ نفاق یہ ہے کہ انسان کا باطن اس کے ظاہر سے بدتر ہو اس لئے آپ نے اس دعا کی تعلیم دی کہ انسان کا باطن اس کے ظاہر سے بہتر ہو جائے پھر اس دعا کی تکمیل کیلئے ارشاد فرمایا کہ ظاہر بھی بہتر فرما دے گویا انسان کا کمال یہ ہے کہ اس کا ظاہر و باطن دونوں ہی بہتر ہوں مگر باطن کا حسن ظاہر کے حسن پر مقدم ہے اگر کسی کا ظاہر اس کے باطن سے زیادہ حسین ہے تو وہ بھی خسارہ میں ہے کامیاب وہ ہے جس کے دونوں رخ حسین ہوں اور اس کا باطنی رخ ظاہر سے بھی حسین تر ہو۔ منافق حسن باطن سے بے نصیب ہے۔ وہ نفاق حقیقی یا نفاق عملی سے متعفن ہوتا ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ یَقُوْلُ اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الشِّقَاقِ وَالنِّفَاقِ وَسُوْءِ الْاَخْلَاقِ. (رواہ ابوداؤد والنسائی)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوں دعاء فرمایا کرتے تھے خدایا میں تیری پناہ لیتا ہوں اختلاف، نفاق اور بُرے اخلاق سے۔

تشریح:۔ شقاق اور بدخلقی یہ نفاق کے لوازم میں سے ہیں اس حدیث میں گویا نفاق اور اس کے لوازم سے پناہ مانگنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ اس قسم کے دعائیہ کلمات سے یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ شرعی نظر میں نفاق کی اہمیت کیا ہے۔ اور قلوب میں اس مرض کے پیدا ہونے کا کتنا اندیشہ ہوسکتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ گذشتہ احادیث میں آپ صحابہ کرام کے خوف وخشیۃ کا حال پڑھ چکے ہیں۔ جو اعمال نفاق آپ نے گذشتہ اوراق میں پڑھے ہر شخص کی زندگی میں کبھی نہ کبھی پیش آ ہی جاتے ہیں کسی موقعہ پر انسانی لغزش سے جھوٹ بھی سرزد ہو جاتا ہے وعدہ خلافی بھی ہو جاتی ہے کبھی بر بنا، بشریۃ انسان جھگڑا بھی کر لیتا ہے پھر خیانت کی کوئی جزئی بھی پیش آ ہی جاتی ہے۔ پھر ہر شخص کے معیارِ دین کے مطابق بعض مرتبہ ان اسماء کا اطلاق ایسے اعمال پر ہو جاتا ہے جو درحقیقت اس کے مصداق نہیں ہوتے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ کی ذاتِ گرامی کو ملاحظہ کیجئے انہوں نے کیسی کیسی سچی باتوں کو بھی اپنی شانِ رفیع کے مطابق کذب سمجھا اور ان سے اتنا متاثر ہوئے کہ محشر میں نظر نہ اٹھائیں گے۔



كِتَابُ الذِّكْرِ

عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ وَاَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم لَا يَقْعُدُ قَوْمٌ يَّذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا حَفَّتْهُمُ الْمَلٰئِكَةُ وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَنَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيْمَنْ عِنْدَهٗ. (رواه مسلم)

حضرت ابو ہریرہ اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ''جب بھی اور جہاں بھی بیٹھ کر کچھ بندگانِ خدا اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں تو لازمی طور پر فرشتے ہر طرف سے ان کے گرد جمع ہو جاتے ہیں اور ان کو گھیر لیتے ہیں اور رحمت الٰہی ان پر چھا جاتی ہے اور ان کو اپنے سایہ میں لے لیتی ہے اور ان پر سکینہ کی کیفیت نازل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے ملائکہ مقربین میں ان کا ذکر فرماتا ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... اس حدیث سے صراحۃً معلوم ہوا کہ اللہ کے کچھ بندوں کے ایک جگہ جمع ہو کر ذکر کرنے کی خاص برکات ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی حدیث کی شرح میں فرمایا ہے:

''اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ مسلمانوں کا جمع ہو کر ذکر وغیرہ کرنا رحمت وسکینت اور قرب ملائکہ کا خاص وسیلہ ہے۔'' (حجۃ اللہ البالغہ، ص:۷۰، جلد:۲)

اس حدیث میں اللہ کا ذکر کرنے والے بندوں کیلئے چار خاص نعمتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ایک یہ کہ ہر طرف سے اللہ کے فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ رحمت الٰہی ان کو اپنے آغوش اور سایہ میں لے لیتی ہے، اور ان دونوں نعمتوں کے لازمی نتیجہ کے طور پر تیسری نعمت ان کو یہ حاصل ہوتی ہے کہ ان کے قلب پر ''سکینت'' نازل ہوتی ہے، جو عظیم ترین روحانی نعمتوں میں سے ہے۔ یہاں سکینت سے مراد خاص درجہ کا قلبی اطمینان اور روحانی سکون ہے جو اللہ کے خاص بندوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خصوصی عطیہ کے طور پر نصیب ہوتا ہے، اسی کو اہل سلوک ''جمعیت قلبی'' بھی کہتے ہیں۔ اس دولت اور نعمت کا صاحب سکینہ کو احساس اور شعور بھی ہوتا ہے۔ اور ذاکر بندوں کو ملنے والی چوتھی نعمت جس کا اس حدیث میں سب سے آخر میں ذکر کیا گیا ہے۔ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ملائکہ مقربین کے حلقہ میں ان ذاکر بندوں کا ذکر فرماتے ہیں۔ مثلاً فرماتے ہیں کہ: ''دیکھو آدمؑ ہی کی اولاد میں سے میرے یہ بھی بندے ہیں جنہوں نے مجھے دیکھا نہیں غائبانہ ہی ایمان لائے ہیں، اس کے باوجود محبت وخشیت کی کیسی کیفیت اور کیسے ذوق وشوق اور کیسے سوز وگداز کے ساتھ میرا ذکر کر رہے ہیں۔ بلاشبہ مالک الملک کا اپنے مقرب فرشتوں کے سامنے اپنے بندوں کا اس طرح ذکر فرمانا وہ سب سے بڑی نعمت ہے جس سے آگے کسی نعمت کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ اس سے محروم نہ رکھے۔

عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ اَنَا مَعَ

عَبۡدِیۡ اِذَا ذَکَرَنِیۡ وَتَحَرَّکَتۡ بِیۡ شَفَتَاہُ. (رواہ البخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ "اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جس وقت بندہ میرا ذکر کرتا ہے اور میری یاد میں اس کے ہونٹ حرکت کرتے ہیں تو اس وقت میں اپنے اس بندہ کے ساتھ ہوتا ہوں۔" (صحیح بخاری)

تشریح:۔ اللہ تعالیٰ کی ایک معیت وہ ہے جو اس کائنات کی ہر اچھی بری چیز کو اور ہر مومن و کافر کو ہر وقت حاصل ہے۔ کوئی چیز بھی کسی وقت اللہ سے دور نہیں، اللہ ہر چیز کو محیط ہے، ہر جگہ اور ہمہ وقت حاضر و ناظر ہے۔ اور ایک معیت رضا اور قبول والی معیت ہے۔ اس حدیث قدسی میں جس معیت کا ذکر ہے اور یہی رضا اور قبول والی معیت ہے۔ اور حدیث کا مدعا یہ ہے کہ جب میرا بندہ میرا قرب اور میری رضا حاصل کرنے کیلئے میرا ذکر کرتا ہے تو اس کو میرے قرب و رضا کی دولت فوراً مل جاتی ہے جو وہ ذکر کے ذریعہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس دولت کی طلب، اس کا ذوق و شوق اور پھر وہ دولت نصیب فرمائے۔

عَنۡ اَبِیۡ هُرَيۡرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يَسِيۡرُ فِیۡ طَرِيۡقِ مَكَّةَ فَمَرَّ عَلٰى جَبَلٍ يُّقَالُ لَهٗ جُمۡدَانُ فَقَالَ سِيۡرُوۡا هٰذَا جُمۡدَانُ سَبَقَ الۡمُفَرِّدُوۡنَ قَالُوۡا وَمَا الۡمُفَرِّدُوۡنَ يَارَسُوۡلَ اللّٰهِ؟ قَالَ الذَّاكِرُوۡنَ اللّٰهَ كَثِيۡرًا وَّالذّٰكِرَاتِ. (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک سفر میں مکہ مکرمہ کی طرف تشریف لئے جا رہے تھے، راستے میں جمدان نامی پہاڑ پر سے گزر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ پہاڑ جمدان ہے، مُفَرِّدُوۡن سبقت لے گئے۔ عرض کیا گیا: مُفَرِّدُوۡن کون لوگ ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ کا زیادہ ذکر کرنے والے بندے اور زیادہ ذکر کرنے والی بندیاں۔ (صحیح مسلم)

تشریح:۔ جمدان ایک پہاڑی کا نام ہے جو مدینہ طیبہ کے قریب ہی ایک دن کی مسافت پر ہے۔ متعدد حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین کے جس حصہ پر اللہ کا نام لیا جاتا ہے اس کا شعور و احساس اس حصہ زمین کو ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ "ایک پہاڑ دوسرے پہاڑ سے پوچھتا ہے کہ کیا آج اللہ کا نام لینے والا کوئی بندہ تجھ پر سے گزرا؟" جب وہ بتاتا ہے کہ ہاں گزرا، تو وہ کہتا ہے کہ "تجھے بشارت ہو، مبارک ہو!" معلوم ہوتا ہے کہ جمدان پہاڑ پر سے گزرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ بات منکشف ہوئی کہ جو زیادہ ذکر کرنے والے بندے اور بندیاں ہیں انہوں نے قبول و رضا کے بڑے بڑے مقامات حاصل کر لئے اور وہ بہت آگے بڑھ گئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بات فرمائی کہ مُفَرِّدُوۡن یعنی بہت زیادہ ذکر کرنے والے سبقت لے گئے۔ مُفَرِّدُوۡن کے لغوی معنی ہیں اپنے کو سب سے الگ اور اکیلا اور ہلکا پھلکا کر لینے والے۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ کے قرب و رضا کی طلب میں اپنے کو اس دنیا کی الجھنوں سے ہلکا کر لیں، اور سب طرف سے کٹ کے اکیلے اللہ کے ہو جائیں، یہی مقام تفرید ہے، اور یہی قرآن مجید کی خاص اصطلاح میں تَبَتُّلۡ ہے (وَاذۡكُرِ اسۡمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلۡ اِلَيۡهِ تَبۡتِيۡلًا) پس "اَلذّٰكِرُوۡنَ اللّٰهَ كَثِيۡرًا وَّالذّٰكِرَاتِ" کے مصداق وہی بندے ہیں جن کا یہ حال ہو اور جنہوں نے ہر طرف سے کٹ کر اللہ جل جلالہ کو اپنا قبلہ مقصود بنا لیا ہو۔

عَنۡ عَبۡدِاللّٰهِ بۡنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اَنَّهٗ كَانَ يَقُوۡلُ لِكُلِّ شَیۡءٍ صِقَالَةٌ

وَصِقَالَةُ الْقُلُوْبِ ذِكْرُاللهِ وَمَا مِنْ شَيْءٍ اَنْجٰى مِنْ عَذَابِ اللهِ مِنْ ذِكْرِاللهِ، قَالُوْا وَلَا الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ قَالَ وَلَا اَنْ يَّضْرِبَ بِسَيْفِهٖ حَتّٰى يَنْقَطِعَ. (رواه البيهقى فى الدعوات الكبير)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ: "ہر چیز کی صفائی کیلئے کوئی صیقل ہے، اور قلوب کی صیقل (یعنی ان کی صفائی کا خاص مسالہ) ذکر اللہ ہے اور اللہ کے عذاب سے بچانے اور نجات دلانے میں اللہ کا ذکر جس قدر مؤثر ہے اتنی کوئی دوسری چیز مؤثر نہیں۔" لوگوں نے عرض کیا۔ "یا رسول اللہ! کیا جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں؟" آپ نے ارشاد فرمایا: "ہاں! وہ جہاد بھی عذاب خداوندی سے نجات دلانے میں ذکر کے برابر مؤثر نہیں جس کا کرنے والا ایسی جانبازی سے جہاد کرے کہ تلوار چلاتے چلاتے اس کی تلوار بھی ٹوٹ جائے۔ (دعوات کبیر للبیہقی)

تشریح...... اصل حقیقت یہی ہے کہ سارے اعمال صالحہ کے مقابلہ میں "ذکر اللہ" افضل اور عنداللہ محبوب تر ہے (وَلَذِكْرُ اللهِ اَكْبَرُ) بندے کو اللہ تعالیٰ کا جو قرب اور اس کی وجہ سے جو سعادت اور شرف ذکر کے وقت حاصل ہوتا ہے وہ کسی دوسرے عمل کے وقت نہیں ہوتا، بشرطیکہ یہ ذکر عظمت اور محبت وخشیت اور دل کی توجہ کے ساتھ ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فَاذْكُرُوْنِيْ اَذْكُرْكُمْ" (تم مجھے یاد کرو میں تم کو یاد کروں گا) اور حدیث قدسی: "اَنَا جَلِيْسُ مَنْ ذَكَرَنِيْ"...... "وَاَنَا مَعَ عَبْدِيْ اِذَا ذَكَرَنِيْ وَتَحَرَّكَتْ بِيْ شَفَتَاهُ" (میں اپنے ذکر کرنے والے بندے کے ساتھ اور اس کا ہم نشین رہتا ہوں)۔۔۔ اور میرا بندہ جب میرا ذکر کرتا ہے اور اس کے لب میرا ذکر کرنے سے حرکت کرتے ہیں تو بس میں اس کے بالکل پاس اور ساتھ ہوتا ہوں) بہر حال قرآن وحدیث کے ان واضح نصوص کا مدعا یہی ہے کہ تمام اعمال صالحہ میں ذکر اللہ ہی افضل اور عنداللہ محبوب تر اور اس کے قرب ورضا کا خاص الخاص وسیلہ ہے۔ البتہ یہ ملحوظ رہے کہ اس ذکر میں نماز اور تلاوت قرآن وغیرہ اس قسم کی عبادات سب داخل ہیں۔

عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ بُسْرٍ قَالَ جَاءَ اَعْرَابِيٌّ اِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه و آله وسلم فَقَالَ اَيُّ النَّاسِ خَيْرٌ؟ فَقَالَ طُوْبٰى لِمَنْ طَالَ عُمْرُهٗ وَحَسُنَ عَمَلُهٗ قَالَ يَارَسُوْلَ اللهِ اَيُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ؟ قَالَ اَنْ تُفَارِقَ الدُّنْيَا وَلِسَانُكَ رَطْبٌ مِنْ ذِكْرِاللهِ. (رواه احمد والترمذى)

حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوچھا کہ: "یارسول اللہ! آدمیوں میں کون بہتر ہے؟ (یعنی کس قسم کے آدمیوں کا انجام زیادہ اچھا ہونے والا ہے) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ "وہ لوگ جن کی عمر زیادہ ہو اور عمل اچھے ہوں۔" پھر انہوں نے پوچھا کہ: "یارسول اللہ! اعمال میں کونسا عمل افضل ہے؟" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "یہ کہ تم دنیا کو خیر باد کہو اور اس وقت تمہاری زبان اللہ کے ذکر سے تر ہو۔ (مسند احمد، جامع ترمذی)

تشریح...... پہلے سوال کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کچھ فرمایا اس کی وجہ ظاہر ہے کہ اچھے اعمال کے ساتھ عمر جتنی زیادہ ہوگی بندہ اتنی ہی ترقی کرے گا اور اللہ تعالیٰ کی رضا ورحمت کا اسی قدر زیادہ مستحق ہوگا۔ دوسرے سوال کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے اچھا عمل یہ بتایا کہ مرتے دم تک اور خاص کر آخری وقت میں بندہ اللہ کے ذکر سے رطب اللسان ہو۔ یعنی اس کی زبان پر ذوق اور لذت کے ساتھ اللہ کا نام ہو۔ بلاشبہ یہ عمل اور یہ حال بڑا ہی عزیز اور قیمتی ہے،

اور جو بندہ اس کی قدر جانتا ہو وہ سب کچھ دے کے بھی اس کو لینے کیلئے خوشی سے آمادہ ہوگا۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ بات اسی بندے کو نصیب ہوگی جو زندگی میں اللہ کے ذکر سے خاص مناسبت پیدا کرلے، اور ذکر اللہ اس کی روح کی غذا بن جائے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه و آله وسلم لَا تُكْثِرُ واالْكَلَامَ بِغَيْرِ ذِكْرِ اللّٰهِ فَإِنَّ كَثْرَةَ الْكَلَامِ بِغَيْرِ ذِكْرِ اللّٰهِ قَسْوَةٌ لِلْقَلْبِ وَإِنَّ اَبْعَدَالنَّاسِ مِنَ اللّٰهِ الْقَلْبُ الْقَاسِيْ. (رواه الترمذی)

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: ''اللہ کے ذکر کے بغیر زیادہ کلام نہ کیا کرو، کیونکہ اس سے دل میں قساوت (سختی اور بے حسی) پیدا ہوتی ہے اور لوگوں میں وہ آدمی اللہ سے زیادہ دور ہے جس کے قلب میں قساوت ہو۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو آدمی اللہ کے ذکر کے بغیر زبان زیادہ چلانے کا عادی ہوگا، اس کے دل میں قساوت یعنی بے حسی اور بے نوری پیدا ہوگی اور وہ اللہ کے قرب اور اس کی خاص رحمت سے محروم رہے گا۔ اعاذنا اللہ منہ۔

ذکر کے کلمات اوران کی فضیلت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس طرح اللہ کے ذکر کی ترغیب دی اور تاکید فرمائی اسی طرح اس کے خاص کلمات بھی تلقین فرمائے، اگر یہ نہ ہوتا تو اس کا امکان تھا کہ علم و معرفت کی کمی کی وجہ سے بہت سے لوگ اللہ کا ذکر اس طرح کرتے جو اس کے شایان شان نہ ہوتا، یا جس سے بجائے حمد وثناء کے معاذ اللہ اس کی تنقیص ہوتی۔ عارف رومی نے اپنی مثنوی میں حضرت موسیٰ اور ایک چرواہے کی جو حکایت بیان کی ہے وہ اسی کی ایک مثال ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کلمات ذکر تلقین فرمائے ہیں وہ معنوی لحاظ سے مندرجہ ذیل چند قسموں میں سے کسی ایک قسم کے ہیں: یا تو ان میں اللہ تعالیٰ کی تنزیہ اور تقدیس ہے (یعنی ان کا مفہوم اور مدعا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر اس بات سے منزہ اور پاک ہے جس میں عیب ونقص کا شائبہ بھی ہو (''سُبْحَانَ اللّٰهِ'') کا یہی مفہوم اور مدعا ہے۔ یا ان میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا ہے (یعنی ان کا مفہوم اور مدعا یہ ہے کہ ساری خوبیاں اور تمام کمالی صفات اللہ تعالیٰ میں ہیں اور اس لئے حمد وثناء اسی کو سزاوار ہے۔ ''اَلحَمدُ لِلّٰهِ'' کی یہی خصوصیت ہے یا ان میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی شان یکتائی کا بیان ہے۔ چنانچہ لا الہ الا اللہ کی یہی خصوصیت ہے یا ان میں اللہ تعالیٰ کی شان یہ عالی کا اظہار ہے کہ ہم نے اس کے بارے میں منفی اور مثبت طور پر جو کچھ جانا اور سمجھا ہے اللہ تعالیٰ اس سے بھی بلند و بالا اور وراء الوراء ہے اللہ اکبر کا یہی مفہوم ومدعا ہے۔ یا ان کلمات میں اس حقیقت کا اظہار ہے کہ سب کچھ کرنے والا اللہ ہی ہے اس کے سوا کسی کے بس میں کچھ نہیں، لہٰذا وہی اس کا حقدار ہے کہ اس سے مدد مانگی جائے اور اس پر بھروسہ کیا جائے۔ ''لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ'' کی یہی نوعیت اور خصوصیت ہے۔

اس طرح کے کلمات ذکر کے علاوہ مختلف اوقات اور مختلف حاجتوں کے لئے دعائیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تعلیم فرمائیں۔ ان کے بارے میں ان شاء اللہ آگے مستقلاً لکھا جائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آگے درج ہونے والی حدیثوں میں جن کلمات ذکر کی تلقین فرمائی ہے وہ اختصار کے باوجود اللہ تعالیٰ کی تنزیہ وتقدیس اور تحمید وتوحید اور اس کی شان کبریائی وصمدیت کے بیان میں بلاشبہ معجزانہ شان رکھتے ہیں اور اس کی معرفت کے گویا دروازے ہیں۔

عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم لَاَنْ اَقُوْلَ سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُلِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاللهُ اَكْبَرُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ. (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس دنیا کی وہ تمام چیزیں جن پر سورج کی روشنی اور اس کی شعاعیں پڑتی ہیں، ان سب چیزوں کے مقابلے میں مجھے یہ زیادہ محبوب ہے کہ میں ایک دفعہ "سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاللهُ اَكْبَرُ" کہوں۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... ان چاروں کلموں کا اجمالی مفہوم اوپر کی تمہیدی سطروں میں ذکر کیا جا چکا ہے۔ اس سے یہ اندازہ بھی ہو گیا ہوگا کہ یہ نہایت مختصر اور ہلکے پھلکے چار کلمے اللہ تعالیٰ کی تمام مثبت ومنفی صفات کمال پر کس قدر حاوی ہیں۔ بعض عرفاء کاملین نے لکھا ہے کہ:۔

اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء حسنیٰ جو اس کی تمام صفات کمال کی ترجمانی کرتے ہیں ان میں سے کسی کا مفہوم بھی ان چار کلموں سے باہر نہیں ہے۔ مثلاً اَلْقُدُّوْسُ، اَلسَّلَامُ، اَلطَّاهِرُ جیسے اسماء جو اللہ تعالیٰ کی ذات پاک سے ہر عیب ونقص کی نفی کرتے ہیں۔ سبحان اللہ کا مفہوم ان سب پر حاوی ہے۔ اسی طرح اَلرَّحْمٰنُ، اَلرَّحِيْمُ، اَلْكَرِيْمُ، اَلْعَلِيْمُ، اَلْقَدِيْرُ، اَلسَّمِيْعُ، اَلْبَصِيْرُ، اَلْعَزِيْزُ، اَلْحَكِيْمُ جیسے وہ تمام اسماء حسنیٰ جو اللہ تعالیٰ کی ایجابی صفات کمال پر دلالت کرتے ہیں، وہ سب الحمد للہ کے احاطے میں آ جاتے ہیں۔ اسی طرح جو اسماء حسنیٰ اس کی وحدانیت ویکتائی اور اس کی شان لاشریکی وبے مثالی پر دلالت کرتے ہیں، جیسے اَلْوَاحِدُ، اَلْاَحَدُ وغیرہ، ان کی پوری ترجمانی کلمہ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ" کرتا ہے۔ علیٰ ہذا اَلْعَلِيُّ، اَلْاَعْلٰى، اَلْكَبِيْرُ، اَلْمُتَعَالِي جیسے اسماء حسنیٰ جن کا مفہوم ومدعا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو جو کچھ کسی نے جانا اور سمجھا ہے اللہ تعالیٰ اس سے بھی بلند وبالا اور وراء الوراء ہے۔ بلاشبہ "اَللهُ اَكْبَرُ" اس حقیقت کی بہترین تعبیر ہے۔

پس جس نے دل کے شعور ویقین کے ساتھ کہا "سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُلِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاللهُ اَكْبَرُ" اس نے اللہ کی ساری ثناء وصفت بیان کر دی اور تمام اسماء حسنیٰ میں اللہ تعالیٰ کی جن ایجابی یا سلبی صفات کمال کا بیان ہے دل سے ان سب کی شہادت دے دی، اس لئے یہ چار کلمے اپنی قدر وقیمت اور عظمت وبرکت کے لحاظ سے بلاشبہ اس ساری کائنات کے مقابلے میں فائق ہیں جس پر سورج کی روشنی یا اس کی شعاعیں پڑتی ہیں۔ جن قلوب کو ایمان کی دولت نصیب ہے ان کے لئے یہ حقیقت بالکل وجدانی ہے۔ اللہ تعالیٰ ایمان کی یہ دولت نصیب فرمائے۔

عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم مَنْ قَالَ سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ فِيْ يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ حُطَّتْ خَطَايَاهُ وَاِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ. (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے روزانہ سو دفعہ کہا (سُبْحَانَ

اللهِ وَبِحَمْدِهٖ) اس کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اگرچہ کثرت میں سمندر کے جھاگوں کے برابر ہوں۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح...... "سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ" کا مطلب وہی ہے جو " سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ" کا ہے، یعنی ہر اس بات سے اللہ تعالیٰ کی تنزیہہ وتقدیس جو اس کے شایان شان نہیں ہے اور جس میں ذرا بھی قصور یا عیب کا کوئی شائبہ ہے، اور اسی کے ساتھ تمام صفات کمال کا اس کی ذات عالی کے لئے اثبات اور اس کی بناء پر اس کی حمد وثنا اس طرح یہ مختصر کلمہ "سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ" اس سب پر حاوی ہے جو سلبی یا ایجابی طور پر اللہ تعالیٰ کی ثناء وصفت کہا جا سکتا ہے۔ حدیث سابق کی طرح اس حدیث میں مختصر دوحرفی کلمہ کی یہ تاثیر بیان کی گئی ہے کہ جو بندہ روزانہ یہ کلمہ سو دفعہ پڑھے تو اس کے سارے گناہ دور ہو جائیں گے اور وہ گناہوں کی گندگی سے پاک صاف ہو جائے گا، اگرچہ اس کے گناہ سمندر کے جھاگوں کے برابر حد وحساب سے باہر ہوں۔ گویا جس طرح تیز روشنی اندھیرے کو ایک دم ختم کر دیتی ہے، اور جس طرح سخت تپش بالخاصہ نمی اور رطوبت کو فنا کر دیتی ہے اسی طرح اللہ کا ذکر اور دوسری نیکیاں گناہوں کے گندے اثرات کو فنا کر دیتی ہیں۔ لیکن جیسا کہ قرآن مجید کی بعض آیات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ نیکیوں کی برکت اور تاثیر سے صرف وہ خطائیں معاف ہوتی ہیں جو "کبیرہ" درجہ کی نہ ہوں، اس لئے بڑے درجہ کے گناہ جن کو خاص اصطلاح میں "گناہ کبیرہ" کہا جاتا ہے۔ ان کی معافی کے لئے توبہ واستغفار ضروری ہے۔ واللہ اعلم۔

عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم كَلِمَتَانِ خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيْلَتَانِ فِي الْمِيْزَانِ حَبِيْبَتَانِ اِلَى الرَّحْمٰنِ سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيْمِ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "دو کلمے زبان پر ہلکے پھلکے، میزان اعمال میں بڑے بھاری اور خداوند مہربان کو بہت پیارے۔ "سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ، سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيْمِ." (صحیح بخاری ومسلم)

تشریح...... ان دو کلموں کا زبان پر ہلکا ہونا تو ظاہر ہے، اور اللہ تعالیٰ کو محبوب ہونا بھی آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے، لیکن میزان اعمال میں بھاری ہونے والی بات کا سمجھنا شاید بعض لوگوں کے لئے آسان نہ ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ جس طرح مادی چیزیں ہلکی اور بھاری ہوتی ہیں اور ان کا وزن معلوم کرنے کے لئے آلات ہوتے ہیں جن کو میزان (ترازو یا کانٹا) کہا جاتا ہے اسی طرح بہت سی غیر مادی چیزیں بھی ہلکی اور بھاری ہوتی ہیں اور ان کا ہلکا اور بھاری پن بتانے والا آلہ ہوتا ہے۔ وہی اس کی میزان ہوتی ہے۔ مثلاً حرارت اور برودت یعنی گرمی اور ٹھنڈک ظاہر ہے کہ مادی چیزیں نہیں ہیں بلکہ کیفیات ہیں، لیکن ان کا ہلکا اور بھاری پن تھرمامیٹر کے ذریعہ معلوم کیا جاتا ہے۔ اسی طرح قیامت میں اللہ کے نام کا وزن ہوگا، کلمات ذکر کا وزن ہوگا، تلاوت قرآن کا وزن ہوگا، نماز کا وزن ہوگا۔ ایمان کا اور اللہ تعالیٰ کے خوف اور اس کی محبت کا وزن ہوگا۔ اس وقت یہ بات کھل کر سامنے آئے گی کہ بعض بہت ہلکے پھلکے کلمے بے حد وزنی ہوں گے۔ ایک دوسری حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: اللہ کے نام کے مقابلے میں کوئی چیز بھی بھاری اور وزنی ہوگی۔ لا یزن مع اسم الله شئی اس کلمہ "سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ، سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيْمِ." کا مطلب یہ ہے کہ میں اللہ کی پاکی بیان کرتا ہوں اس کی حمد وستائش کے ساتھ، میں اللہ کی پاکی بیان کرتا ہوں جو بڑی عظمت والا ہے۔

عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِي وَقَّاصٍ اَنَّهٗ دَخَلَ مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم عَلٰى اِمْرَأَةٍ وَبَيْنَ

يَدَيْهَا نَوًى اَوْ حَصًى تُسَبِّحُ بِهٖ فَقَالَ اَلَا اُخْبِرُكِ بِمَا هُوَ اَيْسَرُ عَلَيْكِ مِنْ هٰذَا اَوْ اَفْضَلُ سُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ مَا خَلَقَ فِي السَّمَاءِ سُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ مَا خَلَقَ فِي الْاَرْضِ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ مَا بَيْنَ ذٰلِكَ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ مَا هُوَ خَالِقٌ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ مِثْلَ ذٰلِكَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ مِثْلَ ذٰلِكَ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مِثْلَ ذٰلِكَ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ مِثْلَ ذَالِكَ. (رواہ الترمذی وابوداؤد)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ پہنچے ایک بیوی کے پاس اوران کے آگے کھجور کی کچھ گٹھلیاں تھیں، (یا سنگریزے تھے) وہ ان گٹھلیوں (یا سنگریزوں) پر تسبیح پڑھ رہی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: ”میں تم کو وہ نہ بتادوں جو تمہارے لئے اس سے زیادہ آسان ہے۔ (یا فرمایا کہ اس سے افضل ہے) وہ یہ ہے کہ تم اس طرح کہو:

سُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ مَا خَلَقَ فِي السَّمَاءِ...... وَسُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ مَا خَلَقَ فِي الْاَرْضِ...... وَسُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ مَا بَيْنَ ذٰلِكَ...... وَسُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ مَا هُوَ خَالِقٌ.

سبحان اللہ ساری مخلوق کی تعداد کے مطابق۔ سبحان اللہ ساری زمینی مخلوقات کی تعداد کے مطابق۔ سبحان اللہ زمین و آسمان کے درمیان کی ساری مخلوقات کی تعداد کے مطابق جس کو وہ ابدالآباد تک پیدا فرمانے والا ہے۔

اور (**الله اکبر**) اسی طرح، اور (**الحمدلله**) اسی طرح اور (**لا اله الا الله**) اسی طرح اور (**لا حول ولا قوة الا بالله**) اسی طرح (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

تشریح...... ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ زیادہ ثواب حاصل کرنے کا ایک طریقہ جس طرح کثرت ذکر ہے اسی طرح ایک آسان تر طریقہ یہ بھی ہے کہ اس کے ساتھ ایسے الفاظ شامل کر دیئے جائیں جو کثرت تعداد پر دلالت کرنے والے ہوں۔ جیسا کہ مندرجہ بالا دونوں حدیثوں میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتلایا ہے۔

یہاں یہ بات ملحوظ رکھنے کی ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض حدیثوں میں کثرت ذکر کی ترغیب دی ہے اور قریب ہی وہ حدیث گزر چکی ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روزانہ سو دفعہ ”سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ“ کہنے والے کو گناہوں کے معاف کئے جانے کی خوشخبری سنائی ہے۔ اس لئے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ اس حدیث سے کثرت ذکر کی نفی یا ناپسندیدگی سمجھنا ہرگز صحیح نہ ہوگا۔ اس حدیث کا منشاء اور مدعا دراصل یہ ہے کہ زیادہ ثواب حاصل کرنے کا ایک زیادہ آسان طریقہ یہ بھی ہے اور خاص کر وہ لوگ جو اپنے مخصوص حالات کی وجہ سے ذکر اللہ کے لئے زیادہ وقت فارغ نہ کرسکیں، وہ اس طرح سے بھی بڑا ثواب حاصل کرسکتے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلہ میں فرمایا ہے کہ: ”جس شخص کا مقصد اپنے باطن اور اپنی زندگی کو ذکر کے رنگ میں رنگنا ہو اس کو کثرت ذکر کا طریقہ اختیار کرنا ناگزیر ہے، اور جس کا مقصد ذکر سے صرف ثواب اُخروی حاصل کرنا ہو اس کو ایسے کلمات ذکر کا انتخاب کرنا چاہئے جو معنوی لحاظ سے زیادہ فائق اور وسیع تر ہوں جیسے حدیث میں مذکور ہیں۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عہد نبوی میں تسبیح کا رواج تو نہیں تھا لیکن بعض

حضرات اس مقصد کے لئے گٹھلیاں یا سنگریزے استعمال کرتے تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اس سے منع نہیں فرمایا۔ ظاہر ہے کہ اس میں اور تسبیح کے دانوں کے ذریعے شمار میں کوئی فرق نہیں، بلکہ تسبیح دراصل اس کی ترقی یافتہ اور سہل شکل ہے۔ جن حضرات نے تسبیح کو بدعت قرار دیا ہے بلاشبہ انہوں نے شدت اور غلو سے کام لیا ہے۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ مُوْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ یَا رَبِّ عَلِّمْنِیْ شَیْئًا اَذْکُرُکَ بِہٖ اَوْ اَدْعُوْکَ بِہٖ فَقَالَ یَا مُوْسٰی قُلْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ فَقَالَ یَا رَبِّ کُلُّ عِبَادِکَ یَقُوْلُ ھٰذَا اِنَّمَا اُرِیْدُ شَیْئًا تَخُصُّنِیْ بِہٖ قَالَ مُوْسٰی لَوْ اَنَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعَ وَعَامِرَ ھُنَّ غَیْرِیْ وَالْاَرَضِیْنَ السَّبْعَ وُضِعْنَ فِیْ کِفَّۃٍ وَلَا اَلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ فِیْ کِفَّۃٍ لَمَا لَتْ بِھِنَّ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ. (رواہ البغوی فی شرح السنہ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمایا کہ: ”اللہ کے نبی موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کیا کہ اے میرے رب مجھ کو کوئی کلمہ تعلیم فرما جس کے ذریعے میں تیرا ذکر کروں (یا کہا کہ جس کے ذریعے میں تجھے پکاروں) تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ”اے موسیٰ ”لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہا کرو۔“ انہوں نے عرض کیا کہ: ”اے میرے رب یہ کلمہ تو تیرے سارے ہی بندے کہتے ہیں، میں تو یہ کلمہ چاہتا ہوں جو آپ خصوصیت سے مجھے ہی بتائیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ! اگر ساتوں آسمان اور میرے سوا وہ سب کائنات جس سے آسمانوں کی آبادی ہے اور ساتوں زمینیں ایک پلڑے میں رکھی جائیں اور لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ دوسرے پلڑے میں تو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا وزن ان سب سے زیادہ ہوگا۔ (شرح السنہ للبغوی)

تشریح...... موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ بندگی اور محبت کا جو خاص تعلق تھا اور اس کی بناء پر قرب خصوصی کی جو قدرتی خواہش تھی اسی کی وجہ سے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے استدعا کی کہ مجھے ذکر کا کوئی خاص کلمہ تعلیم فرمایا جائے، اللہ تعالیٰ نے ان کو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ بتایا جو افضل الذکر ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ میری استدعا کسی خاص کلمہ کے لئے ہے جس سے مجھے ہی نوازا جائے۔ الغرض کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا عموم اس کی قدر و قیمت اور عظمت کے بارے میں ان کے لئے حجاب بن گیا۔ اس لئے ان کو بتایا گیا کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کی حقیقت زمین و آسمان کی ساری کائنات کے مقابلے میں زیادہ قیمتی اور بھاری ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت عامہ ہے کہ اس نے اپنے پیغمبروں کے ذریعہ یہ نعمت عظمیٰ ہر عامی کو بھی پہنچا دی ہے۔ بہر کیف انبیاء و مرسلینؑ کے لئے بھی کوئی کلمہ ”لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ“ سے زیادہ قیمتی اور بابرکت نہیں ہے۔

اس بے بہا نعمت خداوندی کا شکر یہی ہے کہ اس کلمہ پاک کو اپنا ورد بنا لیا جائے، اور اسکی کثرت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے خاص رابطہ قائم کیا جائے۔

”لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ“ کی خاص فضیلت

عَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اَلَا اَدُلُّکَ عَلٰی کَلِمَۃٍ مِنْ کُنُوْزِ الْجَنَّۃِ؟ فَقُلْتُ بَلٰی فَقَالَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ. (رواہ مسلم والبخاری)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے ایک دن فرمایا: ”میں تمہیں وہ کلمہ بتاؤں جو جنت کے خزانوں میں سے ہے؟ میں نے عرض کیا کہ: ”ہاں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ضرور

بتائیں۔" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "وہ ہے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ" (صحیح مسلم وصحیح بخاری)

تشریح...... اس کلمہ کے "خزائن جنت" میں سے ہونے کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جو شخص یہ کلمہ اخلاص کے ساتھ پڑھے گا اس کے لئے اس کلمہ کے بے بہا اجر وثواب کا خزانہ اور ذخیرہ جنت میں محفوظ کیا جائے گا جس سے وہ آخرت میں ویسا ہی فائدہ اٹھا سکے گا جیسا کہ ضرورت کے موقعوں پر محفوظ خزانوں سے اٹھایا جاتا ہے۔ اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منشا اس لفظ سے اس کلمہ کی صرف عظمت اور قدر وقیمت بتانا ہے، یعنی یہ کہ جنت کے خزانوں کے جواہرات میں سے یہ ایک جوہر ہے۔ کسی چیز کو بہت قیمتی بتانے کیلئے یہ بہترین تعبیر ہوسکتی ہے۔ واللہ اعلم

"لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ" کا مطلب یہ ہے کہ کسی کام کے لئے سعی وحرکت اور اس کے کرنے کی قوت وطاقت بس اللہ ہی سے مل سکتی ہے، کوئی بندہ خود کچھ بھی نہیں کرسکتا۔ دوسرا ایک مطلب جو اس کے قریب ہی قریب ہے یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ "گناہ سے باز آنا اور طاعت کا بجالانا اللہ کی مدد وتوفیق کے بغیر بندے سے ممکن نہیں۔"

عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم اَلَا اَدُلُّكَ عَلٰى كَلِمَةٍ مِنْ تَحْتِ الْعَرْشِ مِنْ كَنْزِ الْجَنَّةِ "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ" يَقُوْلُ اللهُ تَعَالٰى اَسْلَمَ عَبْدِيْ وَاسْتَسْلَمَ. (رواه البيهقي في الدعوات الكبير)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: "میں تم کو وہ کلمہ بتاؤں جو عرش کے نیچے سے اُترا ہے اور خزانہ جنت میں سے ہے، وہ ہے "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ" (جب بندہ دل سے یہ کلمہ پڑھتا ہے تو) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ: "یہ بندہ (اپنی انانیت سے دستبردار ہوکر) میرا تابعدار اور بالکل فرمانبردار ہوگیا۔" (دعوات کبیر للبیہقی)

تشریح...... اس حدیث میں کلمہ "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ" کو "مِنْ كَنْزِ الْجَنَّةِ" کے علاوہ "مِنْ تَحْتِ الْعَرْشِ" بھی فرمایا گیا ہے۔ یہ بھی دراصل اس کلمہ کی عظمت کے اظہار کا ایک عنوان ہے، اور مطلب یہ ہے کہ مجھ پر اس کا نزول عرش الٰہی سے ہوا ہے۔ **واللہ اعلم**

فائدہ...... بعض مشائخ طریقت کا ارشاد ہے کہ: "جس طرح شرکِ جلی وخفی اور قلب ونفس کی دوسری کدورتیں دور کرنے اور ایمان ومعرفت کا نور حاصل کرنے میں کلمہ "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ" خاص اثر کرتا ہے۔ اسی طرح عملی زندگی درست کرنے یعنی معصیات اور منکرات سے بچنے اور نیکی کی راہ پر چلنے میں یہ کلمہ "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ" خاص اثر رکھتا ہے۔"

اسمائے حسنیٰ

حقیقی معنی میں اللہ پاک کا نام یعنی اسم ذات صرف ایک ہی ہے اور وہ ہے "اللہ" البتہ اس کے صفاتی نام سینکڑوں ہیں جو قرآن مجید اور احادیث میں وارد ہوئے ہیں، انہی کو اسماء حسنیٰ کہا جاتا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے فتح الباری شرح صحیح بخاری میں امام جعفر بن محمد صادق اور سفیان بن عیینہ اور بعض دوسرے اکابر امت سے نقل کیا ہے کہ: "اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام تو صرف قرآن مجید ہی میں مذکور ہیں۔ اور پھر انہی حضرات سے ان کی تفصیل اور تعیین بھی نقل ہے۔ اس کے بعد حافظ ممدوحؒ نے ان میں سے بعض اسماء کے متعلق یہ تبصرہ کرکے کہ یہ اپنی خاص شکل میں قرآن مجید میں مذکور نہیں ہیں بلکہ استخراج اور اشتقاق کے طور پر وضع کئے گئے ہیں، ان کے بجائے دوسرے اسماء قرآن مجید ہی سے نکال کے بتایا ہے کہ یہ ننانوے اسماء الٰہیہ قرآن مجید میں اپنی

اصل شکل میں مذکور ہیں اور ان کی پوری فہرست دی ہے جو ان شاء اللہ عنقریب نقل ہوگی۔ ہمارے ہی زمانہ کے بعض علماء نے اللہ تعالیٰ کے صفاتی اسماء کا تتبع احادیث سے کیا تو دو سو سے زائد ان کو ملے۔ یہ سارے صفاتی اَسماءِ حُسنیٰ اللہ تعالیٰ کے صفات کمال کے عنوانات اور اس کی معرفت کے دروازے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کے ذکر کی ایک بڑی جامع اور تفصیلی شکل یہ بھی ہے کہ بندہ عظمت اور محبت کیساتھ ان اسماء کے ذریعے اللہ تعالیٰ کو یاد کرے اور ان کو اپنا وظیفہ بنائے۔

عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه و آله وسلم اِنَّ لِلّٰهِ تِسْعَةً وَّتِسْعِيْنَ اِسْمًا مِائَةً اِلَّا وَاحِدًا مَنْ اَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ. (رواه البخاری ومسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام یعنی ایک کم سو نام ہیں، جس نے ان کو محفوظ کیا اور ان کی نگہداشت کی وہ جنت میں جائے گا۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح...... صحیحین کی روایت میں صرف اتنا ہی ہے، ان ننانوے ناموں کی تفصیل اور تعیین اس روایت میں نہیں کی گئی ہے۔ شارحین حدیث اور علماء کا اس پر قریب قریب اتفاق ہے کہ اسماء الٰہیہ صرف ننانوے میں منحصر نہیں ہیں اور یہ ان کی پوری تعداد نہیں ہے، کیونکہ تتبع اور تلاش کے بعد احادیث میں اس سے بہت زیادہ تعداد مل جاتی ہے۔ اس لئے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس کا مطلب اور مدعا صرف یہ ہے کہ جو بندہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے ناموں کو یاد کرے گا اور ان کی نگہداشت کرے گا وہ جنت میں جائے گا۔ یعنی صرف ننانوے ناموں کا احصاء کر لینے پر بندہ اس بشارت کا مستحق ہو جائے گا۔

حدیث پاک کے جملہ "مَنْ اَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ" کی تشریح میں علماء اور شارحین نے مختلف باتیں لکھی ہیں۔ ایک مطلب اس کا یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو بندہ ان اسماء الٰہیہ کے مطالب سمجھ کر اور ان کی معرفت حاصل کر کے اللہ تعالیٰ کی ان صفات پر یقین کرے گا جن کے یہ اسماء عنوانات ہیں وہ جنت میں جائے گا۔ دوسرا ایک مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو بندہ ان اسماء حسنیٰ کے تقاضوں پر عمل پیرا ہوگا وہ جنت میں جائے گا۔ تیسرا ایک مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو بندہ ننانوے ناموں سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرے گا اور ان کے ذریعے اس سے دعا کرے گا وہ جنت میں جائے گا۔ امام بخاریؒ نے "مَنْ اَحْصَاهَا" کی تشریح "مَنْ حَفِظَهَا" سے کی ہے، بلکہ اس حدیث کی بعض روایات میں "مَنْ اَحْصَاهَا" کی جگہ "مَنْ حَفِظَهَا" کے الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں، اس لئے اس تشریح کو ترجیح دی گئی ہے اور اسی لئے ترجمہ میں اس عاجز نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ اس بناء پر حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ جو بندہ ایمان اور عقیدت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی رضا حاصل کرنے کیلئے اس کے ننانوے نام محفوظ کر لے اور ان کے ذریعہ اس کو یاد کرے وہ جنت میں جائے گا۔ واللہ اعلم

عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه و آله وسلم اِنَّ لِلّٰهِ تَعَالٰى تِسْعَةً وَّتِسْعِيْنَ اِسْمًا مِائَةً اِلَّا وَاحِدَةً مَنْ اَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ. هُوَاللهُ الَّذِىْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَالرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ الْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ الْغَفَّارُ الْقَهَّارُ الْوَهَّابُ الرَّزَّاقُ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ الْقَابِضُ، الْبَاسِطُ الْخَافِضُ، الرَّافِعُ الْمُعِزُّ، الْمُذِلُّ

اَلسَّمِيْعُ اَلْبَصِيْرُ اَلْحَكَمُ، اَلْعَدْلُ اَللَّطِيْفُ اَلْخَبِيْرُ اَلْحَلِيْمُ اَلْعَظِيْمُ اَلْغَفُوْرُ اَلشَّكُوْرُ اَلْعَلِيُّ، اَلْكَبِيْرُ اَلْحَفِيْظُ اَلْمُقِيْتُ اَلْحَسِيْبُ اَلْجَلِيْلُ اَلْكَرِيْمُ اَلرَّقِيْبُ اَلْمُجِيْبُ اَلْوَاسِعُ اَلْحَكِيْمُ اَلْوَدُوْدُ اَلْمَجِيْدُ اَلْبَاعِثُ اَلشَّهِيْدُ اَلْحَقُّ اَلْوَكِيْلُ اَلْقَوِيُّ، اَلْمَتِيْنُ اَلْوَلِيُّ اَلْحَمِيْدُ اَلْمُحْصِيُ اَلْمُبْدِئُ، اَلْمُعِيْدُ اَلْمُحْيِيْ، اَلْمُمِيْتُ اَلْحَيُّ اَلْقَيُّوْمُ اَلْوَاجِدُ اَلْمَاجِدُ اَلْوَاحِدُ، اَلْاَحَدُ اَلصَّمَدُ اَلْقَادِرُ، اَلْمُقْتَدِرُ اَلْمُقَدِّمُ، اَلْمُؤَخِّرُ اَلْاَوَّلُ، اَلْاٰخِرُ اَلظَّاهِرُ، اَلْبَاطِنُ اَلْوَالِيْ اَلْمُتَعَالِيْ اَلْبَرُّ اَلتَّوَّابُ اَلْمُنْتَقِمُ اَلْعَفُوُّ اَلرَّؤُفُ مَالِكُ الْمُلْكِ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ اَلْمُقْسِطُ اَلْجَامِعُ اَلْغَنِيُّ، اَلْمُغْنِيْ اَلْمَانِعُ اَلضَّارُّ، اَلنَّافِعُ اَلنُّوْرُ اَلْهَادِيْ اَلْبَدِيْعُ اَلْبَاقِيْ اَلْوَارِثُ اَلرَّشِيْدُ اَلصَّبُوْرُ (رواہ الترمذی وللبیھقی فی الدعوات الکبیر)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں (ایک کم سو) جس نے ان کو محفوظ کیا، اوران کی نگہداشت کی وہ جنت میں جائے گا۔ (ان ناموں کی تفصیل یہ ہے۔)

وہ اللہ ہے جس کے سوا کوئی مالک و معبود نہیں ہے، اَلرَّحْمٰن (بڑی رحمت والا) الرَّحِيْم (نہایت مہربان) اَلْمَلِكُ (حقیقی بادشاہ اور فرمانروا) اَلْقُدُّوْسُ (نہایت مقدس اور پاک) اَلسَّلَامُ (جس کی ذاتی صفت سلامتی ہے) اَلْمُؤمِنُ (امن و امان عطا فرمانے والا) اَلْمُهَيْمِنُ (پوری نگہبانی فرمانے والا) اَلْعَزِيْزُ (غلبہ اور عزت جس کی ذاتی صفت ہے، اور جو سب پر غالب ہے) اَلْجَبَّارُ (صاحب جبروت ہے، ساری مخلوق اس کے زیر تصرف ہے) اَلْمُتَكَبِّرُ (کبریائی اور بڑائی اس کا حق ہے) اَلْخَالِقُ (پیدا فرمانے والا) اَلْبَارِئُ (ٹھیک بنانے والا) اَلْمُصَوِّر (صورت گری کرنے والا) اَلْغَفَّار (گناہوں کا بہت زیادہ بخشنے والا) اَلْقَهَّارُ (سب پر پوری طرح غالب اور قابو یافتہ جس کے سامنے سب عاجز اور مغلوب ہیں) اَلْوَهَّابُ (بغیر کسی عوض اور منفعت کے خوب عطا فرمانے والا) اَلرَّزَّاقُ (سب کو روزی دینے والا) اَلْفَتَّاحُ (سب کے لئے رحمت اور رزق کے دروازے کھولنے والا) اَلْعَلِيْمُ (سب کچھ جاننے والا) اَلْقَابِضُ، اَلْبَاسِطُ (تنگی کرنے والا، فراخی کرنے والا۔ یعنی اس کی شان یہ ہے کہ اپنی حکمت اور مشیت کے مطابق کبھی کسی کے حالات میں تنگی پیدا کرتا ہے اور کبھی فراخی کر دیتا ہے) اَلْخَافِضُ، اَلرَّافِعُ (پست کرنے والا، بلند کرنے والا) اَلْمُعِزُّ، اَلْمُذِلُّ (عزت دینے والا، ذلت دینے والا) (یعنی کسی کو نیچا اور کسی کو اونچا کرنا، کسی کو عزت دے کر سرفراز کرنا اور کسی کو قعر مذلت میں گرا دینا اس کے قبضہ واختیار میں ہے، اور یہ سب کچھ اسی کی طرف سے ہوتا ہے) اَلسَّمِيْعُ اَلْبَصِيْرُ (سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا) اَلْحَكَمُ، اَلْعَدْلُ (حاکم حقیقی، سراپا عدل وانصاف) اَللَّطِيْفُ (لطافت اور لطف و کرم جس کی ذاتی صفت ہے) اَلْخَبِيْرُ (ہر بات سے باخبر) اَلْحَلِيْمُ (نہایت بردبار) اَلْعَظِيْمُ (بڑی عظمت والا، سب سے بزرگ و برتر) اَلْغَفُوْرُ (بہت بخشنے والا) اَلشَّكُوْرُ (حسن عمل کی قدر کرنے والا اور بہتر سے بہتر جزا دینے والا) اَلْعَلِيُّ، اَلْكَبِيْرُ (سب سے بالا، سب سے بڑا) اَلْحَفِيْظُ (سب کا نگہبان) اَلْمُقِيْتُ (سب کو سامانِ حیات فراہم کرنے والا) اَلْحَسِيْبُ (سب کے لئے کفایت کرنے والا) اَلْجَلِيْلُ (عظیم القدر) اَلْكَرِيْمُ (صاحب کرم) اَلرَّقِيْبُ (نگہدار اور محافظ) اَلْمُجِيْبُ (قبول فرمانے والا) اَلْوَاسِعُ (وسعت رکھنے والا) اَلْحَكِيْمُ (سب کام حکمت سے

کرنے والا) اَلْوَدُوْدُ (اپنے بندوں کو چاہنے والا) اَلْمَجِیْدُ (بزرگی والا) اَلْبَاعِثُ (اٹھانے والا، موت کے بعد مُردوں کو جلانے والا) اَلشَّھِیْدُ (حاضر جو سب کچھ دیکھتا ہے اور جانتا ہے) اَلْحَقُّ (جس کی ذات اور جس کا وجود اصلاً حق ہے) اَلْوَکِیْل (کارسازِ حقیقی) اَلْقَوِیُّ، اَلْمَتِیْنُ (صاحب قوت، اور بہت مضبوط) اَلْوَلِیُّ (سرپرست مددگار) اَلْحَمِیْدُ (مستحق حمد وستائش) اَلْمُحْصِیُ (سب مخلوقات کے بارے میں پوری معلومات رکھنے والا) اَلْمُبْدِئُ، اَلْمُعِیْدُ (پہلا وجود بخشنے والا، دوبارہ زندگی دینے والا) اَلْمُحْیِیُ، اَلْمُمِیْتُ (زندگی بخشنے والا، موت دینے والا) اَلْحَیُّ (زندہ جاوید، زندگی جس کی ذاتی صفت ہے) اَلْقَیُّوْمُ (خود قائم رہنے والا اور سب مخلوق کو اپنی مشیت کے مطابق قائم رکھنے والا) اَلْوَاجِدُ (سب کچھ اپنے پاس رکھنے والا) اَلْمَاجِدُ (بزرگی اور عظمت والا) اَلْوَاحِدُ، اَلْاَحَدُ (ایک اپنی ذات میں، اور یکتا اپنی صفات میں) اَلصَّمَدُ (سب سے بے نیاز اور سب اس کے محتاج) اَلْقَادِرُ، اَلْمُقْتَدِرُ (قدرت والا، سب پر کامل اقتدار رکھنے والا) اَلْمُقَدِّمُ، اَلْمُؤَخِّرُ (جسے چاہے آگے کردینے والا اور جسے چاہے پیچھے کردینے والا) اَلْاَوَّلُ، اَلْاٰخِرُ (سب سے پہلے اور سب سے پیچھے) (یعنی جب کوئی نہ تھا، کچھ نہ تھا، جب بھی وہ موجود تھا اور جب کوئی نہ رہے گا کچھ نہ رہے گا وہ اس وقت اور اسکے بعد بھی موجود رہے گا۔) اَلظَّاھِرُ، اَلْبَاطِنُ (بالکل آشکار اور بالکل مخفی) اَلْوَالِیُ (مالک وکارساز) اَلْمُتَعَالِیُ (بہت بلند وبالا) اَلْبَرُّ (بڑا محسن) اَلتَّوَّابُ (توبہ کی توفیق دینے والا اور توبہ قبول کرنے والا) اَلْمُنْتَقِمُ (مجرمین کو کیفر کردار تک پہنچانے والا) اَلْعَفُوُّ (بہت معافی دینے والا) اَلرَّؤُفُ (بہت مہربان) مَالِکُ الْمُلْکِ (سارے جہان کا مالک) ذُوالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ (صاحب جلال اور بہت کرم فرمانے والا۔ جس کے جلال سے بندہ ہمیشہ خائف رہے اور جس کے کرم سے ہمیشہ امید رکھے) اَلْمُقْسِطُ (حقدار کا حق ادا کرنے والا عادل ومنصف) اَلْجَامِعُ (ساری مخلوق کو قیامت کے دن یکجا کرنے والا) اَلْغَنِیُّ، اَلْمُغْنِی (خود بے نیاز جس کو کسی سے کوئی حاجت نہیں، اور اپنی عطا کے ذریعہ بندوں کو بے نیاز کردینے والا) اَلْمَانِعُ (روک دینے والا ہر اس چیز کو جس کو روکنا چاہے) اَلضَّارُ، اَلنَّافِعُ (اپنی حکمت اور مشیت کے تحت ضرر پہنچانے والا اور نفع پہنچانے والا) اَلنُّوْرُ (سراپا نور) اَلْھَادِی (ہدایت دینے والا) اَلْبَدِیْعُ (بغیر مثالِ سابق کے مخلوق کا پیدا فرمانے والا) اَلْبَاقِی (ہمیشہ رہنے والا جس کو کبھی فنا نہیں) اَلْوَارِثُ (سب کے فنا ہو جانے کے بعد باقی رہنے والا) اَلرَّشِیْدُ (صاحب رُشد وحکمت جس کا ہر فعل اور فیصلہ درست ہے) اَلصَّبُوْرُ (بڑا صابر کہ بندوں کی بڑی سے بڑی نافرمانیاں دیکھتا ہے اور فوراً عذاب بھیج کر ان کو تہس نہس نہیں کر دیتا) (جامع ترمذی، دعوات کبیر للبیہقی)

تشریح...... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کا ابتدائی حصہ بالکل وہی ہے جو صحیحین کے حوالے سے ابھی اوپر نقل ہو چکا ہے۔ البتہ اس میں ننانوے ناموں کی تفصیل بھی ہے جو صحیحین کی روایت میں نہیں ہے۔ اس بناء پر بعض محدثین اور شارحین حدیث کی یہ رائے ہے کہ حدیث مرفوع یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اصل ارشاد بس اسی قدر ہے جتنا صحیحین کی روایت میں ہے یعنی: "اِنَّ لِلّٰهِ تِسْعَةً وَّتِسْعِيْنَ اِسْمًا مِائَةً اِلَّا وَاحِداً مَنْ اَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ" (اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں جس نے ان کا احصا کیا وہ جنت میں جائے گا) اور ترمذی کی اس روایت میں اور اسی طرح ابن ماجہ اور حاکم وغیرہ کی روایتوں میں جو ننانوے نام بہ تفصیل ذکر کئے گئے ہیں وہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جز نہیں ہیں، بلکہ حضرت ابو ہریرہؓ کے بلا واسطہ

یا بالواسطہ کسی شاگرد نے حدیث کے اجمال کی تفصیل اور ابہام کی تفسیر کے طور پر قرآن و حدیث میں وارد شدہ یہ اسماء الٰہیہ ذکر کر دیئے ہیں، گو محدثین کی اصطلاح میں یہ اسماء حسنیٰ مدرج ہیں۔ اس کا ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ ترمذی اور ابن ماجہ اور حاکم کی روایات میں ننانوے ناموں کی جو تفصیل ذکر کی گئی ہے اس میں بہت بڑا فرق اور اختلاف ہے۔ اگر یہ ننانوے اسماء حسنیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تعلیم فرمائے ہوئے ہوتے تو ان میں اتنا اختلاف اور فرق ناممکن تھا۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اس کی لِم اور اس کے سبب پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ: ''جو صفات کمال حق تعالیٰ کے لئے ثابت کی جانی چاہئیں اور جن چیزوں کی اس ذات پاک سے نفی کی جانی چاہئے، ان ننانوے اسماءِ حسنیٰ میں وہ سب کچھ آ جاتا ہے، اس بناء پر یہ اسماء حسنیٰ اللہ تعالیٰ کی معرفت کا مکمل اور صالح نصاب ہیں، اور اسی وجہ سے ان کے مجموعہ میں غیر معمولی برکت ہے، اور عالم قدس میں ان کو خاص قبولیت حاصل ہے اور جب کسی بندے کے اعمال نامہ میں یہ اسماء الٰہیہ ثبت ہوں تو یہ اس کے حق میں رحمت الٰہی کے فیصلہ کے موجب ہوں گے۔ واللہ اعلم۔

عَنْ اَبِي سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم يَقُوْلُ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى مَنْ شَغَلَهُ الْقُرْاٰنُ عَنْ ذِكْرِيْ وَمَسْئَلَتِيْ اَعْطَيْتُهُ اَفْضَلَ مَا اُعْطِيَ السَّائِلِيْنَ وَفَضْلُ كَلَامِ اللهِ تَعَالٰى عَلٰى سَائِرِ الْكَلَامِ كَفَضْلِ اللهِ عَلٰى خَلْقِهٖ. (رواه الترمذى والدارمى والبيهقى فى شعب الايمان)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جس شخص کو قرآن نے مشغول رکھا میرے ذکر سے اور مجھ سے سوال اور دعا کرنے سے، میں اس کو اس سے افضل عطا کروں گا جو سائلوں اور دعا کرنے والوں کو عطا کرتا ہوں، اور دوسرے اور کلاموں کے مقابلہ میں اللہ کے کلام کو ویسی ہی عظمت وفضیلت حاصل ہے جیسی اپنی مخلوق کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کو۔ (جامع ترمذی، سنن دارمی، شعب الایمان للبیہقی)

قرآن کے فضائل واحکام

عَنِ ابْنِ عُمَرَ لَا حَسَدَ اِلَّا عَلَى اثْنَيْنِ رَجُلٌ اٰتَاهُ اللهُ الْقُرْاٰنَ فَهُوَ يَقُوْمُ بِهٖ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ وَرَجُلٌ اٰتَاهُ اللهُ مَالًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ. (رواه البخارى ومسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''صرف دو آدمی قابل رشک ہیں (اور ان پر رشک آنا برحق ہے) ایک وہ جس کو اللہ نے قرآن کی نعمت عطا فرمائی پھر وہ دن اور رات کے اوقات میں اس میں لگا رہتا ہے۔ اور دوسرا وہ خوش نصیب آدمی جس کو اللہ نے مال و دولت سے نوازا، اور وہ دن اور رات کے اوقات میں راہ خدا میں اس کو خرچ کرتا رہتا ہے۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

عَنْ عُبَيْدَةَ الْمُلَيْكِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم قَالَ يَا اَهْلَ الْقُرْاٰنِ لَا تَتَوَسَّدُوا الْقُرْاٰنَ وَاتْلُوْهُ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ مِنْ آنَاءِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَافْشُوْهُ وَتَغَنَّوْهُ وَتَدَبَّرُوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ وَلَا تَعَجَّلُوْا ثَوَابَهٗ فَاِنَّ لَهٗ ثَوَابًا. (رواه البيهقى فى شعب الايمان)

حضرت عبیدہ ملیکی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اے قرآن والو! قرآن کو اپنا تکیہ اور سہارا نہ بنالو، بلکہ دن اور رات کے اوقات میں اس کی تلاوت کیا کرو جیسا کہ اس کا حق ہے، اور اس کو پھیلاؤ اور اس کو دلچسپی سے اور مزہ لے لے کر پڑھا کرو، اور اس میں تدبر کرو، امید رکھو کہ تم اس سے فلاح پا جاؤ گے اور اس کا عاجل معاوضہ لینے کی فکر نہ کرو، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا عظیم ثواب اور معاوضہ (اپنے وقت پر) ملنے والا ہے۔'' (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح...... حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے جن بندوں کو قرآن کی دولت نصیب فرمائی ہے وہ اسی پر تکیہ کر کے نہ بیٹھ جائیں کہ ہمارے پاس قرآن ہے اور ہم قرآن والے ہیں، بلکہ انہیں چاہئے کہ قرآن مجید کے حقوق ادا کریں، رات اور دن کے اوقات میں اس کے حق کے مطابق اس کی تلاوت کیا کریں، اس کو اور اس کے پیغام ہدایت کو دوسروں تک پہنچائیں، اس کو مزہ لے لے کے پڑھیں، اس کے احکام، اس کی ہدایات، اس کے قصص اور نصائح پر غور و فکر کیا کریں۔ اگر انہوں نے ایسا کیا تو ان کی فلاح کی پوری امید ہے۔ اور انہیں چاہئے کہ وہ قرآن کے اس پڑھنے اور پڑھانے اور اس کی خدمت کا معاوضہ دنیا ہی میں نہ چاہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو اپنے وقت پر اس کا بڑا غیر معمولی معاوضہ اور عظیم صلہ ملنے والا ہے۔

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ اَقْوَاماً وَيَضَعُ بِهٖ آخَرِيْنَ. (رواہ مسلم)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ اس کتاب پاک (قرآن مجید) کی وجہ سے بہت سوں کو اونچا کرے گا اور بہت سوں کو نیچے گرائے گا۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی صفت قائمہ اور بندوں کے لئے اس کا فرمان اور عہد نامہ ہے۔ اس کی وفاداری اور تابعداری اللہ تعالیٰ کی وفاداری اور تابعداری ہے۔ اسی طرح اس سے انحراف اور بغاوت اللہ تعالیٰ سے انحراف اور سرکشی ہے، اور اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ جو قوم اور جو اُمت خواہ وہ کسی نسل سے ہو، اس کا کوئی بھی رنگ اور کوئی بھی زبان ہو، قرآن مجید کو اپنا راہنما بنا کر اپنے کو اس کا تابعدار بنا دے گی اور اس کے ساتھ وہ تعلق رکھے گی جو کلام اللہ ہونے کی حیثیت سے اس کا حق ہے، اللہ تعالیٰ اس کو دنیا اور آخرت میں سربلند کرے گا۔ اور اس کے برعکس جو قوم اور امت اس سے انحراف اور سرکشی کرے گی وہ اگر بلندیوں کے آسمان پر بھی ہوگی تو نیچی گرا دی جائے گی۔

اسلام اور مسلمانوں کی پوری تاریخ اس حدیث کی صداقت کی گواہ اور اللہ تعالیٰ کے اس فیصلہ کی آئینہ دار ہے۔ اس حدیث میں ''اَقْوَاماً'' کے لفظ سے یہ بھی اشارہ ملتا ہے کہ عروج و زوال کے اس الٰہی قانون کا تعلق افراد سے نہیں بلکہ قوموں اور امتوں سے ہے۔ واللہ اعلم۔

عَنْ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مَنْ قَرَأَ حَرْفاً مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ فَلَهٗ بِهٖ حَسَنَةٌ وَالْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا لَا اَقُوْلُ "آلم" حَرْفٌ، اَلِفٌ حَرْفٌ وَلَامٌ حَرْفٌ وَمِيْمٌ حَرْفٌ. (رواہ الترمذی والدارمی)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس نے قرآن پاک کا ایک حرف پڑھا اس نے ایک نیکی کمالی اور یہ کہ ایک نیکی اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق دس نیکیوں کے برابر ہے۔ (مزید وضاحت کے لئے آپؐ نے فرمایا) میں یہ نہیں کہتا) (یعنی میرا مطلب یہ نہیں ہے) کہ ''الم'' ایک حرف ہے، بلکہ الف ایک حرف ہے، لام ایک حرف ہے

اورمیم ایک حرف ہے۔(اس طرح "الم" پڑھنے والا بندہ تیس نیکیوں کے برابر ثواب حاصل کرنے کا مستحق ہوگا)(جامع ترمذی، سنن دارمی)

تشریح......اللہ تعالیٰ کا یہ کریمانہ قانون کہ ایک نیکی کرنے والے کو دس نیکیوں کے برابر ثواب عطا ہوگا۔ واضح طور پر قرآن مجید میں بھی بیان فرمایا گیا ہے۔ سورۂ انعام میں ارشاد ہے:

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا (الانعام، ع: ۲۰)

جو بندہ ایک نیکی لے کر آئے گا اس کو اس جیسی دس نیکیوں کا ثواب دیا جائے گا۔

مندرجہ بالا حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو یہ خوشخبری سنائی ہے کہ جو بندہ اخلاص کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کرے گا تو حروف تہجی کے ہر حرف کی تلاوت ایک نیکی شمار ہوگی جو اجر و ثواب کے لحاظ سے دس نیکیوں کے برابر ہوگی۔ اسی حدیث کی بیہقی کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: "میں نہیں کہتا کہ بسم اللہ ایک حرف ہے بلکہ "ب" ایک حرف ہے "س" ایک حرف ہے "م" ایک حرف ہے۔ اور میں یہ نہیں کہتا کہ الم ایک حرف ہے بلکہ "ا، ل، م" الگ الگ حروف ہیں۔" اللہ پاک یقین کی دولت نصیب فرمائے۔ اس حدیث میں کلام پاک کی تلاوت کرنے والوں کے لئے بڑی ہی خوشخبری ہے۔ **فطوبیٰ لھم.**

اس حدیث سے ایک واضح اشارہ یہ بھی ملا کہ قرآن مجید کی تلاوت پر ثواب کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ تلاوت معنی مفہوم سمجھ کر ہی ہو۔ کیونکہ "الم" اور سارے حروف مقطعات کی تلاوت معنی مفہوم سمجھے بغیر ہی کی جاتی ہے، اور حدیث نے صراحۃً بتلایا کہ ان حروف کی تلاوت کرنے والوں کو بھی ہر حرف پر دس نیکیوں کا ثواب ملے گا۔ **واللہ اعلم.**

تلاوت کے ذریعے دلوں کی صفائی

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِنَّ هٰذِهِ الْقُلُوْبَ تَصْدَاُ كَمَا يَصْدَاُ الْحَدِيْدُ اِذَا اَصَابَهُ الْمَاءُ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا جِلَاءُ هَا قَالَ كَثْرَةُ ذِكْرِ الْمَوْتِ وَتِلَاوَةُ الْقُرْاٰنِ. (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "بنی آدم کے قلوب پر اسی طرح زنگ چڑھ جاتا ہے جس طرح پانی لگ جانے سے لوہے پر زنگ آ جاتا ہے۔ عرض کیا گیا کہ: "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دلوں کے اس زنگ کے دور کرنے کا ذریعہ کیا ہے؟" آپ نے ارشاد فرمایا کہ: "موت کو زیادہ یاد کرنا، اور قرآن مجید کی تلاوت۔" (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح......قلب کا زنگ یہ ہے کہ وہ اللہ سے اور آخرت کے انجام سے غافل اور بے فکر ہو جائے، یہ سارے چھوٹے بڑے گناہوں کی جڑ بنیاد ہے۔ اور بلاشبہ اس بیماری کی اکسیر دوا یہی ہے کہ اپنی موت کو بہت زیادہ یاد کیا جائے، اس کا دھیان اور مراقبہ کیا جائے اور قرآن مجید کی عظمت اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی خاص الخاص نسبت کو ملحوظ رکھتے ہوئے ادب اور اخلاص کے ساتھ اس کی تلاوت کی جائے اگر یہ تلاوت اللہ تعالیٰ کی توفیق سے شوق اور تدبر کے ساتھ ہوگی تو ان شاء اللہ قلب کے زنگ کو دور کر کے اس کو نور سے بھر دے گی۔ اللہ تعالیٰ نصیب فرمائے۔

(حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں "احسان" کے بیان میں قرآن مجید کی تلاوت پر کلام کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے: "تلاوت قرآن کی روح یہ ہے کہ شوق و محبت اور انتہائی تعظیم واجلال کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر قرآن

پاک کی تلاوت کرے اور اس کے مواعظ اور نصائح میں غور اور ان سے اثر لینے کی کوشش کرے اور اس کے احکام وہدایات کی تعمیل اور پیروی کے عزم کے ساتھ تلاوت کرے اور اس میں بیان ہونے والے قصص اور امثال سے عبرت حاصل کرے اور جب اللہ کی صفات کا بیان آئے تو کہے ''سبحان اللہ'' اور جب ان آیتوں سے گزرے جن میں جنت اور اللہ کی رحمت کا بیان ہے تو اللہ سے فضل وکرم فرمانے کی دعا کرے اور اپنے لئے جنت اور رحمت کا سوال کرے۔ اور جب ان آیتوں سے گزرے جن میں دوزخ اور اللہ کے غضب کا بیان ہے تو اللہ سے پناہ مانگے۔'' بلاشبہ اس طرح کی تلاوت قلب کا خاص الخاص صیقل ہے اور جس بندہ کو کسی درجہ میں بھی ایسی تلاوت نصیب ہو اس پر اللہ تعالیٰ کا خاص الخاص فضل ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے اس فضل سے محروم نہ فرمائے۔۱۲)

ماہرِ قرآن کا مقام

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم اَلْمَاهِرُ بِالْقُرْاٰنِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ وَالَّذِىْ يَقْرَءُ الْقُرْاٰنَ وَيَتَتَعْتَعُ فِيْهِ وَهُوَ عَلَيْهِ شَاقٌّ لَهُ اَجْرَانِ. (رواه البخاری ومسلم)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے قرآن میں مہارت حاصل کر لی ہو (اور اس کی وجہ سے وہ اس کو...... حفظ یا ناظرہ...... بہتر طریقے پر اور بے تکلف رواں پڑھتا ہو وہ معزز اور وفادار فرمانبردار فرشتوں کے ساتھ ہوگا۔ اور وہ بندہ قرآن پاک (اچھا یاد اور رواں نہ ہونے کی وجہ سے زحمت اور مشقت کے ساتھ) اس طرح پڑھتا ہو کہ اس میں اٹکتا ہو تو اس کو دو اجر ملیں گے (ایک تلاوت کا اور دوسرے زحمت ومشقت کا)۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

قرآن پاک کی شفاعت ووکالت

عَنْ اَبِىْ اُمَامَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم يَقُوْلُ اِقْرَءُوْا الْقُرْاٰنَ فَاِنَّهٗ يَاْتِىْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ شَفِيْعًا لِاَصْحَابِهٖ اِقْرَءُوْا الزَّهْرَاوَيْنِ الْبَقَرَةَ وَسُوْرَةَ اٰلِ عِمْرَانَ فَاِنَّهُمَا تَاْتِيَانِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كَاَنَّهُمَا غَمَامَتَانِ اَوْ غَيَايَتَانِ اَوْفِرْقَانِ مِنْ طَيْرٍ صَوَافَّ تُحَاجَّانِ عَنْ اَصْحَابِهِمَا اِقْرَءُوْا سُوْرَةَ الْبَقَرَةِ فَاِنَّ اَخْذَهَا بَرَكَةٌ وَتَرْكَهَا حَسْرَةٌ وَلَا يَسْتَطِيْعُهَا الْبَطَلَةُ. (رواه مسلم)

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا، آپ ارشاد فرماتے تھے کہ: ''قرآن پڑھا کرو، وہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کا شفیع بن کر آئے گا...... (خاص کر) ''زہراوین'' یعنی اس کی دو اہم نورانی سورتیں البقرہ اور آل عمران پڑھا کرو، وہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کو اپنے سایہ میں لئے اس طرح آئیں گی جیسے کہ وہ اَبر کے ٹکڑے ہیں، یا سائبان ہیں، یا صف باندھے پرندوں کے پرے ہیں۔ یہ دونوں سورتیں قیامت میں اپنے پڑھنے والوں کی طرف سے مدافعت کریں گی۔ (آپؐ نے فرمایا) پڑھا کرو سورۂ بقرہ کیونکہ اس کو حاصل کرنا بڑی برکت والی بات ہے، اور اس کو چھوڑنا بڑی حسرت اور ندامت کی بات ہے، اور اہل بطالت اس کی طاقت نہیں رکھتے۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پاک پڑھنے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ: قرآن

اپنے ''اصحاب'' کے لئے بارگاہ خداوندی میں شفاعت کرے گا۔ ''اصحاب قرآن'' وہ سب لوگ ہیں جو قرآن پاک پر ایمان رکھتے ہوئے اور اس سے تعلق اور شغف کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور رحمت کا وسیلہ یقین کرتے ہوئے اس سے خاص نسبت اور لگاؤ رکھیں، جس کی شکلیں مختلف ہوسکتی ہیں۔ مثلاً: کثرت سے اس کی تلاوت کریں، اس میں تدبر اور فکر اور اس کے احکام پر عمل کرنے کا اہتمام رکھیں، یا اس کی تعلیم ہدایت کو عام کرنے اور پھیلانے کی جدوجہد کریں ان سب کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت ہے کہ قرآن ان کے حق میں شفیع ہوگا۔ ہاں اخلاص یعنی اللہ کی رضا اور ثواب کی نیت شرط ہے۔

اس حدیث میں قرآن پاک کی قرأت وتلاوت کی عمومی ترغیب کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران کی تلاوت وقرأت کی خصوصیت کے ساتھ بھی ترغیب دی ہے۔ اور فرمایا ہے کہ: قیامت میں اور حشر میں جب ہر شخص سایہ کا بہت ہی محتاج اور ضرورت مند ہوگا، یہ دونوں سورتیں بادل یا سایہ دار چیز کی طرح یا پرندوں کے پرے کی طرح اپنے اصحاب پر سایہ کئے رہیں گی اور ان کی طرف سے وکالت اور جواب دہی کریں گی۔ اور آخر میں سورۂ بقرہ کے متعلق مزید فرمایا کہ: اس کے سیکھنے اور پڑھنے میں بڑی برکت ہے اور اس سے محرومی میں بڑا خسارہ ہے۔ اور اہل بطالت اس کی طاقت نہیں رکھتے۔

اس حدیث کے بعض راویوں نے کہا ہے کہ اس سے مراد ''ساحرین'' ہیں۔ اور مطلب یہ ہے کہ سورۂ بقرہ کی تلاوت کا معمول رکھنے والے پر کبھی کسی جادوگر کا جادو نہیں چلے گا۔

سورۂ بقرہ کی اس خاصیت اور تاثیر کا اشارہ اس حدیث سے بھی ملتا ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ: **(ان الشیطان ینفر من البیت الذی یقرء فیہ سورة البقرة.** رواہ مسلم عن ابی ہریرۃ) جس گھر میں سورۂ بقرہ پڑھی جائے، شیطان اس گھر سے بھاگنے پر مجبور ہوتا ہے بعض شارحین نے یہ مطلب بھی بیان کیا ہے کہ اہل بطالت یعنی ناحق کوش لوگ سورۂ بقرہ کی برکات حاصل نہ کرسکیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر ان برکات کا دروازہ بند کردیا ہے۔ واللہ اعلم۔

بعض سورتوں اور آیات کے فضائل

بعض حدیثوں میں خاص خاص سورتوں اور آیتوں کے فضائل وبرکات بھی بیان فرمائے گئے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابوامامہ باہلیؓ کی مندرجہ بالا حدیث میں پورے قرآن کی فضیلت کے ساتھ خاص طور سے سورۂ بقرہ اور آل عمران کی فضیلت بھی بیان ہوئی ہے۔

اسی طرح دوسری بعض سورتوں اور خاص خاص آیتوں کے فضائل وبرکات بھی مختلف مواقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمائے ہیں۔

سورۃ الفاتحہ

عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ لِاُبَيِّ ابْنِ كَعْبٍ اَتُحِبُّ اَنْ اُعَلِّمَكَ سُوْرَةً لَمْ يَنزِلُ فِي التَّوْرَاةِ وَلَا فِي الْاِنْجِيْلِ وَلَا فِي الزَّبُوْرِ وَلَا فِي الْقُرْاٰنِ مِثْلُهَا نَعَمْ يَا رَسُوْلَ اللهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم كَيْفَ تَقْرَءُ فِي الصَّلٰوةِ قَالَ فَقَرَأَ اُمَّ الْقُرْاٰنِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ مَا اُنْزِلَتْ فِي التَّوْرَاةِ وَلَا فِي الْاِنْجِيْلِ وَلَا فِي

الزَّبُوْرِ وَلَا فِي الْقُرْاٰنِ مِثْلُهَا وَاِنَّهَا سَبْعٌ مِنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمُ الَّذِيْ اُعْطِيْتُهٗ. (رواه ترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابی بن کعب سے فرمایا کہ: ''کیا تمہاری خواہش ہے کہ میں تم کو قرآن کی وہ سورت سکھاؤں جس کے مرتبہ کی کوئی سورت نہ توریت میں نازل ہوئی نہ انجیل میں، نہ زبور میں اور نہ قرآن ہی میں؟'' ابی نے عرض کیا ہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے وہ سورت بتادیں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تم نماز میں قرأت کس طرح کرتے ہو؟'' ابی نے آپ کو سورۂ فاتحہ پڑھ کر سنائی (کہ میں نماز میں یہ سورت پڑھتا ہوں، اور اس طرح پڑھتا ہوں) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ توریت، انجیل، زبور میں سے کسی میں اور خود قرآن میں بھی اس جیسی کوئی سورت نازل نہیں ہوئی، یہی وہ ''**سبع من المثانی والقران العظيم**'' ہے جو مجھے اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... قرآن مجید میں سورۂ حجر کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اپنے خاص الخاص انعام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے: ''**وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ**'' (اور ہم نے تم کو سات آیتیں وظیفہ کے طور پر بار بار دہرائی جانے والی عطا کیں اور قرآن عظیم) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مندرجہ بالا حدیث میں اس آیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ ''**سبع**'' **من المثانی والقران العظيم**'' سورۂ فاتحہ ہی ہے۔ اور یہ ایسی عظیم الشان اور عظیم البرکت سورت ہے کہ اس درجہ کی سورت کسی پہلی آسمانی کتاب میں بھی نازل نہیں کی گئی، اور قرآن میں بھی اسکے درجہ کی کوئی دوسری سورت نہیں ہے۔ یہ پورے قرآن کے مضامین پر حاوی ہے۔ اسی لئے اس کو ''ام القرآن'' بھی کہا جاتا ہے۔ اور اسی لئے اس کو قرآن کا افتتاحیہ قرار دیا گیا ہے، اور ہر نماز کی ہر رکعت میں اس کا پڑھنا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ اس حدیث کی بناء پر کہا جاسکتا ہے کہ جس بندے کو سورۂ فاتحہ یاد ہے اور اخلاص کے ساتھ اس کا پڑھنا اس کو نصیب ہوتا ہے اس کو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑی دولت اور نعمت نصیب ہے۔ چاہئے کہ وہ اس کی قدر و عظمت کو محسوس کرے اور اس کا حق ادا کرے۔

سورۂ بقرہ

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم قَالَ لِكُلِّ شَيْءٍ سِنَامٌ وَسِنَامُ الْقُرْاٰنِ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ وَفِيْهَا اٰيَةٌ هِيَ سَيِّدَةُ اٰيِ الْقُرْاٰنِ اٰيَةُ الْكُرْسِيِّ. (رواه الترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: ''ہر چیز کی کوئی چوٹی ہوتی ہے (جو سب سے زیادہ اوپر اور بالاتر ہوتی ہے) اور قرآن کی چوٹی سورۂ بقرہ ہے، اور اس میں ایک آیت (آیت الکرسی) تمام آیاتِ قرآنی کی گویا سردار ہے۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... اسلام کے بنیادی اصول وعقائد اور احکام شریعت کا جتنا تفصیلی بیان سورۂ بقرہ میں کیا گیا، اتنا اور ایسا قرآن پاک کی کسی دوسری سورت میں نہیں کیا گیا۔ غالباً اسی خصوصیت کی وجہ سے اس کو قرآن مجید میں سب سے مقدم رکھا گیا ہے اور غالباً اسی امتیاز کی وجہ سے اس کو اس حدیث میں ''سنام القرآن'' کا لقب دیا گیا ہے۔ واللہ اعلم

عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم قَالَ لَا تَجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ مَقَابِرَ وَاِنَّ الْبَيْتَ الَّذِيْ تُقْرَءُ الْبَقَرَةُ فِيْهِ لَا يَدْخُلُهُ الشَّيْطَانُ. (رواه الترمذى)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: ''اپنے گھروں کو مقبرے نہ بنالو) یعنی جس طرح قبرستانوں میں مُردے ذکر و تلاوت نہیں کرتے اور اس کی وجہ سے قبرستانوں کی فضا ذکر و تلاوت کے انوار و آثار سے خالی رہتی ہے، تم اس طرح اپنے گھروں کو نہ بنالو، بلکہ گھروں کو ذکر و تلاوت سے معمور رکھا کرو) اور جس گھر میں (خاص کر) سورۂ بقرہ پڑھی جائے اس گھر میں شیطان نہیں آ سکتا۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... بعض سورتوں کے اور اسی طرح بعض آیات کے کچھ خواص ہیں۔ اس حدیث میں سورۂ بقرہ کی خاص برکت اور تاثیر یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ جس گھر میں اس کی تلاوت کی جائے وہ شیطان کے اثرات اور تسلط سے محفوظ رہے گا۔

سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران کی بعض خاص فضیلتوں کا بیان اس سے پہلے بھی بعض حدیثوں میں ضمناً گزر چکا ہے۔

سورۃ الکہف

عَنْ اَبِي سَعِيْدٍ اَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وآله وسلم قَالَ مَنْ قَرَأَ سُوْرَةَ الْكَهْفِ فِيْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ اَضَاءَ لَهُ النُّوْرُ مَا بَيْنَ الْجُمُعَتَيْنِ. (رواه البيهقى فى الدعوات الكبير)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص جمعہ کے دن سورۂ کہف پڑھے اس کے لئے نور روشن ہو جائے گا دو جمعوں کے درمیان۔ (دعوات الکبیر للبیہقی)

تشریح...... اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ کہف کو جمعہ کے دن کے ساتھ کوئی خاص مناسبت ہے جس کی وجہ سے اس دن میں اس کی تلاوت کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصیت کے ساتھ ترغیب دی ہے اور فرمایا ہے کہ جمعہ کے دن سورۂ کہف کے پڑھنے سے قلب میں ایک خاص نور پیدا ہوگا جس کی روشنی اور برکت اگلے جمعہ تک رہے گی۔ اس حدیث کو حاکم نے بھی مستدرک میں روایت کیا ہے اور کہا ہے۔ ''**هذا حديث صحيح الاسناد ولم يخرجاه**''

ایک دوسری حدیث میں (جس کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے) سورۂ کہف کی ابتدائی دس آیتوں کے بارے میں وارد ہوا ہے کہ: ''جو ان کو یاد کرلے گا اور پڑھے گا وہ دجال کے فتنہ سے محفوظ رہے گا'' اس کی توجیہ میں شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ سورۂ کہف کے ابتدائی حصہ میں جو تمہیدی مضمون ہے اور اسی کے ساتھ اصحاب کہف کا جو واقعہ بیان فرمایا گیا ہے اس میں ہر دجالی فتنہ کا پورا توڑ موجود ہے اور جس دل کو ان حقائق اور مضامین کا یقین نصیب ہو جائے جو کہف کی ان ابتدائی آیتوں میں بیان کئے گئے ہیں وہ دل کسی دجالی فتنہ سے کبھی متاثر نہ ہوگا۔ اسی طرح اللہ کے جو بندے ان آیتوں کی اس خاصیت اور برکت پر یقین کرتے ہوئے ان کو اپنے دل و دماغ میں محفوظ کریں گے اور ان کی تلاوت کریں گے اللہ تعالیٰ ان کو بھی دجالی فتنوں سے محفوظ رکھے گا۔

سورۂ یٰسین

عَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارِ الْمُزَنِىْ اَنَّ النَّبِىَّ صلى الله عليه وآله وسلم قَالَ مَنْ قَرَءَ يٰسٓ اِبْتِغَاءَ وَجْهِ اللهِ تَعَالٰى غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ فَاقْرَءُ وْهَا عِنْدَ مَوْتَاكُمْ. (رواه البيهقى فى شعب الايمان)

حضرت معقل بن یسار سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے اللہ کی رضا کے لئے سورۂ یٰسین پڑھی اس کے پچھلے گناہ معاف کردیئے جائیں گے، لہٰذا یہ مبارک سورت مرنے والوں کے پاس پڑھا کرو۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح...... اس حدیث میں مرنے والوں کے پاس (عند موتاکم) یٰسین شریف پڑھنے کے لئے جو فرمایا گیا ہے اس کا مطلب بظاہر یہی ہے کہ مرنے والے کے پاس اس کے آخری وقت میں یہ سورت پڑھی جائے۔ اور اکثر علماء نے یہی سمجھا ہے اور اس لئے یہی معمول ہے لیکن دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مرجانے والے کی قبر پر یہ سورۃ پڑھی جائے تاکہ یہ اس کی مغفرت کا وسیلہ بن جائے۔

عَنْ عَطَاءِ بْنِ اَبِىْ رَبَاحٍ قَالَ بَلَغَنِىْ اَنَّ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم قَالَ مَنْ قَرَأَ يٰسٓ فِىْ صَدْرِ النَّهَارِ قُضِيَتْ حَوَائِجُهٗ. (رواه الدارمى مرسلاً)

عطا بن ابی رباح تابعی سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''جو بندہ دن کے ابتدائی حصے میں یعنی علی الصباح سورۂ یٰسین پڑھے گا اور اللہ تعالیٰ اس کی حاجتیں پوری فرمائے گا۔ (سنن دارمی)

سورۂ واقعہ

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم مَنْ قَرَأَ سُوْرَةَ الْوَاقِعَةِ فِىْ كُلِّ لَيْلَةٍ لَمْ تُصِبْهُ فَاقَةٌ اَبَدًا وَكَانَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ يَاْمُرُ بَنَاتَهٗ يَقْرَأْنَ بِهَا فِىْ كُلِّ لَيْلَةٍ. (رواه البيهقى فى شعب الايمان)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص ہر رات سورۂ واقعہ پڑھا کرے اسے کبھی فقروفاقہ کی نوبت نہیں آئے گی۔ (ابن مسعودؓ کے شاگرد بیان کرتے ہیں) کہ خود حضرت ابن مسعودؓ کا یہ معمول تھا کہ وہ اپنی صاحبزادیوں کو اس کی تاکید فرماتے تھے اور وہ ہر رات کو سورۂ واقعہ پڑھتی تھیں۔ (شعب الایمان للبیہقی)

الٓمٓ تنزیل

عَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِىَّ صلى الله عليه وآله وسلم كَانَ لَا يَنَامُ حَتّٰى يَقْرَءَ الٓمٓ تَنْزِيْلُ وَتَبَارَكَ الَّذِىْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ. (رواه احمد والترمذى والدارمى)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک نہیں سوتے تھے جب تک کہ ''الٓمٓ تَنْزِيْلُ اور تَبَارَكَ الَّذِىْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ'' نہ پڑھ لیتے۔ (یعنی رات کو سونے سے پہلے یہ دونوں سورتیں پڑھنے کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا) (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن دارمی)

سورۃ التکاثر

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم اَلَا يَسْتَطِيْعُ اَحَدُكُمْ اَنْ يَقْرَءَ اَلْفَ اٰيَةٍ فِىْ كُلِّ يَوْمٍ؟ قَالُوْا وَمَنْ يَسْتَطِيْعُ اَنْ يَّقْرَأَ اَلْفَ اٰيَةٍ فِىْ كُلِّ يَوْمٍ، قَالَ اَمَا يَسْتَطِيْعُ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّقْرَأَ اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ. (رواه البيهقى فى شعب الايمان)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ’’کیا تم میں سے کوئی یہ نہیں کرسکتا کہ روزانہ ایک ہزار آیتیں قرآن پاک کی پڑھ لیا کرے؟‘‘ صحابہؓ نے عرض کیا: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس میں یہ طاقت ہے کہ روزانہ ایک ہزار آیتیں پڑھے (یعنی یہ بات ہماری استطاعت سے باہر ہے) ’’حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ’’کیا تم میں کوئی اتنا نہیں کرسکتا کہ سورۂ ’’الهاكم التكاثر‘‘ پڑھ لیا کرے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح...... قرآن مجید کی بعض بہت چھوٹی سورتیں ایسی ہیں جو اپنے مضمون اور پیغام کی اہمیت کی وجہ سے سینکڑوں اور ہزاروں آیتوں کے برابر ہیں۔ انہی میں سے سورۃ التکاثر بھی ہے۔ اس میں دنیا پرستی اور آخرت فراموشی پر سخت ضرب لگائی گئی ہے اور آخرت کے محاسبہ اور دوزخ کے عذاب کا تذکرہ اس طرح کیا گیا ہے کہ اگر دل بالکل مُردہ نہ ہوگیا ہو تو اس میں فکر اور بیداری پیدا ہو جانا لازمی ہے۔ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غالباً اسی لحاظ سے اس کے پڑھنے کو ہزار آیتیں پڑھنے کے قائم مقام بتایا ہے۔ آگے درج ہونے والی بعض حدیثوں میں جن دوسری چھوٹی چھوٹی سورتوں کو نصف قرآن یا تہائی قرآن یا چوتھائی قرآن کے برابر بتایا گیا ہے، ان کے بارے میں بھی اسی طرح سمجھ لینا چاہئے اور ممکن ہے ان کی تلاوت کا ثواب بھی اسی حساب سے زیادہ عطا فرمایا جائے۔ اللہ کا خزانہ ہمارے وہم و گمان سے زیادہ وسیع ہے۔

سورۂ زلزال، سورۂ کافرون، سورۂ اخلاص

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَاَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم "اِذَا زُلْزِلَتْ" تَعْدِلُ نِصْفَ الْقُرْاٰنِ وَ "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" تَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْاٰنِ و "قُلْ يٰاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ" تَعْدِلُ رُبُعَ الْقُرْاٰنِ. (رواه الترمذى)

حضرت عبداللہ ابن عباس اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ’’سورۂ ’’اذا زلزلت‘‘ نصف قرآن کے برابر ہے اور ’’قل هو الله احد‘‘ تہائی قرآن کے برابر ہے اور ’’قل يآيها الكفرون‘‘ چوتھائی قرآن کے برابر ہے۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... سورۂ اذا زلزلت‘‘ میں قیامت کا بیان اور اس کی منظر کشی نہایت ہی مؤثر انداز میں کی گئی ہے اور اسی طرح اس کی آخری آیت: ’’فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ‘‘ میں جزا و سزا کا بیان اختصار کے باوجود ایسے مؤثر پیرایہ میں کیا گیا ہے کہ اگر اس موضوع پر پوری کتاب بھی لکھی جائے تو اس سے زیادہ مؤثر نہ ہوگی۔ غالباً اس سورت کی اسی خصوصیت کی وجہ سے اس حدیث میں اس کو نصف قرآن کے برابر بتایا گیا ہے۔ اسی طرح سورۂ اخلاص (قل

هو اللہ احد) میں انتہائی اختصار کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی توحید، اس کی تنزیہ، اور اس کی صفاتی کمال جس معجزانہ انداز میں بیان کیا گیا ہے وہ بھی اس سورت کی خصوصیت ہے اور غالباً اسی کی وجہ سے اس کو تہائی قرآن کے برابر فرمایا گیا ہے۔ اور ''قل یا یھا الکفرون'' میں واشگاف طریقے پر شرک اور اہل شرک سے براءت ہے۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

شرک سے براءت اور بیزاری کا اعلان کر کے جس طرح خالص توحید کی تعلیم دی گئی ہے (جو دین کی جڑ، بنیاد ہے) اور اس سورت کی خصوصیت ہے اور غالباً اسی کی وجہ سے اس سورت کو اس حدیث میں چوتھائی قرآن کے برابر کہا گیا ہے۔ واللہ اعلم

عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وآله وسلم سَمِعَ رَجُلاً يَقْرَأُ قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ فَقَالَ وَجَبَتْ قُلْتُ وَمَا وَجَبَتْ قَالَ الْجَنَّةُ. (رواه مالك والترمذى والنسائى)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو ''قل ھو اللہ احد'' پڑھتے ہوئے سنا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اس کے لئے واجب ہوگئی ہے'' میں نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! کیا چیز واجب ہوگئی؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جنت'' (موطا امام مالک، جامع ترمذی، سنن نسائی)

تشریح...... صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنہوں نے تعلیم و تربیت براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حاصل کی تھی اور جو ہر عمل میں آپ ﷺ کی تقلید اور پیروی کے حریص تھے، ظاہر ہے کہ جب وہ قرآن پاک کی اور خاص کر ان سورتوں اور آیتوں کی تلاوت کرتے ہوں گے جن میں اللہ کی توحید اور صفات کا بیان نہایت مؤثر انداز میں کیا گیا ہے تو دوسروں کو بھی صاف محسوس ہوتا ہوگا کہ یہ ان کے دل کا حال ہے اور ان کی زبان پر اللہ بول رہا ہے۔ اس حدیث میں جن صحابیؓ کے (قل ھو اللہ احد) پڑھنے کا ذکر ہے ان کا حال اس وقت یہی ہوگا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محسوس ہوا ہوگا کہ یہ پوری ایمانی کیفیت اور ایمانی ذوق کے ساتھ ''قل ھو اللہ احد'' پڑھ رہے ہیں۔ ایسے شخص کے لئے جنت واجب ہونے میں کیا شبہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس نعمت کا کچھ حصہ ہم کم نصیبوں کو بھی نصیب فرمائے۔

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم قَالَ مَنْ اَرَادَ اَنْ يَّنَامَ عَلٰى فِرَاشِهٖ ثُمَّ قَرَأَ مِائَةَ مَرَّةٍ قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ اِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ يَقُوْلُ لَهُ الرَّبُّ يَا عَبْدِيْ اُدْخُلْ عَلٰى يَمِيْنِكَ الْجَنَّةَ. (رواه الترمذى)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص بستر پر سونے کا ارادہ کرے، پھر وہ (سونے سے پہلے) سو دفعہ سورۃ ''قل ھو اللہ احد'' پڑھے تو جب قیامت قائم ہوگی تو اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا: ''اے میرے بندے! اپنے داہنے ہاتھ پر جنت میں چلا جا۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... ''علی یمینک'' (اپنے داہنے ہاتھ پر) کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ بندہ حساب کے موقف میں جہاں ہوگا وہاں سے جنت اس کے داہنی جانب ہوگی اور اس سے فرمایا جائے گا کہ: ''اپنے داہنے رخ پر چل کر جنت میں چلا جا'' دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ خود جنت کا جو داہنی جانب کا حصہ ہوگا وہ بائیں جانب کے حصہ سے افضل ہوگا، اور اس بندے سے فرمایا جائے گا کہ: ''تو داہنی جانب والی جنت میں چلا جا'' بلا شبہ بڑا سستا ہے یہ سودا کہ سونے سے پہلے صرف سو دفعہ

قل ھواللہ شریف پڑھنے پر یہ دولت نصیب ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ توفیق دے کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ اللہ کے بعض بندوں کو دیکھا ہے کہ ان کا رات کو سونے سے پہلے کا روزمرہ کا معمول اس سے بہت زیادہ ہے۔

معوذتین

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم اَلَمْ تَرَ ايَاتٍ اُنْزِلَتِ الَّيْلَةَ لَمْ يُرَ مِثْلُهُنَّ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ وَقُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ. (رواه مسلم)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تمہیں معلوم نہیں آج رات جو آیتیں مجھ پر نازل ہوئی ہیں (وہ ایسی بے مثال ہیں کہ ان کی مثل نہ کبھی دیکھی گئیں، نہ سنی گئیں: ''قل اعوذ برب الفلق'' اور ''قل اعوذ برب الناس''. (صحیح مسلم)

تشریح...... یہ دونوں سورتیں اس لحاظ سے بے مثال ہیں کہ ان میں اول سے آخر تک تعوذ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی پناہ لی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ شرور سے بھی اور باطن کے شرور سے بھی۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان میں شرور سے حفاظت کی بے پناہ تاثیر رکھی ہے، گویا ہر قسم کے شرور سے حفاظت کے لئے یہ حصن حصین ہیں، اور دونوں اختصار کے باوجود نہایت جامع اور کافی وافی ہیں۔

مندرجہ بالا احادیث میں جس طرح خاص خاص سورتوں کے فضائل بیان ہوئے ہیں، اسی طرح بعض احادیث میں بعض مخصوص آیات کی فضیلت اور ان کا امتیاز بھی بیان فرمایا گیا ہے اس سلسلہ کی چند حدیثیں ذیل میں پڑھی جائیں۔

آیۃ الکرسی

عَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم يَا اَبَا الْمُنْذِرِ اَتَدْرِىْ اَىُّ ايَةٍ مِنْ كِتَابِ اللهِ تَعَالٰى مَعَكَ اَعْظَمُ؟ قُلْتُ اللهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ يَا اَبَا الْمُنْذِرِ اَتَدْرِىْ اَىُّ ايَةٍ مِنْ كِتَابِ اللهِ تَعَالٰى مَعَكَ اَعْظَمُ؟ قُلْتُ ''اَللهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَىُّ الْقَيُّوْمُ؟ قَالَ فَضَرَبَ فِىْ صَدْرِىْ وَقَالَ لِيَهْنِكَ الْعِلْمُ يَا اَبَا الْمُنْذِرِ. (رواه مسلم)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (ان کی کنیت ابوالمنذر سے مخاطب کرتے ہوئے) ان سے فرمایا: ''اے ابوالمنذر! تم جانتے ہو کہ کتاب اللہ کی کون سی آیت تمہارے پاس سب سے زیادہ عظمت والی ہے؟ میں نے عرض کیا کہ: ''اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (مکرر) فرمایا: ''اے ابوالمنذر! تم جانتے ہو کہ کتاب اللہ کی کون سی آیت تمہارے پاس سب سے زیادہ عظمت والی ہے؟'' میں نے عرض کیا: اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم.'' تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرا سینہ ٹھونکا (گویا اس جواب پر شاباش دی) اور فرمایا: ''اے ابوالمنذر! تجھے یہ علم موافق آئے اور مبارک ہو۔'' (صحیح مسلم)

تشریح...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس جواب میں ابی بن کعب نے پہلے عرض کیا کہ ''اللہ ورسولہ اعلم''

(اللہ اور اسکے رسول کو اس کا علم زیادہ ہے کہ کون سی آیت کتاب اللہ میں زیادہ عظمت والی ہے) یہ جواب ادب کے تقاضے کے مطابق تھا، لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ وہی سوال فرمایا، تو ابی بن کعب نے اپنے علم وفہم کے مطابق جواب دیا کہ میرے خیال میں تو "اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم" یعنی آیۃ الکرسی قرآن مجید کی سب سے زیادہ عظمت والی آیت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جواب کی تصویب فرمائی اور شاباش دی اور اس شاباش میں ان کا سینہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غالباً اس لئے ٹھونکا کہ قلب (جو محل علم ومعرفت ہے) وہ سینہ ہی میں ہوتا ہے۔ بہرحال اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آیات قرآنی میں آیۃ الکرسی سب سے زیادہ باعظمت آیت ہے، اور یہ اس لئے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی توحید وتنزیہ اور صفاتِ کمال اور اس کی شانِ عالی کی عظمت ورفعت جس طرح بیان کی گئی ہے وہ اس میں منفرد اور بے مثال ہے۔

سورۂ بقرہ کی آخری آیات

عَنْ اَیفَعَ بْنِ عَبْدِالْكَلَاعِیِّ قَالَ قَالَ رَجُلٌ یَارَسُوْلَ اللهِ فَاَیُّ سُوْرَةِ الْقُرْاٰنِ اَعْظَمُ؟ قَالَ قُلْ هُوَاللهُ اَحَد قَالَ فَاَیُّ اٰیَةٍ فِی الْقُرْاٰنِ اَعْظَمُ؟ آیَةُ الْكُرْسِی "اَللهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَالْحَیُّ الْقَیُّوْم" قَالَ فَاَیُّ اٰیَةٍ یَا نَبِیَّ اللهِ تُحِبُّ اَنْ تُصِیْبَکَ وَاُمَّتَکَ؟ قَالَ خَاتِمَةُ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ فَاِنَّهَا مِنْ خَزَائِنِ رَحْمَةِ اللهِ تَعَالٰی مِنْ تَحتِ عَرْشِهٖ اَعْطَاهَا هٰذِهِ الْاُمَّةَ لَمْ تَتْرُکْ خَیْرًا مِنْ خَیْرِ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ اِلَّا اشْتَمَلَتْ عَلَیْهِ. (رواہ الدارمی)

ایفع بن عبدالکلاعی سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یارسول اللہ! قرآن کی کون سی سورت سب سے زیادہ عظمت والی ہے؟" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "قل ھو اللہ احد" اس نے عرض کیا: "اور آیتوں میں قرآن کی کون سی آیت زیادہ عظمت والی ہے؟" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آیۃ الکرسی اَللهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَالْحَیُّ الْقَیُّوْمُ" اس نے عرض کیا: "اور قرآن کی کون سی آیت ہے جس کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاص طور سے خواہش ہے کہ اس کا فائدہ اور اس کی برکات آپکو اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت کو پہنچیں؟" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "سورۂ البقرہ کی آخری آیتیں (اٰمَنَ الرَّسُوْلُ سے ختم سورہ تک) پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "یہ آیتیں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے ان خاص الخاص خزانوں میں سے ہیں جو اس کے عرشِ عظیم کے تحت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیات رحمت اس امت کو عطا فرمائی ہیں، یہ دنیا اور آخرت کی ہر بھلائی اور ہر خیر کو اپنے اندر لئے ہوئے ہیں۔ (مسند داری)

تشریح...... قل ھو اللہ احد اور ایۃ الکرسی کی عظمت اور امتیاز کے بارے میں اوپر عرض کیا جاچکا ہے۔ سورۂ بقرہ کی آخری آیات کے متعلق جیسا کہ اس حدیث میں فرمایا گیا ہے بلاشبہ یہ آیتیں اللہ تعالیٰ کے خاص الخاص خزائن رحمت میں سے ہیں۔ شروع میں "اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ" سے "لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ" تک ایمان کی تلقین فرمائی گئی ہے اس کے بعد "سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا" میں اسلام اور اطاعت وفرمانبرداری کا عہد لیا گیا ہے، اس کے بعد "غُفْرَانَکَ رَبَّنَا وَاِلَیْکَ الْمَصِیْرُ" میں ان کوتاہیوں کی معافی اور مغفرت کی استدعا ہے جو ایمان اور عہد اطاعت کے بعد بھی ہم بندوں سے سرزد ہوتی ہیں۔ اس کے بعد "لَا یُکَلِّفُ اللهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا" میں کمزور بندوں کو تسلی دی گئی ہے اور

اطمینان دلایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی ایسا بوجھ بندوں پر نہیں ڈالا جاتا اور کسی ایسی چیز کا مطالبہ نہیں کیا جاتا جو ان کی استطاعت سے باہر ہو۔اس کے بعد "رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا" سے آخر سورت تک نہایت جامع دعا کی تلقین فرمائی گئی ہے۔ بلاشبہ یہ آیتیں بجائے خود رحمتِ الٰہی کا خزانہ ہیں۔اللہ تعالیٰ ان کی قدر شناسی اور ان سے استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔

لغت قریش ہی میں قرآن سات طریقے سے نازل ہوا

اِنَّ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ يَوْمًا وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ أَذْكُرُ اللّٰهَ رَجُلاً سَمِعَ النَّبِيَّ صلى الله عليه وآله وسلم قَالَ اِنَّ الْقُرْآنَ اُنْزِلَ عَلٰى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ كُلُّهَا شَافٍ كَافٍ لَمَّا قَامَ فَقَامُوْا حَتّٰى لَمْ يُحْصَوْا فَشَهِدُوْا أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم قَالَ أُنْزِلَ الْقُرْآنُ عَلٰى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ كُلُّهَا شَافٍ كَافٍ فَقَالَ عُثْمَانُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَأَنَا أَشْهَدُ مَعَهُمْ. (مسند ابو یعلی)

ایک دن حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب کہ وہ منبر پر تھے کہا میں اس شخص کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ قرآن سات حروف پر نازل کیا گیا اور وہ تمام حروف کافی وشافی ہیں کہ وہ کھڑا ہو جائے تو بے شمار لوگ کھڑے ہو گئے اور ان سب نے گواہی دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ قرآن سات حروف پر نازل کیا گیا ہے اور وہ سب حروف کافی وشافی ہیں تو عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں بھی تمہارے ساتھ اس بات کی گواہی دیتا ہوں۔

اِنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُوْلُ سَمِعْتُ هِشَامَ بْنَ حَكِيْمٍ يَقْرَأُ سُوْرَةَ الْفُرْقَانِ فِيْ حَيَاةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم فَاسْتَمَعْتُ لِقِرَاءَتِهٖ فَاِذَا هُوَ يَقْرَءُ عَلٰى حُرُوْفٍ كَثِيْرَةٍ لَمْ يُقْرِءْنِيْهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم فَكِدْتُّ اُسَاوِرُهٗ فِي الصَّلَاةِ فَانْتَظَرْتُهٗ حَتّٰى سَلَّمَ ثُمَّ لَبَّبْتُهٗ بِرِدَائِهٖ اَوْ بِرِدَائِيْ فَقُلْتُ مَنْ اَقْرَأَكَ هٰذِهِ السُّوْرَةَ فَقَالَ اَقْرَأَنِيْهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم فَقُلْتُ لَهٗ كَذَبْتَ فَوَاللّٰهِ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم اَقْرَأَنِيْ هٰذِهِ السُّوْرَةَ الَّتِيْ سَمِعْتُكَ تَقْرَءُ هَا فَانْطَلَقْتُ أَقُوْدُهٗ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم اِنِّيْ سَمِعْتُ هٰذَا يَقْرَأُ بِسُوْرَةِ الْفُرْقَانِ عَلٰى حُرُوْفٍ لَمْ تُقْرِءْنِيْهَا وَأَنْتَ أَقْرَأْتَنِيْ سُوْرَةَ الْفُرْقَانِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم أَرْسِلْهُ يَا عُمَرُ. اِقْرَأْ يَا هِشَامُ فَقَرَأَ هٰذِهِ الْقِرَاءَةَ الَّتِيْ سَمِعْتُهٗ يَقْرَؤُهَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم هٰكَذَا اُنْزِلَتْ. ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم اِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ أُنْزِلَ عَلٰى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ فَاقْرَأُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ. (بخاری)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات میں ہشام بن حکیم (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو سورت فرقان پڑھتے سنا۔ میں نے جب ان کی قرأت کی طرف کان لگائے تو وہ ایسے بہت سے حروف پڑھ رہے تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے نہیں پڑھائے تھے۔قریب تھا کہ میں نماز ہی میں ان پر جھپٹ پڑوں لیکن میں نے

انتظار کیا یہاں تک کہ انہوں نے سلام پھیرلیا۔ پھر میں نے ان کو ان کی (یا فرمایا اپنی) چادر سے کھینچا اور پوچھا کہ تمہیں یہ سورت کس نے پڑھائی؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ سورت مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پڑھائی۔ میں نے ان سے کہا کہ تم غلط کہتے ہو اللہ کی قسم! یہ سورت جو میں نے تمہیں پڑھتے ہوئے سنی ہے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پڑھائی ہے۔ پھر میں ان کو کھینچتا ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے گیا اور کہا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے ان کو سورت فرقان ان حروف پر پڑھتے ہوئے سنا جو آپ نے مجھے نہیں پڑھائے حالانکہ آپ ہی نے مجھے سورہ فرقان پڑھائی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا' اے عمران کو چھوڑ دو۔ پھر فرمایا' اے ہشام! تم پڑھو تو انہوں نے وہی قرأت پڑھی جو میں نے ان کو پڑھتے ہوئے سنی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا (یہ سورت) اسی طرح نازل کی گئی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا' یہ قرآن سات حروف پر نازل کیا گیا ہے۔ لہٰذا تم (ان حروف میں سے) جو چاہو پڑھو۔

نازل شدہ سات حروف سے مراد

ان سے مراد قرأت کی سات نوعیتیں ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ اسماء کا اختلاف جس میں افراد' تثنیہ وجمع اور تذکیر و تانیث دونوں کا اختلاف داخل ہے۔ مثلاً ''تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ اور تَمَّتْ كَلِمَاتُ رَبِّكَ'' کلمة واحد ہے اور کلمات جمع ہے۔

۲۔ افعال کا اختلاف یعنی ماضی' مضارع اور امر کا اختلاف مثلاً ''رَبَّنَا بَاعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا'' بھی ہے اور ''رَبُّنَا بَعَّدَ بَيْنَ اَسْفَارِنَا'' بھی ہے۔ بَاعِدْ امر ہے جب کہ بَعَّدَ فعل ماضی ہے۔

۳۔ اعراب یعنی حرکتوں کا اختلاف مثلاً ''لا يُضَارَّ'' (راء کی فتحہ کیساتھ) ''كَاتِبٌ'' اور ''لا يُضَارُّ'' (راء کے ضمہ کیساتھ) ''كَاتِبٌ''

۴۔ الفاظ کی کمی بیشی کا اختلاف مثلاً ''وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى'' بھی ہے یعنی ''مَا خَلَقَ'' کے الفاظ کے ساتھ اور ''وَالذَّكَرِ وَالْاُنْثٰى'' بھی ہے یعنی ''مَا خَلَقَ'' کے الفاظ کے بغیر۔

۵۔ الفاظ کے مقدم و مؤخر ہونے کا اختلاف مثلاً ''جَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ'' بھی ہے اور ''جَاءَتْ سَكْرَةُ الْحَقِّ بِالْمَوْتِ'' بھی ہے۔

۶۔ لفظ بدل کر ہو مثلاً ''نُنْشِزُهَا'' بھی ہے اور ''نُنْشِرُهَا'' بھی ہے۔

۷۔ لہجوں کا اختلاف جس میں تفخیم وترقیق (یعنی حرف کو موٹا یا باریک پڑھنا) اور مد و قصر (حرف کو لمبا کرنا یا نہ کرنا) اور اظہار وادغام اور امالہ سب شامل ہیں۔ مثلاً موسیٰ بھی ہے اور موسے بھی ہے۔

ان سات قسم کے اختلافات میں چونکہ کوئی خاص ترتیب واجب نہیں تھی اس لیے خیر القرون میں آئمہ قرأت نے شرائط کی پابندی کرتے ہوئے اپنی اپنی ترتیب دی مثلاً کسی نے کسی اختلاف کی ایک صورت کو لیا' کسی نے دوسری کو۔ اسی طرح اختلاف کی باقی نوعیتوں میں کسی نے کوئی صورت لی کسی نے کوئی۔ اس طرح سے پڑھنے یعنی قرأت کرنے کی بہت سی ترتیبیں بن گئیں۔ ان میں سے دس اب تک تواتر سے موجود ہیں جن میں سے سات زیادہ مشہور ہیں اور یہ سبعہ قرأت اور عشرہ قرأت کہلاتی ہیں۔

نازل شدہ سات حروف کے چند فوائد

ا۔اُمت کے لیے خصوصاً اہل عرب کے لیے سہولت وآسانی جو خاص طور سے لہجوں میں نمایاں ہے۔

۲۔حکم کا بیان

قرآن پاک میں ہے:"وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِامْرَاَةٌ وَّلَهٗۤ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ"اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرأت میں ہے:"وَلَهٗۤ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ مِنْ اُمٍّ"اس قرأت میں"مِنْ اُمٍّ"کے زائد ہونے سے ظاہر ہوا کہ مذکورہ حکم میں بھائی بہنوں سے ماں شریک بھائی بہن مراد ہیں۔

۳۔دو مختلف حکموں کو جمع کرنا

مثلاً قرآن پاک میں ہے:"فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ يَطَّهَّرْنَ"ایک قرأت میں طاء کے سکون کے ساتھ ہے اور دوسری قرأت میں طا کی تشدید کے ساتھ ہے۔مشدد کا صیغہ عورتوں کے حیض سے طہارت میں مبالغہ کا معنی دیتا ہے جس سے یہ بات حاصل ہوئی کہ قربت سے پہلے ایک تو عورت حیض سے پاک ہو جائے اور دوسرے وہ غسل بھی کرلے۔

۴۔دو مختلف حالتوں میں دو مختلف شرعی حکموں پر دلالت

قرآن پاک میں ہے:"فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ"اس آیت میں ارجلکم کے لام پر ایک قرأت میں نصب ہے اور دوسری قرأت میں جر ہے۔

نصب کی صورت میں پاؤں دھونے کا حکم ہے جس وقت پاؤں ننگے ہوں اور جر کی صورت میں مسح کرنے کا حکم ہے جب کہ پاؤں پر چمڑے کے موزے پہنے ہوئے ہوں۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں حکموں کو اسی طرح بتایا ہے۔

۵۔جو مراد نہ ہو اس کے وہم کا دفعیہ

آیت ہے:"يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ"اور دوسری قرأت میں ہے:"فَامْضُوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ"

"فَاسْعَوْا"سے یہ وہم ہو سکتا تھا کہ تیز تیز چلنے کا حکم ہے حالانکہ وہ مراد نہیں ہے۔اس وہم کا دفعیہ"فَامْضُوْا"کے لفظ سے ہو گیا کیونکہ اس کے معنی میں تیزی اور سرعت شامل نہیں ہے۔

۶۔کسی لفظ کا بیان

"وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ"اور ایک اور قرأت میں ہے:"كَالصُّوْفِ الْمَنْفُوْشِ"دوسری قرأت سے معلوم ہوا کہ عھن سے مراد صوف (اون) ہے۔

۷۔ کسی عقیدے کی وضاحت

جنت کے بارے میں آیت ہے: "وَاِذَا رَأَیْتَ ثَمَّ رَأَیْتَ نَعِیْمًا وَّمُلْکًا کَبِیْرًا"

ایک قرأت میں ملکا کی میم کا ضمہ اور لام کا سکون ہے جب کہ دوسری قرأت میں میم کا فتحہ اور لام کا کسرہ ہے۔ دوسری قرأت سے جنت میں مؤمنین کیلئے اللہ تعالیٰ کا دیدار ہونا ثابت ہوا کیونکہ الفاظ یہ بنے: "مَلِکًا کَبِیْرًا" یعنی تم جنت میں بڑے بادشاہ کو دیکھو گے۔

اللہ کا ذکر

(۱) مَثَلُ الَّذِیْ یَذْکُرُ رَبَّہٗ وَالَّذِیْ لَا یَذْکُرُہٗ مَثَلُ الْحَیِّ وَالْمَیِّتِ. (بخاری)

(۲) مَثَلُ الْبَیْتِ الَّذِیْ یُذْکَرُ اللّٰہُ فِیْہِ وَالْبَیْتِ الَّذِیْ لَا یُذْکَرُ اللّٰہُ فِیْہِ مَثَلُ الْحَیِّ وَالْمَیِّتِ. (مسلم)

(۱) اس شخص کی کیفیت وحالت جو اپنے رب کا ذکر کرتا ہو اور اس شخص کی کیفیت وحالت جو اپنے پروردگار کا ذکر نہ کرتا ہو ایسی ہے جیسے زندہ آدمی ہو اور مردہ آدمی ہو۔ (۲) اس گھر کی مثال جس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہو اور اس گھر کی مثال جس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کیا جاتا ہو ایسی ہے جیسے ایک زندہ ہو اور دوسرا مردہ ہو۔

تشریح: زیر درست حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والے کی حالت وکیفیت زندہ انسان جیسی ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہو اس کی حالت وکیفیت مردہ انسان جیسی ہے۔

ان احادیث بالا کی وضاحت یوں ہونی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر زبان سے بھی ہوتا ہے اور دل سے بھی ہوتا ہے۔ تو ذکر کی وجہ سے اس کی زندگی کا ثبوت ہمیں مل جاتا ہے۔ چونکہ علم وادراک اور کسی بات کو سمجھنا اور پھر اسے محفوظ کر لینا دل سے متعلق ہے۔ اور کسی بات کو بیان کرنا، مافی الضمیر کو ادا کرنا دل کی بات کو ظاہر کر دینا یہ سارے کام زبان سے متعلق ہیں، تو جب کوئی ذکر کرتا ہے تو پتہ چل جاتا ہے کہ اس کا دل بھی زندہ ہے اور اس کی زبان میں بھی جان ہے اور سمجھ لیا جاتا ہے کہ یہ زندہ ہے۔

اور اس کی ظاہری وجہ یہ ہے کہ یہ بات تو سب کو معلوم ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی اشرف مخلوق انسان کے لئے یہ پوری کائنات پیدا فرمائی ہے کہ انسان کی ضروریات زندگی اس سے فراہم ہوں، لیکن اسی کے ساتھ ساتھ اس نے انسان کی غرض تخلیق یہ بتائی کہ خود انسان اللہ تعالیٰ کی بندگی وغلامی کریں۔

اور اللہ تعالیٰ کی یہ بندگی وغلامی اگرچہ سرانجام تو اسی طرح پاتی ہے کہ اس کے احکام کی پابندی کی جائے اور اس کے محرمات وممنوعات سے پرہیز وگریز کیا جائے، اور اس سب کا مدار مختصر لفظوں میں اسی ذکر وشکر پر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر وشکر دل میں رچ بس جائے گا تو مومن کامل الایمان، کامل الاعمال بھی ہو جائے گا۔

دوسری حدیث شریف جو مسلم شریف کے حوالہ سے نقل کی گئی ہے وہ بھی پہلی حدیث بخاری جیسی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ بخاری شریف کی حدیث میں ذکر اللہ سے غافل انسان اور ذکر اللہ میں مشغول انسان کی کیفیت بیان کی گئی ہے۔ اور مسلم شریف کی روایت میں ذکر اللہ سے خالی مکان اور ذکر اللہ سے معمور مکان کی کیفیت بیان ہوئی ہے کہ ذکر اللہ سے معمور مکان آباد اور زندہ ہے اور ذکر اللہ سے خالی مکان ویران اور مردہ ہے۔

دعا کی عظمت اور اس کے احکام

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جن کمالات وامتیازات سے نوازا ان میں سب سے بڑا امتیاز وکمال عبدیت کاملہ کا مقام ہے۔ عبدیت کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کے حضور میں انتہائی تذلل، بندگی وسرافگندگی عاجزی ولا چاری اور محتاجی ومسکینی کا پورا پورا اظہار، اور یہ یقین کرتے ہوئے کہ سب کچھ اسی کے قبضہ واختیار میں ہے، اس کے دَر کی فقیری وگدائی۔ اس سب کے مجموعہ کا عنوان مقام عبدیت ہے، جو تمام مقامات میں اعلیٰ وبالا ہے اور بلاشبہ سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس صفت کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق میں کامل ترین اور سب پر فائق ہیں، اور اسی لئے افضل مخلوقات اور اشرف کائنات ہیں۔ قاعدہ ہے کہ ہر چیز اپنے مقصد کے لحاظ سے کامل یا ناقص سمجھی جاتی ہے۔ مثلاً گھوڑا جس مقصد کے لئے پیدا کیا گیا ہے یعنی سواری اور تیز رفتاری، اس کو بڑھیا یا گھٹیا اسی مقصد کے پیمانے سے سمجھا جائے گا۔ اسی طرح گائے یا بھینس کا جو مقصد ہے یعنی دودھ کا حاصل ہونا اس کی قدر وقیمت دودھ کی کمی یا زیادتی ہی کے حساب سے لگائی جائے گی۔ وقس علیٰ ہذا۔ انسان کی تخلیق کا مقصد اس کے پیدا کرنے والے نے عبدیت اور عبادت بتایا ہے: "وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ" اس لئے سب سے افضل واشرف انسان وہی ہوگا جو اس مقصد میں سب سے اکمل وفائق ہو۔ پس سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چونکہ کمال عبدیت میں سب سے فائق ہیں اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم افضل مخلوقات اور اشرف کائنات ہیں اور اسی وجہ سے قرآن مجید میں جہاں جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بلند ترین خصائص وکمالات اور اللہ تعالیٰ کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر خاص الخاص انعامات کا ذکر کیا گیا ہے وہاں معزز ترین لقب کے طور پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عبد ہی کے عنوان سے یاد کیا گیا ہے۔ معراج کا ذکر کرتے ہوئے سورۂ اسراء میں فرمایا گیا ہے: "سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ" پھر اسی سفر معراج کی آخری منزلوں کا ذکر کرتے ہوئے سورۂ النجم میں فرمایا گیا: "فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى" اور سب سے بڑی نعمت ودولت قرآن حکیم کی تنزیل کا ذکر کرتے ہوئے سورۂ فرقان میں ارشاد فرمایا گیا: "تَبَارَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ" اور سورۂ کہف میں فرمایا گیا: "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ."

ان میں سے کچھ دعائیں ہیں جن کا تعلق خاص حالات یا اوقات اور مخصوص مقاصد وحاجات سے ہے اور زیادہ تر وہ ہیں جن کی نوعیت عمومی ہے۔ ان دعاؤں کی قدر وقیمت اور افادیت کا ایک عام عملی پہلو تو یہ ہے کہ ان سے دعا کرنے اور اللہ سے اپنی حاجتیں مانگنے کا سلیقہ اور طریقہ معلوم ہوتا ہے اور اس باب میں وہ رہنمائی ملتی ہے جو کہیں سے نہیں مل سکتی۔ اور ایک دوسرا خاص علمی اور عرفانی پہلو یہ ہے کہ ان سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روحِ پاک کو اللہ تعالیٰ سے کتنی گہری اور ہمہ وقتی وابستگی تھی اور آپ کے قلب پر اس کا جلال وجمال کس قدر چھایا ہوا تھا، اور اپنی اور ساری کائنات کی بے حسی اور لاچاری اور اس

مالک الملک کی قدرت کاملہ اور ہمہ گیر رحمت و ربوبیت پر آپ کو کس درجہ یقین تھا کہ گویا یہ آپ کے لئے غیب نہیں شہود تھا۔ حدیث کے ذخیرے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو سینکڑوں دعائیں محفوظ ہیں ان میں اگر تفکر کیا جائے تو کھلے طور پر محسوس ہوگا کہ ان میں سے ہر دعا معرفت الٰہی کا شاہکار اور آپ کے کمالِ روحانی و خدا آشنائی اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدق تعلق کا مستقل برہان ہے، اور اس لحاظ سے ہر ماثور دعا بجائے خود آپ کا ایک روشن معجزہ ہے۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وبارک وسلم۔

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه و آله وسلم اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ ثُمَّ قَرَأَ "وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِىْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِىْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ. (رواه احمد)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "دعا عین عبادت ہے۔" اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سند کے طور پر یہ آیت پڑھی: "وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِىْ الخ" (تمہارے رب کا فرمان ہے کہ مجھ سے دعا کرو اور مانگو، میں قبول کروں گا اور تم کو دوں گا، جو لوگ میری عبادت سے متکبرانہ روگردانی کرینگے ان کو ذلیل وخوار ہو کر جہنم میں جانا ہوگا) (مسند احمد)

تشریح ...... اصل حدیث صرف اتنی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "دعا عین عبادت ہے۔" غالباً حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کا منشاء یہ ہے کہ کوئی یہ خیال نہ کرے کہ بندے جس طرح اپنی ضرورتوں اور حاجتوں کے لئے دوسری محنتیں اور کوششیں کرتے ہیں اسی طرح کی ایک کوشش دعا بھی ہے، جو اگر قبول ہوگئی تو بندہ کامیاب ہوگیا اور اس کو کوشش کا پھل مل گیا، اور اگر قبول نہ ہوئی تو وہ کوشش بھی رائیگاں گئی۔ بلکہ دعا کی ایک مخصوص نوعیت ہے اور وہ یہ کہ وہ حصول مقصد کا ایک مقدس عمل ہے جس کا پھل اس کو آخرت میں ضرور ملے گا۔

جو آیت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سند کے طور پر تلاوت فرمائی اس سے یہ بات صراحۃً معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دعا عین عبادت ہے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه و آله وسلم مَنْ فُتِحَ لَهٗ مِنْكُمْ بَابُ الدُّعَاءِ فُتِحَتْ لَهٗ اَبْوَابُ الرَّحْمَةِ وَمَا سُئِلَ اللّٰهُ شَيْئًا يَعْنِىْ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ اَنْ يُّسْاَلَ الْعَافِيَةَ. (رواه الترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "تم میں سے جس کے لئے دعا کا دروازہ کھل گیا اس کے لئے رحمت کے دروازے کھل گئے۔ اور اللہ کو سوالوں اور دعاؤں میں سب سے زیادہ محبوب یہ ہے کہ بندے اس سے عافیت کی دعا کریں، یعنی کوئی دعا اللہ تعالیٰ کو اس سے زیادہ محبوب نہیں۔ (جامع ترمذی)

تشریح ...... عافیت کا مطلب ہے تمام دنیوی و اُخروی اور ظاہری و باطنی آفات اور بلیات سے سلامتی اور تحفظ۔ تو جو شخص اللہ تعالیٰ سے عافیت کی دعا مانگتا ہے وہ برملا اس بات کا اعتراف اور اظہار کرتا ہے کہ اللہ کی حفاظت اور کرم کے بغیر وہ زندہ اور سلامت بھی نہیں رہ سکتا اور کسی چھوٹی یا بڑی مصیبت اور تکلیف سے اپنے کو نہیں بچا سکتا۔ پس ایسی دعا اپنی کامل عاجزی و بے بسی اور سراپا محتاجی کا مظاہرہ ہے اور یہی کمال عبدیت ہے، اسی لئے عافیت کی دعا اللہ تعالیٰ کو سب دعاؤں سے زیادہ محبوب ہے۔

دوسری بات حدیث میں یہ فرمائی گئی ہے کہ جس کیلئے دعا کا دروازہ کھل گیا یعنی جس کو دعا کی حقیقت نصیب ہوگئی اور اللہ سے مانگنا

آ گیا اس کے لئے رحمت الٰہی کے دروازے کھل گئے۔ دعا دراصل ان دعائیہ الفاظ کا نام نہیں ہے۔ جو زبان سے ادا ہوتے ہیں، ان الفاظ کو تو زیادہ سے زیادہ دعا کا لباس یا قالب کہا جا سکتا ہے۔ دعا کی حقیقت انسان کے قلب اور اس کی روح کی طلب اور تڑپ ہے اور حدیث پاک میں اس کیفیت کے نصیب ہونے ہی کو باب دعا کے کھل جانے سے تعبیر کیا گیا ہے اور جب بندے کو وہ نصیب ہو جائے تو اس کے لئے رحمت کے دروازے کھل ہی جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نصیب فرمائے۔

عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه و آله وسلم مَنْ لَّمْ يَسْأَلِ اللهَ يَغْضَبْ عَلَيْهِ. (رواه الترمذى)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جو اللہ سے نہ مانگے اس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... دنیا میں کوئی نہیں ہے جو سوال نہ کرنے سے ناراض ہوتا ہو، ماں باپ تک کا یہ حال ہوتا ہے کہ اگر بچہ ہر وقت مانگے اور سوال کرے تو وہ بھی چڑ جاتے ہیں۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ ایسا رحیم وکریم اور بندوں پر اتنا مہربان ہے کہ جو بندہ اس سے نہ مانگے وہ اس سے ناراض ہوتا ہے اور مانگنے پر اسے پیار آتا ہے۔ **لک الحمد یا ربَّ العالمِین وَیَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْن!**

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه و آله وسلم اِنَّ الدُّعَاءَ يَنْفَعُ مِمَّا نَزَلَ وَمِمَّا لَمْ يَنْزِلْ فَعَلَيْكُمْ عِبَادَاللهِ بِالدُّعَاءِ. (رواه الترمذى احمد عن معاذ بن جبل)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''دعا کار آمد اور نفع مند ہوتی ہے اور ان حوادث میں بھی جو نازل ہو چکے ہیں اور ان میں بھی جو ابھی نازل نہیں ہوئے، پس اے خدا کے بندو دعا کا اہتمام کرو۔ (جامع ترمذی)

(اور امام احمد نے مسند میں اس حدیث کو بجائے عبداللہ بن عمر کے معاذ بن جبل سے روایت کیا ہے)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ جو بلا اور مصیبت ابھی نازل نہیں ہوئی، بلکہ اس کا صرف خطرہ اور اندیشہ ہے، اس سے حفاظت کیلئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہئے، ان شاء اللہ نفع مند ہوگی۔ اور جو بلا یا مصیبت نازل ہو چکی ہے اس کے دفعیہ کے لئے بھی دعا کرنی چاہئے، ان شاء اللہ وہ بھی نافع ہوگی، اور اللہ تعالیٰ اس کو دور فرما کر عافیت نصیب فرمائے گا۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَا يُنْجِيْكُمْ مِنْ عَدُوِّكُمْ وَيُدِرُّلَكُمْ اَرْزَاقَكُمْ تَدْعُوْنَ اللهَ فِيْ لَيْلِكُمْ وَنَهَارِكُمْ فَاِنَّ الدُّعَاءَ سِلَاحُ الْمُؤْمِنِ. (رواه ابويعلى فى مسنده)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: ''کیا میں تمہیں وہ عمل بتاؤں جو تمہارے دشمنوں سے تمہارا بچاؤ کرے اور تمہیں بھرپور روزی دلائے۔ وہ یہ ہے کہ اپنے اللہ سے دعا کیا کرو رات میں اور دن میں، کیونکہ دعا مؤمن کا خاص ہتھیار یعنی اس کی خاص طاقت ہے۔ (مسند ابویعلی موصلی)

تشریح...... دعا دراصل وہی ہے جو دل کی گہرائی سے اور اس یقین کی بنیاد پر ہو کہ زمین وآسمان کے سارے خزانے صرف اللہ تعالیٰ کے قبضہ واختیار میں ہیں، اور وہ اپنے در کے سائلوں، مانگنے والوں کو عطا فرماتا ہے، اور مجھے جب ہی ملے گا جب وہ عطا

فرمائے گا، اس کے در کے سوا میں کہیں سے نہیں پا سکتا۔ اس یقین اور اپنی سخت محتاجی اور کامل بے بسی کے احساس سے بندے کے دل میں جو خاص کیفیت پیدا ہوتی ہے جس کو قرآن مجید میں ''اضطرار'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ وہ دعا کی روح ہے، اور یہ واقعہ ہے کہ کوئی بندہ جب اس اندرونی کیفیت کے ساتھ کسی دشمن کے حملہ سے یا کسی دوسری بلا اور آفت سے بچاؤ کے لئے یا وسعت رزق یا اس قسم کی کسی دوسری عام و خاص حاجت کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے تو اس کریم کا عام دستور ہے کہ وہ دعا قبول فرماتا ہے، اس لئے بلاشبہ دعا ان بندوں کا بہت بڑا ہتھیار اور میگزین ہے جن کو ایمان و یقین کی دولت اور دعا کی روح و حقیقت نصیب ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کے بارے میں کچھ ہدایات بھی دی ہیں، ضروری ہے کہ دعا کرنے والے بندے ان کو ہمیشہ پیش نظر رکھیں۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِذَا دَعَا اَحَدُکُمْ فَلَا يَقُلْ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ اِنْ شِئْتَ اِرْحَمْنِیْ اِنْ شِئْتَ اُرْزُقْنِیْ اِنْ شِئْتَ وَلْيَعْزِمْ مَسْئَلَتَهٗ اِنَّهٗ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ وَلَا مُکْرِهَ لَهٗ. (رواہ البخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی دعا کرے تو اس طرح نہ کہے کہ: ''اے اللہ! تو اگر چاہے تو مجھے بخش دے اور تو چاہے تو مجھ پر رحمت فرما اور تو چاہے تو مجھے روزی دے۔'' بلکہ اپنی طرف سے عزم اور قطعیت کے ساتھ اللہ کے حضور میں اپنی مانگ رکھے۔ بے شک وہ کرے گا وہی جو چاہے گا۔ کوئی ایسا نہیں جو زور ڈال کر اس سے کرا سکے۔ (صحیح بخاری)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ عاجزی اور محتاجی اور فقیری اور گدائی کا تقاضا یہی ہے کہ بندہ اپنے رب کریم سے بغیر کسی شک اور تذبذب کے اپنی حاجت مانگے، اس طرح نہ کہے کہ اے اللہ اگر تو چاہے تو ایسا کر دے، اس میں استغناء کا شائبہ ہے اور یہ مقام عبدیت اور دعا کے منافی ہے، نیز ایسی دعا کبھی جاندار دعا نہیں ہو سکتی۔ اس لئے بندے کو چاہئے کہ اپنی طرف سے اس طرح عرض کرے کہ: ''میرے مولا! میری یہ حاجت تو پوری کر ہی دے۔ بے شک اللہ تعالیٰ جو کچھ کرے گا وہ اپنے ارادہ اور مشیت سے کرے گا، کوئی ایسا نہیں ہے جو زور ڈال کر اس کی مشیت کے خلاف اس سے کچھ کرا لے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يَّسْتَجِيْبَ اللّٰهُ لَهٗ عِنْدَ الشَّدَائِدِ فَلْيُکْثِرِ الدُّعَاءَ فِی الرَّخَاءِ. (رواہ الترمذی)

جو کوئی یہ چاہے کہ پریشانیوں اور تنگیوں کے وقت اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرمائے، تو اس کو چاہئے کہ عافیت اور خوش حالی کے زمانہ میں دعا زیادہ کیا کرے۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... یہ تجربہ اور واقعہ ہے کہ جو لوگ صرف پریشانی اور مصیبت کے وقت ہی خدا کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اسی وقت ان کے ہاتھ دعا کے لئے اٹھتے ہیں، ان کا رابطہ اللہ کے ساتھ بہت ضعیف ہوتا ہے، اور خدا کی رحمت پر ان کو وہ اعتماد نہیں ہوتا جس سے دعا میں روح اور جان پیدا ہوتی ہے۔ اس کے برعکس جو بندے ہر حال میں اللہ سے مانگنے کے عادی ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کا رابطہ قوی ہوتا ہے اور اللہ کے کرم اور اس کی رحمت پر ان کو بہت زیادہ اعتماد اور بھروسہ ہوتا ہے، اس لئے کہ ان کی دعا قدرتی طور پر جاندار رہتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث میں یہی ہدایت دی ہے کہ بندوں کو چاہئے کہ عافیت اور خوش حالی کے دنوں میں بھی وہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ سے زیادہ دعا کیا کریں اور مانگا کریں، اس سے ان کو وہ مقام حاصل ہوگا کہ

پریشانیوں اور تنگیوں کے پیش آنے پر جب وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے تو ان کی دعا خاص طور سے قبول ہوگی۔

دعا بندے کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے حضور میں معروضہ کی پیشی ہے، اور وہ مالک کل اور قادرِ مطلق ہے، چاہے تو اسی لمحہ دعا کرنے والے بندے کو وہ عطا فرما دے جو وہ مانگ رہا ہے لیکن اس کی حکمت کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ وہ ظلوم وجہول بندے کی خواہش کی ایسی پابندی کرے بلکہ بسا اوقات خود اس بندے کی مصلحت اسی میں ہوتی ہے کہ اس کی مانگ جلدی پوری نہ ہو۔ لیکن انسان کے خمیر میں جو جلد بازی ہے اس کی وجہ سے وہ چاہتا ہے کہ جو میں مانگ رہا ہوں وہ مجھے فوراً مل جائے، اور جب ایسا نہیں ہوتا تو وہ مایوس ہو کر دعا کرنا بھی چھوڑ دیتا ہے۔ یہ انسان کی وہ غلطی ہے جس کی وجہ سے وہ قبولیت دعا کا مستحق نہیں رہتا، اور گویا اس کی یہ جلد بازی ہی اس کی محرومی کا باعث بن جاتی ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسْتَجَابُ لِاَحَدِكُمْ مَالَمْ يُعْجِلْ فِيَقُوْلُ قَدْ دَعَوْتُ فَلَمْ يُسْتَجَبْ لِیْ. (رواه البخاری ومسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: "تمہاری دعائیں اس وقت تک قابل قبول ہوتی ہیں جب تک کہ جلد بازی سے کام نہ لیا جائے۔ (جلد بازی یہ ہے) کہ بندہ کہنے لگے کہ میں نے دعا کی تھی مگر وہ قبول ہی نہیں ہوئی۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ بندہ اس جلد بازی اور مایوسی کی وجہ سے قبولیت کا استحقاق کھو دیتا ہے، اس لئے چاہئے کہ بندہ ہمیشہ اس کے در کا فقیر بنا رہے اور مانگتا رہے، یقین کرے کہ ارحم الراحمین کی رحمت دیر سویر ضرور اس کی طرف متوجہ ہوگی۔ کبھی کبھی بہت سے بندوں کی دعا جو وہ بڑے اخلاص اور اضطرار سے کرتے ہیں اس لئے بھی جلدی قبول نہیں کی جاتی کہ اس دعا کا تسلسل ان کے لئے ترقی اور تقرب الی اللہ کا خاص ذریعہ ہوتا ہے، اگر ان کی منشاء کے مطابق ان کی دعا جلدی قبول کر لی جائے تو اس عظیم نعمت سے وہ محروم رہ جائیں۔

انسان بے صبر اور جلد گھبرا جانے والا ہے اور اس کا علم بھی بہت محدود اور ناقص ہے اس لئے بعض اوقات وہ اللہ تعالیٰ سے ایسی دعائیں بھی کرنے لگتا ہے جو اگر قبول ہو جائیں تو اس میں خود اسی کا خسارہ ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی دعاؤں سے منع فرمایا ہے۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم لَا تَدْعُوْا بِالْمَوْتِ وَلَا تَتَمَنَّوْهُ فَمَنْ كَانَ دَاعِيًا لَابُدَّ فَلْيَقُلْ اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِیْ مَا كَانَ الْحَيٰوةُ خَيْرًا لِیْ وَتَوَفَّنِیْ اِذَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِیْ. (رواه نسائی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: "تم لوگ موت کی دعا اور تمنا نہ کرو اور کوئی آدمی ایسی دعا کے لئے مضطر ہی ہو (اور کسی وجہ سے زندگی اس کیلئے دوبھر ہو) تو اللہ کے حضور میں یوں عرض کرے: "اے اللہ! جب تک میرے لئے زندگی بہتر ہے مجھے زندہ رکھ، اور جب میرے لئے موت بہتر ہو تو دنیا سے مجھے اٹھا لے۔" (سنن نسائی)

تشریح...... اس حدیث میں موت کی اس دعا اور تمنا سے ممانعت فرمائی گئی ہے جو کسی تکلیف اور پریشانی سے تنگ آ کر زبان پر آ جاتی ہے۔ بعض حدیثوں کے الفاظ میں اس کی صراحت بھی ہے۔ چنانچہ صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ ہیں: "لَا يَتَمَنَّيَنَّ اَحَدُكُمُ الْمَوْتَ لِضُرٍّ نَزَلَ بِهٖ" الحدیث (تم میں سے کوئی کسی پیش آ جانے والی تکلیف کی وجہ سے موت کی تمنا نہ کرے)۔

اس صورت میں موت کی تمنا اور دعا سے ممانعت کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ یہ صبر کی صفت کے خلاف ہے اور دوسری اس سے بھی اہم وجہ یہ ہے کہ آدمی جب تک زندہ ہے اس کے لئے توبہ و استغفار کے ذریعہ اپنے کو پاک صاف کرنے کا اور حسنات اور طاعات کے ذریعہ اپنے ذخیرۂ آخرت میں اضافہ اور اللہ تعالیٰ کا مزید تقرب حاصل کرنے کا راستہ کھلا ہوا ہے۔ پس موت کی دعا اس کھلے دروازے کو بند کرنے کی دعا ہے اور ظاہر ہے کہ اس میں بندہ کے لئے خسارہ ہی خسارہ ہے۔ البتہ اللہ کے خاص مقرب بندے جب ان کا وقت موعود قریب آتا ہے تو لقاء الٰہی سے غلبہ شوق کی وجہ سے کبھی کبھی ان سے موت کی تمنا اور دعا کا ظہور بھی ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں حضرت یوسف علیہ السلام کی دعا: "(۱) فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ." (اے زمین و آسمان کے پیدا کرنے والے تو ہی میرا مولا ہے دنیا اور آخرت میں، مجھے اٹھا لے اس حالت میں کہ تیرا فرمانبردار بندہ ہوں، اور مجھے ساتھ کردے اپنے اچھے نیک بندوں کے۔۱۲) اور آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا: "اَللّٰهُمَّ الرَّفِيْقَ الْاَعْلٰى." (اے اللہ! میں رفیق اعلیٰ کا طالب و سائل ہوں) اسی قبیل سے ہیں۔ واللہ اعلم.

دُعا مانگنا

عن ابی هريرة رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يستجاب للعبد مالم يدع بالاثم او قطيعة رحم مالم يستعجل قيل يا رسول الله ما الاستعجال قال يقول قد دعوت وقد دعوت فلم او يستجاب لى فيستحسر عند ذلک ويدع الدعاء (مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندہ کی دُعا قبول ہوتی ہے تاوقتیکہ کسی گناہ یا رشتہ داروں کے ساتھ بدسلوکی کی دعا نہ کرے جب تک کہ جلدی نہ مچاوے عرض کیا گیا یا رسول اللہ جلدی مچاوے کا کیا مطلب ہے آپ نے فرمایا جلدی مچانا یہ ہے کہ یوں کہنے لگے کہ میں نے بار بار دُعا کی مگر قبول ہوتی ہوئی نہیں دیکھتا سو دُعا کرنا چھوڑ دے۔ (مسلم)

یعنی جس چیز کی ضرورت ہو خواہ وہ دنیا کا کام ہو یا دین کا اور خواہ اس میں اپنی بھی کوشش کرنا پڑے اور خواہ اپنی کوشش اور قابو سے باہر ہو سب اللہ تعالیٰ سے مانگا کرے۔ لیکن اتنا خیال ضروری ہے کہ وہ گناہ کی بات نہ ہو۔ اس میں سب باتیں آگئیں، جیسے کوئی کھیتی کرتا ہے تو محنت اور سامان بھی کرنا چاہیے مگر اللہ تعالیٰ سے دُعا بھی مانگنا چاہیے کہ اے اللہ اس میں برکت فرما اور نقصان سے بچا۔ یا کوئی دشمن ستاوے، خواہ دنیا کا دشمن خواہ دین کا دشمن، تو اس سے بچنے کی تدبیر بھی کرنا چاہیے خواہ وہ تدبیر اپنے قابو کی ہو خواہ حاکم سے مدد لینا پڑے مگر اس تدبیر کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے بھی دعا مانگنا چاہیے کہ اے اللہ اس دشمن کو زیر کردے یا مثلاً کوئی بیمار ہو تو دوا دارو بھی کرنا چاہیے مگر اللہ تعالیٰ سے دعا بھی مانگنا چاہیے کہ اے اللہ اس بیماری کو کھودے یا اپنے پاس کچھ مال ہے تو اس کی حفاظت کا سامان بھی کرنا چاہیے، جیسے مضبوط مکان میں مضبوط قفل لگا کر رکھنا یا گھر والوں کے یا نوکروں کے ذریعہ سے اس کا پہرہ دینا، دیکھ بھال رکھنا، مگر اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا بھی مانگنا چاہیے کہ اے اللہ اس کو چوروں سے محفوظ رکھ۔ یا مثلاً کوئی مقدمہ کر رکھا ہے یا اس پر کسی نے کر رکھا ہے تو اس کی پیروی بھی کرنا چاہیئے وکیل اور گواہوں کا انتظام بھی کرنا چاہیے، مگر اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کرنا چاہیے کہ اے اللہ اس مقدمہ میں مجھ کو فتح دے اور ظالم کے شر سے مجھ کو بچا۔ یا قرآن اور علم دین حاصل کر رہا ہے تو اس میں جی لگا کر پابندی سے

محنت بھی کرنا چاہیے مگر اس کے ساتھ دعا بھی کرنا چاہیے کہ اے اللہ اس کو آسان کردے اور میرے ذہن میں اس کو جمادے۔ یا نماز و روزہ وغیرہ شروع کیا ہے، یا بزرگوں کے بتلانے سے اور عبادتوں میں لگ گیا ہو تو سستی اور نفس کے حیلہ بہانہ کا مقابلہ کرکے ہمت کے ساتھ اس کو نباہنا چاہیے مگر دعا بھی کرتا رہے کہ اے اللہ میری مدد کر اور مجھ کو اس کی ہمیشہ توفیق دے اور اس کو قبول فرما۔ یہ نمونہ کے طور پر چند مثالیں لکھ دی ہیں۔ ہر کام اور ہر مصیبت میں اسی طرح جو اپنے کرنے کی تدبیر ہے وہ بھی کرے اور سب تدبیروں کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے خوب عاجزی اور توجہ کے ساتھ عرض بھی کرتا رہے اور جس کام میں تدبیر کا کچھ دخل نہیں اس میں تو تمام کوشش دعا ہی میں خرچ کرنا ضرور ہے، جیسے بارش کا ہونا یا اولاد کا زندہ رہنا یا کسی بیماری کا علاج بیماری سے اچھا ہو جانا یا نفس وشیطان کا نہ بہکانا۔ یا وبا اور طاعون سے محفوظ رہنا یا قابو یافتہ ظالموں کے شر سے بچنا۔ ان کاموں کا بنانے والا تو بجز اللہ تعالیٰ کے کوئی برائے نام بھی نہیں۔ اس لیے تدبیر کے کاموں میں جتنا حصہ تدبیر کا ہے، ان بے تدبیر کے کاموں میں وہ حصہ تدبیر کا بھی دعا ہی میں خرچ کرنا چاہیے۔ غرض تدبیر کے کاموں میں تو کچھ تدبیر اور کچھ دعا ہے اور بے تدبیر کے کاموں میں تدبیر کی جگہ بھی دعا ہی ہے۔

تو اس میں زیادہ دعا ہوئی اور دعا فقط اس کا نام نہیں کہ دو چار باتیں یاد کرلیں اور نمازوں کے بعد اس کو صرف زبان سے آموختہ کی طرح پڑھ دیا، سو یہ دعا نہیں ہے۔ محض دعا کی نقل ہے۔ دعا کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے دربار میں درخواست پیش کرنا ہے، سو جس طرح حاکم کے یہاں درخواست دیتے ہیں کم سے کم دعا اس طرح تو کرنا چاہیے کہ درخواست دینے کے وقت آنکھیں بھی اسی طرف لگی ہوتی ہیں، دل بھی ہمہ تن ادھر ہی ہوتا ہے، صورت بھی عاجزوں کی سی بناتے ہیں۔ اگر زبانی کچھ عرض کرنا ہوتا ہے تو کیسے ادب سے گفتگو کرتے ہیں اور اپنی عرضی منظور ہونے کے لیے پورا زور لگاتے ہیں اور اس یقین دلانے کی پوری کوشش کرتے ہیں کہ ہم کو آپ سے پوری اُمید ہے کہ ہماری درخواست پر پوری توجہ فرمائی جاوے گی، پھر بھی عرضی کے موافق حکم نہ ہو اور حاکم عرضی دینے والے کے سامنے افسوس ظاہر کرے کہ تمہاری مرضی کے موافق تمہارا کام نہ ہوا تو یہ شخص فوراً یہ جواب دیتا ہے کہ جناب مجھ کو کوئی رنج یا شکایت نہیں۔ اس معاملہ میں قانون ہی سے جان نہ تھی یا میری پیروی میں کمی رہ گئی تھی جناب نے کچھ کمی نہیں فرمائی اور اگر اس حاجت کی آئندہ بھی ضرورت ہو تو کہتا ہے کہ کچھ کو نا اُمیدی نہیں پھر عرض کرتا رہوں گا اور اصلی بات تو یہ ہے کہ مجھ کو جناب کی مہربانی کام ہونے سے زیادہ پیاری چیز ہے۔ کام تو خاص وقت یا محدود درجہ کی چیز ہے۔ جناب کی مہربانی تو عمر بھر کی اور غیر محدود درجہ کی دولت اور نعمت ہے۔

تو اے مسلمانو! دل میں سوچو کیا تم دعا مانگنے کے وقت اور دعا مانگنے کے بعد جب اس کا کوئی ظہور نہ ہو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کرتے ہو۔ سوچو اور شرماؤ۔ جب یہ برتاؤ نہیں کرتے تو اپنی دُعا کو دُعا یعنی درخواست کس منہ سے کہتے ہو تو واقع میں کمی تمہاری ہی طرف سے ہے جس سے وہ دُعا درخواست نہ رہی اور اس طرف سے تو اتنی رعایت ہے کہ درخواست دینے کا وقت بھی معین نہیں فرمایا۔ وقت بے وقت جب چاہو عرض معروض کرلو۔ نمازوں کے بعد کا وقت بھی تم ہی نے ٹھہرا رکھا ہے البتہ وہ وقت دوسرے وقتوں سے زیادہ برکت کا ہے۔ سو اس وقت زیادہ دُعا کرو باقی اور وقتوں میں بھی اس کا سلسلہ جاری رکھو۔ جس وقت جو حاجت یاد آ گئی فوراً ہی دل سے یا زبان سے بھی مانگنا شروع کرو۔ جب دُعا کی حقیقت معلوم ہوگئی تو اس حقیقت کے موافق دُعا مانگو پھر دیکھو کیسی برکت ہوتی ہے اور برکت کا یہ مطلب نہیں کہ جو مانگو گے وہی مل جاوے گا۔ کبھی تو وہی چیز مل جاتی ہے جیسے کوئی آخرت کی چیز مانگے کیونکہ وہ بندہ کے لیے

بھلائی ہی بھلائی ہے۔البتہ اُس میں ایمان اور اطاعت شرط ہے کیونکہ وہاں کی چیزیں قانوناً اُسی شخص کو مل سکتی ہیں اور کبھی وہ چیز مانگی ہوئی نہیں ملتی جیسے دنیا کی چیزیں مانگے کیونکہ وہ بندہ کے لیے کبھی بھلائی ہے کبھی برائی۔ جب اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھلائی ہوتی ہے اس کو مل جاتی ہے اور جب بُرائی ہوتی ہے تو نہیں ملتی۔ جیسے باپ بچہ کو پیسہ مانگنے پر کبھی دے دیتا ہے اور کبھی نہیں دیتا جب وہ دیکھتا ہے کہ اس سے یہ ایسی چیز خرید کر کھاوے گا جس سے حکیم نے منع کر رکھا ہے۔تو برکت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ مانگی ہوئی چیز مل جاوے۔ بلکہ برکت کا مطلب یہ ہے کہ دُعا کرنے سے حق تعالیٰ کی توجہ بندہ کی طرف ہو جاتی ہے اگر وہ چیز بھی کسی مصلحت سے نہ ملے تو دُعا کی برکت سے بندہ کے دل میں تسلی اور قوت پیدا ہو جاتی ہے اور پریشانی اور کمزوری جاتی رہتی ہے اور یہ اثر حق تعالیٰ کی اس خالص توجہ کا ہوتا ہے جو دُعا کرنے سے بندہ کی طرف حق تعالیٰ کو ہو جاتی ہے اور یہی توجہ خاص اجابت کا وہ یقینی درجہ ہے جس کا وعدہ حق تعالیٰ کی طرف سے دُعا کرنے والے کے لیے ہوا ہے اور اس حاجت کا عطا فرما دینا یہ اجابت کا دوسرا درجہ ہے۔

(جیسے کوئی طبیب سے درخواست کرے کہ میرا علاج مسہل سے کر دیجئے تو اصل منظوری تو علاج شروع کر دینا ہے وہ مسہل نہ دے اور دوسری منظوری مسہل دینا ہے۔اس میں یہ شرط ہے کہ مصلحت بھی سمجھے ۱۲)

جس کا وعدہ بلاشرط نہیں بلکہ اس شرط سے ہے کہ بندہ کی مصلحت کے خلاف نہ ہو اور یہی توجہ خاص ہے۔جس کے سامنے بڑی سے بڑی حاجت اور دولت کوئی چیز نہیں اور یہی توجہ خاص بندہ کی اصل پونجی ہے جس سے دنیا میں بھی اُس کو حقیقی اور دائمی راحت نصیب ہوتی ہے اور آخرت میں بھی غیر محدود اور ابدی نعمت اور حلاوت نصیب ہوگی۔تو دُعا میں اس برکت کے ہوتے ہوئے دُعا کرنے والے کو خسارہ اور محرومی کا اندیشہ کرنے کی کب گنجائش ہے؟

قبولیت دعا کی شرائط

عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يستجاب للعبد مالم يدع بالاثم او قطيعة رحم مالم يستعجل قيل يا رسول الله ما الاستعجال قال يقول قد دعوت وقد دعوت فلم او يستجاب لى فيستحسر عند ذلک ويدع الدعاء

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا بندہ کی دُعا قبول ہوتی ہے تاوقتیکہ کسی گناہ یا رشتہ داروں کے ساتھ بدسلوکی کی دُعا نہ کرے جب تک کہ جلدی نہ مچاوے۔عرض کیا گیا یا رسول اللہ !صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جلدی مچانے کا مطلب کیا ہے؟ آپ نے فرمایا جلدی مچانا یہ ہے کہ یوں کہنے لگے کہ میں نے بار بار دُعا کی مگر قبول ہوتی ہوئی نہیں دیکھتا،سو دُعا کرنا چھوڑ دے۔(مسلم)

تشریح:اس میں تاکید ہے اس بات کی کہ گو قبول نہ ہو مگر برابر کیے جائے اسکے متعلق اوپر بیان آچکا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے نزدیک دُعا سے بڑھ کر کوئی چیز قدر کی نہیں۔(ترمذی وابن ماجہ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دُعا (ہر چیز سے) کام دیتی ہے ایسی

(بلا) سے بھی جو کہ نازل ہو چکی ہو اور ایسی (بلا) سے بھی جو کہ ابھی نازل نہیں ہوئی۔ سوائے بندگانِ خدا دُعا کو پلہ باندھو۔ (ترمذی واحمد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ سے دُعا نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس پر غصہ کرتا ہے۔ (ترمذی)

فائدہ: البتہ جس کو اس کی دھن اور دھیان سے فرصت نہ ہو وہ اس میں داخل نہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تم اللہ تعالیٰ سے ایسی حالت میں دُعا کیا کرو کہ تم قبولیت کا یقین رکھا کرو اور یہ جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ غفلت سے بھرے دل سے دُعا قبول نہیں کرتا۔ (ترمذی)

فائدہ: تو دُعا خوب توجہ سے کرنا چاہیے اور اجابت کے دو درجے اوپر بیان کیے ہیں۔

وہی قبولیت کے بھی ہیں کیونکہ دونوں ایک ہی چیز ہیں اور ایک درجہ اس کا عام ہے جو اگلی حدیث میں آتا ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی ایسا مسلمان نہیں جو کوئی دُعا کرے جس میں گناہ اور قطع رحمی نہ ہو مگر اللہ تعالیٰ اس دُعا کے سبب اس کو تین چیزوں میں سے ایک ضرور دیتا ہے، یا تو فی الحال وہی مانگی ہوئی چیز دے دیتا ہے اور یا اس کو آخرت کے لیے ذخیرہ کر دیتا ہے اور یا کوئی ایسی ہی بُرائی اُس سے ہٹا دیتا ہے۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا کہ اس حالت میں تو ہم خوب کثرت سے دُعا کیا کریں گے۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے یہاں اس سے بھی زیادہ عطا کی کثرت ہے۔ (احمد)

فائدہ: خلاصہ یہ کہ کوئی دُعا خالی نہیں جاتی۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے ہر شخص کو اپنے رب سے سب حاجتیں مانگنا چاہئیں (اور ثابت کی روایت میں ہے کہ) یہاں تک کہ اُس سے نمک بھی مانگے اور جوتی کا تسمہ ٹوٹ جاوے وہ بھی اُسی سے مانگے۔ (ترمذی)

فائدہ: یعنی یہ خیال نہ کرے کہ ایسی حقیر چیز اتنے بڑے سے کیا مانگے، اُن کے نزدیک تو بڑی چیز بھی چھوٹی ہی ہے۔

دعا کے چند آداب

دعا کا ایک ادب یہ ہے کہ جب کسی دوسرے کیلئے دعا کرنی ہو تو پہلے اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے مانگے اس کے بعد دوسرے کے لئے۔ اگر صرف دوسرے کے لئے مانگے تو اس کی حیثیت محتاج سائل کی نہ ہوگی، بلکہ صرف ''سفارشی'' کی سی ہوگی اور یہ بات دربارِ الٰہی کے کسی منگتا کے لئے مناسب نہیں ہے، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی یہی دستور تھا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی دوسرے کیلئے دعا فرمانا چاہتے تو پہلے اپنے لئے مانگتے۔ عبدیت کاملہ کا تقاضا یہی تھا۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَلُوا اللّٰهَ بِبُطُوْنِ اَكُفِّكُمْ وَلَا تَسْاَلُوْهُ بِظُهُوْرِهَا فَاِذَا فَرَغْتُمْ فَامْسَحُوْا بِهَا وُجُوْهَكُمْ. (رواہ ابوداؤد)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ سے اس طرح ہاتھ اٹھائے مانگا کرو کہ ہتھیلیوں کا رُخ سامنے ہو ہاتھ الٹے کر کے نہ مانگا کرو، اور جب دعا کر چکو تو اٹھے ہاتھ چہرے پر پھیر لو۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح...... دوسری بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب آنے والی اور نازل ہونے والی کسی بلا کو رکوانے کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تو ہاتھوں کی پشت آسمان کی طرف ہوتی تھی اور جب دنیا یا آخرت کی کوئی خیر اور بھلائی مانگتے تھے تو سیدھے ہاتھ پھیلا کے مانگتے تھے جس طرح کسی سائل اور منگتا کو ہاتھ پسار کے اور پھیلا کے مانگنا چاہئے۔ اس کی روشنی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کا مطلب یہی ہے کہ جب اللہ سے اپنی کوئی حاجت مانگی جائے تو اس کے سامنے فقیروں کی طرح ہاتھ سیدھے پھیلا کے مانگی جائے اور آخر میں وہ پھیلے ہوئے ہاتھ منہ پر پھیر لئے جائیں۔ اس تصور کے ساتھ کہ یہ پھیلے ہوئے ہاتھ خالی نہیں رہے ہیں، رب کریم کی رحمت و برکت کا کوئی حصہ ان کو ضرور ملا ہے۔

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ اِسْتَأْذَنْتُ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فِی الْعُمْرَةِ فَاَذِنَ وقال اَشْرِ كْنَا یَا اُخَیَّ فِیْ دُعَائِکَ وَلَا تَنْسَنَا فَقَالَ كَلِمَةً مَا یَسُرُّنِیْ اَنَّ لِیْ بِهَا الدُّنْیَا. (رواہ ابوداؤد والترمذی)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بیان فرماتے ہیں کہ: ”ایک دفعہ میں نے عمرہ کرنے کے لئے مکہ معظمہ جانے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت چاہی، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اجازت عطا فرما دی، اور ارشاد فرمایا: ”بھیا ہمیں بھی اپنی دعاؤں میں شامل کرنا اور ہم کو بھول نہ جانا؟“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ”آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے مخاطب کر کے یہ بھیا کا جو کلمہ کہا، اگر مجھے اس کے عوض ساری دنیا دیدی جائے تو میں راضی نہ ہوں گا۔ (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

تشریح...... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دُعا ایسی چیز ہے جس کی استدعا بڑوں کو بھی اپنے چھوٹوں سے کرنی چاہئے۔ بالخصوص اس وقت جبکہ وہ کسی ایسے مقبول عمل کے لئے یا ایسے مقدس مقام کو جا رہا ہو جہاں قبولیت کی خاص امید ہو۔

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ”اُخَیَّ“ کے لفظ سے خطاب فرمایا جو ”اَخِی“ کی تصغیر ہے، اور جس کا لفظی ترجمہ ”بھیّا“ ہے۔ اس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جتنی خوشی ہوئی (جس کا انہوں نے اظہار بھی فرمایا ہے) وہ بالکل برحق ہے۔ اس کے ساتھ اس حدیث سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مقام کی رفعت اور بارگاہ الٰہی میں ان کی مقبولیت کی جو شہادت ملتی ہے وہ بجائے خود بہت بڑی سند ہے۔

وہ دعائیں جو خصوصیت سے قبول ہوتی ہیں

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ثَلٰثُ دَعْوَاتٍ مُسْتَجَابَاتٌ، لَا شَکَّ فِیْهِنَّ دَعْوَةُ الْوَالِدِ وَدَعْوَةُ الْمُسَافِرِ وَدَعْوَةُ الْمَظْلُوْمِ. (رواہ الترمذی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”تین دعائیں ہیں جو خاص طور سے قبول ہوتی ہیں، ان کی قبولیت میں شک ہی نہیں ہے۔ ایک اولاد کے حق میں ماں باپ کی دعا۔ دوسرے مسافر اور پردیسی کی دُعا۔ تیسرے مظلوم کی دُعا۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... ان دعاؤں کی مقبولیت کا خاص راز بھی یہی ہے کہ یہ دعائیں اخلاص سے اور دل سے ہوتی ہیں۔ اولاد کے لئے ماں باپ کا خلوص تو ظاہر ہے۔ اسی طرح بے چارے پردیسی اور مظلوم کا دل شکستہ ہوتا ہے اور دل کی شکستگی میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کو کھینچنے کی خاص طاقت ہے۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم قَالَ خَمْسُ دَعْوَاتٍ يُسْتَجَابُ لَهُنَّ دَعْوَةُ الْمَظْلُوْمِ حَتّٰى يَنْتَصِرَ وَدَعْوَةُ الْحَاجِّ حَتّٰى يَصْدِرَ وَدَعْوَةُ الْمُجَاهِدِ حَتّٰى يُفْقَدَ وَدَعْوَةُ الْمَرِيْضِ حَتّٰى يَبْرَأَ وَدَعْوَةُ الْاَخِ لِاَخِيْهِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ ثُمَّ قَالَ وَاَسْرَعُ هٰذِهِ الدَّعْوَاتِ اِجَابَةً دَعْوَةُ الْاَخِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ. (رواه البيهقى فى الدعوات الكبير)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”پانچ آدمیوں کی دعائیں خاص طور پر قبول ہوتی ہیں۔ مظلوم کی دعا جب تک وہ بدلہ نہ لے لے۔ اور حج کرنے والے کی دعا جب تک وہ لوٹ کے اپنے گھر واپس نہ آئے اور راہِ خدا میں جہاد کرنیوالے کی دعا جب تک وہ شہید ہو کے دنیا سے لاپتہ نہ ہو جائے، اور بیمار کی دعا جب تک وہ شفایاب نہ ہو اور ایک بھائی کی دوسرے بھائی کے لئے غائبانہ دعا۔ یہ سب بیان فرمانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اور ان دعاؤں میں سب سے جلدی قبول ہونے والی دعا کسی بھائی کے لئے غائبانہ دعا ہے۔ (دعوات کبیر للبیہقی)

تشریح...... دُعا اگر حقیقۃً دُعا ہو اور خود دُعا کرنے والے کی ذات اور اس کے اعمال میں کوئی ایسی چیز نہ ہو جو قبولیت میں مانع ہوتی ہے تو دُعا عموماً قبول ہی ہوتی ہے لیکن بندۂ مؤمن کے بعض خاص احوال یا اعمال ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی وجہ سے رحمت الٰہی خصوصیت سے متوجہ ہوتی ہے اور دعا کی قبولیت کا خصوصی استحقاق پیدا ہو جاتا ہے۔ اس حدیث میں جن پانچ آدمیوں کی دعاؤں کا ذکر ہے ان میں سے مظلوم کی دعا اور غائبانہ دعا کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اور حج اور جہاد ایسے اعمال ہیں کہ جب تک بندہ ان میں مشغول ہو وہ گویا اللہ کی بارگاہ میں ہے اور اس سے قریب تر ہے۔ اسی طرح مردِ مؤمن کی بیماری گناہوں سے اس کی تطہیر کا ذریعہ اور قربِ الٰہی کی راہ میں اس کی غیر معمولی ترقی کا وسیلہ ہوتی ہے۔ اور بیماری کے بستر پر وہ ولایت کی منزلیں طے کرتا ہے اس لئے اس کی دعا بھی خاص طور پر قبول ہوتی ہے۔

قبولیتِ دُعا کے خاص اوقات

دُعا کی قبولیت میں بنیادی دخل تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ دعا کرنے والے کے تعلق اور اس اندرونی کیفیت کو ہوتا ہے جس کو قرآن مجید میں ”اضطرار“ اور ”ابتہال“ سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ کچھ خاص احوال اور اوقات بھی ایسے ہوتے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی رحمت وعنایت کی خاص طور سے امید کی جاتی ہے۔ مندرجہ ذیل حدیثوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان احوال واوقات کی خاص طور سے نشاندہی فرمائی ہے۔

عَنْ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم مَنْ صَلّٰى فَرِيْضَةً فَلَهُ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ وَمَنْ خَتَمَ الْقُرْاٰنَ فَلَهُ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ. (رواه الطبرانى فى الكبير)

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”جو بندہ فرض نماز پڑھے (اور اس کے بعد دل سے دُعا کرے) تو اس کی دعا قبول ہوگی، اسی طرح جو آدمی قرآن مجید ختم کرے (اور دُعا کرے) تو اس کی دعا بھی قبول ہوگی۔ (معجم کبیر للطبرانی)

تشریح...... نماز اور خاص کر فرض نماز میں اور قرآن پاک کی تلاوت کے وقت بندہ اللہ تعالیٰ سے قریب تر اور اس سے ہم

کلام ہوتا ہے، بشرطیکہ نماز اور تلاوت کی صرف صورت نہ ہو، بلکہ حقیقت ہو۔ گویا یہ دونوں عمل بندۂ مومن کی معراج ہیں۔ پس ان دونوں کے ختم پر بندہ اللہ تعالیٰ سے جو دعا کرے وہ اس کی مستحق ہے کہ رحمت الٰہی خود آگے بڑھ کے اس کا استقبال کرے۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اَلدُّعَاءُ لَا یُرَدُّ بَیْنَ الْاَذَانِ وَالْاِقَامَةِ. (رواہ الترمذی وابوداؤد)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآل وسلم نے فرمایا کہ: ''اذان اور اقامت کے درمیان دُعا رَد نہیں ہوتی قبول ہی ہوتی ہے۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داوٗد)

فرض نمازوں کے بعد، ختم قرآن کے بعد، اذان اور اقامت کے درمیان، میدان جہاد میں جنگ کے وقت، بارانِ رحمت کے نزول کے وقت جس وقت کعبۃ اللہ آنکھوں کے سامنے ہو، ایسے جنگل بیابان میں نماز پڑھ کے جہاں خدا کے سوا کوئی دیکھنے والا نہ ہو، میدان جہاد میں، جب کمزور ساتھیوں نے بھی ساتھ چھوڑ دیا ہو، اور رات کے آخری حصہ میں۔

وہ حدیثیں اپنے موقع پر پہلے ذکر کی جاچکی ہیں جن میں شب قدر میں اور عرفہ کے دن میدانِ عرفات میں اور جمعہ کی خاص ساعت میں اور روزہ کے افطار کے وقت، اور سفر حج اور سفر جہاد میں اور بیماری اور مسافری کی حالت میں دعاؤں کی قبولیت کی خاص توقع دلائی گئی ہے۔

لیکن یہ بات برابر ملحوظ رہنی چاہئے کہ دعا کا مطلب دعا کے الفاظ اور صرف اس کی صورت نہیں ہے بلکہ اس کی وہ حقیقت ہے جو پہلے ذکر کی جا چکی ہے، پودا اسی دانے سے اُگتا ہے جس میں مغز ہو۔ اسی طرح آگے درج ہونے والی احادیث سے دعا کی قبولیت کا مطلب بھی سمجھ لینا چاہئے۔

قبولیت دعا کی صورتیں

بہت سے لوگ ناواقفیت سے قبولیت دعا کا مطلب صرف یہ سمجھتے ہیں کہ بندہ اللہ سے جو کچھ مانگے وہ اس کو مل جائے اور اگر وہ نہیں ملتا تو سمجھتے ہیں کہ دُعا قبول نہیں ہوئی۔ یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے۔ بندے کا علم بے حد ناقص ہے، بلکہ اپنی خلقت کے لحاظ سے وہ ظلوم وجہول ہے۔ بہت سے بندے ہیں جن کے لئے دولتمندی نعمت ہے۔ اور بہت سے ہیں جن کے لئے دولت فتنہ ہے۔ بہت سے بندے ہیں جن کے لئے حکومت اور اقتدار قرب خداوندی کا وسیلہ ہے۔ اور حجاج اور ابن زیاد کی طرح بہت سے ہیں جن کے لئے حکومتی اقتدار خدا سے دوری اور اس کے غضب کا سبب بن جاتا ہے۔ بندہ نہیں جانتا کہ کیا چیز میرے لئے بہتر ہے اور کیا میرے لئے فتنہ اور زہر ہے۔ اس لئے بسا اوقات وہ ایسی چیز اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہے جو اس کیلئے بہتر نہیں ہوتی، یا اس کا عطا کرنا حکمت الٰہی کے خلاف ہوتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ جو حکیم ودانا ہے، یہ بات اس کے علم وحکم کے خلاف ہے کہ ہر بندہ جو مانگے وہ اس کو ضرور عطا فرمادے۔ دوسری طرف اس کی کریمی کا یہ تقاضا ہے کہ جب اس کا بندہ ایک محتاج اور مسکین کی طرح اس کے حضور میں ہاتھ پھیلائے اور دعا کرے تو وہ اس کو خالی ہاتھ نہ لوٹائے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کا یہ دستور ہے کہ وہ دعا کرنے والے بندے کو محروم نہیں لوٹاتا کبھی تو اس کو وہی عطا فرما دیتا ہے جو دعا میں اس نے مانگا اور کبھی اس کی دعا کے عوض آخرت کی بیش بہا نعمتوں کا فیصلہ فرما دیتا ہے۔ اور اس طرح اس کی یہ دعا اس کیلئے ذخیرۂ آخرت بن جاتی ہے، اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس دنیا میں اسباب و مسببات کا جو سلسلہ ہے اس کے حساب سے اس دعا کرنے والے بندے پر کوئی آفت اور مصیبت نازل ہونے والی ہوتی ہے تو اللہ

تعالیٰ اس کی اس دعا کے نتیجے میں اس آنے والی بلا اور مصیبت کو روک دیتا ہے۔ بہر حال دعا کے قبول ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دعا رائیگاں نہیں جاتی اور دعا کرنے والا محروم نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے علم و حکمت کے مطابق مذکورہ بالا صورتوں میں سے کسی نہ کسی طرح اس کو ضرور نوازتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑی وضاحت کے ساتھ اس حقیقت کو بیان فرمایا ہے۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ یَدْعُوْ بِدَعْوَۃٍ لَیْسَ فِیْهَا اِثْمٌ وَلَا قَطِیْعَةُ رَحِمٍ اِلَّا اَعْطَاهُ اللّٰهُ بِهَا اِحْدٰی ثَلٰثٍ اِمَّا اَنْ یُعَجِّلَ لَهٗ دَعْوَتَهٗ وَاِمَّا اَنْ یَّدَّخِرَهَا لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ وَاِمَّا اَنْ یَّصْرِفَ عَنْهُ مِنَ السُّوْءِ مِثْلَهَا قَالُوْا اِذًا نُکْثِرُ قَالَ اللّٰهُ اَکْثَرُ۔ (رواہ احمد)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جو مؤمن بندہ کوئی دعا کرتا ہے جس میں کوئی گناہ کی بات نہ ہو اور نہ قطع رحمی ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو تین چیزوں میں سے کوئی ایک چیز ضرور عطا ہوتی ہے یا تو جو اس نے مانگا ہے وہی اس کو ہاتھ کے ہاتھ عطا فرما دیا جاتا ہے، یا اس کی دعا کو آخرت میں اس کا ذخیرہ بنا دیا جاتا ہے یا آنے والی کوئی مصیبت اور تکلیف اس دعا کے حساب میں روک دی جاتی ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا: جب بات یہ ہے (کہ ہر دعا ضرور قبول ہوتی ہے اور اس کے حساب میں کچھ نہ کچھ ضرور ملتا ہے) تو ہم بہت زیادہ دعائیں کریں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے پاس اس سے بھی زیادہ ہے۔ (رواہ احمد)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ اللہ کا خزانہ لا انتہا اور غیر فانی ہے اگر سارے بندے ہر وقت اس سے مانگیں اور وہ ہر ایک کے لئے عطا فرمانے کا فیصلہ کرے تو اس کے خزانہ میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔ مستدرک حاکم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب اس بندے کو جس نے دنیا میں بہت سی ایسی دعائیں کی ہوں گی جو بظاہر دنیا میں قبول نہیں ہوئی ہوں گی ان دعاؤں کے حساب میں جمع شدہ ذخیرہ آخرت میں عطا فرمائیں گے تو بندے کی زبان سے نکلے گا:

یَا لَیْتَهٗ لَمْ یُعَجَّلْ لَهٗ شَیْئٌ مِنْ دُعَائِهٖ (کنز العمال: ص ۵۷ جلد ۲)

اے کاش! میری کوئی بھی دعا دنیا میں قبول نہ ہوئی ہوتی، اور ہر دعا کا پھل مجھے یہیں ملتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دُعائیں

دعا سے متعلق جو حدیثیں یہاں تک مذکور ہوئیں ان میں یا تو دعا کی ترغیب اور اس کی عظمت و برکات کا بیان تھا یا دعا کے آداب اور اس سے متعلق ہدایات اور موجبات قبولیت بیان فرمائے گئے تھے۔ یہ سب مضامین گویا تمہیدی تھے۔ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ اصل دعائیں اور سوز و گداز سے بھری ہوئی بارگاہ خداوندی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ مناجاتیں پڑھیے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام معرفت اور قلبی کیفیات و واردات کو ممکن حد تک جاننے کا بہترین وسیلہ اور امت کیلئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عظیم ترین ورثہ ہیں اور جن کو پورے ذخیرۂ حدیث کا بجا طور پر گلِ سر سبد کہا جا سکتا ہے۔

نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) دعاؤں کے اس پورے ذخیرے کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

ایک وہ جن کا تعلق خاص اوقات اور مخصوص حالات سے ہے مثلاً صبح نمودار ہونے کے وقت کی دعا، شام کے وقت کی، سونے کے

وقت کی دعا، نیند سے بیدار ہونے کے وقت کی دعا، آندھی یا بارش کے وقت کی دعا، کسی مصیبت اور پریشانی کے وقت کی دعا وغیرہ وغیرہ۔

دوسری وہ دعائیں جو عام نوعیت کی ہیں، کسی خاص وقت اور مخصوص حالات سے ان کا تعلق نہیں۔ یہ دعائیں اکثر جامع قسم کی ہیں۔

تیسری قسم کی دعائیں وہ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز میں یا نماز سے فارغ ہو کر یعنی سلام کے بعد اللہ تعالیٰ کے حضور میں کیا کرتے تھے۔ یہاں پہلے یہی تیسری قسم کی نماز والی دعائیں درج کی جارہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس عظیم ترین اور بیش بہا ورثہ کی شایانِ شان قدر اور اس سے فائدہ اٹھانے کی پوری توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

تکبیر تحریمہ کے بعد کی بعض افتتاحی دُعائیں

عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وآله وسلم إِذَا اسْتَفْتَحَ الصَّلٰوةَ كَبَّرَ، ثُمَّ قَالَ "إِنَّ صَلٰوتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ، اَللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ لِأَحْسَنِ الْأَعْمَالِ وَالْأَخْلَاقِ لَا يَهْدِيْ لِأَحْسَنِهَا إِلَّا أَنْتَ وَقِنِيْ سَيِّئَ الْأَخْلَاقِ لَا يَقِيْ سَيِّئَهَا إِلَّا أَنْتَ." (رواه النسائی)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع فرماتے تو پہلے تکبیر تحریمہ کہتے، پھر اللہ تعالیٰ کے حضور میں یوں عرض کرتے: "میری نماز اور میری ہر عبادت اور میرا جینا مرنا سب اللہ کے لئے ہے جو رب العالمین ہے اس کا کوئی شریک ساجھی نہیں، مجھے اسی کا حکم ہے اور میں سب سے پہلے اس کی فرمانبرداری کرنیوالا ہوں، اے میرے اللہ! مجھے بہترین اعمال واخلاق کی ہدایت فرما، یہ ہدایت صرف تجھ ہی سے مل سکتی ہے، اور برے اعمال واخلاق سے مجھے بچا اور میری حفاظت فرما، یہ حفاظت بھی تو ہی فرما سکتا ہے۔ (سنن نسائی)

تشریح...... اس دعا میں شروع میں تو جیسا کہ چاہئے توحید کی شہادت کے ساتھ اللہ تعالےٰ کے حضور میں اپنی بندگی و نیازمندی اور مخلصانہ فدویت ووفاداری کا اقرار واظہار ہے اور آخر میں اللہ تعالیٰ سے اچھے اعمال واخلاق کی ہدایت توفیق اور برے اعمال واخلاق سے حفاظت اور بچاؤ کی التجا اور استدعا کی گئی ہے اور دراصل اسی ہدایت اور حفاظت پر انسان کی سعادت اور فلاح کا دارومدار ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ إِنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وآله وسلم كَانَ يَدْعُوْا فِي الصَّلٰوةِ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَأَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ وَأَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُبِكَ مِنَ الْمَاثَمِ وَمِنَ الْمَغْرَمِ. (رواه البخاری ومسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں یہ دعا بھی کرتے تھے: "اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُبِكَ الخ" (اے اللہ! میں تیری پناہ لیتا ہوں قبر کے عذاب سے اور دجال کے فتنہ سے اور زندگی اور موت کے سارے فتنوں سے اور گناہ کے ہر کام سے اور قرضہ کے بار سے)۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح...... صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کے ساتھ متصلاً حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: قعدۂ اخیرہ میں تشہد کے بعد عذاب نار، عذاب قبر،

فتنہ دجال اور زندگی اور موت کے سارے فتنوں سے اللہ کی پناہ مانگنی چاہئے۔

عَنْ قَيْسِ بْنِ عَبَادٍ قَالَ صَلَّى عَمَّارُ بْنُ يَاسِرٍ بِالْقَوْمِ صَلٰوةً اَخَفَّهَا فَكَاَنَّهُمْ اَنْكَرُوْهَا فَقَالَ اَلَمْ اُتِمَّ الرُّكُوْعَ وَالسُّجُوْدَ؟ قَالُوْا بَلٰى، قَالَ اَمَا اِنِّىْ دَعَوْتُ فِيْهَا بِدُعَاءٍ كَانَ النَّبِىُّ صلى الله عليه وآله وسلم يَدْعُوْ بِهٖ، اَللّٰهُمَّ بِعِلْمِكَ الْغَيْبَ وَقُدْرَتِكَ عَلَى الْخَلْقِ اَحْيِنِىْ مَا عَلِمْتَ الْحَيَاةَ خَيْرًا لِىْ وَتَوَفَّنِىْ اِذَا عَلِمْتَ الْوَفَاةَ خَيْرًا لِىْ، اَللّٰهُمَّ اَسْئَلُكَ خَشْيَتَكَ فِى الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ وَاَسْأَلُكَ كَلِمَةَ الْاِخْلَاصِ فِى الرِّضَا وَالْغَضَبِ وَاَسْأَلُكَ الْقَصْدَ فِى الْفَقْرِ وَالْغِنٰى وَاَسْأَلُكَ نَعِيْمًا لَا يَنْفَدُ وَاَسْئَلُكَ الرِّضَا بَعْدَ الْقَضَا وَاَسْئَلُكَ قُرَّةَ عَيْنٍ لَا تَنْقَطِعُ، وَاَسْأَلُكَ بَرْدَ الْعَيْشِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَاَسْأَلُكَ لَذَّةَ النَّظْرِ اِلٰى وَجْهِكَ وَالشَّوْقَ اِلٰى لِقَائِكَ فِىْ غَيْرِ ضَرَّاءَ مُضِرَّةٍ وَلَا فِتْنَةٍ مُضِلَّةٍ، اَللّٰهُمَّ زَيِّنَّا بِزِيْنَةِ الْاِيْمَانِ وَاجْعَلْنَا هُدَاةً مُهْتَدِيْنَ. (رواه النسائى)

قیس بن عباد (تابعی) سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جلیل القدر صحابی حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے کچھ ہلکی اور مختصر نماز پڑھائی تو لوگوں نے اس پر کچھ چہ میگوئیاں کیں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ''کیا بات ہے؟ کیا میں نے رکوع اور سجدے (اور دوسرے ارکان) پوری طرح ادا نہیں کئے؟'' لوگوں نے کہا: ''یہ بات تو نہیں، لیکن ہم نے محسوس یہی کیا کہ آپ نے (اس وقت) بہت ہلکی نماز پڑھی۔'' حضرت عمارؓ نے فرمایا: ''میں نے تو رکوع وسجود اور دوسرے ارکان پوری طرح ادا کرنے کے علاوہ نماز میں (اچھی خاصی طویل) وہ خاص دعا بھی کی تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی کیا کرتے تھے (اور وہ یہ ہے): ''اَللّٰهُمَّ بِعِلْمِكَ الْغَيْبَ وَقُدْرَتِكَ عَلَى الْخَلْقِ الخ'' (اے میرے اللہ! تو عالم الغیب ہے اور تجھے اپنی مخلوق پر پوری قدرت حاصل ہے۔ تو اپنے اس علم غیب اور اس قدرتِ مطلقہ سے مجھے اس وقت تک دنیا میں رکھ جب تک تیرے علم میں میری زندگی میرے لئے باعث خیر ہو اور مجھے اس وقت دنیا سے اٹھا لے جب اٹھایا جانا میرے لئے بہتر ہو۔ اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں تیرا خوف اور تیری خشیت خلوت میں اور جلوت میں، اور مانگتا ہوں تجھ سے بے لاگ اور خدا لگتی مخلصانہ بات کرنے کی توفیق رضا مندی کی حالت میں اور سخت ناراضی کی حالت میں (یعنی مجھے توفیق دے کہ کسی کی رضا مندی یا ناراضی کی وجہ سے حق وانصاف کے خلاف کوئی بات نہ کہوں) اور اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں میانہ روی، تنگدستی میں اور خوش حالی میں اور میں سائل ہوں رضا بالقضا کی صفت کا، اور سوال کرتا ہوں تجھ سے آخرت کے جاودانی عیش وآرام کا اور آنکھوں کی اس ٹھنڈک کا جو کبھی منقطع نہ ہو، اور تجھ سے مانگتا ہوں مرنے کے بعد ٹھنڈی اور چین وسکون کی زندگی اور تیرے دیدار کی لذت اور تیری ملاقات کا اشتیاق، بغیر اسکے کہ کوئی ضرررساں کیفیت پیدا ہو، اور بغیر اسکے کہ کسی گمراہ کن فتنہ میں ابتلا ہو۔ اے میرے اللہ! ہم کو ایمان کی زینت سے آراستہ فرما اور ہمیں ہدایت یافتہ اور دوسروں کیلئے ذریعہ ہدایت بنا۔ (سنن نسائی)

تشریح..... حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث اور اس سے پہلے والی حدیث میں صراحت کے ساتھ یہ مذکور نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعائیں نماز میں کس موقع پر کرتے تھے لیکن دوسری حدیثوں کی روشنی میں سمجھا جا سکتا ہے

کہ آپ یہ دعائیں نماز کے آخری قعدہ میں سلام سے پہلے کرتے تھے، نماز میں اس قسم کی دعاؤں کا خاص موقع و محل یہی ہے۔

عَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه و آله وسلم يَقُوْلُ دُبُرَ كُلِّ صَلٰوةٍ "اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْئٍ اَنَا شَهِيْدٌ اَنَّكَ اَنْتَ الرَّبُّ وَحْدَكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ، اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْئٍ اَنَا شَهِيْدٌ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَرَسُوْلُكَ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْئٍ اَنَا شَهِيْدٌ اَنَّ الْعِبَادَ كُلُّهُمْ اِخْوَةٌ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْئٍ اِجْعَلْنِي مُخْلِصًا لَكَ وَاَهْلِيْ فِيْ كُلِّ سَاعَةٍ مِنَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ يَا ذَالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ اِسْمَعْ وَاسْتَجِبْ اَللّٰهُ اَكْبَرُ الْاَكْبَرُ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ الْاَكْبَرُ حَسْبِيَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ الْاَكْبَرُ. (رواہ ابوداؤد)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد یہ دعا کرتے تھے: "اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْئٍ الخ" (اے میرے اللہ! اے ہمارے پروردگار! اور ہر چیز کے پروردگار! میں گواہی دیتا ہوں کہ صرف تو ہی اکیلا تو ہی مالک اور پروردگار ہے، تیرا کوئی شریک ساجھی نہیں۔ اے میرے اللہ! اے ہمارے پروردگار! اور ہر چیز کے پروردگار! میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تیرا بندہ اور تیرا رسول ہے۔ اے میرے اللہ! اے میرے پروردگار! اور ہر چیز کے پروردگار! میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سارے بندے (بندگی کے رشتے سے) بھائی بھائی ہیں۔ اے میرے اللہ! اے ہمارے پروردگار! اور ہر چیز کے پروردگار! مجھے اور میرے گھر والوں کو ہمیشہ کے لئے دنیا اور آخرت کی ایک ایک ساعت کے لئے اپنا مخلص اور وفادار بندہ بنا لے۔ اے ذوالجلال والاکرام میری التجا سن لے، میری دعا قبول فرما لے، اللہ ہی سب سے بڑا ہے، وہی بزرگ و برتر ہے، اللہ زمین و آسمان کا نور ہے (سارا جہان اسی کے نور سے قائم ہے اور منور ہے) اللہ ہی سب سے بڑا ہے وہی بزرگ و برتر ہے، میرے لئے میرا اللہ کافی ہے اور وہ بہت اچھا میرا سہارا اور بھروسہ ہے۔ اللہ ہی سب سے بڑا ہے، وہی بزرگ و برتر ہے) (سنن ابی داؤد)

تشریح...... دعائیں دو قسم کی ہوتی ہیں: ایک وہ جن میں اللہ تعالیٰ سے دنیا و آخرت کی کوئی چیز طلب کی جائے، یا کسی شر اور بلا سے اس کی پناہ مانگی جائے۔ اور دوسری وہ جن میں بندہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی اور اس کے جلال و جبروت اور بے نہایت احسانات کو یاد کر کے اس کے حضور میں اپنی بندگی و نیازمندی اور مخلصانہ وفاداری و ممنونیت کا مظاہرہ کرے، اور اس طرح اس کی رحمت و عنایت اور اس کا قرب چاہے۔ نماز کے بعد کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا جو حضرت زید بن ارقمؓ کی روایت سے یہاں مذکور ہوئی اسی دوسری قسم کی ہے۔ اس سے پہلے جو دعائیں درج ہو چکی ہیں ان میں سے اکثر میں بھی یہی عنصر غالب ہے۔

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كُنَّا اِذَا صَلَّيْنَا خَلْفَ النَّبِيِّ صلى الله عليه و آله وسلم اَحْبَبْنَا اَنْ نَكُوْنَ عَنْ يَمِيْنِهٖ يُقْبِلُ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ فَسَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ رَبِّ قِنِيْ عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ. (رواہ مسلم)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھتے تھے تو ہم یہ چاہا کرتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے داہنی جانب کھڑے ہوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (نماز سے فارغ ہونے کے بعد ہماری طرف رخ فرماتے تھے تو میں نے سنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ سے دعا کر رہے تھے: رَبِّ قِنِيْ عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ

عِبَادَکَ" (اے پروردگار! مجھے اپنے عذاب سے بچا اس دن جس دن کہ تو بندوں کو اٹھائے اور دوبارہ ان کو زندہ کرے) (صحیح مسلم)

تشریح...... حضرت براءؓ کی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد داہنی جانب رخ کر کے بیٹھتے تھے۔ اور حضرت سمرہ بن جندبؓ کی ایک روایت ہے جس کو امام بخاریؒ نے بھی روایت کیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سلام کے بعد مقتدیوں کی جانب رخ کر کے بیٹھتے تھے۔ ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقتدیوں کی طرف رخ کر کے اس طرح بیٹھتے تھے کہ کسی قدر داہنی جانب کو بھی آپ کا رخ ہوتا تھا، اس بناء پر یہ دونوں بیان بجائے خود صحیح ہیں۔ واللہ اعلم.

عَنْ مُسْلِمِ بْنِ الْحَارِثِ اَنَّ النَّبِيَّ صلی الله علیه و آله وسلم اَسَرَّ اِلَيْهِ فَقَالَ اِذَا نْصَرَفْتَ مِنْ صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ فَقُلْ "اَللّٰهُمَّ اَجِرْنِىْ مِنَ النَّارِ سَبْعَ مَرَّاتٍ قَبْلَ اَنْ تَكَلَّمَ اَحَدًا فَاِنَّكَ اِذَا قُلْتَ ذَالِكَ ثُمَّ مُتَّ فِىْ لَيْلَتِكَ كُتِبَ لَكَ جَوَارٌ مِّنْهَا وَاِذَا صَلَّيْتَ الصُّبْحَ فَقُلْ ذَالِكَ فَاِنَّكَ اِذَا مُتَّ يَوْمَكَ كُتِبَ لَكَ جَوَارٌ مِنْهَا. (رواه ابوداؤد)

حضرت مسلم بن الحارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو خصوصیت کے ساتھ تلقین فرمائی کہ جب تم مغرب کی نماز ختم کرو تو کسی آدمی سے بات کرنے سے پہلے سات دفعہ یہ دعا کرو: "اَللّٰهُمَّ اَجِرْنِىْ مِنَ النَّارِ." (اے اللہ! مجھے دوزخ سے پناہ دے) تم نے مغرب کے بعد اگر یہ دعا کی اور اسی رات میں تم کو موت آ گئی تو دوزخ سے تمہارے بچاؤ کا فیصلہ کر دیا جائے گا، اور اسی طرح جب تم صبح کی نماز پڑھو تو کسی آدمی سے بات کرنے سے پہلے سات دفعہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کرو "اَللّٰهُمَّ اَجِرْنِىْ مِنَ النَّارِ." (اے اللہ! مجھے دوزخ سے پناہ دے) اگر اس دن تمہاری موت مقدر ہوگی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم کو دوزخ سے بچانے کا حکم ہو جائے گا۔ (سنن ابی داؤد)

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ اَخَذَ بِيَدِىْ رَسُوْلُ اللهِ صلی الله علیه و آله وسلم وَقَالَ يَا مَعَاذُ وَاللهِ لَاُحِبُّكَ اُوْصِيْكَ يَا مُعَاذُ لَا تَدَعُهُنَّ فِىْ كُلِّ صَلٰوةٍ اَنْ تَقُوْلَ "اَللّٰهُمَّ اَعِنِّىْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ. (رواه ابوداؤد والنسائی)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ کے فرمایا: "اے معاذ! مجھے تجھ سے محبت ہے، میں تجھے وصیت کرتا ہوں کہ ہر نماز کے بعد یہ دعا ضرور کیا کر: "اَللّٰهُمَّ اَعِنِّىْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ." (اے اللہ! میری مدد فرما اور مجھے توفیق دے اپنے ذکر کی، اپنے شکر کی اور اپنی اچھی عبادت کی)۔ (سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

تشریح...... نہایت مختصر ہونے کے باوجود یہ بڑی عظیم اور اہم دعا ہے۔ اس کی عظمت اور اہمیت کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل کو اپنی محبت کا واسطہ دے کر تاکید کے ساتھ اس کی وصیت اور تلقین فرمائی۔ اسی طرح اس سے پہلی حدیث کی دعا "اَللّٰهُمَّ اَجِرْنِىْ مِنَ النَّارِ." کی تلقین بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلم بن الحارثؓ کو خصوصیت اور اہتمام سے فرمائی تھی اور وہ بھی نہایت مختصر ہے۔ اس غیر معمولی اہتمام کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم و تلقین کے بعد ان دعاؤں کا اہتمام نہ کرنا بڑی ناقدری اور کم نصیبی کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

ختمِ تہجد پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک نہایت جامع دُعا

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم يَقُوْلُ لَيْلَةً حِيْنَ فَرَغَ مِنْ صَلٰوتِهٖ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ رَحْمَةً مِنْ عِنْدِكَ تَهْدِىْ بِهَا قَلْبِىْ وَتَجْمَعُ بِهَا اَمْرِىْ وَتَلُمُّ بِهَا شَعْثِىْ وَتُصْلِحُ بِهَا غَائِبِىْ وَتَرْفَعُ بِهَا شَاهِدِىْ وَتُزَكِّىْ بِهَا عَمَلِىْ وَتُلْهِمُنِىْ بِهَا رُشْدِىْ وَتَعْصِمُنِىْ بِهَا مِنْ كُلِّ سُوْءٍ اَللّٰهُمَّ اَعْطِنِىْ اِيْمَانًا وَّيَقِيْنًا لَيْسَ بَعْدَهٗ كُفْرٌ وَّرَحْمَةً اَنَالُ بِهَا شَرَفَ كَرَامَتِكَ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ الْفَوْزَ فِى الْقَضَاءِ وَنُزُلَ الشُّهَدَاءِ وَعَيْشَ السُّعَدَاءِ وَالنَّصْرَ عَلَى الْاَعْدَاءِ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اُنْزِلُ بِكَ حَاجَتِىْ وَاِنْ قَصُرَ رَأْيِىْ وَضَعُفَ عَمَلِىْ اِفْتَقَرْتُ اِلٰى رَحْمَتِكَ فَاَسْئَلُكَ يَا قَاضِىَ الْاُمُوْرِ وَيَاشَافِىَ الصُّدُوْرِ كَمَا تُجِيْرُ بَيْنَ الْبُحُوْرِ اَنْ تُجِيْرَنِىْ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ وَمِنْ دَعْوَةِ الثُّبُوْرِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْقُبُوْرِ اَللّٰهُمَّ مَا قَصُرَ عَنْهُ رَأْيِىْ وَلَمْ تَبْلُغْهُ نِيَّتِىْ وَلَمْ تَبْلُغْهُ مَسْأَلَتِىْ مِنْ خَيْرٍ وَعَدْتَهٗ اَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ اَوْ خَيْرٍ اَنْتَ مُعْطِيْهِ اَحَدًا مِنْ عِبَادِكَ فَاِنِّىْ اَرْغَبُ اِلَيْكَ فِيْهِ وَاَسْأَلُكَهٗ بِرَحْمَتِكَ رَبَّ الْعَالَمِيْنَ اَللّٰهُمَّ ذَا الْحَبْلِ الشَّدِيْدِ وَالْاَمْرِ الرَّشِيْدِ اَسْئَلُكَ الْاَمْنَ يَوْمَ الْوَعِيْدِ وَالْجَنَّةَ يَوْمَ الْخُلُوْدِ مَعَ الْمُقَرَّبِيْنَ الشُّهُوْدِ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ الْمُوْفِيْنَ بِالْعُهُوْدِ اِنَّكَ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ وَّاِنَّكَ تَفْعَلُ مَا تُرِيْدُ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا هَادِيْنَ مُهْتَدِيْنَ غَيْرَ ضَآلِّيْنَ وَلَا مُضِلِّيْنَ سِلْمًا لِاَوْلِيَائِكَ وَعَدُوًّا لِاَعْدَائِكَ نُحِبُّ بِحُبِّكَ مَنْ اَحَبَّكَ وَنُعَادِىْ بِعَدَاوَتِكَ مَنْ خَالَفَكَ اَللّٰهُمَّ هٰذَا الدُّعَاءُ وَعَلَيْكَ الْاِجَابَةُ وَهٰذَا الْجَهْدُ وَعَلَيْكَ التُّكْلَانُ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ لِىْ نُوْرًا فِىْ قَلْبِىْ وَنُوْرًا فِىْ قَبْرِىْ وَنُوْرًا مِنْ بَيْنِ يَدَىَّ وَنُوْرًا مِنْ خَلْفِىْ وَنُوْرًا عَنْ يَمِيْنِىْ وَنُوْرًا عَنْ شِمَالِىْ وَنُوْرًا مِنْ فَوْقِىْ وَنُوْرًا مِنْ تَحْتِىْ وَنُوْرًا فِىْ سَمْعِىْ وَنُوْرًا فِىْ بَصَرِىْ وَنُوْرًا فِىْ شَعْرِىْ وَنُوْرًا فِىْ بَشَرِىْ وَنُوْرًا فِىْ لَحْمِىْ وَنُوْرًا فِىْ دَمِىْ وَنُوْرًا فِىْ عِظَامِىْ اَللّٰهُمَّ اَعْظِمْ لِىْ نُوْرًا وَاَعْطِنِىْ نُوْرًا وَاجْعَلْ لِىْ نُوْرًا سُبْحَانَ الَّذِىْ تَعَطَّفَ الْعِزَّ وَقَالَ بِهٖ سُبْحَانَ الَّذِىْ لَبِسَ الْمَجْدَ وَتَكَرَّمَ سُبْحَانَ ذِى الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ. (رواہ الترمذی)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک رات نماز تہجد سے فارغ ہوئے تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا: "اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ رَحْمَةً مِنْ عِنْدِكَ تَهْدِىْ بِهَا قَلْبِىْ الخ." (اے اللہ! میں تجھ سے دعا اور التجا کرتا ہوں تو محض اپنے فضل وکرم سے مجھ پر ایسی وسیع اور ہمہ گیر رحمت فرما جس سے میرا قلب تیری ہدایت سے بہرہ یاب ہو اور اپنے سارے معاملات میں مجھے تیری اس رحمت سے جمعیت نصیب ہو اور میری ظاہری وباطنی پراگندگی اور ابتری دور ہو اور مجھ سے تعلق رکھنے والی جو چیزیں میرے پاس نہیں دور اور غائب ہیں تیری رحمت سے ان کو صلاح وفلاح حاصل ہو اور جو میرے پاس حاضر وموجود ہیں ان کو تیری رحمت سے رفعت اور قدر افزائی نصیب ہو اور خود میرے اعمال کا تیری اس رحمت سے تزکیہ ہو اور تیری طرف سے میرے قلب میں وہی ڈالا جائے جو میرے لئے صحیح اور مناسب

ہو اور جس چیز سے مجھے رغبت اور الفت ہو وہ مجھے تیری اس رحمت سے عطا ہو اور ہر برائی سے تو میری حفاظت فرما۔ اے میرے اللہ! میرے دل کو وہ ایمان ویقین عطا فرما جس کے بعد کسی درجہ کا بھی کفر نہ ہو (یعنی کوئی بات بھی مجھ سے ایمان کے خلاف سرزد نہ ہو) اور مجھے اپنی اس رحمت سے نواز جس کے طفیل دنیا اور آخرت میں مجھے عزت وشرف کا مقام حاصل ہو۔ اے اللہ! میں تجھ سے التجا کرتا ہوں قضا وقدر کے فیصلوں میں کامیابی کی اور تجھ سے مانگتا ہوں تیرے شہید بندوں والا اعزاز اور تیرے نیک بخت بندوں والی زندگی اور دشمنوں کے مقابلے میں تیری حمایت اور مدد۔ اے اللہ! میں تیری بارگاہ میں اپنی حاجتیں لے کر حاضر ہوا ہوں، اگرچہ میری عقل ورائے کوتاہ اور میرا عمل اور جدوجہد ضعیف ہے۔ اے رحیم وکریم! میں تیری رحمت کا محتاج ہوں پس اے سارے اُمور کا فیصلہ فرمانے والے اور قلوب کے روگ دور کر کے ان کو شفا بخشنے والے مالک ومولا! جس طرح تو اپنی قدرت کاملہ سے (ایک ساتھ بہنے والے) سمندروں کو ایک دوسرے سے جدا رکھتا ہے (کہ کھاری شیریں سے الگ رہتا ہے اور شیریں کھاری سے) اسی طرح تو مجھے آتش دوزخ سے اور اس عذاب سے جُدا اور دور رکھ جس کو دیکھ کے آدمی موت کی دعا مانگے گا۔ اور اسی طرح مجھے عذاب قبر سے بچا۔ اے میرے اللہ! تو نے جس خیر اور نعمت کا اپنے کسی بندے کیلئے وعدہ فرمایا ہو، یا جو چیز اور نعمت تو کسی کو بغیر وعدے کے عطا فرمانے والا ہو اور میری عقل ورائے اس کے شعور اور اس کی طلب سے قاصر رہی ہو اور میری نیت بھی اس تک نہ پہنچی ہو اور میں نے تجھ سے اس کی استدعا بھی نہ کی ہو، تو اے میرے اللہ! تیری رحمت سے میں اس کی بھی تجھ سے التجا کرتا ہوں، اور تیرے کرم کے بھروسے اس کا طالب اور شائق ہوں، تو اپنے رحم وکرم سے وہ خیر ونعمت بھی مجھے عطا فرما۔ اے میرے وہ اللہ! جس کا رشتہ مضبوط ومحکم ہے اور جس کا ہر حکم اور کام صحیح اور درست ہے، میں تجھ سے استدعا کرتا ہوں کہ ''یوم الوعید'' یعنی قیامت کے دن مجھے امن چین عطا فرما اور ''یوم الخلود'' یعنی آخرت میں میرے لئے جنت کا فیصلہ فرما اپنے ان بندوں کیساتھ جو تیرے مقرب اور تیری بارگاہ کے حاضر باش ہیں اور رکوع وسجود یعنی نماز وعبادت میں مشغول رہنا جن کا وظیفہ حیات ہے اور وفائے عہد جن کی خاص صفت ہے۔ اے میرے اللہ! تو بڑا مہربان اور بڑی عنایت ومحبت فرمانے والا ہے اور ''فعال لما یرید'' تیری شان ہے۔ اے اللہ! ہمیں ایسا کردے کہ ہم دوسروں کے لئے ہدایت کا ذریعہ بنیں، اور خود ہدایت یاب ہوں۔ نہ خود گم کردہ راہ ہوں اور نہ دوسروں کے لئے گمراہ کن۔ تیرے دوستوں سے ہماری صلح ہو، تیرے دشمنوں کے ہم دشمن ہوں، جو کوئی تجھ سے محبت رکھے ہم تیری اس محبت کی وجہ سے اس سے محبت کریں اور جو تیرے خلاف چلے اور عداوت کی راہ اختیار کرے، تیری عداوت کی وجہ سے ہم بھی اس سے عداوت اور بغض رکھیں۔ اے اللہ! یہ میری دعا ہے، اور قبول فرمانا تیرے ذمہ ہے اور یہ میری حقیر کوشش ہے اور اعتماد وبھروسہ اپنی کوشش اور دُعا پر نہیں بلکہ صرف تیرے کرم پر ہے۔ اے اللہ! میرے قلب میں نور پیدا فرما، اور میری قبر کو نورانی کردے، اور منور کردے میرے آگے اور میرے پیچھے اور میرے دائیں اور میرے بائیں اور میرے اوپر اور میرے نیچے (یعنی میرے ہر طرف تیرا نور ہی نور ہو) اور اے اللہ! نور پیدا فرما میری شنوائی میں اور بینائی میں اور میرے بال بال اور روئیں روئیں میں اور میرے گوشت پوست میں اور میری رگوں میں دوڑنے والے خون میں اور میری ہڈیوں میں۔ اے اللہ! میرے نور کو بڑھا اور مجھے نور عطا فرما اور نور کو میرا اور میرے ساتھ کردے۔ پاک ہے وہ پروردگار جس نے عزت وجلال کی چادر

اوڑھ لی ہے اور مجد و کرم اس کا لباس و شعار ہے، پاک ہے وہ رب قدوس جس کے سوا کسی کو تسبیح سزاوار نہیں، پاک ہے بندوں پر فضل و انعام فرمانے والا، پاک ہے جس کی خاص صفت عظمت و کرم ہے، پاک ہے رب ذو الجلال والا کرام۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... سبحان اللہ! کتنی بلند اور کس قدر جامع ہے یہ دعاء تنہا اسی ایک دعا سے (اور اس سے پہلے جو دعائیں درج ہوئیں ان سے بھی) اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کے شئون و صفات کی کتنی معرفت حاصل تھی، اور عبدیت جو بندے کا سب سے بڑا کمال ہے اس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا مقام تھا، اور سید العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہونے کے باوجود اپنے آپ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے کرم کا کتنا محتاج سمجھتے تھے، اور بندگی و نیازمندی کی کس فقیرانہ شان کے ساتھ اس سے اپنی حاجتیں مانگتے تھے، نیز یہ بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ دعا کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب مبارک کی کیا کیفیت ہوتی تھی، اور اللہ تعالیٰ نے انسانی حاجتوں کا کتنا تفصیلی اور عمیق احساس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمایا تھا۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ جیسے رؤف اور رحیم و کریم ہیں اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان دعاؤں کے ایک ایک فقرے پر اللہ تعالیٰ کے دریائے رحمت میں کیسا تلاطم اور دعا مانگنے والے پر کتنا پیار آتا ہوگا۔

صبح و شام کی دعائیں

اب تک جو دعائیں مذکور ہوئیں وہ سب نماز کے اندر کی یا نماز کے بعد کی تھیں اور نماز چونکہ اپنی روح و حقیقت کے لحاظ سے خود دعا و مناجات بلکہ اس کی مکمل ترین صورت ہے اور اس کا موضوع ہی اللہ تعالیٰ کے حضور میں اظہار عجز و نیاز اور دعا و سوال ہے، اس لئے اس میں اس طرح کی دعائیں کامل معرفت اور کمال عبدیت کی علامت ہونے کے باوجود کوئی عجوبہ نہیں۔ لیکن جو دعائیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسرے اوقات خاص کر کھانے پینے، سونے جاگنے اور دوسرے بشری و حیوانی تقاضوں والے اعمال و اشغال کے اوقات کے لئے تعلیم فرمائی ہیں جن کے ذریعہ یہ اعمال و اشغال بھی سراسر روحانی و نورانی اور اللہ تعالیٰ کے تقرب کا وسیلہ بن جاتے ہیں، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت و تعلیم کا خاص الخاص معجزہ ہے ذیل میں انہی دعاؤں کا سلسلہ شروع کیا جا رہا ہے۔

ہر آدمی کے لئے رات کے بعد صبح ہوتی ہے اور دن ختم ہونے پر شام آتی ہے، گویا ہر صبح اور ہر شام زندگی کی ایک منزل طے ہو کر اگلی منزل شروع ہو جاتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ارشادات اور اپنے عملی نمونہ سے اُمت کو ہدایت فرمائی کہ وہ ہر صبح و شام اللہ کے ساتھ اپنے تعلق کو تازہ و مستحکم کرے اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرے، اپنے قصوروں کے اعتراف کے ساتھ معافی مانگے، اور سائل و بھکاری بن کر رب کریم سے مناسب وقت دعائیں کرے۔

عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم يُعَلِّمُ اَصْحَابَهُ يَقُوْلُ اِذَا اَصْبَحَ اَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ "اَللّٰهُمَّ بِكَ اَصْبَحْنَا وَبِكَ اَمْسَيْنَا وَبِكَ نَحْيَا وَبِكَ نَمُوْتُ وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ وَاِذَا اَمْسٰى فَلْيَقُلْ اَللّٰهُمَّ بِكَ اَمْسَيْنَا وَبِكَ اَصْبَحْنَا وَبِكَ نَحْيَا وَبِكَ نَمُوْتُ وَاِلَيْكَ النُّشُوْرُ. (رواه ابوداؤد والترمذى واللفظ له)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب کو تلقین فرماتے تھے کہ جب

رات ختم ہو کر تمہاری صبح ہو تو اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کیا کرو: "اَللّٰهُمَّ بِکَ اَصْبَحْنَا وَبِکَ اَمْسَيْنَا. تا "وَاِلَيْکَ الْمَصِيْرُ." (اے اللہ! تیرے ہی حکم سے ہماری صبح ہوتی ہے، اور تیرے ہی حکم سے ہماری شام، تیرے ہی فیصلہ سے ہم زندہ ہیں، اور تیرے ہی حکم سے ہم وقت آ جانے پر مریں گے، اور پھر تیری ہی طرف لوٹ کر جائیں گے) اسی طرح جب شام ہو تو عرض کرو: "اَللّٰهُمَّ بِکَ اَصْبَحْنَا وَبِکَ اَمْسَيْنَا تا وَاِلَيْکَ النُّشُوْرُ." (اے اللہ! تیرے ہی حکم سے ہماری شام ہوتی ہے، اور تیرے ہی حکم سے ہماری صبح، اور تیرے ہی فیصلہ سے ہم زندہ ہیں، اور تیرے ہی فیصلہ سے مریں گے، اور پھر اٹھ کر تیرے ہی حضور حاضر ہوں گے۔) (جامع ترمذی، وسنن ابی داؤد)

تشریح...... رات کے اندھیرے کے بعد صبح کے اُجالے کا نمودار ہونا اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔ انسان عموماً دن ہی میں اپنے سارے کام کاج کرتے ہیں، اگر رات کے بعد صبح نہ ہو تو گویا قیامت ہو جائے۔ اسی طرح دن کے ختم پر شام کا آنا اور رات کا شروع ہونا بھی بڑی نعمت ہے، شام آ کر کاموں سے چھٹی دلاتی ہے اور آرام و راحت کا پیام لاتی ہے، اگر ایک دن شام نہ آئے، تو اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ عام انسانوں پر کیا گزر جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث میں ہدایت فرمائی ہے کہ جب صبح یا شام ہو تو اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا احساس و اعتراف کیا جائے۔ اسی کے ساتھ اس کو بھی یاد کیا جائے کہ جس طرح اللہ کے حکم سے دن کی عمر ختم ہو کر رات آتی ہے اور رات کی عمر ختم ہو کر دن نکلتا ہے۔ اسی طرح اس کے حکم سے ہماری زندگی چل رہی ہے، اور اسی کے حکم سے مقررہ وقت پر موت آ جائے گی اور پھر اللہ کے حضور میں پیشی ہو گی۔ الغرض روزانہ صبح و شام اللہ کی نعمت کا اعتراف اور موت اور آخرت کو یاد کیا جائے۔ نہ صبح کو اس سے غفلت ہو نہ شام کو۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه و آله وسلم اِذَا اَمْسٰی قَالَ "اَمْسَيْنَا وَاَمْسَی الْمُلْکُ لِلّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْکَ لَهٗ لَهُ الْمُلْکُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَيْئٍ قَدِيْرٌ. اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ مِنْ خَيْرِ هٰذِهِ اللَّيْلَةِ وَخَيْرِ مَا فِيْهَا وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا فِيْهَا. اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْکَسَلِ وَالْهَرَمِ وَسُوْءِ الْکِبْرِ وَفِتْنَةِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْقَبْرِ." وَاِذَا اَصْبَحَ قَالَ ذٰلِکَ اَيْضًا وَاَصْبَحْنَا وَاَصْبَحَ الْمُلْکُ لِلّٰهِ الخ." (رواہ مسلم)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب شام ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کرتے: "اَمْسَيْنَا وَاَمْسَی الْمُلْکُ لِلّٰهِ الخ." (یہ شام اس حال میں ہو رہی ہے کہ ہم اور یہ ساری کائنات اللہ ہی کے ہیں۔ ساری حمد و ستائش اسی اللہ کے لئے ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک ساجھی نہیں، راج اور ملک اسی کا ہے، وہی لائق حمد و ثناء ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اے اللہ! یہ آنے والی رات اور جو کچھ اس رات میں ہونے والا ہے میں اس کے خیر کا تجھ سے سائل ہوں، اور اس کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ پروردگار! تیری پناہ سستی اور کاہلی سے (جو اُمورِ خیر سے محرومی کا سبب بنتی ہے) تیری پناہ بالکل نکما کر دینے والے بڑھاپے سے اور کبرسنی کے بُرے اثرات سے تیری پناہ دنیا کے ہر فتنہ سے (اور یہاں کی ہر آزمائش سے) تیری پناہ قبر کے عذاب سے۔ اور جب صبح ہوتی ہے

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بس ایک لفظ کی تبدیلی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور میں یوں عرض کرتے: "وَاَصْبَحَ الْمُلْکُ لِلّٰہِ الخ." (ہماری صبح اس حال میں ہو رہی ہے کہ ہم اور یہ ساری کائنات اللہ ہی کے ہیں الخ۔) (صحیح مسلم)

تشریح ...... اس دعا میں اپنی ذات اور ساری کائنات کے اوپر اللہ تعالیٰ کی ملکیت کا اقرار اور اس کی حمد و ثناء کے ساتھ اس کی توحید کا اعلان ہے۔ پھر رات یا دن میں جو خیر اور برکتیں ہوں ان کا سوال ہے، اور جو کمزوریاں خیر و سعادت سے محرومی کا سبب بن جاتی ہیں ان سے پناہ طلبی ہے۔ اور آخر میں دنیا کے ہر فتنہ اور عذاب قبر سے پناہ مانگی گئی ہے۔ سبحان اللہ! کیسی جامع دعا ہے اور اس میں اپنی بندگی اور نیازمندی کا کیسا اظہار ہے۔

عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مَا مِنْ عَبْدٍ مُسْلِمٍ يَقُوْلُ اِذَا اَمْسٰى وَاِذَا اَصْبَحَ ثَلَاثًا "رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا." اِلَّا كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ اَنْ يُّرْضِيَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ. (رواہ احمد والترمذی)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان بندہ صبح اور شام تین دفعہ کہے: "رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا." (میں راضی ہوں اللہ کو اپنا مالک و پروردگار مان کر اور اسلام کو اپنا دین بنا کر اور محمدؐ کو نبی مان کر) تو اللہ نے اس بندے کے لئے اپنے ذمہ کر لیا ہے کہ قیامت کے دن اس کو ضرور خوش کر دے گا۔ (مسند احمد، جامع ترمذی)

تشریح ...... سبحان اللہ! کتنی عظیم بشارت ہے کہ جو مؤمن و مسلم بندہ اس مختصر کلمہ کو صبح شام تین تین دفعہ کہہ کے اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے دین کے ساتھ اپنے ایمانی تعلق کو تازہ اور مستحکم کرے اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا حتمی فیصلہ ہے کہ میں قیامت کے دن اس کو راضی اور خوش کر دوں گا۔ اس بشارت کے معلوم ہو جانے کے بعد اس دولت کو حاصل کرنے سے غافل رہنا کتنا عظیم خسارہ اور کتنی بڑی محرومی ہوگی۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ غَنَّامٍ الْبَيَاضِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ مَنْ قَالَ حِيْنَ يُصْبِحُ "اَللّٰهُمَّ مَا اَصْبَحَ بِيْ مِنْ نِعْمَةٍ اَوْ بِاَحَدٍ مِنْ خَلْقِكَ فَمِنْكَ وَحْدَكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ. لَكَ الْحَمْدُ وَلَكَ الشُّكْرُ." فَقَدْ اَدّٰى شُكْرَ يَوْمِهٖ وَمَنْ قَالَ مِثْلَ ذٰلِكَ حِيْنَ يُمْسِيْ فَقَدْ اَدّٰى شُكْرَ لَيْلَتِهٖ. (رواہ ابوداؤد)

عبداللہ بن غنام بیاضی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "جو بندہ صبح ہونے پر اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کرے کہ: "اَللّٰهُمَّ مَا اَصْبَحَ بِيْ مِنْ نِعْمَةٍ الخ." (اے میرے اللہ! اس صبح جو بھی نعمت مجھے نصیب ہے یا تیری مخلوق میں سے کسی کو بھی میسر ہے وہ تنہا تیرے ہی کرم کا نتیجہ ہے، تیرا کوئی شریک ساجھی نہیں، تیرے ہی لئے ساری حمد و ثناء اور اے کریم صرف تیرا ہی شکر ہے) تو اس نے اس دن کی ساری نعمتوں کا شکر ادا کر دیا، اور جس نے شام ہونے پر اللہ تعالیٰ کے حضور میں اسی طرح عرض کیا تو اس نے پوری رات کی نعمتوں کا شکر ادا کر دیا۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح ...... حق یہ ہے کہ بندہ اللہ کی نعمتوں کا کسی طرح شکر ادا نہیں کر سکتا۔ یہ رب کریم کا صرف کرم ہے کہ ایسے حقیر سے شکر کو بھی وہ کافی قرار دیتا ہے۔ منقول ہے کہ: حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ: "اے پروردگار! تیری

نعمتیں بے شمار ہیں میں کیسے ان کا شکرادا کروں۔ ارشاد ہوا کہ: "تمہارا یہ محسوس کرنا کہ وہ نعمتیں میری ہی طرف سے ہیں، بس یہی شکر کافی ہے۔ لک الحمد ولک الشکر.

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه و آله وسلم مَا مِنْ عَبْدٍ يَّقُوْلُ فِيْ صَبَاحِ كُلِّ يَوْمٍ وَمَسَاءِ كُلِّ لَيْلَةٍ "بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَا يَضُرُّ مَعَ اِسْمِهٖ شَيْئٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ" ثَلٰثَ مَرَّاتٍ فَلَا يَضُرُّهٗ شَيْئٌ. (رواہ الترمذی وابوداؤد)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص ہر دن کی صبح اور ہر رات کی شام کو تین دفعہ یہ دعا پڑھ لیا کرے اسے کوئی مضرت نہیں پہنچے گی اور وہ کسی حادثہ سے دوچار نہیں ہوگا۔ دعا یہ ہے:

بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَا يَضُرُّ مَعَ اِسْمِهٖ شَيْئٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ. (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

اس اللہ کے نام سے جس کے نام پاک کیساتھ زمین وآسمان کی کوئی چیز بھی ضرر نہیں پہنچا سکتی اور وہ سب سننے والا اور جاننے والا ہے۔

تشریح...... حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کے راوی ان کے صاحبزادے ابان ہیں۔ ان پر فالج کا حملہ ہو گیا تھا جس سے ان کا جسم متاثر تھا۔ ایک دفعہ جب وہ یہ حدیث بیان کر رہے تھے ایک آدمی خاص طرح کی نظر سے ان کی طرف دیکھنے لگا، وہ سمجھ گئے کہ اسکے دل میں یہ اعتراض پیدا ہو رہا ہے کہ جب آپ یہ حدیث اپنے والد ماجد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے سن چکے تھے تو پھر آپ پر فالج کا حملہ کیسے ہو گیا، اس حدیث میں تو اس دعا کے صبح وشام پڑھنے والے کے لئے ہر حادثہ سے حفاظت کی ضمانت بتائی گئی ہے۔ ابان نے اس آدمی سے کہا: "میاں دیکھتے کیا ہو، نہ میں غلط بیان کر رہا ہوں نہ حضرت عثمانؓ نے مجھ سے غلط بیان کیا تھا۔ حدیث بالکل صحیح ہے اور اس میں جو وعدہ ہے وہ بھی برحق ہے، اصل واقعہ یہ ہے کہ ایک دفعہ کسی معاملہ کی وجہ سے مجھے سخت غصہ تھا، اس غصہ کی حالت میں اس دن وقت پر یہ دعا پڑھنا بھول گیا، اسی دن یہ فالج کا حملہ ہوا۔ چونکہ تقدیر الٰہی میں فالج ہونا مقرر تھا اس لئے اسی دن بھلا دیا گیا۔ حضرت ابان کا یہ بیان بھی حدیث کے ساتھ سنن ابی داؤد اور جامع ترمذی میں مروی ہے۔ صبح شام تین دفعہ اس دعا کا پڑھنا اللہ کے نیک بندوں کے معمولات میں سے ہے، اور بلاشبہ اس میں آفات ارضی وسماوی سے حفاظت کی ضمانت ہے۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ خُبَيْبٍ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه و آله وسلم اِقْرَأْ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ، وَالْمُعَوِّذَتَيْنِ حِيْنَ تُمْسِيْ وَحِيْنَ تُصْبِحُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ تَكْفِيْكَ مِنْ كُلِّ شَيْئٍ. (رواہ ابوداؤد)

حضرت عبداللہ بن خبیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: "شام کو اور صبح کو (یعنی دن شروع ہونے پر اور رات شروع ہونے پر) تم قل هو الله احد اور قل اعوذ برب الفلق و قل اعوذ برب الناس تین بار پڑھ لیا کرو۔ یہ ہر چیز کے واسطے تمہارے لئے کافی ہوں گی۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح...... قل ھو اللہ اور معوذتین قرآن مجید کی بہت چھوٹی سورتوں میں ہیں، لیکن اپنے مضمون کے لحاظ سے بہت فائق اور بالاتر ہیں۔ حدیث کا مفاد یہ ہے کہ جو لوگ اور زیادہ نہ پڑھ سکیں وہ صبح وشام کم از کم یہی تین سورتیں پڑھ لیا کریں، جیسا کہ حدیث میں فرمایا گیا ہے، یہی ان شاء اللہ کافی ہوں گی، ہر مسلمان کو یہ یاد بھی ہوتی ہیں۔

سونے کے وقت کی دعائیں

نیند کو موت سے بہت مشابہت ہے۔ سونے والا مُردے ہی کی طرح دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے نیند، بیداری اور موت کے درمیان کی ایک حالت ہے، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تاکید کے ساتھ ہدایت فرماتے تھے کہ جب سونے لگو تو اس سے پہلے دھیان اور اہتمام سے اللہ کو یاد کرو، گناہوں سے معافی مانگو اور اس سے مناسب وقت دعائیں کرو۔ اس سلسلہ میں جو دعائیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تلقین فرمائیں اور جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معمولات میں سے تھیں وہ ذیل میں پڑھی جائیں۔

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی الله علیه و آله وسلم كَانَ اِذَا آوىٰ اِلىٰ فِرَاشِهٖ قَالَ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَكَفَانَا وَاٰوَانَا فَكَمْ مَنْ لَا كَافِىَ لَهٗ وَلَا مُؤْوِىَ لَهٗ." (رواه مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا کہ جب آرام کے لئے بستر پر تشریف لاتے تو اس طرح اللہ کی حمد اور اس کا شکر ادا کرتے "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ تا وَلَا مُؤْوِىَ لَهٗ." (اس اللہ کی حمد اور اس کا شکر جس نے ہمیں کھلایا پلایا اور ہماری پوری ضرورتیں عطا فرمائیں اور آرام کے لئے ہمیں ٹھکانا دیا، کتنے ہی ایسے بندے ہیں جن کی نہ کوئی ضروریات پوری کرنے والا ہے نہ کوئی انہیں ٹھکانا دینے والا ہے) (صحیح مسلم)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ ہم جو کھاتے پیتے ہیں اور جو کچھ ہمیں ملتا ہے وہ سب رب کریم کا عطیہ ہے۔ ہمارے کسی ہنر اور کرتب کو اس میں دخل نہیں، اس لئے وہی لائق حمد و شکر ہے۔ جس نے سوتے وقت یہ دعا کی اس نے کھانے پینے اور ان سب نعمتوں کا جن سے اس نے فائدہ اٹھایا شکر ادا کر دیا۔

عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ كَانَ النَّبِىُّ صلی الله علیه و آله وسلم اِذَا اَخَذَ مَضْجَعَهٗ مِنَ اللَّيْلِ وَضَعَ يَدَهٗ تَحْتَ خَدِّهٖ ثُمَّ يَقُوْلُ "اَللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ اَمُوْتُ وَاَحْيىٰ وَاِذَا اسْتَيْقَظَ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ اَحْيَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ. (رواه البخاری و رواه مسلم عن البراء بن عازب)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب رات کو آرام فرمانے کے لئے بستر پر لیٹتے تو اپنا ہاتھ رخسار مبارک کے نیچے رکھ لیتے (یعنی داہنا ہاتھ داہنے رخسار کے نیچے رکھ کر داہنی کروٹ پر قبلہ رو لیٹ جاتے، جیسا کہ دوسری احادیث میں تفصیل ہے) اور پھر اللہ کے حضور میں عرض کرتے: "اَللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ اَمُوْتُ وَاَحْيىٰ" (اے اللہ! تیرے ہی نام پہ مجھے مرنا اور تیرے ہی نام پر مجھے جینا ہے) اور جب سو کر اٹھتے تو اللہ کا شکر اس طرح ادا کرتے: "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ اَحْيَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ." (حمد و شکر اس اللہ کیلئے جس نے موت طاری کرنے کے بعد ہم کو جلایا اور بالآخر ہمیں اسی کے پاس جانا ہے)۔ (صحیح بخاری)

تشریح...... چونکہ نیند میں بہت کچھ مشابہت موت کی ہے اس لئے اس دعا میں نیند کو مرنے اور بیدار ہونے کو زندہ سے تعبیر کیا گیا ہے، اور اس طرح روزمرہ کے سونے جاگنے کو حیات بعد الموت کی یاددہانی اور اس کی تیاری کی فکر کا ذریعہ بنایا گیا ہے۔ سونے اور جاگنے کے وقت کی دعاؤں میں سے یہ دعا بہت مختصر ہے اور اس کا یاد کرنا بہت آسان ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو توفیق عطا فرمائے۔

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِىُّ صلی الله علیه و آله وسلم يَاْمُرُنَا اِذَا اَرَادَ اَحَدُنَا اَنْ يَنَامَ

اَنْ يَضْطَجِعَ عَلٰى شِقِّهِ الْاَيْمَنِ ثُمَّ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ وَرَبَّ الْاَرْضِ وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْئٍ فَالِقَ الْحَبِّ وَالنَّوٰى، مُنْزِلَ التَّوْرَاةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ، اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ دَابَّةٍ اَنْتَ اٰخِذٌ بِنَا صِيَتِهَا اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْاَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْئٌ وَاَنْتَ الْاٰخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْئٌ اِقْضِ عَنَّا الدَّيْنَ وَاَغْنِنَا مِنَ الْفَقْرِ. (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم کو ہدایت فرماتے تھے کہ جب ہم میں سے کوئی سونے کا ارادہ کرے تو اپنی داہنی کروٹ پر لیٹے اور اللہ سے یوں دعا کرے: "اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ وَرَبَّ الْاَرْضِ. تا وَاَغْنِنَا مِنَ الْفَقْرِ." (اے میرے اللہ! آسمان وزمین کے مالک اور عرش عظیم کے مالک، ہمارے اور ہر چیز کے مالک، دانے اور گٹھلی کو اپنی قدرت سے پھاڑ کر اس سے پودا نکالنے والے تورات وانجیل اور قرآن کے نازل فرمانے والے! میں تیری پناہ مانگتا ہوں زمین میں چلنے یا رینگنے والی تیری ہر مخلوق کے شر سے جس پر تیرا مکمل قابو ہے۔ اے اللہ! تو ہی اول (سب سے پہلا) ہے، کوئی چیز تجھ سے پہلی نہیں، تو ہی آخر (سب کے بعد باقی رہنے والا) ہے، کوئی چیز نہیں جو تیرے بعد ہو (اے مالک کل اور قادر مطلق اور اول وآخر) مجھ پر جو قرض ہے اسے ادا کرا دے، اور فقر ومحتاجی دور فرما کر مجھے غنی اور خوش حال کر دے۔) (صحیح مسلم)

تشریح...... اس حدیث میں بھی سونے کے لئے داہنی کروٹ پر لیٹنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے اور خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی یہی معمول تھا۔ اس کروٹ پر لیٹنے کی صورت میں قلب جو بائیں پہلو میں ہے اوپر معلق رہتا ہے اور اللہ والوں کا تجربہ ہے کہ لیٹتے وقت ذکر ودعا اور توجہ الی اللہ کے لئے یہی شکل زیادہ مناسب ہوتی ہے۔ یہ دعا ان بندگان خدا کے زیادہ حسب حال ہے جو مقروض اور معاشی پریشانیوں میں مبتلا ہوں۔ بندہ یہ دعا کر کے سوئے اور رب کریم سے امید رکھے کہ وہ رزق میں کشائش کی کوئی صورت پیدا فرمائے گا۔

عَنْ حَفْصَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا اَرَادَ اَنْ يَرْقُدَ وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى تَحْتَ خَدِّهٖ ثُمَّ يَقُوْلُ "اَللّٰهُمَّ قِنِيْ عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ" ثَلٰثَ مَرَّاتٍ. (رواہ ابوداؤد)

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سونے کا ارادہ فرماتے تو اپنا داہنا ہاتھ رخسار مبارک کے نیچے رکھ کر لیٹ جاتے اور تین دفعہ یہ دعا کرتے: "اَللّٰهُمَّ قِنِيْ عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ." (اے میرے اللہ! مجھے اپنے عذاب سے بچا قیامت کے دن جبکہ سارے بندے دوبارہ زندہ کئے جائیں گے۔ (سنن ابی داود)

تشریح...... خاص سوتے وقت اس دعا کی ایک کھلی وجہ تو یہی ہے کہ سونے کو موت سے جو ایک خاص مشابہت ہے اس کی وجہ سے آپ سونے کے لئے بستر پر لیٹتے وقت موت اور قیامت اور وہاں کے حساب اور ثواب وعذاب کو یاد کرتے تھے، اور جس بندے کو اللہ کی معرفت حاصل ہوگئی اس کو جب موت وقیامت یاد آئے گی تو قدرتی طور پر اس کی سب سے اہم فکر اور دل کی پکار یہی ہوگی کہ وہاں عذاب سے نجات نصیب ہو۔

عَنْ اَبِیْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه وآله وسلم مَنْ قَالَ حِيْنَ يَأْوِیْ اِلٰى فِرَاشِهٖ "اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَيُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ" ثَلٰثَ مَرَّاتٍ غُفِرَتْ لَهٗ ذُنُوْبُهٗ وَاِنْ كَانَ

عَدَدَ وَرَقِ الْاَشْجَارِ وَاِنْ كَانَتْ عَدَدَ رَمْلِ عَالَجَ وَاِنْ كَانَتْ عَدَدَ اَيَّامِ الدُّنْيَا. (رواه الترمذی)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ’’جو شخص سونے کے لئے بستر پر لیٹتے وقت اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس طرح توبہ واستغفار کرے اور تین دفعہ عرض کرے ’’اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَیْهِ.‘‘ (میں مغفرت وبخشش چاہتا ہوں اس اللہ سے جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ حی وقیوم ہے ہمیشہ رہنے والا اور سب کا کارساز ہے، اور اس کے حضور میں توبہ کرتا ہوں) تو اس کے سب گناہ بخش دیئے جائیں گے، اگرچہ وہ درختوں کے پتوں اور مشہور ریگستان عالج کے ذروں اور دنیا کے دنوں کی طرح بے شمار ہوں۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... اس حدیث میں سوتے وقت مذکورۂ بالا الفاظ کے ساتھ توبہ واستغفار کرنے پر سارے گناہ بخش دیئے جانے کا مژدۂ جانفزا سنایا گیا ہے۔ کتنی بڑی محرومی ہوگی اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس ہدایت پر عمل کا اہتمام نہ کیا جائے۔ ہاں یہ استغفار وتوبہ سچے دل سے ہونا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ دلوں کا حال دیکھنے والا ہے، اس کو زبان سے دھوکا نہیں دیا جاسکتا۔

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صلی الله علیه وآله وسلم كَانَ اِذَا اَوٰی اِلٰی فِرَاشِهٖ كُلَّ لَیْلَةٍ جَمَعَ كَفَّیْهِ ثُمَّ نَفَثَ فِیْهِمَا فَقَرَأَ فِیْهِمَا قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ وَقُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ وَقُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ثُمَّ یَمْسَحُ بِهِمَا مَا اسْتَطَاعَ مِنْ جَسَدِهٖ یَبْدَأُ بِهِمَا عَلٰی رَاْسِهٖ وَوَجْهِهٖ وَمَا اَقْبَلَ مِنْ جَسَدِهٖ یَفْعَلُ ذَالِكَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ. (رواه ابوداؤد والترمذی)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دوامی معمول تھا کہ جب رات کو سونے کے لئے لیٹتے تو ’’قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ‘‘ و ’’قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ‘‘ اور ’’وَقُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ‘‘ یہ تینوں سورتیں پڑھ کے دونوں ہاتھوں پر دم کرتے اور جہاں تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پہنچ سکتے ان کو جسم مبارک پر پھیرتے، پہلے سر اور چہرے پر اور جسم کے سامنے کے حصے پر پھیرتے، تین دفعہ یہ عمل کرتے۔ (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

تشریح...... اس حدیث کی ایک روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ آخری مرض میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف زیادہ ہوگئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں اسی طرح تینوں سورتیں پڑھ کے اور اپنے ہاتھوں پر دم کر کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم مبارک پر پھیروں اور میں ایسا ہی کرتی تھی۔

فائدہ...... ممکن ہے بعض لوگوں کے لئے سونے کے وقت کی بعض دوسری ماثورہ دعائیں یاد کرنا مشکل ہوں، وہ کم از کم ’’قُلْ یٰاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ، قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ وَقُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ‘‘ تو پڑھ ہی سکتے ہیں، ان کے لئے یہی سب کچھ ہے۔ کم از کم یہ معمول تو مقرر ہی کر لینا چاہئے، جو اتنا بھی اہتمام نہ کر سکے اس کی محرومی قابل عبرت ہے۔

نیند میں ڈر جانے کی دُعا

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه وآله وسلم اِذَا فَزِعَ اَحَدُكُمْ فِی النَّوْمِ فَلْیَقُلْ ’’اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ غَضَبِهٖ وَعَذَابِهٖ وَمِنْ شَرِّ عِبَادِهٖ وَمِنْ

هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ وَاَنْ يَّحْضُرُوْنَ" فَاِنَّهَا لَنْ تَضُرَّهُ وَكَانَ عَبْدُاللهِ يُلَقِّنُهَا مَنْ بَلَغَ مِنْ اَوْلَادِهٖ وَمَنْ لَّمْ يَبْلُغْ مِنْهُمْ كَتَبَ فِيْ صِكٍّ وَعَلَّقَهَا فِيْ عُنُقِهٖ. (رواه ابوداؤد والترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی (ڈراؤنا خواب دیکھ کے) سوتے میں ڈر جائے تو یوں دُعا کرے: اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّاتِ. تا وَاَنْ يَّحْضُرُوْنَ." (میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کے کلمات تامات کے ذریعہ خود اس کے غضب اور عذاب سے اور اس کے بندوں کے شر سے اور شیطانی وساوس واثرات سے اور اس بات سے کہ شیاطین میرے پاس آئیں اور مجھے ستائیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: "پھر شیاطین اس بندے کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔ (حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے یہ حدیث ان کے صاحبزادے شعیب نے روایت کی ہے) ان کا بیان ہے کہ ہمارے والد ماجد عبداللہ بن عمروؓ کا یہ دستور تھا کہ ان کی اولاد میں جو بڑے اور بالغ ہو جاتے وہ یہ دعا ان کو تلقین فرماتے تا کہ وہ اس کو اپنا معمول بنالیں اور جو بچے چھوٹے ہوتے تو یہی دعا ایک کاغذ پر لکھ کر ان کے گلے میں (بطور تعویذ کے) ڈال دیتے۔ (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

تشریح...... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ڈراؤنے اور پریشان کن خواب شیطانی اثرات سے ہوتے ہیں، اور اگر اس دعا کو معمول بنا لیا جائے تو ان شاء اللہ ان اثرات سے حفاظت ہوگی۔ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کے اس عمل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا نام یا اس کا کلام یا کوئی دعا کاغذ پر لکھ کر بطور تعویذ گلے وغیرہ میں ڈال دینا کوئی غلط کام نہیں ہے۔

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم مَنْ تَعَارَّ مِنَ اللَّيْلِ فَقَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْئٍ قَدِيْرٌ. سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاللهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ اَوْدَعَا اُسْتُجِيْبَ فَاِنْ تَوَضَّأَ قُبِلَتْ صَلٰوتُهٗ. (رواه البخاری)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "جب رات کو سو کر کسی کی آنکھ کھلے اور وہ اس وقت کہے: "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْئٍ قَدِيْرٌ. اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسُبْحَانَ اللهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاللهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ." اس کے بعد کہے۔ "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ" (اے اللہ! میری مغفرت فرما اور مجھے بخش دے) یا کوئی اور دعا کرے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی یہ دعا والتجا قبول فرمائی جائے گی۔ اس کے بعد اگر (وہ ہمت کر کے اٹھ جائے اور) وضو کر کے نماز پڑھے تو اس کی یہ نماز بھی ضرور قبول ہوگی۔ (صحیح بخاری)

تشریح...... حدیث کا مندرجہ بالا متن صحیح بخاری سے نقل کیا گیا ہے اس میں کلمہ "الحمدللہ، سبحان اللہ" سے پہلے ہے۔ لیکن امام بخاریؒ کے علاوہ امام ابوداؤد اور امام ترمذی وغیرہ جن آئمہ نے اس حدیث کو روایت کیا ہے ان سب کی روایات میں "سبحان اللہ" پہلے اور "الحمدللہ" بعد میں ہے، جیسا کہ کلمہ تمجید میں ہے۔ اسی لئے حافظ ابن حجرؒ وغیرہ شارحین بخاری نے کہا ہے کہ بخاری کی روایت میں "الحمدللہ" کا مقدم ہو جانا کسی راوی کا تصرف ہے۔ بہرحال ان شارحین کے نزدیک بھی ان کلمات

کی صحیح ترتیب وہی ہے جو سنن ابی داؤد اور ترمذی کی روایت میں ہے۔ اسی بناء پر ترجمہ میں اسی ترتیب کے مطابق لکھ دیا گیا ہے۔

اس حدیث میں بشارت سنائی گئی ہے کہ جو بندہ رات کو آنکھ کھلنے پر اللہ تعالیٰ کی توحید تمجید اور تسبیح و تحمید اور اس کی مدد کے بغیر اپنی عاجزی و بے بسی کے اعتراف کے یہ کلمے پڑھے اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے اپنی مغفرت و بخشش کی دعا مانگے، یا کوئی اور دعا کرے تو وہ ضرور قبول فرمائی جائے اسی طرح اس وقت وضو کر کے جو نماز پڑھی جائے گی وہ بھی قبول ہوگی۔ بعض اکابر کا یہ ارشاد ہے کہ جس بندے کو یہ حدیث پہنچے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاص الخاص عطیہ سمجھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس بشارت پر یقین رکھتے ہوئے اس کے مطابق عمل کر کے استغفار و دعا کی قبولیت کی یہ دولت حاصل کرنے کی پوری کوشش کرے۔ بلاشبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایسے عطیات کی ناقدری بڑی محرومی ہے۔ امام بخاریؒ سے صحیح بخاری کو روایت کرنے والے امام ابو عبداللہ فربریؒ فرماتے ہیں کہ: "ایک دن رات کو سوتے سے میری آنکھ کھلی اور میں نے اللہ کی توفیق سے یہ کلمے اپنی زبان سے ادا کئے۔ اس کے بعد پھر میری آنکھ لگ گئی تو میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی میرے پاس آیا اور اس نے یہ آیت تلاوت کی: "وَهُدُوٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ وَهُدُوٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ (١)" (اور ان کو توفیق و ہدایت ملی بہت اچھی بات کی اور وہ لگا دیئے گئے اللہ کے راستے پر۔)

(١). (فتح الباری باب فضل من تعار من اللیل فصلی. ص ۶۱۰ (جز ۵)۔۱۲

استنجاء کے وقت کی دعائیں

سونے اور کھانے پینے کی طرح بول و براز بھی انسانی زندگی کے لوازم میں سے ہے اور بلاشبہ وہ خاص وقت (جبکہ آدمی اس گندگی کے اخراج میں مشغول ہو) ایسا ہوتا ہے کہ اس وقت اللہ کا نام لینا اور اس سے دعا کرنا بے ادبی کی بات ہوگی۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہدایت فرمائی کہ جب کوئی بندہ قضائے حاجت کو جائے تو مشغول ہونے سے پہلے اللہ سے یہ دعا کرے اور فارغ ہونے کے بعد اس کے حضور میں یہ عرض کرے:

عَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ قَالَ قَالَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم اِنَّ هٰذِهِ الْحُشُوْشَ مُحْتَضِرَةٌ فَاِذَا اَتٰى اَحَدُكُمُ الْخَلاءَ فَلْيَقُلْ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ. (رواه ابو داؤد و ابن ماجه)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ قضائے حاجت کے مقامات (شیاطین اور موذی چیزوں کے) اڈے ہیں، لہٰذا جب تم میں سے کوئی قضائے حاجت کے لئے ان میں جانا چاہے تو اللہ کے حضور میں پہلے عرض کرے: "اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ." (اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں خبیثوں سے اور خبیثیوں سے) (سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

تشریح...... جس طرح مکھیاں اور دوسرے غلاظت پسند کیڑے مکوڑے غلاظت پر گرتے ہیں اسی طرح خبیث شیاطین اور بعض دوسری موذی مخلوقات غلاظت کے مقامات سے خاص دلچسپی اور مناسبت رکھتے ہیں۔ اسلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان مقامات میں جانے کے وقت کیلئے یہ دعا فرمائی اور صحیح بخاری و صحیح مسلم میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خادم خاص حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول بھی تھا کہ بیت الخلاء جانے کے وقت

دعا کرتے: "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ."

عَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صلی الله علیه وآله وسلم اِذَا خَرَجَ مِنَ الْخَلَاءِ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اَذْهَبَ عَنِّی الْاَذیٰ وَعَافَانِی. (رواه ابن ماجه)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب حاجت سے فارغ ہو کر بیت الخلاء سے باہر آتے تو کہتے: "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اَذْهَبَ عَنِّی الْاَذیٰ وَعَافَانِی." (حمد و شکر اس اللہ کیلئے جس نے میرے اندر سے گندگی اور تکلیف والی چیز دور فرمادی اور مجھے عافیت و راحت دی۔) (سنن ابن ماجہ)

تشریح...... پیشاب یا پاخانہ خدانخواستہ رک جائے اور فطری طریقے سے خارج نہ ہو تو اللہ کی پناہ! کیسی تکلیف ہوتی ہے اور اس کے خارج کرنے کیلئے اسپتالوں میں کیا کیا تدبیریں کی جاتی ہیں اگر بندہ اس کا دھیان کرے تو محسوس کرے گا کہ فطری طریقے سے پیشاب یا پاخانہ کا خارج ہونا اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی نعمت اور کتنا عظیم احسان ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی احساس اور دھیان کے تحت اس موقع پر اس کلمہ کے ذریعہ اللہ کی حمد اور اس کا شکر ادا کرتے تھے: "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اَذْهَبَ عَنِّی الْاَذیٰ وَعَافَانِی." سبحان اللہ! کیسی برمحل اور کتنی عارفانہ دعا ہے۔

گھر سے نکلنے اور گھر میں آنے کے وقت کی دُعا

آدمی کے لئے صبح و شام کے آنے جانے اور سونے جاگنے کی طرح گھر سے باہر نکلنا اور باہر سے گھر میں آنا بھی زندگی کے لوازم میں سے ہے اور بندہ قدم قدم پر اللہ کے رحم و کرم اور اس کی حفاظت و نگہبانی کا محتاج ہے، اس لئے جب گھر سے باہر قدم نکالے یا باہر سے گھر میں آئے تو برکت و استعانت کے لئے خدائے پاک کا نام لے اور اس سے دعا کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس موقع کے لئے ذکر و دعا کے جو کلمے تعلیم فرمائے وہ مندرجہ ذیل حدیثوں میں پڑھئے۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه وآله وسلم اِذَا خَرَجَ الرَّجُلُ مِنْ بَیْتِهٖ فَقَالَ "بِسْمِ اللّٰهِ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰهِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ" یُقَالُ لَهٗ حَسْبُکَ، هُدِیْتَ وَکُفِیْتَ وَوُقِیْتَ وَیَتَنَحّٰی عَنْهُ الشَّیْطَانُ. (رواه ابوداؤد والترمذی واللفظ له)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب کوئی آدمی اپنے گھر سے نکلے اور نکلتے وقت کہے: "بِسْمِ اللّٰهِ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰهِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ." (میں اللہ کا نام لے کر نکل رہا ہوں، اللہ ہی پر میرا بھروسہ ہے، کسی خیر کے حاصل کرنے یا کسی شر سے بچنے میں کامیابی اللہ ہی کے حکم سے ہوسکتی ہے) تو عالم غیب میں اس آدمی سے کہا جاتا ہے (یعنی فرشتے کہتے ہیں): "اللہ کے بندے تیرا یہ عرض کرنا تیرے لئے کافی ہے، تجھے پوری رہنمائی مل گئی اور تیری حفاظت کا فیصلہ ہوگیا" اور شیطان مایوس و نامراد ہو کر اس سے دور ہو جاتا ہے۔ (جامع ترمذی و سنن ابی داؤد)

تشریح...... اس مختصر حدیث کا پیغام اور روح یہ ہے کہ جب بندہ گھر سے باہر قدم نکالے تو اپنی ذات کو بالکل عاجز ناتواں اور خدا کی حفاظت و مدد کا محتاج سمجھتے ہوئے اپنے کو اسکی پناہ میں دیدے، اللہ تعالیٰ اس کو اپنی پناہ اور حفاظت میں

لے لے گا اور شیطان اسے کوئی گزند نہ پہنچا سکے گا۔

عَنْ اُمِّ سَلْمَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم كَانَ اِذَا خَرَجَ مِنْ بَيْتِهٖ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوْذُبِكَ مِنْ اَنْ نَزِلَّ اَوْ نَضِلَّ اَوْ نَظْلِمَ اَوْ يُظْلَمَ عَلَيْنَا اَوْ نَجْهَلَ اَوْ يُجْهَلَ عَلَيْنَا. (رواہ احمد والترمذی والنسائی)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دستور تھا کہ جب گھر سے نکلتے تو کہتے: "بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ، تااَوْيُجْهَلَ عَلَيْنَا." (میں اللہ کا نام لے کر نکل رہا ہوں، اللہ ہی پر میرا بھروسہ ہے۔ اے اللہ! ہم تیری پناہ مانگتے ہیں اس سے کہ ہمارے قدم بہکیں اور ہم غلط راہ پر چلیں (یا ہم دوسروں کی گمراہی اور غلط روی کا ذریعہ بنیں) یا ہم کسی پر ظلم وزیادتی کریں، یا ہمارے ساتھ ظلم وزیادتی کی جائے یا ہم کسی کے ساتھ جہالت سے پیش آئیں یا کوئی ہمارے ساتھ جہالت سے پیش آئے۔) (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن نسائی)

تشریح...... آدمی جب کسی کام سے گھر سے باہر نکلتا ہے تو مختلف حالات اور مختلف لوگوں سے اس کا سابقہ پڑتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی مدد و توفیق اس کے شامل حال نہ ہو اور اس کی دستگیری اور حفاظت نہ کی جائے تو ہوسکتا ہے کہ وہ ظلوم وجہول بہک جائے اور کسی ناکردنی میں مبتلا ہو جائے، یا کسی دوسرے بندے کی گمراہی اور بے راہ روی کا سبب بن جائے، یا کسی سے کوئی جھگڑا ہو جائے اور اس میں وہ کوئی ظالمانہ یا جاہلانہ حرکت کر بیٹھے، یا خود کسی کے ظلم وستم اور جہل ونادانی کا نشانہ بن جائے۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر سے نکلتے وقت اللہ کا نام پاک لینے اور اس پر اپنا ایمان اور اعتماد و توکل تازہ کرنے کے علاوہ ان سب خطرات سے بھی اس کی پناہ مانگتے تھے اور اپنے عمل سے گویا اس کی شہادت دیتے تھے کہ آپ بھی قدم قدم پر اللہ تعالیٰ کی مدد و توفیق اور حفاظت و دستگیری کے حاجت مند ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس سے پہلے حدیث میں مختصر کلمہ "لا حول ولا قوۃ الا باللہ" بھی ان سب خطرات سے پناہ جوئی کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے، اس لئے اس مقصد کے لئے وہ بھی کافی ہے۔

عَنْ اَبِىْ مَالِكٍ الْاَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اِذَا وَلَجَ الرَّجُلُ بَيْتَهٗ فَلْيَقُلْ اَللّٰهُمَّ اَسْئَلُكَ خَيْرَ الْمَوْلِجِ وَخَيْرَ الْمَخْرَجِ بِسْمِ اللّٰهِ وَلَجْنَاوَبِسْمِ اللّٰهِ خَرَجْنَا وَعَلَى اللّٰهِ رَبِّنَا تَوَكَّلْنَا ثُمَّ يُسَلِّمُ عَلٰى اَهْلِهٖ (رواہ ابوداؤد)

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی آدمی اپنے گھر میں داخل ہو تو اللہ تعالیٰ کے حضور میں یہ عرض کرتا ہوا داخل ہوا: اللہم اسئلک تا توکلنا (اے خدا میں تجھ سے مانگتا ہوں گھر میں داخل ہونے اور گھر سے نکلنے کا خیر (یعنی میرا گھر میں داخل ہونا اور باہر نکلنا میرے واسطے خیر اور بھلائی کا وسیلہ بنے) ہم پاک کا نام پاک لے کر داخل ہوتے ہیں اور اسی طرح اس کا نام پاک لے کر باہر نکلتے ہیں اور اسی پر ہمارا بھروسہ ہے وہی کارساز ہے) اللہ تعالیٰ کے حضور میں یہ عرض کرنے کے بعد داخل ہونے والا آدمی گھر والوں کو سلام کرے اور کہے السلام علیکم۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح۔ اس تعلیم ہدایت کی روح ہے کہ گھر میں آنے اور گھر نکلنے کے وقت بھی بندے کے دل کی نگاہ اللہ تعالیٰ پر ہو زبان پر اس کا بابرکت نام ہو اور یہ یقین کرتے ہوئے کہ ہر خیر و برکت اسی کے قبضہ قدرت میں ہے اس سے دعا اور سوال ہو اور اسی کی کریمی و کارسازی کا بھروسا اور اعتماد ہو پھر گھر کے بڑوں اور چھوٹوں پر سلام ہو جو درحقیقت ان کیلئے اللہ تعالیٰ ہی سے خیر اور سلامتی کی دعا ہے۔

مسجد میں داخل ہونے اور نکلنے کے وقت کی دعا

مسجد گویا خانہ خدا اور دربار الٰہی ہے۔ آنے والے وہاں اس لئے آتے ہیں کہ عبادت کے ذریعہ ان کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور رحمت حاصل ہو۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہدایت فرمائی کہ کوئی بندہ غفلت کے ساتھ نہ مسجد میں جائے اور نہ مسجد سے نکلے، بلکہ جانے کے وقت بھی اور آنے کے وقت بھی اس کے دل و زبان پر مناسب دعا ہو۔ اللہ کے دربار کی حاضری کا یہ لازمی ادب ہے۔

عَنْ اَبِیْ اُسَیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِذَا دَخَلَ اَحَدُکُمُ الْمَسْجِدَ فَلْیَقُلْ "اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ" وَاِذَا خَرَجَ فَلْیَقُلْ "اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ." (رواہ مسلم)

حضرت ابواسید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرے: "اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ" (اے اللہ! میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے) اور جب مسجد سے باہر آنے لگے تو عرض کرے: "اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ." (اے اللہ! میں تجھ سے تیرا فضل مانگتا ہوں) (صحیح مسلم)

تشریح..... قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ "رحمت" کا لفظ خاص طور سے روحانی اور اُخروی نعمتوں کے لئے بولا جاتا ہے، جیسے کہ نبوت، ولایت، مقام قرب و رضا اور نعماء جنت وغیرہ۔ چنانچہ سورۂ زخرف میں فرمایا گیا ہے: "وَرَحْمَةُ رَبِّکَ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ."

(اور تیرے پروردگار کی رحمت اس مال و دولت سے کہیں بہتر ہے جس کو یہ لوگ جمع کرتے ہیں۔۱۲)

(جب نماز سے فراغت ہو جائے تو اللہ کی زمین میں چل پھر کر اللہ کے فضل کی تلاش و جستجو میں لگ جاؤ (جس سے تمہاری دنیوی اور معاشی ضرورتیں پوری ہوں۔۱۲)

اور "فضل" کا لفظ خصوصیت کے ساتھ دنیوی نعمتوں کے لئے بولا جاتا ہے، جیسے رزق کی وسعت اور خوشحالی کی زندگی وغیرہ۔ چنانچہ سورۂ جمعہ میں فرمایا گیا ہے: "فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ." پس مسجد چونکہ ان اعمال کی مخصوص جگہ ہے جن کے صلہ میں روحانی اور اُخروی نعمتیں ملتی ہیں اسلئے مسجد میں داخلہ کے وقت کے لئے فتح ابواب رحمت کی اور مسجد سے نکلنے کے وقت کے لئے اللہ سے اس کا فضل مانگنے کی تلقین فرمائی گئی ہے۔

کسی مجلس سے اُٹھنے کے وقت کی دُعا

جب آدمی کسی مجلس میں بیٹھتا ہے تو بسا اوقات اس میں ایسی باتیں کہتا یا سنتا ہے جو ایک مؤمن کے لئے مناسب نہیں ہوتیں، اور ان پر مؤاخذہ ہوسکتا ہے۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہدایت فرمائی کہ جب مجلس سے اٹھو تو اللہ کی حمد و تسبیح، شہادت توحید اور توبہ و استغفار کا کلمہ پڑھو، یہ مجلس کی بے احتیاطیوں کا کفارہ ہو جائے گا۔

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَلَّمَا کَانَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یَقُوْمُ مِنْ مَجْلِسٍ حَتّٰی یَدْعُوْ بِھٰؤُلَاءِ الدَّعْوَاتِ لِاَصْحَابِہٖ "اَللّٰھُمَّ اقْسِمْ لَنَا مِنْ خَشْیَتِکَ مَا تَحُوْلُ بِہٖ بَیْنَنَا وَبَیْنَ مَعْصِیَتِکَ، وَمِنْ طَاعَتِکَ مَا تُبَلِّغُنَا بِہٖ جَنَّتَکَ وَمِنَ الْیَقِیْنِ مَا تُھَوِّنُ بِہٖ عَلَیْنَا مُصِیْبَاتِ الدُّنْیَا،

وَمَتِّعْنَا بِاَسْمَاعِنَا وَاَبْصَارِنَا وَقُوَّتِنَا مَا اَحْيَيْتَنَا، وَاجْعَلْهُ الْوَارِثَ مِنَّا، وَاجْعَلْ ثَأْرَنَا عَلٰى مَنْ ظَلَمَنَا وَانْصُرْنَا عَلٰى مَنْ عَادَانَا، وَلَا تَجْعَلْ مُصِيْبَتَنَا فِيْ دِيْنِنَا وَلَا تَجْعَلِ الدُّنْيَا اَكْبَرَ هَمِّنَا وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا وَلَا تُسَلِّطْ عَلَيْنَا مَنْ لَا يَرْحَمُنَا." (رواہ الترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی مجلس سے اٹھیں اور اپنے ساتھ اپنے اصحاب کے لئے بھی یہ دعا نہ فرمائیں۔

اَللّٰهُمَّ اقْسِمْ لَنَا مِنْ خَشْيَتِكَ تا وَلَا تُسَلِّطْ عَلَيْنَا مَنْ لَا يَرْحَمُنَا." (اے اللہ! ہمیں اپنے خوف اور خشیت سے اتنا حصہ دے جو ہمارے درمیان اور تیری نافرمانیوں کے درمیان حائل ہو جائے (یعنی تیرے اس خوف کی وجہ سے ہمارے قدم تیری نافرمانیوں کیلئے نہ اٹھ سکیں)

اور اپنی طاعت و عبادت سے اتنا حصہ عطا فرما جس سے تو ہمیں اپنی جنت میں پہنچا دے (یعنی جو ہمارے لئے داخلہ جنت کا وسیلہ بن جائے)

اور (قضا و قدر) کے یقین سے اتنا حصہ دے جو ہمارے لئے دنیاوی مصائب کو ہلکا کر دے اور جب تک تو ہمیں زندہ رکھے اس لائق رکھ کہ اپنے کانوں اور اپنی آنکھوں اور اپنی دوسری قوتوں سے کام لیتے رہیں (یعنی مرتے دم تک ہم آنکھ، کان وغیرہ تیری بخشی ہوئی نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے رہیں) اور ان کو ہمارے مرنے کے بعد بھی باقی رکھ (یعنی ان سے ہم کچھ ایسے کام کر جائیں جو ہمارے مرنے کے بعد بھی کام آئیں۔)

اور اے ہمارے مالک و مولا! جو کوئی ہم پر (یعنی تیرے ایمان والے بندوں پر) ظلم ڈھائے تو تو اس سے ہمارا بدلہ لے، اور جو کوئی ہماری دشمنی پر کمربستہ ہو تو، تو اس کے مقابلے میں ہماری مدد فرما اور ہمیں اس کے مقابلہ میں غالب اور منصور فرما۔ اور ہم پر ہمارے دین میں کوئی مصیبت نہ آئے (یعنی دینی مصائب اور فتنوں سے خاص طور پر ہماری حفاظت فرما) اور اے اللہ ایسا نہ ہو کہ دنیا ہمارا مقصد اعظم اور ہمارے علم و نظر کا منتہا بن جائے۔ اور اے اللہ! ہم پر کبھی بے رحم دشمنوں کو مسلط نہ فرما۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... یہ دعا بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نہایت جامع و بلیغ خاص معجزانہ دعاؤں میں سے ہے۔ حق یہ ہے کہ اپنے پاس وہ الفاظ نہیں ہیں جن کے ذریعہ ان دعاؤں کی قدر و قیمت ظاہر کی جاسکے۔

اللہ تعالیٰ ان صحابہ کرامؓ اور زمانہ مابعد کے ان سب بزرگوں کی قبروں کو منور فرمائے جنہوں نے اہتمام سے ان دعاؤں کو محفوظ رکھا اور امت کو پہنچایا اور ہمیں قدر و استفادہ کی توفیق دے۔

بازار جانے کی دعا

انسان اپنی ضروریات اور خرید و فروخت کے لئے بازار بھی جاتا ہے جہاں اس کے لئے نفع اور نقصان دونوں کے امکانات ہیں اور ہر دوسری جگہ سے زیادہ خدا سے غافل کرنے والی چیزیں ہیں اور اسی واسطے اس کو "شر البقاع" (بدترین جگہ) قرار دیا گیا ہے۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ضرورت سے بازار تشریف لے جاتے تو اللہ کے ذکر اور اس سے دعا کا خاص اہتمام فرماتے۔

عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِذَا دَخَلَ السُّوْقَ قَالَ "بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ

اِنِّیْ اَسْئَلُکَ خَیْرَ ھٰذِہِ السُّوْقِ وَخَیْرَ مَا فِیْھَا وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّھَا وَشَرِّمَا فِیْھَا اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ اَنْ اُصِیْبَ فِیْھَا صَفْقَۃً خَاسِرَۃً. (رواہ البیھقی فی الدعوات الکبیر)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا کہ جب آپ بازار جاتے تو کہتے:"بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ. تا صَفْقَۃً خَاسِرَۃً." (میں اللہ کا نام لے کر بازار جاتا ہوں۔اے اللہ! اس بازار میں اوراس کی چیزوں میں جو خیر اور بھلائی ہو اس کا میں تجھ سے سائل ہوں اور اس میں اور اس کی چیزوں میں جو شر ہو میں اس سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور اس بات سے بھی تیری پناہ چاہتا ہوں کہ میں اس بازار میں کوئی گھاٹے کا سودا کروں۔) (دعوات کبیر للبیہقی)

عَنْ عُمَرَاَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ مَنْ دَخَلَ السُّوْقَ فَقَالَ "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ وَھُوَ حَیٌّ لَّا یَمُوْتُ بِیَدِہِ الْخَیْرُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ قَدِیْرٌ." کَتَبَ اللّٰہُ لَہٗ اَلْفَ اَلْفِ حَسَنَۃٍ وَمَحَا عَنْہُ اَلْفَ اَلْفِ سَیِّئَۃً وَرَفَعَ لَہٗ اَلْفَ اَلْفِ دَرَجَۃً وَبَنَا لَہٗ بَیْتًا فِی الْجَنَّۃِ. (رواہ الترمذی وابن ماجہ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو بندہ بازار گیا اور اس نے (بازار کی غفلت اور شوروشر سے بھرپور فضا میں دل کے اخلاص سے کہا:"لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ. تاوَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ قَدِیْرٌ." تو اللہ کی طرف سے اس کیلئے ہزاروں ہزار نیکیاں لکھی جائیں گی اور ہزاروں ہزار گناہ محو کر دیئے جائیں گے اور ہزاروں ہزار درجے اس کے بلند کر دیئے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لئے جنت میں ایک شاندار محل تیار ہوگا۔ (جامع ترمذی،سنن ابن ماجہ)

تشریح...... بازار بلاشبہ غفلت اور معصیات کے مراکز اور شیاطین کے اڈے ہیں۔پس اللہ کا جو باتوفیق بندہ وہاں کی ظلمانی اور شیطانی فضاؤں میں ایسے طریقے پر اور ایسے کلمات کے ساتھ اللہ کا ذکر کرے جن کے ذریعہ وہاں کی ظلمتوں کا پورا توڑ ہوتا ہو، وہ بلاشبہ اس کا مستحق ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس پر بے حدوحساب عنایت ہو۔اس کیلئے ہزار نیکیوں کا لکھا جانا، ہزاروں ہزار گناہوں کا محو کیا جانا، اور ہزاروں ہزار درجے بلند ہونا، اور جنت میں ایک شاندار محل عطا ہونا اسی عنایت الٰہی کی تفصیلی تعبیر ہے۔

بازار میں آدمی کی نگاہ کے سامنے طرح طرح کی وہ چیزیں آتی ہیں جن کو دیکھ کر وہ خدا کو اور اپنے اور ساری دنیا کے فانی ہونے کو بھول جاتا ہے۔یہ چیزیں اس کے دل کو اپنی طرف کھینچنے لگتی ہیں۔کسی چیز کو وہ سمجھتا ہے کہ یہ بڑی دلکش اور بڑی حسین ہے، کسی کو سمجھتا ہے کہ یہ بڑی نفع بخش ہے، کسی بڑے کامیاب تاجر یا صاحب دولت وحکومت کو دیکھ کر دل میں سوچنے لگتا ہے کہ اگر اس سے تعلق قائم کر لیا جائے تو سارے کام بن جائیں گے۔بازار کی فضاؤں میں یہی وہ خیالات ووساوس ہوتے ہیں جو دلوں اور نگاہوں کو گمراہ کرتے ہیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے علاوہ اور تحفظ کے لئے ہدایت فرمائی کہ بازار جاؤ تو یہ کلمہ توحید تمہاری زبانوں پر ہو:

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ وَھُوَ حَیٌّ لَّا یَمُوْتُ بِیَدِہِ الْخَیْرُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ قَدِیْرٌ.

اللہ کے سوا کوئی قابل پرستش نہیں، اکیلا وہی معبود برحق ہے، کوئی اس کا شریک اور ساجھی نہیں، صرف اسی کا راج اور

اسی کی فرمانروائی ہے، وہی حمد وستائش کے لائق ہے سب کی زندگی اور موت اسی کے قبضہ میں ہے اور وہ زندۂ جاوید ہے، اسے کبھی فنا نہیں، ساری خیر اور بھلائی اسی کے ہاتھ میں ہے اور سب کچھ اسی کی قدرت میں ہے۔

یہ کلمہ ان گمراہانہ خیالات اور ان شیطانی وسوسوں پر براہ راست ضرب لگاتا ہے جو بازار میں انسان کے دل ودماغ کو متاثر کرتے ہیں۔ اس کلمہ میں ان حقائق پر یقین کو تازہ کیا جاتا ہے:

(۱)۔ الٰہ حق جو اس کا مستحق ہے کہ اس کو دل وجان سے چاہا جائے، اس کی عبادت کی جائے اور اپنا مطلوب ومقصودِ حقیقی بنایا جائے صرف اللہ تعالیٰ ہے، اس استحقاق میں کوئی چیز اور کوئی ہستی اس کی شریک نہیں۔

(۲)۔ ساری کائنات میں صرف اسی کی فرمانروائی ہے، بلاشرکت غیرے اسی کا حکم چلتا ہے، وہی ساری کائنات کا مالک اور حاکم حقیقی ہے۔

(۳)۔ حمد وستائش کے لائق بھی صرف وہی ہے اس کے علاوہ اس کی مخلوق میں جو چیزیں دل یا نگاہ کو اچھی اور قابل تعریف نظر آتی ہیں وہ اس کی مخلوقات اور مصنوعات ہیں، ان کا حسن وجمال اسی کا عطیہ ہے۔

(۴)۔ اس کی اور صرف اسی کی شان "حی لا یموت" ہے، اس کے علاوہ ہر چیز فانی ہے، اور ہر ایک کی موت وحیات اور فنا وبقاء اسی کے ہاتھ میں ہے۔

(۵)۔ ہر خیر اور بھلائی اسی کے ہاتھ میں ہے اس کے سوا کسی کے اختیار اور قبضہ میں کچھ نہیں۔

(۶)۔ وہ اور صرف وہی قادر مطلق ہے، ہر چیز اور ہر تبدیلی اسی کی قدرت میں ہے۔ بازار کی فضاؤں میں جو بندہ اللہ کو اس طرح یاد کرتا ہے وہ گویا شیاطین کی سرزمین میں اللہ کے نام کا علم بلند کرتا ہے اور گمراہی کی گھٹاٹوپ اندھیروں میں ہدایت کی شمع جلاجاتا ہے۔ اس لئے بلاشبہ وہ اس غیر معمولی عنایت اور رحمت کا مستحق ہے جس کا اس حدیث پاک میں ذکر کیا گیا ہے۔

حدیث کے لفظ "الف الف" کا ترجمہ ہم نے بجائے دس لاکھ کے "ہزاروں ہزار" کیا ہے۔ ہمارے نزدیک ان شارحین کی رائے زیادہ قرین قیاس ہے جنہوں نے کہا ہے کہ یہاں یہ لفظ معین عدد کے لئے استعمال نہیں کیا گیا ہے بلکہ غیر معمولی کثرت کے لئے کنایہ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

کسی مصیبت زدہ کو دیکھنے پر دعا

بسا اوقات ہماری نگاہ اللہ کے ایسے بندوں پر پڑتی ہے جو بےچارے کسی دکھ اور مصیبت میں مبتلا اور برے حال میں ہوتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے وقت کے لئے ہدایت فرمائی کہ بندہ ایسا کوئی منظر دیکھے تو اس بات پر اللہ کی حمد اور اس کا شکر کرے کہ اس نے مجھے اس مصیبت میں مبتلا نہیں کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس حمد وشکر کی برکت سے وہ اس مصیبت سے محفوظ رکھا جائے گا۔

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ وَاَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه و آله وسلم مَا مِنْ رَجُلٍ رَأَیٰ مُبْتَلیً فَقَالَ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ عَافَانِی مِمَّا ابْتَلَاکَ بِهٖ وَفَضَّلَنِیْ عَلٰی کَثِیْرٍ مِمَّنْ خَلَقَ تَفْضِیْلًا" اِلَّا لَمْ یُصِبْهُ ذٰلِکَ الْبَلَاءُ کَائِنًا مَّا کَانَ. (رواه الترمذی ورواه ابن ماجه عن ابن عمرؓ)

امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

فرمایا: جس آدمی کی نظر کسی مبتلائے مصیبت اور دکھی پر پڑے اور وہ کہے: "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ تا تَفْضِیْلاً" (حمد اس اللہ کے لئے جس نے مجھے عافیت دی اور محفوظ رکھا اس بلا اور مصیبت سے جس میں تجھ کو مبتلا کیا گیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر اس نے مجھے فضیلت بخشی) تو وہ اس بلا اور مصیبت سے محفوظ رہے گا خواہ کوئی بھی مصیبت ہو۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... امام ترمذیؒ نے اس حدیث کے ساتھ ہی گویا اس کی تشریح کے طور پر امام زین العابدینؒ کے صاحبزادے امام باقرؒ سے روایت کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ: "جب بندہ کسی مبتلائے مصیبت کو دیکھے تو پہلے اس مصیبت سے اللہ کی پناہ چاہے اس کے بعد یہ دُعا اس طرح آہستہ پڑھے کہ وہ بے چارہ مبتلائے مصیبت سن نہ سکے۔ ظاہر ہے کہ اگر سن لے گا تو اس سے اس کا دل دُکھے گا۔

حضرت شیخ شبلی علیہ الرحمۃ سے نقل کیا گیا ہے کہ: جب وہ کسی ایسے آدمی کو دیکھتے جو خدا سے غافل اور آخرت سے بے فکر ہو کر دنیا میں پھنسا ہوا تو یہی دعا پڑھتے: "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ عَافَانِیْ مِمَّا ابْتَلَاکَ بِهٖ وَفَضَّلَنِیْ عَلٰی کَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِیْلًا."

کھانے پینے کے وقت کی دُعا

کھانا پینا انسان کے لوازمِ حیات میں سے ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب کچھ کھانے یا پینے کو میسر ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو اللہ کی طرف سے اور اس کا عطیہ یقین کرتے ہوئے اسکی حمد اور اسکا شکر ادا کرتے اور دوسروں کو بھی اسکی ہدایت فرماتے۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صلی الله علیه و آله وسلم اِذَا اَکَلَ اَوْ شَرِبَ قَالَ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ." (رواه ابوداؤد والترمذی)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کچھ کھاتے پیتے تو کہتے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ." (حمد و شکر اس اللہ کے لئے جس نے ہمیں کھانے اور پینے کو دیا اور (اس سے بھی بڑا اکرم یہ فرمایا کہ) ہمیں اپنے مسلم بندوں میں سے بنایا۔ (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صلی الله علیه و آله وسلم جَاءَ اِلٰی سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ فَجَاءَ هٗ بِخُبْزٍ وَزَيْتٍ فَاَکَلَ ثُمَّ قَالَ صلی الله علیه و آله وسلم "اَفْطَرَ عِنْدَکُمُ الصَّائِمُوْنَ، وَاَکَلَ طَعَامَکُمُ الْاَبْرَارُ وَصَلَّتْ عَلَیْکُمُ الْمَلَائِکَةُ." (رواه ابوداؤد)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت سعد بن عبادہؓ کے ہاں تشریف لائے انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پکی ہوئی روٹی اور روغن زیتون پیش کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو تناول فرمایا اور پھر ان کے لئے اس طرح دعا فرمائی:

اَفْطَرَ عِنْدَکُمُ الصَّائِمُوْنَ، وَاَکَلَ طَعَامَکُمُ الْاَبْرَارُ وَصَلَّتْ عَلَیْکُمُ الْمَلَائِکَةُ.

اللہ کے روزہ دار بندے تمہارے ہاں افطار کیا کریں اور ابرار و صالحین تمہارے ہاں کھانا کھایا کریں اور اللہ کے فرشتے تمہارے لئے دعائے خیر کیا کریں۔ (سنن ابی داؤد)

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ بُسْرٍ قَالَ نَزَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه و آله وسلم عَلٰی اَبِیْ فَقَرَّبْنَا اِلَیْهِ

طَعَامًا وَّوَطْبَةً فَاَكَلَ مِنْهَا ثُمَّ اُتِیَ بِتَمْرٍ فَكَانَ يَاْكُلُهٗ وَيُلْقِی النَّوٰی بَيْنَ اِصْبَعَيْهِ وَيَجْمَعُ السَّبَّابَةَ وَالْوُسْطٰی ثُمَّ اُتِیَ بِشَرَابٍ فَشَرِبَهٗ فَقَالَ اَبِیْ وَاَخَذَ بِلَجَامِ دَابَّتِهٖ اُدْعُ اللّٰهَ لَنَا فَقَالَ "اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِيْمَا رَزَقْتَهُمْ وَاغْفِرْلَهُمْ وَارْحَمْهُمْ." (رواہ مسلم)

عبداللہ بن بسر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے والد بسر اسلمی کے مہمان ہوئے تو میرے والد نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں کھانا اور وطبہ (ایک قسم کا مالیدہ) پیش کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس میں سے تناول فرمایا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں کھجوریں پیش کی گئیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو کھاتے تھے اور کلمہ والی انگلی اور درمیانی انگلی دونوں کو ملا کر کھجور کی گٹھلیاں ان میں سے لے کر پھینکتے جاتے تھے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پینے کیلئے کوئی مشروب پیش کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو بھی نوش فرمایا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے جانے لگے تو میرے والد نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری کی لگام تھام کے عرض کیا کہ ہمارے لئے بھی دعا فرما دیجئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کی:

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِيْمَا رَزَقْتَهُمْ وَاغْفِرْلَهُمْ وَارْحَمْهُمْ. (صحیح مسلم)

اے اللہ! تو نے ان کو روزی کا جو سامان عطا فرمایا ہے اس میں ان کے لئے برکت دے اور ان کو اپنی مغفرت اور رحمت سے نواز۔

تشریح...... ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ جس طرح کھانے پینے کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا شکر ادا کرنا چاہئے، اسی طرح جب اللہ کا کوئی بندہ کھلائے پلائے تو اس کے لئے بھی دعا کرنی چاہئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کے یہاں کھانا کھانے کے بعد ان کے لئے جو دعا فرمائی جس کا حضرت انسؓ کی اوپر والی حدیث میں ذکر ہے، یعنی: "اَفْطَرَ عِنْدَكُمُ الصَّائِمُوْنَ الخ." اور بسر اسلمیؓ کے ہاں کھانے کے بعد ان کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو دعا فرمائی جس کا عبداللہ بن بسر والی اس حدیث میں ذکر ہے یعنی: "اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِيْمَا رَزَقْتَهُمْ الخ." ان دعاؤں کے مضمونوں میں فرق غالباً حضرت سعد بن عبادہؓ اور بسر اسلمیؓ کے دینی مقام اور درجہ کے لحاظ سے ہے۔ حضرت سعد بن عبادہؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاص فیض یافتہ اور صف اول کے اصحاب کرامؓ میں سے تھے، انؓ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا دی کہ: "اللہ تعالیٰ ایسا کرے کہ ہمیشہ تمہارے ہاں اللہ کے روزہ دار بندے افطار کیا کریں اور اس کے صالح اور متقی بندے کھانا کھایا کریں اور فرشتے تمہارے لئے دعائے خیر کریں۔ حضرت سعد بن عبادہؓ کے دینی مقام کے لئے ایسی ہی دعا زیادہ مناسب تھی۔ اور بسر اسلمیؓ جو اس درجہ کے نہیں تھے ان کے لئے خیر و برکت اور مغفرت و رحمت کی وہی دعا زیادہ مناسب تھی جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انؓ کو دی۔ واللہ اعلم۔

نیا لباس پہننے کے وقت کی دُعا

لباس بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے اور کھانے پینے ہی کی طرح انسان کی بنیادی ضرورتوں میں سے ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہدایت فرمائی کہ: "جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو نیا کپڑا نصیب فرمائے اور وہ اس کو زیب تن کرے تو اللہ تعالیٰ کے احسان کے استحضار کے ساتھ اس کی حمد اور اس کا شکر ادا کرے اور جو پہنا ہوا کپڑا اس نے پرانا کر

کے اتارا ہے اس کو صدقہ کر دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بشارت دی کہ ایسا کرنے والے بندے کو زندگی میں اور مرنے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور پردہ داری نصیب رہے گی۔

عَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مَنْ لَبِسَ ثَوْبًا جَدِيْدًا فَقَالَ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ كَسَانِىْ مَا اُوَارِىْ بِهٖ عَوْرَتِىْ وَاَتَجَمَّلُ بِهٖ فِىْ حَيَاتِىْ" ثُمَّ عَمِدَ اِلَى الثَّوْبِ الَّذِىْ اَخْلَقَ فَتَصَدَّقَ بِهٖ كَانَ فِىْ كَنَفِ اللهِ وَفِىْ حِفْظِ اللهِ وَفِىْ سَتْرِ اللهِ حَيًّا وَّمَيِّتًا. (رواه احمد والترمذی وابن ماجه)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: ”جو بندہ نیا کپڑا پہنے اور کہے: ”اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ كَسَانِىْ مَا اُوَارِىْ بِهٖ عَوْرَتِىْ وَاَتَجَمَّلُ بِهٖ فِىْ حَيَاتِىْ." (حمد وشکر اس اللہ کے لئے جس نے مجھے وہ لباس عطا فرمایا جس سے میں اپنی پردہ داری کرتا ہوں اور زندگی میں وہ میرے لئے سامان زینت بنتا ہے) پھر وہ بندہ اپنا وہ لباس جو اس نے پرانا کر کے اتار دیا ہے صدقہ کر دے تو وہ زندگی میں اور مرنے کے بعد اللہ کی حفاظت ونگہبانی میں رہے گا اور اللہ تعالیٰ اس کی پردہ داری فرمائے گا۔ (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

آئینہ دیکھنے کے وقت کی دعا

عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِىُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِذَا نَظَرَ فِى الْمِرْاٰةِ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ سَوّٰى خَلْقِىْ وَاَحْسَنَ صُوْرَتِىْ وَزَانَ مِنِّىْ مَا شَانَ مِنْ غَيْرِىْ." (رواه البزار)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آئینہ دیکھتے تو کہتے: ”اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ. تامِنْ غَيْرِىْ." (حمد وشکر اس اللہ کیلئے جس نے میرے جسم کو برابر موزوں بنایا اور مجھے اچھی شکل وصورت عطا فرمائی اور مجھے اس خوشنمائی سے نوازا جس سے دوسرے بہت سے بندوں کو نہیں نوازا گیا)۔ (مسند بزار)

تشریح...... دوسری اکثر دعاؤں کی طرح اس دعا کی روح بھی یہی ہے کہ بندہ اپنے اندر جو حسن وخوبی اور جو جمال وکمال محسوس کرے وہ اس کو اللہ کی دین یقین کرتے ہوئے اس کی حمد اور اس کا شکر کرے، اس طرز عمل سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی محبت اور جذبہ عبودیت میں برابر ترقی ہوتی رہے گی اور وہ خود پسندی اور کبر نفس جیسے مہلک امراض سے محفوظ رہے گا۔

مباشرت کے وقت کی دعا

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لَوْ اَنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا اَرَادَ اَنْ يَّاْتِىَ اَهْلَهٗ قَالَ "بِسْمِ اللهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا" فَاِنَّهٗ اِنْ يُّقَدَّرْ بَيْنَهُمَا وَلَدٌ فِىْ ذٰلِكَ لَمْ يَضُرَّهٗ شَيْطَانٌ اَبَدًا. (رواه البخاری ومسلم)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”جب تم میں سے کوئی بیوی کے پاس جاتے وقت اللہ کے حضور میں یہ عرض کر لیا کرے: ”بِسْمِ اللهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا

رَزَقْتَنَا. " (بسم اللہ، اے اللہ! تو شیطان کے شر سے ہم کو بچا، اور ہم کو جو اولاد دے اس کو بھی بچا) تو اگر اس مباشرت کے نتیجہ میں ان کے لئے بچہ مقدر ہوگا تو شیطان اس کو کبھی نقصان نہ پہنچا سکے گا اور وہ ہمیشہ شر شیطان سے محفوظ رہے گا۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح...... شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ: "اس حدیث سے مفہوم ہوتا ہے کہ اگر مباشرت کے وقت اللہ تعالیٰ سے اس طرح کی دعا نہ کی (اور خدا کی طرف سے بالکل غافل ہو کر بہائم کی طرح بس اپنے نفس کا تقاضا پورا کر لیا) تو ایسی مباشرت کے نتیجہ میں پیدا ہونیوالی اولاد شر شیطان سے محفوظ نہیں رہے گی۔" اس کے بعد فرماتے ہیں: "از نجاست فساد احوال اولاد و تباہ کاری ایشاں۔" (یعنی اس زمانہ میں پیدا ہونے والی نسل کے احوال، اخلاق وعادات جو عام طور سے خراب و برباد ہیں تو اس کی خاص بنیاد یہی ہے)

اللہ تعالیٰ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان ہدایات کی قدرشناسی اور ان سے فائدہ اٹھانے کی پوری توفیق دے۔

سفر کی دعائیں

دیس سے پردیس جانے والے کے لئے بہت سے خطرات اور طرح طرح کے امکانات ہوتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتایا کہ: سفر کیلئے روانہ ہوتے وقت اللہ سے کیا کیا مانگنا چاہئے نیز یہ کہ ہر سفر کے موقع پر یقینی پیش آنے والے آخرت کے سب سے اہم سفر کو بھی یاد کرنا چاہئے اور اس کی تیاری سے غافل نہ ہونا چاہئے۔

عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلی الله علیه وآله وسلم كَانَ اِذَا اسْتَوٰى عَلٰى بَعِيْرِهٖ خَارِجًا اِلَى السَّفَرِ كَبَّرَ ثَلٰثًا ثُمَّ قَالَ سُبْحَانَ الَّذِىْ سَخَّرَلَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ وَاِنَّا اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ فِىْ سَفَرِنَا هٰذَا الْبِرَّ وَالتَّقْوٰى وَمِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضٰى اَللّٰهُمَّ هَوِّنْ عَلَيْنَا سَفَرَنَا هٰذَا وَاطْوِلَنَا بُعْدَهٗ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِى السَّفَرِ وَالْخَلِيْفَةُ فِى الْاَهْلِ وَالْمَالِ، اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ وَعْثَاءِ السَّفَرِ وَكَاٰبَةِ الْمَنْظَرِ وَسُوْءِ الْمُنْقَلَبِ فِى الْاَهْلِ وَالْمَالِ." وَاِذَا رَجَعَ قَالَهُنَّ وَزَادَ فِيْهِنَّ اٰئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ، عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ. (رواہ مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دستور تھا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر پر جاتے وقت اونٹ پر سوار ہوتے تو پہلے تین دفعہ "اللہ اکبر" کہتے، اس کے بعد کہتے: **سُبْحَانَ اللهِ** تا **فِى الْاَهْلِ وَالْمَالِ.** " (پاک اور مقدس ہے وہ ذات جس نے ہماری سواری کیلئے اپنی اس مخلوق کو مسخر اور ہمارے قابو میں کر دیا ہے، اور خود ہم میں اس کی طاقت نہ تھی کہ اپنی ذاتی تدبیر وطاقت سے اس طرح قابو یافتہ ہو جاتے (بلکہ اللہ ہی نے اپنے فضل وکرم سے ایسا کر دیا ہے) اور ہم بالآخر اپنے اس مالک کے پاس لوٹ کر جانے والے ہیں۔ اے اللہ! ہم استدعا کرتے ہیں تجھ سے اپنے اس سفر میں نیکوکاری اور پرہیزگاری کی، اور ان اعمال کی جو تیری رضا کے باعث ہوں۔ اے اللہ! اس سفر کو ہم پر آسان کر دے اور اس کی طوالت کو اپنی قدرت ورحمت سے مختصر کر دے۔ اے اللہ! بس تو ہی ہمارا رفیق اور ساتھی ہے اس سفر میں (اور سب سے بڑا سہارا تیری ہی رفاقت کا ہے) اور ہمارے پیچھے تو ہی ہمارے اہل وعیال اور مال وجائیداد کی دیکھ بھال اور نگرانی کرنے

والا ہے (اس سلسلہ میں بھی ہمارا اعتماد اور بھروسہ بس تجھ ہی پر ہے) اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں سفر کی مشقت اور زحمت سے اور اس بات سے کہ اس سفر میں کوئی رنج دہ بات دیکھوں، اور اس سے کہ سفر سے لوٹ کر اہل و عیال یا مال و جائیداد میں کوئی بری بات پاؤں) اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر سے واپس ہوتے تب بھی اس کے حضور میں یہی دعا کرتے۔ اور آخر میں ان کلمات کا اضافہ کرتے، اٰئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ، عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْن. " (ہم واپس لوٹنے والے ہیں، توبہ کرنے والے ہیں، عبادت کرنے والے ہیں، اپنے پروردگار کی حمد و ستائش کرنے والے ہیں) (صحیح مسلم)

تشریح...... اس دعا کا ایک ایک جز اپنے اندر بڑی معنویت رکھتا ہے۔ پہلی بات اس حدیث میں یہ بتائی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اونٹ پر سوار ہونے کے بعد سب سے پہلے تین دفعہ "اللہ اکبر" کہتے تھے۔ اس زمانہ میں خاص کر اونٹ جیسی سواری پر سوار ہونے کے بعد خود سوار کو اپنی بلندی و برتری کا جو احساس یا وسوسہ پیدا ہو سکتا تھا اسی طرح دیکھنے والوں کے دلوں میں اس کی عظمت و بڑائی کا جو خیال آ سکتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین دفعہ "اللہ اکبر" کہہ کے اس پر تین ضربیں لگاتے تھے اور خود اپنے کو اور دوسروں کو جتاتے تھے کہ عظمت و کبریائی بس اللہ کے لئے ہے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہتے تھے: "سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ. " (پاک اور مقدس ہے وہ ذات جس نے ہمارے لئے اس سواری کو مسخر کر دیا، ورنہ ہم میں وہ طاقت نہ تھی کہ ایسا کر سکتے) اس میں اس کا اعتراف اور اظہار ہے کہ اس سواری کو ہمارے لئے مسخر کر دینا اور ہم کو اس طرح اس کے استعمال کی قدرت دینا بھی اللہ ہی کا کرم ہے، ہمارا کوئی کمال نہیں ہے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: "وَاِنَّا اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ. " (یعنی جس طرح آج ہم یہ سفر کر رہے ہیں، اسی طرح ایک دن اس دنیا سے سفر کر کے ہم اپنے خدا کی طرف جائیں گے جو اصل مقصود و مطلوب ہے، وہی سفر حقیقی سفر ہوگا اور اس کی فکر اور تیاری سے بندے کو کبھی غافل نہ رہنا چاہئے۔ اس کے بعد سب سے پہلی دعا آپ یہ کرتے کہ: "اے اللہ! اس سفر میں مجھے نیکی اور پرہیز گاری کی اور ان اعمال کی توفیق دے جن سے تو راضی ہو۔" بلاشبہ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والے بندوں کے لئے سب سے اہم مسئلہ یہی ہے، اس لئے ان کی اولین دعا یہی ہونی چاہئے۔ اس کے بعد آپ سفر میں سہولت کی اور سفر جلدی پورا ہو جانے کی دعا کرتے۔ اس کے بعد آپ اللہ کے حضور میں عرض کرتے: "اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِی السَّفَرِ وَالْخَلِیْفَةُ فِی الْاَهْلِ وَالْمَالِ. " (یعنی اے اللہ! تو ہی سفر میں میرا حقیقی رفیق و ساتھی ہے اور تیری ہی رفاقت و مدد پر میرا اعتماد ہے اور گھر بار اور اہل و عیال جن کو میں چھوڑ کے جا رہا ہوں ان کا نگہبان اور نگراں بھی تو ہی ہے اور تیری ہی نگہبانی پر بھروسہ ہے۔ ان مثبت دعاؤں کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر کی مشقت سے یا دوران سفر میں یا واپسی پر کسی تکلیف دہ حادثہ کے سامنے آنے سے پناہ مانگتے جس کا حاصل یہی ہے کہ سفر میں بھی تیری رحمت سے عافیت و سہولت نصیب رہے اور واپس آ کر بھی خیر و عافیت دیکھوں۔

حدیث کے آخر میں بیان کیا گیا ہے کہ جب واپسی کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر شروع فرماتے اس وقت بھی اللہ تعالیٰ کے حضور میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہی سب کچھ عرض کرتے اور آخر میں یہ کلمات مزید کہتے: "اٰئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ، عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ. " یعنی اب ہم واپس ہو رہے ہیں، اپنے قصوروں اور لغزشوں سے توبہ کرتے ہیں، ہم اپنے پروردگار اور مالک و مولا کی عبادت اور

حمد وثناء کرتے ہیں۔ ذرا غور کیا جائے کہ جب سفر کے لئے سواری پر سوار ہوتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب مبارک کی یہ واردات ہوتی تھیں، جو ان کلمات کے قالب میں زبان مبارک پر جاری ہوتی تھیں، تو خلوتوں کے خاص اوقات میں کیا حال ہوتا ہوگا۔

کیسی خوش نصیبی ہے اس امت کی جس کے پاس اس کے نبی کا چھوڑا ہوا ایسا خزانہ محفوظ ہے، اور کیسی قابل عبرت بدنصیبی ہے اس اُمت کی جس کے ۹۹ فیصد افراد یا اس سے بھی زیادہ اس سے بے خبر اور اس لئے استفادہ سے محروم ہیں۔

عَنْ عَبْدِاللهِ الْخَطْمِيِّ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صلی الله علیه و آله وسلم اِذَا اَرَادَ اَنْ يَّسْتَوْدِعَ الْجَيْشَ قَالَ اَسْتَوْدِعُ اللهَ دِيْنَكُمْ وَاَمَانَتَكُمْ وَخَوَاتِيْمَ اَعْمَالِكُمْ. (رواہ ابو داؤد)

حضرت عبداللہ الخطمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لشکر کو رخصت کرتے وقت فرماتے: "اَسْتَوْدِعُ اللهَ دِيْنَكُمْ وَاَمَانَتَكُمْ وَخَوَاتِيْمَ اَعْمَالِكُمْ." (میں اللہ کے سپرد کرتا ہوں تمہارے دین کو اور تمہاری صفت امانت کو، اور تمہارے آخری اعمال کو۔) (سنن ابی داؤد)

تشریح...... یہاں "امانت" سے مراد انسان کے دل کی وہ خاص صفت اور کیفیت ہے، جو اس سے تقاضا کرتی ہے کہ وہ اللہ کے اور اس کے بندوں کے حقوق صحیح طور پر ادا کرے۔ مختصر لفظوں میں اس کو "بندگی کی ذمہ داریوں کے احساس" سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

مؤمن کی خاص پونجی اس کی یہ صفت امانت اور اس کا دین اور دینی اعمال ہیں، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لشکر کو رخصت کرتے وقت مجاہدین کی ان چیزوں کو خاص طور سے اللہ کی سپردگی میں دیتے تھے اور دعا فرماتے تھے کہ وہ ان کی حفاظت فرمائے۔ اسی طرح کسی شخص کو رخصت کرتے وقت بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لے لیتے اور فرماتے: "اَسْتَوْدِعُ اللهَ دِيْنَكَ وَاَمَانَتَكَ وَاٰخِرَ عَمَلِكَ." (تمہارے دین تمہارے امانت اور خاتمہ والے اعمال کو میں خدا کے سپرد کرتا ہوں، وہ ان کی حفاظت فرمائے۔) رواہ الترمذی عن ابن عمر۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی کو رخصت کرنے کے وقت مصافحہ فرمانا بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا۔ واللہ اعلم۔

سخت خطرے کے وقت کی دعا

عَنْ اَبِیْ سَعِيْدِ الْخُدْرِیْ قَالَ قُلْنَا يَوْمَ الْخَنْدَقِ يَارَسُوْلَ اللهِ صلی الله علیه و آله وسلم هَلْ مِنْ شَيْئٍ نَقُوْلُهٗ فَقَدْ بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ قَالَ نَعَمْ "اَللّٰهُمَّ اسْتُرْعَوْرَاتِنَا وَاٰمِنْ رَوْعَاتِنَا" قَالَ فَضَرَ اللهُ وُجُوْهَ اَعْدَائِهٖ بِالرِّيْحِ هَزَمَ اللهُ بِالرِّيْحِ. (رواہ احمد)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگوں نے غزوۂ خندق کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا اس نازک وقت کے لئے کوئی خاص دعا ہے، جو ہم اللہ کے حضور میں عرض کریں، حالت یہ ہے کہ ہمارے دل مارے دہشت کے اچھل اچھل کے گلوں میں آ رہے ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہاں: اللہ کے حضور میں یوں عرض کرو: "اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَاٰمِنْ رَوْعَاتِنَا." (اے اللہ! ہماری پردہ داری فرما اور ہماری گھبراہٹ کو بے خوفی اور اطمینان سے بدل دے) ابو سعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: پھر اللہ نے آندھی بھیج کر دشمنوں کے منہ پھیر

دیئے اور اس آندھی ہی سے اللہ نے ان کو شکست دی۔ (مسند احمد)

تشریح...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم پر جو سخت سے سخت دن گزرے ہیں ان میں غزوۂ خندق کے بعض ایام بھی تھے، جن کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح کیا گیا ہے:

اِذْ جَآءُ وْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا. هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالاً شَدِيْدًا. (الاحزاب، ۳۳، ۱۰، ۱۱)

جب آ گئے دشمنوں کے لشکر تمہارے اوپر کی جانب سے اور نیچے کی طرف سے اور جب آنکھیں پھر گئیں اور دل مارے دہشت کے گلوں تک پہنچ گئے اور تم خدا کی نسبت طرح طرح کے گمان کرنے لگے اس وقت اہل ایمان بڑی آزمائش میں پڑے اور سخت طریقے سے ہلا ڈالے گئے۔

انہی حالات میں ایک دن حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وہ درخواست کی تھی جس کا حدیث میں ذکر کیا گیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ مختصر دعا تلقین فرمائی تھی: "اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَاٰمِنْ رَوْعَاتِنَا." اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی سخت آندھی بھیجی گئی جس نے سارے لشکر کو تتر بتر کر دیا اور وہ بھاگنے پر مجبور ہوئے۔

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه وآله وسلم مَنْ كَثُرَ هَمُّهُ فَلْيَقُلْ "اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ وَابْنُ اَمَتِكَ وَفِيْ قَبْضَتِكَ نَاصِيَتِيْ بِيَدِكَ مَاضٍ فِيَّ حُكْمُكَ عَدْلٌ فِيَّ قَضَاءُكَ اَسْئَلُكَ بِكُلِّ اِسْمٍ هُوَلَكَ سَمَّيْتَ بِهٖ نَفْسَكَ اَوْ اَنْزَلْتَهٗ فِيْ كِتَابِكَ اَوِاسْتَاْثَرْتَ بِهٖ فِيْ مَكْنُوْنِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ، رَبِيْعَ قَلْبِيْ وَجِلَاءَ هَمِّيْ وَغَمِّيْ" مَا قَالَهَا عَبْدٌ قَطُّ اِلَّا اَذْهَبَ اللّٰهُ هَمَّهٗ اَبْدَلَهٗ بِهٖ فَرَجًا. (رواہ رزین)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس آدمی کو پریشانی اور فکر زیادہ ہو تو اسے چاہئے کہ وہ اللہ کے حضور میں اس طرح عرض کرے: "اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ عَبْدُكَ، تا "جِلَاءَ هَمِّيْ وَغَمِّيْ" (اے اللہ! میں بندہ ہوں تیرا اور بیٹا ہوں تیرے ایک بندے کا اور تیری ایک بندی کا، اور بالکل تیرے قبضہ میں ہوں اور ہمہ تن تیرے دستِ قدرت میں ہوں، نافذ ہے میرے بارے میں تیرا حکم اور عین عدل ہے میرے بارے میں تیرا ہر فیصلہ، میں تجھ سے تیرے ہر اس اسم پاک کے واسطے سے جس سے تو نے اپنی مقدس ذات کو موسوم کیا ہے یا اپنی کسی کتاب میں اس کو نازل فرمایا ہے، یا اپنے خاص مخفی خزانہ غیب ہی میں اس کو محفوظ رکھا ہے۔ استدعا کرتا ہوں کہ قرآن عظیم کو میرے دل کی بہار بنا دے، اور میری فکروں اور میرے غموں کو اس کی برکت سے دور فرما دے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "جو بندہ بھی ان کلمات کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی فکروں اور پریشانیوں کو دور فرما کر ضرور بالضرور اس کو کشادگی عطا فرما دے گا۔ (رزین)

تشریح...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم فرمودہ اس دعا کا ایک ایک کلمہ عبدیت کی کیفیت سے لبریز ہے۔ سب سے پہلے اپنی اور اپنے ماں باپ کی بندگی اور عبدیت کا اظہار و اعتراف کیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ میں تیرا بندہ ہوں، میرا باپ بھی تیرا

بندہ اور میری ماں بھی تیری بندی تھی یعنی میں تیرا پشتینی بندہ ہوں، تو میرا مالک ورب ہے اور میرے ماں باپ کا بھی مالک ورب ہے۔ اور میں ہمہ تن تیرے قبضہ میں ہوں، میرے لئے جو بھی تیرا فیصلہ ہے وہ برحق ہے اور نافذ ہونے والا ہے مجھے اور کسی کو بھی چون وچرا کی مجال نہیں ہے۔ اس کے بعد کہا گیا ہے کہ میرے پاس کوئی ایسا عمل اور کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کی بناء پر تجھ سے کچھ مانگنے کا مجھے حق ہو، اس لئے تیرے ہی ان اسماء پاک کے واسطے سے جن سے تو نے اپنی ذات پاک کو موسوم کیا ہے، یا جو تیری کتابوں میں بتائے گئے ہیں یا جو صرف تیرے ہی علم میں ہیں اور جنہیں تیرے سوا کوئی نہیں جانتا تجھ سے استدعا کرتا ہوں کہ اپنے قرآن پاک کو میرے دل کی بہار بنادے اور میری فکریں اور پریشانیاں اس کی برکت سے دور فرمادے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: ”جب بندہ اس طرح دعا کرے گا تو اس کی فکریں اور پریشانیاں ضرور بالضرور دور فرمادی جائیں گی۔

مصائب اور مشکلات کے وقت کی دعائیں

اس دنیا میں انسانوں کو بعض اوقات بڑے مصائب اور مشکلات سے سابقہ پڑتا ہے، اس میں خیر کا خاص پہلو یہ ہے کہ ان ابتلائات اور مجاہدات کے ذریعہ اہل ایمان کی تربیت ہوتی ہے اور یہ ان کے لئے انابت الی اللہ اور تعلق باللہ میں ترقی کا وسیلہ بنتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے مواقع کیلئے جو دعائیں تعلیم فرمائی ہیں وہ مصائب ومشکلات سے نجات کا وسیلہ بھی ہیں اور قرب خداوندی کا ذریعہ بھی۔ ان میں سے چند دعائیں ذیل میں پڑھئے۔

عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دَعْوَةُ ذِی النُّوْنِ الَّذِیْ دَعَا بِهَا وَهُوَ فِیْ بَطْنِ الْحُوْتِ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ" لَمْ یَدْعُ بِهَا رَجُلٌ مُّسْلِمٌ فِیْ شَیْئٍ قَطُّ اِلَّا اسْتَجَابَ اللّٰهُ لَهٗ. (رواہ احمد والترمذی والنسائی)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”ذوالنون (اللہ کے پیغمبر یونس علیہ السلام) جب سمندر کی ایک مچھلی کا لقمہ بن کر اس کے پیٹ میں پہنچ گئے تھے تو اس وقت اللہ کے حضور میں ان کی دعا اور پکار یہ تھی: "لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ." (میرے مولا تیرے سوا کوئی معبود نہیں جس سے رحم وکرم کی درخواست اور مدد کی التجا کروں تو پاک اور مقدس ہے تیری طرف سے کوئی ظلم وزیادتی نہیں میں ہی ظالم اور پاپی ہوں) جو مسلمان بندہ اپنے کسی معاملہ اور مشکل میں ان کلمات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو قبول ہی فرمائے گا۔ (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن نسائی)

تشریح...... حضرت یونس علیہ السلام کی یہ دعا قرآن مجید (سورۂ انبیاء) میں انہی الفاظ میں مذکور ہوئی ہے۔ بظاہر تو اس میں صرف اللہ کی توحید وتسبیح اور اپنے قصوروار، خطاکار ہونے کا اعتراف ہے لیکن فی الحقیقت یہ اللہ کے حضور میں اظہار ندامت اور استغفار وانابت کا بہترین انداز ہے اور اس میں اللہ کی رحمت کو کھینچ لینے کی خاص تاثیر ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِذَا وَقَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ الْعَظِیْمِ

فَقُوْلُوْا "حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ." (رواه ابن مردويه)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جب کوئی بھاری اور بہت مشکل معاملہ پیش آجائے تو کہو: "حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ." (اور وہی سب کام سپرد کرنے کیلئے اچھا ہے۔) (ابن مردویہ)

تشریح...... یہ بھی قرآن مجید کا خاص کلمہ ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب ان کی قوم کے بت پرستوں نے آگ کے ڈھیر میں ڈالا تو ان کی زبان مبارک پر یہی کلمہ تھا: "حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ." مصائب و مشکلات کے موقع پر ہر بندۂ مؤمن کا یہی نعرہ ہونا چاہئے۔

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم مَا قَالَ عَبْدٌ "اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ اِكْفِنِىْ كُلَّ مُهِمٍّ مِنْ حَيْثُ شِئْتَ مِنْ اَيْنَ شِئْتَ." اِلَّا اَذْهَبَ اللّٰهُ تَعَالٰى هَمَّه. (رواه الخرائطى فى مكارم الاخلاق)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو بندہ (کسی سخت مشکل اور پریشانی میں مبتلا ہو اور) اللہ کے حضور میں عرض کرے: "اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ اِكْفِنِىْ كُلَّ مُهِمٍّ مِنْ حَيْثُ شِئْتَ مِنْ اَيْنَ شِئْتَ." (اے میرے اللہ! ساتوں آسمانوں اور عرش عظیم کے مالک! میری مہمات و مشکلات حل کرنے کیلئے تو کافی ہوجا اور حل کردے جس طرح تو چاہے اور جہاں سے تو چاہے (تو اللہ اس کی مشکل کو حل کرنے کے پریشانی سے اس کو نجات عطا فرمادے گا۔ (مکارم الاخلاق للخرائطی)

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ لِىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم يَا عَلِيُّ اِذَا حَزَبَكَ اَمْرٌ فَقُلْ "اَللّٰهُمَّ احْرُسْنِىْ بِعَيْنِكَ الَّتِىْ لَا تَنَامُ وَاكْنُفْنِىْ بِكَنَفِكَ الَّذِىْ لَا يُرَامُ وَاغْفِرْلِىْ بِقُدْرَتِكَ عَلَىَّ فَلَا اَهْلِكَ وَاَنْتَ رَجَائِىْ، رَبِّ كَمْ مِنْ نِعْمَةٍ اَنْعَمْتَهَا عَلَىَّ قَلَّ لَكَ عِنْدَهَا شُكْرِىْ وَكَمْ مِنْ بَلِيَّةٍ اِبْتَلَيْتَنِىْ بِهَا قَلَّ لَكَ عِنْدَهَا صَبْرِىْ فَيَامَنْ قَلَّ عِنْدَ نِعْمَتِهٖ شُكْرِىْ فَلَمْ يَحْرِمْنِىْ وَيَامَنْ قَلَّ عِنْدَ بَلِيَّتِهٖ صَبْرِىْ فَلَمْ يَخْذُلْنِىْ وَيَامَنْ رَاٰنِىْ عَلَى الْخَطَايَا فَلَمْ يَفْضَحْنِىْ يَا ذَالْمَعْرُوْفِ الَّذِىْ لَا يَنْقَضِىْ اَبَدًا وَيَاذَالنَّعْمَاءِ الَّتِىْ لَاتُحْصٰى اَبَدًا اَسْئَلُكَ اَنْ تُصَلِّىَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبِكَ اَدْرَأُ فِىْ نُحُوْرِ الْاَعْدَاءِ وَالْجَبَّارِيْنَ. (رواه الديلمى فى مسند الفردوس)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا: اے علیؓ! جب تمہیں کسی بڑی پریشانی اور مصیبت کا سامنا ہو تو اللہ سے اس طرح دعا کرو: "اَللّٰهُمَّ احْرُسْنِىْ بِعَيْنِكَ الَّتِىْ لَا تَنَامُ. تا فِىْ نُحُوْرِ الْاَعْدَاءِ وَالْجَبَّارِيْنَ." (اے اللہ! اپنی اس آنکھ سے میری نگہبانی فرما جو کبھی نیند اور اونگھ سے آشنا نہیں ہوتی، اور مجھے اپنی اس حفاظت میں لے لے جس کے قریب جانے کا بھی کوئی ارادہ نہیں کرسکتا، اور مجھ مسکین و گناہ گار بندے پر تجھے جو قدرت اور دسترس حاصل ہے اس کے صدقہ میں تو میرے گناہ معاف فرمادے کہ میں ہلاکت و بربادی سے بچ جاؤں تو ہی

میری امیدوں کا مرکز ہے۔اے میرے مالک و پروردگار! تو نے مجھے کتنی ہی ایسی نعمتوں سے نوازا جن کا شکر مجھ سے بہت ہی کم ادا ہو سکا اور کتنی ہی آزمائشوں میں مبتلا کیا گیا اور ان آزمائشوں کے وقت مجھ سے صبر میں بڑی کمی اور کوتاہی ہوئی۔ پس اے میرے وہ کریم رب جس کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے میں میں نے کوتاہی کی تو اس نے مجھے نعمتوں سے محروم کرنے کا فیصلہ نہیں کیا (بلکہ میری اس کوتاہی کے باوجود اپنی نعمتیں مجھ پر انڈیلتا رہا) اور آزمائشوں میں صبر سے میرے قاصر رہنے کے باوجود اس نے مجھے اپنی نگاہ کرم سے نہیں گرایا (بلکہ میری بے صبری کے باوجود مجھ پر کرم فرماتا رہا) اور اے میرے وہ کریم رب جس نے مجھے معصیتیں کرتے ہوئے خود دیکھا مگر اپنی مخلوق کے سامنے مجھے رسوا نہیں کیا (بلکہ مجھ گنہگار کی پردہ داری فرمائی) اے ہمیشہ اور تا ابد احسان و کرم فرمانے والے اور بے شمار و بے حساب نعمتوں سے نوازنے والے پروردگار! میں تجھ سے استدعا کرتا ہوں کہ اپنے بندے اور پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور ان کے خاص متعلقین پر اپنی رحمتیں نازل فرما۔ خداوندا! میں تیرے ہی زور پر اور تیرے ہی بھروسہ پر مقابلہ میں آتا ہوں دشمنوں اور جباروں کے۔ (مسند فردوس دیلمی)

تشریح...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم فرمائی ہوئی اس دعا کے ایک ایک کلمہ پر غور کیا جائے، اس کا ہر جملہ عبدیت کی روح سے لبریز ہے۔ اللہ تعالیٰ ان حقائق کا فہم اور ان کی قدر اور نفع اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔

قرض اور تنگ حالی سے نجات کی دعا

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیْ قَالَ دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذَاتَ یَوْمٍ الْمَسْجِدَ فَاِذَا ھُوَ بِرَجُلٍ مِّنَ الْاَنْصَارِ یُقَالُ لَہٗ اَبُوْ اُمَامَۃَ فَقَالَ یَا اَبَا اُمَامَۃَ مَالِیْ اَرَاکَ جَالِسًا فِی الْمَسْجِدِ فِیْ غَیْرِ وَقْتِ الصَّلٰوۃِ قَالَ ھُمُوْمٌ لَزِمَتْنِیْ وَدُیُوْنٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ اَفَلَا اُعَلِّمُکَ کَلَامًا اِذَا قُلْتَہٗ اَذْھَبَ اللّٰہُ ھَمَّکَ وَقَضٰی عَنْکَ دَیْنَکَ قَالَ قُلْتُ بَلٰی یَارَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ قُلْ اِذَا اَصْبَحْتَ وَاِذَا اَمْسَیْتَ "اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْھَمِّ وَالْحُزْنِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْکَسَلِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنَ الْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ غَلَبَۃِ الدَّیْنِ وَقَھْرِ الرِّجَالِ" قَالَ فَفَعَلْتُ ذٰلِکَ فَاَذْھَبَ اللّٰہُ ھَمِّیْ وَقَضٰی دَیْنِیْ۔ (رواہ ابوداؤد)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تشریف لائے تو ایک انصاری کو (جن کا نام ابوامامہ تھا) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد میں بیٹھے دیکھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انؓ سے فرمایا: کیا بات ہے کہ تم اس وقت جبکہ کسی نماز کا وقت نہیں ہے مسجد میں بیٹھے ہو؟ انہوںؓ نے عرض کیا: حضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مجھ پر بہت سے قرضوں کا بوجھ ہے اور فکروں نے مجھے گھیر رکھا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں تمہیں ایسا دعائیہ کلمہ بتا دوں جس کے ذریعہ دعا کرنے سے اللہ تعالیٰ تمہیں ساری فکروں سے نجات دیدے اور تمہارے قرضے بھی ادا کرا دے؟ (ابوامامہؓ نے بیان کیا کہ) میں نے عرض کیا: حضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!) ضرور بتا دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: تم صبح و شام اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کیا کرو: "اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْھَمِّ. تا وَقَھْرِ الرِّجَالِ." (اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں فکر اور غم سے اور نکمے پن اور ٹھول پنے سے اور سستی و کاہلی سے اور بزدلی و کنجوسی سے اور پناہ مانگتا ہوں قرضے کے بار کے غالب آ

جانے سے اور لوگوں کے دباؤ سے) ابوامامہؓ نے بیان کیا کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس ہدایت پر عمل کیا (اور اس دعا کو اپنا صبح وشام کا معمول بنالیا) تو خدا کے فضل سے میری ساری فکریں ختم ہوگئیں اور میرا قرض بھی ادا ہوگیا۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح...... یہ صاحب واقعہ ابوامامہ مشہور صحابی ابوامامہ باہلیؓ کے علاوہ دوسرے صحابی ہیں۔

عَنْ عَلِيٍّ اَنَّهُ جَاءَهُ مُكَاتَبٌ فَقَالَ اِنِّي عَجَزْتُ عَنْ كِتَابَتِي فَاَعِنِّي قَالَ اَلَا اُعَلِّمُكَ كَلِمَاتٍ عَلَّمَنِيهِنَّ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم لَوْ كَانَ عَلَيْكَ مِثْلُ جَبَلٍ كَبِيْرٍ دِيْنًا اَدَّاهُ اللهُ عَنْكَ قُلْ "اَللّٰهُمَّ اكْفِنِيْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَاَغْنِنِيْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ." (رواه الترمذى والبيهقى فى الدعوات الكبير)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مکاتب ان کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ: میں زرِ کتابت ادا کرنے سے عاجز ہو رہا ہوں آپ اس میں میری مدد کر دیجئے؟ آپ نے فرمایا: میں تم کو وہ دعائیہ کلمات نہ بتادوں جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تعلیم فرمائے تھے، اگر تم پر کسی بڑے پہاڑ کے برابر بھی قرضہ ہوگا تو اس دعا کی برکت سے اور اللہ کے حکم سے وہ ادا ہو جائیگا (وہ مختصر دعا یہ ہے): "اَللّٰهُمَّ اكْفِنِيْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَاَغْنِنِيْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ." (اے میرے اللہ! مجھے حلال طریقے سے اتنی روزی دے جو میرے لئے کافی ہو اور حرام کی ضرورت نہ ہو اور اپنے فضل وکرم سے مجھے اپنے ماسوا سے بے نیاز کر دے)۔ (جامع ترمذی، دعوات کبیر للبیہقی)

تشریح...... "مکاتب" اس غلام کو کہا جاتا ہے جس کے آقا نے اس کے بارے میں طے کر دیا ہو کہ تم اتنی رقم ادا کر دو تو آزاد ہو، ایسا غلام جب وہ معینہ رقم ادا کر دے گا تو آزاد ہو جائے گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اسی طرح کا کوئی بیچارہ مکاتب آیا تھا جو زرِ کتابت ادا کرنے سے عاجز ہو رہا تھا، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت رقم سے تو اس کی کوئی مدد نہیں کر سکے لیکن اسی مقصد کے لئے ایک خاص دعا آپؓ نے اس کو تعلیم فرمادی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپؓ کو تعلیم فرمائی تھی۔ معلوم ہوا کہ ضرورت مند سائل کی اگر روپیہ پیسہ سے کسی وقت مدد نہ کی جا سکے تو اس کو اس طرح کی دعا ہی کی طرف رہنمائی کر دی جائے، یہ بھی اعانت اور خدمت کی ایک صورت ہے۔

عیادت کے وقت کی دعائیں

بیماروں کی عیادت اور خدمت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اونچے درجہ کی نیکی اور ایک طرح کی مقبول ترین عبادت قرار دیا ہے اور اس کی بڑی ترغیب دی ہے، نیز اپنے عمل اور ارشادات سے اس کی تعلیم دی ہے کہ جب کسی مریض کی عیادت کی جائے تو اس کے لئے دعائے صحت بھی کی جائے۔ ظاہر ہے کہ اس سے اس کو تسلی بھی ہوگی۔

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وآله وسلم اِذَا اشْتَكٰى نَفَثَ عَلٰى نَفْسِهٖ بِالْمُعَوِّذَاتِ وَمَسَحَ عَنْهُ بِيَدِهٖ فَلَمَّا اشْتَكٰى وَجَعَهُ الَّذِيْ تُوُفِّيَ فِيْهِ كُنْتُ اَنْفُثُ عَلَيْهِ بِالْمُعَوِّذَاتِ الَّتِيْ كَانَ يَنْفُثُ وَاَمْسَحُ بِيَدِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم. (رواه البخارى ومسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب خود بیمار ہوتے تو معوذات پڑھ کر اپنے

اوپر دم فرماتے اور خود اپنا دست مبارک اپنے جسم پر پھیرتے پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہ بیماری لاحق ہوئی جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفات پائی تو میں وہی معوذات پڑھ کر آپ پر دم کرتی جن کو پڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دم کیا کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دست مبارک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم پر پھیرتی۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح...... اس حدیث میں ''مُعَوِّذَاتِ'' سے مراد بظاہر سورہ ''قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ'' اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ'' ہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ دعائیں مراد ہوں جن میں اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگی جاتی ہے اور جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیماروں پر پڑھ کر اکثر دم کیا کرتے تھے۔

چھینک آنے کے وقت کی دعا

آدمی کو چھینک آ جانے کی بظاہر کوئی اہمیت نہیں، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس موقع کیلئے بھی دعا تلقین فرمائی، اور اس کو بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق بڑھانے کا ذریعہ بنا دیا۔

عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه و آله وسلم اِذَا عَطَسَ اَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلْيَقُلْ لَهٗ اَخُوْهُ اَوْ صَاحِبُهٗ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ، فَاِذَا قَالَ لَهٗ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ فَلْيَقُلْ يَهْدِيْكُمُ اللّٰهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ. (رواه البخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو اس کو چاہئے کہ کہے: ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ'' (اللہ کی حمد اور اس کا شکر) اور جو بھائی اس کے پاس ہوں، انہیں جواب میں کہنا چاہئے: ''يَرْحَمُكَ اللّٰهُ'' (تم پر اللہ کی رحمت ہو) اور جب وہ یہ کہیں تو چھینکنے والے کو چاہئے کہ وہ جواب الجواب کے طور پر کہے: ''يَهْدِيْكُمُ اللّٰهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ'' (اللہ تم کو صحیح راہ پر چلائے اور تمہارا حال درست فرمائے)۔ (صحیح بخاری)

تشریح...... چھینک اگر زکام وغیرہ کسی بیماری کی وجہ سے نہ ہو تو دماغ کی صفائی اور اس کے ہلکے ہونے کا ذریعہ ہے۔ جو مادہ چھینک کے ذریعہ خارج ہوتا ہے اگر وہ خارج نہ ہو تو طرح طرح کی دماغی بیماریاں پیدا ہو سکتی ہیں، اس لئے بندے کو چاہئے کہ چھینک آنے پر اللہ کی حمد اور اس کا شکر ادا کرے، اور کم از کم اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہے۔ بعض روایات میں اس موقع کیلئے ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ'' اور بعض دوسری روایات میں ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ'' بھی وارد ہوا ہے۔ اس لئے ان میں سے ہر کلمہ کہا جا سکتا ہے۔

سننے والوں کو اس کے جواب میں ''يَرْحَمُكَ اللّٰهُ'' کہنا چاہئے۔ یہ چھینکنے والے کے حق میں دعائے خیر ہو گی، اس کا جواب چھینکنے والے کو بھی دعائے خیر سے دینا چاہئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کیلئے ''يَهْدِيْكُمُ اللّٰهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ'' تعلیم فرمایا۔ قربان اس تعلیم کے، ایک چھینک کو خود چھینکنے والے کیلئے اور اس کے پاس والوں کے لئے بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کو تازہ کرنے کا اور بڑھانے کا کیسا ذریعہ بنایا۔

اگر کسی کو نزلہ اور زکام کی وجہ سے مسلسل چھینکیں آتی ہوں تو اس صورت میں نہ چھینکنے والا ہر دفعہ ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ'' کہنے کا مکلف ہے، نہ سننے والے کو ہر دفعہ ''يَرْحَمُكَ اللّٰهُ'' کہنے کا حکم ہے۔

آندھی اور تیز و تند ہوا کے وقت کی دعا

تیز و تند ہوائیں اور آندھیاں کبھی عذاب بن کر آتی ہیں اور کبھی رحمت الٰہی (یعنی بارش کا مقدمہ بن کر، اس لئے خدا شناس اور خدا پرست بندوں کو چاہئے کہ جب اس طرح کی ہوائیں چلیں تو وہ جلال خداوندی کے خطرے کو محسوس کرتے ہوئے دعا کریں کہ یہ ہوائیں شر اور ہلاکت کا ذریعہ نہ بنیں بلکہ رحمت کا وسیلہ بنیں۔ یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَاهَبَّتْ رِيحٌ قَطُّ اِلَّا جَثَا النَّبِيُّ صلى الله عليه وآله وسلم عَلٰى رُكْبَتَيْهِ وَقَالَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا رَحْمَةً وَّلَا تَجْعَلْهَا عَذَابًا اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا رِيَاحًا وَّلَا تَجْعَلْهَا رِيحًا. (رواه الشافعى والبيهقى فى الدعوات الكبير)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب کبھی تیز ہوا چلتی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے زانوؤں کے بل اللہ تعالیٰ کے حضور میں جھک جاتے اور دعا کرتے تھے کہ: "اے اللہ! یہ ہوا ہمارے حق میں رحمت اور سامان حیات ہو، عذاب اور سامان ہلاکت نہ ہو۔ یہ وہ نہ ہو جس کو قرآن نے "ریح" کہا ہے، وہ ہو جس کو "ریاح" کہا ہے۔" (مسند شافعی والبیہقی فی الدعوات الکبیر)

تشریح...... قرآن مجید کی بعض آیات میں اس ہوا کو جو کسی قوم کو ہلاک کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجی گئی "ریح" کے لفظ سے تعبیر کیا گیا، اور بعض دوسری آیات میں ان ہواؤں کے لئے جو رحمت بن کر آتی ہیں "ریاح" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اسی بناء پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تیز ہوا کے وقت یہ دعا بھی فرماتے تھے کہ۔ "اے اللہ! یہ "ریح" یعنی عذاب والی ہوا نہ ہو بلکہ "ریاح" یعنی رحمت والی ہوا ہو۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم كَانَ اِذَا رَأَى الْمَطَرَ قَالَ اَللّٰهُمَّ صَيِّبًا نَافِعًا (رواه البخارى)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بارش ہوتی دیکھتے تو اللہ تعالیٰ سے دعا فرماتے: "اَللّٰهُمَّ صَيِّبًا نَافِعًا." (اے اللہ! بھرپور اور نفع مند بارش ہو) (صحیح بخاری)

تشریح...... بارش کا حال بھی یہی ہے کہ اسکے ذریعہ تباہیاں اور بربادیاں بھی آتی ہیں اور مخلوق کیلئے وہ سامان حیات بن کر بھی برستی ہے، اس لئے جب بارش ہو تو خدا پر ایمان رکھنے والے بندوں کو دعا کرنی چاہئے کہ بارش نفع مند اور رحمت بن کر برسے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بارش کی ضرورت محسوس کر کے اس کیلئے اللہ تعالیٰ سے دعا فرماتے جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا یہی ہوتی۔

نیا چاند دیکھنے کے وقت کی دعا

عَنْ قَتَادَةَ بَلَغَهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم كَانَ اِذَا رَاى الْهِلَالَ قَالَ "هِلَالُ خَيْرٍ وَّرُشْدٍ" هِلَالُ خَيْرٍ وَّرُشْدٍ هِلَالُ خَيْرٍ وَّرُشْدٍ "اٰمَنْتُ بِالَّذِىْ خَلَقَكَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ يَقُوْلُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ ذَهَبَ بِشَهْرِ كَذَا وَجَاءَ بِشَهْرِ كَذَا. (رواه ابوداؤد)

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مہینہ کا نیا چاند دیکھتے تو تین دفعہ کہتے: هِلَالُ خَيْرٍ وَّرُشْدٍ." (خیر و برکت اور رشد و ہدایت کا چاند ہے) پھر تین ہی دفعہ کہتے: "اٰمَنْتُ بِالَّذِىْ خَلَقَكَ." (میرا ایمان ہے اس اللہ پر جس

نے تجھے پیدا کیا) اس کے بعد فرماتے حمد وشکر اس اللہ کے لئے جس کے حکم سے فلاں مہینہ ختم ہوا اور فلاں مہینہ شروع ہوا۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح...... رویت ہلال کی وقت کے یہ دوسری دعا ہے۔ سمجھنا چاہئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نیا چاند دیکھ کے کبھی مندرجہ بالا حدیث والی دعا کرتے تھے اور کبھی یہ دوسری دعا۔

تین دفعہ "هِلَالُ خَيْرٍ وَّرُشْدٍ" کہنے کا منشاء غالباً یہ تھا کہ بہت سے طبقے بعض مہینوں کو منحوس اور نامبارک سمجھتے ہیں، اس کلمہ سے اس توہم پرستی کی تردید کر کے یہ بتانا مقصود ہوتا تھا کہ ہر مہینہ خیر و برکت اور رشد و ہدایت کا مہینہ ہے۔

"اٰمَنْتُ بِالَّذِیْ خَلَقَکَ"، تین دفعہ کہہ کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان گمراہوں کے مشرکانہ عقیدہ پر ضرب لگاتے تھے جو چاند کو رب اور دیوتا مانتے ہیں۔

قتادہ جو اس حدیث کے راوی ہیں یہ غالباً قتادہ بن دعامہ سدوسی تابعی ہیں، انہوں نے یہ حدیث کسی صحابی سے سنی ہوگی، بعض تابعین اور اسی طرح بعض تبع تابعین بھی کبھی درمیان والے راوی کا ذکر کئے بغیر اس طرح روایت کرتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے۔ محدثین کی اصطلاح میں ایسی حدیث کو "بلاغات" کہا جاتا ہے۔ امام مالکؒ کی مؤطا میں ان کی اچھی خاصی تعداد ہے۔

لیلۃ القدر کی دعا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم فرمائی ہوئی لیلۃ القدر کیلئے ایک مختصر ترین دعا یہاں درج کی جارہی ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِنْ وَافَقْتُ لَيْلَةَ الْقَدْرِ مَا اَدْعُوْبِهٖ؟

قَالَ قُوْلِیْ "اَللّٰهُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ." (رواہ الترمذی)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: حضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!) اگر میں شب قدر کو پالوں تو کیا دعا کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے حضور میں یوں عرض کرو: "اَللّٰهُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ." (اے اللہ! تو قصور والوں کو بہت معاف فرمانے والا ہے، اور معاف کر دینا تجھے پسند ہے، پس تو مجھے معاف فرما دے)۔ (جامع ترمذی)

جامع اور ہمہ گیر دعائیں

عرض کیا گیا تھا کہ کتب حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو دعائیں ماثور اور منقول ہیں اگر ان کو مضامین اور موقع محل کے لحاظ سے تقسیم کیا جائے تو وہ تین قسم کی ہیں: ایک وہ جن کا تعلق نماز سے ہے، دوسری وہ جن کا تعلق خاص اوقات یا مواقع اور حالات سے ہے تیسری وہ جن کا تعلق نہ نماز سے ہے نہ خاص اوقات یا مواقع سے بلکہ وہ عمومی قسم کی ہیں۔ پہلی دو قسم کی دعائیں درج کی جاچکیں، تیسری قسم کی اب پیش کی جارہی ہے۔ ان میں سے زیادہ تر مضامین کے لحاظ سے ہمہ گیر اور جامع قسم کی ہیں، اسی لئے ائمہ حدیث نے اپنی مؤلفات میں ان دعاؤں کو "جامع الدعوات" کے زیرعنوان درج کیا ہے۔ یہ دعائیں اُمت کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاص الخاص عطیہ اور بیش بہا تحفہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم امتیوں کو قدر شناسی اور تشکر کی اور

ان دعاؤں کو اپنے دل کی آواز اور دھڑکن بنا لینے کی توفیق دے۔ جس بندے کو یہ دولت مل گئی اسے سب کچھ مل گیا۔

اس تمہید کے بعد اس سلسلہ کی احادیث ذیل میں پڑھئے:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ كَانَ یَارَسُوْلُ اللهِ صلی الله علیه و آله وسلم یَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اَصْلِحْ لِیْ دِیْنِیَ الَّذِیْ هُوَ عِصْمَةُ اَمْرِیْ وَاَصْلِحْ لِیْ دُنْیَایَ الَّتِیْ فِیْهَا مَعَاشِیْ وَاَصْلِحْ لِیْ اٰخِرَتِیَ الَّتِیْ فِیْهَا مَعَادِیْ وَاجْعَلِ الْحَیٰوةَ زِیَادَةً لِّیْ فِیْ كُلِّ خَیْرٍ وَّاجْعَلِ الْمَوْتَ رَاحَةً لِّیْ مِنْ كُلِّ شَرٍّ. (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا فرمایا کرتے تھے: "اَللّٰهُمَّ اَصْلِحْ لِیْ. تا رَاحَةً لِّیْ مِنْ كُلِّ شَرٍّ." (اے اللہ! میری دینی حالت درست فرما دے جس پر میری خیریت اور سلامتی کا دارومدار ہے اور میری دنیا بھی درست فرما دے جس میں مجھے یہ زندگی گزارنا ہے، اور میری آخرت بھی درست فرما دے جہاں مجھے لوٹ کے جانا اور ہمیشہ رہنا ہے، اور میری زندگی کو خیر اور بھلائی میں اضافہ اور زیادتی کا ذریعہ بنا دے اور میری موت کو ہر شر سے راحت اور حفاظت کا وسیلہ بنا دے۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... یہ بہت ہی جامع دعا ہے، اس کا پہلا جز یہ ہے:

اَللّٰهُمَّ اَصْلِحْ لِیْ دِیْنِیَ الَّذِیْ هُوَ عِصْمَةُ اَمْرِیْ.

اے اللہ! میری دینی حالت درست فرما دے جس پر میری خیریت اور میری ہر چیز کی سلامتی اور تحفظ کا دارومدار ہے۔

دراصل دین ہی وہ چیز ہے کہ اگر وہ درست اور سلامت ہو تو آدمی اللہ تعالیٰ کی ناراضی و لعنت اور اس کے غضب و عذاب سے مامون و محفوظ ہو کر اس کے لطف و کرم کا مستحق ہو جاتا ہے اور اسلامی قانون کی رو سے اس کے جان و مال اور عزت و آبرو کو ایک خاص درجہ کی حُرمت و عصمت حاصل ہو جاتی ہے، اس لئے اسی پر آدمی کی سلامتی خیریت اور صلاح و فلاح کا دارومدار ہے۔ اسی چیز کو اس دعاء نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں "عِصْمَةُ اَمْرِیْ" کہا گیا ہے۔ دین کی درستی کا مطلب یہ ہے کہ بندے کا ایمان و یقین صحیح ہو، اس کے افکار و جذبات اور اعمال و اخلاق درست ہوں، وہ زندگی کے ہر شعبہ میں نفس کی خواہش کے بجائے اللہ کے احکام پر چلنے والا ہو اور ظاہر ہے کہ اس کا دارومدار اللہ کی توفیق پر ہے، اس لئے ہر بندۂ مومن کے دل کی اولین مانگ اور پکار یہی ہونا چاہئے۔ اس دعا کا دوسرا جز ہے:

وَاَصْلِحْ لِیْ دُنْیَایَ الَّتِیْ فِیْهَا مَعَاشِیْ.

اور میری دنیا درست فرما دے جس میں مجھے یہ زندگی گزارنا ہے۔

دنیا کی درستی کا مطلب یہ ہے کہ یہاں کی رزق وغیرہ کی ضرورتیں حلال اور جائز راستوں سے پوری ہوتی رہیں۔ بلاشبہ ہر مؤمن بندے کی دوسری مانگ اللہ تعالیٰ سے یہی ہونا چاہئے۔ تیسرا جز دعا کا یہ ہے:

وَاَصْلِحْ لِیْ اٰخِرَتِیَ الَّتِیْ فِیْهَا مَعَادِیْ.

اور میری آخرت اچھی بنا دے، جہاں مجھے لوٹ کے جانا اور ہمیشہ رہنا ہے۔

اگرچہ دین کی درستی کا لازمی نتیجہ آخرت کی صلاح و فلاح ہے، اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مستقل طور

سے آخرت کی درستی کی یہ دعا کی۔ایک تو غالباً اس لئے کہ آخرت کی غیر معمولی اہمیت کا یہ حق ہے، دوسری وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ دینی لحاظ سے اچھی حالت ہونے کے باوجود بندے کو آخرت کے بارے میں مطمئن اور بےفکر نہیں ہونا چاہئے۔قرآن مجید میں اچھے بندوں کی شان یہی بتائی گئی ہے:"وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رَاجِعُوْنَ." (المؤمنون:٦٠)

(اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے اچھے بندوں کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ صدقہ وخیرات کرتے ہیں اور ان کے دل ڈرتے رہتے ہیں کہ اللہ کے ہاں ہدیہ قبول ہوتا ہے یا نہیں ۱۲) چوتھا اور پانچواں جز دعا کا یہ ہے:

وَاجْعَلِ الْحَيٰوةَ زِيَادَةً لِّيْ فِيْ كُلِّ خَيْرٍ وَّاجْعَلِ الْمَوْتَ رَاحَةً لِّيْ مِنْ كُلِّ شَرٍّ.

اور زندگی کو میرے لئے نیکی اور بھلائی میں اضافہ اور زیادتی کا ذریعہ بنادے، اور موت کو ہر شر اور برائی سے راحت اور حفاظت کا وسیلہ بنادے۔

ہر آدمی کو اس دنیا میں اپنی زندگی کا وقت پورا کر کے مرنا یقینی ہے۔اللہ کی دی ہوئی عمر سے آدمی نیکی بھی کماسکتا ہے اور بدی بھی، وہ اس کے لئے سعادت میں ترقی کا وسیلہ بھی بن سکتی ہے اور شقاوت میں اضافہ کا ذریعہ بھی اور سب کچھ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دین ودنیا اور آخرت کی صلاح وفلاح کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا بھی کرتے تھے کہ اے اللہ! میری حیات کو خیر اور سعادت میں اضافہ اور ترقی کا وسیلہ بنادے یعنی مجھے توفیق دے کہ میں عمر کے لمحات اور زندگی کے اوقات کو تیری رضا والے کاموں میں صرف کر کے سعادت کے راستہ میں آگے بڑھتا چلوں، اور میری موت کو شرور وفتن کی اذیتوں سے راحت کا ذریعہ بنادے، یعنی مستقبل کے جو شر اور فتنے میرے لئے اذیت کا باعث ہوسکتے ہیں تیرے حکم سے آنے والی میری موت ان سے میری حفاظت کا ذریعہ بن کر ان سے مجھے راحت دے دے۔

یہ دعا بھی "جَوَامِعُ الْكَلِمِ" اور دریا بکوزہ کی بہترین مثال ہے، الفاظ کتنے مختصر اور مضامین کتنے وسیع!

عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ اَكْثَرَ دُعَاءِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم "اَللّٰهُمَّ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِى الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ." (رواه البخارى و مسلم)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر وبیشتر یہ دعا کیا کرتے تھے: "اَللّٰهُمَّ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِى الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ." (اے میرے اللہ! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما، اور ہمیں آتشِ دوزخ کے عذاب سے بچا) (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح...... سبحان اللہ! کتنی مختصر اور کتنی جامع دعا ہے۔اس میں اللہ تعالیٰ سے اس دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت کی کبھی ختم نہ ہونے والی زندگی میں بھی بھلائی مانگی گئی ہے۔ظاہر ہے اس میں دنیا اور آخرت کی ساری ہی اچھی مرغوبات اور مطلوبات آگئیں۔ اور آخر میں عذاب دوزخ سے بچانے اور محفوظ رکھنے کی استدعا کی گئی ہے۔الغرض دنیا اور آخرت میں ایک بندے کو جو کچھ چاہئے وہ سب ہی اس مختصر ترین دعا میں مانگ لیا گیا ہے۔پھر اس کی ایک یہ بھی خصوصیت ہے کہ یہ دراصل قرآن مجید کی دعا ہے اس فرق کے ساتھ کہ قرآن پاک میں اس کا پہلا لفظ "رَبَّنَا" ہے اور حدیث میں اس کی جگہ پہلا لفظ "اَللّٰهُمَّ" ہے۔حاصل ایک ہی ہے۔

حضرت انسؓ کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا بہ کثرت کیا کرتے تھے۔اللہ تعالیٰ ہم

امتیوں کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس اکثری معمول کی پیروی کی توفیق دے۔

عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم يَقُوْلُ "اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ الصِّحَّةَ وَالعِفَّةَ وَالْاَمَانَةَ وَحُسْنَ الخُلُقِ وَالرِّضٰى بِالْقَدْرِ." (رواه البيهقى فى الدعوات الكبير)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے: "اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ الصِّحَّةَ تا وَالرِّضٰى بِالْقَدْرِ." (اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں صحت وتندرستی اور عفت و پاکدامنی اور امانت کی صفت اور اچھے اخلاق اور راضی بہ تقدیر رہنا) (دعوات کبیر للبیہقی)

تشریح...... اس دعا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ سے صحت مانگی ہے۔ صحت وتندرستی دین ودنیا دونوں کے لحاظ سے بلاشبہ بہت بڑی نعمت ہے۔ اس کی قدر اس وقت معلوم ہوتی ہے جب کسی وقت بندہ اس سے محروم کردیا جاتا ہے اور کسی بیماری اور تکلیف میں مبتلا ہوجاتا ہے، اس وقت اسے معلوم ہوتا ہے کہ صحت کا ایک ایک لمحہ کتنی بڑی دولت اور اللہ تعالیٰ کی کتنی عظیم نعمت ہے۔ عارفین کو اس کا احساس اس لئے اور بھی زیادہ ہوتا ہے کہ صحت کی خرابی کی حالت میں اکثر وبیشتر عبادت کا نظام بھی درہم برہم ہوجاتا ہے اور توجہ الی اللہ کا ذوق وکیف بھی متاثر ہوتا ہے، اور یہ چیز ان کے لئے شدید روحانی کرب اور بے چینی کا باعث بنتی ہے۔

امانت، قرآنی اور دینی زبان کا نہایت اہم اور وسیع المعنی لفظ ہے، اس سے مراد انسان کے اندرون کا یہ حال ہوتا ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی نسبت سے اور بندوں کے تعلق سے جو ذمہ داریاں ہیں وہ ان کو ٹھیک ٹھیک ادا کرنے کی فکر اور کوشش کرے۔ حسن اخلاق اور راضی بہ تقدیر رہنا کسی تشریح کے محتاج نہیں۔ اس دعا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحت کے علاوہ عفت، امانت، حسن اخلاق اور رضا بالقدر کا سوال کیا ہے یہ سب ایمانی صفات اور ایمان کے اہم شعبے ہیں اور ان سے محرومی بلاشبہ بڑی محرومی ہے اور ساری دینی اور دنیوی نعمتوں کی طرح یہ بھی اللہ تعالیٰ کی عطا ہی سے کسی کو مل سکتے ہیں۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّبِىُّ صلى الله عليه وآله وسلم يَدْعُوْ يَقُوْلُ رَبِّ اَعِنِّىْ وَلَا تُعِنْ عَلَىَّ وَانْصُرْنِىْ وَلَا تَنْصُرْ عَلَىَّ وَامْكُرْلِىْ وَلَا تَمْكُرْ عَلَىَّ وَاهْدِنِىْ وَيَسِّرِ الْهُدٰى لِىْ وَانْصُرْنِىْ عَلٰى مَنْ بَغٰى عَلَىَّ رَبِّ اجْعَلْنِىْ لَكَ شَكَّارًا لَكَ ذَكَّارًا لَكَ رَهَّا بًالَكَ مِطْوَاعًا لَكَ مُخْبِتًا اِلَيْكَ اَوَّاهًا مُنِيْبًا. رَبِّ تَقَبَّلْ تَوْبَتِىْ وَاغْسِلْ حَوْبَتِىْ وَاَجِبْ دَعْوَتِىْ وَثَبِّتْ حُجَّتِىْ وَسَدِّدْ لِسَانِىْ وَاهْدِ قَلْبِىْ وَاسْلُلْ سَخِيْمَةَ صَدْرِىْ. (رواه الترمذى وابوداؤد)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا کیا کرتے تھے: "رَبِّ اَعِنِّىْ وَلَا تُعِنْ عَلَىَّ: تا وَاسْلُلْ سَخِيْمَةَ صَدْرِىْ." (اے میرے رب! میری مدد فرما، میرے خلاف (میرے دشمنوں کی کارروائیوں میں ان) کی مدد نہ فرما، میری حمایت فرما (میرے مخالفین کی) میرے خلاف حمایت نہ فرما، اپنی لطیف خفیہ تدبیر میرے حق میں استعمال فرما، میرے خلاف استعمال نہ فرما۔ مجھے ٹھیک راستے پر چلا اور صراط مستقیم پر چلتے رہنا میرے لئے آسان فرما، جو کوئی مجھ پر ظلم وزیادتی کرے اس کے مقابلے میں میری مدد فرما۔ اے پروردگار! مجھے بنادے اپنا خوب شکر کرنے والا، خوب ذکر کرنے والا، اپنے سے بہت

ڈرنے والا، سراپا اطاعت گزار و فرمانبردار، اپنے حضور میں عاجزی اور نیاز مندی سے جھکنے والا، نرم دل اور تیری بارگاہ کرم کی طرف رجوع ہونے اور پلٹنے والا۔ اے میرے رب! میری توبہ قبول فرمالے، میرے گناہوں کے میل کچیل کو دھو دے، میری دعا قبول فرما، میرا ایمان (جو آخرت میں میری حجت بننے والا ہے اس کو) مستحکم کردے، میری زبان کو ٹھیک چلنے والی بنادے، میرے دل کو ہدایت بخش دے اور میرے سینہ کے کینہ کپٹ اور ہر قسم کی کھوٹ نکال دے۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

تشریح...... اس دعا کی جامعیت ظاہر ہے۔ مندرجہ بالا سب ہی دعاؤں کا خاص قابل غور پہلو یہ ہے کہ ہر دعا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے کو اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس طرح پیش کیا ہے کہ میں زندگی کے ہر معاملہ میں تیرا محتاج ہوں، خود عاجز اور بے بس ہوں، یہاں تک کہ اپنے ظاہر و باطن اور زبان و قلب پر بھی میرا اختیار اور قابو نہیں۔ اپنے اخلاق و جذبات اور اعمال و احوال کی اصلاح میں بھی تیری نظر کرم کا محتاج ہوں۔ میری صحت اور بیماری بھی تیرے ہی ہاتھ میں ہے، دشمنوں اور بدخواہوں کے شر سے تو ہی میری حفاظت فرما سکتا ہے، میں اس معاملہ میں بھی عاجز و بے بس ہوں، تو کریم رب اور داتا ہے اور میں سائل و منگتا ہوں۔

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کمال عبدیت ہے، اور بلاشبہ یہ کمال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ختم ہے، اور یہ دوسرے تمام کمالات سے بالاتر ہے صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ.

عَنْ اَبِىْ اُمَامَةَ قَالَ دَعَا النَّبِىُّ صلى الله عليه وآله وسلم بِدُعَاءٍ كَثِيْرٍ لَمْ نَحْفَظْ مِنْهُ شَيْئًا فَقُلْنَا يَارَسُوْلَ اللهِ دَعَوْتَ بِدُعَاءٍ كَثِيْرٍ لَمْ نَحْفَظْ مِنْهُ شَيْئًا، قَالَ اَلَا اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَا يَجْمَعُ ذٰلِكَ كُلَّه؟ تَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا سَأَلَكَ مِنْهُ نَبِيُّكَ مُحَمَّدٌ صلى الله عليه وآله وسلم وَنَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا اسْتَعَاذَ مِنْهُ نَبِيُّكَ مُحَمَّدٌ صلى الله عليه وآله وسلم وَاَنْتَ الْمُسْتَعَانُ وَعَلَيْكَ الْبَلَاغُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ. (رواه الترمذى)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت سی دعائیں فرمائیں جو ہمیں یاد نہیں رہیں تو ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا:

یارسول اللہ! آپ نے بہت سی دعائیں فرمائی تھیں ان کو ہم یاد نہیں رکھ سکے (اور چاہتے یہ ہیں کہ اللہ سے وہ سب دعائیں مانگیں، تو کیا کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں تمہیں ایسی دعا بتائے دیتا ہوں جس میں وہ ساری دعائیں آجائیں! اللہ تعالیٰ کے حضور میں یوں عرض کرو کہ: "اے اللہ! ہم تجھ سے وہ سب مانگتے ہیں جو تیرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تجھ سے مانگا، اور ہم ان سب چیزوں سے تیری پناہ چاہتے ہیں جن سے تیرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیری پناہ چاہی، بس تو ہی ہے جس سے مدد چاہی جائے اور تیرے ہی کرم پر موقوف ہے مقاصد اور مرادوں تک پہنچنا۔ اور کسی مقصد کیلئے سعی و حرکت اور اسی کو حاصل کرنے کی قوت و طاقت بس اللہ ہی سے مل سکتی ہے۔" (جامع ترمذی)

تشریح...... دنیا میں ایسے ہی بندوں کی تعداد زیادہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول شدہ زیادہ دعائیں یاد نہیں رکھ سکتے۔ ان کے لئے اس حدیث میں نہایت آسان طریقہ بتادیا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اس طرح مانگا کریں کہ: اے اللہ!

تجھ سے جو کچھ تیرے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مانگا میں وہ سب تجھ سے مانگتا ہوں، اور جن چیزوں سے انہوں نے تیری پناہ چاہی میں ان سب چیزوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ اس میں بھی کوئی خسارہ اور مضائقہ نہیں ہے کہ یہ بات اپنی ہی زبان میں کہی جائے۔ مگر اللہ تعالیٰ کے حضور میں دل سے عرض کیا جائے، دراصل دعا وہی ہے جو دل سے ہو۔

عَنْ مَالِکٍ قَالَ بَلَغَنِیْ اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کَانَ یَدْعُوْ "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ فِعْلَ الْخَیْرَاتِ وَتَرْکَ الْمُنْکَرَاتِ وَحُبَّ الْمَسَاکِیْنِ وَاِذَا اَرَدْتَّ بِقَوْمٍ فِتْنَةً فَاقْبِضْنِیْ اِلَیْکَ غَیْرَ مَفْتُوْنٍ." (مالک فی المؤطا)

امام مالکؒ سے مروی ہے، انہوں نے بیان کیا کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا فرمایا کرتے تھے: "**اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ تا غَیْرَ مَفْتُوْنٍ.**" (اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں اچھے عمل کرنے کی توفیق اور برے اعمال کو چھوڑ دینے کی توفیق اور تیرے مسکین بندوں کے ساتھ محبت کرنے کی توفیق۔ اور اے اللہ! جب تیرا فیصلہ کسی قوم کو فتنہ اور عذاب میں مبتلا کرنے کا ہو تو مجھے اس فتنہ میں مبتلا کئے بغیر اپنی طرف اٹھا لے۔ (مؤطا امام مالکؒ)

تشریح...... پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ جو تبع تابعین میں سے ہیں کبھی کبھی بعض حدیثیں سند کا ذکر کئے بغیر "**بَلَغَنِی**" کے عنوان سے بھی بیان کرتے ہیں۔ ان کو اصطلاح میں "**بَلَاغَاتِ مَالِکؒ**" کہا جاتا ہے اور محدثین کے نزدیک یہ سب قابل قبول ہیں۔ یہ روایت بھی انہیں "بلاغات" میں سے ہے۔

عَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یُعَلِّمُنَا اَنْ نَقُوْلَ "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الثَّبَاتَ فِی الْاَمْرِ وَاَسْئَلُکَ عَزِیْمَةَ الرُّشْدِ وَاَسْئَلُکَ شُکْرَ نِعْمَتِکَ وَحُسْنَ عِبَادَتِکَ وَاَسْئَلُکَ لِسَانًا صَادِقًا وَّقَلْبًا سَلِیْمًا وَّاَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ مَا تَعْلَمُ وَاَسْئَلُکَ مِنْ خَیْرِ مَا تَعْلَمُ وَاَسْتَغْفِرُکَ مِمَّا تَعْلَمُ اِنَّکَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ. (رواہ الترمذی والنسائی)

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں تعلیم فرماتے تھے کہ ہم دعا میں اللہ تعالیٰ سے یوں عرض کیا کریں: "**اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الثَّبَاتَ. تا اِنَّکَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ.**" (اے اللہ! میں مانگتا ہوں تجھ سے استقامت اور ثابت قدمی دین کے معاملہ میں اور طلب کرتا ہوں اعلیٰ صلاحیت اور سوجھ بوجھ میں پختگی اور تیری نعمتوں کے شکر کی اور حسن عبادت کی توفیق اور طالب ہوں تجھ سے لسان صادق اور قلب سلیم کا اور تیری پناہ چاہتا ہوں ہر اس شر سے جس کا تجھے علم ہے اور سائل ہوں ہر اس خیر اور بھلائی کا جو تیرے علم میں ہے اور معافی اور مغفرت چاہتا ہوں اپنے ان سب گناہوں سے جو تجھے معلوم ہیں، تو ساری پوشیدہ باتوں کو بھی خوب جانتا ہے) (جامع ترمذی وسنن نسائی)

تشریح...... اس دعا کے ایک ایک جز پر غور کیجئے، یہ ان تمام مقاصد پر حاوی ہے جو ایک مؤمن کو عزیز ہونے چاہئیں۔ اسی حدیث کو ابن عساکر نے بھی روایت کیا ہے کہ اس کے آخر میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شداد بن اوس رضی اللہ عنہ کو یہ دعا تلقین کرنے کے بعد فرمایا کہ:

"اے شداد بن اوس! جب تم دیکھو کہ لوگ سونے اور چاندی کو بطور خزانہ کے جمع کرتے ہیں تو تم اس دعا کو اپنا خزانہ سمجھو۔"

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَجُلًا قَالَ يَارَسُوْلَ اللهِ سَمِعْتُ دُعَاءَ كَ اللَّيْلَةَ فَكَانَ الَّذِیْ وَصَلَ اِلَیَّ مِنْهُ اَنَّكَ تَقُوْلُ "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ وَوَسِّعْ لِیْ فِیْ دَارِیْ وَبَارِكْ لِیْ فِيْمَا رَزَقْتَنِیْ" قَالَ فَهَلْ تَرَاهُنَّ تَرَكْنَ شَيْئًا. (رواہ الترمذی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک صاحب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ: ''رات میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دعا کرتے سنا، اس دعا میں یہ الفاظ مجھے پوری طرح پہنچے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ سے عرض کررہے تھے: ''اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ تا وَبَارِكْ لِیْ فِيْمَا رَزَقْتَنِیْ'' (اے اللہ! میرے گناہ معاف فرمادے اور میرے لئے میرے گھر میں وسعت عطا فرما، اور تو نے جو رزق مجھے عطا فرمایا ہے اس میں میرے لئے برکت دے۔) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تم نے دیکھا ان مختصر لفظوں نے کچھ بھی چھوڑا۔'' (جامع ترمذی)

تشریح...... اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس بندے کے رزق میں برکت دی جائے اس کو رہنے بسنے کے لئے ایسا مکان عطا ہو جس کو وہ اپنے لئے کافی سمجھے اور اس میں وسعت محسوس کرے اور آخرت کیلئے اس کی لغزشوں، گناہوں کی مغفرت اور معافی کا فیصلہ ہوجائے تو اس کو سب ہی کچھ مل گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخری جملہ ''هل تراهن تركن شيئا.'' کا مطلب یہی ہے کہ بندے کو جو کچھ چاہیئے وہ اس مختصر سی دعا میں سب آگیا ہے، چھوٹے چھوٹے ان تین کلموں نے کچھ بھی نہیں چھوڑا ہے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ (مَرْفُوْعًا) اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ عِيْشَةً نَقِيَّةً وَّمِيْتَةً وَّمَرَدًّا غَيْرَ مُخْزٍ وَلَا فَاضِحٍ.'' (رواه البزار والحاكم والطبرانی فی الكبير)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ دعا روایت کی ہے: ''اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ تا ولا فَاضِحٍ.'' (اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں پاک صاف زندگی اور ڈھنگ کی موت (جس میں کوئی بدنمائی نہ ہو) اور (اصلی وطن آخرت کی طرف) ایسی مراجعت جس میں رسوائی اور فضیحت نہ ہو۔) (مسند بزار، مستدرک حاکم، معجم کبیر طبرانی)

تشریح...... آدمی کیلئے تین ہی مرحلے ہیں، ایک اس دنیا کی زندگی کا مرحلہ، دوسرا موت کا مرحلہ اور تیسرا دارِ آخرت کا مرحلہ۔ اس مختصر دعا میں تینوں مرحلوں کے لئے بڑے سادہ انداز میں بہترین دعا موجود ہے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ (مَرْفُوْعًا) "اَللّٰهُمَّ لَا تَكِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَةَ عَيْنٍ وَّلَا تَنْزِعْ مِنِّیْ صَالِحَ مَا اَعْطَيْتَنِیْ." (رواه البزار)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ دعا روایت کی ہے: ''اَللّٰهُمَّ لَا تَكِلْنِیْ تا مَا اَعْطَيْتَنِیْ.'' (اے اللہ! مجھے پل بھر کے لئے میرے نفس کے حوالے نہ کر، اور جو کوئی اچھی چیز (اچھا عمل یا اچھا حال) تو نے مجھے عطا فرمایا ہے اس کو مجھ سے واپس نہ لے) (مسند بزار)

تشریح...... بندوں کے پاس جو کچھ خیر ہے وہ صرف اللہ کی توفیق اور اس کی عطا سے ہے، اگر اللہ تعالیٰ ایک لمحہ کے لئے بھی نگاہ کرم پھیرلے اور بندے کو اس کے نفس کے حوالے کردے تو وہ محروم ہو کے رہ جائے گا، اس لئے ہر عارف بندے کے دل کی یہ صدا ہوتی ہے کہ: ''اے اللہ! ایک لمحہ کے لئے مجھے میرے نفس کے حوالہ نہ کر، ہر دم میری نگرانی اور مجھ پر نظر کرم فرما۔''

عَنْ عَائِشَةَ (مَرْفُوْعًا) "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ اَوْسَعَ رِزْقِكَ عَلَیَّ عِنْدَ كِبَرِ سِنِّیْ وَانْقِطَاعِ عُمُرِیْ." (رواه الحاكم)

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ دعا روایت کی ہے: "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ تا وَانْقِطَاعِ عُمُرِیْ." (اے اللہ! میرے بڑھاپے کے دنوں میں اور میری عمر کے آخری حصے میں میری روزی میں زیادہ سے زیادہ وسعت فرما۔ (مستدرک حاکم)

تشریح...... بڑھاپے میں اور عمر کے آخری حصے میں رزق کی تنگی زیادہ تکلیف دہ ہوسکتی ہے، کیونکہ آدمی اس وقت دوڑ بھاگ اور جدوجہد کے قابل نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں موت کے قرب کا زمانہ ہوتا ہے، اور ہر مؤمن کی آرزو یہ ہونی چاہئے کہ اس زمانہ میں آدمی اللہ کی یاد اور آخرت کی تیاری کے لئے دوسری تمام فکروں سے فارغ اور آزاد ہو، اس لئے یہ مسنون دعا ہر مؤمن کے دل کی دھڑکن ہونی چاہئے: "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ اَوْسَعَ رِزْقِكَ عَلَيَّ عِنْدَ كِبَرِ سِنِّيْ وَانْقِطَاعِ عُمُرِيْ."

عَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ (مَرْفُوْعًا) "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَنَا وَارْحَمْنَا وَارْضَ عَنَّا وَتَقَبَّلْ مِنَّا وَاَدْخِلْنَا الْجَنَّةَ وَنَجِّنَا مِنَ النَّارِ وَاَصْلِحْ لَنَا شَانَنَا كُلَّهُ." قِيْلَ زِدْنَا قَالَ "اَوَلَيْسَ قَدْ جَمَعْنَا الْخَيْرَ كُلَّهُ." (رواه احمد وابن ماجه والطبرانى فى الكبير)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ دعا روایت کی ہے: "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَنَا تا شَانَنَا كُلَّهُ." (اے اللہ! ہم کو بخش دے، ہم پر رحمت فرما اور دوزخ سے ہمیں بچالے اور ہمارے حالات اور جملہ معاملات درست فرمادے) آپ سے عرض کیا گیا: حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! ہمارے لئے اور زیادہ دعا فرمایئے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا (اس دعا میں جو میں نے ابھی کی) ساری خیر کو ہم نے جمع نہیں کرلیا۔ (مسند احمد، سنن ابن ماجہ، معجم کبیر طبرانی)

تشریح...... اس دعا میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور بخشش مانگی گئی ہے، رحمت مانگی گئی ہے اللہ کی رضا اور قبولیت مانگی گئی ہے، جنت کا داخلہ اور دوزخ سے نجات مانگی گئی ہے، اور سب سے آخر میں استدعا کی گئی ہے کہ ہمارے جملہ معاملات اور سارے حالات درست فرمادے (وَاَصْلِحْ لَنَا شَانَنَا كُلَّهُ) ظاہر ہے کہ اس کے بعد کوئی بھی انسانی حاجت اور ضرورت باقی نہیں رہتی۔ اس سے زیادہ جو کچھ مانگا جائے گا وہ اسی اجمال کی تفصیل ہوگی۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اَوَلَيْسَ قَدْ جَمَعْنَا الْخَيْرَ كُلَّهُ." (یعنی اس دعا میں ہم نے وہ سب مانگ لیا ہے جو انسان کو دنیا اور آخرت میں مطلوب ہوسکتا ہے)

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وآله وسلم اُنْزِلَ عَلَيْهِ الْوَحْيُ يَوْمًا...... فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَقَالَ "اَللّٰهُمَّ زِدْنَا وَلَا تَنْقُصْنَا وَاَكْرِمْنَا وَلَا تُهِنَّا وَاَعْطِنَا وَلَا تَحْرِمْنَا وَاٰثِرْنَا وَلَا تُؤْثِرْ عَلَيْنَا وَارْضَ عَنَّا." (رواه احمد والترمذى)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل ہوئی (اور اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ کیفیت ہوگئی جو نزول وحی کے وقت ہوجایا کرتی تھی، جب وہ کیفیت ختم ہوئی) تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبلہ رو ہوگئے اور ہاتھ اٹھا کے یہ دعا فرمائی: "اَللّٰهُمَّ زِدْنَا تا وَارْضَ عَنَّا." (اے اللہ! ہماری تعداد میں زیادتی اور اضافہ فرما، کمی نہ فرما، اور ہمیں عزت وعظمت عطا فرما، ہماری اہانت وذلت نہ فرما، ہمیں اپنی ہر طرح کی نعمتیں عطا فرما، ہمیں محروم نہ فرما، ہمیں اپنا لے، ہمارے مقابلے میں دوسروں کو ترجیح نہ دے، ہم سے راضی ہوجا اور ہمیں خوش کردے۔) (مسند احمد، جامع ترمذی)

تشریح...... اس حدیث میں آگے یہ بھی ہے کہ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سورۂ مومنوں کی ابتدائی دس آیتیں

نازل ہوئی تھیں، ان کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب مبارک پر غیر معمولی اثر تھا، اسی تاثر کے ماتحت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خاص اہتمام سے اپنی جماعت اور امت کے لئے یہ دعا فرمائی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کوئی دعا زیادہ اہتمام سے کرنی ہوتو بہتر ہے کہ قبلہ رو ہو کر اور ہاتھ اٹھا کر کی جائے۔

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ (مَرْفُوْعًا) "اَللّٰهُمَّ اَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِنَا وَاَلِّفْ بَيْنَ قُلُوْبِنَا وَاهْدِنَا سُبُلَ السَّلَامِ وَنَجِّنَا مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَجَنِّبْنَا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ اَسْمَاعِنَا وَاَبْصَارِنَا وَقُلُوْبِنَا وَاَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ وَاجْعَلْنَا شَاكِرِيْنَ لِنِعْمَتِكَ مُثْنِيْنَ بِهَا قَابِلِيْهَا وَاَتِمَّهَا عَلَيْنَا." (رواه الطبرانى فى الكبير والحاكم فى المستدرک)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ دعا روایت کی ہے: "اَللّٰهُمَّ اَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِنَا تا وَاَتِمَّهَا عَلَيْنَا." (اے اللہ! ہمارے آپس کے تعلقات درست فرما دے اور ہمارے دلوں کو جوڑ دے اور ہمیں سلامتی کے راستوں پر چلا، اور ہر طرح کی گمراہیوں سے نکال کر ہمیں نور کی طرف لا، اور ظاہری و باطنی قسم کی ساری بے حیائیوں سے ہمیں بچا۔ اے اللہ! ہماری سماعت و بصارت اور ہمارے قلوب میں اور اسی طرح ہمارے بیوی بچوں میں برکت عطا فرما، اور ہماری توبہ قبول فرما کر ہم پر عنایت فرما تو بڑا عنایت فرمانیوالا بڑا مہربان ہے اور ہمیں اپنی نعمتوں کا شکر گزار اور ثناء خواں اور قدر کے ساتھ قبول کرنے والا بنا اور ہمیں اپنی وہ نعمتیں بھرپور عطا فرما۔ (معجم کبیر طبرانی، متدرک حاکم)

تشریح...... اس جامع ترین دعا میں سب سے پہلے آپس کے تعلقات کی درستی اور دلوں کے جوڑ کی استدعا کی گئی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر دلوں میں پھوٹ اور سینوں میں بغض و عداوت ہوتو دین بھی برباد ہوتا ہے اور دنیا بھی۔ اللہ تعالیٰ کی دینی و دنیوی اور مادی و روحانی ساری نعمتوں سے صحیح طور پر فائدہ اٹھانے کیلئے ضروری ہے کہ معاشرہ بغض و عداوت کے عذاب سے محفوظ ہو۔ علاوہ ازیں اہل ایمان کے دلوں کا باہمی جوڑ اور ان کے تعلقات کی خوش گواری بجائے، خود اہم مطلوبات میں سے ہے۔

آنکھوں، کانوں اور بیوی بچوں وغیرہ میں برکت کا مطلب یہ ہے کہ یہ نعمتیں برابر نصیب رہیں، اور ان سے وہ فوائد و برکات حاصل ہوتے رہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان میں رکھے ہیں۔

نعمتوں کی قدر اور ان پر شکر وحمد کی توفیق بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ملتی ہے اور ان سے محرومی بہت بڑی محرومی ہے، اس لئے اس کو بھی اللہ سے مانگنا چاہئے اور ایک محتاج بندے کی حیثیت سے ہر نعمت کے اہتمام کی بھی اس سے استدعا کرنی چاہئے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ (مَرْفُوْعًا) "اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِيْ عَيْنَيْنِ هَطَّالَتَيْنِ تَسْقِيَانِ الْقَلْبَ بِذُرُوْفِ الدَّمْعِ مِنْ خَشْيَتِكَ قَبْلَ اَنْ تَكُوْنَ الدَّمُ دَمْعًا وَالْاَضْرَاسُ جَمْرًا." (رواه ابن عساكر)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ دعا روایت کی ہے: "اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِيْ تا وَالْاَضْرَاسُ جَمْرًا." (اے اللہ! مجھے وہ آنکھیں نصیب فرما جو تیرے عذاب اور غضب کے خوف سے آنسوؤں کی بارش برسا کر دل کو سیراب کر دیں، اس گھڑی کے آنے سے پہلے جب بہت سی آنکھیں خون کے آنسو روئیں گی اور بہت سے مجرمین کی ڈاڑھیں انگارہ ہو جائیں گی۔ (ابن عساکر)

تشریح......جن کو اللہ نے حقائق کی معرفت دی ہے ان کے نزدیک وہی آنکھ زندہ اور بینا ہے جو اللہ کے خوف سے روئے اور آنسوؤں کی بارش برسائے ان کے دل اسی بارش سے سیراب ہوتے ہیں، اس لئے وہ اللہ سے رونے والی آنکھیں مانگتے ہیں۔

عَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم كَانَ مِنْ دُعَاءِ دَاوٗدَ يَقُوْلُ "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ حُبَّکَ وَحُبَّ مَنْ يُحِبُّکَ وَالْعَمَلَ الَّذِیْ يُبَلِّغُنِیْ حُبَّکَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ حُبَّکَ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ نَفْسِیْ وَاَهْلِیْ وَمِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ" قَالَ وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِذَا ذَكَرَ دَاوٗدَ يُحَدِّثُ عَنْهُ قَالَ كَانَ اَعْبَدَ الْبَشَرِ. (رواہ الترمذی)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: "اللہ کے پیغمبر داؤد علیہ السلام جو دعائیں کرتے تھے ان میں ایک خاص دعا یہ بھی تھی: "**اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ حُبَّکَ تا وَمِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ.**" (اے میرے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں تیری محبت (یعنی مجھے اپنی محبت عطا فرما) اور اپنے ان بندوں کی محبت بھی مجھے عطا فرما جو تجھ سے محبت کرتے ہیں، اور ان اعمال کی بھی محبت مجھے عطا فرما جو تیری محبت کے مقام تک پہنچاتے ہوں۔ اے اللہ! ایسا کر دے کہ اپنی جان اور اہل وعیال کی محبت اور ٹھنڈے پانی کی چاہت سے بھی زیادہ مجھے تیری محبت اور چاہت ہو) حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر فرماتے تو ان کے متعلق یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ "وہ بہت ہی زیادہ عبادت گزار بندے تھے۔" (جامع ترمذی)

تشریح......حضرت داؤد علیہ السلام کی یہ دعا جو ان کے جذبہ محبت اور عشق الٰہی کی آئینہ دار تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت ہی پسند تھی، اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خاص طور سے صحابہ کرامؓ کو بتلائی۔ وصف نبوت اگرچہ تمام انبیاء علیہم السلام کا مشترک شرف ہے، لیکن اس کے علاوہ بعض انبیاء علیہم السلام کے کچھ خصائص بھی ہوتے ہیں جن میں وہ دوسروں سے ممتاز ہوتے ہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کثرت عبادت حضرت داؤد علیہ السلام کی امتیازی خصوصیت تھی۔

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ يَزِيْدَ الْخَطْمِیِّ الْاَنْصَارِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ فِیْ دُعَائِهٖ "اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِیْ حُبَّکَ وَحُبَّ مَنْ يَّنْفَعُنِیْ حُبُّهٗ عِنْدَکَ اَللّٰهُمَّ مَا رَزَقْتَنِیْ مِمَّا اُحِبُّ فَاجْعَلْهُ قُوَّةً لِیْ فِيْمَا تُحِبُّ وَمَا زَوَيْتَ عَنِّیْ مِمَّا اُحِبُّ فَاجْعَلْهُ فَرَاغًا لِیْ فِيْمَا تُحِبُّ." (رواہ الترمذی)

حضرت عبداللہ بن یزید خطمی انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دعا یہ بھی کیا کرتے تھے: "**اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِیْ تا فِيْمَا تُحِبُّ.**" (اے اللہ! مجھے اپنی محبت عطا فرما اور اپنے ان بندوں کی محبت عطا فرما جن کی محبت میرے لئے تیرے نزدیک نفع مند ہو۔ اے اللہ! میری چاہت اور رغبت کی جو چیزیں تو نے مجھے عطا فرمائی ہیں ان سے مجھے ان کاموں میں تقویت پہنچا جو تجھے محبوب ہیں، اور میری رغبت وچاہت کی جو چیزیں تو نے مجھے عطا نہیں فرمائیں (اور میرے اوقات کو ان سے فارغ رکھا) تو مجھے توفیق دے کہ میں اس فراغ کو ان کاموں میں استعمال کروں جو تجھے محبوب ہیں)۔ (جامع ترمذی)

تشریح......آدمی کو اس کی مرغوبات دے دی جائیں تو اس کا بھی امکان ہے کہ وہ ان میں مست اور منہمک ہو کر خدا سے

غافل ہو جائے، یا وہ ان کو اس طرح استعمال کرے کہ معاذ اللہ خدا سے اور دور ہو جائے۔ اسی طرح مرغوبات نہ ملنے کی صورت میں بھی امکان ہے کہ وہ دوسری قسم کی خرافات میں اپنا وقت برباد کرے۔ اس لئے بندے کو برابر یہ دعا کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اگر اس کی مرغوبات عطا فرمائے تو اس کو اس کی بھی توفیق دے کہ وہ مرغوبات کو تقرب الی اللہ کا وسیلہ بنائے اور اگر مرغوبات نہ ملیں اور اس کی وجہ سے فرصت و فراغ حاصل ہو تو اس کو توفیق ملے کہ فارغ اور خالی وقت کو اللہ تعالیٰ کی مرضیات ہی میں لگائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر دعا اور اس کا ہر جزو بلاشبہ معرفت کا خزانہ ہے۔

عَنْ اُمِّ سَلِمَةَ اَنَّ اَكْثَرَ دُعَاءِ النَّبِيِّ صلی الله علیه وآله وسلم اِذَا كَانَ عِنْدَهَا يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِىْ عَلٰى دِيْنِكَ. (رواه الترمذی)

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ان کے پاس ہوتے تو اکثر یہ دعا کیا کرتے تھے: "يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِىْ عَلٰى دِيْنِكَ." (اے دلوں کو پلٹنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت و قائم رکھ)۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... اس روایت میں آگے حضرت ام سلمہؓ کا یہ بیان بھی ہے کہ میں نے ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ: کیا بات ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر و بیشتر یہ دعا کرتے ہیں؟ (حضرت ام سلمہؓ کا مطلب غالباً اس سوال سے یہی ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو لغزشوں سے محفوظ ہیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا کیوں کرتے ہیں) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ہر آدمی کا دل اللہ کے ہاتھ میں ہے اسی کے اختیار میں ہے جس کا دل چاہے سیدھا رکھے اور جس کا چاہے ٹیڑھا کر دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس جواب کا مطلب یہ ہوا کہ میرا معاملہ بھی اللہ کی مشیت پر موقوف ہے اسی لئے مجھے بھی اس سے دعا مانگنے کی ضرورت ہے۔ بلاشبہ جس بندے کو اپنے نفس کی اور ساتھ ہی اپنے رب کی معرفت نصیب ہوگی اس کا یہی حال ہوگا اور وہ کبھی اپنے کو مامون و محفوظ نہیں سمجھے گا۔ بندوں کے حق میں یہی بلندی اور کمال ہے۔



صبح وشام کی مسنون دعائیں

جب صبح ہو تو یہ پڑھے

اَللّٰھُمَّ بِکَ اَصْبَحْنَا وَبِکَ اَمْسَیْنَا وَبِکَ نَحْیٰی وَبِکَ نَمُوْتُ وَاِلَیْکَ الْمَصِیْرُ. (ترمذی)

اے اللہ تیری قدرت سے ہم صبح کے وقت میں داخل ہوئے اور تیری قدرت سے ہم شام کے وقت میں داخل ہوئے اور تیری قدرت سے ہم جیتے اور مرتے ہیں اور تیری ہی طرف جانا ہے۔ (ترمذی)

جب سورج نکلے تو یہ پڑھے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَقَالَنَا یَوْمَنَا ھٰذَا وَلَمْ یُھْلِکْنَا بِذُنُوْبِنَا (مسلم)

سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جس نے آج کے دن ہمیں معاف رکھا اور گناہوں کے سبب ہمیں ہلاک نہ فرمایا۔ (مسلم)

جب شام ہو تو یہ پڑھے

اَللّٰھُمَّ بِکَ اَمْسَیْنَا وَبِکَ اَصْبَحْنَا وَبِکَ نَحْیٰی وَبِکَ نَمُوْتُ وَاِلَیْکَ النُّشُوْرُ (ترمذی)

اے اللہ ہم تیری قدرت سے شام کے وقت میں داخل ہوئے اور تیری قدرت سے صبح کے وقت میں داخل ہوئے اور تیری قدرت سے جیتے اور مرتے ہیں اور مرے پیچھے جی اٹھ کر تیری ہی طرف جانا ہے۔ (ترمذی)

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو بندہ ہر صبح وشام تین مرتبہ یہ کلمات: پڑھ لیا کرے تو اسے کوئی چیز ضرر نہ پہنچائے گی۔ (ترمذی)

بِسْمِ اللّٰہِ الَّذِیْ لَا یَضُرُّ مَعَ اِسْمِہٖ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَاءِ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ.

اللہ کے نام سے ہم نے صبح کی (یا شام کی) جس کے نام کے ساتھ آسمان یا زمین میں کوئی چیز نقصان نہیں دے سکتی اور وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ نیز فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص صبح کو یہ پڑھ لے۔

اَللّٰھُمَّ مَآ اَصْبَحَ بِیْ مِنْ نِعْمَۃٍ اَوْ بِاَحَدٍ مِنْ خَلْقِکَ فَمِنْکَ وَحْدَکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ فَلَکَ الْحَمْدُ وَلَکَ الشُّکْرُ

"اے اللہ اس صبح کے وقت جو بھی کوئی نعمت مجھ پر یا کسی بھی دوسری مخلوق پر ہے وہ صرف تیری ہی طرف سے ہے تو تنہا ہے، تیرا کوئی شریک نہیں تیرے ہی لئے حمد ہے اور تیرے ہی لئے شکر ہے۔

تو اس نے اس دن کے انعامات خداوندی کا شکریہ ادا کر دیا، اور اگر شام کو کہہ لے تو اس رات کے انعامات خداوندی کا شکریہ ادا کر دیا۔ (ابوداؤد ونسائی وغیرہ) فائدہ۔ اگر شام کو پڑھے تو مَا اَصْبَحَ بِیْ کی جگہ مَا اَمْسٰی بِیْ کہے۔

اور حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو مسلمان بندہ صبح وشام تین مرتبہ یہ کلمات پڑھ لے تو اللہ کے ذمہ ہوگا کہ قیامت کے دن اسے راضی کرے۔

رَضِیْتُ بِاللّٰہِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ نَبِیًّا (ترمذی)

"میں اللہ تعالیٰ کو رب ماننے پر اور اسلام کو دین ماننے پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی ماننے پر راضی ہوں۔" (ترمذی)

رات کو پڑھنے کی چیزیں۔ (۱) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ہر رات میں سورۂ واقعہ (پ ۲۷) پڑھ لیا کرے اسے فاقہ نہ ہوگا۔ (بیہقی فی شعب الایمان)

(۲) حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص آل عمران کی آخری دس آیتیں اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ سے آخر سورت تک کسی رات کو پڑھ لے تو اسے رات بھر نماز پڑھنے کا ثواب ملے گا۔ (مشکوٰۃ)

(۳) حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو جب تک سورۂ الم سجدہ (جو اکیسویں پارہ میں ہے) اور سورۂ تبارک الذی بیدہ الملک نہ پڑھ لیتے تھے اس وقت تک نہ سوتے تھے۔ (ترمذی وغیرہ)

(۴) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتیں (اٰمن الرسول سے ختم سورت تک) جو شخص کسی رات کو پڑھ لے گا تو یہ دونوں آیتیں اس کیلئے کافی ہوں گی یعنی وہ ہر شر اور مکروہ سے محفوظ رہے گا۔ (بخاری ومسلم)

سوتے وقت پڑھنے کی چیزیں۔ جب سونے کا ارادہ کرے تو وضو کر لے اور اپنے بستر کو تین بار جھاڑ لے پھر داہنی کروٹ پر لیٹ جائے اور سر یا رُخسار کے نیچے داہنا ہاتھ رکھ کر یہ دعا تین بار پڑھے۔

اَللّٰھُمَّ قِنِیْ عَذَابَکَ یَوْمَ تَجْمَعُ عِبَادَکَ. (مشکوۃ شریف)

"اے اللہ تو مجھ اپنے عذاب سے بچائیو جس دن تو اپنے بندوں کو جمع کرے گا۔"

یا یہ دعاء پڑھے

اَللّٰھُمَّ بِاسْمِکَ اَمُوْتُ وَاَحْیٰی. (بخاری ومسلم) "اے اللہ میں تیرا نام لے کر مرتا اور جیتا ہوں۔" (بخاری ومسلم)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تو نے اپنے بستر پر پہلو رکھا اور سورئہ فاتحہ اور سورئہ قل ھو اللہ احد پڑھ لی تو موت کے علاوہ تو ہر چیز سے بے خوف ہو گیا۔ (حصن عن البزار)

ایک صحابیؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھ کو کچھ بتایئے جسے (سوتے وقت) پڑھ لوں جبکہ اپنے بستر پر لیٹوں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سورۂ قل یایھا الکفرون پڑھو کیونکہ اس میں شرک سے بیزاری (کا اعلان) ہے۔ (مشکوٰۃ عن الترمذی)

بعض حدیثوں میں ہے کہ اسکو پڑھ کر سو جائے یعنی اس کو پڑھنے کے بعد کسی سے نہ بولے۔(حصن حصین)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر رات کو جب (سونے کے لئے) بستر پر تشریف لاتے تو سورۂ **قل هو الله احد** اور سورۂ **قل اعوذ برب الفلق** اور سورۂ **قل اعوذ برب الناس** پڑھ کر ہاتھ کی دونوں ہتھیلیوں پر اس طرح دم کرتے کہ کچھ تھوک کے جھاگ بھی نکل جاتے، اس کے بعد جہاں تک ممکن ہوسکتا پورے بدن پر دونوں ہاتھوں کو پھیرتے تھے، تین مرتبہ ایسا ہی کرتے تھے اور ہاتھ پھیرتے وقت سر اور چہرہ اور سامنے کے حصہ سے شروع فرماتے تھے۔(بخاری ومسلم)

اسکے علاوہ ۳۳ بار **سبحان الله**، ۳۳ بار **الحمدلله** ۳۴ بار **الله اکبر** بھی پڑھے (مشکوۃ) اور آیۃ الکرسی بھی پڑھے۔اس کے پڑھنے والے کے لئے اللہ کی جانب سے رات بھر ایک محافظ فرشتہ مقرر رہے گا اور کوئی شیطان اسکے پاس نہ آئے گا۔(بخاری)

نیز یہ بھی تین بار پڑھے۔ **اَسْتَغْفِرُ اللهَ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَیْهِ**۔اس کی فضیلت یہ ہے کہ رات کو سوتے وقت پڑھنے والے کے سارے گناہ بخش دیئے جائیں گے اگر چہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔(ترمذی)

جب سونے لگے اور نیند نہ آئے تو یہ دعا پڑھے

اَللّٰهُمَّ غَارَتِ النُّجُوْمِ وَهَدَأَتِ الْعُيُوْنُ وَاَنْتَ حَیٌّ قَیُّوْمٌ لَا تَاخُذُکَ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ یَاحَیُّ یَاقَیُّوْمُ اَهْدِأْ لَیْلِیْ وَاَنِمْ عَیْنِیْ (حصن حصین)

اے اللہ ستارے دور چلے گئے اور آنکھوں نے آرام لیا اور تو زندہ ہے اور قائم رکھنے والا ہے۔تجھے نہ اونگھ آتی ہے نہ نیند آتی ہے۔اے زندہ اور قائم رکھنے والے اس رات کو مجھے آرام دے اور میری آنکھ کو سلا دے۔(حصن حصین)

جب سوتے سوتے ڈر جائے یا گھبراہٹ ہو جائے یا نیند اُچٹ جائے تو یہ دعاء پڑھے

اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ غَضَبِهٖ وَعِقَابِهٖ وَشَرِّ عِبَادِهٖ وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّیَاطِیْنِ وَاَنْ یَّحْضُرُوْنَ (حصن حصین)

اللہ تعالیٰ کے پورے کلمات کے واسطے سے میں اللہ کے غضب سے اور اسکے عذاب اور اسکے بندوں کے شر سے اور شیطانوں کے وسوسوں سے اور میرے پاس انکے آنے سے پناہ چاہتا ہوں۔(حصن حصین)

فائدہ:۔ جب خواب میں اچھی بات دیکھے تو الحمد للہ کہے اور اسے بیان کردے مگر اسی سے کہے جس سے اچھے تعلقات ہوں اور آدمی سمجھ دار ہو (تاکہ بُری تعبیر نہ دے) اور اگر بُرا خواب دیکھے تو اپنی بائیں طرف تین دفعہ تھتکار دے اور کروٹ بدل دے یا کھڑا ہو کر نماز پڑھنے لگے اور تین مرتبہ یوں بھی کہے۔

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ وَمِنْ شَرِّ هٰذِهِ الرُّؤْیَا. (حصن حصین)

میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں شیطان مردود سے اور اس خواب کی بُرائی سے۔(حصن حصین)

بُرے خواب کو کسی سے ذکر نہ کرے، یہ سب عمل کرنے سے ان شاء اللہ تعالیٰ وہ خواب اسے کچھ ضرر نہ پہنچائے گا۔(مشکوۃ وحصن حصین)

انتباہ۔اپنی طرف سے بنا کر جھوٹا خواب بیان کرنا سخت گناہ ہے۔(بخاری)

جب سو کر اٹھے تو یہ دعا پڑھے

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَیْهِ النُّشُوْرُ (بخاری ومسلم)

سب تعریفیں خدا ہی کیلئے ہیں جس نے ہمیں مار کر زندگی بخشی اور ہم کو اسی کی طرف اٹھ کر جانا ہے۔ (بخاری ومسلم)

یا یہ دعا پڑھے

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِیْ یُحْیِ الْمَوْتٰی وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ

سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جو مُردوں کو زندہ فرماتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (حصن)

بیت الخلاء میں داخل ہونے سے پہلے پڑھنے کی دعا

جب بیت الخلاء جائے تو داخل ہونے سے پہلے بِسْمِ اللّٰهِ کہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ شیطان کی آنکھوں اور انسان کی شرمگاہوں کے درمیان بِسْمِ اللّٰہ آڑ بن جاتی ہے اور یہ دعا پڑھے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ

"اے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں خبیث جنوں سے مرد ہوں یا عورت۔ (مشکوٰۃ وحصن حصین)

جب بیت الخلاء سے نکلے تو غفرانک کہے اور یہ دُعا پڑھے

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنِّی الْاَذٰی وَعَافَانِیْ (مشکوٰۃ)

سب تعریفیں اللہ ہی کیلئے ہیں جس نے مجھ سے ایذا دینے والی چیز دور کی اور مجھے چین دیا۔ (مشکوٰۃ)

جب وضو کرنا شروع کرے تو پہلے۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کہے۔ (حدیث شریف میں وضو کے شروع میں اللہ کا نام لینا آیا ہے اس کے الفاظ نہیں آئے بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھ لے ۱۲)

وضو کے درمیان یہ دُعا پڑھے

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ وَوَسِّعْ لِیْ فِیْ دَارِیْ وَبَارِکْ لِیْ فِیْ رِزْقِیْ (حصن عن النسائی)

اے اللہ میرے گناہ بخش دے اور میرے قبر کے گھر کو وسیع فرما اور میرے رزق میں برکت دے۔ (حصن عن النسائی)

جب وضو کر چکے تو آسمان کی طرف منہ کر کے یہ دُعا پڑھے

اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ.

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

اس کو وضو کے بعد پڑھنے سے پڑھنے والے کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جاتے ہیں جس دروازے سے چاہے داخل ہو۔ (مشکوٰۃ) بعض روایات میں اس کو وضو کے بعد تین بار پڑھنا آیا ہے۔ (حصن حصین)

پھر یہ دُعا پڑھے

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِیْنَ

اے اللہ مجھے بہت توبہ کرنے والوں میں اور بہت پاک رہنے والوں میں شامل فرما۔ (حصن)

اور یہ دُعا بھی پڑھے

سُبْحَانَکَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِکَ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُکَ وَاَتُوْبُ اِلَیْکَ. (حصن عن المستدرک)

اے اللہ تو پاک ہے اور میں تیری تعریف بیان کرتا ہوں، میں گواہی دیتا ہوں کہ صرف تو ہی معبود ہے اور میں تجھ سے مغفرت چاہتا ہوں اور تیرے سامنے توبہ کرتا ہوں۔ (حصن عن المستدرک)

جب مسجد میں داخل ہوتو یہ دُعا پڑھے

اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ. (مشکوۃ)

اے اللہ میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔ (مشکوٰۃ)

خارج نماز مسجد میں یہ پڑھے

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَکْبَرُ. (مشکوۃ باب المساجد)

اللہ پاک ہے اور سب تعریفیں اللہ کیلئے ہیں اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ سب سے بڑا ہے۔ (مشکوٰۃ باب المساجد)

مسجد سے نکلے تو یہ پڑھے

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ اے اللہ میں تجھ سے تیرے فضل کا سوال کرتا ہوں۔ (مسلم شریف)

جب اذان کی آواز سنے تو یہ پڑھے

اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ. رَضِیْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِمُحَمَّدٍ رَّسُوْلًا وَّبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور رسول ہیں میں اللہ کو رب ماننے پر اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو رسول ماننے پر اور اسلام کو دین ماننے پر راضی ہوں۔

حدیث شریف میں ہے کہ اذان کی آواز سن کر جو شخص اسکو پڑھے اسکے گناہ بخش دیئے جائینگے۔ (مسلم)

اور حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص مؤذن کا جواب دے اس کے لئے جنت ہے (حصن) لہٰذا مؤذن کا جواب دیوے یعنی جو مؤذن کہے وہی کہتا جائے مگر حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ اور حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ کے جواب میں لاحَوْلَ وَلا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ کہے۔ (مشکوٰۃ)

جب مغرب کی اذان ہو تو یہ دُعا پڑھے

اَللّٰھُمَّ اِنَّ ھٰذَا اِقْبَالُ لَیْلِکَ وَاِدْبَارُ نَھَارِکَ وَاَصْوَاتُ دُعَاتِکَ فَاغْفِرْلِیْ (مشکوٰۃ)

اے اللہ! یہ تیری رات کے آنے اور تیرے دن کے جانے کا وقت ہے اور تیرے پکارنے والوں کی آوازیں ہیں سو تو مجھے بخش دے۔ (مشکوٰۃ)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ دُعا اذان مغرب کے پڑھنے کے لئے تعلیم فرمائی تھی۔ (ابوداؤد)

اذان ختم ہونے کے بعد درود شریف پڑھ کر یہ پڑھے

اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّآمَّۃِ وَالصَّلٰوۃِ الْقَآئِمَۃِ اٰتِ مُحَمَّدَ نِ الْوَسِیْلَۃَ وَالْفَضِیْلَۃَ وَابْعَثْہُ مَقَامًا مَحْمُوْدَا نِ الَّذِیْ وَعَدْتَّہٗ اِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ

اے اللہ! اس پوری پکار کے رب اور قائم ہونے والی نماز کے رب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو وسیلہ عطا فرما (جو جنت کا ایک درجہ ہے) اور ان کو فضیلت عطا فرما اور ان کو مقام محمود پر پہنچا جس کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے بے شک تو وعدہ خلاف نہیں فرماتا ہے۔

اس کے پڑھ لینے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت واجب ہو جاتی ہے۔ (مشکوٰۃ)

جب گھر میں داخل ہو تو یہ پڑھے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْئَلُکَ خَیْرَ الْمَوْلِجِ وَخَیْرَ الْمَخْرَجِ بِسْمِ اللّٰہِ وَلَجْنَا وَعَلَی اللّٰہِ رَبِّنَا تَوَکَّلْنَا

اے اللہ میں تجھ سے اچھا داخل ہونا اور اچھا باہر جانا مانگتا ہوں ہم اللہ کا نام لے کر داخل ہوئے اور ہم نے اللہ پر بھروسہ کیا جو ہمارا رب ہے۔ اس کے بعد اپنے گھر والوں کو سلام کرے۔ (مشکوٰۃ)

جب گھر سے نکلے تو یہ پڑھے

بِسْمِ اللّٰہِ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ (ترمذی)

میں اللہ کا نام لے کر نکلا میں نے اللہ پر بھروسہ کیا، گناہوں سے بچانا اور نیکیوں کی قوت دینا اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ (ترمذی)

حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص گھر سے نکل کر اس کو پڑھے تو اس کو (غائبانہ) ندا دی جاتی ہے کہ تیری ضرورتیں پوری ہوں گی اور تو (ضرر اور نقصان سے) محفوظ رہے گا اور ان کلمات کو سن کر شیطان وہاں سے ہٹ جاتا ہے۔ یعنی اس کے بہکانے اور ایذا دینے سے باز رہتا ہے۔ (ترمذی)

اور آسمان کی طرف منہ اٹھا کر یہ پڑھے

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ اَنْ اَضِلَّ اَوْ اُضَلَّ اَوْ اَظْلِمَ اَوْ اُظْلَمَ اَوْ اَجْھَلَ اَوْیُجْھَلَ عَلَیَّ (مشکوٰۃ)

اے اللہ! میں اس بات سے تیری پناہ چاہتا ہوں کہ گمراہ ہو جاؤں یا گمراہ کر دیا جاؤں یا ظلم کروں یا مجھ پر ظلم کیا جائے یا جہالت کروں یا مجھ پر جہالت کی جائے۔ (مشکوٰۃ) یہ دُعا حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر سے نکلے ہوں اور یہ دُعا نہ پڑھی ہو۔

جب بازار میں داخل ہو تو یہ پڑھے

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَهٗ لَهُ الْمُلْکُ وَلَهُ الْحَمْدُ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ وَهُوَ حَیٌّ لَّا یَمُوْتُ بِیَدِهِ الْخَیْرُ وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ

لا اله الا الله وحده لا شریک له ”اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کیلئے ملک ہے اور اسی کیلئے حمد ہے، وہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور وہ زندہ ہے اسے موت نہ آئے گی، اسی کے ہاتھ میں بھلائی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔“

حدیث شریف میں ہے کہ بازار میں اس کے پڑھنے سے اللہ تعالیٰ دس لاکھ نیکیاں لکھ دیں گے اور دس لاکھ گناہ معاف فرما دیں گے اور دس لاکھ درجے بلند فرما دیں گے اور اس کے لئے جنت میں ایک گھر بنا دیں گے۔ (رواہ الترمذی وابن ماجہ)

اور یہ بھی پڑھے

بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ خَیْرَ هٰذِهِ السُّوْقِ وَخَیْرَ مَا فِیْهَا وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا فِیْهَا اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ اَنْ اُصِیْبَ فِیْهَا یَمِیْنًا فَاجِرَةً اَوْ صَفْقَةً خَاسِرَةً (حصن)

”میں اللہ کا نام لے کر داخل ہوا اے اللہ میں تجھ سے اس بازار کی اور جو کچھ اس بازار میں ہے اس کی خیر طلب کرتا ہوں اور تیری پناہ چاہتا ہوں اس بازار کے شر سے اور جو کچھ اس بازار میں ہے اس کے شر سے، اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس بات سے کہ یہاں جھوٹی قسم کھاؤں یا معاملہ میں ٹوٹا اٹھاؤں۔ (حصن)

فائدہ۔ بازار سے واپس آنے کے بعد قرآن شریف کی دس آیات کہیں سے پڑھے۔ (حسن عن الطبرانی)

جب کھانا شروع کرے تو یہ پڑھے

بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰی بَرَکَةِ اللّٰهِ ”میں نے اللہ کے نام سے اور اللہ کی برکت پر کھانا شروع کیا۔“ (حصن)

اگر شروع میں بسم اللہ بھول جائے تو یاد آنے پر یہ پڑھے

بِسْمِ اللّٰهِ اَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ (ترمذی) ”میں نے اس کے اول و آخر میں اللہ کا نام لیا۔“ (ترمذی)

فائدہ۔ کھانے پر بسم اللہ نہ پڑھی جائے تو شیطان کو اس میں کھانے کا موقع مل جاتا ہے۔ (مشکوٰۃ)

جب کھانا کھا چکے تو یہ دُعا پڑھے

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ (حصن)

''سب تعریفیں خدا کے لئے ہیں جس نے ہمیں کھلایا اور پلایا اور مسلمان بنایا۔'' (حصن)

یا یہ پڑھے

اَللّٰهُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْهِ وَاَطْعِمْنَا خَیْرًا مِنْهُ (ترمذی)

''اے اللہ تو ہمیں اس میں برکت عنایت فرما اور اس سے بہتر نصیب فرما۔'' (ترمذی)

یا یہ پڑھے

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنِیْ هٰذَا الطَّعَامَ وَرَزَقَنِیْهِ مِنْ غَیْرِ حَوْلٍ مِّنِّیْ وَلَا قُوَّةٍ

''سب تعریفیں خدا ہی کیلئے ہیں جس نے مجھے یہ کھانا کھلایا اور مجھے نصیب کیا بغیر میری قوت اور کوشش کے۔'' کھانے کے بعد اسکے پڑھ لینے سے پچھلے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ (مشکوٰۃ کتاب اللباس)

جب دسترخوان سے اٹھنے لگے تو یہ دُعا پڑھے

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ حَمْدًا کَثِیْرًا طَیِّبًا مُبَارَکًا فِیْهِ غَیْرَ مَکْفِیٍّ وَلَا مُوَدَّعٍ وَلَا مُسْتَغْنًی عَنْهُ رَبَّنَا (بخاری)

''سب تعریف اللہ کیلئے ہے ایسی تعریف جو بہت ہو اور پاکیزہ ہو اور بابرکت ہو، اے ہمارے رب ہم اس کھانے کو کافی سمجھ کر یا بالکل رخصت کر کے یا اس سے غیر محتاج ہو کر نہیں اٹھا رہے ہیں۔'' (بخاری)

دودھ پی کر یہ دُعا پڑھے

اَللّٰهُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْهِ وَزِدْنَا مِنْهُ (ترمذی)

''اے اللہ! تو اس میں ہمیں برکت دے اور ہم کو اور زیادہ دے۔'' (ترمذی)

جب کسی کے یہاں دعوت کھائے تو یہ پڑھے

اَللّٰهُمَّ اَطْعِمْ مَنْ اَطْعَمَنِیْ وَاسْقِ مَنْ سَقَانِیْ (مسلم)

''اے اللہ! جس نے مجھے کھلایا تو اسے کھلا اور جس نے مجھے پلایا تو اسے پلا۔'' (مسلم)

یا یہ پڑھے

اَکَلَ طَعَامَکُمُ الْاَبْرَارُ وَصَلَّتْ عَلَیْکُمُ الْمَلٰٓئِکَةُ وَاَفْطَرَ عِنْدَکُمُ الصَّآئِمُوْنَ (مشکوٰۃ)

''نیک بندے تمہارا کھانا کھائیں اور فرشتے تم پر رحمت بھیجیں اور روزہ دار تمہارے پاس افطار کریں۔'' (مشکوٰۃ)

اور ان کے ساتھ وہ دُعائیں بھی جو پہلے گذر چکی ہیں، جن میں اللہ کا شکر اور حمد ہے۔

جب میزبان کے گھر سے چلنے لگے تو اسے یہ دُعا دے

اَللّٰهُمَّ بَارِکْ لَهُمْ فِيْمَا رَزَقْتَهُمْ وَاغْفِرْلَهُمْ وَارْحَمْهُمْ (مشکوٰۃ)

''اے اللہ ان کے رزق میں برکت دے اور ان کو بخش دے اور ان پر رحم فرما۔'' (مشکوٰۃ)

پانی یا اور کوئی پینے کی چیز بیٹھ کر پیے، اور اونٹ کی طرح ایک سانس میں نہ پیے بلکہ دو یا تین سانسوں میں پیے، اور برتن میں سانس نہ لے، اور نہ پھونک مارے، اور جب پینے لگے تو بسم اللہ پڑھ لے، اور جب پی چکے تو الحمدللہ کہے۔ (مشکوٰۃ)

جب روزہ افطار کرنے لگے تو یہ پڑھے

اَللّٰهُمَّ لَکَ صُمْتُ وَعَلٰی رِزْقِکَ اَفْطَرْتُ (مشکوٰۃ)

''اے اللہ! میں نے تیرے ہی لئے روزہ رکھا اور تیرے ہی دیئے ہوئے رزق پر روزہ کھولا۔ (مشکوٰۃ)

افطار کے بعد یہ پڑھے

ذَهَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْشَآءَ اللّٰهُ (ابو داؤد)

''پیاس چلی گئی اور رگیں تر ہو گئیں اور ان شاء اللہ ثواب ثابت ہو گیا۔'' (ابوداؤد)

اگر کسی کے یہاں افطار کرے تو ان کو یہ دُعا دے

اَفْطَرَ عِنْدَكُمُ الصَّآئِمُوْنَ وَاَكَلَ طَعَامَكُمُ الْاَبْرَارُ وَصَلَّتْ عَلَيْكُمُ الْمَلٰئِكَةُ (حصن)

''تمہارے پاس روزہ دار افطار کریں اور نیک بندے تمہارا کھانا کھائیں اور فرشتے تم پر رحمت بھیجیں۔'' (حصن)

جب کپڑا پہنے تو یہ پڑھے

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِیْ كَسَانِیْ هٰذَا وَرَزَقَنِيْهِ مِنْ غَيْرِ حَوْلٍ مِّنِّیْ وَلَا قُوَّةٍ

''سب تعریف اللہ کیلئے ہے جس نے یہ کپڑا مجھے پہنایا اور نصیب کیا، بغیر میری کوشش اور قوت کے۔''

کپڑا پہن کر اس کو پڑھ لینے سے اگلے پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ (مشکوٰۃ)

جب نیا کپڑا پہنے تو یہ پڑھے

اَللّٰهُمَّ لَکَ الْحَمْدُ كَسَوْتَنِيْهِ اَسْئَلُکَ خَيْرَهٗ وَخَيْرَ مَا صُنِعَ لَهٗ وَاَعُوْذُ مِنْ شَرِّهٖ وَشَرِّ مَا صُنِعَ لَهٗ. (مشکوٰۃ)

''اے اللہ تیرے ہی لئے سب تعریف ہے جیسا کہ تو نے یہ کپڑا مجھے پہنایا، میں تجھ سے اس کی بھلائی کا اور اس چیز کی بھلائی کا سوال کرتا ہوں جس کے لئے یہ بنایا گیا ہے اور میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس کی بُرائی سے اور اس چیز کی بُرائی سے جس کے لئے یہ بنایا گیا ہے۔'' (مشکوٰۃ)

نیا کپڑا پہننے کی دوسری دُعاء

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص نیا کپڑا پہنے تو یہ دُعا پڑھے۔

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِیْ كَسَانِیْ مَا اُوَارِیْ بِهٖ عَوْرَتِیْ وَاَتَجَمَّلُ بِهٖ فِیْ حَيَاتِیْ.

"سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جس نے مجھے کپڑا پہنایا جس سے میں اپنی شرم کی جگہ چھپاتا ہوں، اور اپنی زندگی میں اسکے ذریعہ خوبصورتی حاصل کرتا ہوں۔"

اور پھر پرانے کپڑے کو صدقہ کردے تو زندگی میں اور مرنے کے بعد خدا کی حفاظت اور خدا کی ستاری میں رہے گا، (یعنی خدا اسے مصیبتوں سے محفوظ رکھے گا، اور اسکے گناہوں کو پوشیدہ رکھے گا)۔ (مشکوٰۃ)

فائدہ۔ جب کپڑا اتارے تو بسم اللہ کہہ کر اتارے، کیونکہ بسم اللہ کی وجہ سے شیطان اس کی شرمگاہ کی طرف نہ دیکھ سکے گا۔ (حصن)

جب کسی مسلمان کو نیا کپڑا پہنے دیکھے تو یوں دُعا دے

تُبْلِیْ وَيُخْلِفُ اللّٰهُ (حصن حصین)

"تم اس کپڑے کو پرانا کرو اور اس کے بعد خدا تمہیں اور کپڑا دے۔" (حصن حصین)

"یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری عمر میں ترقی دے اور اس کپڑے کو پہننا اور استعمال کرنا اور بوسیدہ کرنا اور اس کے بعد دوسرا کپڑا پہننا نصیب فرمائے) یہ الفاظ مردوں کو اور لڑکوں کو دُعا دینے کیلئے ہیں، اگر کسی عورت کو نیا کپڑا پہنے دیکھے تو یہ الفاظ کہے:۔

اَبْلِیْ وَاَخْلِقِیْ ثُمَّ اَبْلِیْ وَاَخْلِقِیْ "یعنی اسے پرانا کرو پھر پرانا کرو۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اُم خالدؓ کو یہ دُعا دی تھی، حضرت اُم خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ کپڑے لائے گئے جن میں ایک چھوٹی سی سیاہ رنگ کی چادر اچھی قسم کی تھی، آپؐ نے فرمایا میرے پاس اُم خالد کو لے آؤ، (یہ اس وقت چھوٹی سی تھیں) چنانچہ مجھ کو (گود میں) اٹھا کر لایا گیا پس آپؐ نے اپنے مبارک ہاتھ میں وہ چادر لے کر مجھے اُڑھادی، اور دُعا دیتے ہوئے یہ فرمایا "اَبْلِیْ وَاَخْلِقِیْ ثُمَّ اَبْلِیْ وَاَخْلِقِیْ" (اسے پرانا کرے پھر تو اسے پرانا کرے)

حضرت اُم خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اس چادر میں سبز رنگ یا پیلے رنگ کے نشان (گوٹ یا جھالر یا کڑھائی کے کام کے) تھے، آپؐ نے فرمایا، اے اُم خالد یہ اچھا ہے، (جیسے بچوں سے دل خوش کرنے کے لئے باتیں کیا کرتے ہیں) حضرت اُم خالدؓ نے فرمایا کہ اس کے بعد میں (آپؐ کی پشت کے پیچھے جا کر خاتم النبوۃ سے کھیلنے لگی) تو میرے والد نے مجھے جھڑک دیا، اس پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، چھوڑ دو اسے (یعنی کچھ نہ کہو)۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۱۶ بحوالہ بخاری)

جب آئینہ دیکھے تو یہ پڑھے

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ حَسَّنْتَ خَلْقِیْ فَحَسِّنْ خُلُقِیْ (حصن حصین)

"اے اللہ جیسے تو نے میری صورت اچھی بنائی میرے اخلاق بھی اچھے کردے۔" (حصن حصین)

دولہا کو یوں مبارکباد دے

بَارَکَ اللّٰهُ لَکَ وَبَارَکَ عَلَيْكُمَا وَجَمَعَ بَيْنَكُمَا فِيْ خَيْرٍ (احمد وترمذی)

''اللہ تجھے برکت دے اور تم دونوں پر برکت نازل کرے اور تم دونوں کا خوب نباہ کرے۔'' (احمد وترمذی)

جب چاند پر نظر پڑے تو یہ پڑھے

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّ هٰذَا. (ترمذی) ''میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں اس کے شر سے۔'' (ترمذی)

نیا چاند دیکھے تو یہ پڑھے

اَللّٰهُمَّ اَهِلَّهٗ عَلَيْنَا بِالْيُمْنِ وَالْاِيْمَانِ وَالسَّلَامَةِ وَالْاِسْلَامِ وَالتَّوْفِيْقِ لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى رَبِّيْ وَرَبُّكَ اللّٰهُ (حصن)

'اے اللہ! اس چاند کو ہمارے اوپر برکت اور ایمان اور سلامتی اور اسلام کے ساتھ اور ان اعمال کی توفیق کے ساتھ نکلا ہوا رکھ، جو تجھے پسند ہیں، اے چاند میرا اور تیرا رب اللہ ہے۔'' (حصن)

جب کسی کو رخصت کرے تو یہ پڑھے

اَسْتَوْدِعُ اللّٰهَ دِيْنَكَ وَاَمَانَتَكَ وَخَوَاتِيْمَ عَمَلِكَ (ترمذی)

''اللہ کے سپرد کرتا ہوں تیرا دین اور تیری امانت داری کی صفت اور تیرے عمل کا انجام۔'' (ترمذی)

اور اگر وہ سفر کو جا رہا ہے تو یہ دُعا بھی اس کو دے

زَوَّدَكَ اللّٰهُ التَّقْوٰى وَغَفَرَ ذَنْبَكَ وَيَسَّرَ لَكَ الْخَيْرَ حَيْثُ مَا كُنْتَ (ترمذی)

''خدا پرہیزگاری کو تیرے سفر کا سامان بنائے اور تیرے گناہ بخشے، اور جہاں تو جائے وہاں تیرے لئے خیر آسان فرمادے۔'' (ترمذی)

پھر جب وہ روانہ ہو جائے تو یہ دُعا دے

اَللّٰهُمَّ اطْوِلَهُ الْبُعْدَ وَهَوِّنْ عَلَيْهِ السَّفَرَ (ترمذی)

''اے اللہ اس کے سفر کا راستہ جلدی طے کرا دے اور اس پر سفر آسان فرمادے۔'' (ترمذی)

جو رخصت ہو رہا ہو وہ رخصت کرنے والے سے یوں کہے

اَسْتَوْدِعُكُمُ اللّٰهَ الَّذِيْ لَا تَضِيْعُ وَدَائِعُهٗ (حصن)

''تم کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں جس کی حفاظت میں دی ہوئی چیزیں ضائع نہیں ہوتیں۔'' (حصن)

جب سفر کا ارادہ کرے تو یہ پڑھے

اَللّٰهُمَّ بِكَ اَصُوْلُ وَبِكَ اَحُوْلُ وَبِكَ اَسِيْرُ (حصن)

''اے اللہ میں تیری ہی مدد سے (دشمنوں پر) حملہ کرتا ہوں اور تیری ہی مدد سے ان کے دفع کرنے کی تدبیر کرتا ہوں، اور تیری ہی مدد سے چلتا ہوں۔'' (حصن)

جب سوار ہونے لگے

اور رکاب یا پائدان پر قدم رکھے تو بسم اللہ کہے اور جب جانور کی پشت یا سیٹ پر بیٹھ جائے تو الحمدللہ کہے پھر یہ آیت پڑھے:

سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَلَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ وَاِنَّا اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ الخ

''اللہ پاک ہے جس نے اس کو ہمارے قبضہ میں دے دیا، اور اس کی قدرت کے بغیر ہم اسے قبضہ میں کرنے والے نہ تھے، اور بلاشبہ ہم کو اپنے رب کی طرف جانا ہے۔'' (سورۂ زخرف، پارہ ۲۵)

اس کے بعد تین مرتبہ الحمدللہ اور تین بار اللہ اکبر کہے پھر یہ دُعا پڑھے۔

سُبْحَانَكَ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْلِيْ فَاِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ (من المشكوٰة)

''اے اللہ تو پاک ہے بے شک میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا تو مجھے بخش دے، کیونکہ گناہوں کو صرف تو ہی بخش سکتا ہے۔'' (من المشکوٰۃ)

جب سفر کو روانہ ہونے لگے تو یہ پڑھے

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ فِيْ سَفَرِنَا هٰذَا الْبِرَّ وَالتَّقْوٰى وَمِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضٰى، اَللّٰهُمَّ هَوِّنْ عَلَيْنَا سَفَرَنَا هٰذَا وَاطْوِلَنَا بُعْدَهٗ، اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ وَالْخَلِيْفَةُ فِي الْاَهْلِ، اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ وَعْثَاءِ السَّفَرِ وَكَابَةِ الْمَنْظَرِ وَسُوْءِ الْمُنْقَلَبِ فِي الْمَالِ وَالْاَهْلِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ الْحَوْرِ بَعْدَ الْكَوْرِ وَدَعْوَةِ الْمَظْلُوْمِ

'اے اللہ ہم تجھ سے اس سفر میں نیکی اور پرہیز گاری کا سوال کرتے ہیں اور ان اعمال کا سوال کرتے ہیں جن سے آپ راضی ہیں، اے اللہ! ہمارے اس سفر کو ہم پر آسان فرما دے، اور اس کا راستہ جلدی طے کرا دے، اے اللہ! تو سفر میں ہمارا ساتھی ہے، اور ہمارے پیچھے گھر بار کا کارساز ہے، اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں سفر کی مشقت اور گھر بار میں بُری واپسی سے اور بُری حالت کے دیکھنے سے، اور بننے کے بعد بگڑنے سے اور مظلوم کی بددُعاء سے۔'' (مشکوٰۃ از مسلم ۱۲)

فائدہ۔ سفر کو روانہ ہونے سے قبل اپنے گھر میں دو رکعت نماز نفل پڑھنا بھی مستحب ہے۔ (کتاب الاذکار للنووی)

فائدہ۔ جب بلندی پر چڑھے تو اللہ اکبر پڑھے اور جب بلندی سے نیچے اترے تو سبحان اللہ کہے اور جب کسی پانی بہنے کے نشیب میں گذرے تو لا الہ الا اللہ واللہ اکبر پڑھے، اگر سواری کا پیر پھسل جائے (یا ایکسیڈنٹ ہوجائے تو) بسم اللہ کہے۔ (حصن)

بحری جہاز یا کشتی میں سوار ہو تو یہ پڑھے

بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖهَا وَمُرْسٰهَا ط اِنَّ رَبِّىْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ وَمَا قَدَرُوْا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌ بِيَمِيْنِهٖ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ

''اللہ کے نام سے اس کا چلنا اور ٹھہرنا ہے بے شک میرا پروردگار ضرور بخشنے والا ہے مہربان ہے، اور کافروں نے خدا کو نہ پہچانا جیسا کہ اسے پہچاننا چاہئے حالانکہ قیامت کے دن ساری زمین اس کی مٹھی (مٹھی اور داہنے ہاتھ کے ظاہری معنی مراد نہیں ہیں ۱۲) میں ہوگی اور آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے وہ پاک ہے اور اس عقیدہ سے برتر ہے جو مشرک شرکیہ عقیدے رکھتے ہیں۔'' (حصن حصین)

جب کسی منزل یا ریلوے اسٹیشن یا موٹر اسٹینڈ پر اترے تو یہ پڑھے

اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ (مسلم)

''اللہ کے پورے کلمات کے واسطے سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں، اسکی مخلوق کے شر سے۔'' (مسلم)

اس کے پڑھ لینے سے کوئی چیز وہاں سے روانہ ہونے تک ان شاء اللہ ضرر نہ پہنچائے گی۔

جب وہ بستی آئے جس میں جانا ہے تو یہ پڑھے

اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَمَا اَظْلَلْنَ وَرَبَّ الْاَرَضِيْنَ السَّبْعِ وَمَا اَقْلَلْنَ وَرَبَّ الشَّيَاطِيْنِ وَمَآ اَضْلَلْنَ وَرَبَّ الرِّيَاحِ وَمَا ذَرَيْنَ فَاِنَّا نَسْئَلُكَ خَيْرَ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ وَخَيْرَ اَهْلِهَا وَنَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ اَهْلِهَا وَشَرِّ مَا فِيْهَا (حصن)

''اے اللہ! جو ساتوں آسمانوں اور ان سب چیزوں کا رب ہے جو آسمانوں کے نیچے ہیں اور ساتوں زمینوں کا اور ان سب چیزوں کا رب ہے جو ان کے اوپر ہیں اور جو شیطانوں کا اور ان سب کا رب ہے جن کو شیطانوں نے گمراہ کیا ہے اور جو ہواؤں کا اور ان چیزوں کا رب ہے جنہیں ہواؤں نے اڑایا ہے، سو ہم تجھ سے اس آبادی کی اور اس کے باشندوں کی خیر کا سوال کرتے ہیں اور اس کے شر سے اور اس کی آبادی کے شر سے تیری پناہ چاہتے ہیں جو اس کے اندر ہیں۔'' (حصن)

جب کسی شہر یا بستی میں داخل ہونے لگے تو تین بار یہ پڑھے

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْهَا (حصن) ''اے اللہ تو ہمیں اس میں برکت دے۔'' (حصن)

پھر یہ پڑھے

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا جَنَاهَا وَحَبِّبْنَا اِلٰى اَهْلِهَا وَحَبِّبْ صَالِحِىْ اَهْلِهَا اِلَيْنَا (حصن عن الطبرانی)

''اے اللہ تو ہمیں اس کے میوے نصیب فرما اور یہاں کے باشندوں کے دلوں میں ہماری محبت اور یہاں کے نیک لوگوں کی محبت ہمارے دلوں میں پیدا فرما۔'' (حصن عن الطبرانی)

جب سفر میں رات ہو جائے تو یہ پڑھے

يَا اَرْضُ رَبِّىْ وَرَبُّكِ اللهُ اَعُوْذُ بِاللهِ مِنْ شَرِّكِ وَشَرِّ مَا خُلِقَ فِيْكِ وَشَرِّ مَا يَدِبُّ مِنْ اَسَدٍ وَّاَسْوَدَ وَمِنَ الْحَيَّةِ وَالْعَقْرَبِ وَمِنْ شَرِّ سَاكِنِى الْبَلَدِ وَمِن وَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ. (حصن)

''اے زمین میرا اور تیرا رب اللہ ہے، میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں تیرے شر سے اور ان چیزوں کے شر سے جو تجھ میں پیدا کی گئی ہیں اور جو تجھ پر چلتی ہیں اور اللہ کی پناہ چاہتا ہوں شیر سے اور اژدہے سے اور سانپ سے اور بچھو سے اور اس شہر کے رہنے والوں سے اور باپ سے اور اولاد سے۔'' (حصن)

سفر میں جب سحر کا وقت ہو تو یہ پڑھے

سَمِعَ سَامِعٌ بِحَمْدِاللهِ وَنِعْمَتِهٖ وَحُسْنِ بَلَائِهٖ عَلَيْنَا رَبَّنَا صَاحِبْنَا وَاَفْضِلْ عَلَيْنَا عَائِذًا بِاللهِ مِنَ النَّارِ (مسلم)

''سننے والے نے (ہم سے) اللہ کی تعریف بیان کرنا سنا، اور اس کی نعمت کا اور ہم کو اچھے حال میں رکھنے کا اقرار جو ہم نے کیا وہ بھی سنا، اے ہمارے رب تو ہمارے ساتھ رہ اور ہم پر فضل فرما یہ دُعا کرتے ہوئے دوزخ کی پناہ چاہتا ہوں۔'' (مسلم)

بعض روایات میں آیا ہے کہ اس کو بلند آواز سے تین بار پڑھے۔ (حصن عن المستدرک)

فائدہ۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو سوار اپنے سفر میں دنیاوی باتوں سے دل ہٹا کر اللہ کی طرف دھیان رکھے اور اس کی یاد میں لگا رہے تو اس کے ساتھ فرشتہ رہتا ہے، اور جو شخص واہیات شعروں یا کسی اور بیہودہ شغل میں لگا رہتا ہے تو اس کے ساتھ شیطان رہتا ہے۔ (حصن)

اگر سفر میں دشمن کا خوف ہو تو سورۂ لایلاف قریش پڑھے، بعض بزرگوں نے اسکو مجرب بتایا ہے۔ (حصن)

سفر سے واپس ہونے کے آداب

جب سفر سے واپس ہونے لگے تو سواری پر بیٹھ کر سواری کی دُعاء پڑھنے کے بعد وہ دُعاء پڑھے جو سفر کو روانہ ہوتے وقت پڑھی تھی، یعنی اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ فِىْ سَفَرِنَا هٰذَا الْبِرَّ وَالتَّقْوٰى (آخر تک) اور جب روانہ ہو جائے تو سفر کی دیگر دُعاؤں اور مسنون آداب کا خیال رکھتے ہوئے ہر بلندی پر اللہ اکبر تین بار کہے اور پھر یہ پڑھے،

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ. اٰئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ سَاجِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ. صَدَقَ اللهُ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ (مشکوۃ)

''کوئی معبود نہیں اللہ کے سوا وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کے لئے ملک ہے اور اسی کے لئے حمد ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، ہم لوٹنے والے ہیں، توبہ کرنے والے ہیں (اللہ کی) بندگی کرنے والے ہیں، سجدہ کرنے والے ہیں، اپنے رب کی حمد کرنے والے ہیں، اللہ نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا، اپنے بندہ کی مدد فرمائی اور مخالف لشکروں کو شکست دی۔'' (مشکوۃ)

سفر سے واپس ہو کر اپنے شہر یا بستی میں داخل ہوتے ہوئے پڑھے

اٰئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ. (مسلم کتاب الحج)

''ہم لوٹنے والے ہیں، توبہ کرنے والے ہیں (اللہ کی) بندگی کرنے والے ہیں، اپنے رب کی حمد کرنے والے ہیں۔'' (مسلم کتاب الحج)

فائدہ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جمعرات کے دن سفر کیلئے روانہ ہونے کو پسند فرماتے تھے۔ (بخاری)

سفر سے واپس ہو کر جب گھر میں داخل ہو تو یہ پڑھے

اَوْبًا اَوْبًا لِرَبِّنَا تَوْبًا لَا يُغَادِرُ عَلَيْنَا حَوْبًا (حصن)

''میں واپس آیا ہوں، میں واپس آیا ہوں اپنے رب کے سامنے ایسی توبہ کرتا ہوں جو ہم پر کوئی گناہ نہ چھوڑے۔'' (حصن)

جب کسی کو مصیبت یا پریشانی یا بُرے حال میں دیکھے تو یہ دُعا پڑھے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ عَافَانِیْ مِمَّا ابْتَلَاکَ بِهٖ وَفَضَّلَنِیْ عَلٰی کَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِیْلًا

''سب تعریفیں اللہ کیلئے ہیں جس نے مجھے اس حال سے بچایا، جس میں تجھے مبتلا فرمایا اور اس نے اپنی بہت سی مخلوق پر مجھے فضیلت دی۔''

اس کی فضیلت یہ ہے کہ اس کے پڑھ لینے سے وہ مصیبت یا پریشانی پڑھنے والے کو نہ پہنچے گی جس میں وہ مبتلا تھا جسے دیکھ کر یہ دُعا پڑھی گئی۔ (مشکوٰۃ شریف)

فائدہ۔ اگر وہ شخص مصیبت میں مبتلا ہو تو اس دُعاء کو آہستہ پڑھے، تاکہ اسے رنج نہ ہو اور اگر وہ گناہ میں مبتلا ہو تو زور سے پڑھے تاکہ اسے عبرت ہو۔

جب کسی مسلمان کو ہنستا دیکھے تو یوں دُعا دے

اَضْحَکَ اللّٰهُ سِنَّکَ (بخاری ومسلم) ''خدا تجھے ہنساتا رہے۔'' (بخاری و مسلم)

جب دشمنوں کا خوف ہو تو یوں پڑھے

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَجْعَلُکَ فِیْ نُحُوْرِهِمْ وَنَعُوْذُبِکَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ (ابوداؤد)

''اے اللہ ہم تجھے ان (دشمنوں) کے سینوں میں (تصرف کرنے والا) بناتے ہیں اور ان کو شرارتوں سے تیری پناہ چاہتے ہیں۔'' (ابوداؤد)

اگر دشمن گھیر لیں تو یہ دُعا پڑھے

اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَاٰمِنْ رَوْعَاتِنَا (حصن)

''اے اللہ ہماری آبرو کی حفاظت فرما اور خوف ہٹا کر ہمیں امن سے رکھ۔'' (حصن)

مجلس سے اٹھنے سے پہلے یہ پڑھے

سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ اَشْھَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُکَ وَاَتُوْبُ اِلَیْکَ

''اے اللہ تو پاک ہے، اور میں تیری حمد بیان کرتا ہوں، میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، میں تجھ سے معافی چاہتا ہوں اور تیرے حضور میں توبہ کرتا ہوں۔''

اگر مجلس میں اچھی باتیں کی ہوں گی تو یہ کلمات ان پر مہر بن جائیں گے اور اگر فضول اور لغو باتیں کی ہوں گی تو یہ کلمات ان کا کفارہ بن جائیں گے۔ (ابوداؤد وغیرہ) بعض روایات میں ہے کہ ان کلمات کو تین بار کہے، (ترغیب)

جب کوئی پریشانی ہو تو یہ دُعا پڑھے

اَللّٰھُمَّ رَحْمَتَکَ اَرْجُوْ فَلَا تَکِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَةَ عَیْنٍ وَّاَصْلِحْ لِیْ شَانِیْ کُلَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ (حصن)

''اے اللہ میں تیری رحمت کی امید کرتا ہوں تو مجھے پل بھر بھی میرے سپرد نہ فرما اور میرا سارا حال درست فرما دے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔'' (حصن)

یا یہ پڑھے

حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ (سورۂ آل عمران، پارہ ۴) ''اللہ ہمیں کافی ہے، اور وہ بہتر کارساز ہے۔'' (سورۂ آل عمران، پارہ ۴)

یا یہ پڑھے

اَللّٰهُ اَللّٰهُ رَبِّیْ لَا اُشْرِکُ بِهٖ شَیْئًا (حصن)

''اللہ میرا رب ہے، میں اس کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہیں بناتا۔'' (حصن)

یا یہ پڑھے

یَاحَیُّ یَاقَیُّوْمُ بِرَحْمَتِکَ اَسْتَغِیْثُ (مستدرک حاکم)

''اے زندہ اور قائم رکھنے والے، میں تیری رحمت کے واسطہ سے فریاد کرتا ہوں۔'' (مستدرک حاکم)

یا یہ پڑھے

لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ

''اے اللہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پاک ہے، بیشک میں (گناہ کرکے) اپنی جان پر ظلم کرنے والوں میں سے ہوں۔''

قرآن شریف میں ہے کہ ان الفاظ کے ذریعہ حضرت یونس علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے مچھلی کے پیٹ میں اللہ کو پکارا تھا۔ (سورۃ الانبیاء ع ۶)

اور حدیث شریف میں ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کبھی کوئی مسلمان ان الفاظ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے دُعا کرے تو اللہ تعالیٰ ضرور اسکی دُعا قبول فرمائیں گے۔ (ترمذی)

جس کے پاس صدقہ کرنے کو مال نہ ہو یہ درود پڑھا کرے

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ وَصَلِّ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ (الترغیب عن ابن حبان)

"اے اللہ! رحمت نازل فرما محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر جو تیرے بندے اور رسول ہیں اور تمام مؤمنین و مومنات، مسلمین و مسلمات پر (بھی) رحمت نازل فرما۔" (الترغیب عن ابن حبان)

شب قدر کی یہ دُعا ہے

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّيْ (ترمذی)

"اے اللہ! بیشک تو معاف فرمانے والا ہے معاف کرنے کو پسند فرماتا ہے لہٰذا تو مجھے معاف فرما دے۔" (ترمذی)

اپنے ساتھ احسان کرنے والے کو یہ دُعا دے

جَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا (مشکوٰۃ) "تجھے اللہ (اس کی) جزائے خیر دے۔" (مشکوٰۃ)

جب قرضدار قرضہ ادا کردے تو اس کو یوں دُعا دے

اَوْ فَيْتَنِيْ اَوْفَى اللّٰهُ بِكَ (حصن) "تو نے میرا قرضہ ادا کر دیا اللہ تجھے (دنیا و آخرت میں) بہت دے۔" (حصن)

جب اپنی کوئی محبوب چیز دیکھے تو یہ پڑھے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ بِنِعْمَتِهٖ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ (حصن)

"سب تعریف اللہ کے لئے ہے جس کی نعمت سے اچھی چیزیں مکمل ہوتی ہیں۔" (حصن)

اور جب کبھی دل بُرا کر دینے والی چیز پیش آئے تو یوں کہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ (حصن) "ہر حال میں اللہ تعریف کا مستحق ہے۔"

جب کوئی چیز گم ہو جائے تو یہ پڑھے

اَللّٰهُمَّ رَادَّ الضَّآلَّةِ وَهَادِيَ الضَّآلَّةِ اَنْتَ تَهْدِيْ مِنَ الضَّلَالَةِ اُرْدُدْ عَلَيَّ ضَآلَّتِيْ بِقُدْرَتِكَ وَسُلْطَانِكَ فَاِنَّهَا مِنْ عَطَآئِكَ وَفَضْلِكَ (حصن حصین)

”اے اللہ! اے گم شدہ کو واپس کرنے والے اور راہ بھٹکے ہوئے کو راہ دکھانے والے تو ہی گمشدہ کو راہ دکھاتا ہے، اپنی قدرت اور غالبیت کے ذریعہ میری گم شدہ چیز کو واپس فرما دے کیونکہ وہ بے شک تیری عطا اور تیرے فضل سے مجھے ملی تھی۔“ (حصن حصین)

جب نیا پھل پاس آئے تو یہ پڑھے

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْ ثَمَرِنَا وَبَارِکْ لَنَا فِیْ مَدِیْنَتِنَا وَبَارِکْ لَنَا فِیْ صَاعِنَا وَبَارِکْ لَنَا فِیْ مُدِّنَا

”اے اللہ! ہمارے پھلوں میں برکت دے اور ہمیں ہمارے شہر میں برکت دے اور غلہ ناپنے کے پیمانوں میں برکت دے۔“

اسکے بعد اس پھل کو اپنے سب سے چھوٹے بچے کو دیدے۔ (مسلم) یا اس وقت اس مجلس میں جو سب سے چھوٹا بچہ ہو اسکو دیدے۔ (حصن)

بارش کے لئے تین بار یہ دُعا مانگے

اَللّٰھُمَّ اَغِثْنَا ”اے اللہ! ہماری فریاد رسی فرما۔“ (مسلم)

یا یہ پڑھے

اَللّٰھُمَّ اَنْزِلْ عَلٰی اَرْضِنَا زِیْنَتَھَا وَسَکَنَھَا (حصن)

”اے اللہ! ہماری زمین میں زینت (یعنی پھول بوٹے) اور اس کا آرام نازل فرما۔“ (حصن)

فائدہ۔ اللہ کی بارگاہ میں توبہ واستغفار کرنے کو بارش ہونے میں بڑا دخل ہے جیسا کہ ختم کتاب کے قریب ان شاء اللہ توبہ واستغفار کے بیان میں آرہا ہے۔

جب بادل آتا ہوا نظر پڑے تو یہ پڑھے

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ مَا اُرْسِلَ بِہٖ اَللّٰھُمَّ سَیْبًا نَافِعًا (حصن حصین)

”اے اللہ! ہم اس چیز کی بُرائی سے تیری پناہ چاہتے ہیں جسے لے کر یہ بادل بھیجا گیا اے اللہ! نفع دینے والی بارش برسا۔“ (حصن حصین)

اگر بادل برسے بغیر کھل جائے تو اس پر اللہ کا شکر ادا کرے کہ اللہ پاک نے اس کو کسی مصیبت کا ذریعہ نہیں بنایا۔ (حصن)

جب بارش ہونے لگے تو یہ دُعا پڑھے

اَللّٰھُمَّ صَیِّبًا نَافِعًا (بخاری) ”اے اللہ اس کو بہت برسنے والا اور نفع بخش بنا۔“ (بخاری)

اور جب بارش حد سے زیادہ ہونے لگے تو یہ پڑھے

اَللّٰھُمَّ حَوَالَیْنَا وَلَا عَلَیْنَا اَللّٰھُمَّ عَلَی الْاٰکَامِ وَالْاٰجَامِ وَالظِّرَابِ وَالْاَوْدِیَۃِ وَمَنَابِتِ الشَّجَرِ (حصن)

”اے اللہ ہمارے آس پاس اس کو برسا اور ہم پر نہ برسا، اے اللہ ٹیلوں اور بنوں پر اور پہاڑوں پر اور نالوں میں اور درخت پیدا ہونے کی جگہوں میں برسا۔“ (حصن)

جب کڑکنے اور گرجنے کی آواز سنے تو یہ پڑھے

اَللّٰھُمَّ لَا تَقْتُلْنَا بِغَضَبِکَ وَلَا تُھْلِکْنَا بِعَذَابِکَ وَعَافِنَا قَبْلَ ذٰلِکَ (ترمذی)

"اے اللہ! ہم کو اپنے غضب سے قتل نہ فرما، اور اپنے عذاب سے ہمیں ہلاک نہ فرما اور اس سے پہلے ہمیں عافیت نصیب فرما۔" (ترمذی)

اور جب آندھی آئے تو اس کی طرف منہ کرے اور دو زانو ہو کر یعنی حالت تشہد کی طرح بیٹھ کر یہ دُعا پڑھے

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْھَا رَحْمَۃً وَلَا تَجْعَلْھَا عَذَابًا اَللّٰھُمَّ اجْعَلْھَا رِیَاحًا وَلَا تَجْعَلْھَا رِیْحًا (حصن)

"اے اللہ اسے رحمت بنا اور اسے عذاب نہ بنا، اے اللہ! اسے نفع والی بنا، اور نقصان والی نہ بنا۔" (حصن)

اگر آندھی کے ساتھ اندھیرا بھی ہو (جسے کالی آندھی کہتے ہیں) تو سورۂ قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھے۔ (مشکوٰۃ)

اداءِ قرض کے لئے یہ دُعا پڑھے

اَللّٰھُمَّ اکْفِنِیْ بِحَلَالِکَ عَنْ حَرَامِکَ وَاَغْنِنِیْ بِفَضْلِکَ عَنْ مَّنْ سِوَاکَ

"اے اللہ حرام سے بچاتے ہوئے حلال کے ذریعہ تو میری کفایت فرما اور اپنے فضل کے ذریعہ تو مجھے اپنے غیر سے بے نیاز فرمادے۔"

ایک شخص نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے اپنی مالی مجبوریوں کا ذکر کیا تو فرمایا کہ میں تم کو وہ کلمات نہ بتادوں جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائے تھے؟ اگر بڑے پہاڑ کے برابر بھی تم پر قرض ہوگا اللہ تعالیٰ ادا فرمادیں گے اس کے بعد یہی دُعا بتائی جو اوپر لکھی ہے۔ (ترمذی)

اداءِ قرض کی دوسری دُعاء

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہؐ مجھے بڑے بڑے تفکرات نے اور بڑے بڑے قرضوں نے پکڑ لیا ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم کو ایسے الفاظ نہ بتادوں جنکے کہنے سے اللہ تعالیٰ تمہارے تفکرات دور فرمادے اور تمہارے قرض کو ادا فرمادے اس شخص نے عرض کیا یا رسول اللہؐ ضرور ارشاد فرمائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صبح وشام یہ پڑھا کرو۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْھَمِّ وَالْحُزْنِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنَ الْعِجْزِ وَالْکَسْلِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنَ الْبُخْلِ وَالْجُبْنِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ غَلَبَۃِ الدَّیْنِ وَقَھْرِ الرِّجَالِ

"اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں فکرمندی سے اور رنج سے اور تیری پناہ چاہتا ہوں بے بس ہوجانے سے اور سستی کے آنے سے اور تیری پناہ چاہتا ہوں کنجوسی سے اور بزدلی سے اور تیری پناہ چاہتا ہوں قرض کے غلبہ اور لوگوں کی زور آوری سے۔"

اس شخص کا بیان ہے کہ میں نے اس پر عمل کیا تو اللہ پاک نے میری فکرمندی بھی دور فرمادی اور قرض بھی ادا فرمادیا۔ (ابوداؤد)

جب قربانی کرے تو جانور کو قبلہ رُخ لٹا کر یہ دُعا پڑھے

اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَلٰی مِلَّۃِ اِبْرَاھِیْمَ حَنِیْفًا وَمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ اَللّٰھُمَّ مِنْکَ وَلَکَ عَنْ

''میں نے اس ذات کی طرف اپنا رخ موڑا جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا فرمایا، اس حال میں کہ میں ابراہیم حنیف کے دین پر ہوں اور مشرکوں میں سے نہیں ہوں، بے شک میری نماز اور میری عبادت اور میرا جینا اور مرنا سب اللہ کیلئے ہے جو رب العالمین ہے جس کا کوئی شریک نہیں، اور مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں فرمانبرداروں میں سے ہوں، اے اللہ یہ قربانی تیری توفیق سے ہے اور تیرے ہی لئے ہے۔''

عَنْ کے بعد اس کا نام لے جس کی طرف سے ذبح کر رہا ہو، اور اگر اپنی طرف سے ذبح کر رہا ہو تو اپنا نام لے، اس کے بعد بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کر دے۔ (مشکوٰۃ)

جب کسی مسلمان سے ملاقات ہو تو یوں سلام کرے

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ ''تم پر سلامتی اور اللہ کی رحمت ہو۔''

اس کے جواب میں دوسرا مسلمان یوں کہے

وَعَلَیْکُمُ السَّلَامُ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ ''اور تم پر بھی سلامتی اور اللہ کی رحمت ہو۔''

اگر لفظ ورحمۃ اللہ نہ بڑھایا جائے تو سلام اور جواب سلام ادا ہو جاتا ہے، مگر جب مناسب الفاظ بڑھا دیئے جائیں تو ثواب بھی بڑھ جائے گا۔ (من المشکوٰۃ باب الضیافۃ)

اگر کوئی مسلمان سلام بھیجے تو جواب میں یوں کہے

وَعَلَیْہِ السَّلَامُ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ (حصن)

''اس پر سلامتی ہو اور اللہ کی رحمت ہو اور اس کی برکتیں نازل ہوں۔'' (حصن)

یا سلام لانے والے کو خطاب کر کے یوں کہے

وَعَلَیْکَ وَعَلَیْہِ السَّلَامُ ''تم پر اور اس پر سلامتی ہو۔'' (حصن)

جب چھینک آئے تو یوں کہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ''سب تعریف اللہ کے لئے ہے۔''

اس کو سن کر دوسرا مسلمان یوں کہے

یَرْحَمُکَ اللّٰہ ''اللہ تم پر رحم فرمائے۔''

اس کے جواب میں چھینکنے والا یوں کہے

یَھْدِیْکُمُ اللّٰہُ وَیُصْلِحُ بَالَکُمْ (مشکوٰۃ عن البخاری)

''اللہ تم کو ہدایت پر رکھے اور تمہارا حال سنوار دے۔'' (مشکوٰۃ عن البخاری)

فائدہ۔ چھینک جسے آئی ہو اگر وہ عورت ہو تو جواب دینے والا یرحمک اللہ کاف کے زیر کیساتھ کہے۔

فائدہ۔ اگر چھینکنے والا اَلْحَمْدُلِلّٰہِ نہ کہے تو اس کیلئے یَرْحَمُکَ اللّٰہِ کہنا واجب نہیں، اور اگر اَلْحَمْدُلِلّٰہِ کہے تو جواب دینا واجب ہے۔

فائدہ۔ چھینکنے والے کو زکام ہو یا اور کوئی تکلیف ہو جس سے چھینکیں آتی ہی چلی جائیں تو تین دفعہ کے بعد جواب دینا ضروری نہیں۔ (مرقات و عمل الیوم واللیلۃ، ابن السنی)

بدفالی لینا

کسی چیز یا کسی حالت کو دیکھ کر ہرگز بدفالی نہ کرے، اس کو حدیث شریف میں شرک فرمایا گیا ہے، اگر خواہ مخواہ بلا اختیار بدفالی کا خیال آجائے تو یہ دُعا پڑھے:۔

اَللّٰھُمَّ لَا یَاْتِیْ بِالْحَسَنَاتِ اِلَّا اَنْتَ وَلَا یَذْھَبُ بِالسَّیِّئَاتِ اِلَّا اَنْتَ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِکَ (حصن)

''اے اللہ بھلائیوں کو آپ ہی وجود دیتے ہیں، اور بدحالیوں کو صرف آپ ہی دور فرماتے ہیں، بُرائی سے بچانے اور نیکی پر لگانے کی طاقت صرف آپ ہی کو ہے۔'' (حصن)

جب آگ لگتی دیکھے

تو اللّٰہُ اَکْبَرُ کے ذریعہ بجھائے یعنی اللہ اکبر پڑھے جس سے وہ ان شاء اللہ تعالیٰ بجھ جائیگی، صاحب حصن حصین فرماتے ہیں کہ یہ مجرب ہے۔

جب کسی مریض کی مزاج پرسی کو جائے تو یوں کہے

لَا بَاْسَ طَھُوْرٌ اِنْ شَآءَ اللّٰہ (مشکوٰۃ)

''کچھ حرج نہیں ان شاء اللہ یہ بیماری تم کو گناہوں سے پاک کرنے والی ہے۔'' (مشکوٰۃ)

اور سات مرتبہ اس کے شفایاب ہونے کی یوں دُعا کرے

اَسْاَلُ اللّٰہَ الْعَظِیْمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ اَنْ یَّشْفِیَکَ

''میں اللہ سے سوال کرتا ہوں جو بڑا ہے اور بڑے عرش کا رب ہے کہ تجھے شفا دے۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سات مرتبہ اس کے پڑھنے سے مریض کو ضرور شفاء ہوگی، ہاں اگر اس کی موت ہی آ گئی ہو تو دوسری بات ہے۔ (مشکوٰۃ)

جب کوئی مصیبت پہنچے (اگرچہ کانٹا ہی لگ جائے) تو یہ پڑھے

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ اَللّٰھُمَّ اْجُرْنِیْ فِیْ مُصِیْبَتِیْ وَاخْلُفْ لِیْ خَیْرًا مِّنْھَا (مسلم)

''بے شک ہم اللہ ہی کے لئے ہیں اور ہم اللہ ہی کی طرف لوٹنے والے ہیں، اے اللہ! میری مصیبت میں اجر دے اور اس کے عوض مجھے اس سے اچھا بدل عنایت فرما۔'' (مسلم)

جب بدن میں کسی جگہ زخم ہو یا پھوڑا اپھنسی ہو

تو شہادت کی اُنگلی کو منہ کے لعاب میں بھر کر زمین پر رکھ دے، اور پھر اُٹھا کر تکلیف کی جگہ پر پھیرتے ہوئے یہ پڑھے۔

بِسْمِ اللّٰہِ تُرْبَۃُ اَرْضِنَا بِرِیْقَۃِ بَعْضِنَا لِیُشْفٰی سَقِیْمُنَا بِاِذْنِ رَبِّنَا (بخاری ومسلم)

''میں اللہ کے نام سے برکت حاصل کرتا ہوں، یہ ہماری زمین کی مٹی ہے جو ہم میں سے کسی کے تھوک میں ملی ہوئی ہے تاکہ ہمارے رب کے حکم سے شفاء ہو۔'' (بخاری ومسلم)

اگر کوئی چوپایہ (بیل بھینس وغیرہ) مریض ہو تو یہ پڑھے

لَا بَاْسَ اَذْھِبِ الْبَاْسَ رَبَّ النَّاسِ اِشْفِ اَنْتَ الشَّافِیْ لَا یَکْشِفُ الضُّرَّ اِلَّا اَنْتَ (حصن)

''کچھ ڈر نہیں ہے، اے لوگوں کے رب، دور فرما (اور) شفاء دے تو ہی شفاء دینے والا ہے، تیرے سوا کوئی تکلیف کو دور نہیں کر سکتا۔'' (حصن)

اس کو پڑھ کر چار مرتبہ چوپایہ کے داہنے نتھنے میں اور تین مرتبہ اس کے بائیں نتھنے میں دم کرے۔ (حصن حصین عن ابن ابی شیبۃ موقوفاً علی ابن مسعودؓ)

جس کی آنکھ میں درد یا تکلیف ہو تو یہ پڑھ کر دم کرے

بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰھُمَّ اَذْھِبْ حَرَّھَا وَبَرْدَھَا وَوَصَبَھَا

''میں اللہ کا نام لے کر دم کرتا ہوں، اے اللہ اس کی گرمی اور اس کی ٹھنڈک اور مرض کو دور فرما۔''

اس کے بعد یوں کہے قُمْ بِاِذْنِ اللّٰہِ (اللہ کے حکم سے کھڑا ہو) (حصن عن النسائی وغیرہ) بعض عالموں نے فرمایا ہے کہ نظر بد لگ جانے پر اس کو پڑھ کر دم کرے۔

آنکھ دُکھنے آ جائے تو یہ پڑھے

اَللّٰھُمَّ مَتِّعْنِیْ بِبَصَرِیْ وَاجْعَلْہُ الْوَارِثَ مِنِّیْ وَاَرِنِیْ فِی الْعَدُوِّ ثَارِیْ وَانْصُرْنِیْ عَلٰی مَنْ ظَلَمَنِیْ. (حصن)

''اے اللہ! میری بینائی سے مجھے نفع پہنچا اور میرے مرتے دم تک اسے باقی رکھ اور دشمن میں میرا انتقام مجھے دکھلا اور جس نے مجھ پر ظلم کیا اس کے مقابلہ میں میری مدد فرما۔'' (حصن)

جب اپنے جسم میں کوئی تکلیف ہو یا کوئی دوسرا مسلمان

کسی تکلیف میں مبتلا ہو تو یہ پڑھے:

رَبُّنَا اللّٰہُ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ تَقَدَّسَ اسْمُکَ اَمْرُکَ فِی السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ کَمَا رَحْمَتُکَ فِی السَّمَآءِ فَاجْعَلْ رَحْمَتَکَ فِی الْاَرْضِ اِغْفِرْلَنَا حُوْبَنَا وَخَطَایَانَا اَنْتَ رَبُّ الطَّیِّبِیْنَ اَنْزِلْ رَحْمَةً مِّنْ رَّحْمَتِکَ وَشِفَاءً مِّنْ شِفَائِکَ عَلٰی ھٰذَا الْوَجْعِ. (مشکوۃ)

''ہمارا رب وہ ہے جو آسمان میں (تصرف کرنے والا ہے، تیرا نام پاک ہے تیرا حکم آسمان اور زمین میں جاری ہے) جیسا کہ تیری رحمت آسمان میں ہے سو تو زمین میں بھی اپنی رحمت بھیج اور ہمارے گناہ اور ہماری خطائیں بخش دے تو پاکیزہ لوگوں کا رب ہے سو تو اپنی رحمتوں میں سے ایک رحمت اور اپنی شفاؤں میں سے ایک شفاء اس درد پر اتار دے۔'' (مشکوۃ)

فائدہ۔ جب کسی کو زہریلا جانور ڈس لے تو سات مرتبہ سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم کرے، (حصن)

فائدہ۔ جس کی عقل ٹھکانے نہ ہو تین روز تک سورۂ فاتحہ پڑھ کر اس پر تھتکار دے۔ (حصن)

جسے بخار چڑھ آئے یا کسی طرح کا کہیں درد ہو تو یہ دُعا پڑھے

بِسْمِ اللّٰہِ الْکَبِیْرِ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ مِنْ شَرِّ کُلِّ عِرْقٍ نَعَّارٍ وَمِنْ شَرِّ حَرِّ النَّارِ (ترمذی)

''اللہ کا نام لے کر شفاء چاہتا ہوں جو بڑا ہے میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں جو عظیم ہے، جوش مارتی ہوئی رگ کے شر سے اور آگ کی گرمی کے شر سے۔'' (ترمذی)

بچھو کا زہر اتارنے کے لئے

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بحالت نماز ایک مرتبہ بچھو نے ڈس لیا، آپؐ نے نماز سے فارغ ہو کر فرمایا کہ بچھو پر اللہ کی لعنت ہو نہ نماز پڑھنے والے کو چھوڑتا ہے نہ کسی دوسرے کو، اس کے بعد پانی اور نمک منگایا اور نمک کو پانی میں گھول کر ڈسنے کی جگہ پر پھیرتے رہے اور سورۂ قل یایھا الکفرون اور سورہ قل اعوذ برب الفلق، اور سورۂ قل اعوذ برب الناس پڑھتے رہے۔ (حصن حصین)

جلے ہوئے پر یہ پڑھ کر دم کرلے

اَذْھِبِ الْبَأْسَ رَبَّ النَّاسِ اِشْفِ اَنْتَ الشَّافِیْ لَا شَافِیَ اِلَّا اَنْتَ (حصن)

''اے سب انسانوں کے رب تکلیف کو دور فرما، تو شفا دینے والا ہے (کیونکہ) تیرے سوا کوئی شفا دینے والا نہیں۔'' (حصن)

دَم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ دونوں ہونٹوں کو ملا کر ذرا قریب کر کے اس طرح پھونک مارے کہ تھوک کے کچھ ذرات نکل جائیں جہاں دم کرنے کا ذکر ہے یہی مطلب سمجھنا چاہئے۔

اگر بدن میں کسی جگہ درد ہو یا کوئی اور تکلیف ہو تو تکلیف کی جگہ داہنا ہاتھ رکھ کر تین بار بسم اللہ کہے پھر سات بار یہ پڑھے:۔

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ وَقُدْرَتِہٖ مِنْ شَرِّ مَا اَجِدُ وَاُحَاذِرُ

''اللہ کی ذات اور اس کی قدرت کی پناہ لیتا ہوں اس چیز کے شر سے جس کی تکلیف پا رہا ہوں اور جس سے ڈر رہا ہوں۔'' (مسلم)

ہر مرض کو دور کرنے کے لئے

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ ہم میں سے جب کسی کو کوئی تکلیف ہوتی تھی تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تکلیف کی جگہ پر اپنا ہاتھ پھیرتے ہوئے یہ پڑھتے تھے:۔

اَذْھِبِ الْبَأْسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِیْ لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَائُکَ شِفَاءً لَا یُغَادِرُ سُقْمًا

''اے لوگوں کے رب تکلیف دور فرما اور شفاء دے تو ہی شفاء دینے والا ہے، تیری شفاء کے علاوہ کوئی شفاء نہیں ہے، ایسی شفاء دے جو ذرا مرض نہ چھوڑے۔'' (مشکوٰۃ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب علیل ہوتے تھے تو معوذات پڑھ کر اپنے ہاتھ پر دم فرماتے پھر سارے بدن پر ہاتھ پھیرتے تھے اور جس مرض میں آپؐ کی وفات ہوئی ہے اس میں معوذتین پڑھ کر میں آپؐ کے ہاتھ پر دم کرتی تھی، پھر آپؐ کے اس ہاتھ کو آپؐ کے (تمام بدن پر) پھیرتی تھی۔ (بخاری ومسلم)

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گھر میں جب کوئی بیمار ہوتا تھا تو آپؐ اس پر معوذات پڑھ کر دم فرماتے تھے۔ (مشکوٰۃ)

بچہ کو مرض یا کسی شر سے بچانے کے لئے

اُعِیْذُکَ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّآمَّۃِ مِنْ کُلِّ شَیْطَانٍ وَّھَامَّۃٍ وَّمِنْ کُلِّ عَیْنٍ لَّامَّۃٍ

''میں اللہ کے پورے کلموں کے واسطہ سے ہر شیطان اور زہریلے جانور اور ضرر پہنچانے والی ہر آنکھ کے شر سے پناہ چاہتا ہوں۔'' (بخاری)

مریض کے پڑھنے کے لئے

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو مسلمان مرض کی حالت میں اللہ تعالیٰ کو ان الفاظ میں، چالیس مرتبہ پکارے

لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَکَ. اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ

''تیرے سوا کوئی معبود نہیں (اے اللہ) میں تیری پاکی بیان کرتا ہوں، بے شک میں (گناہ کر کے اپنی جان پر) ظلم کرنے والوں میں سے ہوں۔'' اور پھر اسی مرض میں مر جائے تو اسے شہید کا ثواب دیا جائے گا اور اگر اچھا ہو گیا تو اس حال میں اچھا ہوگا کہ اس کے سب گناہ معاف ہو چکے ہوں گے۔ (مستدرک)

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اپنے مرض میں یہ پڑھا:

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ

''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ تنہا ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ

تنہا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اسی کے لئے ملک ہے اور اسی کیلئے حمد ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور گناہوں سے بچانے اور نیکیوں پر لگانے کی طاقت اللہ ہی کو ہے۔''

اور اسی مرض میں اسکی موت آ گئی تو دوزخ کی آگ اُسے نہ جلائے گی۔ (حصن حصین عن الترمذی)

اگر زندگی سے عاجز آجائے

اور تکلیف کی وجہ سے جینا بُرا معلوم ہو تو موت کی تمنا اور دُعا ہرگز نہ کرے، اگر دُعا مانگنا ہی ہو تو یوں مانگے:

اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِیْ مَا كَانَتِ الْحَيٰوةُ خَيْرًا لِّیْ وَتَوَفَّنِیْ مَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِّیْ

''اے اللہ! تو مجھے زندہ رکھ جب تک کہ زندگی میرے لئے بہتر ہو، اور جب میرے لئے موت بہتر ہو تو مجھے اٹھا لیجیو۔'' (مشکوٰۃ)

جب موت قریب معلوم ہونے لگے تو یوں دُعا کرے

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وَاَلْحِقْنِیْ بِالرَّفِيْقِ الْاَعْلٰى (حصن حصین)

''اے اللہ! مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما اور مجھے اوپر والے ساتھیوں میں پہنچا دے۔'' (حصن حصین)

اپنی جانکنی کے وقت یہ دُعا کرے

اَللّٰهُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰى غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَسَكَرَاتِ الْمَوْتِ

''اے اللہ موت کی سختیوں کے مقابلہ میں میری مدد فرما۔'' (ترمذی)

فائدہ:۔ موت کے وقت مرنے والے کا چہرہ قبلہ کی طرف کر دیا جائے اور جو مسلمان وہاں موجود ہو مرنے والے کو لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی تلقین کرے، یعنی اس کے سامنے بلند آواز سے کلمہ پڑھے تا کہ وہ سن کر کلمہ پڑھ لے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جس کا آخری کلام لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہو وہ داخل جنت ہوگا۔ (حصن حصین) یعنی گناہوں کی وجہ سے سزا پانے سے بچ جائے گا، اور داخلہ جنت میں رکاوٹ نہ بنے گی۔

جانکنی کے وقت حاضرین میں سے کوئی شخص سورۂ یٰسین شریف پڑھ دے (اس سے جانکنی میں آسانی ہو جاتی ہے۔ (حصن حصین مع الحاشیہ)

روح نکل جانے کے بعد میت کی آنکھیں بند کر کے یہ پڑھے

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِفُلَانٍ وَارْفَعْ دَرَجَتَهٗ فِی الْمَهْدِيِّيْنَ وَاخْلُفْهُ فِیْ عَقِبِهٖ فِی الْغَابِرِيْنَ وَاغْفِرْلَنَا وَلَهٗ يَارَبَّ الْعٰلَمِيْنَ وَافْسَحْ لَهٗ فِیْ قَبْرِهٖ وَنَوِّرْ لَهٗ فِيْهِ

''اے اللہ اسکو بخش دے اور ہدایت یافتہ بندوں میں (شامل فرما کر) اسکا درجہ بلند فرما اور اسکے پسماندگان میں تو اس کا خلیفہ ہو جا اور اے رب العالمین ہمیں اور اسے بخش دے اور اسکی قبر کو کشادہ اور منور فرما۔''

یہ دُعا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو سلمہؓ کی موت کے بعد ان کی آنکھیں بند فرما کر پڑھی تھی، اور

فلاں کی جگہ ان کا نام لیا تھا۔ (مشکوۃ عن المسلم)

جب کوئی شخص کسی مسلمان کیلئے یہ دُعا پڑھے تو فلاں کی جگہ اسکا نام لے، اور نام سے پہلے زیر والا لام لگادے۔

میت کے گھرانے کا ہر آدمی اپنے لئے یوں دُعا کرے

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَلَہٗ وَاَعْقِبْنِیْ مِنْہُ عُقْبٰی حَسَنَۃً

اے اللہ مجھے اور اسے بخش دے اور مجھے اس کا نعم البدل عطا فرما۔

میت کو تختہ پر رکھتے ہوئے یا جنازہ اٹھاتے ہوئے بسم اللہ کہے۔ (ابن ابی شیبۃ موقوفاً عن علی ابن عمرؓ (حصن)

جب کسی کا بچہ فوت ہوجائے

تو اَلْحَمْدُلِلّٰہِ، کہے اور اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھے، ایسا کرنے سے اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ میرے بندے کیلئے جنت میں ایک گھر بنادو اور اس کا نام بیت الحمد رکھو۔ (حصن عن الترمذی)

جب کسی کی تعزیت کرے تو سلام کے بعد یوں سمجھائے

اِنَّ لِلّٰہِ مَا اَخَذَ وَلَہٗ معا اَعْطٰی وَکُلٌّ عِنْدَہٗ بِاَجَلٍ مُّسَمًّی فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ

''بے شک جو اللہ نے لے لیا وہ اسی کا ہے اور جو اس نے دیا وہ اسی کا ہے اور ہر ایک کا اس کے پاس وقت مقرر ہے (جو بے صبری یا کسی تدبیر سے بدل نہیں سکتا) لہٰذا صبر کرنا چاہئے اور ثواب کی امید رکھنی چاہئے۔''

ان الفاظ کے ذریعہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو تسلی دی تھی۔ (بخاری)

تمام اموات مسلمین و مسلمات کے لئے اور خاص کر اپنے والدین کے لئے دُعاء مغفرت کیا کرے، اس سے ان کو بہت فائدہ ہوتا ہے۔



وہ دعائیں جن میں اللہ سے پناہ مانگی گئی ہے

ذخیرۂ حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو دعائیں ماثور و منقول ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف اوقات میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں خود کیں یا امت کو ان کی تعلیم و تلقین فرمائی ان میں زیادہ تر وہ ہیں جن میں اللہ تعالیٰ سے کسی دنیوی یا اُخروی، روحانی یا جسمانی، انفرادی یا اجتماعی نعمت اور بھلائی کا سوال کیا گیا ہے اور مثبت طور پر کسی حاجت اور ضرورت کے لئے استدعا کی گئی ہے جو دعائیں اس سلسلہ میں اب تک درج ہو چکی ہیں وہ سب اسی قبیل کی تھیں۔ ان کے علاوہ بہت سی ایسی دعائیں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہیں جن میں کسی خیر و نعمت اور کسی مثبت حاجت و ضرورت کے سوال کے بجائے دنیا یا آخرت کے کسی شر سے اور کسی بلا اور آفت سے پناہ مانگی گئی ہے اور حفاظت و بچاؤ کی استدعا کی گئی ہے۔ پھر جس طرح پہلی قسم کی دعاؤں کو مجموعی طور پر سامنے رکھ کر یہ کہنا برحق ہے کہ دنیا اور آخرت کی کوئی خیر اور بھلائی اور کوئی حاجت و ضرورت ایسی نہیں ہے جس کی دعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے نہ کی ہو، اور امت کو تلقین نہ فرمائی ہو۔ اسی طرح دوسری قسم کی دعاؤں کو پیش نظر رکھ کر یہ کہنا بھی بالکل صحیح ہے کہ دنیا اور آخرت کا کوئی شر، کوئی فساد، کوئی فتنہ اور کوئی بلا اور آفت اس عالم وجود میں ایسی نہیں ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی پناہ نہ مانگی ہو اور امت کو اس کی تلقین نہ فرمائی ہو۔ غور کرنے اور سمجھنے والوں کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نہایت روشن معجزہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعائیں انسانوں کی دنیوی و اخروی، روحانی اور جسمانی، انفرادی اور اجتماعی ظاہری اور باطنی، مثبت اور منفی ساری ہی حاجتوں اور ضرورتوں پر حاوی ہیں اور کوئی خفی سے خفی اور دقیق سے دقیق حاجت نہیں بتائی جا سکتی جس کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہتر سے بہتر پیرائے میں اللہ تعالیٰ سے نہ مانگا ہو اور امت کو اس کے مانگنے کا طریقہ نہ سکھایا ہو۔ قرآن مجید میں بھی ان دونوں ہی قسموں کی یعنی مثبت اور منفی دعائیں موجود ہیں اور بالکل آخر کی دو مستقل سورتیں "قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ." اور "قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ." اول سے آخر تک منفی قسم کی دعا یعنی استعاذہ ہی پر مشتمل ہیں اور اسی لئے ان کو "معوذتین" کہا جاتا ہے اور ان ہی پر قرآن مجید ختم ہوا ہے۔

قرآن پاک کے اس طریقے ہی کی پیروی میں یہ مناسب سمجھا گیا کہ جو احادیث ایسی دعاؤں پر مشتمل ہیں جن میں شرور اور فتن بلیات سے اور برے اعمال و اخلاق اور ہر قسم کی ناپسندیدہ باتوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی گئی ہے، ان کو آخر میں درج کیا جائے اور ان ہی کو اس سلسلہ کا خاتمہ بنایا جائے۔ اب ذیل میں وہی حدیثیں پڑھئے:

عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم تَعَوَّذُوْا بِاللهِ مِنْ جَهْدِ الْبَلَاءِ وَدَرْكِ الشِّقَاءِ وَسُوْءِ الْقَضَاءِ وَشَمَاتَةِ الْاَعْدَاءِ. (رواه البخاری ومسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اللہ کی پناہ مانگو بلاؤں کی سختی سے اور بدبختی کے لاحق ہونے سے اور بری تقدیر سے اور دشمنوں کی شماتت سے۔" (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح...... اس حدیث میں بظاہر تو چار چیزوں سے پناہ مانگنے کی تلقین فرمائی گئی ہے، لیکن فی الحقیقت دنیا اور آخرت کی کوئی برائی اور کوئی تکلیف اور کوئی مصیبت اور کوئی پریشانی ایسی نہیں سوچی جاسکتی جو ان چار عنوانوں کے احاطہ سے باہر ہو۔ ان میں سب سے پہلی چیز ہے: "جَهْدُ الْبَلَاءِ" (کسی بلا کی مشقت اور سختی) بلا ہر اس حالت کا نام ہے جو انسان کے لئے باعث تکلیف اور موجب پریشانی ہو، اور جس میں اس کی آزمائش ہو، یہ دنیوی بھی ہوسکتی ہے اور دینی بھی، روحانی بھی ہوسکتی ہے اور جسمانی بھی، انفرادی بھی ہوسکتی ہے اور اجتماعی بھی۔ الغرض یہ ایک ہی لفظ تمام مصائب وتکالیف اور آفات وبلیات کو حاوی ہے۔ اس کے بعد دوسری چیز جس میں پناہ مانگنے کی اس حدیث میں تلقین فرمائی گئی ہے، وہ ہے "دَرْکُ الشَّقَاءِ" (بدبختی کا لاحق ہونا) اور تیسری چیز ہے: "سُوْءُ الْقَضَاءِ" (بری تقدیر) ان دونوں کی جامعیت بھی بالکل ظاہر ہے، جس بندے کو ہر نوع کی بدبختی سے اور بری تقدیر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ اور حفاظت حاصل ہوگئی بلاشبہ اسے سب کچھ مل گیا۔ آخری چیز جس سے پناہ مانگنے کی اس حدیث میں تلقین فرمائی گئی ہے وہ ہے "شَمَاتَةُ الْاَعْدَاءِ" (یعنی کسی مصیبت اور ناکامی پر دشمنوں کا ہنسنا) بلاشبہ دشمنوں کی شماتت اور طعنہ زنی بعض اوقات بڑی روحانی تکلیف واذیت کا باعث ہوتی ہے، اس لئے اس سے خصوصیت کے ساتھ پناہ مانگنے کے لئے فرمایا، اگرچہ اس سے پہلے تین جامع عنوانات اس کو بھی حاوی تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کی تعمیل میں ان چاروں چیزوں سے پناہ مانگنے کیلئے صحیح اور مناسب الفاظ یہ ہوں گے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ جَهْدِ الْبَلَاءِ وَدَرْکِ الشِّقَاءِ وَسُوْءِ الْقَضَاءِ وَشَمَاتَةِ الْاَعْدَاءِ."

اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں بلا کی سختی سے اور بدبختی لاحق ہونے سے اور بری تقدیر سے اور دشمنوں کے ہنسنے اور ان کی طعنہ زنی سے۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صلی الله علیه و آله وسلم یقول "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحُزْنِ وَالْعَجْزِ وَالْکَسَلِ وَالْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَضَلَعِ الدَّیْنِ وَغَلَبَةِ الرِّجَالِ." (رواه البخاری ومسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس طرح دعا کیا کرتے تھے: "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْهَمِّ. تاغَلَبَةِ الرِّجَالِ." (اے میرے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں فکر سے اور غم سے اور کم ہمتی اور کاہلی و بزدلی سے اور بخیلی و کنجوسی اور قرضہ کے بار سے اور لوگوں کے دباؤ سے)۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح...... اس دعا میں جن آٹھ چیزوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی گئی ہے، ان میں سے چار (فکر وغم، قرضہ کا بار اور مخالفین کا غلبہ) ایسی چیزیں ہیں جو حساس وصاحب شعور آدمی کے لئے زندگی کے لطف سے محرومی اور سخت روحانی اذیت کا باعث ہوتی ہیں اور اس کی قوت کار اور صلاحیتوں کو معطل کرکے رکھ دیتی ہیں جس کے نتیجہ میں وہ دنیا اور آخرت کی بہت سی کامیابیوں اور سعادتوں سے محروم رہ جاتا ہے۔ اور باقی چار (کم ہمتی، کاہلی، کنجوسی اور بزدلی) ایسی کمزوریاں ہیں جن کی وجہ سے آدمی وہ جرأت مندانہ اقدامات اور محنت وقربانی والے وہ اعمال نہیں کرسکتا جن کے بغیر نہ دنیا میں کامرانی حاصل کی جاسکتی ہے اور نہ آخرت میں فوز و

فلاح اور نہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا مقام حاصل ہوسکتا ہے۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سب چیزوں سے اللہ کی پناہ چاہتے تھے اور اپنے عمل سے اُمت کو بھی اس کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وآله وسلم يَقُوْلُ "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْكَسَلِ وَالْهَرَمِ وَالْمَغْرَمِ وَالْمَاْثَمِ، اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ عَذَابِ النَّارِ وَفِتْنَةِ النَّارِ وَفِتْنَةِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْغِنٰى وَمِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْفَقْرِ وَمِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ، اَللّٰهُمَّ اغْسِلْ خَطَايَایَ بِمَاءِ الثَّلْجِ وَالْبَرْدِ وَنَقِّ قَلْبِیْ كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْاَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ وَبَاعِدْ بَيْنِیْ وَبَيْنَ خَطَايَایَ كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ." (رواه البخاری ومسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعا کیا کرتے تھے: "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْكَسَلِ تا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ." (اے میرے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں سستی، کاہلی سے اور انتہائی بڑھاپے سے (جو آدمی کو بالکل ہی از کار رفتہ کردے) اور قرضہ کے بوجھ سے اور ہر گناہ سے۔ اے میرے اللہ! میں تیری پناہ لیتا ہوں دوزخ کے عذاب سے اور دوزخ کے فتنہ سے اور فتنہ قبر سے، اور عذاب قبر سے اور دولت وثروت کے فتنہ کے شر سے اور مفلسی محتاجی کے فتنہ کے شر سے اور فتنہ دجال کے شر سے۔ اے میرے اللہ! میرے گناہوں کے اثرات دھودے اولے اور برف کے پانی سے اور میرے دل کو (گندے اعمال واخلاق کی گندگیوں سے) اس طرح پاک صاف کردے جس طرح سفید کپڑا میل کچیل سے صاف کیا جاتا ہے، اور میری اور گناہوں کے درمیان اتنی دوری پیدا کردے جتنی دوری تو نے مشرق ومغرب کے درمیان کردی ہے۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح...... اس دعا میں علاوہ اور چیزوں کے "ھرم" یعنی بڑھاپے سے بھی پناہ مانگی گئی ہے۔ عمر کی اس حد تک درازی کہ ہوش وحواس صحیح سالم رہیں (اور آخرت کی کمائی کا سلسلہ جاری رہے) اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے، لیکن ایسا بڑھاپا جو بالکل ہی از کار رفتہ کردے جس کو قرآن پاک میں "اَرْذَلِ الْعُمُرِ" فرمایا گیا ہے۔ ایسی ہی چیز ہے جس سے اللہ کی پناہ مانگی جائے "ھَرَم" بڑھاپے کا وہی درجہ ہے۔

اس دعا میں "عذاب نار" کے ساتھ "فتنہ نار" سے اور "عذاب قبر" کے ساتھ "فتنہ قبر" سے بھی پناہ مانگی گئی ہے۔ عذاب نار سے مراد بظاہر دوزخ کا وہ عذاب ہے جو ان دوزخیوں کو ہوگا جو کفر وشرک جیسے سنگین جرائم کی وجہ سے دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔ اسی طرح عذاب قبر سے مراد بظاہر قبر کا وہ عذاب ہے جو اسی طرح کے بڑے مجرموں کو قبر میں ہوگا۔ لیکن جو ان سے کم درجہ کے مجرمین ہیں ان کو اگرچہ دوزخیوں کی طرح دوزخ میں نہیں ڈالا جائے گا اور قبر میں بھی ان پر درجہ اول کے ان مجرمین والا وہ سخت عذاب مسلط نہیں کیا جائے گا، لیکن دوزخ اور قبر کی کچھ تکلیفوں سے ان لوگوں کو بھی گزرنا پڑے گا اور بس یہی سزا ان کے لئے کافی ہوگی۔ اس عاجز کے نزدیک "فتنہ نار" اور "عذاب قبر" کے ساتھ اس "فتنہ نار" اور "فتنہ قبر" سے بھی پناہ چاہی اور اپنے عمل سے ہم کو بھی اس کی تلقین فرمائی ہے۔

دجال کا فتنہ بھی ان عظیم ترین فتنوں میں سے ہے جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بکثرت پناہ مانگتے تھے، اور اہل ایمان کو اس کی تلقین فرماتے تھے۔ اللہ تعالیٰ دجال اکبر کے فتنہ سے (جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی ہے) اور

ہر دجالی فتنہ سے اپنی پناہ میں رکھے، اور مرتے دم تک ایمان واسلام پر ثابت قدم رکھے۔

اس دعا میں دولت مندی کے فتنہ سے اور اس کے ساتھ فقر ومحتاجی کے فتنہ سے بھی اللہ کی پناہ مانگی گئی ہے۔ دولت وثروت بذات خود کوئی بری چیز نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے، اگر اس کا حق ادا کرنے اور اس کو صحیح طور پر استعمال کرنے کی توفیق ملے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی دولت ہی سے وہ مقام پایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے بارے میں اعلان فرمایا کہ: ''عثمان اس کے بعد جیسا بھی عمل کریں ان پر کوئی عتاب نہ ہوگا اور ان سے کوئی باز پرس نہ ہوگی (مَا عَلٰى عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ هٰذَا مَرَّتَيْنِ)'' (۱) اسی طرح فقر کے ساتھ اگر صبر وقناعت نصیب ہو تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اپنے لئے اور اپنے گھر والوں کے لئے فقر ہی کی زندگی پسند فرمائی اور فقر اور اہل فقر کے بڑے فضائل بیان فرمائے۔ لیکن اگر بدقسمتی سے دولت مندی وخوش حالی تکبر وغرور پیدا کرے اور مال ودولت کے صحیح استعمال کی توفیق نہ ملے تو پھر وہ قارونیت ہے اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اسی طرح اگر فقر ومحتاجی کے ساتھ صبر وقناعت نہ ہو اور اس کی وجہ سے آدمی ناکردنی کرنے لگے تو وہ خدا کا ایک عذاب ہے، اور اسی کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''كَادَ الْفَقْرُ اَنْ يَّكُوْنَ كُفْرًا.'' (محتاجی اور مفلسی آدمی کو کفر تک بھی پہنچا سکتی ہے) اس دعا میں غنا اور فقر (دولت مندی اور ناداری) کے جس شر وفتنہ سے پناہ مانگی گئی ہے وہ یہی ہے، اور وہ ایسی ہی چیز ہے کہ اس سے ہزار بار پناہ مانگی جائے۔

اس دعا کے آخر میں گناہوں کے اثرات دھونے کی اور دل کی صفائی کی اور گناہوں سے بہت دور کئے جانے کی جو دعا کی گئی ہے وہ اگرچہ بظاہر مثبت دعاؤں میں سے ہے، لیکن غور کیا جائے تو وہ بھی ایک طرح کہ سلبی دعا ہے اور گویا استعاذہ ہی ہے۔

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم كَانَ يَقُوْلُ "اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الشِّقَاقِ وَالنِّفَاقِ وَسُوْءِ الْاَخْلَاقِ." (رواه ابوداؤد والنسائى)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعا کیا کرتے تھے: ''اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الشِّقَاقِ وَالنِّفَاقِ وَسُوْءِ الْاَخْلَاقِ.'' (اے میرے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں۔ شقاق یعنی آپس کے سخت اختلاف اور نفاق سے اور برے اخلاق سے)۔ (سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

تشریح...... ''شقاق'' اس شدید اختلاف کو کہتے ہیں جس کے نتیجہ میں فریقین ایک دوسرے سے بالکل جدا ہو جائیں اور ان کی راہیں الگ الگ ہو جائیں۔ نفاق کے معنی ہیں ظاہر وباطن کا فرق، یہ اعتقادی نفاق کے علاوہ عملی زندگی میں منافقانہ رویہ کو بھی شامل ہے، یہ تینوں چیزیں جن سے اس دعا میں اللہ کی پناہ چاہی گئی ہے (یعنی خلاف وشقاق، نفاق اور برے اخلاق) آدمی کے دین کو بلکہ اس کی دنیا کو بھی برباد کر دیتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگرچہ معصوم اور قطعاً محفوظ تھے لیکن اس کے باوجود ان مہلکات کی ہلاکت خیزی ہی کی وجہ سے ان سے اللہ کی پناہ مانگتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ان چیزوں سے اپنے کو محفوظ رکھنے کی اتنی فکر کریں جتنی ایک مؤمن کو ہونی چاہئے اور ہمیشہ ان سے اللہ کی پناہ مانگتے رہیں۔

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم كَانَ يَقُوْلُ "اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُبِكَ من

الجوع فَإِنَّهُ بِئْسَ الضَّجِيْعُ وَاَعُوْذُبِکَ مِنَ الْخِيَانَةِ فَإِنَّهَا بِئْسَتِ الْبِطَانَةُ." (رواه ابو داؤد والنسائی وابن ماجه)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعا کیا کرتے تھے: "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ من الجوع تا بِئْسَتِ الْبِطَانَةُ." (اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں بھوک اور فاقہ سے، وہ بڑا تکلیف دہ رفیق خواب ہے اور خیانت کے جرم سے، وہ بہت بری ہمراز ہے۔) (سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

تشریح...... جب آدمی کو بھوک اور فاقہ کی تکلیف ہو تو نیند نہیں آتی، بس اسی احساس کے ساتھ کروٹیں بدلتا رہتا ہے۔ اسی لحاظ سے بھوک کو "رفیق خواب" (یعنی بستر کا ساتھی) کہا گیا ہے۔ اور خیانت ہمیشہ چوری چھپے ہی کی جاتی ہے اور اس کا راز بس خیانت کرنے والے ہی کو معلوم ہوتا ہے، اس لئے خیانت کو "بِطَانَةٌ" (ہمراز) کہا گیا ہے۔

بھوک اور خیانت جیسی چیزوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پناہ مانگنا کمال عبدیت کا وہ آخری اور انتہائی مقام ہے جو بلاشبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طرۂ امتیاز ہے اور اس میں ہمارے لئے بڑا اسبق ہے۔

عَنْ اَبِی الْيُسْرِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی الله عليه وآله وسلم كَانَ يَدْعُوْ "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْهَدْمِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنَ التَّرَدِّیْ وَمِنَ الْغَرَقِ وَالْحَرَقِ وَالْهَرَمِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ اَنْ يَّتَخَبَّطَنِیَ الشَّيْطَانُ عِنْدَالْمَوْتِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ اَنْ اَمُوْتَ فِیْ سَبِيْلِکَ مُدْبِرًا وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ اَنْ اَمُوْتَ لَدِيْغًا." (رواه ابو داؤد والنسائی)

ابوالیسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعا کیا کرتے تھے: "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ تا وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ اَنْ اَمُوْتَ لَدِيْغًا." (اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں (اپنے اوپر کسی عمارت وغیرہ کے) ڈھے جانے سے اور (کسی بلندی کے اوپر سے) گر پڑنے سے اور (دریا وغیرہ میں) ڈوب جانے سے اور آگ میں جل جانے سے اور انتہائی بڑھاپے سے، اور تیری پناہ چاہتا ہوں، اس بات سے کہ موت کے وقت شیطان مجھے وسوسوں میں مبتلا کر دے اور تیری پناہ چاہتا ہوں اس سے کہ میں میدان جہاد میں پیٹھ پھیر کر بھاگتا ہوا مروں، اور پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ کسی زہریلے جانور کے ڈسنے سے مجھے موت آجائے)۔ (سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

تشریح...... کسی دیوار وغیرہ کے نیچے دب کر مر جانا، اور اسی طرح کسی بلندی سے نیچے گر کر، یا دریا وغیرہ میں ڈوب کے، یا آگ میں جل کر یا کسی زہریلے جانور سانپ وغیرہ کے ڈسنے سے ختم ہو جانا، یہ سب صورتیں مفاجاتی اور ناگہانی موت کی ہیں۔ علاوہ اس کے کہ انسانی روح موت کی ان سب صورتوں سے فطری طور پر بہت زیادہ گھبراتی ہے، ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ان صورتوں میں مرنے والے کو موت کی تیاری، تجدید ایمان اور توبہ واستغفار وغیرہ کا موقع نہیں ملتا (جو موت کی دوسری عام شکلوں میں عموماً مل جاتا ہے) اس لئے ایک مؤمن کو موت کی ان سب ناگہانی صورتوں سے پناہ ہی مانگنا چاہئے۔ اسی طرح اس سے بھی پناہ مانگنا چاہئے کہ میدان جہاد میں پیٹھ پھیر کر بھاگتے ہوئے موت آئے، اللہ کی نگاہ میں یہ نہایت سنگین جرم ہے، علیٰ ہذا اس سے بھی پناہ مانگتے رہنا چاہئے کہ موت کے وقت شیطان وسوسہ اندازی کے ذریعہ ہم کو گڑبڑا سکے اور گمراہ کر سکے۔ خاتمہ ہی کے اچھے یا برے ہونے پر سارا دارومدار ہے۔

موت کی جن ناگہانی صورتوں سے اس دعا میں پناہ مانگی گئی ہے دوسری حدیثوں میں اس قسم کے حوادث سے مرنے والوں کو شہادت کی بشارت سنائی گئی ہے اور ان کو شہید قرار دیا گیا۔ ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد اور منافات نہیں ہے۔ اپنی بشری کمزوری کے

لحاظ سے موت کی ان سب صورتوں سے ہمیں اللہ کی پناہ مانگنی چاہئے لیکن جب تقدیر الٰہی سے کسی بندے کو اس طرح سے موت آ جائے تو ارحم الراحمین کی رحمت پر نگاہ رکھتے ہوئے توقع رکھنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اس مفاجاتی موت، ہی کی وجہ سے اس کو "اعزازی شہادت" کا مقام عطا فرمائیگا۔ اور اگر عقائد و اعمال کے حساب سے کچھ بھی گنجائش ہوگی تو یقیناً رب کریم کی طرف سے ایسا ہی ہوگا۔ "انہ غفور رحیم"۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صلی الله علیه و آله وسلم يَقُوْلُ "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ مَا عَمِلْتُ وَمِنْ شَرِّ مَالَمْ اَعْمَلْ." (رواه مسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعا کیا کرتے تھے: "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ مَا عَمِلْتُ وَمِنْ شَرِّ مَالَمْ اَعْمَلْ." (اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں ان اعمال کے شر سے جو میں نے کئے ہیں اور ان اعمال کے شر سے جو میں نے نہیں کئے۔) (صحیح مسلم)

تشریح...... کسی برے عمل کا سرزد ہو جانا اور اسی طرح کسی اچھے عمل کا فوت ہو جانا، دونوں ایسی چیزیں ہیں جن کے شر سے ہم جیسے عامی بھی پناہ مانگتے ہیں، لیکن عارفین اچھے سے اچھے عمل کرنے اور برے اور گندے اعمال سے دامن بچانے کے بعد بھی ڈرتے ہیں کہ کہیں ہمارے اندر اس کی وجہ سے عجب وغرور اور نیکی و پاکدامنی کا پندار نہ پیدا ہو جائے (جو اللہ کی نگاہ میں جرمِ عظیم ہے) اس لئے وہ اپنے اچھے اعمال کے شر اور برے اعمال کے ترک کے شر سے بھی اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔ سچ ہے "حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقَرَّبِيْنَ."

توبہ واستغفار کے باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اُسوۂ حسنہ

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی الله علیه و آله وسلم وَاللهِ اِنِّیْ لَاَسْتَغْفِرُ اللهَ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ فِی الْيَوْمِ اَكْثَرَ مِنْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً. (رواه البخاری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "خدا کی قسم میں دن میں ستر دفعہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں توبہ واستغفار کرتا ہوں۔" (صحیح بخاری)

تشریح...... اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی اور جلال و جبروت کے بارے میں جس بندے کو جس درجہ کا شعور و احساس ہوگا وہ اسی درجہ میں اپنے آپ کو اداء حقوق عبودیت میں قصوروار سمجھے گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چونکہ یہ چیز بدرجہ کمال حاصل تھی اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ احساس غالب رہتا تھا کہ عبودیت کا حق ادا نہ ہو سکا اسی واسطے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بار بار اور مسلسل توبہ واستغفار فرماتے تھے۔ اور اس کا اظہار فرما کر دوسروں کو بھی اس کی تلقین فرماتے تھے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اِنَّا كُنَّا لَنَعُدُّ لِرَسُوْلِ اللهِ صلی الله علیه و آله وسلم فِی الْمَجْلِسِ يَقُوْلُ رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَتُبْ عَلَیَّ اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الْغَفُوْرُ مِائَةَ مَرَّةٍ. (رواه احمد والترمذی وابوداؤد وابن ماجه)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک ایک نشست میں شمار کر لیتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سو سو دفعہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کرتے تھے: "رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَتُبْ عَلَیَّ اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الْغَفُوْرُ." (اے میرے رب مجھے معاف کردے، بخش دے اور میری توبہ قبول فرما کر مجھ پر عنایت فرما، بے شک

تو بہت ہی عنایت فرمانے اور بہت ہی بخشنے والا ہے۔) (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

تشریح...... حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے اس بیان کا مطلب یہ نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بطور وردو وظیفہ کے استغفار و توبہ کا یہ کلمہ ایک نشست میں سو دفعہ پڑھتے تھے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجلس میں تشریف فرما ہوتے، ہم لوگ بھی حاضر رہتے، بات چیت کا سلسلہ بھی جاری رہتا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی درمیان میں بار بار اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر ان کلمات کے ساتھ استغفار و توبہ بھی کرتے رہتے، اور ہم اپنے طور پر اس کو شمار کرتے رہتے تو معلوم ہوتا کہ ایک نشست میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سو دفعہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں یہ عرض کیا۔ واللہ اعلم

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صلی الله علیه وآله وسلم کَانَ یَقُوْلُ "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ الَّذِیْنَ اِذَا اَحْسَنُوْا اِسْتَبْشَرُوْا وَاِذَا اَسَاؤُا اسْتَغْفَرُوْا." (رواه ابن ماجه والبیهقی فی الدعوات الکبیر)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعا فرمایا کرتے تھے: "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ الَّذِیْنَ اِذَا اَحْسَنُوْا اِسْتَبْشَرُوْا وَاِذَا اَسَاؤُا اسْتَغْفَرُوْا." (اے اللہ! مجھے اپنے ان بندوں میں سے کردے جو نیکی کریں تو خوش ہوں اور ان سے جب کوئی غلطی اور برائی سرزد ہو جائے تو تیرے حضور میں استغفار کریں)۔ (سنن ابن ماجہ، دعوات کبیر للبیہقی)

تشریح...... کسی بندے کو ان اچھے اعمال کی توفیق ملنا جن کے صلہ میں جنت اور رضائے الٰہی کا وعدہ ہے اس بات کی علامت اور نشانی ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی نظر عنایت ہے، اسلئے اس کا حق ہے اور اس کو چاہئے کہ وہ اعمال حسنہ کی اس توفیق پر خوش ہو اور شکر ادا کرے۔ قرآن پاک میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

قُلْ بِفَضْلِ اللهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِکَ فَلْیَفْرَحُوْا.

اللہ کے فضل اور اس کی رحمت وعنایت پر اس کے بندوں کو خوش ہونا چاہئے۔

اسی طرح جب کسی بندے سے کوئی چھوٹی بڑی معصیت یا لغزش ہو جائے تو اسے اس کا رنج اور دکھ ہونا چاہئے اور فوراً اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا چاہئے۔ جس بندے کو یہ دونوں باتیں حاصل ہوں وہ بڑا خوش نصیب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود اپنے لئے دعا فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی یہ دونوں باتیں نصیب فرمائے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی الله علیه وآله وسلم اِنَّ الْمُؤْمِنَ اِذَا اَذْنَبَ کَانَتْ نُکْتَةٌ سَوْدَاءُ فِیْ قَلْبِهٖ فَاِنْ تَابَ وَاسْتَغْفَرَ صُقِلَ قَلْبُهٗ وَاِنْ زَادَ زَادَتْ حَتّٰی تَعْلُوْا قَلْبَهٗ فَذٰلِکُمُ الرَّانُ الَّذِیْ ذَکَرَ اللهُ تَعَالٰی "کَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ مَّا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ." (رواه احمد والترمذی وابن ماجه)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مؤمن بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے نتیجہ میں اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ لگ جاتا ہے، پھر اگر اس نے اس گناہ سے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں معافی اور بخشش کی التجا و استدعا کی تو وہ سیاہ نقطہ زائل ہو کر قلب صاف ہو جاتا ہے اور اگر اس نے گناہ کے بعد توبہ واستغفار کے بجائے مزید گناہ کئے اور گناہوں کی وادی میں قدم بڑھائے تو دل کی وہ سیاہی اور بڑھ جاتی ہے، یہاں تک کہ قلب پر چھا جاتی

ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: یہی وہ زنگ اور سیاہی ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ذکر فرمایا ہے: كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ. " (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

تشریح...... قرآن مجید میں ایک موقع پر بدانجام کافروں کا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے۔ "كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ." جس کا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کی بدکرداریوں کی وجہ سے ان کے دلوں پر زنگ اور سیاہی آ گئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مندرجہ بالا حدیث سے معلوم ہوا کہ گناہوں اور بدکرداریوں کی وجہ سے صرف کافروں ہی کے دل سیاہ نہیں ہوتے، بلکہ مسلمان بھی جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں بھی گناہ کی نحوست سے ظلمت پیدا ہوتی ہے، لیکن اگر وہ سچے دل سے توبہ واستغفار کر لے تو یہ سیاہی اور ظلمت ختم ہو جاتی ہے اور دل حسب سابق صاف اور نورانی ہو جاتا ہے، لیکن اگر گناہ کے بعد توبہ واستغفار نہ کرے یا کہ معصیت ونافرمانی ہی کے راستہ پر آگے بڑھتا رہے تو پھر یہ ظلمت برابر بڑھتی رہتی ہے، یہاں تک کہ پورے دل پر چھا جاتی ہے، اور کسی مسلمان کے لئے بلاشبہ یہ انتہائی بدبختی کی بات ہے کہ گناہوں کی ظلمت اس کے دل پر چھا جائے اور اس کے قلب میں اندھیرا ہی اندھیرا ہو جائے۔ اعاذنا الله منه.

عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم التَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهٗ. (رواه ابن ماجه والبيهقى فى شعب الايمان)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: گناہ سے توبہ کر لینے والا گنہگار بندہ بالکل اس بندے کی طرح ہے جس نے گناہ کیا ہی نہ ہو۔ (سنن ابن ماجہ، شعب الایمان للبیہقی)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ سچی توبہ کے بعد گناہ کا کوئی اثر اور داغ دھبہ نہیں رہتا اور بعض روایات میں ہے کہ آدمی گناہوں سے توبہ کے بعد ایسا بے گناہ ہو جاتا ہے جیسا کہ وہ اپنی پیدائش کے وقت بے گناہ تھا (كَيَوْمِ وَّلَدَتْهُ اُمُّهٗ) اور وہ احادیث ان شاء اللہ آگے درج ہوں گی جن سے معلوم ہوگا کہ توبہ کا نتیجہ صرف اتنا ہی نہیں ہوتا کہ گناہ معاف ہو جائیں اور معصیات کی ظلمت اور سیاہی کے داغ دھبے مٹا دیئے جائیں، بلکہ تائب بندہ اللہ کا محبوب اور پیارا بن جاتا ہے، اور اس کی توبہ سے اس کو بے حد خوشی ہوتی ہے۔ اَللّٰهُمَّ اجعلنا مِنَ التَّوَّابِيْن.

غفاریت کے ظہور کیلئے گناہوں کی ضرورت

عَنْ اَبِىْ اَيُّوْبَ اَنَّهٗ قَالَ حِيْنَ حَضَرَتْهُ الْوَفَاةُ كُنْتُ كَتَمْتُ عَنْكُمْ شَيْئًا سَمِعْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم سَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ لَوْ لَا اَنَّكُمْ تُذْنِبُوْنَ لَخَلَقَ اللهُ خَلْقًا يُذْنِبُوْنَ يَغْفِرُ لَهُمْ. (رواه مسلم)

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوںؓ نے اپنی وفات کے وقت فرمایا کہ: میں نے ایک بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی تھی اور تم سے اب تک چھپائی تھی (اب جبکہ میرا آخری وقت ہے وہ میں تم کو بتاتا ہوں اور وہ امانت تمہارے سپرد کرتا ہوں) میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے: اگر بالفرض تم سب (ملائکہ کی طرح) بے گناہ ہو جاؤ اور تم سے کوئی گناہ سرزد نہ ہو، تو اللہ اور مخلوق پیدا کرے گا جن سے گناہ

بھی سرزد ہوں گے پھر اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کا فیصلہ فرمائے گا (اور اس طرح اس کی شان غفاریت کا ظہور ہوگا)۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... اس حدیث سے یہ سمجھنا کہ اللہ تعالیٰ کو معاذ اللہ گناہ مطلوب ہیں اور وہ گناہگاروں کو پسند فرماتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس ارشاد کے ذریعہ گناہوں اور گناہگاروں کی ہمت افزائی فرمائی ہے، بڑی جاہلانہ غلط فہمی ہوگی۔ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد ہی یہ ہے کہ لوگوں کو گناہوں سے بچایا جائے اور اعمال صالحہ کی ترغیب دی جائے۔ دراصل حدیث کا منشاء اور مدعا اللہ تعالیٰ کی شان غفاریت کو ظاہر کرنا ہے اور مطلب یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی صفت خالقیت کے ظہور کیلئے ضروری ہے کہ کوئی مخلوق پیدا کی جائے اور صفت رزاقیت کے لئے ضروری ہے کہ کوئی مخلوق ہو جس کو رزق کی ضرورت ہو اور اللہ تعالیٰ اس کو رزق عطا فرمائے۔ علیٰ ہذا جس طرح اللہ تعالیٰ کی صفت ہدایت کیلئے ضروری ہے کہ کوئی مخلوق ہو جس میں ہدایت لینے کی صلاحیت ہو اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو ہدایت ملے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی شان غفاریت کے لئے ضروری ہے کہ کوئی ایسی مخلوق ہو جس سے گناہ بھی سرزد ہوں پھر وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں استغفار کرے اور گناہوں کی معافی اور بخشش چاہے، اور پھر اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت اور بخشش کا فیصلہ فرمائے۔ اس لئے ناگزیر ہے اور ازل سے طے ہے کہ اس دنیا میں گناہ کرنے والے بھی ہوں گے ان میں سے جن کو توفیق ملے گی وہ استغفار بھی کریں گے اور اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کا فیصلہ بھی فرمائے گا اور اس طرح اس کی صفت مغفرت اور شان غفاریت کا ظہور ہوگا۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کا اپنی زندگی میں اس خیال سے کبھی تذکرہ نہیں کیا کہ کم فہم لوگ غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائیں پھر اپنے آخری وقت میں اپنے خاص لوگوں سے اظہار فرما کر امانت گویا ان کے سپرد کردی۔

یہی مضمون الفاظ کے تھوڑے سے فرق کے ساتھ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ سے بھی مروی ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی الله علیه و آله وسلم اِنَّ عَبْدًا اَذْنَبَ ذَنْبًا فَقَالَ رَبِّ اَذْنَبْتُ فَاغْفِرْهُ فَقَالَ رَبُّهٗ اَعَلِمَ عَبْدِی اَنَّ لَهٗ رَبًّا یَّغْفِرُ الذَّنْبَ وَیَاْخُذُ بِهٖ غَفَرْتُ لِعَبْدِیْ ثُمَّ مَکَثَ مَاشَاءَ اللهُ ثُمَّ اَذْنَبَ ذَنْبًا قَالَ رَبِّ اَذْنَبْتُ ذَنْبًا فَاغْفِرْهُ فَقَالَ اَعَلِمَ عَبْدِیْ اَنَّ لَهٗ رَبًّا یَّغْفِرُ الذَّنْبَ وَیَاْخُذُ بِهٖ غَفَرْتُ لِعَبْدِیْ ثُمَّ مَکَثَ مَاشَاءَ اللهُ ثُمَّ اَذْنَبَ ذَنْبًا قَالَ رَبِّ اَذْنَبْتُ ذَنْبًا اٰخَرَ فَاغْفِرْهُ لِیْ فَقَالَ اَعَلِمَ عَبْدِیْ اَنَّ لَهٗ رَبًّا یَّغْفِرُ الذَّنْبَ وَیَاْخُذُ بِهٖ غَفَرْتُ لِعَبْدِیْ فَلْیَفْعَلْ مَاشَاءَ. (رواه البخاری ومسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمایا: اللہ کے کسی بندے نے کوئی گناہ کیا پھر اللہ سے عرض کیا اے میرے مالک! مجھ سے گناہ ہوگیا، مجھے معاف فرمادے! تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا کوئی مالک ہے جو گناہوں پر پکڑ بھی سکتا ہے، اور معاف بھی کرسکتا ہے۔ میں نے اپنے بندے کا گناہ بخش دیا اور اس کو معاف کردیا۔ اس کے بعد جب تک اللہ نے چاہا وہ بندہ گناہ سے رُکا رہا، اور پھر کسی وقت گناہ کر بیٹھا اور پھر اللہ سے عرض کیا میرے مالک! مجھ سے گناہ ہوگیا تو اس کو بخش دے اور معاف فرمادے، تو اللہ تعالیٰ نے پھر فرمایا کہ میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا کوئی مالک ہے جو گناہ وقصور معاف بھی کرسکتا ہے، اور پکڑ بھی سکتا ہے، میں نے اپنے بندے کا

گناہ معاف کر دیا۔اس کے بعد جب تک اللہ نے چاہا وہ بندہ گناہ سے رُکا رہا۔اور کسی وقت پھر کوئی گناہ کر بیٹھا اور پھر اللہ تعالیٰ سے عرض کیا اے میرے مالک ومولیٰ! مجھ سے گناہ ہو گیا تو مجھے معاف فرما دے اور میرا گناہ بخش دے! تو اللہ تعالیٰ نے پھر ارشاد فرمایا کہ میرے بندے کو یقین ہے کہ اس کا کوئی مالک ومولیٰ ہے جو گناہ معاف بھی کرتا ہے اور سزا بھی دے سکتا ہے، میں نے اپنے بندے کو بخش دیا، اب جو اس کا جی چاہے کرے۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح...... اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بار بار گناہ اور بار بار استغفار کرنے والے جس بندے کا واقعہ بیان فرمایا ہے، بعض شارحین نے کہا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کا کوئی امتی ہو اور ممکن ہے کہ انبیاء سابقین میں سے کسی کا اُمتی ہو، لیکن زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ یہ کسی خاص اور معین واقعہ کا بیان نہیں ہے، بلکہ ایک کردار کا بیان ہے۔اللہ تعالیٰ کے لاکھوں کروڑوں بندے ہوں گے جن کا حال اور کردار یہی ہے کہ اللہ اور آخرت پر ایمان کے باوجود ان سے گناہ ہو جاتا ہے اور پھر وہ نادم وپشیمان ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور میں استغفار کرتے ہیں، اور اس کے بعد بھی ان سے بار بار گناہ سرزد ہو جاتے ہیں اور وہ ہر بار سچے دل سے استغفار کرتے ہیں، ایسے بندوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہی کریمانہ معاملہ ہے جو اس حدیث میں بیان فرمایا گیا ہے۔

آخری دفعہ کے استغفار اور اس پر معافی کے اعلان کے ساتھ فرمایا گیا ہے: "غَفَرْتُ لِعَبْدِیْ فَلْیَفْعَلْ مَا شَاءَ." (یعنی میں نے اپنے بندے کو بخش دیا اب اس کا جو جی چاہے کرے) اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ اب اس کو گناہوں کی بھی اجازت دیدی گئی ہے، بلکہ ان الفاظ میں بندے کے مالک ومولیٰ کی طرف سے صرف اس لطف وکرم کا اعلان فرمایا گیا ہے کہ: اے بندے تو جتنی بار بھی گناہ کر کے اس طرح استغفار کرتا رہے گا۔ میں تجھے معافی دیتا رہوں گا اور تو اپنے اس صادق ومومنانہ استغفار کی وجہ سے گناہوں کے زہر سے ہلاک نہ ہوگا، بلکہ یہ استغفار ہمیشہ تریاق کا کام کرتا رہے گا۔

اللہ تعالیٰ نے جن بندوں کو بندگی کا کچھ ذوق نصیب فرمایا ہے وہ سمجھ سکتے ہیں کہ مومن بندے کے ضمیر پر ایسے کریمانہ اعلان کا کیا اثر پڑے گا اور اس کے دل میں مالک کی کامل وفاداری اور فرمانبرداری کا کیسا جذبہ اُبھرے گا۔

اس حدیث کی صحیح مسلم کی روایت میں تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیث کا یہ پورا مضمون اللہ تعالیٰ کے حوالہ سے بیان فرمایا۔اس روایت کی بناء پر یہ "حدیث قدسی" ہے۔

عَنْ اَبِیْ بَكْرِنِ الصِّدِّیْقِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی الله علیه وآله وسلم مَا اَصَرَّ مَنِ اسْتَغْفَرَ وَاِنْ عَادَ فِی الْیَوْمِ سَبْعِیْنَ مَرَّةً. (رواہ الترمذی وابوداؤد)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: جو بندہ (گناہ کر کے) استغفار کرے (یعنی سچے دل سے اللہ سے معافی مانگے) وہ اگر دن میں ستر دفعہ بھی پھر وہی گناہ کرے تو (اللہ کے نزدیک) وہ گناہ پر اصرار کرنیوالوں میں نہیں ہے۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

تشریح...... گناہ پر اصرار، یعنی بےفکری اور بےخوفی کے ساتھ گناہ کرتے رہنا اور اس پر دائم وقائم رہنا بڑی بدبختی اور بہت برے انجام کی نشانی ہے، اور ایسا عادی مجرم گویا اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مستحق نہیں ہے۔اس حدیث میں واضح فرمایا گیا

ہے کہ اگر بندہ گناہ کے بعد اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے یعنی معافی مانگے تو پھر بار بار گناہ کرنے کے باوجود وہ ''اصرار کرنے والوں'' میں سے نہیں ہے۔ مگر ملحوظ رہے کہ استغفار صرف زبان سے نکلنے والے الفاظ کا نام نہیں ہے، بلکہ وہ دل کی ایک طلب ہے، زبان اس کی صرف ترجمانی کرتی ہے اگر استغفار اور معافی طلبی دل سے ہو تو بلاشبہ ستر دفعہ بلکہ ستر ہزار دفعہ گناہ کرنے کے بعد بھی آدمی رحمت الٰہی کا مستحق ہے اور گناہ پر اصرار کرنے والے مجرموں میں سے نہیں ہے۔

کس وقت تک کی توبہ قابل قبول ہے

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اِنَّ اللّٰہَ یُقْبَلُ تَوْبَةَ الْعَبْدِ مَالَمْ یُغَرْغِرْ. (رواہ الترمذی وابن ماجہ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: ''اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ اس وقت تک قبول کرتا ہے جب تک غرغرہ کی کیفیت شروع نہ ہو۔ (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

تشریح...... موت کے وقت جب بندے کی روح جسم سے نکلنے لگتی ہے تو حلق کی نالی میں ایک قسم کی آواز پیدا ہو جاتی ہے، جسے عربی میں ''غرغرہ'' اور اردو میں ''خرہ چلنا'' کہتے ہیں۔ اس کے بعد زندگی کی کوئی آس اور امید نہیں رہتی، یہ موت کی قطعی اور آخری علامت ہے۔ اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ غرغرہ کی اس کیفیت کے شروع ہونے سے پہلے پہلے بندہ اگر توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے گا۔ غرغرہ کی کیفیت شروع ہونے کے بعد آدمی کا رابطہ اور تعلق اس دنیا سے کٹ کر دوسرے عالم سے جُڑ جاتا ہے، اس لئے اس وقت اگر کوئی کافر اور منکر ایمان لائے یا کوئی نافرمان بندہ گناہوں اور نافرمانیوں سے توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ کے یہاں قابل قبول نہ ہوگا۔ ایمان اور توبہ اسی وقت تک کی معتبر اور قابل قبول ہے جب تک زندگی کی آس اور امید ہو اور موت آنکھوں کے سامنے نہ آ گئی ہو۔ قرآن پاک میں بھی صراحت کے ساتھ فرمایا گیا ہے:

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ حَتّٰى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّیْ تُبْتُ الْاٰنَ. (النساء: ۴:۱۸)

ایسے لوگوں کی توبہ قبول نہیں جو برابر گناہ کرتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے سامنے موت آ کھڑی ہو تو کہنے لگے کہ اب میں توبہ کرتا ہوں۔ حدیث کے مضمون کا ماخذ بظاہر یہی آیت ہے اور اس کا پیغام یہی ہے کہ:

بندے کو چاہئے کہ توبہ کے معاملہ میں ٹال مٹول نہ کرے، معلوم نہیں کس وقت موت کی گھڑی آ جائے اور خدانخواستہ توبہ کا وقت ہی نہ ملے۔

مرنے والوں کیلئے سب سے بہتر تحفہ استغفار

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اِنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ لَيَرْفَعُ الدَّرَجَةَ لِلْعَبْدِ الصَّالِحِ فِی الْجَنَّةِ فَيَقُوْلُ يَا رَبِّ اَنّٰى لِیْ هٰذِهٖ؟ فَيَقُوْلُ بِاسْتِغْفَارِ وَلَدِکَ لَکَ. (رواہ احمد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت میں کسی مرد صالح کا درجہ ایک دم بلند کر دیا جاتا ہے تو وہ جنتی بندہ پوچھتا ہے کہ اے پروردگار! میرے درجہ اور مرتبہ میں یہ ترقی کس وجہ سے اور کہاں سے ہوئی؟ جواب ملتا ہے کہ تیرے واسطے تیری فلاں اولاد کے دعائے مغفرت کرنے کی وجہ سے۔ (مسند احمد)

تشریح...... اس حدیث میں اولاد کی دعا سے درجہ میں ترقی کا ذکر صرف تمثیلاً کیا گیا ہے ورنہ دوسرے اہل ایمان کی دعائیں بھی اسی طرح نفع مند ہوتی ہیں۔ زندگی میں جس طرح سب سے بڑا حق اولاد پر والدین کا ہے اوران کی خدمت واطاعت فرائض میں سے ہے، اسی طرح مرنے کے بعد اولاد پر والدین کا خاص حق ہے کہ ان کے لئے رحمت ومغفرت کی دعا کرتے رہیں۔ مرنے کے بعد ان کی خدمت اوران کے ساتھ حسن سلوک کا یہی خاص راستہ ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کا مقصد صرف ایک حقیقت کی اطلاع دینا ہی نہیں ہے بلکہ ایک بلیغ انداز میں اولاد اور دوسرے اقارب ومتعلقین کو ترغیب دی گئی ہے کہ وہ مرنے والوں کیلئے مغفرت ورحمت کی دعائیں کرتے رہیں۔ ان کے یہ تحفے قبروں میں اور جنت تک مرحومین کو پہنچتے رہیں گے۔

عام مؤمنین کے لئے استغفار

قرآن مجید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے: ''آپ اپنے لئے اور عام مومنین ومومنات کیلئے استغفار یعنی اللہ تعالیٰ سے معافی اور مغفرت کی استدعا کیا کریں (وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ) یہی حکم ہم امتیوں کے لئے بھی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی بڑی ترغیب دی اور بڑی فضیلت بیان فرمائی ہے۔ اس سلسلہ کی دو حدیثیں ذیل میں پڑھئے:

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم مَنِ اسْتَغْفَرَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ كُتِبَ لَهٗ بِكُلِّ مُؤْمِنٍ وَّمُؤْمِنَةٍ حَسَنَةٌ. (رواه الطبرانى فى الكبير)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو بندہ عام ایمان والوں اور ایمان والیوں کیلئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگے گا اس کیلئے ہر مؤمن مرد وعورت کے حساب سے ایک ایک نیکی لکھی جائے گی۔ (معجم کبیر للطبرانی)

تشریح...... کسی صاحب ایمان بندے یا بندی کے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور بخشش کی دعا کرنا، ظاہر ہے کہ اس کے ساتھ بہت بڑا احسان اور اس کی بہت بڑی خدمت ہے اس لئے جب کسی بندے نے عام اہل ایمان (مؤمنین ومؤمنات) کے لئے استغفار کیا اور ان کے لئے اللہ سے بخشش کی دعا کی تو فی الحقیقت اس نے اولین وآخرین، زندہ اور مردہ سب ہی اہل ایمان کی خدمت اور ان کے ساتھ نیکی کی، اس لئے ہر ایک کے حساب میں اس کی یہ نیکی لکھی جائے گی۔ سبحان اللہ! ہمارے لئے لاتعداد نیکیوں کے کمانے کا کیسا راستہ کھولا گیا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے فائدہ اٹھانے کی توفیق دے۔ جمیع مؤمنین ومؤمنات کے لئے دعائے مغفرت کے بہترین الفاظ وہ ہیں جو قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے نقل کئے گئے ہیں:

رَبَّنَا اغْفِرْلِىْ وَلِوَالِدَىَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ.

اے ہمارے رب! مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو بخش دے اور تمام ہی ایمان والوں کی مغفرت فرمادے قیامت کے دن۔

عَنْ اَبِى الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم مَنِ اسْتَغْفَرَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعًا وَعِشْرِيْنَ مَرَّةً كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ يُسْتَجَابُ لَهُمْ وَيُرْزَقُ بِهِمْ اَهْلُ الْاَرْضِ. (رواه الطبرانى فى الكبير)

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جو بندہ عام مؤمنین ومؤمنات کیلئے ہر روز ۲۷ دفعہ) اللہ تعالیٰ سے معافی اور مغفرت کی دعا کرے گا وہ اللہ کے ان مقبول بندوں میں سے ہو جائے گا جن کی

دعائیں قبول ہوتی ہیں اور جن کی برکت سے دنیا والوں کو رزق ملتا ہے۔ (معجم کبیر طبرانی)

تشریح...... اللہ تعالیٰ کو یہ بات بہت ہی محبوب ہے کہ اس کے بندوں کی خدمت و خیر خواہی اور ان کو نفع پہنچانے کی کوشش کی جائے۔ ایک حدیث میں ہے:

اَلْخَلْقُ عِيَالُ اللهِ فَاَحَبُّ النَّاسِ اِلَى اللهِ اَنْفَعُهُمْ لِعِيَالِهٖ. (کنز العمال)

سب مخلوق اللہ کا کنبہ ہے، اس لئے لوگوں میں اللہ کو زیادہ محبوب وہ بندے ہیں جو اس کی مخلوق کو زیادہ نفع پہنچائیں۔

پھر جس طرح مخلوق کے لئے کھانے، کپڑے کے قسم کی زندگی کی ضروریات فراہم کرنا اور ان کو راحت و آرام پہنچانا وغیرہ اس دنیا میں ان کی خدمت اور نفع رسانی کی صورتیں ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ سے بندوں کے لئے مغفرت اور بخشش کی دعا کرنا بھی اُخروی زندگی کے لحاظ سے ان کی بہت بڑی خدمت اور ان کے ساتھ بہت بڑی نیکی ہے، اور اس کی قدر و قیمت آخرت میں اس وقت معلوم ہوگی جب یہ بات کھل کر سامنے آجائے گی کہ کسی کے استغفار نے کسی کو کیا دلوایا اور کتنا نفع پہنچایا۔ پس جو مخلص بندے اخلاص اور دل کی گہرائی سے ایمان والے بندوں اور بندیوں کے لئے مغفرت اور بخشش کی دعائیں کرتے ہیں اور دن رات میں بار بار کرتے ہیں (جس کا کورس اس حدیث میں ۲۷ بتایا گیا ہے) وہ تمام مومنین و مومنات کے خاص الخاص محسن اور گویا آخرت کے لحاظ سے "اصحاب خدمت" ہیں اور اپنے اس عمل سے اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ ایسے مقرب اور مقبول ہو جاتے ہیں کہ ان کی دعائیں سنی جاتی ہیں اور ان کی دعاؤں کی برکت سے دنیا والوں کو اللہ تعالیٰ رزق دیتا ہے۔

لیکن یہ بات یہاں قابل لحاظ ہے کہ اس دنیا میں تو ہر انسان بلکہ ہر جاندار کی خدمت اور اس کو ضروری درجہ کا آرام پہنچانے کی کوشش نیکی اور کار ثواب ہے۔ حدیث پاک میں فرمایا گیا ہے: "فِىْ كُلِّ ذَاتِ كَبِدٍ رَطْبَةٍ صَدَقَةٌ" لیکن اللہ سے مغفرت اور جنت کی دعا صرف اہل ایمان ہی کے لئے کی جاسکتی ہے۔ کفر و شرک والے جب تک اس سے توبہ نہ کریں مغفرت اور جنت کے قابل نہیں ہیں، اس لئے ان کے واسطے مغفرت اور جنت کی دعا بھی نہیں کی جاسکتی۔ ہاں ان کے واسطے ہدایت اور توبہ کی توفیق کی دعا کرنی چاہئے، جس کے بعد ان کے لئے مغفرت اور جنت کا دروازہ کھل سکے۔ ان کے حق میں یہی دعا کرنا ان کے ساتھ بہت بڑی نیکی اور خیر خواہی ہے۔

بڑے گناہوں کی معافی

قرآن و حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی رحمت بے حد وسیع ہے، اور اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ وہ توبہ کرنے اور معافی مانگنے پر بڑے سے بڑا گناہ معاف فرما دیتا ہے اور بڑے سے بڑے پاپیوں اور گناہ گاروں کو بخش دیتا ہے۔ اگرچہ اس میں قہر و جلال کی صفت بھی ہے، اور یہ صفت بھی اس کی شان عالی کے مطابق بدرجہ کمال ہے، لیکن وہ انہی مجرموں کے لئے ہے جو جرائم اور گناہ کرنے کے بعد بھی توبہ کر کے اس کی طرف رجوع نہ ہوں اور اس سے معافی اور مغفرت نہ مانگیں، بلکہ اپنے مجرمانہ رویہ ہی پر قائم رہیں اور اسی حال میں دنیا سے چلے جائیں۔

توبہ و استغفار کے خاص کلمات

توبہ اور استغفار کی جو حقیقت بیان کی گئی ہے اس سے ناظرین نے سمجھ لیا ہوگا کہ اس میں اصل اہمیت اور بنیادی حیثیت معنی

اور مقصد اور دل کی کیفیت کی ہے۔ بندہ جس زبان میں اور جن مناسب الفاظ میں توبہ واستغفار کرے، وہ اگر سچے دل سے ہے تو اللہ کے نزدیک حقیقی توبہ واستغفار ہے اور قابل قبول ہے۔ اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے توبہ واستغفار کے بعض کلمات بھی تلقین فرمائے ہیں اور ان کی خاص فضیلت اور برکت بیان فرمائی ہے۔ اس سلسلہ کی چند احادیث ملاحظہ فرمائیں۔

عَنْ بَلَالِ بْنِ يَسَارِ بْنِ زَيْدٍ مَوْلَى النَّبِيّ صلى الله عليه و آله وسلم قَالَ حَدَّثَنِىْ اَبِىْ جَدِّىْ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه و آله وسلم يَقُوْلُ مَنْ قَالَ اَسْتَغْفِرُ اللهَ الَّذِىْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَىُّ الْقَيُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ غُفِرَ لَهٗ وَاِنْ كَانَ قَدْ فَرَّ مِنَ الزَّحْفِ. (رواہ الترمذی وابوداؤد)

بلال بن یاسر بن زید نے اپنے والد یسار سے نقل کیا اور انہوں نے اپنے والد حضرت زید (یہ زید آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشہور آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نہیں ہیں، بلکہ یہ دوسرے صحابی ہیں، ان کا نام بھی زید ہے اور ان کے والد کا نام بولی بتایا گیا ہے یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو بھی آزاد فرمادیا تھا) سے (جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک آزاد کردہ غلام تھے) نقل کیا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جس بندے نے ان الفاظ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور میں توبہ واستغفار کیا:

اَسْتَغْفِرُ اللهَ الَّذِىْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَىُّ الْقَيُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ.

میں اس اللہ سے معافی اور بخشش چاہتا ہوں جو حی و قیوم ہے اور اس کے حضور میں توبہ کرتا ہوں تو وہ بندہ ضرور بخش دیا جائے گا، اگرچہ اس نے میدان جنگ سے بھاگنے کا گناہ کیا ہو۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

تشریح...... جان بچانے کیلئے میدان جہاد سے بھاگنا بدترین کبیرہ گناہوں میں سے ہے، لیکن اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اگر اس بدترین اور سخت ترین گناہ کا مرتکب بھی ان الفاظ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں استغفار اور توبہ کرے گا تو وہ بھی بخش دیا جائے گا۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ اس طرح کی بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی وحی والہام کے بغیر نہیں فرما سکتے، اس لئے سمجھنا چاہئے کہ گناہگاروں کے لئے معافی اور مغفرت کی درخواست کے یہ الفاظ خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے تعلیم فرمائے گئے ہیں، اور ان الفاظ کے ساتھ درخواست کرنے والوں کے لئے بڑے سے بڑے گناہوں کی معافی اور مغفرت کا حتمی وعدہ بلکہ فیصلہ فرمادیا گیا ہے۔ قربان اس رحمت کے۔ لیکن یہ بات پھر بھی ملحوظ رہے کہ استغفار صرف الفاظ کا نام نہیں ہے، اللہ کے نزدیک حقیقی استغفار وہی ہے جو دل سے ہو۔

سید الاستغفار

مندرجہ ذیل حدیث سے استغفار کے ایک کلمہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ”سید الاستغفار“ بتایا ہے، اور اس کی غیر معمولی فضیلت بیان فرمائی ہے اور بلاشبہ اپنے مضمون و مفہوم کے لحاظ سے بھی وہ ایسا ہی کلمہ ہے۔

عَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه و آله وسلم سَيِّدُ الْاِسْتِغْفَارِ اَنْ تَقُوْلَ ”اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّىْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنِىْ وَاَنَا عَبْدُكَ وَاَنَا عَلٰى عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ اَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَىَّ وَاَبُوْءُ بِذَنْبِىْ فَاغْفِرْلِىْ فَاِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ

الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ" قَالَ وَمَنْ قَالَهَا مِنَ النَّهَارِ مُوْقِنًا بِهَا فَمَاتَ مِنْ يَوْمِهِ قَبْلَ اَنْ يُّمْسِيَ فَهُوَ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَمَنْ قَالَهَا مِنَ اللَّيْلِ وَهُوَ مُوْقِنٌ بِهَا فَمَاتَ قَبْلَ اَنْ يُّصْبِحَ فَهُوَ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ. (رواه البخاری)

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: ''سید الاستغفار'' (یعنی سب سے اعلیٰ استغفار) یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں یوں عرض کرے:

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّىْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنِىْ وَاَنَا عَبْدُكَ وَاَنَا عَلٰى عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ اَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَىَّ وَاَبُوْءُ بِذَنْبِىْ فَاغْفِرْلِىْ فَاِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ.

اے اللہ! تو ہی میرا رب (یعنی مالک مولا) ہے، تیرے سوا کوئی مالک و معبود نہیں، تو نے ہی مجھے پیدا فرمایا اور وجود بخشا۔ میں تیرا بندہ ہوں اور جہاں تک مجھ عاجز و ناتواں سے ہو سکے گا تیرے ساتھ کئے ہوئے (ایمانی) عہد و میثاق اور (اطاعت و فرمانبرداری کے) وعدے پر قائم رہوں گا۔ تیری پناہ چاہتا ہوں اپنے عمل و کردار کے شر سے، میں اقرار کرتا ہوں کہ تو نے مجھے نعمتوں سے نوازا اور اعتراف کرتا ہوں کہ میں نے تیری نافرمانیاں کیں اور گناہ کئے۔ اے میرے مالک و مولا! تو مجھے معاف فرما دے اور میرے گناہ بخش دے، تیرے سوا گناہوں کو بخشنے والا کوئی نہیں۔

رسول اللہ نے فرمایا کہ: جس بندے نے اخلاص اور دل کے یقین کے ساتھ دن کے کسی حصے میں اللہ کے حضور میں یہ عرض کیا (یعنی ان کلمات کے ساتھ استغفار کیا) اور اسی دن رات شروع ہونے سے پہلے اس کو موت آ گئی تو وہ بلاشبہ جنت میں جائے گا اور اسی طرح اگر کسی نے رات کے کسی حصے میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں یہی عرض کیا اور صبح ہونے سے پہلے اس رات میں وہ چل بسا تو بلاشبہ وہ جنت میں جائے گا۔ (صحیح بخاری)

تشریح...... اس استغفار کی اس غیر معمولی فضیلت کا راز بظاہر یہی ہے کہ اس کے ایک ایک لفظ میں عبدیت کی روح بھری ہوئی ہے۔ سب سے پہلے عرض کیا گیا ہے:

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّىْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنِىْ وَاَنَا عَبْدُكَ.

اے اللہ! تو ہی میرا رب ہے، تیرے سوا کوئی مالک و معبود نہیں۔ تو نے ہی مجھے وجود بخشا ہے اور میں بس تیرا بندہ ہوں۔

اس کے بعد عرض کیا گیا ہے کہ: وَاَنَا عَلٰى عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ.

یعنی میں نے ایمان لا کے تیری عبادت و اطاعت کا جو عہد و میثاق اور وعدہ کیا ہے جہاں تک مجھ سے بن پڑے گا اس پر قائم رہنے کی کوشش کروں گا۔

یہ بندے کی طرف سے اپنی کمزوری کے اعتراف کے ساتھ ایمانی عہد و میثاق کی تجدید ہے۔ اس کے آگے عرض کیا گیا ہے:

اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ.

مجھ سے جو غلطیاں اور کوتاہیاں ہوئیں اور آئندہ ہوں، ان کے بُرے نتیجہ سے اے میرے مالک و رب میں تیری پناہ کا طالب ہوں۔

اس میں اعترافِ قصور کے ساتھ اللہ کی پناہ بھی چاہی گئی ہے۔ اس کے بعد عرض کیا گیا ہے:

اَبُوْءُ لَکَ بِنِعْمَتِکَ عَلَیَّ وَاَبُوْءُ بِذَنْبِیْ.

میں تیرے انعامات واحسانات کا اور اپنی گناہ گاریوں اور خطا کاریوں کا اعتراف کرتا ہوں۔آخر میں عرض کیا گیا ہے:

فَاغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ اِنَّهٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ

میرے مالک ومولا: تو اپنے رحم وکرم سے میرے جرائم، میرے گناہ بخش دے، جرموں اور گناہوں کو بخشنے والا بس تو ہی ہے۔

حق یہ ہے کہ جس صاحب ایمان بندے کو وہ معرفت وبصیرت نصیب ہو جس کے ذریعے وہ اپنی اور اپنے اعمال کی حقیقت کو سمجھتا ہو، اور اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلالت اور اس کے حقوق کو بھی کچھ جانتا ہو تو وہ خود کو صرف قصووار اور گناہگار اور خیر اور بھلائی کے معاملہ میں بالکل مفلس اور تہی مایہ محسوس کرے گا اور پھر اس کے دل کی آواز اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس کی التجاء یہی ہوگی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تعلیم فرمائے ہوئے اس استغفار میں محسوس ہوتی ہے۔اس کو "سید الاستغفار" اسی خصوصیت کی وجہ سے کہا گیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث پہنچ جانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان رکھنے والے ہر اُمتی کو چاہئے کہ وہ اس کا اہتمام کرے کہ ہر دن اور رات میں کم از کم ایک دفعہ ضرور وہ سچے دل سے اللہ تعالےٰ کے حضور میں یہ استغفار کرلیا کرے۔

استغفار کے خضری کلمات

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کَثِیْرًا مَا یَقُوْلُ لَنَا مَعْشَرَ اَصْحَابِیْ مَا یَمْنَعُکُمْ اَنْ تُکَفِّرُوْا ذُنُوْبَکُمْ بِکَلِمَاتٍ یَسِیْرَۃٍ قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ مَاھِیَ؟ قَالَ تَقُوْلُوْنَ مَقَالَۃَ اَخِیَ الْخِضْرِ قُلْنَا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ مَا کَانَ یَقُوْلُ؟ قَالَ کَانَ یَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْتَغْفِرُکَ لِمَا تُبْتُ اِلَیْکَ مِنْهُ ثُمَّ عُدْتُّ فِیْهِ وَاَسْتَغْفِرُکَ لِمَا اَعْطَیْتُکَ مِنْ نَفْسِیْ ثُمَّ لَمْ اُوْفِ لَکَ بِهٖ وَاَسْتَغْفِرُکَ لِلنِّعَمِ الَّتِیْ اَنْعَمْتَ بِھَا عَلَیَّ فَتَقَوَّیْتُ بِھَا عَلٰی مَعَاصِیْکَ وَاَسْتَغْفِرُکَ لِکُلِّ خَیْرٍ اَرَدْتُّ بِهٖ وَجْھَکَ فَخَالَطَنِیْ فِیْهِ مَالَیْسَ لَکَ اَللّٰھُمَّ لَا تُخْزِنِیْ فَاِنَّکَ بِیْ عَالِمٌ وَلَا تُعَذِّبْنِیْ فَاِنَّکَ عَلَیَّ قَادِرٌ. (رواہ الدیلمی)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم لوگوں سے اکثر فرمایا کرتے تھے: اے میرے ساتھیو! تمہارے لئے کیا چیز اس سے مانع ہوسکتی ہے کہ چند آسان کلموں کے ذریعے اپنے گناہوں کی صفائی کرلیا کرو! عرض کیا گیا: یارسول اللہ! وہ کون سے کلمے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ کہا کرو جو میرے بھائی خضر کہا کرتے تھے۔عرض کیا گیا: یارسول اللہ! وہ کیا کہا کرتے تھے؟ فرمایا: وہ کہا کرتے تھے: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْتَغْفِرُکَ لِمَا تُبْتُ اِلَیْکَ مِنْهُ ثُمَّ عُدْتُّ فِیْهِ تا اَللّٰھُمَّ لَا تُخْزِنِیْ فَاِنَّکَ بِیْ عَالِمٌ وَلَا تُعَذِّبْنِیْ فَاِنَّکَ عَلَیَّ قَادِرٌ. (اے اللہ! میں تجھ سے معافی اور بخشش چاہتا ہوں ان گناہوں کی جن سے میں نے تیرے حضور میں توبہ کی ہو (اور شامت نفس سے) پھر پلٹ کر وہی گناہ دوبارہ کئے ہوں اور میں تجھ سے معافی اور بخشش چاہتا ہوں اس عہد کے بارے میں جو میں نے اپنی ذات کی طرف سے تجھ سے کیا ہو اور پھر میں نے اس کو وفا نہ کیا ہو (بلکہ عہد شکنی کی ہو) اور میں تجھ سے معافی اور بخشش چاہتا ہوں ان نعمتوں کے بارے میں جن سے طاقت وقوت حاصل کر کے میں نے تیری نافرمانیاں کی ہوں، اور تجھ سے معافی اور بخشش کا سوال کرتا ہوں ہر اس نیکی کے بارے میں جو میں نے

تیری رضا جوئی کی نیت سے کرنی چاہی ہو پھر اس میں تیرے ماسوا دوسرے اغراض کی آمیزش ہوگئی ہو۔ اے میرے اللہ! مجھے (دوسروں کے سامنے) رسوانہ کرنا۔ بیشک تو مجھے خوب جانتا ہے، تجھ سے میرا کوئی راز ڈھکا چھپا نہیں ہے اور (میرے گناہوں پر) مجھے عذاب نہ دینا، تجھے مجھ پر ہر طرح قدرت حاصل ہے (اور میں بالکل عاجز اور تیرے قبضہ واختیار میں ہوں)۔ (مسند فردوس دیلمی)

تشریح...... بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اللہ کا بندہ پورے صدق وخلوص کے ساتھ کسی گناہ سے توبہ کرتا ہے لیکن پھر اس سے وہی گناہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے کوئی عہد ومیثاق کرتا ہے اور پھر کسی وقت اس کے خلاف کر بیٹھتا ہے۔ اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بندے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق اور راحت وآرام وغیرہ کی جو نعمتیں حاصل ہوتی ہیں ان کے استعمال سے وہ جو قوت وطاقت یا دولت حاصل کرتا ہے اس کو وہ بجائے طاعت کے معصیت کی راہ میں استعمال کرتا ہے۔ اسی طرح بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی نیک عمل خالص اللہ کے لئے اور اس کی رضا جوئی کے جذبہ کے ساتھ شروع کیا جاتا ہے لیکن بعد میں دوسرے غلط جذبات اور ناپسندیدہ اغراض کی اس میں آمیزش ہو جاتی ہے۔ یہ سب روزمرہ کے تجربے اور روزمرہ کی واردات ہیں اور اچھے اچھوں کو پیش آتی ہیں۔ ایسے حالات میں اللہ تعالیٰ سے تعلق اور آخرت کی فکر رکھنے والے بندوں کے دل و زبان کی استدعا کیا ہونی چاہئے؟ مندرجہ بالا استغفار کے کلمات میں اسی کی پوری رہنمائی اور تلقین فرمائی گئی ہے اور یہ کلمات اپنے مضمون کی گہرائی اور جامعیت کے لحاظ سے یقیناً معجزانہ ہیں، اسی لئے اس حدیث کو یہاں درج کیا گیا ہے، اگرچہ "کنز العمال" میں اس کی تخریج صرف دیلمی سے کی گئی ہے جو محدثین کے نزدیک سند کے لحاظ سے ضعیف ہونے کی علامت ہے۔

برکات استغفار

استغفار کی اصل غرض وغایت اور اس کا موضوع تو اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کو معاف کرانا ہے تاکہ بندہ ان کے عذاب ووبال سے بچ جائے، لیکن قرآن مجید سے بھی معلوم ہوتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زیادہ وضاحت اور تفصیل کے ساتھ بتلایا ہے کہ استغفار بہت سی دنیوی برکات کا بھی باعث بنتا ہے اور بندے کو اس دنیا میں بھی اس کے طفیل بہت کچھ ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ یقین وعمل نصیب فرمائے۔

عَنِ عَبْدِاللهِ بُسْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم طُوْبىٰ لِمَنْ وَجَدَ فِيْ صَحِيْفَتِهٖ اِسْتِغْفَارًا كَثِيْرًا. (رواه ابن ماجه والنسائى)

حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: خوشی ہو اور مبارک ہو اس بندے کو جو اپنے اعمال نامہ میں بہت زیادہ استغفار پائے (یعنی آخرت میں وہ دیکھے کہ اس کے اعمال نامہ میں استغفار بکثرت درج ہے۔) (سنن ابن ماجہ، سنن نسائی)

تشریح...... واضح رہے کہ اعمال نامہ میں حقیقی استغفار کے طور پر وہی استغفار درج ہوگا جو حقیقت کے لحاظ سے عنداللہ بھی استغفار ہوگا۔ اور جو صرف زبان سے استغفار ہوگا وہ اگر درج ہوگا تو صرف زبانی اور لفظی استغفار کے طور پر درج ہوگا اور اگر اندراج پانے کے قابل نہ ہوگا تو درج ہی نہ ہوگا اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث میں یہ نہیں فرمایا کہ: **"طُوْبىٰ لِمَنِ اسْتَغْفَرَا كَثِيْرًا."** (خوشی اور مبارک ہو اس بندے کو جو اپنے اعمال نامہ میں بہت زیادہ استغفار پائے۔) بلکہ

یہ فرمایا کہ: طُوبٰی لِمَنْ وَجَدَ فِیْ صَحِیْفَتِهٖ اسْتِغْفَارًا کَثِیْرًا (خوشی اور مبارک ہو اس بندے کو جو اپنے اعمال نامہ میں بہت زیادہ استغفار پائے) امت کی مشہور عارفہ حضرت رابعہ عدویہ قدس سرہا سے منقول ہے، وہ فرماتی تھیں کہ ہمارا استغفار خود اس قابل ہوتا ہے کہ اللہ کے حضور میں اس سے بہت زیادہ استغفار کیا جائے۔

اس حدیث میں "طوبیٰ" کا لفظ بہت ہی جامع ہے، دنیا اور آخرت اور جنت کی ساری ہی مسرتیں اور نعمتیں اس میں شامل ہیں۔ بلاشبہ جس بندے کو حقیقی استغفار نصیب ہو اور خوب کثرت سے نصیب ہو وہ بڑا خوش نصیب ہے اور اس کو سب ہی کچھ نصیب ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے نصیب فرمائے۔

توبہ و استغفار سے اللہ کتنا خوش ہوتا ہے

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی الله علیه و آله وسلم یَقُوْلُ اَللّٰهُ اَفْرَحُ بِتَوْبَةِ عَبْدِهِ الْمُؤْمِنِ مِنْ رَجُلٍ نَزَلَ فِیْ اَرْضٍ دَوِیَّةٍ مُهْلِكَةٍ مَعَهٗ رَاحِلَتُهٗ عَلَیْهَا طَعَامُهٗ وَشَرَابُهٗ فَوَضَعَ رَأْسَهٗ فَنَامَ نَوْمَةً فَاسْتَیْقَظَ وَقَدْ ذَهَبَتْ رَاحِلَتُهٗ فَطَلَبَهَا حَتّٰی اِذَا اشْتَدَّ عَلَیْهِ الْحَرُّ وَالْعَطَشُ اَوْمَا شَاءَ اللّٰهُ قَالَ اَرْجِعُ اِلٰی مَكَانِیَ الَّذِیْ كُنْتُ فِیْهِ فَاَنَامُ حَتّٰی اَمُوْتَ فَوَضَعَ رَأْسَهٗ عَلٰی سَاعِدِهٖ لِیَمُوْتَ فَاسْتَیْقَظَ فَاِذَا رَاحِلَتُهٗ عِنْدَهٗ عَلَیْهَا زَادُهٗ وَشَرَابُهٗ فَاللّٰهُ اَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ الْعَبْدِ الْمُؤْمِنِ مِنْ هٰذَا بِرَاحِلَتِهٖ وَزَادِهٖ. (رواه البخاری ومسلم)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے تھے: خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ اپنے مؤمن بندے کی توبہ سے اس مسافر آدمی سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جو (اثنائے سفر میں) کسی ایسی غیر آباد اور سنسان زمین پر اُتر گیا ہو جو سامان حیات سے خالی اور اسباب ہلاکت سے بھرپور ہو اور اس کے ساتھ بس اس کی سواری کی اونٹنی ہو اسی پر اس کے کھانے پینے کا سامان ہو، پھر وہ (آرام لینے کیلئے) سر رکھ کے لیٹ جائے پھر اسے نیند آ جائے پھر اس کی آنکھ کھلے تو دیکھے کہ اس کی اونٹنی (پورے سامان سمیت) غائب ہے، پھر وہ اس کی تلاش میں سرگرداں ہو، یہاں تک کہ گرمی اور پیاس وغیرہ کی شدت سے جب اس کی جان پر بن آئے تو وہ سوچنے لگے کہ (میرے لئے اب یہی بہتر ہے) کہ میں اسی جگہ جا کر پڑ جاؤں (جہاں سویا تھا) یہاں تک کہ مجھے موت آ جائے، پھر وہ (اسی ارادہ سے وہاں آ کر) اپنے بازو پر سر رکھ کے مرنے کے لئے لیٹ جائے، پھر اس کی آنکھ کھلے تو وہ دیکھے کہ اس کی اونٹنی اس کے پاس موجود ہے اور اس پر کھانے پینے کا پورا سامان (جوں کا توں محفوظ) ہے تو جتنا خوش یہ مسافر اپنی اونٹنی کے ملنے سے ہوگا خدا کی قسم مؤمن بندے کے توبہ کرنے سے خدا اس سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح...... ذرا تصور کیجئے اس بدو مسافر کا جو اکیلا اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر اور راستہ بھر کے لئے کھانے پینے کا سامان اسی پر لاد کر دور دراز کے سفر پر کسی ایسے راستہ سے چلا جس میں کہیں دانہ پانی ملنے کی امید نہیں، پھر اثنائے سفر میں وہ کسی دن دوپہر میں کہیں سایہ دیکھ کر اترا اور آرام کرنے کے ارادہ سے لیٹ گیا' اس تھکے مارے مسافر کی آنکھ لگ گئی' کچھ دیر کے بعد جب آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا کہ اونٹنی اپنے سارے ساز و سامان کے ساتھ غائب ہے، وہ بے چارہ حیران و سراسیمہ ہو کر اس کی تلاش میں دوڑا بھاگا، یہاں

تک کہ گرمی اور پیاس کی شدت نے اس کولب دم کر دیا، اب اس نے سوچا کہ شاید میری موت اسی طرح اس جنگل بیابان میں لکھی تھی، اوراب بھوک پیاس میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کے یہاں مرنا ہی میرے لئے مقدر ہے، اس لئے وہ اسی سایہ کی جگہ میں مرنے کیلئے آگے پڑ گیا اور موت کا انتظار کرنے لگا، اسی حالت میں اس کی آنکھ پھر جھپکی، اس کے بعد جب آنکھ کھلی تو دیکھا کہ اونٹنی اپنے پورے ساز وسامان کے ساتھ اپنی جگہ کھڑی ہے۔ ذرا اندازہ کیجئے کہ بھاگی ہوئی اور گمشدہ اونٹنی کو اس طرح اپنے پاس کھڑا دیکھ کے اس بدو کو جو مایوس ہو کر مرنے کے لئے پڑ گیا تھا کس قدر خوشی ہوگی۔ صادق مصدوق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث پاک میں قسم کھا کے فرمایا کہ: خدا کی قسم! بندہ جب جرم وگناہ کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا اور سچے دل سے توبہ کر کے اس کی طرف آتا ہے تو اس رحیم وکریم رب کو اس سے بھی زیادہ خوشی ہوتی ہے جتنی کہ اس بدو کو اپنی بھاگی ہوئی اونٹنی کے ملنے سے ہوگی۔

قریب قریب یہی مضمون صحیحین میں حضرت ابن مسعودؓ کے علاوہ حضرت انسؓ کی روایت سے بھی مروی ہے۔ اور صحیح مسلم میں ان دونوں بزرگوں کے علاوہ حضرت ابوہریرہ، حضرت نعمان بن بشیر اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہم سے بھی یہی مضمون مروی ہے، بلکہ حضرت انسؓ کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بدو مسافر کی فرطِ مسرت کا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ: اونٹنی کے اس طرح مل جانے سے وہ اتنا خوش ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی اس بے انتہا عنایت اور بندہ نوازی کے اعتراف کے طور پر وہ کہنا چاہتا تھا کہ: ”اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّىْ وَاَنَا عَبْدُكَ." (خداوند! بس تو ہی میرا رب ہے اور میں تیرا بندہ) لیکن خوشی کی سرمستی میں اس کی زبان بہک گئی اور اس نے کہا: ”اَللّٰهُمَّ اَنْتَ عَبْدِىْ وَاَنَا رَبُّكَ“۔ (میرے اللہ! بس تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا خدا۔) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی اس غلطی کی معذرت کرتے ہوئے فرمایا: ”اَخْطَا مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ“۔ (فرطِ مسرت اور بے حد خوشی کی وجہ سے اس بے چارے بدو کی زبان بہک گئی۔

(علماء وفقہاء نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد سے سمجھ کر کہ اگر اس طرح کسی کی زبان بہک جائے اور اس سے کفر کا کلمہ نکل جائے تو وہ کافر نہ ہوگا، فقہ اور فتاویٰ کی کتابوں میں اس کی تصریح ہے۔

بلاشبہ اس حدیث میں توبہ کرنے والے گناہگاروں کو اللہ تعالیٰ کی جو خوشنودی کی بشارت سنائی گئی ہے وہ جنت اور اس کی ساری نعمتوں سے بھی فائق ہے۔

شیخ ابن القیمؒ نے ”مدارج السالکین“ میں توبہ واستغفار ہی کے بیان میں اسی حدیث پر کلام کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی اس خوشنودی کی وضاحت میں ایک عجیب وغریب مضمون لکھا ہے جس کو پڑھ کر ایمانی روح وجد میں آجاتی ہے۔ ذیل میں اس کا صرف حاصل وخلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔

”اللہ تعالیٰ نے اپنی پیدا کی ہوئی ساری کائنات میں انسان کو خاص شرف بخشا ہے، دنیا کی ساری چیزیں اس کے لئے پیدا کی گئی ہیں اور اس کو اپنی معرفت اور اطاعت وعبادت کیلئے پیدا فرمایا ہے، ساری مخلوقات کو اس کے لئے مسخر کیا، اور اپنے فرشتوں تک کو اس کا خادم اور محافظ بنایا، پھر اس کی ہدایت ورہنمائی کیلئے کتابیں نازل فرمائیں اور نبوت ورسالت کا سلسلہ جاری فرمایا، پھر ان ہی میں سے کسی کو اپنا خلیل بنایا اور کسی کو شرف ہم کلامی بخشا اور بہت بڑی تعداد کو اپنی ولایت اور قرب خصوصی کی دولت سے

نوازا۔ اور انسانوں ہی کے لئے دراصل جنت ودوزخ کو بنایا۔ الغرض دنیا وآخرت میں عالم خلق وامر میں جو کچھ ہے اور ہوگا اس سب کا اصل مرکز ومحور بنی نوع انسان ہی ہے، اس نے امانت کا بوجھ اٹھایا، اسی کے لئے شریعت کا نزول ہوا، اور ثواب وعذاب دراصل اسی کے لئے ہے۔ پس اس پورے کارخانہ عالم میں انسان ہی اصل مقصود ہے، اللہ نے اس کو اپنے خاص دستِ قدرت سے بنایا، اس میں اپنی روح ڈالی، اپنے فرشتوں سے اس کو سجدہ کرایا، اور ابلیس اس کو سجدہ ہی نہ کرنے کے جرم میں مردود بارگاہ ہوا اور اللہ نے اس کو اپنا دشمن قرار دیا۔ یہ سب اس لئے کہ اس خالق نے انسان ہی میں اس کی صلاحیت رکھی ہے کہ وہ ایک زمینی اور مادی مخلوق ہونے کے باوجود اپنے خالق وپروردگار کی (جو وراء الوراء اور غیب الغیب ہے) اعلیٰ درجہ کی معرفت حاصل کرے، ممکن حد تک اس کے اسرار اور اس کی حکمتوں سے آشنا ہو، اس سے محبت اور اس کی اطاعت کرے، اس کے لئے اپنے نفسانی مرغوبات اور اپنی ہر چیز کو قربان کرے، اور اس دنیا میں اس کی خلافت کی ذمہ داریوں کو ادا کرے اور پھر اس کی خاص الخاص عنایتوں اور بے حساب بخششوں کا مستحق ہو کر اس کی رحمت ورافت، اس کے پیار ومحبت اور اس کے بے انتہا لطف وکرم کا مورد بنے۔ اور چونکہ وہ رب کریم اپنی ذات سے رحیم ہے اور لطف وکریم اس کی ذاتی صفت ہے (جس طرح بلاتشبیہ مامتا ماں کی ذاتی صفت ہے) اس لئے اپنے وفادار اور نیک کردار بندوں کو انعامات واحسانات سے نوازنا اور اپنے عطیات سے ان کی جھولیوں کو بھر دینا اس کے لئے بلاتشبیہ اسی طرح بے انتہا خوشی کا باعث ہوتا ہے جس طرح اپنے بچے کو دودھ پلانا اور نہلا دھلا کر اچھے کپڑے پہنانا مامتا والی ماں کے لئے انتہائی خوشی کا باعث ہوتا ہے۔ اب اگر بندے نے بدبختی سے اپنے اس خالق وپروردگار کی وفاداری اور فرمانبرداری کا راستہ چھوڑ کے بغاوت ونافرمانی کا طریقہ اختیار کرلیا اور اس کے دشمن اور باغی شیطان کے لشکر اور اس کے متبعین میں شامل ہو گیا اور رب کریم کی ذاتی صفت رحمت ورافت اور لطف وکرم کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے بجائے وہ اس کے قہر وغضب کو بھڑکانے لگا تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ میں (بلاتشبیہ) اس غصہ اور ناراضی کی سی کیفیت پیدا ہوگی جو نالائق اور ناخلف بیٹے کی نافرمانی اور بدکرداری دیکھ کر مامتا والی ماں کے دل میں پیدا ہو جاتی ہے۔ پھر اگر اس بندے کو کبھی اپنی غلطی کا احساس ہو جائے اور وہ محسوس کرے کہ میں نے اپنے مالک وپروردگار کو ناراض کر کے خود کو اور اپنے مستقبل کو برباد کرلیا اور اس کے دامن رحم وکرم کے سوا میرے لئے کوئی جائے پناہ نہیں ہے، پھر وہ اپنے کئے پر نادم وپشیمان ہو اور مغفرت ورحمت کا سائل بن کر اس کی بارگاہ کرم کی طرف رجوع کرے، سچے دل سے توبہ کرے، روئے اور گڑگڑائے اور معافی مانگے اور آئندہ کیلئے وفاداری اور فرمانبرداری کا عہد وارادہ کرلے تو سمجھا جاسکتا ہے کہ اس کے اس کریم رب کو جس کی ذاتی صفت رحمت ورافت اور جس کا پیار ماں کے پیار سے بھی ہزاروں گنا زیادہ ہے، اور جو بندوں پر نعمتوں کی بارش برسا کے اتنا خوش ہوتا ہے جتنا نعمتوں کو پا کر محتاج بندے خوش نہیں ہوتے، تو سمجھا جاسکتا ہے کہ ایسے کریم پروردگار کو اپنے اس بندے کی اس توبہ وانابت سے کتنی خوشی ہوگی۔"

شیخ ابن القیمؒ نے اس سے بہت زیادہ وضاحت اور بسط کے ساتھ یہ مضمون لکھنے کے بعد آخر میں کسی عارف کا ایک واقعہ لکھا ہے جو شیطان یا نفس امارہ کے اغواء سے غلط راستے پر پڑ گئے تھے اور سرکشی ونافرمانی کے جراثیم ان کی روح میں پیدا ہونے لگے تھے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

''وہ عارف ایک گلی سے گزر رہے تھے، انہوں نے دیکھا کہ ایک گھر کا دروازہ کھلا اور ایک بچہ روتا چلاتا ہوا اس میں سے نکلا، اس کی ماں اس کو گھر سے دھکے دے دے کر نکال رہی تھی، جب وہ دروازے سے باہر ہوگیا تو ماں نے اندر سے دروازہ بند کرلیا، بچہ اسی طرح روتا چلاتا بکتا بڑبڑاتا کچھ دور تک گیا، پھر ایک جگہ پہنچ کر کھڑا ہوگیا اور سوچنے لگا کہ میں اپنے ماں باپ کے گھر کے سوا کہاں جاسکتا ہوں اور کون مجھے اپنے پاس رکھ سکتا ہے؟ یہ سوچ کر ٹوٹے دل کے ساتھ وہ اپنے گھر کی طرف لوٹ پڑا۔ دروازہ پر پہنچ کر اس نے دیکھا کہ دروازہ اندر سے بند ہے تو وہ بے چارہ وہیں چوکھٹ پر سر رکھ کر پڑ گیا اور اسی حالت میں سو گیا۔ ماں آئی، اس نے دروازہ کھولا اور اپنے بچے کو اس طرح چوکھٹ پر سر رکھ کے پڑا دیکھ کے اس کا دل بھر آیا اور مامتا کا جذبہ اُبھر آیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، بچے کو اٹھا کر سینے سے لگایا اور اس کو پیار کرنے لگی اور کہہ رہی تھی بیٹے تو نے دیکھا تیرے لئے میرے سوا کون ہے، تو نے نالائقی، نادانی اور نافرمانی کا راستہ اختیار کر کے اور میرا دل دکھا کے مجھے وہ غصہ دلایا جو تیرے لئے میری فطرت نہیں ہے، میری فطرت اور مامتا کا تقاضا تو یہی ہے کہ میں تجھ پر پیار کروں اور تجھے راحت و آرام پہنچانے کی کوشش کروں، تیرے لئے ہر خیر اور بھلائی چاہوں میرے پاس جو کچھ ہے تیرے ہی لئے ہے۔

ان عارف نے یہ سارا ماجرا دیکھا اور اس میں ان کے لئے جو سبق تھا وہ لیا۔''

اس قصہ پر غور کرتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد سامنے رکھئے: ''**اَللّٰہُ اَرْحَمُ لِعِبَادِہٖ مِنْ ھٰذِہٖ بِوَلَدِھَا**''۔ خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ کی ذات میں اپنے بندوں کیلئے اس سے زیادہ پیار اور رحم ہے جتنا کہ اس ماں میں اپنے بچے کیلئے ہے۔

(یہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی ایک حدیث کا ٹکڑا ہے۔ ایک عورت تھی جو بڑے والہانہ انداز میں اپنے بچے کو بار بار اٹھا کے سینے سے لگاتی اور دودھ پلاتی تھی، دیکھنے والوں کو محسوس ہوتا تھا کہ مامتا کے جذبہ سے اس کا سینہ بھرا ہوا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی طرف اشارہ کر کے فرمایا تھا: ''خدا کی قسم! اللہ کی ذات میں اپنے بندوں کیلئے اس سے زیادہ پیار اور ترحم ہے جتنا کہ اس ماں میں اپنے بچے کے لئے ہے۔'')

کیسے بدبخت اور محروم ہیں وہ بندے جنہوں نے نافرمانی کی راہ اپنا کے ایسے رحیم وکریم پروردگار کی رحمت سے اپنے کو محروم کرلیا ہے اور اس کے قہر وغضب کو بھڑکا رہے ہیں، حالانکہ توبہ کا دروازہ ان کے لئے کھلا ہوا ہے اور وہ اس کی طرف قدم بڑھا کے اللہ تعالیٰ کا وہ پیار حاصل کرسکتے ہیں جس کے سامنے ماں کا پیار کچھ بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان حقائق کا فہم اور یقین نصیب فرمائے۔

يَا غَفَّارُ اغْفِرْلِیْ يَا تَوَّابُ تُبْ عَلَیَّ يَا رَحْمٰنُ ارْحَمْنِیْ يَا رَؤُفُ ارْؤُفْ بِیْ يَا عَفُوُّ اعْفُ عَنِّیْ يَا رَبِّ اَوْزِعْنِیْ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَکَ عَلَیَّ وَطَوِّقْنِیْ حُسْنَ عِبَادَتِکَ.

مسئلہ صلوٰۃ وسلام فقہاء کی نظر میں

امت کے فقہاء اس پر تقریباً متفق ہیں کہ سورۂ احزاب کی اس آیت کی رو سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود و سلام بھیجنا ہر فرد اُمت پر فرض ہے، پھر ائمہ اُمت میں سے امام شافعیؒ اور ایک روایت کے مطابق امام احمدؒ بھی اس کے قائل ہیں کہ خاص کر ہر نماز کے قعدۂ اخیرہ میں تشہد کے بعد درود شریف پڑھنا واجبات نماز میں سے ہے، اگر نہ پڑھی تو ان ائمہ کے

نزدیک نماز ہی نہ ہوگی۔ لیکن امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ اور اکثر دوسرے فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ قعدہ میں تشہد تو بے شک واجب ہے جس کے ضمن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سلام بھی آ جاتا ہے لیکن اس کے بعد مستقلاً درود شریف پڑھنا فرض یا واجب نہیں بلکہ ایک اہم اور مبارک سنت ہے جس کے چھوٹ جانے سے نماز میں بڑا نقص رہ جاتا ہے۔ مگر اس اختلاف کے باوجود اس پر تقریباً اتفاق ہے کہ قرآنی آیت کے حکم کی تعمیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام بھیجنا ہر مسلمان پر اُسی طرح فرض عین ہے جس طرح مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی شہادت دینا، جس کے لئے کسی وقت اور تعداد کا تعین نہیں کیا گیا ہے اور اس کا ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ ایک دفعہ پڑھ لے اور پھر اس پر قائم رہے۔

بعض احادیث سے معلوم ہوگا کہ جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر آئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر لازماً درود بھیجا جائے اور اس میں کوتاہی کرنے والوں کے لئے سخت وعیدیں بھی آئیں گی۔ ان احادیث کی بناء پر بہت سے فقہاء اس کے بھی قائل ہیں کہ جب کوئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر کرے یا کسی دوسرے سے سنے تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجنا واجب ہے۔ پھر ایک رائے یہ ہے کہ اگر ایک ہی نشست اور ایک ہی سلسلہ کلام میں بار بار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر آئے تو ہر دفعہ درود بھیجنا واجب ہوگا۔ اور دوسری رائے یہ ہے کہ اس صورت میں ایک دفعہ درود بھیجنا تو واجب ہوگا اور ہر دفعہ پڑھنا مستحب ہوگا اور محققین نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

درود شریف کی امتیازی خاصیت

اللہ تعالیٰ نے جس طرح ہماری اس مادی دنیا میں پھلوں اور پھولوں کو الگ الگ رنگتیں دی ہیں اور ان میں مختلف قسم کی خوشبوئیں رکھی ہیں (ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر ست) اسی طرح مختلف عبادات اور اذکار و دعوات کے الگ الگ خواص اور برکات ہیں۔ درود شریف کی امتیازی خاصیت یہ ہے کہ خلوص دل سے اس کی کثرت، اللہ تعالیٰ کی خاص نظر رحمت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روحانی قرب اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصی شفقت و عنایت حاصل ہونے کا خاص الخاص وسیلہ ہے۔ بعض حدیثوں سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ ہر اُمتی کا درود و سلام اس کے نام کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچایا جاتا ہے اور اس کے لئے فرشتوں کا ایک پورا عملہ ہے۔

یہاں ایک بات یہ بھی قابل ذکر ہے کہ درود و سلام اگرچہ بظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں اللہ تعالیٰ سے ایک دعا ہے لیکن جس طرح کسی دوسرے کے لئے دعا کرنے کا اصل مقصد اس کو نفع پہنچانا ہوتا ہے، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود و سلام بھیجنے کا مقصد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پاک کو نفع پہنچانا نہیں ہوتا، ہماری دعاؤں کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قطعاً کوئی احتیاج نہیں۔ بادشاہوں کو فقیروں، مسکینوں کے تحفوں اور ہدیوں کی کیا ضرورت۔ بلکہ جس طرح اللہ تعالیٰ کا ہم بندوں پر حق ہے کہ اس کی عبادت اور حمد و تسبیح کے ذریعہ اپنی عبدیت اور عبودیت کا نذرانہ اس کے حضور میں پیش کریں اور اس سے اللہ تعالیٰ کو کوئی نفع نہیں پہنچتا بلکہ وہ خود ہماری ضرورت ہے، اور اس کا نفع ہم ہی کو پہنچتا ہے، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے محاسن وکمالات، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیغمبرانہ خدمات اور امت پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عظیم احسانات کا یہ حق ہے کہ امتی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں عقیدت ومحبت اور وفاداری و نیازمندی کا ہدیہ اور ممنونیت وسپاس گزاری کا نذرانہ پیش کریں، اسی کے لئے درود وسلام کا یہ طریقہ مقرر کیا گیا ہے۔ اور جیسا کہ عرض کیا گیا اس کا مقصد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوئی نفع پہنچانا نہیں ہوتا۔ بلکہ اپنے ہی نفع کیلئے یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا وثواب آخرت اور اس کے رسول پاک کا روحانی قرب اور ان کی خاص نظر عنایت حاصل کرنے کے لئے درود وسلام پڑھا جاتا ہے اور پڑھنے والے کا اصل مقصد بس یہی ہوتا ہے۔

پھر یہ اللہ تعالیٰ کا خاص کرم ہے کہ وہ ہمارا درود وسلام کا یہ ہدیہ اپنے رسول پاک تک فرشتوں کے ذریعہ پہنچواتا ہے اور بہت سوں کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قبر مبارک میں براہ راست بھی سنوا دیتا ہے۔ نیز ہمارے اس درود وسلام کے حساب میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اپنے الطاف وعنایات اور تکریم وتشریف میں اضافہ فرماتا ہے۔

درود وسلام کی خاص حکمت

انبیاء علیہم السلام اور خاص کر سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عقیدت ومحبت اور وفاداری و نیازمندی کا ہدیہ اور ممنونیت وسپاس گزاری کا نذرانہ پیش کرنے کیلئے درود وسلام کا طریقہ مقرر کرنے کی سب سے بڑی حکمت یہ ہے کہ اس سے شرک کی جڑ کٹ جاتی ہے، اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے مقدس اور محترم ہستیاں انبیاء علیہم السلام ہی کی ہیں اور ان میں سب سے اکرم وافضل خاتم النبیین سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ جب ان کے بارے میں بھی یہ حکم دیدیا گیا کہ ان پر درود وسلام بھیجا جائے (یعنی اللہ تعالیٰ سے ان کے لئے خاص الخاص عنایت ورحمت اور سلامتی کی دعا کی جائے) تو معلوم ہوا کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت وعنایت اور نظر کرم کے محتاج ہیں اور ان کا حق اور مقام عالی یہی ہے کہ ان کے واسطے اللہ تعالیٰ سے اعلیٰ سے اعلیٰ دعائیں کی جائیں، اس کے بعد شرک کے لئے کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ کتنا بڑا اکرم ہے رب کریم کا کہ اس کے اس حکم نے ہم بندوں اور امتیوں کو نبیوں اور رسولوں کا اور خاص کر سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دعا گو بنا دیا۔ جو بندہ ان مقدس ہستیوں کا دعا گو ہو وہ کسی مخلوق کا پرستار کیسے ہوسکتا ہے؟

درود وسلام کے فضائل وبرکات

عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حَتّٰی دَخَلَ نَخْلًا فَسَجَدَ فَاَطَالَ السُّجُوْدَ حَتّٰی خَشِیْتُ اَنْ یَّکُوْنَ اللّٰہُ قَدْ تَوَفَّاہُ قَالَ فَجِئْتُ اَنْظُرُ فَرَفَعَ رَأْسَہٗ فَقَالَ مَالَکَ؟ فَذَکَرْتُ لَہٗ ذٰلِکَ قَالَ فَقَالَ اِنَّ جِبْرَئِیْلَ عَلَیْہِ السَّلَامُ قَالَ لِیْ اَلَا اُبَشِّرُکَ اَنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ یَقُوْلُ لَکَ مَنْ صَلّٰی عَلَیْکَ صَلٰوۃً صَلَّیْتُ عَلَیْہِ وَمَنْ سَلَّمَ عَلَیْکَ سَلَّمْتُ عَلَیْہِ۔ (رواہ احمد)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آبادی سے نکل کر کھجوروں کے ایک باغ میں پہنچے اور سجدے میں گر گئے اور بہت دیر تک اسی طرح سجدے میں پڑے رہے، یہاں تک کہ مجھے

خطرہ ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وفات تو نہیں پا گئے۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور غور سے دیکھنے لگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سر مبارک سجدے سے اٹھایا اور مجھ سے فرمایا کیا بات ہے اور تمہیں کیا فکر ہے؟ میں نے عرض کیا کہ (آپ کے دیر تک سجدے سے سر نہ اٹھانے کی وجہ سے) مجھے ایسا شبہ ہوا تھا، اس لئے میں آپ کو دیکھ رہا تھا۔ تو آپ نے فرمایا کہ اصل واقعہ یہ ہے کہ جبرئیلؑ نے آ کر مجھ سے کہا تھا کہ میں تمہیں بشارت سناتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ جو بندہ تم پر صلوٰۃ بھیجے میں اس پر صلوٰۃ بھیجوں گا اور جو تم پر سلام بھیجے میں اس پر سلام بھیجوں گا۔ (مسند احمد)

تشریح......اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام بھیجنے والے کے لئے اللہ کی طرف سے صلوٰۃ وسلام بھیجے جانے کا ذکر ہے، لیکن دس کا عدد اس روایت میں مذکور نہیں ہے، مگر حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ حضرت جبرئیلؑ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دس دفعہ صلوٰۃ وسلام بھیجے جانے کی بشارت دی تھی۔ پھر یا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو بتاتے وقت دس کے عدد کا ذکر ضروری نہیں سمجھا، یا بعد کے کسی راوی کے بیان کرنے سے رہ گیا۔

اسی حدیث کی مسند احمد کی ایک روایت میں یہ لفظ بھی ہے کہ: ''فَسَجَدْتُ لِلّٰهِ شُكْرًا'' (یعنی میں نے اس بشارت کے شکر میں یہ سجدہ کیا تھا) امام بیہقی نے اس حدیث کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ سجدۂ شکر کے ثبوت میں میری نظر میں یہ سب سے زیادہ صحیح حدیث ہے۔ واللہ اعلم۔

قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث طبرانی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کی ہے، اس میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک غیر معمولی قسم کے سجدے کا ذکر ہے، اس کے آخر میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سجدے سے اٹھ کر مجھے بتایا کہ:

اِنَّ جِبْرَئِيْلَ اَتَانِىْ فَقَالَ مَنْ صَلّٰى عَلَيْكَ مِنْ اُمَّتِكَ وَاحِدَةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ عَشْرًا وَرَفَعَهُ بِهَا عَشْرَ دَرَجَاتٍ. (معجم اوسط للطبرانی وسنن سعید بن منصور)

جبرئیلؑ میرے پاس آئے اور انہوں نے یہ پیغام پہنچایا کہ تمہارا جو اُمتی تم پر ایک صلوٰۃ بھیجے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس صلوٰۃ بھیجے گا اور اس کے دس درجے بلند فرمائے گا۔

اس حدیث کا مقصد و مدعا ہم امتیوں کو یہی بتانا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صلوٰۃ وسلام کا تمغہ اور اس کی بے انتہا عنایتیں اور رحمتیں حاصل کرنے کا ایک کامیاب اور بہترین ذریعہ خلوص قلب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام بھیجنا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایک دفعہ کے صلوٰۃ وسلام کے صلہ میں دس دفعہ صلوٰۃ وسلام بھیجتا ہے، دس درجے بلند فرماتا ہے، نامہ اعمال میں سے دس گناہ مٹا دیئے جاتے ہیں اور دس نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں۔ مثلاً اگر کوئی بندہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر روزانہ صرف سو دفعہ درود پاک پڑھتا ہے تو ان احادیث کی بشارت کے مطابق جو ایک دو نہیں بلکہ بہت سے صحابہ کرامؓ (سے صحاح اور سنن ومسانید کی قریباً سب ہی کتابوں میں قابل اعتماد سندوں کے ساتھ مروی ہیں) اس پر اللہ تعالیٰ ایک ہزار صلوٰتیں بھیجتا ہے، یعنی رحمتیں اور نوازشیں فرماتا ہے، اسکے مرتبہ میں ایک ہزار درجے ترقی دی جاتی ہے، اس کے اعمال نامہ سے ایک ہزار گناہ مٹا دیئے جاتے ہیں

اورا یک ہزار نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔اللہ اکبر! کتنا ارزاں اور نفع بخش سودا ہے۔اور کتنے خاسر اور بے نصیب ہیں وہ لوگ جنہوں نے اس سعادت اور کمائی سے خود کو محروم کر رکھا ہے۔اللہ تعالیٰ یقین نصیب فرمائے اور عمل کی توفیق دے۔

درود سے غفلت پر ہلاکت

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه و آله وسلم رَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیَّ وَرَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ دَخَلَ عَلَیْهِ رَمَضَانُ ثُمَّ انْسَلَخَ قَبْلَ اَنْ یُّغْفَرَ لَهٗ وَرَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ اَدْرَكَ عِنْدَهٗ اَبَوَاهُ الْكِبَرَ اَوْ اَحَدُهُمَا فَلَمْ یُدْخِلَاهُ الْجَنَّةَ. (رواه الترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ذلیل وخوار ہو وہ آدمی جس کے سامنے میرا ذکر آئے اور وہ اس وقت بھی مجھ پر صلوٰۃ یعنی درود نہ بھیجے،اور اسی طرح ذلیل وخوار ہو وہ آدمی جس کے لئے رمضان کا (رحمت و مغفرت والا) مہینے آئے اور اس کے گزرنے سے پہلے اس کی مغفرت کا فیصلہ نہ ہو جائے (یعنی رمضان کا مبارک مہینہ بھی وہ غفلت و خدافراموشی میں گزار دے اور توبہ واستغفار کر کے اپنی مغفرت کا فیصلہ نہ کرالے) اور ذلیل وخوار ہو وہ آدمی جس کے ماں باپ یا دونوں میں سے کوئی ایک اس کے سامنے بڑھاپے کو پہنچیں اور وہ (ان کی خدمت کر کے) جنت کا استحقاق حاصل نہ کر لے۔(جامع ترمذی)

تشریح ...... اس حدیث میں تین قسم کے جن آدمیوں کے لئے ذلت وخواری کی بددعا ہے ان کا مشترک سنگین جرم یہ ہے کہ ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص عنایت اور رحمت ومغفرت حاصل کرنے کے بہترین مواقع فراہم کئے،لیکن انہوں نے خدا کی رحمت ومغفرت کو حاصل کرنا ہی نہیں چاہا اور اس سے محروم رہنا ہی اپنے لئے پسند کیا،بے شک وہ بدبخت ایسی ہی بددعا کے مستحق ہیں۔اور آگے درج ہونے والی حدیث سے معلوم ہوگا کہ ایسے محروموں کے لئے اللہ کے مقرب ترین فرشتے حضرت جبرئیل امینؑ نے بھی بڑی سخت بددعا کی ہے،اللہ کی پناہ!

عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه و آله وسلم اُحْضُرُوْا فَحَضَرْنَا فَلَمَّا ارْتَقَی الدَّرَجَةَ قَالَ اٰمِیْنَ ثُمَّ ارْتَقَی الدَّرَجَةَ الثَّانِیَةَ فَقَالَ اٰمِیْن ثُمَّ ارْتَقَی الدَّرَجَةَ الثَّالِثَةَ فَقَالَ اٰمِیْنَ فَلَمَّا فَرَغَ نَزَلَ عَنِ الْمِنْبَرِ فَقُلْنَا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ سَمِعْنَا مِنْكَ الْیَوْمَ شَیْئًا مَا كُنَّا نَسْمَعُهٗ فَقَالَ اِنَّ جِبْرَئِیْلَ عَرَضَ لِیْ فَقَالَ بَعُدَ مَنْ اَدْرَكَ رَمَضَانَ فَلَمْ یُغْفَرْ لَهٗ فَقُلْتُ اٰمِیْنَ فَلَمَّا رَقِیْتُ الثَّانِیَةَ قَالَ بَعُدَ مَنْ ذُكِرْتَ عِنْدَهٗ فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیْكَ فَقُلْتَ اٰمِیْنَ فَلَمَّا رَقِیْتُ الثَّالِثَةَ قَالَ بَعُدَ مَنْ اَدْرَكَ اَبَوَیْهِ الْكِبَرُ اَوْ اَحَدُهُمَا فَلَمْ یَدْخُلِ الْجَنَّةَ فَقُلْتُ اٰمِیْنَ. (رواه الحاكم فی المستدرک وقال صحیح الاسناد)

حضرت کعب بن عجرہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم لوگوں کو فرمایا: میرے پاس آجاؤ؟ ہم لوگ حاضر ہو گئے (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو کچھ ارشاد فرمانا تھا اس کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر جانے لگے) جب منبر کے پہلے درجے پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قدم رکھا تو فرمایا: آمین۔پھر جب دوسرے درجے پر

قدم رکھا تو پھر فرمایا: امین۔ اسی طرح جب تیسرے درجے پر قدم رکھا تو پھر فرمایا: امین۔ پھر جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرمانا تھا جب اس سے فارغ ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر سے نیچے اُتر آئے تو ہم لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آج ہم نے آپ سے ایک ایسی چیز سنی جو ہم پہلے نہیں سنتے تھے (یعنی منبر کے ہر درجے پر قدم رکھتے وقت آج آپ امین۔ کہتے تھے، یہ نئی بات تھی) آپ نے بتایا کہ: ''جب میں منبر پر چڑھنے لگا تو جبرئیل امینؑ آ گئے۔ انہوں نے کہا: ''بَعُدَ مَنْ اَدْرَکَ رَمَضَانَ فَلَمْ یُغْفَرْ لَهٗ.'' (تباہ و برباد ہو وہ محروم جو رمضان مبارک پائے اور اس میں بھی اس کی مغفرت کا فیصلہ نہ ہو) تو میں نے کہا آمین پھر جب میں نے منبر کے دوسرے درجہ پر قدم رکھا تو انہوں نے کہا: ''بَعُدَ مَنْ ذُکِرْتَ عِنْدَهٗ فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیْکَ.'' (تباہ و برباد ہو وہ بے توفیق اور بے نصیب جس کے سامنے آپ کا ذکر آئے اور وہ اس وقت بھی تم پر درود نہ بھیجے) تو میں نے اس پر بھی کہا آمین۔ پھر جب میں نے منبر کے تیسرے درجہ پر قدم رکھا تو انہوں نے کہا: ''بَعُدَ مَنْ اَدْرَکَ اَبَوَیْهِ الْکِبَرُ اَوْ اَحَدَهُمَا فَلَمْ یُدْخِلِ الْجَنَّةَ.'' (تباہ و برباد ہو وہ بد بخت آدمی جس کے ماں باپ یا ان دو میں سے ایک اس کے سامنے بوڑھے ہو جائیں اور وہ (ان کی خدمت کر کے اور ان کو راضی وخوش کر کے) جنت میں مستحق نہ ہو جائے) اس پر بھی میں نے کہا آمین۔ (مستدرک حاکم)

تشریح..... اس حدیث کا مضمون بھی قریب قریب وہی ہے جو اس سے پہلی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث کا تھا، فرق اتنا ہے کہ اس میں اصل بددعا کرنے والے حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی ہر بددعا پر آمین کہا ہے۔

حضرت جبرئیلؑ کی بددعا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آمین کہنے کا یہی واقعہ الفاظ کے تھوڑے سے فرق کے ساتھ حضرت کعب بن عجرہ انصاری کے علاوہ حضرت ابن عباس، حضرت انس، حضرت جابر بن سمرہ، مالک بن الحویرث اور عبداللہ بن الحارث رضی اللہ عنہم سے بھی حدیث کی مختلف کتابوں میں روایت کیا گیا ہے۔ ان میں سے بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ حضرت جبرئیلؑ بددعا کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مطالبہ کرتے تھے کہ آپ آمین کہئے تو آپ آمین کہتے تھے۔ اس حدیث میں مذکورۂ بالا تین قسم کے محروموں کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت جبرئیلؑ کی طرف سے سخت ترین بددعا کے انداز میں جس طرح انتہائی ناراضی اور بیزاری کا اظہار کیا گیا ہے، یہ دراصل ان تینوں کوتاہیوں کے بارے میں سخت ترین انتباہ ہے۔ نیز اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی محبوبیت کی وجہ سے فرشتوں کی دنیا اور ملاء اعلیٰ میں عظمت ومحبوبیت کا وہ بلند ترین مقام حاصل ہے کہ جو شخص آپ کے حق کی ادائیگی کے معاملہ میں صرف اتنی کوتاہی اور غفلت کرے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر کے وقت آپ پر درود نہ بھیجے تو اس کے لئے سارے ملاء اعلیٰ کے امام اور نمائندے حضرت جبرئیل کے دل سے اتنی سخت بددعا نکلتی ہے اور وہ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی آمین کہلواتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس قسم کی ہر تقصیر اور کوتاہی سے محفوظ رکھے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حق شناسی اور حق کی ادائیگی کی توفیق دے۔

ایسی احادیث کی بناء پر فقہاء نے یہ رائے قائم کی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجنا ذکر کرنے والے پر بھی اور سننے والے پر بھی واجب ہے، جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔

ہر وقت ذکر اللہ اور درود شریف کی ضرورت

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ رضى الله عنه قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه و آله وسلم مَا جَلَسَ قَوْمٌ مَجْلِسًا لَمْ يَذْكُرُوْا اللهَ فِيْهِ وَلَمْ يُصَلُّوْا عَلٰى نَبِيِّهِمْ اِلَّا كَانَ عَلَيْهِمْ تِرَةً فَاِنْ شَاءَ عَذَّبَهُمْ وَاِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهُمْ. (رواه الترمذى)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو لوگ کہیں بیٹھے اور انہوں نے اس نشست میں نہ اللہ کو یاد کیا اور نہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجا (یعنی ان کی وہ مجلس اور نشست ذکر اللہ اور صلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بالکل خالی رہی) تو قیامت میں یہ ان کے لئے حسرت وخسران کا باعث ہوگی۔ پھر چاہے اللہ ان کو عذاب دے اور چاہے معاف فرمادے اور بخش دے۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... معلوم ہوا کہ مسلمان کی کوئی نشست اور مجلس ایسی نہ ہونی چاہیئے جو اللہ کے ذکر سے اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود وسلام سے خالی رہے۔ اگر زندگی میں ایک نشست بھی ایسی ہوئی تو قیامت میں اس پر باز پرس ہوگی۔ اور اس وقت سخت حسرت اور پشیمانی ہوگی پھر چاہے اللہ کی طرف سے معافی مل جائے یا سزا دی جائے۔

یہی مضمون قریب قریب ان ہی الفاظ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت ابو سعید خدری، حضرت ابو امامہ باہلی اور حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہم سے بھی حدیث کی مختلف کتابوں میں مروی ہے۔

درود شریف کی کثرت قیامت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصوصی قرب کا وسیلہ

عَنْ رُوَيْفِعِ بْنِ ثَابِتٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه و آله وسلم قَالَ مَنْ صَلّٰى عَلٰى مُحَمَّدٍ وَقَالَ اَللّٰهُمَّ اَنْزِلْهُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِىْ. (رواه احمد)

حضرت رویفع بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میرا جو اُمتی مجھ پر صلوٰۃ بھیجے اور ساتھ ہی یہ دعا کرے کہ: "اَللّٰهُمَّ اَنْزِلْهُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ." (اے اللہ! ان کو یعنی اپنے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قیامت کے دن اپنے قریب کی نشست گاہ (کرسی) عطا فرما) اس کیلئے میری شفاعت واجب ہوگی۔ (مسند احمد)

تشریح...... اس حدیث کو طبرانی نے بھی معجم کبیر میں روایت کیا ہے اور اس کے یہ الفاظ ہیں: "مَنْ قَالَ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَاَنْزِلْهُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِىْ." اس میں صلوٰۃ اور دعا کے پورے الفاظ آ گئے ہیں اور بہت مختصر ہیں۔ یوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے سب ہی امتیوں کی ان شاء اللہ شفاعت فرمائیں گے، لیکن جو اہل ایمان آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ان الفاظ میں درود بھیجیں اور اللہ تعالیٰ سے آپ کے لئے یہ دعا کریں۔ ان کی شفاعت کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے پر خصوصی حق سمجھیں گے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کی سفارش امید ہے کہ اہتمام سے فرمائیں گے۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَاَنْزِلْهُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ.

درود شریف سے دعا کی قبولیت

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اِنَّ الدُّعَاءَ مَوْقُوْفٌ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ لَا يَصْعَدُ مِنْهُ شَيْئٌ حَتّٰى تُصَلِّيَ عَلٰى نَبِيِّكَ. (رواه الترمذی)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: دعا آسمان اور زمین کے درمیان ہی رکی رہتی ہے اوپر نہیں جا سکتی جب تک کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود نہ بھیجا جائے۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... ایک حدیث میں ہدایت فرمائی گئی ہے کہ دعا کرنے والے کو چاہئے کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنی حاجت عرض کرے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ دعا کے بعد بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوۃ بھیجنی چاہئے، وہ دعا کی قبولیت کا خاص وسیلہ ہے۔ ''حصن حصین'' میں شیخ ابوسلیمان دارانیؒ سے نقل کیا گیا ہے انہوں نے فرمایا کہ درود شریف (جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں ایک اعلیٰ واشرف دعا ہے) وہ تو اللہ تعالیٰ ضرور ہی قبول فرماتا ہے، پھر جب بندہ اپنی دعا سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں دعا کرے اور اس کے بعد بھی دعا کرے تو اس کے کرم سے یہ بہت ہی بعید ہے کہ وہ اول وآخر کی دعائیں تو قبول کر لے اور درمیان کی اس بے چارے کی دعا رد کر دے، اس لئے پوری امید رکھنی چاہئے کہ جس دعا کے اول وآخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ بھیجی جائے گی وہ ان شاء اللہ ضرور قبول ہوگی۔

مندرجہ بالا روایت میں اس کا ذکر نہیں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بات (جو انہوں نے دعا کی قبولیت کے بارے میں فرمائی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی تھی، لیکن چونکہ یہ ایسی بات ہے کہ کوئی شخص اپنی رائے اور فہم سے ایسا دعویٰ نہیں کر سکتا، بلکہ اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سن کے ہی ایسی بات کہی جا سکتی ہے، اس لئے محدثین کے مسلمہ اصول کے مطابق یہ روایت حدیث مرفوع ہی کے حکم میں ہے۔

دنیا میں کہیں بھی درود بھیجا جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچتا ہے

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يَقُوْلُ لَا تَجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قُبُوْرًا وَّلَا تَجْعَلُوْا قَبْرِيْ عِيْدًا وَصَلُّوْا عَلَيَّ فَاِنَّ صَلٰوتَكُمْ تَبْلُغُنِيْ حَيْثُ كُنْتُمْ. (رواه النسائی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خود سنا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم اپنے گھروں کو قبریں نہ بنالو، اور میری قبر کو میلہ نہ بنالینا ہاں مجھ پر صلوٰۃ بھیجا کرنا، تم جہاں بھی ہوگے مجھے تمہاری صلوٰۃ پہنچے گی۔ (سنن نسائی)

تشریح...... اس حدیث میں تین ہدایتیں فرمائی گئی ہیں، پہلی یہ کہ: ''اپنے گھروں کو قبریں نہ بنالو'' اس کا مطلب عام طور سے شارحین نے یہ بیان کیا ہے کہ جس طرح قبروں میں مُردے ذکر وعبادت نہیں کرتے، اور قبریں ذکر وعبادت سے خالی رہتی

ہیں، تم اپنے گھروں کو ایسا نہ بنالو کہ وہ ذکر وعبادت سے خالی رہیں، بلکہ ان کو ذکر وعبادت سے معمور رکھو۔اس سے معلوم ہوا کہ جن گھروں میں اللہ کا ذکر اور اس کی عبادت نہ ہو وہ زندوں کے گھر نہیں، بلکہ مُردوں کے قبرستان ہیں۔

دوسری ہدایت یہ فرمائی گئی ہے کہ "میری قبر کو میلہ نہ بنالینا"، یعنی جس طرح سال کے کسی معین دن میں میلوں میں لوگ جمع ہوتے ہیں اس طرح میری قبر پر کوئی میلہ نہ لگایا جائے۔

بزرگان دین کی قبروں پر عرسوں کے نام سے جو میلے ہوتے ہیں ان سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اگر خدانخواستہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر شریف پر کوئی میلہ اس طرح کا ہوتا تو اس سے روح پاک کو کتنی شدید اذیت پہنچتی۔

تیسری ہدایت یہ فرمائی گئی ہے کہ تم مشرق یا مغرب میں خشکی یا تری میں جہاں بھی ہو، مجھ پر صلوٰۃ بھیجو، وہ مجھے پہنچے گی۔یہی مضمون قریب قریب انہی الفاظ میں طبرانی نے اپنی سند سے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے، اس کے الفاظ ہیں: "حَيْثُمَا كُنْتُمْ فَصَلُّوا عَلَيَّ فَإِنَّ صَلٰوتَكُمْ تَبْلُغُنِيْ." اللہ تعالیٰ نے جن بندوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ قلبی تعلق کا کچھ حصہ عطا فرمایا ہے ان کے لئے یہ کتنی بڑی بشارت اور تسلی کی بات ہے کہ خواہ وہ ہزاروں میل دور ہوں ان کا صلوٰۃ وسلام آپ کو پہنچتا ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مَا مِنْ اَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ اِلَّا رَدَّ اللهُ عَلَيَّ رُوْحِيْ حَتّٰى اَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ. (رواہ ابوداؤد والبیہقی فی الدعوات الکبیر)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: جب کوئی مجھ پر سلام بھیجے گا تو اللہ تعالیٰ میری روح مجھ پر واپس فرمائے گا تا کہ میں اس کے سلام کا جواب دیدوں۔(سنن ابی داؤد، دعوات کبیر للبیہقی)

تشریح......حدیث کے ظاہری الفاظ "اِلَّا رَدَّ اللهُ عَلَيَّ رُوْحِيْ" سے یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ آپ کی روح مبارک جسد اطہر سے الگ رہتی ہے، جب کوئی سلام عرض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسد اطہر میں روح مبارک کو لوٹا دیتا ہے تا کہ آپ سلام کا جواب دے سکیں۔ظاہر ہے کہ یہ بات کسی طرح صحیح نہیں ہوسکتی، اگر اس کو تسلیم کرلیا جائے تو ماننا پڑے گا کہ ایک دن میں لاکھوں کروڑوں دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح مبارک جسم اقدس میں ڈالی اور نکالی جاتی ہے، کیونکہ کوئی دن ایسا نہیں ہوتا کہ آپ کے لاکھوں کروڑوں اُمتی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام نہ بھیجتے ہوں۔روضہ اقدس پر حاضر ہوکر سلام عرض کرنے والوں کا بھی ہر وقت تانتا بندھا رہتا ہے، اور عام دنوں میں بھی ان کا شمار ہزاروں سے کم نہیں ہوتا۔علاوہ ازیں انبیاء علیہم السلام کا اپنی قبور میں زندہ ہونا ایک مسلم حقیقت ہے۔اگر چہ اس حیات کی نوعیت کے بارے میں علماء امت کی رائیں مختلف ہیں، لیکن اتنی بات سب کے نزدیک مسلم اور دلائل شرعیہ سے ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور خاص کر سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی قبور میں حیات حاصل ہے اس لئے حدیث کا یہ مطلب کسی طرح نہیں ہوسکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسد اطہر روح سے خالی رہتا ہے اور جب کوئی سلام عرض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ جواب دلوانے کے لئے اس میں روح ڈال دیتا ہے۔اس بناء پر اکثر شارحین نے "رِدروح" کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ قبر مبارک میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح پاک کی تمام تر توجہ دوسرے عالم کی طرف اور اللہ تعالیٰ کی جمالی وجلالی تجلیات کے مشاہدہ میں مصروف رہتی ہے (اور یہ بات بالکل

قرین قیاس ہے) پھر جب کوئی اُمتی سلام عرض کرتا ہے اور وہ فرشتہ کے ذریعہ یا براہ راست آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے اذن سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح اس طرف بھی متوجہ ہوتی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سلام کا جواب دیتے ہیں، بس اس روحانی توجہ والتفات کو "ردِ روح" سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود وسلام بھیجنے کا ہم بندوں کو حکم دیا اور بڑے مؤثر اور پیارے انداز میں حکم دیا، اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف پیرایوں میں اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے اس کے برکات اور فضائل بیان فرمائے۔ پھر صحابہ کرام کے دریافت کرنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دُرود وسلام کے خاص کلمات بھی تعلیم فرمائے۔

برکت کی حکمت

صلوٰۃ کے بارے میں پہلے بقدر ضرورت کلام کیا جا چکا ہے اور بتایا جا چکا ہے کہ اس کے مفہوم میں بڑی وسعت ہے۔ تشریف و تکریم، مدح وثنا، رحمت ورأفت، محبت وعطوفت، رفع مراتب، ارادۂ خیر، اعطاء خیر، اور دعائے خیر سب ہی کو صلوٰۃ کا مفہوم حاوی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی بندہ پر "برکت" ہونے کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ اس کے لئے بھر پور نوازش وعنایت اور خیر ونعمت کا اور اس کے دوام اور اس میں برابر اضافہ اور ترقی کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے فیصلہ ہے۔ بہر حال برکت کسی ایسی چیز کا نام نہیں ہے جس کو "صلوٰۃ" کا وسیع مفہوم حاوی نہ ہو۔ اس لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے حضور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے صلوٰۃ کی استدعا کرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے برکت یا رحمت کی دعا اور التجا کرنے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی، لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعا اور سوال کے موقع پر یہی مستحسن ہے کہ مختلف الفاظ وعبارات میں بار بار عرض ومعروض کی جائے، اس سے بندہ کی شدید محتاجی اور صدق طلب کا اظہار ہوتا ہے اور سائل اور منگتا کیلئے یہی مناسب ہے۔ اس لئے ابراہیمی درود شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل کے لئے اللہ تعالیٰ سے صلوٰۃ کی استدعا کے بعد برکت کی التجا بھی کی گئی ہے اور بعض دوسری روایات میں صلوٰۃ اور برکت کے بعد ترحم کا بھی سوال کیا گیا ہے۔

درود ابراہیمی میں تشبیہ کی حقیقت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تلقین فرمائے ہوئے درود ابراہیمی میں اللہ تعالیٰ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل پر صلوٰۃ اور برکت نازل کرنے کی درخواست کرتے ہوئے عرض کیا گیا ہے کہ ایسی صلوٰۃ اور برکت نازل فرما جیسی کہ تو نے حضرت ابراہیمؑ اور ان کی آل پر نازل فرمائی۔ اس تشبیہ کے بارے میں ایک مشہور علمی اشکال ہے کہ تشبیہ میں مشبہ، مشبہ بہ کے مقابلہ میں کمتر ہوتا ہے اور مشبہ بہ اعلیٰ اور برتر ہوتا ہے۔ مثلاً ٹھنڈے پانی کو برف سے تشبیہ دی جاتی ہے تو پانی خواہ کتنا ہی ٹھنڈا ہو، ٹھنڈک میں بہر حال برف سے کمتر ہوتا ہے اور برف میں اس سے زیادہ ٹھنڈک ہوتی ہے۔ اس اصول پر درود شریف کی مذکورۂ بالا تشبیہ سے لازم آتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اور آل ابراہیمؑ پر نازل ہونے والی صلوٰۃ وبرکات ان صلوٰۃ وبرکات

سے اعلیٰ اور افضل ہوں جن کی درود ابراہیمی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی آل کے لئے استدعا اور التجا کی گئی ہے۔

شارحین حدیث نے اس اشکال کے بہت سے جوابات دیئے ہیں جو فتح الباری وغیرہ میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ سب سے زیادہ تسلی بخش جواب یہ ہے کہ تشبیہ کبھی صرف نوعیت کی تعیین کے لئے بھی ہوتی ہے مثلاً ایک شخص کسی خاص قسم کے کپڑے کا ایک پرانا ٹکڑا لے کر کپڑے کی بڑی دکان پر جاتا ہے کہ مجھے ایسا کپڑا چاہئے حالانکہ جس ٹکڑے کو وہ نمونے کے طور پر دکھا رہا ہے اور جو مشبہ بہ ہے وہ ایک پرانا اور بے قیمت ٹکڑا ہے اور اسی قسم کا جو کپڑا وہ دکاندار سے چاہتا ہے وہ ظاہر ہے کہ نیا اور قیمتی ہوگا اور اس لحاظ سے نمونہ والے ٹکڑے سے بہتر ہوگا۔ پس درود شریف میں تشبیہ اسی قسم کی ہے اور مطلب یہ ہے کہ جس خاص نوعیت کی صلوٰۃ و برکات سے سیدنا ابراہیمؑ وآل ابراہیم کو نوازا گیا، اسی نوعیت کی صلوٰۃ و برکات سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وآل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل فرمائی جائیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تمام نبیوں بلکہ ساری مخلوق میں یہ امتیازات حاصل ہیں کہ اللہ نے ان کو اپنا خلیل بنایا (وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلًا) ان کو امامت کبریٰ کے عظیم شرف سے مشرف اور سرفراز فرمایا (اِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا.) ان کو بیت اللہ کا بانی بنایا۔ ان کے بعد سے قیامت تک کے لئے نبوت و رسالت کا سلسلہ انہی کی نسل اور ان ہی کے اخلاف میں منحصر کر دیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سوا کسی پر بھی اللہ تعالیٰ کی یہ نوازشیں اور عنایتیں نہیں ہوئیں اور کسی کو بھی محبوبیت و مقبولیت کا یہ مقام عالی عطا نہیں ہوا۔ پس درود شریف میں اللہ تعالیٰ سے یہی دعا اور التجا کی جاتی ہے کہ اسی قسم کی اور اسی نوع کی عنایتیں اور نوازشیں اپنے حبیب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی آل پر بھی فرما اور محبوبیت و مقبولیت کا ویسا ہی مقام ان کو بھی عطا فرما۔ الغرض یہ تشبیہ صرف نوعیت کی تعیین اور وضاحت کے لئے جس میں بسا اوقات مشبہ، مشبہ بہ کے مقابلہ میں اعلیٰ و برتر ہوتا ہے اور اس کی مثال وہی ہے جو اوپر کپڑے کی دی گئی ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَفَعَهُ مَنْ قَالَ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ وَتَرَحَّمْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا تَرَحَّمْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ، شَهِدْتُّ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَشَفَعْتُ لَهٗ. (رواه الطبری فی تهذيب الآثار فتح الباری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے مجھ پر اس طرح درود بھیجا "**اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ وَتَرَحَّمْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا تَرَحَّمْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ.**" تو میں قیامت کے دن اس کے لئے شہادت دوں گا اور اس کی شفاعت کروں گا۔ (تہذیب الآثار للطبری)

تشریح...... حضرت ابوہریرہؓ کے روایت کئے ہوئے اس درود میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل کے لئے صلوٰۃ اور برکت کے علاوہ ترحم کی بھی دعا ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ بہت سے علماء اور فقہاء نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے رحمت کی دعا سے منع فرمایا ہے

کیونکہ یہ دعا تو عام مومنین کے لئے کی جاتی ہے لیکن اگر صلوٰۃ وسلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے رحمت وترحم کی استدعا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے کی جائے تو مضائقہ نہیں ہے۔ تشہد میں "اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ" ہر نماز میں پڑھا جاتا ہے اور اس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے سلام کے ساتھ رحمت کی دعا بھی ہے، اسی لئے حضرت ابوہریرہ کے روایت کئے ہوئے اس درود میں صلوٰۃ اور برکت کی استدعا کے بعد ترحم کی استدعا بھی کی گئی ہے۔ اس طرح ترحم کی استدعا صلوٰۃ وسلام کا تکملہ بن جاتی ہے۔

عَنْ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عَدَّھُنَّ فِیْ یَدِیْ جِبْرَئِیْلُ وَقَالَ جِبْرَئِیْلُ ھٰکَذَا اُنْزِلَتْ مِنْ عِنْدِ رَبِّ الْعِزَّةِ.

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ.

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ.

اَللّٰھُمَّ وَتَرَحَّمْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا تَرَحَّمْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ.

اَللّٰھُمَّ تَحَنَّنْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا تَحَنَّنْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ.

اَللّٰھُمَّ وَسَلِّمْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا سَلَّمْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ. (رواہ البیھقی فی شعب الایمان والدیلمی)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جبرئیل امین نے میرے ہاتھ کی انگلیوں پر گن کر درود شریف کے یہ کلمات تعلیم فرمائے اور بتایا کہ رب العزت جل جلالہ کی طرف سے یہ اسی طرح اُترے ہیں وہ کلمات یہ ہیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ ...... الخ (مسند فردوس دیلمی، شعب الایمان للبیہقی)

تشریح...... اس درود میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر والوں کیلئے اللہ تعالیٰ سے صلوٰۃ اور برکت اور ترحم کی استدعا کے علاوہ سلام اور تحنن کی استدعا کی گئی ہے۔ تحنن کے مفہوم کو اردو زبان میں شفقت اور پیار دُلار سے ادا کیا جا سکتا ہے اور سلام کے معنی ہیں ہر برائی اور ناپسندیدہ چیز سے سلامتی اور حفاظت۔

اس حدیث کے بارے میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ کنز العمال جلد اول میں جہاں یہ حدیث ذکر کی گئی ہے وہیں سند کے لحاظ سے اس کے ضعیف ہونے کی تصریح بھی کر دی گئی ہے۔ پھر اسی کی دوسری جلد میں اسی مضمون کی ایک اور حدیث اور درود شریف کے یہی کلمات حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے بھی صاحب مستدرک ابوعبداللہ حاکم نیشاپوری کی ''معرفۃ علم الحدیث'' کے حوالے سے ان کی مسلسل سند کے ساتھ نقل کئے گئے ہیں اور اس سند کے بھی بعض راویوں پر سخت جرح کی گی ہے، ساتھ ہی سیوطی سے نقل کیا گیا ہے کہ انہیں اس حدیث کے بعض اور ''طریقے'' بھی ملے، نیز حضرت انس سے بھی قریباً اسی مضمون کی ایک حدیث روایت کی گئی ہے جو ابن عساکر کے حوالے سے کنز العمال میں بھی درج ہے اور اصحاب فن کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ ضعیف حدیث تعدد طرق کی وجہ سے قابل قبول ہو جاتی ہے۔ خاص کر فضائل اعمال میں ایسی حدیث سب کے نزدیک قابل عمل ہے۔ ملا علی قاریؒ نے شرح شفاء میں حاکم کی روایت کردہ حضرت علی والی حدیث کے راویوں پر سخت جرح کا ذکر کر کے لکھا ہے کہ ''غایۃ

الامر یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث کو بھی قابل اعتماد سمجھا جاتا ہے۔"
(شرح شفاء ص۴۷۳ : ج۳) انہی سب باتوں پر نظر رکھتے ہوئے ضعیف ہونے کے باوجود یہاں درج کردی گئی ہے۔

عَنْ عَلِيٍّ كَرَّمَ اللّٰهُ وَجْهَهٗ فِي الصَّلٰوةِ عَلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم ...... اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا.

لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ رَبِّيْ وَسَعْدَيْكَ صَلَوَاتُ اللّٰهِ الْبَرِّ الرَّحِيْمِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ الْمُقَرَّبِيْنَ وَالنَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِيْنَ وَمَا سَبَّحَ لَكَ مِنْ شَيْئٍ يَّارَبَّ الْعَالَمِيْنَ عَلٰى مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ وَسَيِّدِالْمُرْسَلِيْنَ وَاِمَامِ الْمُتَّقِيْنَ وَرَسُوْلِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ الشَّاهِدِ الْبَشِيْرِ الدَّاعِيْ اِلَيْكَ بِاِذْنِكَ السِّرَاجِ الْمُنِيْرِ وَعَلَيْهِ السَّلَامِ. (اورده القاضى عياض فى كتاب الشفا)

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس طرح درود بھیجتے تھے۔ (پہلے سورۂ احزاب کی یہ آیت تلاوت فرماتے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود وسلام بھیجنے کا حکم دیا گیا ہے) اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا. اس کے بعد کہتے "لبیک اللھم ربی وسعدیک." اے میرے اللہ میں تیرے اس فرمان کی بسروچشم تعمیل کرتا ہوں اور عرض کرتا ہوں۔

"صَلَوَاتُ اللّٰهِ الْبَرِّ الرَّحِيْمِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ الْمُقَرَّبِيْنَ وَالنَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِيْنَ. الخ".

اس خداوند تعالیٰ کی طرف سے جو بڑا احسان فرمانے والا اور نہایت مہربان ہے۔ خاص نوازشیں اور عنایتیں ہوں اور اس کے ملائکہ مقربین اور انبیاء وصدیقین اور شہداء وصالحین کی اور اس ساری مخلوقات کی جو اللہ کی تسبیح وحمد کرتی ہے۔ بہترین دعائیں اور نیک تمنائیں ہوں حضرت محمد بن عبداللہ کیلئے جو خاتم النبیین، سید المرسلین، امام المتقین اور رسول رب العالمین ہیں، جو اللہ کی طرف سے شہادت ادا کرنے والے ہیں، اللہ کے فرمانبردار بندوں کو رحمت و جنت کی بشارت سنانے والے اور مجرموں، نافرمانوں کو بُرے انجام سے اور اللہ کے عذاب سے آگاہی دینے والے ہیں، جو تیرے بندوں کو تیرے حکم سے تیری طرف دعوت دیتے ہیں اور تیرے ہی روشن کئے ہوئے چراغ ہیں، اور ان پر سلام ہو۔ (شفاء قاضی عیاض)

تشریح ...... یہ درود پاک جیسا کہ ظاہر ہے الفاظ ومطالب کے لحاظ سے نہایت بلند اور ایمان افروز ہے۔ لیکن حدیث کی کسی کتاب میں اس کی روایت نظر سے نہیں گزری، البتہ پانچویں اور چھٹی صدی کے عالم اور محدث قاضی عیاضؒ نے اپنی کتاب "الشفاء بحقوق المصطفیٰ" میں اس کو حضرت علی المرتضیٰ سے نقل کیا ہے اور علامہ قسطلانی نے "مواھب لدنیہ" میں شیخ زین الدین بن الحسین مراغی کی کتاب "تحقیق النصرة فی دار الھجر ة" کے حوالہ سے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز جنازہ میں حضرت علی المرتضیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہی درود پاک پڑھا تھا اور لوگوں کے دریافت کرنے پر ان کو بھی تعلیم فرمایا تھا۔ بہرحال الفاظ ومطالب کے لحاظ سے بڑا پیارا اور روح پرور یہ درود ہے۔

كِتَابُ الْحُقُوق

والدین کی ذمہ داریاں

عَنْ اَبِیْ رَافِعٍ قَالَ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اَذَّنَ فِیْ اُذُنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِیٍّ حِیْنَ وَلَدَتْهُ فَاطِمَةُ بِالصَّلٰوةِ. (رواہ الترمذی وابوداؤد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو (اپنے نواسے حسن بن علی کے کان میں نماز والی اذان پڑھتے ہوئے دیکھا (جب آپؐ کی صاحبزادی) فاطمہؓ کے ہاں ان کی ولادت ہوئی۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داوٗد)

تشریح...... حضرت ابورافعؓ کی اس حدیث میں حضرت حسنؓ کے کان میں صرف اذان پڑھنے کا ذکر ہے لیکن ایک دوسری حدیث سے جو "کنز العمال" میں مسند ابویعلی موصلی کی تخریج سے حضرت حسین بن علی (رضی اللہ عنہما) سے روایت کی گئی ہے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے نومولود بچہ کے داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت پڑھنے کی تعلیم وترغیب دی اور اس برکت اور تاثیر کا بھی ذکر فرمایا کہ اس کی وجہ سے بچہ اُم الصبیان کے ضرر سے محفوظ رہے گا (جو شیطانی اثرات سے بھی ہوتا ہے)

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ نومولود بچہ کا پہلا حق گھر والوں پر یہ ہے کہ سب سے پہلے اس کے کانوں کو اور کانوں کے ذریعہ اس کے دل ودماغ کو اللہ کے نام اور اس کی توحید اور ایمان ونماز کی دعوت وپکار سے آشنا کریں۔ اس کا بہتر سے بہتر طریقہ یہی ہوسکتا ہے کہ اس کے کانوں میں اذان واقامت پڑھی جائے۔ اذان واقامت میں دینِ حق کی بنیادی تعلیم اور دعوت نہایت مؤثر طریقے سے دی گئی ہے، نیز ان دونوں کی یہ تاثیر اور خاصیت بہت سی احادیث میں بیان کی گئی ہے کہ اس سے شیطان بھاگتا ہے اس لئے بچہ کی حفاظت کی بھی یہ ایک تدبیر ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیدائش کے وقت نومولود مسلمان بچے کے کان میں اذان واقامت پڑھنے کی تعلیم دی اور جب عمر پوری کرنے کے بعد اس کو موت آجائے تو غسل دے کر اور کفنا کر اس پر نماز جنازہ پڑھنے کی ہدایت فرمائی۔ اس طرح یہ بتلا دیا اور جتلا دیا کہ مؤمن کی زندگی اذان اور نماز کے درمیان کی زندگی ہے اور بس اس طرح گزرنی چاہئے جس طرح اذان کے بعد نماز کے انتظار اور اس کی تیاری میں گزرتی ہے۔ نیز یہ کہ مسلمان بچے کا پہلا حق یہ ہے کہ پیدائش کے ساتھ ہی اس کے کان میں اذان دی جائے اور آخری حق یہ ہے کہ اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے۔

تحنیک اور دعائے برکت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معرفت اور صحبت کے نتیجہ میں صحابہ کرامؓ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ عقیدت کا جو تعلق تھا اس کا ایک ظہور یہ بھی تھا کہ نومولود بچے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لائے جاتے تھے تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے لئے خیر و برکت کی دعا فرمائیں اور کھجور یا ایسی ہی کوئی چیز چبا کر بچے کے تالو پر مل دیں اور اپنا لعاب دہن اس کے منہ میں ڈال دیں جو خیر و برکت کا باعث ہو۔ اس عمل کو تحنیک کہتے ہیں۔

عقیقہ

دنیا کی قریب قریب سب ہی قوموں اور ملتوں میں یہ بات مشترک ہے کہ بچہ پیدا ہونے کو ایک نعمت اور خوشی کی بات سمجھا جاتا ہے اور کسی تقریب کے ذریعہ اس خوشی کا اظہار بھی کیا جاتا ہے۔ یہ انسانی فطرت کا تقاضا بھی ہے اور اس میں ایک بڑی مصلحت یہ ہے کہ اس سے نہایت لطیف اور خوبصورت طریقے پر یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ باپ اس بچے کو اپنا ہی بچہ سمجھتا ہے، اور اس بارے میں اس کو اپنی بیوی پر کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔ اس سے بہت سے فتنوں کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ عربوں میں اس کے لئے جاہلیت میں بھی عقیقہ کا رواج تھا۔ دستور یہ تھا کہ پیدائش کے چند روز بعد نومولود بچے کے سر کے وہ بال جو وہ ماں کے پیٹ سے لے کے پیدا ہوا ہے صاف کرا دیئے جاتے اور اس دن خوشی میں کسی جانور کی قربانی کی جاتی (جو ملت ابراہیمؑ کی نشانیوں میں سے ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اصولی طور پر اس کو باقی رکھتے ہوئے بلکہ اس کی ترغیب دیتے ہوئے اس کے بارے میں مناسب ہدایات دیں اور خود عقیقے کر کے عملی نمونہ بھی پیش فرمایا۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانُوْا فِي الْجَاهِلِيَّةِ اِذَا عَقُّوْا عَنِ الصَّبِيِّ خَضَّبُوْا قُطْنَةً بِدَمِ الْعَقِيْقَةِ فَاِذَا حَلَقُوْا رَاْسَ الصَّبِيِّ وَضَعُوْهَا عَلٰى رَاْسِهٖ فَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِجْعَلُوْا مَكَانَ الدَّمِ خَلُوْقًا. (رواہ ابن حبان فی صحیحہ)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا یہ دستور تھا کہ جب وہ بچے کا عقیقہ کرتے تو روئی کے ایک پھوئے میں عقیقہ کے جانور کا خون بھر لیتے، پھر جب بچے کا سر منڈوا دیتے تو وہ خون بھرا پھویا اس کے سر پر رکھ دیتے (اور اس کے سر کو عقیقہ کے خون سے رنگین کر دیتے، یہ ایک جاہلانہ رسم تھی) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: ''بچے کے سر پر خون نہیں بلکہ اس کی جگہ خلوق لگایا کرو۔'' (صحیح حبان)

تشریح...... خلوق ایک مرکب خوشبو کا نام ہے جو زعفران وغیرہ سے تیار کی جاتی ہے۔ حضرت بریدہ اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما کی ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ عقیقہ کا رواج عربوں میں زمانہ جاہلیت میں بھی تھا چونکہ اس میں بہت سی مصلحتیں تھیں جن کی طرف اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے، اور یہ بنیادی طور پر شریعت اسلامی کے مزاج کے مطابق تھا، اور غالباً مناسک حج کی طرح ملت ابراہیمی کے بقایا میں سے تھا اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی اصل کو باقی رکھا اور جاہلانہ رسوم کی اصلاح فرمائی۔

اسی طرح بیہقی کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عقیقہ کا رواج یہود میں بھی تھا لیکن وہ صرف لڑکوں کی طرف سے عقیقہ

کی قربانی کرتے تھے لڑکیوں کی طرف سے نہیں کرتے تھے جس کی وجہ سے غالباً لڑکیوں کی ناقدری تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی بھی اصلاح فرمائی اور حکم دیا کہ لڑکوں کی طرح لڑکیوں کی طرف سے بھی عقیقہ کیا جائے۔ (**ان الیھود تعق عن الغلام ولا تعق عن الجاریة فعقوا عن الغلام شاتین وعن الجاریة شاۃً رواہ البیھقی فی شعب الایمان عن ابی ھریرۃ مرفوعاً** (کنز العمال ص ۲۷۲ ج ۸)) البتہ دونوں صنفوں میں قدرتی اور فطری فرق ہے (جس کا لحاظ میراث اور قانون شہادت وغیرہ میں بھی کیا گیا ہے) اس کی بناء پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ لڑکی کے عقیقہ میں ایک بکری اور لڑکے کے عقیقہ میں (اگر استطاعت اور وسعت ہو) تو دو بکریوں کی قربانی کی جائے۔

عَنِ الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ بِنْ جُنْدُبٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی الله علیه و آله وسلم قَالَ كُلُّ غَلَامٍ رَهِيْنَةٌ بِعَقِيْقَتِهٖ تُذْبَحُ عَنْهُ يَوْمَ سَابِعِهٖ وَيُحْلَقُ وَ يُسَمّٰى. (رواہ ابو داؤد والترمذی والنسائی)

حضرت حسن بصری نے حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہر بچہ اپنے عقیقہ کے جانور کے عوض رہن ہوتا ہے جو ساتویں دن اس کی طرف سے قربانی کیا جائے اور اس کا سر منڈ وا دیا جائے اور نام رکھا جائے۔ (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی)

تشریح...... عقیقہ کے جانور کے عوض بچے کے رہن ہونے کے شارحین نے کئی مطلب بیان کئے ہیں۔ لیکن دل کو زیادہ لگنے والی بات یہ ہے کہ بچہ اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی نعمت ہے اور صاحب استطاعت کے لئے عقیقہ کی قربانی اس کا شکرانہ اور گویا اس کا فدیہ ہے۔ جب تک یہ شکریہ پیش نہ کیا جائے اور فدیہ ادا نہ کر دیا جائے وہ بار باقی رہے گا اور گویا بچہ اس کے عوض رہن رہے گا۔

پیدائش ہی کے دن عقیقہ کرنے کا حکم غالباً اس لئے نہیں دیا گیا کہ اس وقت گھر والوں کو زچہ کی دیکھ بھال کی فکر ہوتی ہے علاوہ ازیں اسی دن بچے کا سر صاف کرا دینے میں طبی اصول پر ضرر کا بھی خطرہ ہے۔ ایک ہفتہ کی مدت ایسی ہے کہ اس میں زچہ بھی عموماً ٹھیک ہو جاتی ہے اور بچہ بھی سات دن تک اس دنیا کی ہوا کھا کے ایسا ہو جاتا ہے کہ اس کا سر صاف کرا دینے میں ضرر کا خطرہ نہیں رہتا۔ واللہ اعلم۔

اس حدیث سے اور بعض دوسری احادیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ عقیقہ کے ساتھ ساتویں دن بچے کا نام بھی رکھا جائے۔ لیکن بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض بچوں کا نام پیدائش کے دن ہی رکھ دیا تھا اس لئے ساتویں دن سے پہلے نام رکھ دینے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے، ہاں اگر پہلے نام نہ رکھا گیا ہو تو ساتویں دن عقیقہ کے ساتھ بھی نام رکھ دیا جائے۔ جن حدیثوں میں ساتویں دن عقیقہ کے ساتھ نام رکھنے کا ذکر ہے ان کا مطلب یہی سمجھنا چاہئے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی الله علیه و آله وسلم عَقَّ عَنِ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ كَبْشًا كَبْشًا. (رواہ ابوداؤد)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (اپنے نواسوں) حسن اور حسین کا عقیقہ کیا اور ایک ایک مینڈھا ذبح کیا۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح...... حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کے عقیقہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف ایک ایک مینڈھے کی قربانی غالباً اس لئے کی کہ اس وقت اتنی ہی وسعت تھی۔ اور اس طرح ان لوگوں کے لئے جن کو زیادہ وسعت حاصل نہ ہو ایک نظیر

بھی قائم ہوگئی۔اس حدیث کی بعض روایات میں بجائے ،ایک ایک مینڈھے کے دو دو مینڈھوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔لیکن محدثین کے نزدیک سنن ابی داؤد کی یہی روایت قابل ترجیح ہے جس میں ایک ایک مینڈھے کا ذکر کیا گیا ہے۔

عَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ قَالَ عَقَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه و آله وسلم عَنِ الْحَسَنِ بِشَاةٍ وَقَالَ يَا فَاطِمَةُ اِحْلِقِيْ رَأْسَهُ وَتَصَدَّقِيْ بِزِنَةِ شَعْرِهٖ فِضَّةً فَوَزَنَّاهُ فَكَانَ وَزْنُهُ دِرْهَمًا اَوْ بَعْضَ دِرْهَمٍ. (رواه الترمذی)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسن کے عقیقہ میں ایک بکری کی قربانی کی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (اپنی صاحبزادی سیدہ) فاطمہؓ سے فرمایا کہ اس کا سر صاف کردو اور بالوں کے وزن بھر چاندی صدقہ کردو،ہم نے وزن کیا تو وہ ایک درہم کے برابر یا اس سے بھی کچھ کم تھے۔(جامع ترمذی)

تشریح.....اس حدیث میں عقیقہ کے سلسلے میں قربانی کے علاوہ بچے کے بالوں کے وزن بھر چاندی صدقہ کرنے کا بھی ذکر ہے،یہ بھی مستحب ہے۔

اس حدیث کے بیان کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صاحبزادہ حسنؓ کے بالوں کے وزن بھر چاندی صدقہ کرنے کا حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جو حکم دیا تھا بعض حضرات نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ حضرت حسنؓ کی پیدائش کے دنوں میں ان کے ماں باپ (حضرت فاطمہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما) کے ہاں اتنی وسعت نہیں تھی کہ وہ عقیقہ کی قربانی کر سکتے،اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بکری کی قربانی تو اپنی طرف سے کر دی،لیکن حضرت فاطمہؓ سے فرمادیا کہ بچے کے بالوں کے وزن بھر چاندی وہ صدقہ کر دیں،تا کہ ان کی طرف سے بھی کچھ شکرانہ صدقے کی شکل میں اللہ کے حضور میں گزر جائے۔

اچھا نام رکھنا

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه و آله وسلم اَوَّلُ مَا يَنْحَلُ الرَّجُلُ وَلَدَهٗ اِسْمُهٗ فَلْيُحْسِنْ اِسْمَهٗ. (رواه ابو الشیخ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی اپنے بچے کو سب سے پہلا تحفہ نام کا دیتا ہے اس لئے چاہئے کہ اس کا نام اچھا رکھے۔(ابوالشیخ)

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه و آله وسلم اِنَّ اَحَبَّ اَسْمَاءِ كُمْ اِلَى اللّٰهِ عَبْدُ اللّٰهِ وَعَبْدُالرَّحْمٰنِ. (رواه مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے ناموں میں اللہ کو سب سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہے۔(رواہ مسلم)

تشریح.....عبداللہ اور عبدالرحمٰن کے زیادہ پسندیدہ ہونے کی وجہ ظاہر ہے اس میں بندے کی عبدیت کا اعلان ہے اور وہ چیز اللہ کو پسند ہے۔اسی طرح انبیاء علیہم السلام کے نام بھی پسندیدہ ناموں میں سے ہیں وہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ نسبت کو ظاہر کرتے ہیں۔چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صاحبزادے کا نام ابراہیم رکھا تھا۔اور سنن ابی داؤد وغیرہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد بھی مروی ہے:"سَمُّوْا بِاَسْمَاءِ الْاَنْبِيَاءِ." (یعنی پیغمبروں کے نام پہ نام رکھو) اس کے علاوہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض بچوں کے نام ایسے بھی رکھے جو معنوی لحاظ سے اچھے ہیں، اگر چہ وہ پیغمبروں کے معروف ناموں میں سے نہیں ہیں مثلاً اپنے نواسوں کا نام حسن اور حسین رکھا، اور ایک انصاری صحابی کے بچے کا نام منذر رکھا۔ الغرض اس باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طرز عمل اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات سے یہی رہنمائی ملتی ہے کہ باپ کی ذمہ داری ہے کہ بچے کا اچھا نام رکھے یا اپنے کسی بزرگ سے رکھوائے۔

دینی تعلیم و تربیت

اللہ کے سارے پیغمبروں نے اور ان سب کے آخر میں ان کے خاتم سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس چند روزہ دنیوی زندگی کے بارے میں یہی بتایا ہے کہ یہ دراصل آنے والی اس اخروی زندگی کی تمہید اور اس کی تیاری کے لئے ہے جو اصل اور حقیقی زندگی ہے اور جو کبھی ختم نہ ہوگی۔ اس نقطہ نظر کا قدرتی اور لازمی تقاضا ہے کہ دنیا کے سارے مسئلوں سے زیادہ آخرت کو بنانے اور وہاں فوز و فلاح حاصل کرنے کی فکر کی جائے، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر صاحب اولاد پر اس کی اولاد کا یہ حق بتایا ہے کہ وہ بالکل شروع ہی سے اس کی دینی تعلیم و تربیت کی فکر کرے، اگر وہ اس میں کوتاہی کرے گا تو قصوروار ہوگا۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم اِفْتَحُوْا عَلٰى صِبْيَانِكُمْ اَوَّلَ كَلِمَةٍ بِلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَقِّنُوْهُمْ عِنْدَالْمَوْتِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ. (رواه البيهقى فى شعب الايمان)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اپنے بچوں کی زبان سے سب سے پہلے "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کہلواؤ، اور موت کے وقت ان کو اسی کلمہ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کی تلقین کرو۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح...... انسانی ذہن کی صلاحیتوں کے بارے میں جدید تجربات اور تحقیقات سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے اور اب گویا تسلیم کر لی گئی ہے کہ پیدائش کے وقت ہی سے بچے کے ذہن میں یہ صلاحیت ہوتی ہے کہ جو آوازیں وہ کان سے سنے اور آنکھوں سے جو کچھ دیکھے اس سے اثر لے، اور وہ اثر لیتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیدا ہونے کے بعد ہی بچے کے کان میں (خاص کان میں) اذان و اقامت پڑھنے کی جو ہدایت فرمائی ہے۔ اس سے بھی یہ صاف اشارہ ملتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس کی اس حدیث میں ہدایت فرمائی گئی ہے کہ بچے کی زبان جب بولنے کے لئے کھلنے لگے تو سب سے پہلے اس کو "کلمہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کی تلقین کی جائے اور اسی سے زبانی تعلیم و تلقین کا افتتاح ہو۔ آگے بھی یہ ہدایت فرمائی گئی کہ جب آدمی کا وقت آخر آئے تو اس وقت بھی اس کو اسی کلمہ کی تلقین کی جائے۔ بڑا خوش نصیب ہے اللہ کا وہ بندہ جس کی زبان سے دنیا میں آنے کے بعد سب سے پہلے یہی کلمہ نکلے اور دنیا سے جاتے وقت یہی اس کا آخری کلمہ ہو۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم مُرُوْا اَوْلَادَكُمْ بِالصَّلٰوةِ وَهُمْ اَبْنَاءُ سَبْعٍ وَاضْرِبُوْهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ اَبْنَاءُ عَشْرِ سِنِيْنَ وَفَرِّقُوْا بَيْنَهُمْ فِى الْمَضَاجِعِ. (رواه ابوداؤد و رواه فى شرح السنه عن ابن معبد)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہارے بچے جب سات سال کے ہو جائیں تو ان کو نماز کی تاکید کرو اور جب دس سال کے ہو جائیں تو نماز میں کوتاہی کرنے پر ان کو سزا دو اور ان کے بستر بھی الگ کر دو۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح...... عام طور سے بچے سات سال کی عمر میں سمجھدار اور باشعور ہو جاتے ہیں، اس وقت سے ان کو خدا پرستی کے راستے پر ڈالنا چاہئے، اور اس کے لئے ان سے نماز کی پابندی کرانی چاہیے۔ دس سال کی عمر میں ان کا شعور کافی ترقی کر جاتا ہے اور بلوغ کا زمانہ قریب آ جاتا ہے، اس وقت نماز کے بارے میں ان پر سختی کرنی چاہئے اور اگر وہ کوتاہی کریں تو مناسب طور پر ان کو سرزنش بھی کرنی چاہئے۔ نیز اس عمر کو پہنچ جانے پر ان کو الگ الگ سلانا چاہئے۔ ایک ساتھ اور ایک بستر پر نہ سلانا چاہئے (دس سال سے پہلے اس کی گنجائش ہے)۔

حدیث کا مدعا یہ ہے کہ ماں باپ پر یہ سب اولاد کے حقوق ہیں، لڑکوں کے بھی اور لڑکیوں کے بھی اور قیامت کے دن ان سب کے بارے میں باز پرس ہوگی۔

بچیوں سے حسن سلوک کی اہمیت

آج تک بھی بہت سے علاقوں میں لڑکی کو ایک بوجھ اور مصیبت سمجھا جاتا ہے اور اس کے پیدا ہونے پر گھر میں بجائے خوشی کے افسردگی اور غمی کی فضا ہو جاتی ہے۔ یہ حالت تو آج ہے لیکن اسلام سے پہلے عربوں میں تو بے چاری لڑکی کو باعث ننگ و عار تصور کیا جاتا تھا اور اس کا یہ حق بھی نہیں سمجھا جاتا تھا کہ اس کو زندہ ہی رہنے دیا جائے۔ بہت سے شقی القلب خود اپنے ہاتھوں سے اپنی بچی کا گلا گھونٹ کر اس کا خاتمہ کر دیتے تھے، یا اس کو زندہ زمین میں دفن کر دیتے تھے۔

ان کا یہ حال قرآن مجید میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ. يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ط اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ. (النحل، ۱۶: ۵۹)

جب ان میں سے کسی کو لڑکی کے پیدا ہونے کی خبر سنائی جاتی ہے تو وہ دل مسوس کر رہ جاتا ہے۔ لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے، ان کو منہ نہیں دکھانا چاہتا، اس برائی کی وجہ سے جس کی اسے خبر ملی ہے۔ سوچتا ہے کیا اس نومولود بچی کو ذلت کے ساتھ باقی رکھے یا اس کو کہیں لے جا کر مٹی میں دبا دے۔

یہ تھا لڑکیوں کے بارے میں ان عربوں کا ظالمانہ رویہ جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم مَنِ ابْتُلِيَ مِنْ هٰذِهِ الْبَنَاتِ بِشَيْئٍ فَاَحْسَنَ اِلَيْهِنَّ كُنَّ لَهٗ سِتْرًا مِنَ النَّارِ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس بندے یا بندی پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیٹیوں کی ذمہ داری ڈالی گئی (اور اس نے اس ذمہ داری کو ادا کیا) اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا تو یہ بیٹیاں اس کے لئے دوزخ سے بچاؤ کا سامان بن جائیں گی۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح...... حضرت صدیقہؓ کی اسی حدیث کی ایک روایت میں وہ واقعہ بھی بیان کیا گیا ہے جس کے سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم نے یہ حدیث ارشاد فرمائی تھی۔ اور وہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک نہایت غریب عورت کچھ مانگنے کیلئے آئی، اس کے ساتھ اس کی دو بچیاں بھی تھیں، اتفاق سے ان کے پاس اس وقت صرف ایک کھجور تھی۔ حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ میں نے وہی کھجور اس بیچاری کو دیدی۔ اس نے اسی ایک کھجور کے دو ٹکڑے کر کے دونوں بچیوں میں تقسیم کر دیئے اور خود اس میں سے کچھ بھی نہیں لیا اور چلی گئی۔ کچھ دیر کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر میں تشریف لائے تو میں نے آپ سے یہ واقعہ بیان کیا۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس بندے یا بندی پر بیٹیوں کی ذمہ داری پڑے اور وہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرے تو یہ بیٹیاں آخرت میں اس کی نجات کا سامان بنیں گی۔ مطلب یہ ہے کہ یہ آدمی اگر بالفرض اپنے کچھ گناہوں کی وجہ سے سزا اور عذاب کے قابل ہوگا تو لڑکیوں کے ساتھ حسن سلوک کے صلہ میں اس کی مغفرت فرمادی جائے گی اور وہ دوزخ سے بچادیا جائے گا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی کی ایک دوسری روایت میں جس کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ ایک بیچاری مسکین عورت اپنی دو بچیوں کو گود میں لئے ان کے پاس آئی اور سوال کیا، تو حضرت عائشہؓ نے اس کو تین کھجوریں دیں، اس نے ایک ایک دونوں بچیوں کو دیدی اور ایک خود کھانے کے لئے اپنے منہ میں رکھنے لگی، بچیوں نے اس تیسری کھجور کو بھی مانگا تو اس نے خود نہیں کھائی، بلکہ وہ بھی آدھی آدھی کر کے دونوں بچیوں کو دیدی۔ حضرت عائشہؓ اس کے اس طرز عمل سے بہت متاثر ہوئیں اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: "اللہ تعالیٰ نے اس عورت کے اسی عمل کی وجہ سے اس کے لئے جنت کا اور دوزخ سے رہائی کا فیصلہ فرمادیا ہے۔"

ہوسکتا ہے کہ حضرت صدیقہ کے ساتھ یہ دونوں واقعے الگ الگ پیش آئے ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ واقعہ ایک ہی ہو اور راویوں کے بیان میں اختلاف ہوگیا ہو۔

اولاد میں برابری بھی اولاد کا حق ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اولاد کے بارے میں یہ بھی ہدایت فرمائی ہے کہ داد و دہش میں سب کے ساتھ انصاف و برابری کا برتاؤ کیا جائے، یہ نہ ہو کہ کسی کو زیادہ نوازا جائے اور کسی کو محروم رکھا جائے یا کم دیا جائے۔ یہ چیز بذات خود بھی مطلوب ہے، اور اس عدل و انصاف کا بھی تقاضا ہے جو اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے۔ اس کے علاوہ اس میں یہ بھی حکمت و مصلحت ہے کہ اگر اولاد میں سے کسی کو زیادہ نوازا جائے اور کسی کو کم تو ان میں باہم بغض و حسد پیدا ہوگا جو دین اور تقوے کے لئے تباہ کن اور ہزار فتنوں کی جڑ ہے۔ نیز اولاد میں جس کے ساتھ ناانصافی ہوگی اس کے دل میں باپ کی طرف سے میل آئے گا اور شکایت کدورت پیدا ہوگی اور ظاہر ہے کہ اس کا انجام کتنا خراب ہوگا۔ ان سب وجوہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بارے میں سخت تاکیدیں فرمائی ہیں اور اس رویہ کو ایک طرح کا ظلم قرار دیا ہے۔ اولاد کے بارے میں مندرجہ ذیل حدیثیں پڑھئے:

عَنْ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ اَنَّ اَبَاهُ اَتٰى بِهٖ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی الله علیه و آله وسلم فَقَالَ اِنِّىْ نَحَلْتُ ابْنِىْ هٰذَا غُلَامًا فَقَالَ اَكُلَّ وُلْدِكَ نَحَلْتَ مِثْلَهُ؟ قَالَ لَا قَالَ فَارْجِعْهُ وَفِىْ رِوَايَةٍ اِنَّهُ قَالَ اَيَسُرُّكَ اَن يَّكُوْنُوْا اِلَيْكَ فِى الْبِرِّ سَوَاءً قَالَ بَلٰى قَالَ فَلَا اِذًا وَفِىْ رِوَايَةٍ اَنَّهُ قَالَ اَعْطَانِىْ اَبِىْ عَطِيَّةً فَقَالَتْ عَمْرَةُ بِنْتُ

رَوَاحَةَ لَا أَرْضٰى حَتّٰى تُشْهِدَ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم فَاتٰى رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم فَقَالَ اِنِّىْ اَعْطَيْتُ اِبْنِىْ مِنْ عَمْرَةَ بِنْتِ رَوَاحَةَ عَطِيَّةً فَاَمَرَتْنِىْ اَنْ اُشْهِدَكَ يَارَسُوْلَ اللهِ قَالَ اَعْطَيْتَ سَائِرَ وُلْدِكَ مِثْلَ هٰذَا؟ قَالَ لَا قَالَ فَاتَّقُوْا اللهَ وَاعْدِلُوْا بَيْنَ اَوْلَادِكُمْ قَالَ فَرَجَعَ فَرَدَّ عَطِيَّتَهُ وَفِىْ رِوَايَةٍ اِنَّهُ قَالَ لَا اَشْهَدُ عَلٰى جَوْرٍ. (رواه البخاری ومسلم)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرے والد مجھے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے (بعض روایات میں ہے کہ گود میں لے کر حاضر ہوئے) اور عرض کیا کہ میں نے اس بیٹے کو ایک غلام ہبہ کر دیا ہے۔ بعض روایات میں بجائے غلام کے باغ ہبہ کرنے کا ذکر ہے، بہرحال آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا: کیا تم نے اپنے سب بچوں کو اتنا ہی اتنا دیا ہے؟'' انہوں نے عرض کیا کہ: نہیں (اوروں کو تو نہیں دیا، صرف اسی لڑکے نعمان کو دیا ہے) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پھر یہ تو ٹھیک نہیں۔ اور فرمایا کہ: اس کو واپس لے لو۔ اور ایک روایت میں ہے کہ: کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تمہاری سب اولاد یکساں طور پر تمہاری فرمانبردار اور خدمت گزار بنے؟ انہوں نے عرض کیا کہ: ہاں! حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ تو ضرور چاہتا ہوں! تو آپ نے فرمایا: پھر ایسا نہ کرو (کہ ایک کو دو اور دوسروں کو محروم رکھو) اور نعمان بن بشیرؓ ہی کی ایک دوسری روایت میں (یہی واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ میرے والد نے (میری والدہ کے اصرار پر) میرے لئے کچھ ہبہ کیا تو میری والدہ عمرہ بنت رواحہؓ نے کہا کہ میں جب خوش اور مطمئن ہوں گی جب تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس ہبہ کا گواہ بنا دو گے۔ چنانچہ میرے والد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میری بیوی عمرہ بنت رواحہ سے میرا جو بچہ (نعمان) ہے میں نے اس کیلئے کچھ ہبہ کیا ہے، تو اس کی ماں نے مجھ سے تاکید کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کا گواہ بنا دوں اور اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی منظوری بھی حاصل کر کے ہبہ کو پکا کر دوں) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ: کیا تم اپنے اور سب بچوں کے لئے بھی اتنا ہی ہبہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ نہیں (اوروں کے لئے تو نہیں کیا) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: فاتقوا اللہ واعدلوا بین اولادکم (یعنی خدا سے ڈرو اور اپنی اولاد کے ساتھ مساوات اور برابری کا سلوک کرو) حضرت نعمان بن بشیرؓ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمانے پر والد صاحب نے رجوع کر لیا اور ہبہ واپس لے لیا اور ایک روایت میں ہے: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ میں بے انصافی کے معاملہ کا گواہ نہیں بن سکتا۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح...... جیسا کہ ظاہر ہے اس حدیث میں اس بات سے ممانعت فرمائی گئی ہے اور اس کو جور یعنی بے انصافی قرار دیا گیا ہے کہ اولاد میں سے کسی کے ساتھ داد و دہش میں ترجیحی سلوک کیا جائے۔ بعض فقہاء نے اس کو حرام تک کہا ہے لیکن اکثر فقہاء نے اور آئمہ اربعہ میں سے امام ابوحنیفہؒ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ نے (بعض دوسرے دلائل اور قرائن کی بناء) پر اس کو حرام تو نہیں، لیکن مکروہ اور سخت ناپسندیدہ قرار دیا ہے مگر واضح رہے کہ یہ حکم اسی صورت میں ہے جبکہ ترجیحی سلوک بلا کسی ایسی وجہ کے جو شرعاً معتبر ہو، لیکن اگر کوئی ایسی وجہ موجود ہو تو پھر اس وجہ کے بقدر ترجیحی سلوک درست ہوگا۔ مثلاً اولاد میں سے کسی کی صحت مستقل طور پر خراب ہے اور وہ دوسرے بھائیوں کی طرح معاشی جدوجہد نہیں کر سکتا تو اس کے ساتھ خصوصی سلوک عدل وانصاف کے

خلاف نہ ہوگا بلکہ ایک درجہ میں ضروری اور باعث اجر ہوگا۔ اسی طرح اگر اولاد میں سے کسی نے اپنے کو دین وملت کی خدمت میں اس طرح لگا دیا ہے کہ معاشی جدوجہد میں زیادہ حصہ نہیں لے سکتا تو اس کے ساتھ بھی مناسب حد تک خصوصی سلوک جائز ہے بلکہ باعث اجر ہوگا۔ علیٰ ہذا اگر کسی ایک بھائی کے ساتھ خصوصی اور ترجیحی سلوک پر دوسرے بھائی رضامند ہوں تب بھی یہ جائز ہوگا۔

عَنِ ابْنِ عَبَاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی الله علیه و آله وسلم سَوُّوْا بَيْنَ أَوْلَادِكُمْ فِي الْعَطِيَّةِ فَلَوْ كُنْتُ مُفَضِّلًا اَحَدًا فَضَّلْتُ النِّسَاءَ. (رواه سعيد بن منصور فى سننه والطبرانى فى الكبير)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ داد و دہش میں اپنی سب اولاد کے ساتھ مساوات اور برابری کا معاملہ کرو۔ اگر میں اس معاملہ میں کسی کو ترجیح دیتا تو عورتوں (یعنی لڑکیوں) کو ترجیح دیتا۔ (یعنی مساوات اور برابری ضروری نہ ہوتی تو میں حکم دیتا کہ لڑکیوں کو لڑکوں سے زیادہ دیا جائے) (سنن سعید ابن منصور، معجم کبیر للطبرانی)

تشریح...... اس حدیث سے فقہاء کی ایک جماعت نے یہ بھی سمجھا ہے کہ ماں باپ کے انتقال کے بعد میراث میں اگرچہ لڑکیوں کا حصہ لڑکوں سے نصف ہے، لیکن زندگی میں ان کا حصہ بھائیوں کے برابر ہے، لہٰذا ماں باپ کی طرف سے جو کچھ اور جتنا لڑکوں کو دیا جائے وہی اور اتنا ہی لڑکیوں کو دیا جائے۔

بچوں پر والدین کے حقوق

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس طرح ماں باپ پر اولاد کے حقوق اور اس سلسلہ کی ان کی ذمہ داریاں بیان فرمائی اسی طرح اولاد پر ماں باپ کے حقوق اور اس سلسلہ کے ان کے فرائض بھی بتلائے، بلکہ اس کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی تعلیم و ہدایت میں جزو ایمان کا درجہ دیا۔ قرآن مجید جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کیا ہوا صحیفہ ہدایت ہے، اس میں ماں باپ کی خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا حکم اللہ تعالیٰ کی توحید اور عبادت کے ساتھ ساتھ اس طرح دیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانوں کے اعمال میں خدا کی عبادت کے بعد ماں باپ کی خدمت اور راحت رسانی کا درجہ ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا. (بنی اسرائیل: ۱۷:۲۳)

اور تمہارے رب کا قطعی حکم ہے کہ صرف اسی کی عبادت اور پرستش کرو اور ماں باپ کے ساتھ اچھے سے اچھا برتاؤ اور ان کی خدمت کرو۔

اور دوسری جگہ سورۂ لقمان میں ماں باپ کا حق بیان کرتے ہوئے یہاں تک فرمایا گیا ہے کہ اگر بالفرض کسی کے ماں باپ کافر و مشرک ہوں اور اولاد کو بھی کفر و شرک کے لئے مجبور کریں تو اولاد کو چاہئے کہ ان کے کہنے سے کفر و شرک تو نہ کرے لیکن دنیا میں ان کے ساتھ اچھا سلوک اور ان کی خدمت پھر بھی کرتی رہے۔

وَاِنْ جَاهَدَاكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا. (سوره لقمان: ۳۱:۱۵)

آگے درج ہونے والی حدیثوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ماں باپ کے حقوق اور ان سے متعلق اولاد کے

فرائض کے بارے میں جو کچھ فرمایا ہے وہ دراصل قرآن مجید کی ان آیات ہی کی تشریح وتفسیر ہے۔

عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عَمْرٍ وقَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه و آله وسلم رِضَى الرَّبِ فِىْ رَضَى الْوَلِدِ وَسَخُطُ الرَّبِّ فِىْ سَخطِ الْوَلِدِ. (رواه الترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: اللہ کی رضا مندی والد کی رضا مندی میں ہے اور اللہ کی ناراضی والد کی ناراضی میں ہے۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... حدیث کا مطلب اور مدعا یہ ہے کہ جو اپنے مالک ومولا کو راضی رکھنا چاہے وہ اپنے والد کو راضی اور خوش رکھے۔ اللہ کی رضا حاصل ہونے کے لئے والد کی رضا جوئی شرط ہے جو والد کی ناراضی کا لازمی نتیجہ اللہ کی ناراضی ہے، لہٰذا جو کوئی والد کو ناراض کرے گا وہ رضائے الٰہی کی دولت سے محروم رہے گا۔

اس حدیث میں والد کا لفظ آیا ہے جو عربی زبان میں باپ ہی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ (ماں کیلئے والدہ کا لفظ بولا جاتا ہے) اس بناء پر اس حدیث میں ماں کا ذکر صراحۃً نہیں آیا ہے۔ لیکن چونکہ دوسری احادیث میں جو عنقریب درج ہوں گی اس بارے میں ماں کا درجہ باپ سے بھی بلند اور بالاتر بتایا گیا ہے، اس لئے ماں کی خوشی اور ناخوشی کی بھی وہی اہمیت ہو گی اور اس کا بھی وہی درجہ ہوگا جو اس حدیث میں باپ کی رضا مندی اور ناراضی کا بتایا گیا ہے۔

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللهِ مَنْ اَحَقُّ بِحُسْنِ صَحَابَتِىْ قَالَ اُمُّکَ ثُمَّ اُمُّکَ ثُمَّ اُمُّکَ ثُمَّ اَبَاکَ ثُمَّ اَدْنَاکَ فَاَدْنَاکَ. (رواه البخاری ومسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ: مجھ پر خدمت اور حسن سلوک کا سب سے زیادہ حق کس کا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: تمہاری ماں، پھر میں کہتا ہوں تمہاری ماں، پھر میں کہتا ہوں تمہاری ماں، اس کے بعد تمہارے باپ کا حق ہے، اس کے بعد جو تمہارے قریبی رشتہ دار ہوں، پھر جو ان کے بعد قریبی رشتہ دار ہوں۔

تشریح...... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں سوال کرنے والے صحابی کا نام مذکور نہیں ہے، لیکن جامع ترمذی اور سنن ابی داؤد میں بہز بن حکیم بن معاویہ قشیری سے روایت کیا ہے کہ میرے دادا معاویہ بن حیدہ قشیری نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا تھا کہ: "مَنْ اَبَرُّ؟" (مجھے کس کی خدمت اور کس کے ساتھ اچھا سلوک کرنا چاہئے؟) یعنی اس بارے میں سب سے زیادہ اور سب سے مقدم حق کس کا ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "اُمَّکَ" (تمہاری ماں کا) انہوں نے پوچھا "ثُمَّ مَنْ؟" (پھر کس کا حق ہے۔) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر فرمایا "اُمَّکَ" (تمہاری ماں کا۔) انہوں نے پھر پوچھا "ثُمَّ مَنْ" (اس کے بعد کس کا حق ہے) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر فرمایا اُمَّکَ انہوں نے اس کے بعد پھر پوچھا "ثُمَّ مَنْ" (پھر ماں کے بعد کس کا حق ہے؟) تو چوتھی دفعہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اَبَاکَ ثُمَّ الْاَقْرَبَ فَالْاَقْرَبَ" یعنی ماں کے بعد تمہارے باپ کا حق ہے، اس کے بعد درجہ بدرجہ اہل قرابت اور رشتہ داروں کا حق ہے ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔

ان دونوں حدیثوں کا مضمون بلکہ سوال جواب کے الفاظ بھی قریب قریب یکساں ہیں اس لئے اس کا بہت امکان ہے کہ

صحیحین کی حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں جس شخص کے سوال کا ذکر کیا گیا ہے وہ یہی معاویہ بن حیدہ قشیری ہوں جن کی حدیث ان کے پوتے بہز بن حکیم نے امام ترمذی اور امام ابوداؤد نے روایت کی ہے۔

ان دونوں حدیثوں کا صریح مدعا یہ ہے کہ خدمت اور حسن سلوک کے بارے میں ماں کا حق باپ سے زیادہ اور مقدم ہے۔قرآن مجید سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ کئی جگہ اس میں ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کے ساتھ خاص طور سے ماں کی ان تکلیفوں اور مصیبتوں کا ذکر فرمایا گیا ہے جو حمل اور ولادت میں اور پھر دودھ پلانے اور پالنے میں خصوصیت کے ساتھ ماں کو اٹھانی پڑتی ہے۔

عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عَمْرٍ وقَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه و آله وسلم فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللهِ اُجَاهِدُ قَالَ اَلَکَ اَبَوَانِ؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَفِيْهِمَا فَجَاهِدْ. (رواه ابوداؤد)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں جہاد میں جانا چاہتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کیا تمہارے ماں باپ ہیں؟ اس نے کہا۔ ہاں ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تو پھر ان کی خدمت اور راحت رسانی میں جدوجہد کرو۔ یہی تمہارا جہاد ہے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح...... غالباً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ بات منکشف ہوگئی تھی یا کسی وجہ سے اس کے بارے میں شبہ ہوگیا تھا کہ اس آدمی کے ماں باپ اس کی خدمت کے محتاج ہیں، اور یہ ان کو چھوڑ کے ان کی اجازت کے بغیر جہاد کے لئے آگیا ہے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو یہ حکم دیا کہ وہ گھر واپس جا کر ماں باپ کی خدمت کرے، کیونکہ ایسی حالت میں اس کے لئے ماں باپ کی خدمت مقدم ہے۔

اس حدیث سے یہ نتیجہ نکالنا غلط ہوگا کہ جس کسی کے ماں باپ ہوں وہ جہاد اور دین کی کسی خدمت کے لئے کبھی گھر سے باہر نہ نکلے، اور صرف وہی لوگ جہاد میں اور دین کی خدمت میں لگیں جن کے ماں باپ نہ ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جہاد کرتے تھے اور ان میں بڑی تعداد انہی کی ہوتی تھی جن کے ماں باپ زندہ ہوتے تھے۔

عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ جَاهِمَةَ اَنَّ جَاهِمَةَ جَاءَ اِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه و آله وسلم فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللهِ اَرَدْتُ اَنْ اَغْزُوَ وَقَدْ جِئْتُ اَسْتَشِيْرُکَ فَقَالَ هَلْ لَکَ مِنْ اُمٍّ؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَالْزَمْهَا فَاِنَّ الْجَنَّةَ عِنْدَ رِجْلِهَا. (رواه احمد والنسائى)

معاویہ بن جاہمہ سے روایت ہے کہ میرے والد جاہمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ: ''میرا ارادہ جہاد میں جانے کا ہے اور میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس بارے میں مشورہ لینے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا: کیا تمہاری ماں ہیں؟ انہوں نے عرض کیا: ''ہاں! ہیں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تو پھر انہی کے پاس اور انہی کی خدمت میں رہو، ان کے قدموں میں تمہاری جنت ہے۔ (مسند احمد، سنن نسائی)

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَجُلًا اَتَى النَّبِيَّ صلى الله عليه و آله وسلم فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللهِ اِنِّیْ اَصَبْتُ ذَنْبًا عَظِيْمًا فَهَلْ لِیْ مِنْ تَوْبَةٍ؟ قَالَ هَلْ لَکَ مِنْ اُمٍّ؟ قَالَ لَا قَالَ وَهَلْ لَکَ مِنْ خَالَةٍ؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَبِرَّهَا. (رواه الترمذى)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ: حضرت! میں نے ایک بہت بڑا گناہ کیا ہے تو کیا میری توبہ قبول ہوسکتی ہے (اور مجھے معافی مل سکتی ہے) آپ صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: تمہاری ماں زندہ ہے؟ اس نے عرض کیا کہ: ماں تو نہیں ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تو کیا تمہاری کوئی خالہ ہے؟ اس نے عرض کیا کہ: ہاں خالہ موجود ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تو اس کی خدمت اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو (اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے تمہاری توبہ قبول فرمالے گا اور تمہیں معاف فرمادے گا۔) (جامع ترمذی)

تشریح...... توبہ کیا ہے؟ گناہ پر دل سے نادم و پشیمان ہو کر اللہ سے معافی مانگنا، تاکہ اللہ کے غضب اور اس عذاب سے بچ جائے جس کا وہ گناہ کی وجہ سے مستحق ہو چکا ہے، اور توبہ کی قبولیت یہ ہے کہ اللہ پاک اس کو معاف فرمادے اور اس سے راضی ہو جائے۔ یوں تو سارے ہی اعمال صالحہ میں یہ خاصیت ہے کہ وہ گناہوں کے گندے اثرات کو مٹاتے ہیں اور اللہ کی رضا و رحمت کو کھینچتے ہیں (اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاتِ) لیکن بعض اعمال صالحہ اس بارے میں غیر معمولی امتیازی شان رکھتے ہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ماں باپ کی خدمت اور اسی طرح خالہ اور نانی کی خدمت بھی انہی اعمال میں سے ہے جن کی برکت سے اللہ تعالیٰ بڑے بڑے گناہگاروں اور سیاہ کاروں کی توبہ قبول فرمالیتا ہے، اور ان سے راضی ہو جاتا ہے۔

عَنْ عَبْدِاللهِ بِنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم مَنْ اَحَبَّ اَنْ يَّصِلَ اَبَاهُ فِىْ قَبْرِهٖ فَلْيَصِلْ اِخْوَانَ اَبِيْهِ بَعْدَهٗ. (رواه ابن حبان)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: جو کوئی یہ چاہے کہ قبر میں اپنے باپ کو آرام پہنچائے اور خدمت کرے تو باپ کے انتقال کے بعد اس کے بھائیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ رکھے، جو رکھنا چاہئے۔ (صحیح ابن حبان)

عَنِ ابْنِ عَمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم اِنَّ مِنْ اَبَرِّ الْبِرِّ صِلَةُ الرَّجُلِ اَهْلَ وُدِّ اَبِيْهِ بَعْدَ اَنْ يُّوَلِّىَ. (رواه مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: باپ کی خدمت اور حسن سلوک کی ایک اعلیٰ قسم یہ ہے کہ ان کے انتقال کے بعد انکے دوستوں کے ساتھ (اکرام واحترام کا) تعلق رکھا جائے اور باپ کی دوستی و محبت کا حق ادا کیا جائے۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی ان دونوں حدیثوں میں صرف باپ کے بھائیوں اور اہل محبت کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس میں ماں باپ دونوں کے اہل قرابت کے ساتھ حسن سلوک اور اہل محبت کے اکرام واحترام کو اولاد پر ماں باپ کے مرنے کے بعد ان کا حق بتایا گیا ہے۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم اِنَّ الْعَبْدَ لَيَمُوْتُ وَالِدَاهُ اَوْ اَحَدُهُمَا وَاِنَّهٗ لَهُمَا لَعَاقٌ فَلا يَزَالُ يَدْعُوْ لَهُمَا وَيَسْتَغْفِرُ لَهُمَا حَتّٰى يَكْتُبُهُ اللهُ بَارًّا. (رواه البيهقى فى شعب الايمان)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی آدمی کے ماں باپ کا یا دونوں میں سے کسی کا انتقال ہو جاتا ہے اور اولاد زندگی میں ان کی نافرمان اور ان کی رضامندی سے محروم ہوتی ہے، لیکن یہ اولاد ان کے انتقال کے بعد (سچے دل) سے ان کیلئے اللہ تعالیٰ سے خیر و رحمت کی دعا اور مغفرت و بخشش کی استدعا کرتی

رہتی ہے (اوراس طرح اپنے قصور کی تلافی کرنا چاہتی ہے) تو اللہ تعالیٰ اس نافرمان اولاد کو فرمانبردار قرار دے دیتا ہے (پھر وہ ماں باپ کی نافرمانی کے وبال اور عذاب سے بچ جاتی ہے) (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح...... جس طرح زندگی میں ماں باپ کی فرمانبرداری وخدمت اوران کے ساتھ حسن سلوک اعلیٰ درجے کا عمل صالح ہے جو بڑے بڑے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے اسی طرح ان کے مرنے کے بعد ان کے لئے اخلاص اور الحاح سے رحمت ومغفرت کی دعا ایسا عمل ہے جو ایک طرف تو ماں باپ کے لئے قبر میں راحت وسکون کا وسیلہ بنتا ہے اور دوسری طرف اس سے اولاد کے ان قصوروں کی تلافی ہو جاتی ہے جو ماں باپ کی فرمانبرداری اور خدمت میں ان سے ہوئی ہو اور وہ خود اللہ تعالیٰ کی رحمت وعنایت کی مستحق ہو جاتی ہے۔ قرآن پاک میں اولاد کو خاص طور سے ہدایت فرمائی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ماں باپ کے لئے رحمت ومغفرت مانگا کرے۔

وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِيْ صَغِيْرًا. (بنی اسرائیل، ع ۲)

اور اللہ سے یوں عرض کیا کرو کہ: اے پروردگار! میرے ماں باپ پر رحمت فرما جس طرح انہوں نے مجھے بچپنے میں (شفقت کیساتھ) پالا تھا۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه و آله وسلم اِنَّ اللّٰهَ يَزِيْدُ فِىْ عُمُرِ الرَّجُلِ بِبِرِّهِ وَالِدَيْهِ. (رواہ ابن منیع وابن عدی)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ ماں باپ کی خدمت و فرمانبرداری اور حسن سلوک کی وجہ سے آدمی کی عمر بڑھا دیتا ہے۔ (مسند ابن منیع، کامل ابن عدی)

تشریح...... اس طرح کی احادیث کا تقدیر کے مسئلہ سے کوئی ٹکراؤ نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کو ازل سے معلوم تھا اور معلوم ہے کہ فلاں آدمی ماں باپ کی خدمت اور فرمانبرداری کرے گا اسی لحاظ سے اس کی عمر اس سے زیادہ مقرر فرمائی گئی جتنی کہ اس کو ماں باپ کی خدمت اور فرمانبرداری نہ کرنے کی صورت میں دی جاتی۔ اسی طرح ان سب حدیثوں کو سمجھنا چاہئے جن میں کسی اچھے عمل پر رزق میں وسعت اور برکت وغیرہ کی خوش خبری سنائی گئی ہے۔ حالانکہ رزق کی تنگی اور وسعت بھی مقدر ہے۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه و آله وسلم مِنَ الْكَبَائِرِ شَتْمُ الرَّجُلِ وَالِدَيْهِ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَهَلْ يَشْتِمُ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ؟ قَالَ نَعَمْ يَسُبُّ اَبَا الرَّجُلِ فَيَسُبُّ اَبَاهُ وَيَسُبُّ اُمَّهٗ فَيَسُبُّ اُمَّهٗ. (رواہ البخاری)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: اپنے ماں باپ کو گالی دینا بھی کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ عرض کیا گیا: یارسول اللہ کیا کوئی اپنے ماں باپ کو بھی گالی دے سکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں! اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی آدمی کسی کے ماں باپ کو گالی دے، پھر وہ جواب میں اس کے ماں باپ کو گالی دے، (تو گویا اس نے خود ہی اپنے ماں باپ کو گالی دلوائی۔) (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح...... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی آدمی کا کسی دوسرے کو ایسے بات کہنا یا ایسی حرکت کرنا جس کے نتیجہ میں دوسرا آدمی اس کے ماں باپ کو گالی دینے لگے، اتنی ہی بری بات ہے جتنی کہ خود اپنے ماں باپ کو گالی دینا اور یہ گناہ کبیرہ کے درجہ کی چیز ہے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم میں ماں باپ کے احترام کا کیا مقام ہے، اور اس بارے میں آدمی کو کتنا محتاج رہنا چاہئے۔

دیگر اعزاء کے حقوق

اسلامی تعلیم میں والدین کے علاوہ دوسرے اہل قرابت کے ساتھ حسن سلوک اور ان کے حقوق کی ادائیگی پر بھی بہت زیادہ زور دیا گیا ہے اور ''صلہ رحمی'' اس کا خاص عنوان ہے۔ قرآن مجید میں جہاں والدین کی خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید فرمائی گئی ہے وہیں ''وَذِی الْقُرْبٰی'' فرما کر دوسرے اہل قرابت کے ساتھ حسن سلوک اور ان کے حقوق قرابت کی ادائیگی کی بھی وصیت فرمائی گئی ہے۔ ابھی چند صفحے پہلے صحیح بخاری وصحیح مسلم کے حوالہ سے ایک سائل کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد گزر چکا ہے کہ: خدمت اور حسن سلوک کا سب سے پہلا حق تم پر تمہاری ماں کا ہے، اس کے بعد باپ کا، اس کے بعد درجہ بدرجہ دوسرے اہل قرابت کا۔'' اب یہاں چند وہ حدیثیں اور پڑھ لیجئے جن میں صلہ رحمی کی اہمیت اور اس کے فضائل و برکات بیان فرمائے گئے ہیں، یا اس کے برعکس قطع رحمی کے بُرے انجام سے خبردار کیا گیا ہے۔

عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صلی الله علیه و آله وسلم يَقُوْلُ قَالَ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى اَنَا اللهُ وَاَنَا الرَّحْمٰنُ خَلَقْتُ الرَّحِمَ وَشَقَقْتُ لَهَا مِنْ اِسْمِىْ وَمَنْ وَصَلَهَا وَصَلْتُهٗ وَمَنْ قَطَعَهَا بَتَتُّهٗ. (رواہ ابوداؤد)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''میں اللہ ہوں، میں الرحمٰن ہوں، میں نے رشتہ قرابت کو پیدا کیا ہے اور اپنے نام رحمٰن کے مادہ سے نکال کر اس کو رحم کا نام دیا ہے، پس جو اسے جوڑے گا میں اس کو جوڑوں گا اور جو اس کو توڑے گا میں اس کو توڑ دوں گا۔ (سنن ابی داوٗد)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت اور مشیت سے پیدائش کا ایسا نظام بنایا ہے کہ ہر پیدا ہونے والا رشتوں کے بندھنوں میں بندھا ہوتا ہے، پھر ان رشتوں کے کچھ فطری تقاضے اور حقوق ہیں جن کا عنوان اللہ تعالیٰ نے رحم مقرر کیا ہے، جو اس کے نام پاک رحمٰن سے گویا مشتق ہے (یعنی دونوں کا مادہ ایک ہی ہے) پس جو بندہ انسان کی فطرت میں رکھے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے مقرر کئے ہوئے ان حقوق اور تقاضوں کو ادا کرے گا (یعنی صلہ رحمی کرے گا) اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا اعلان ہے کہ وہ اس کو جوڑے گا (یعنی اس کو اپنا بنا لے گا اور فضل و کرم سے نوازے گا) اور اس کے برعکس جو قطع رحمی کا رویہ اختیار کرے گا اور قرابت کے ان حقوق کو پامال کرے گا جو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائے ہیں اور انسان کی فطرت میں رکھے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کو توڑ دے گا، یعنی اپنے قرب اور اپنی رحمت و کرم سے محروم کر دے گا۔

آج کی دنیا میں مسلمان جن حالات سے دوچار ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت سے محرومی کا منظر جو ہر جگہ نظر آ رہا ہے، بلاشبہ وہ زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والی ہماری بہت سی بداعمالیوں کا نتیجہ ہے، لیکن ان احادیث کی روشنی میں یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اس بربادی اور محرومی میں بڑا دخل ہمارے اس جرم کو بھی ہے کہ صلہ رحمی کی تعلیم و ہدایت کو ہماری غالب اکثریت نے بالکل ہی بھلا دیا ہے اور اس باب میں ہمارا طرز عمل غیر مسلموں سے کچھ بھی مختلف نہیں ہے۔

صلہ رحمی کی برکات

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم مَنْ اَحَبَّ اَنْ يُّبْسَطَ لَهٗ فِىْ رِزْقِهٖ وَيُنْسَا لَهٗ فِىْ اِثْرِهٖ فَلْيَصِلْ رَحِمَهٗ. (رواه البخارى ومسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: جو کوئی یہ چاہے کہ اس کے رزق میں فراخی اور کشادگی ہو اور دنیا میں اس کے آثار قدم تا دیر رہیں (یعنی اس کی عمر دراز ہو) تو وہ (اہل قرابت کے ساتھ) صلہ رحمی کرے۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح...... اللہ کی کتاب قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث میں یہ حقیقت جا بجا بیان فرمائی گئی ہے کہ بعض نیک اعمال کے صلہ میں اللہ تعالیٰ اس دنیا میں بھی برکتوں سے نوازتا ہے۔ اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ صلہ رحمی یعنی اہل قرابت کے حقوق کی ادائیگی اور ان کے ساتھ حسن سلوک وہ مبارک عمل ہے جس کے صلہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق میں وسعت اور عمر میں زیادتی اور برکت ہوتی ہے۔ صلہ رحمی کی دو ہی صورتیں ہیں، ایک یہ کہ آدمی اپنی کمائی سے اہل قرابت کی مالی خدمت کرے، دوسرے یہ کہ اپنے وقت اور اپنی زندگی کا کچھ حصہ ان کے کاموں میں لگائے، اس کے صلہ میں رزق و مال میں وسعت اور زندگی کی مدت میں اضافہ اور برکت بالکل قرین قیاس اور اللہ تعالیٰ کی حکمت و رحمت کے عین مطابق ہے۔

اسبابی نقطہ نظر سے بھی یہ بات سمجھ میں آنے والی ہے، یہ واقعہ اور عام تجربہ ہے کہ خاندانی جھگڑے اور خانگی الجھنیں جو زیادہ تر حقوق قرابت ادا نہ کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں، آدمی کے لئے دلی پریشانی اور اندرونی کڑھن اور گھٹن کا باعث بنتی ہیں اور کاروبار اور صحت ہر چیز متاثر کرتی ہیں لیکن جو لوگ اہل خاندان اور اقارب کے ساتھ نیکی اور صلہ رحمی کا برتاؤ کرتے ہیں اور ان کے ساتھ اچھا سلوک رکھتے ہیں ان کی زندگی انشراح وطمانینت اور خوش دلی کے ساتھ گزرتی ہے اور ہر لحاظ سے ان کے حالات بہتر رہتے ہیں اور فضل خداوندی ان کے شامل حال رہتا ہے۔

عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ. (رواه البخارى ومسلم)

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: قطع رحمی کرنے والا (یعنی رشتہ داروں اور اہل قرابت کے ساتھ برا سلوک کرنے والا) جنت میں نہ جا سکے گا۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح...... اس ایک حدیث سے سمجھا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم میں اور اللہ کے نزدیک صلہ رحمی کی کتنی اہمیت ہے اور قطع رحمی کس درجہ کا گناہ ہے۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ قطع رحمی اللہ تعالیٰ کے نزدیک اتنا سخت گناہ ہے کہ اس گناہ کی گندگی کے ساتھ کوئی جنت میں نہیں جا سکے گا، ہاں جب اس کو سزا دے کے پاک کر دیا جائے گا یا کسی وجہ سے اس کو معاف کر دیا جائے گا تو جا سکے گا، جب تک ان دونوں میں سے ایک بات نہ ہو جنت کا دروازہ اس کے لئے بند رہے گا۔

زوجین کے حقوق اور ذمہ داریاں

انسانوں کے باہمی تعلقات میں ازدواجی تعلق کی جو خاص نوعیت اور اہمیت ہے اور اس سے جو عظیم مصالح اور منافع وابستہ ہیں

وہ کسی وضاحت کے محتاج نہیں، نیز زندگی کا سکون اور قلب کا اطمینان بڑی حد تک اسی کی خوشگواری اور باہمی الفت واعتماد پر موقوف ہے۔ پھر جیسا کہ ظاہر ہے اس کا خاص مقصد یہ ہے کہ فریقین کو پاکیزگی کے ساتھ زندگی کی وہ مسرتیں اور راحتیں نصیب ہوں جو اس تعلق ہی سے حاصل ہو سکتی ہیں اور آدمی آوارگی اور پراگندگی سے محفوظ رہ کر زندگی کے فرائض ووظائف ادا کر سکے اور نسل انسانی کا وہ تسلسل بھی انسانی عظمت اور شرف کے ساتھ جاری رہے جو اس دنیا کے خالق کی مشیت ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ مقصد بھی اسی صورت میں بہتر طریقے پر پورے ہو سکتے ہیں جبکہ فریقین میں زیادہ سے زیادہ محبت ویگانگت اور تعلق میں زیادہ سے زیادہ خوشگواری ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میاں بیوی کے باہمی حقوق اور ذمہ داریوں کے بارے میں جو ہدایات دی ہیں ان کا خاص مقصد یہی ہے کہ یہ تعلق فریقین کے لئے زیادہ سے زیادہ خوشگوار اور مسرت وراحت کا باعث ہو، دل جڑے رہیں اور وہ مقاصد جن کے لئے یہ تعلق قائم کیا جاتا ہے بہتر طریقے سے پورے ہوں۔

اس باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم وہدایت کا خلاصہ یہ ہے کہ بیوی کو چاہئے کہ وہ اپنے شوہر کو اپنے لئے سب سے بالاتر سمجھے، اس کی وفادار اور فرمانبردار رہے، اس کی خیر خواہی اور رضا جوئی میں کمی نہ کرے، اپنی دنیا اور آخرت کی بھلائی اس کی خوشی سے وابستہ سمجھے۔ اور شوہر کو چاہئے کہ وہ بیوی کو اللہ کی عطا کی ہوئی نعمت سمجھے، اس کی قدر اور اس سے محبت کرے، اگر اس سے غلطی ہو جائے تو چشم پوشی کرے، صبر وتحمل ودانش مندی سے اس کی اصلاح کی کوشش کرے، اپنی استطاعت کی حد تک اس کی ضروریات اچھی طرح پوری کرے، اس کی راحت رسانی اور دل جوئی کی کوشش کرے۔

ان تعلیمات کی صحیح قدر وقیمت سمجھنے کیلئے اب سے قریباً ۱۴۰۰ سو سال پہلے پوری انسانی دنیا اور خاص کر عربوں کے اس ماحول کو سامنے رکھنا چاہئے جس میں بے چاری بیوی کی حیثیت ایک خرید کردہ جانور سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھی اور اس غریب کا کوئی حق نہ سمجھا جاتا تھا۔

میاں بیوی کے تعلق میں یہ ضروری تھا کہ کسی ایک کو سربراہی کا درجہ دیا جائے اور اسی حساب سے اس پر ذمہ داریاں بھی ڈالی جائیں اور ظاہر ہے کہ فطری برتری کے لحاظ سے اس کے لئے شوہر ہی زیادہ موزوں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں گھر کا سربراہ مرد ہی کو قرار دیا گیا ہے، اور بڑی ذمہ داریاں اسی پر ڈالی گئی ہیں۔ فرمایا گیا ہے: "اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ" (مرد عورتوں کے سربراہ اور ذمہ دار ہیں) اور عورتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ گھر کے سربراہ ذمہ دار اور اپنے سرتاج کی حیثیت سے شوہر کی بات مانیں اور بیوی ہونے کی حیثیت سے ان کی جو مخصوص خانگی ذمہ داریاں ہیں ان کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کریں۔ چنانچہ ان کے لئے فرمایا گیا ہے: "فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ." (النساء:۳۴)
(نیک بیویاں شوہروں کی فرمانبردار ہوتی ہیں اور شوہر کے پیچھے بھی (اس کی آبرو اور ہر امانت کی، حفاظت کرتی ہیں)

اگر عورت شوہر کی اطاعت فرمانبرداری کے بجائے نافرمانی وسرکشی کا رویہ اختیار کرے تو ظاہر ہے کہ اس کے نتیجہ میں پہلے کشمکش اور پھر خانہ جنگی ہوگی، جو دونوں کی دینی ودنیوی بربادی کا باعث ہوگی۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں کو شوہروں کی اطاعت وفرمانبرداری اور رضا جوئی کی تاکید بھی فرمائی ہے اور اس کا عظیم اجر وثواب بیان فرما کر ترغیب بھی دی ہے۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم اَلْمَرْأَةُ اِذَا صَلَّتْ خَمْسَهَا وَصَامَتْ

شَهْرَهَا وَاَحْصَنَتْ فَرْجَهَا وَاَطَاعَتْ بَعْلَهَا فَلْتَدْخُلْ مِنْ اَىِّ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ شَاءَتْ. (رواہ ابو نعیم فی الحیلة)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: عورت جب پانچوں وقت کی نماز پڑھے اور ماہ رمضان کے روزے رکھے اور اپنی شرم وآبرو کی حفاظت کرے اور شوہر کی فرمانبردار رہے تو پھر (اسے حق ہے کہ) جنت کے جس دروازے سے چاہے اس میں داخل ہو۔ (حلیہ ابونعیم)

تشریح...... اس حدیث میں یہ بات خاص طور سے قابل لحاظ ہے کہ اس میں بیوی کے لئے شوہر کی اطاعت کو نماز، روزہ اور زنا سے اپنی حفاظت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، یہ اس بات کی طرف واضح اشارہ ہے کہ شریعت کی نگاہ میں اس کی بھی ایسی ہی اہمیت ہے جیسی کہ ان ارکان وفرائض کی۔

عَنْ جَابِرٍ (فی حدیث طویل فی قصة حجة الوداع قال رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم فی خطبته یوم عرفة) اِتَّقُوا اللّٰهَ فِی النِّسَاءِ وَاِنَّكُمْ اَخَذْتُمُوْهُنَّ بِاَمَانِ اللّٰهِ وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوْجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللّٰهِ وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ اَلَّا يُوْطِئْنَ فُرُشَكُمْ اَحَدًا تَكْرَهُوْنَهُ فَاِنْ فَعَلْنَ ذٰلِكَ فَاضْرِبُوْهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ. (رواہ مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (حجۃ الوداع میں یوم عرفہ کے خطبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ہدایت بھی دی) لوگو! اپنی بیویوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو، تم نے ان کو اللہ کی امان کے ساتھ اپنے عقد میں لیا ہے۔ اور اسی اللہ کے کلمہ اور حکم سے وہ تمہارے لئے حلال ہوئی ہیں۔ تمہارا ان پر یہ حق ہے کہ جس کا (گھر میں آنا اور) تمہارے بستروں پر بیٹھنا تمہیں ناپسند ہو وہ اس کو آکر وہاں بیٹھنے کا موقع نہ دیں، بس اگر وہ ایسی غلطی کریں تو ان کو (تنبیہ وتادیب کے طور پر) تم سزا دے سکتے ہو جو زیادہ سخت نہ ہو، اور تمہارے ذمہ مناسب طریقے پر اس کے کھانے کپڑے (وغیرہ ضروریات) کا بندوبست کرنا ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... اس حدیث میں سب سے پہلی بات تو یہ فرمائی گئی ہے کہ مرد جو عورتوں کے بااختیار اور صاحب امر سربراہ ہیں وہ اپنی اس سربراہی کو خدا کے مواخذہ اور محاسبہ سے بے پرواہ ہو کر عورتوں پر استعمال نہ کریں، وہ ان کے معاملہ میں خدا سے ڈریں اور یاد رکھیں کہ ان کے اور ان کی بیویوں کے درمیان خدا ہے، اسی کے حکم اور اسی کے مقرر کئے ہوئے ضابطہ نکاح کے مطابق وہ ان کی بیوی بنی ہیں اور ان کے لئے حلال ہوئی ہیں اور وہ اللہ کی امان میں ان کی ماتحت اور زیردست بنائی گئی ہیں، یعنی ان کی بیوی بن جانے کے بعد ان کو اللہ کی امان اور پناہ حاصل ہے۔ اگر شوہر ان کے ساتھ ظلم وزیادتی کریں گے تو اللہ کی دی ہوئی امان کو توڑیں گے اور اس کے مجرم ہوں گے۔ "اَخَذْتُمُوْهُنَّ بِاَمَانِ اللّٰهِ" کا یہی مطلب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس جملہ نے بتایا کہ جب کوئی عورت اللہ کے حکم کے مطابق کسی مرد سے نکاح کر کے اس کی بیوی بن جاتی ہے تو اس کو اللہ کی ایک خاص امان حاصل ہو جاتی ہے۔

یہ عورتوں کیلئے کتنا بڑا شرف ہے اور اس میں ان کے سربراہ شوہروں کو کتنی سخت آگاہی ہے کہ وہ یہ بات یاد رکھیں کہ ان کی بیویاں اللہ کی امان میں ہیں۔

اس کے بعد فرمایا گیا ہے کہ شوہروں کا بیویوں پر یہ حق ہے کہ جن مردوں یا عورتوں کا گھر میں آنا اور بیویوں سے بات چیت کرنا

انہیں پسند نہ ہو بیویاں ان کو گھر میں آنے کی اجازت نہ دیں۔ "وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ اَلَّا يُوْطِئْنَ فُرُشَكُمْ" کا یہی (اس کا پس منظر یہ ہے کہ اسلام سے پہلے عربوں کی معاشرت میں، گھروں کے اندر دور قریب کے رشتہ داروں اور دوسرے تعلق رکھنے والوں کے آنے جانے اور عورتوں سے بات چیت کرنے کا عام رواج تھا، حالانکہ ان میں ایسے بھی ہوتے تھے جن کا گھر میں آنا اور بیوی سے بات چیت کرنا شوہر کو ناگوار اور ناپسند ہوسکتا تھا۔ اسی کے بارے میں اس حدیث میں عورتوں کو یہ ہدایت فرمائی گئی ہے کہ وہ اس معاملہ میں شوہروں کی مرضی کی پابندی کریں، اور ایسے کسی مرد یا عورت کو گھر میں آنے اور پاس بیٹھ کر بات چیت کرنے کی اجازت نہ دیں جن کا آنا جانا شوہروں کو ناپسند ہو۔ الغرض "لا یوطین فرشکم" کا یہی مطلب ہے۔ اور آگے اسی کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ اگر بیویاں اس کی خلاف ورزی کریں تو شوہروں کو بطور تنبیہ و تادیب کے سزا دینے کا حق ہے، لیکن یہ سزا سخت نہ ہو (ضرباً غیر مبرح) جو لوگ اس کا مطلب بدکاری اور زنا سمجھتے ہیں وہ بہت غلط سمجھتے ہیں، کیونکہ اس کی سزا تو شریعت میں سنگساری ہے) مطلب ہے۔ آگے فرمایا گیا ہے کہ اگر وہ اس کی خلاف ورزی کریں تو تم مردوں کو ان کے سربراہ کی حیثیت سے حق ہے کہ ان کی اصلاح اور تنبیہ کے لئے مناسب سمجھیں تو ان کو سزا دیں، لیکن صراحت کے ساتھ ہدایت فرمائی گئی ہے کہ یہ سزا سخت نہ ہو "غیر مبرح" کا یہی مطلب ہے۔

آخر میں فرمایا گیا ہے کہ بیویوں کا شوہر پر یہ خاص حق ہے کہ وہ ان کو کھانے، کپڑے وغیرہ کی ضروریات اپنی حیثیت اور معاشرے کے دستور کے مطابق پوری کریں، اس معاملہ میں بخل و کنجوسی سے کام نہ لیں۔ "بالمعروف" کا یہی مطلب ہے۔

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه و آله وسلم اِسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا فَاِنَّهُنَّ خَيْرًا فَاِنَّهُنَّ خُلِقْنَ مِنْ ضِلَعٍ وَاِنَّ اَعْوَجَ شَيْئٍ فِى الضِّلَعِ اَعْلَاهُ فَاِنْ ذَهَبْتَ تُقِيْمُهٗ كَسَرْتَهٗ وَاِنْ تَرَكْتَهٗ لَمْ يَزَلْ اَعْوَجَ فَاسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ۔ (رواه البخارى ومسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لوگو! بیویوں کیساتھ بہتر سلوک کے بارے میں میری وصیت مانو (یعنی میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ اللہ کی ان بندیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو، نرمی اور مدارات کا برتاؤ رکھو، ان کی تخلیق پسلی سے ہوئی ہے (جو قدرتی طور پر ٹیڑھی ہوتی ہے) اور زیادہ کجی پسلی کے اوپر کے حصے میں ہوتی ہے، اگر تم اس ٹیڑھی پسلی کو (زبردستی) بالکل سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو وہ ٹوٹ جائے گی، اور اگر اسے یونہی اپنے حال پر چھوڑ دو گے (اور درست کرنے کی کوئی کوشش نہ کرو گے) تو پھر وہ ہمیشہ ویسی ہی ٹیڑھی رہے گی، اس لئے بیویوں کے ساتھ بہتر سلوک کرنے کی میری وصیت قبول کرو۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح...... اس حدیث میں عورتوں کے بارے میں فرمایا گیا ہے: "اِنَّهُنَّ خُلِقْنَ مِنْ ضِلَعٍ" (ان کی تخلیق اور بناوٹ پسلی سے ہوئی ہے) یہ واقعہ کا بیان بھی ہوسکتا ہے اور اس کو محاوراتی تمثیل بھی کہا جا سکتا ہے۔ بہرصورت مقصد و مدعا یہ ہے کہ عورتوں کی جبلت اور سرشت میں کچھ نہ کچھ کجی ہوتی ہے۔ جیسے کہ آدمی کے پہلو کی پسلی میں قدرتی کجی ہوتی ہے۔ آگے فرمایا گیا ہے کہ زیادہ کجی اس کے اوپر والے حصے میں ہوتی ہے یہ غالباً اس طرف اشارہ ہے کہ عورت میں کجی کا زیادہ تر ظہور اوپر کے حصے میں ہوتا ہے جس میں سوچنے والا دماغ اور بولنے والی زبان ہے۔ آگے فرمایا گیا ہے کہ اگر تم ٹیڑھی پسلی کو زور وقوت سے بالکل سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو وہ ٹوٹ جائے گی۔ اور اگر یونہی چھوڑ دو گے تو وہ ہمیشہ ٹیڑھی رہے گی۔ مقصد یہ ہے کہ اگر کوئی زبردستی اور تشدد سے عورت

کی مزاجی کجی نکالنے کی کوشش کرے گا تو وہ کامیاب نہ ہو سکے گا، بلکہ ہو سکتا ہے کہ افتراق اور علیحدگی کی نوبت آ جائے اور اگر اصلاح کی بالکل فکر نہ کرے گا تو وہ کجی ہمیشہ رہے گی اور کبھی قلبی سکون اور زندگی کی خوشگواری کی وہ دولت حاصل نہ ہو سکے گی جو رشتۂ ازدواج کا خاص مقصد ہے۔ اس لئے مردوں کو چاہئے کہ وہ عورتوں کی معمولی غلطیوں اور کمزوریوں کو نظر انداز کرتے ہوئے ان کے ساتھ بہتر سلوک اور دلداری کا برتاؤ کریں۔ اس طریقے سے ان کی اصلاح بھی ہو سکے گی، یہ میری خاص وصیت اور نصیحت ہے۔ اس پر کاربند رہو۔ "اِسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا" سے آپ نے کلام شروع فرمایا تھا اور خاتمہ کلام پر پھر فرمایا: "فَاسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ". اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آپ کو عورتوں کے ساتھ حسن سلوک اور دلداری کے برتاؤ کا کتنا اہتمام تھا۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ وَاللهِ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وآله وسلم يَقُوْمُ عَلٰى بَابِ حُجْرَتِيْ وَالْحَبْشَةُ يَلْعَبُوْنَ بِالْحِرَابِ فِي الْمَسْجِدِ وَرَسُوْلُ اللهِ يَسْتُرُنِيْ بِرِدَائِهٖ لِاَنْظُرَ اِلٰى لَعِبِهِمْ بَيْنَ اُذُنِهٖ وَعَاتِقِهٖ ثُمَّ يَقُوْمُ مِنْ اَجْلِيْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَنَا الَّتِيْ اَنْصَرِفُ فَاقْدُرُوْا قَدَرَ الْجَارِيَةِ الْحَدِيْثَةِ السِّنِّ الْحَرِيْصَةِ عَلَى اللَّهْوِ. (رواه البخاری ومسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، بیان کرتی ہیں: خدا کی قسم! میں نے یہ منظر دیکھا کہ (ایک روز) حبشی لوگ مسجد میں نیزہ ماری کا کھیل کھیل رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے ان کا کھیل دکھانے کے لئے میرے لئے اپنی چادر کا پردہ کر کے میرے حجرے کے دروازے پر کھڑے ہو گئے (جو مسجد ہی میں کھلتا تھا) میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کاندھے اور کان کے درمیان سے ان کا کھیل دیکھتی رہی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری وجہ سے مسلسل کھڑے رہے، یہاں تک کہ (میرا جی بھر گیا اور) میں خود ہی لوٹ آئی۔ (حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اس واقعہ سے) اندازہ کرو کہ ایک نوعمر اور کھیل تماشہ سے دلچسپی رکھنے والی لڑکی کا کیا مقام تھا۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح ...... یہ واقعہ بھی بیویوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حسن معاشرت اور ان کی دل جوئی اور دلداری کی انتہائی مثال ہے اور اس میں امت کے لئے بڑا سبق ہے۔

البتہ اس سلسلہ میں یہ بات خاص طور سے قابل لحاظ ہے کہ یہ عید کا دن تھا۔ جیسا کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں اس کی تصریح ہے (صحیح بخاری وصحیح مسلم، کتاب العیدین۔۱۲) اور عید میں لہو ولعب کی بھی ایک حد تک گنجائش رکھی گئی ہے، کیونکہ عوامی جشن و نشاط کا یہ بھی ایک فطری تقاضا ہے۔ صحیحین اور دوسری کتب حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ واقعہ مروی ہے کہ ایک دفعہ عید کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کپڑا اوڑھے آرام فرما رہے تھے، دو بچیاں آئیں اور دَف بجا بجا کر جنگ بُعاث سے متعلق کچھ اشعار گانے لگیں، اتنے میں حضرت ابو بکرؓ آ گئے۔ انہوں نے ان بچیوں کو ڈانٹ کر بھگا دینا چاہا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منہ کھول کر فرمایا: "دَعْهُمَا يَا اَبَابَكْرٍ فَاِنَّهَا اَيَّامُ عِيْدٍ." (صحیح بخاری وصحیح مسلم، کتاب العیدین۔۱۲) (ابو بکر! ان بچیوں کو چھوڑ دو، یعنی جو کر رہی ہیں کرنے دو، یہ عید کا دن ہے) مطلب یہی تھا کہ عید میں اس طرح کے لہو ولعب کی ایک حد تک گنجائش رکھی گئی ہے۔

الغرض زیر تشریح حدیث میں حبشیوں کے جس کھیل کا اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس کھیل کو دیکھنے کا ذکر ہے اس کے بارے میں ایک بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ وہ عید کا دن تھا اور عید میں اس طرح کی تفریحات کی ایک حد تک گنجائش ہے۔

علاوہ ازیں نیزہ ماری کا یہ کھیل ایک بامقصد کھیل تھا جو فن جنگ کی تعلیم وتربیت کا بھی ایک ذریعہ تھا، غالباً اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود بھی اس سے دلچسپی لی۔ صحیحین کی اسی حدیث کی بعض روایات میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کھلاڑیوں کو "دُوْنَكُمْ يَا بَنِىْ اَرْفِدَةَ" کہہ کر ایک طرح کی داد بھی دیتے اور ان کی ہمت افزائی فرماتے تھے۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم، کتاب العیدین)

اور اسی واقعہ سے متعلق صحیحین کی بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کھلاڑیوں حبشیوں کو (جو مسجد میں اپنا کھیل دکھا رہے تھے) مسجد سے بھگا دینا چاہا تھا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے فرمایا: "دَعْهُمْ" (یعنی انہیں کھیلنے دو) اور ان کھلاڑیوں سے فرمایا: "اَمْنًا بَنِىْ اَرْفِدَه" (صحیح بخاری وصحیح مسلم کتاب العیدین) (یعنی تم بے خوف اور مطمئن ہو کر کھیلو!)

اس حدیث کے سلسلہ میں ایک اہم سوال یہ بھی ہے کہ یہ حبشی لوگ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے لئے یقیناً غیر محرم اور اجنبی تھے، پھر انہوں نے ان کا کھیل کیوں دیکھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیوں دکھایا؟

بعض شارحین نے اس کے جواب میں کہا ہے کہ: یہ واقعہ اس ابتدائی زمانہ کا ہے جب پردہ کا حکم نازل ہی نہیں ہوا تھا۔ لیکن روایات کی روشنی میں یہ بات صحیح ثابت نہیں ہوتی، فتح الباری میں حافظ ابن حجرؒ نے ابن حبان کی روایت سے ذکر کیا ہے کہ یہ واقعہ ۷ھ کا ہے جبکہ حبشہ کا وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اور حجاب کا حکم یقیناً اس سے پہلے آچکا تھا۔ اس کے علاوہ حضرت عائشہؓ کی زیر تشریح حدیث میں بھی یہ مذکور ہے کہ جس وقت وہ یہ کھیل دیکھ رہی تھیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لئے اپنی چادر مبارک کا پردہ کر دیا تھا، اگر یہ واقعہ حجاب کے حکم سے پہلے کا ہوتا تو اس کی ضرورت نہ تھی۔

دوسری بات اس سوال کے جواب میں یہ کہی گئی ہے کہ چونکہ اس کا قطعاً کوئی خطرہ نہیں تھا کہ ان حبشیوں کا کھیل دیکھنے کی وجہ سے حضرت صدیقہؓ کے دل میں کوئی برا خیال اور وسوسہ پیدا ہو، اس لئے ان کے لئے یہ دیکھنا جائز تھا۔ اور جب بھی کسی عورت کیلئے ایسی صورت ہو کہ وہ فتنہ اور مفسدہ سے مامون ومحفوظ ہو تو اس کے لئے اجنبی کو دیکھنا جائز نہیں ہوگا۔ امام بخاریؒ نے صحیح بخاری کتاب النکاح میں اسی حدیث پر "باب النظر الی الحبش ونحوهم من غير ريبة" کا ترجمۃ الباب قائم کر کے اسی جواب کی طرف اشارہ کیا ہے، اور بلاشبہ یہی جواب زیادہ تشفی بخش ہے۔ واللہ اعلم.

ہمسایوں کے حقوق

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم مَا اٰمَنَ بِىْ مَنْ بَاتَ شَبْعَانَ وَجَارُهٗ جَائِعٌ اِلٰى جَنْبِهٖ وَهُوَ يَعْلَمُ بِهٖ. (رواه البزار والطبرانى فى الكبير)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ آدمی مجھ پر ایمان نہیں لایا (اور وہ میری جماعت میں نہیں ہے) جو ایسی حالت میں اپنا پیٹ بھر کے رات کو (بے فکری سے) سو جائے کہ اسکے برابر رہنے والا اس کا پڑوسی بھوکا ہو، اور اس آدمی کو اس کے بھوکے ہونے کی خبر ہو۔ (مسند بزار معجم کبیر للطبرانی)

ف...... افسوس! ہم مسلمانوں کے طرز عمل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان ارشادات میں اتنا بُعد اور فاصلہ ہو گیا ہے کہ کسی ناواقف کو اس بات کا یقین کرنا مشکل ہے کہ یہ تعلیم اور ہدایت مسلمانوں کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہو سکتی ہے۔ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان ارشادات میں اعلان فرمادیا ہے کہ: جو شخص اپنے پڑوسیوں کے بھوک پیاس کے مسئلوں اوراسی طرح کی دوسری ضرورتوں سے بےفکر اور بے نیاز ہوکر زندگی گزارے وہ مجھ پر ایمان نہیں لایا اوراس نے میری بات بالکل نہیں مانی اور وہ میرا نہیں ہے۔ یہ بات بھی ملحوظ رکھنے کی ہے کہ ان تمام حدیثوں میں مسلم اور غیر مسلم پڑوسیوں کی کوئی تخصیص نہیں کی گئی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پڑوسیوں کے بعض متعین حقوق کی نشاندہی بھی فرمائی ہے، ان سے اس باب میں شریعت کا اصولی نقطہ نظر بھی سمجھا جاسکتا ہے۔

عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ حَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم حَقُّ الْجَارِ اِنْ مَرِضَ عُدْتَّهُ وَاِنْ مَاتَ شَيَّعْتَهُ وَاِنِ اسْتَقْرَضَكَ اَقْرَضْتَهُ وَاِنْ اَعْوَرَ سَتَرْتَهُ وَاِنْ اَصَابَهُ خَيْرٌ هَنَّاْتَهُ وَاِنْ اَصَابَتْهُ مُصِيْبَةٌ عَزَّيْتَهُ وَلَا تَرْفَعْ بِنَائَكَ فَوْقَ بِنَائِهٖ فَتَسُدَّ عَلَيْهِ الرِّيْحَ وَلَا تُؤْذِيْهِ بِرِيْحِ قِدْرِكَ اِلَّا اَنْ تَغْرِفَ لَهٗ مِنْهَا. (رواه الطبرانی فی الکبیر)

معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا: پڑوسی کے حقوق تم پر یہ ہیں کہ اگر وہ بیمار ہوجائے تو اس کی عیادت اور خبر گیری کرو، اور اگر انتقال کرجائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جاؤ (اور تدفین کے کاموں میں ہاتھ بٹاؤ) اور اگر وہ (اپنی ضرورت کے لئے) قرض مانگے تو بشرطِ استطاعت) اس کو قرض دو، اور اگر وہ کوئی بُرا کام کر بیٹھے تو پردہ پوشی کرو اور اگر اسے کوئی نعمت ملے تو اس کو مبارک باد دو، اور اگر کوئی مصیبت پہنچے تو تعزیت کرو اور اپنی عمارت اس کی عمارت سے اس طرح بلند نہ کرو کہ اس کے گھر کی ہوا بند ہوجائے اور (جب تمہارے گھر کوئی اچھا کھانا پکے تو اس کی کوشش کرو کہ) تمہاری ہانڈی کی مہک اس کے لئے (اور اسکے بچوں کے لئے) باعث ایذا نہ ہو (یعنی اس کا اہتمام کرو کہ ہانڈی کی مہک اس کے گھر تک نہ جائے) الا یہ کہ اس میں سے تھوڑا سا کچھ اس کے گھر بھی بھیج دو (اس صورت میں کھانے کی مہک اس کے گھر تک جانے میں کوئی مضائقہ نہیں) (معجم کبیر طبرانی)

تشریح...... اس حدیث میں ہمسایوں کے جو متعین حقوق بیان کئے گئے ہیں ان میں سے آخری دو خاص طور سے قابل غور ہیں: ایک یہ کہ اپنے گھر کی تعمیر میں اس کا لحاظ رکھو اور اس کی دیواریں اس طرح نہ اٹھاؤ کہ پڑوسی کے گھر کی ہوا بند ہوجائے اور اس کو تکلیف پہنچے۔ اور دوسرے یہ کہ گھر میں جب کوئی اچھی مرغوب چیز پکے تو اس کو نہ بھولو کہ ہانڈی کی مہک پڑوسی کے گھر تک جائے گی اور اس کے یا اس کے بچوں کے دل میں اس کی طلب اور طمع پیدا ہوگی جو ان کے باعث ایذاء ہوگی۔ اس لئے یا تو اپنے پر لازم کرلو کہ اس کھانے میں سے کچھ تم پڑوسی کے گھر بھیجو گے یا پھر اس کا اہتمام کرو کہ ہانڈی کی مہک پڑوسی کے گھر تک نہ جائے جو ظاہر ہے کہ مشکل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان دو ہدایتوں سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ پڑوسیوں کے بارے میں کتنے نازک اور باریک پہلوؤں کی رعایت کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ضروری قرار دیا ہے۔

قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث ابن عدی نے ''کامل'' میں اور خرائطی نے ''مکارم الاخلاق'' میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے بھی روایت کی ہے۔ اور اس میں یہ اضافہ کیا ہے:

وَاِنِ اشْتَرَيْتَ فَاكِهَةً فَاهْدِ لَهٗ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَاَدْخِلْهَا سِرًّا وَلَا يَخْرُجْ بِهَا وَلَدُكَ لِيَغِيْظَ بِهَا وَلَدَهٗ. (کنزالعمال)

اور اگر تم کوئی پھل پھلار خرید کرلاؤ، تو اس میں سے پڑوسی کے ہاتھ بھی ہدیہ بھیجو اور اگر ایسا نہ کرسکو تو اس کو چھپا کے لاؤ) کہ پڑوس والوں کو

خبر نہ ہو، اور اس کی بھی احتیاط کرو کہ) تمہارا کوئی بچہ وہ پھل لیکر گھر سے باہر نہ نکلے کہ پڑوسی کے بچے کے دل میں اسے دیکھ کر جلن پیدا ہو۔

اللہ تعالیٰ امت کو توفیق دے کہ وہ اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان ہدایتوں کی قدر و قیمت کو سمجھیں اور اپنی زندگی کا معمول بنا کر ان کی بیش بہا برکات کا دنیا ہی میں تجربہ کریں۔

پڑوسی کے حقوق کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جو ارشادات ہیں ان میں سے ایک ارشاد یہ بھی ہے کہ اگر کسی کے پڑوس میں بے چارے ایسے لوگ رہتے ہیں جو دینی تعلیم و تربیت اور اپنی عملی اور اخلاقی حالت کے لحاظ سے پسماندہ ہوں تو دوسرے لوگوں کی ذمہ داری ہے کہ ان کی تعلیم و تربیت اور ان کے سدھار و اصلاح کی فکر و کوشش کریں اور اگر وہ اس میں کوتاہی کریں تو مجرم اور سزا کے مستحق ہوں گے۔

عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ اَبْزٰى عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم مَا بَالُ اَقْوَامٍ لَا يُفَقِّهُوْنَ جِيْرَانَهُمْ وَلَا يُعَلِّمُوْنَهُمْ وَلَا يَعِظُوْنَهُمْ وَلَا يَاْمُرُوْنَهُمْ وَلَا يَنْهَوْنَهُمْ وَمَا بَالُ اَقْوَامٍ لَا يَتَعَلَّمُوْنَ مِنْ جِيْرَانِهِمْ وَلَا يَتَفَقَّهُوْنَ وَلَا يَتَّعِظُوْنَ وَاللهِ لَيُعَلِّمَنَّ قَوْمٌ جِيْرَانَهُمْ وَيُفَقِّهُوْنَهُمْ وَيَعِظُوْنَهُمْ وَيَاْمُرُوْنَهُمْ وَيَنْهَوْنَهُمْ وَلَيَتَعَلَّمَنَّ قَوْمٌ مِنْ جِيْرَانِهِمْ وَيَتَفَقَّهُوْنَ وَيَتَّعِظُوْنَ اَوْ لَاُعَاجِلَنَّهُمْ بِالْعُقُوْبَةِ فِي الدُّنْيَا. (رواه ابن راهويه والبخاری فی الواحدا ء ابن السكن وابن مندة)

علقمہ بن عبدالرحمٰن بن ابزی نے اپنے والد عبدالرحمٰن کے واسطے سے اپنے دادا ابزی خزاعی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دن (اپنے ایک خاص خطاب میں) ارشاد فرمایا: کیا ہو گیا ہے ان لوگوں کو اور کیا حال ہے ان کا (جنہیں اللہ نے علم و تفقہ کی دولت سے نوازا ہے، اور ان کے پڑوس میں ایسے پسماندہ لوگ ہیں جن کے پاس دین کا علم اور اس کی سمجھ بوجھ نہیں ہے) وہ اپنے ان پڑوسیوں کو دین سکھانے اور ان میں دین کی سمجھ بوجھ پیدا کرنے کی کوشش نہیں کرتے ہیں، نہ ان کو وعظ و نصیحت کرتے ہیں نہ امر بالمعروف و نھی عن المنکر کی ذمہ داری ادا کرتے ہیں۔ اور کیا ہو گیا ہے ان (بے علم اور پسماندہ) لوگوں کو کہ وہ اپنے پڑوسیوں سے دین سیکھنے اور دین کی سمجھ بوجھ پیدا کرنے کی فکر نہیں کرتے، نہ ان سے نصیحت لیتے ہیں۔ خدا کی قسم! (دین کا علم اور اس کی سمجھ رکھنے والے) لوگوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے (ناواقف اور پسماندہ) پڑوسیوں کو دین سکھانے اور دین کی سمجھ بوجھ ان میں پیدا کرنے کی کوشش کریں اور وعظ و نصیحت (کے ذریعہ ان کی اصلاح) کریں اور انہیں نیک کاموں کی تاکید اور برے کاموں سے منع کریں اور اسی طرح ان کے ناواقف اور پسماندہ پڑوسیوں کو چاہئے کہ وہ خود طالب بن کر اپنے پڑوسیوں سے دین کا علم و فہم حاصل کریں اور ان سے نصیحت لیں۔ یا پھر (یعنی اگر یہ دونوں طبقے اپنا اپنا فرض ادا نہیں کریں گے) تو میں ان کو دنیا ہی میں سخت سزا دلواؤں گا۔ (مسند اسحاق بن راھویہ)

تشریح...... یہ حدیث کنز العمال جلد پنجم میں "حق الجار" کے زیر عنوان اسی طرح مرکوز ہے۔ جس طرح یہاں درج کی گئی ہے، لیکن دوسری جگہ اسی کنز العمال میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہی خطاب قریب قریب انہی الفاظ میں اس اضافہ کے ساتھ مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا روئے سخن اس خطاب میں ابوموسیٰ اشعری اور ابومالک اشعری کی قوم اشعریین کی طرف تھا۔ اس قوم کے افراد عام طور سے دین کے علم اور تفقہ سے بہرہ مند تھے لیکن ان ہی کے علاقہ میں اور ان کے پڑوس میں ایسے لوگ بھی آباد تھے جو اس لحاظ سے

بہت پسماندہ تھے، نہ ان کی تعلیم وتربیت ہوئی تھی اور نہ خود ان میں اس کی طلب اور فکر تھی۔ اس لحاظ سے یہ دونوں طبقے قصوروار تھے، اس بناء پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی کریمانہ عادت کے مطابق ان کو نامزد کئے بغیر اپنے اس خطاب میں ان دونوں پر عتاب فرمایا تھا۔ اس روایت میں آگے یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ جب اشعریین کو یہ معلوم ہوا کہ اس خطاب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عتاب کا روئے سخن ہماری طرف تھا تو ان کا ایک وفد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ وعدہ کیا کہ ہم ان شاء اللہ ایک سال کے اندر اندر ان آبادیوں کے لوگوں کو دین کی تعلیم دے دیں گے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر علاقہ کے لوگوں کو جو دین کا علم رکھتے ہوں، اس کا ذمہ دار قرار دیا کہ وہ اپنے پاس پڑوس کے ناواقف لوگوں کو دین کی تعلیم دیں اور تبلیغ اور وعظ ونصیحت کے ذریعہ ان کی اصلاح کی کوشش کرتے رہیں۔ اور اسی طرح ناواقف لوگوں کو اس کا ذمہ دار قرار دیا ہے کہ وہ اپنے پاس پڑوس کے اہل علم اور اہل دین سے تعلیم اور تربیت واصلاح کا رابطہ رکھیں۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس ہدایت پر عمل جاری رہتا تو امت کے کسی طبقہ میں بھی دین سے بے خبری اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وہ بے تعلقی نہ ہوتی جس میں امت کی غالب اکثریت آج مبتلا ہے۔ بلاشبہ اس وقت کا سب سے بڑا اصلاحی اور تجدیدی کارنامہ یہی ہے کہ امت میں تعلیم اور تعلم کے اس عمومی غیر رسمی نظام کو پھر سے جاری اور قائم کیا جائے جس کی اس حدیث پاک میں ہدایت فرمائی گئی ہے۔ بڑے خوش نصیب ہوں گے وہ بندے جن کو اس کی توفیق ملے گی۔

یہاں تک جن طبقوں کے حقوق کا بیان کیا گیا یہ سب وہ تھے جن سے آدمی کا کوئی خاص تعلق اور واسطہ ہوتا ہے خواہ نسلی اور خونی رشتہ ہو یا ازدواجی رابطہ، یا ہمسائیگی اور پڑوس کا تعلق، یا عارضی اور وقتی سنگھ ساتھ۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم میں ان کے علاوہ تمام طبقوں اور ہر طرح کے حاجت مندوں، یتیموں، بیواؤں، غریبوں، مسکینوں، مظلوموں، آفت رسیدوں اور بیماروں وغیرہ کا بھی حق مقرر کیا گیا ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پیروؤں کو ان کی خدمت وخبر گیری اور ہمدردی ومعاونت کی تلقین وتاکید فرمائی ہے اور اس کو اعلیٰ درجہ کی نیکی قرار دے کر اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑے بڑے انعامات کی بشارت سنائی ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی الله علیه و آله وسلم اَلسَّاعِیْ عَلَی الْاَرْمَلَةِ وَالْمِسْكِيْنِ كَالْمُجَاهِدِ فِیْ سَبِيْلِ اللهِ وَاَحْسِبُهٗ قَالَ كَالْقَائِمِ لَا يَفْتُرُ وَ كَالصَّائِمِ لَا يُفْطِرُ. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کسی بے چاری بے شوہر والی عورت یا کسی مسکین حاجت مند کے لئے دوڑ دھوپ کرنے والا بندہ (اللہ کے نزدیک اور اجر وثواب میں) راہ خدا میں جہاد کرنے والے بندے کے مثل ہے۔ اور میرا گمان ہے کہ یہ بھی فرمایا تھا کہ اس قائم اللیل (یعنی شب بیدار) بندے کی طرح ہے جو (عبادت اور شب خیزی میں) سستی نہ کرتا ہو اور اس صائم الدہر بندے کی طرح ہے جو ہمیشہ روزہ رکھتا ہو کبھی ناغہ نہ کرتا ہو۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح...... ہر شخص جو دین کی کچھ بھی واقفیت رکھتا ہے، جانتا ہے کہ راہ خدا میں جہاد وجانبازی بلند ترین عمل ہے، اسی طرح کسی بندے کا یہ حال کہ اس کی راتیں عبادت میں کٹتی ہوں اور دن کو ہمیشہ روزہ رکھتا ہو، بڑا ہی قابل رشک حال ہے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث میں فرمایا ہے کہ اللہ کے نزدیک یہی درجہ اور مقام ان لوگوں کا بھی ہے جو کسی حاجت مند مسکین یا کسی ایسی

لاوارث عورت کی خدمت واعانت کے لئے جس کے سر پر شوہر کا سایہ نہ ہو دوڑ دھوپ کریں، جس کی صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ خود محنت کر کے کمائیں اور ان پر خرچ کریں، اور یہ بھی ہو سکتی ہے کہ دوسرے لوگوں کو ان کی خبر گیری اور اعانت کی طرف متوجہ کرنے کیلئے دوڑ دھوپ کریں۔ بلاشبہ وہ بندے بڑے محروم ہیں جو اس حدیث کے علم میں آجانے کے بعد بھی اس سعادت سے محروم رہیں۔

محتاجوں بیماروں اور مصیبت زدوں کی خدمت واعانت

عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه و آله وسلم اَطْعِمُوْا الْجَائِعَ وَعُوْدُوْا الْمَرِیْضَ وَفُکُّوا الْعَانِیْ. (رواه البخاری)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بھوکوں کو کھانا کھلاؤ، بیماروں کی خبر لو (اور دیکھ بھال کرو) اور اسیروں قیدیوں کو رہائی دلانے کی کوشش کرو۔ (صحیح بخاری)

تشریح...... اس حدیث میں بھوکوں کو کھانا کھلانے کے علاوہ مریضوں کی عیادت اور قیدیوں کو رہا کرانے کی بھی تلقین فرمائی گئی ہے۔ ''عیادت'' کے متعلق یہ بات قابل لحاظ ہے کہ ہمارے عرف اور محاورہ میں عیادت کا مطلب صرف بیمار پرسی (یعنی مریض کا حال دریافت کرنا) سمجھا جاتا ہے لیکن عربی زبان میں اس کا مفہوم اس سے زیادہ وسیع ہے اور بیمار پرسی اور خبر گیری کے علاوہ تیمار داری بھی اس کے مفہوم میں شامل ہے۔ اس لئے اس حدیث میں مریضوں کی عیادت کا جو حکم دیا گیا ہے اس کا مطلب صرف بیمار پرسی ہی نہیں، بلکہ تیمارداری اور حسب استطاعت دوا علاج کی فکر بھی اس میں شامل ہے۔ اسی طرح قیدیوں کو رہا کرانے کا جو حکم اس حدیث میں دیا گیا ہے اس کے بارے میں بھی یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ اس سے وہی اسیران بلا مراد ہیں جو ناحق قید میں رکھے گئے ہوں، یا کم از کم ان کے رہا ہو جانے سے خیر کی امید ہو، بلاشبہ ایسے گرفتارانِ بلا کا رہا کرانا اور ان کو آزادی دلانا بڑا کارِ ثواب ہے۔

عَنْ عَلِیٍّ قَالَ کَانَ آخِرُ کَلَامِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی الله علیه وآله وسلم اَلصَّلٰوةَ الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْا اللّٰهَ فِیْمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ. (رواه ابوداؤد)

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (وفات سے پہلے) جو آخری کلام فرمایا، وہ یہ تھا: ''اَلصَّلٰوۃ الصَّلٰوۃ وَاتَّقُوْا اللّٰهَ فِیْمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ'' (یعنی نماز کی پابندی کرو، نماز کا پورا اہتمام کرو، اور اپنے غلاموں میں زیر دستوں کے بارے میں خدا سے ڈرو۔) (سنن ابی داؤد)

تشریح...... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اس دنیا سے اور امت سے ہمیشہ کیلئے رخصت ہوتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کو خاص طور سے دو باتوں کی تاکید اور وصیت فرمائی تھی۔ ایک یہ کہ نماز کا پورا اہتمام کیا جائے اس سے غفلت اور کوتاہی نہ ہو یہ سب سے اہم فریضہ اور بندوں پر اللہ کا سب سے بڑا حق ہے۔ دوسری یہ کہ غلاموں، باندیوں کے ساتھ برتاؤ میں اس خداوند ذوالجلال سے ڈرا جائے جس کی عدالت میں ہر ایک کی پیشی ہوگی اور ہر مظلوم کو ظالم سے بدلہ دلوایا جائے گا۔ غلاموں زیر دستوں کے لئے یہ بات کتنے شرف کی ہے کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دنیا سے جاتے وقت سب سے آخری وصیت اللہ کے حق کے ساتھ انکے حق کی ادائیگی اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی فرمائی اور اس حدیث کے مطابق سب سے

آخری لفظ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے جوادا ہوا وہ یہ تھا: "وَاتَّقُوا اللّٰہَ فِیْمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ".

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت سے جو صحیح بخاری میں بھی مروی ہے، یہ معلوم ہوتا ہے کہ سب سے آخری کلمہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ ادا ہوا تھا: "اَللّٰهُمَّ الرَّفِيْقَ الْاَعْلٰى." (اے اللہ! مجھے رفیقِ اعلیٰ کی طرف اُٹھالے) شارحین نے ان دونوں حدیثوں میں اس طرح تطبیق کی ہے کہ امت سے مخاطب ہوکر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وصیت کے طور پر آخری بات تو وہ فرمائی تھی جو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی مندرجہ بالا حدیث میں مذکور ہوئی ہے اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف مخاطب ہوکر آخری کلمہ وہ فرمایا تھا جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے نقل فرمایا ہے۔ واللہ اعلم۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس طرح غلاموں کے حقوق اور ان کے ساتھ حسن سلوک کے بارے میں آقاؤں کو ہدایات دیں، اسی طرح غلاموں کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی اور ترغیب دی کہ وہ جس کے زیردست ہیں اس کے ساتھ خیرخواہی اور وفاداری کا رویہ رکھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی غلام کی بڑی خوش نصیبی اور کامیابی یہ بتائی کہ وہ اپنے خالق و پروردگار کا عبادت گزار اور اپنے سید و آقا کا وفادار و فرمانبردار ہو۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم قَالَ اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا نَصَحَ لِسَيِّدِهٖ وَاَحْسَنَ عِبَادَةَ رَبِّهٖ فَلَهٗ اَجْرُهٗ مَرَّتَيْنِ. (رواه البخاری ومسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کوئی غلام جب اپنے سید و آقا کی خیرخواہی اور وفاداری کرے اور خدا کی عبادت بھی اچھی طرح کرے تو وہ دہرے ثواب کا مستحق ہوگا۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت وتعلیم کا یہ ایک بنیادی اصول ہے کہ ہر فرد اور ہر طبقہ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ترغیب دیتے ہیں اور تاکید فرماتے ہیں کہ دوسرے کا حق ادا کرے اور حقوق کے ادا کرنے میں اپنی کامیابی سمجھے۔

سیدوں اور آقاؤں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہدایت فرمائی کہ وہ غلاموں زیردستوں کے بارے میں خدا سے ڈریں، ان کے حقوق ادا کریں، ان کے ساتھ بہتر سلوک کریں، ان کو اپنا بھائی سمجھیں اور ایک فرد خاندان کی طرح رکھیں۔

اور غلاموں اور مملوکوں کو ہدایت فرمائی اور ترغیب دی کہ وہ سیدوں اور آقاؤں کے خیرخواہ اور وفادار ہوکر رہیں۔

ہماری اس دنیا کے سارے شر و فساد کی جڑ بنیاد یہ ہے کہ ہر ایک دوسرے کا حق ادا کرنے سے منکر یا کم از کم بے پروا ہے، اور اپنا حق دوسرے سے وصول کرنے بلکہ چھیننے کے لئے ہر کشمکش اور جبر و زور کو صحیح سمجھتا ہے، اسی نے دنیا کو جہنم بنا رکھا ہے اور اس وقت تک یہ دنیا امن وسکون سے محروم رہے گی جب تک کہ حق لینے اور چھیننے کے بجائے حق ادا کرنے پر زور نہ دیا جائے گا۔ اگر عقل وبصیرت سے محرومی نہ ہو تو مسئلہ بالکل بدیہی ہے۔

ہر معاشرہ اور سماج میں کچھ بڑے ہوتے ہیں اور کچھ ان کے چھوٹے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑوں کو چھوٹوں کے ساتھ اور چھوٹوں کو بڑوں کے ساتھ برتاؤ کے بارے میں بھی ہدایات فرمائی ہیں۔ اگر ان کا اتباع کیا جائے تو معاشرہ میں وہ خوشگواری اور روحانی سرور وسکون رہے جو انسانیت کے لئے نعمت عظمیٰ ہے۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ جَاءَ شَیْخٌ یُرِیْدُ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فَاَبْطَأَ الْقَوْمُ اَن یُّوَاسِعُوْا لَهٗ فَقَالَ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم لَیْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ یَرْحَمْ صَغِیْرَنَا وَلَمْ یُوَقِّرْ کَبِیْرَنَا. (رواہ الترمذی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بوڑھے بزرگ آئے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچنا چاہتے تھے، لوگوں نے (جو اس وقت حاضر تھے) ان کے لئے گنجائش پیدا کرنے میں دیر کی (یعنی ایسا نہیں کیا کہ ان کے بڑھاپے کے احترام میں جلدی سے ان کو راستہ دے دیتے اور جگہ خالی کر دیتے) تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: جو آدمی ہمارے چھوٹوں پر شفقت نہ کرے اور ہمارے بڑوں کا احترام نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے دین سے وابستگی چاہے، اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ بڑوں کے ساتھ ادب واحترام کا برتاؤ رکھے اور چھوٹوں کے ساتھ شفقت سے پیش آئے، اور جو ایسا نہ کرے اس کو حق نہیں کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاص جماعت کی طرف اپنی نسبت کرے۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مَا اَکْرَمَ شَابٌّ، شَیْخًا مِنْ اَجَلِ سِنِّهٖ اِلَّا قَیَّضَ اللّٰہُ لَهٗ عِنْدَ سِنِّهٖ مَنْ یُّکْرِمُهٗ. (رواہ الترمذی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو جوان کسی بوڑھے بزرگ کا اس کے بڑھاپے ہی کی وجہ سے ادب واحترام کرے گا، تو اللہ تعالیٰ اس جوان کے بوڑھے ہونے کے وقت ایسے بندے مقرر کر دے گا جو اس وقت اس کا ادب واحترام کریں گے۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بڑوں کا ادب واحترام اور ان کی خدمت وہ نیکی ہے جس کا صلہ اللہ تعالیٰ اس دنیا میں بھی عطا فرماتا ہے اور اصل جزا وثواب کی جگہ تو آخرت ہی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (اور اسی طرح آپ سے پہلے تمام انبیاء علیہم السلام بھی) اللہ تعالیٰ کی طرف سے دین حق کی دعوت اور ہدایات لے کر آئے تھے، جو لوگ ان کی دعوت کو قبول کر کے ان کا دین اور ان کا راستہ اختیار کر لیتے تھے وہ قدرتی طور سے ایک جماعت اور امت بنتے جاتے تھے۔ یہی دراصل ''اسلامی برادری'' اور ''امت مسلمہ'' تھی۔

جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا میں رونق افروز رہے یہی برادری اور یہی امت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دست و بازو اور دعوت وہدایت کی مہم میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفیق و مددگار تھی، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد قیامت تک اسی کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیابت میں اس مقدس مشن کی ذمہ داری سنبھالنی تھی۔ اس کے لئے جس طرح ایمان ویقین، تعلق باللہ اور اعمال واخلاق کی پاکیزگی اور جذبہ دعوت کی ضرورت تھی، اسی طرح دلوں کے جوڑ اور شیرازہ بندی کی بھی ضرورت تھی، اگر دل پھٹے ہوئے ہوں، اتحاد واتفاق کے بجائے اختلاف وانتشار اور خود آپس میں جنگ و پیکار ہو تو ظاہر ہے کہ نیابت نبوت کی یہ ذمہ داری کسی طرح بھی ادا نہیں کی جا سکتی۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلامیت کو بھی ایک مقدس رشتہ قرار دیا۔ اور امت کے افراد اور مختلف طبقوں کو خاص طور سے ہدایت وتاکید فرمائی کہ وہ ایک دوسرے کو اپنا بھائی

سمجھیں، اور باہم خیر خواہ و خیر اندیش اور معاون و مددگار بن کے رہیں۔ ہر ایک دوسرے کا لحاظ رکھے، اور اس دینی ناطہ سے ایک دوسرے پر جو حقوق ہوں ان کو ادا کرنے کی کوشش کریں۔

اس تعلیم و ہدایت کی ضرورت خاص طور سے اس لئے بھی تھی کہ امت میں مختلف ملکوں، نسلوں اور مختلف طبقوں کے لوگ تھے۔ جن کے رنگ و مزاج اور جن کی زبانیں مختلف تھیں اور یہ رنگارنگی آگے کو اور زیادہ بڑھنے والی تھی۔

عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم قَالَ الْمُؤْمِنُ کَالْبُنْیَانِ یَشُدُّ بَعْضُہ، بَعْضًا ثُمَّ شَبَّکَ بَیْنَ اَصَابِعِہٖ. (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان سے تعلق ایک مضبوط عمارت کا سا ہے، اس کا ایک حصہ دوسرے کو مضبوط کرتا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر دکھایا (کہ مسلمانوں کو اس طرح باہم وابستہ اور پیوستہ ہونا چاہئے) (صحیح مسلم)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ جس طرح عمارت کی اینٹیں باہم مل کر مضبوط قلعہ بن جاتی ہیں اسی طرح امت مسلمہ ایک قلعہ ہے، اور ہر مسلمان اس کی ایک ایک اینٹ ہے، ان میں باہم وہی تعلق اور ارتباط ہونا چاہئے جو قلعہ کی ایک اینٹ کا دوسری اینٹ سے ہوتا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر دکھایا کہ مسلمانوں کے مختلف افراد اور طبقوں کو باہم پیوستہ ہو کر اس طرح امت واحدہ بن جانا چاہئے جس طرح الگ الگ دو ہاتھوں کی یہ انگلیاں ایک دوسرے سے پیوستہ ہو کر ایک حلقہ اور گویا ایک وجود بن گئیں۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَا یَظْلِمُہٗ وَلَا یَخْذُلُہٗ وَلَا یَحْقِرُہٗ اَلتَّقْوٰی هٰهُنَا (وَیُشِیْرُ اِلٰی صَدْرِہٖ ثَلٰثَ مِرَارٍ) بِحَسْبِ امْرِءٍ مِنَ الشَّرِ اَنْ یَحْقِرَ اَخَاہُ الْمُسْلِمَ کُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَی الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُہٗ وَمَالُہٗ وَعِرْضُہٗ. (رواہ مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے (لہٰذا) نہ خود اس پر ظلم وزیادتی کرے، نہ دوسروں کا مظلوم بننے کیلئے اس کو بے یار ومددگار چھوڑے، نہ اس کی تحقیر کرے (حدیث کے راوی حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے سینہ مبارک کی طرف تین دفعہ اشارہ فرمایا) "تقویٰ یہاں ہوتا ہے۔" کسی آدمی کے لئے یہی برائی کافی ہے کہ وہ اپنے کسی مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے، اور اس کی تحقیر کرے۔ مسلمان کی ہر چیز دوسرے مسلمان کے لئے حرام ہے (یعنی اس پر دست درازی حرام ہے) اس کا خون بھی اس کا مال بھی اور اس کی آبرو بھی۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ہدایت فرمانے کے ساتھ کہ کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کو حقیر و ذلیل نہ سمجھے اور اس کی تحقیر نہ کرے (لا یحقرہ) اپنے سینہ مبارک کی طرف تین دفعہ اشارہ کر کے جو یہ فرمایا کہ "التقویٰ ھھنا" (تقویٰ یہاں سینہ کے اندر اور باطن میں ہوتا ہے) اس کا مقصد اور مطلب سمجھنے کے لئے پہلے یہ جان لینا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑائی، چھوٹائی، عظمت وحقارت اور عزت وذلت کا دارومدار "تقویٰ" پر ہے۔ قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے:

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰہِ اَتْقَاکُمْ.

اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ معزز اور قابل اکرام وہ ہے جس میں تقویٰ زیادہ ہے۔

اور تقویٰ درحقیقت خدا کے خوف اور محاسبہ آخرت کی فکر کا نام ہے اور ظاہر ہے کہ وہ دل کے اندر کی اور باطن کی ایک کیفیت ہے، اور ایسی چیز نہیں ہے جسے کوئی دوسرا آدمی آنکھوں سے دیکھ کر معلوم کر سکے کہ اس آدمی میں تقویٰ ہے یا نہیں ہے، اس لئے کسی بھی صاحب ایمان کو حق نہیں ہے کہ وہ دوسرے ایمان والے کو حقیر سمجھے اور اس کی تحقیر کرے۔ کیا خبر جس کو تم اپنی ظاہری معلومات یا قرائن سے قابل تحقیر سمجھتے ہو اس کے باطن میں تقویٰ ہو اور وہ اللہ کے نزدیک مکرم ہو۔ اس لئے کسی مسلم کے لئے روا نہیں کہ وہ دوسرے مسلم کی تحقیر کرے۔ آگے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: کسی آدمی کے برے ہونے کے لئے تنہا یہی ایک بات کافی ہے کہ وہ اللہ کے کسی مسلم بندے کو حقیر سمجھے اور اس کی تحقیر کرے۔

عَنْ حُذَیْفَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مَنْ لَایَھْتَمُّ بِاَمْرِ الْمُسْلِمِیْنَ فَلَیْسَ مِنْھُمْ وَمَنْ لَمْ یُصْبِحْ وَیُمْسِیْ نَاصِحًا لِلّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَلِکِتَابِہٖ وَلِاِمَامِہٖ وَلِعَامَّۃِ الْمُسْلِمِیْنَ فَلَیْسَ مِنْھُمْ. (رواہ الطبرانی فی الاوسط)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جس کو مسلمانوں کے مسائل و معاملات کی فکر نہ ہو وہ ان میں سے نہیں ہے اور جس کا یہ حال ہو کہ وہ ہر دن اور ہر صبح و شام اللہ اور اس کے رسول اور اس کی کتاب پاک قرآن مجید کا اور اس کے امام (یعنی خلیفہ وقت) کا اور عام مسلمانوں کا مخلص و خیر خواہ اور وفادار ہو (یعنی جو کسی وقت بھی اس اخلاص اور وفاداری سے خالی ہو) وہ مسلمانوں میں سے نہیں ہے۔ (معجم اوسط للطبرانی)

تشریح...... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی بندے کے اللہ کے نزدیک مسلمان اور مقبول الاسلام ہونے کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ وہ عام مسلمانوں کے معاملات اور ان کے مصائب و مشکلات سے بے پروانہ ہو بلکہ ان کی فکر رکھتا ہو۔ اسی طرح یہ بھی شرط ہے کہ وہ اللہ و رسول اور کتاب اللہ اور حکومت اسلام اور عوام مسلمین کا ایسا مخلص اور وفادار و خیر خواہ ہو کہ یہ خلوص اور وفاداری اس کی زندگی کا جزو بن گئی ہو، اور اس کی رگ و پے میں اس طرح سرایت کر گئی ہو کہ وہ کسی وقت بھی اس سے خالی نہ ہو سکے۔ خدا کے لئے ہم غور کریں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس قدر اہم ہدایات کو کیسا پس پشت ڈال دیا ہے۔

اسلامی رشتے کے حقوق

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَی الْمُسْلِمِ خَمْسٌ، رَدُّالسَّلَامِ وَعِیَادَۃُ الْمَرِیْضِ وَاِتِّبَاعُ الْجَنَائِزِ وَاِجَابَۃُ الدَّعْوَۃِ وَتَشْمِیْتُ الْعَاطِسِ. (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ایک مسلم کے دوسرے مسلم پر پانچ حق ہیں۔ سلام کا جواب دینا، بیمار کی عیادت کرنا، جنازے کے ساتھ جانا، دعوت قبول کرنا اور چھینک آنے پر "یرحمک اللہ" کہہ کے اس کے لئے دعائے رحمت کرنا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ روزمرہ کی عملی زندگی میں یہ پانچ باتیں ایسی ہیں جن سے دو مسلمانوں کا باہمی تعلق ظاہر ہوتا ہے

اورنشو ونما بھی پا تا ہے، اس لئے ان کا خاص طور سے اہتمام کیا جائے۔ ایک دوسری حدیث میں سلام کا جواب دینے کی جگہ خود سلام کرنے کا ذکر فرمایا گیا ہے، اوران پانچ کے علاوہ بعض اور چیزوں کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث میں ان پانچ کا ذکر بطور تمثیل کے فرمایا گیا ہے، ورنہ اور بھی اس درجہ کی چیزیں ہیں جو اسی فہرست میں شامل ہیں۔

عَنْ مُعَاذِ بْنِ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه و آله وسلم مَنْ حَمٰی مُؤْمِنًا مِنْ مُنَافِقٍ بَعَثَ اللّٰهُ مَلَكًا یَحْمِیْ لَحْمَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ مِنْ نَارِ جَهَنَّمَ وَمَنْ رَمٰی مُسْلِمًا بِشَیْئٍ یُرِیْدُ بِهٖ شَیْنَهٗ حَبَسَهُ اللّٰهُ عَلٰی جَسْرِ جَهَنَّمَ حَتّٰی یَخْرُجَ مِمَّا قَالَ. (رواہ ابوداؤد)

حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے کسی بددین منافق کے شر سے بندۂ مؤمن کی حمایت کی (مثلاً کسی شریر بددین نے کسی مؤمن بندے پر کوئی الزام لگایا، اور کسی باتوفیق مسلمان نے اس کی مدافعت کی) تو اللہ تعالیٰ قیامت میں ایک فرشتہ مقرر فرمائے گا جو اس کے گوشت (یعنی جسم) کو آتش دوزخ سے بچائے گا۔ اور جس کسی نے کسی مسلمان بندے کو بدنام کرنے اور گرانے کے لئے اس پر کوئی الزام لگایا تو اللہ تعالیٰ اس کو جہنم کے پل پر قید کردے گا اس وقت تک کے لئے کہ وہ اپنے الزام کی گندگی سے پاک صاف نہ ہوجائے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ کسی بندۂ مومن کو بدنام رسوا کرنے کے لئے اس پر الزام لگانا اور اس کے خلاف پروپیگنڈہ کرنا ایسا سنگین اور اتنا سخت گناہ ہے کہ اس کا ارتکاب کرنے والا اگرچہ مسلمانوں میں سے ہو جہنم کے ایک حصہ پر (جس کو حدیث میں جسر جہنم کہا گیا ہے) اس وقت تک ضرور قید میں رکھا جائے گا جب تک کہ جل بھن کر اپنے اس گناہ کی گندگی سے پاک صاف نہ ہو جائے، جس طرح کہ سونا اس وقت تک آگ پر رکھا جاتا ہے جب تک کہ اس کا میل کچیل ختم نہ ہوجائے۔ حدیث کے ظاہری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ گناہ اللہ کے ہاں ناقابل معافی ہے، لیکن آج ہم مسلمانوں کا، ہمارے خواص تک کا یہ لذیذ ترین مشغلہ ہے۔

اَللّٰهُمَّ احفظنَا وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا.

عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِیِّ صلی الله علیه و آله وسلم قَالَ مَنِ اغْتِیْبَ عِنْدَهٗ اَخُوْهُ الْمُسْلِمُ وَهُوَ یَقْدِرُ عَلٰی نَصْرِهٖ فَنَصَرَهٗ نَصَرَهُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ فَاِنْ لَّمْ یَنْصُرْهُ وَهُوَ یَقْدِرُ عَلٰی نَصْرِهٖ اَدْرَکَهُ اللّٰهُ بِهٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ. (رواہ البغوی فی شرح السنه)

حضرت انس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کے سامنے اس کے کسی مسلم بھائی کی غیبت اور بدگوئی کی جائے اور وہ اس کی نصرت وحمایت کرسکتا ہو اور کرے (یعنی غیبت و بدگوئی کرنے والے کو اس سے روکے یا اس کا جواب دے اور مداخلت کرے) تو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی مدد فرمائے گا، اور اگر قدرت حاصل ہونے کے باوجود وہ اس کی نصرت وحمایت نہ کرے (نہ غیبت کرنے والے کو غیبت سے روکے نہ جواب ہی اور مدافعت کرے) تو اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کو اس کوتاہی پر پکڑے گا (اور اس کی سزا دے گا)۔ (شرح السنہ للامام محی السنہ البغوی)

تشریح...... حضرت معاذ بن انس اور حضرت انس رضی اللہ عنہما کی ان حدیثوں سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ایک بندۂ مسلم کی عزت وآبرو اللہ تعالیٰ کے نزدیک کس قدر محترم ہے اور دوسرے مسلمانوں کے لئے اس کی حفاظت وحمایت کس درجہ کا فریضہ ہے، اور اس میں کوتاہی کس درجہ کا سنگین جرم ہے۔ افسوس ہے کہ ہدایت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس اہم باب کو امت نے بالکل ہی فراموش کر دیا ہے۔ بلاشبہ یہ ہمارے ان اجتماعی گناہوں میں سے ہے جن کی پاداش میں ہم صدیوں سے اللہ تعالیٰ کی نصرت سے محروم ہیں، ٹھوکریں کھا رہے ہیں اور ذلیل ہو رہے ہیں۔

ہر مسلمان دوسرے کیلئے آئینہ ہے

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم اَلْمُؤْمِنُ مِرْآةُ الْمُؤْمِنِ وَالْمُؤْمِنُ اَخُو الْمُؤْمِنِ يَكُفُّ عَنْهُ ضَيْعَتَهُ وَيَحُوْطُهُ مِنْ وَرَائِهِ. (رواہ ابوداؤد والترمذی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایک مؤمن دوسرے مؤمن کا آئینہ ہے، اور ایک مؤمن دوسرے مؤمن کا بھائی ہے، اس کے ضرر کو اس سے دفع کرتا ہے اور اس کے پیچھے سے اس کی پاسبانی ونگرانی کرتا ہے۔ (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

تشریح...... آئینہ کا یہ کام ہے کہ وہ دیکھنے والے کو اس کے چہرے کا ہر داغ دھبہ اور ہر بدنما نشان دکھا دیتا ہے، اور صرف اسی کو دکھاتا ہے دوسروں کو نہیں دکھاتا۔ ایک مؤمن کے دوسرے مؤمن کے لئے آئینہ ہونے کا مطلب بھی یہی ہے کہ اس کو چاہئے کہ دوسرے بھائی میں جو نامناسب اور قابل اصلاح بات دیکھے وہ پورے خلوص اور خیر خواہی کے ساتھ اس کو اس پر مطلع کر دے، دوسروں میں اس کی تشہیر نہ کرے۔ آگے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، اس دینی اخوت کے ناطے سے اس کی یہ ذمہ داری ہے کہ اگر اس پر کوئی آفت اور تباہی آنے والی ہو تو وہ اپنے مقدور بھر اس کو روکنے اور اس کی زد سے اس کو بچانے کی کوشش کرے، اور جس طرح اپنی کسی عزیز ترین چیز کی ہر طرف سے پاسبانی اور نگرانی کی جاتی ہے اسی طرح اپنے دینی وایمانی بھائی کی نگرانی اور پاسبانی کرے۔

عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عُمَرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم اَلرَّاحِمُوْنَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ اِرْحَمُوا مَنْ فِي الْاَرْضِ يَرْحَمُكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ. (رواہ ابوداؤد والترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: (اللہ کی مخلوق پر) رحم کھانے والوں اور (ان کے ساتھ) ترحم کا معاملہ کرنے والوں پر خداوند رحمٰن کی خاص رحمت ہوگی۔ تم زمین والی مخلوق کے ساتھ رحم کا معاملہ کرو، آسمان والا تم پر رحمت فرمائے گا۔ (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

تشریح...... اس حدیث میں بڑے ہی بلیغ اور مؤثر انداز میں تمام مخلوق کے ساتھ جس سے انسان کا واسطہ پڑتا ہے ترحم کی ترغیب دی گئی ہے، پہلے فرمایا گیا ہے کہ ترحم کرنے والوں پر خدا کی رحمت ہوگی، اس کے بعد فرمایا گیا ہے کہ تم خدا کی زمینی مخلوق

کے ساتھ رحم کا برتاؤ کرو، آسمان والا (رب العرش) تم پر رحمت کرے گا۔

اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے لئے "مَنْ فِی السَّمَاءِ" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کا لفظی ترجمہ ہے کہ "وہ جو آسمان میں ہے" ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کو آسمان سے وہ نسبت نہیں ہے جو ایک مکین کو اپنے خاص رہائشی مکان سے ہوتی ہے، آسمان بھی زمین اور دوسری مخلوقات کی طرح اس کی ایک مخلوق ہے، وہ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْض ہے، اور اس کی خالقیت اور الوہیت و ربوبیت کا دونوں سے یکساں تعلق ہے (وَهُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِی الْاَرْضِ اِلٰهٌ (سورۂ زخرف، آیت نمبر ۸۴) اس کے باوجود فوقیت اور بالاتری کے لحاظ سے اس کو آسمان سے ایک خاص نسبت ہے جو زمین اور اس عالم اسفل کی دوسری مخلوقات سے نہیں ہے، اور وہی اس کی نوعیت اور کیفیت جانتا ہے، اسی نسبت کے اعتبار سے اس حدیث میں "مَنْ فِی الْاَرْضِ" کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کے لئے "مَنْ فِی السَّمَاءِ" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

جانوروں سے اچھے برتاؤ کی ہدایت

اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے آنے والے نبیوں، رسولوں نے بھی) اس کی اجازت دی ہے کہ جو جانور سواری یا بار برداری کے لئے یا کسی دوسرے کام کے لئے پیدا کئے گئے ہیں ان سے وہ کام لئے جائیں۔ اسی طرح جن جانوروں کو حلال طیب قرار دیا گیا ہے ان کو اللہ کی نعمت سمجھتے ہوئے اس کے حکم کے مطابق غذا میں استعمال کیا جائے، لیکن اسی کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہدایت فرمائی کہ ان کے ساتھ ایذاءرسانی اور بے رحمی کا برتاؤ نہ کیا جائے، اور ان کے معاملہ میں بھی خدا سے ڈرا جائے۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ رَاٰی النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حِمَارًا قَدْ وُسِمَ فِیْ وَجْهِهٖ فَقَالَ لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ فَعَلَ هٰذَا. (رواہ احمد)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر ایک گدھے پر پڑی جس کے چہرے پر داغ دے کر نشان بنایا گیا تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ شخص خدا کی رحمت سے دور اور محروم ہے جس نے یہ (بے رحمی کا) کام کیا ہے۔ (مسند احمد)

تشریح...... دنیا کے بہت سے حصوں میں گھوڑوں، گدھوں جیسے جانوروں کی پہچان کے لئے ان کے جسم کے کسی حصہ پر گرم لوہے سے داغ دے کر نشان بنا دیا جاتا تھا، اب بھی کہیں کہیں اس کا رواج ہے لیکن اس مقصد کے لئے چہرے کو داغنا (جو جانور کے سارے جسم میں سب سے زیادہ نازک اور حساس عضو ہے) بڑی بے رحمی اور گنوار پنے کی بات ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک گدھے کو دیکھا جس کا چہرہ داغا گیا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سخت دکھ ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: "لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ فَعَلَ هٰذَا." (یعنی اس پر خدا کی لعنت جس نے یہ کیا ہے) ظاہر ہے کہ یہ انتہائی درجہ کی ناراضی اور بے زاری کا کلمہ تھا، جو ایک گدھے کے ساتھ بے رحمی کا معاملہ کرنے والے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلا۔

دنیا نے ''انسداد بے رحمی'' کو اب اپنی ذمہ داری سمجھا ہے لیکن اللہ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اب سے چودہ سو برس پہلے اس کی طرف رہنمائی فرمائی تھی اور اس پر زور دیا تھا۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه وآله وسلم غُفِرَ لِامْرَأَةٍ مُوَمِسَةٍ مَرَّتْ بِكَلْبٍ عَلٰی رَأْسِ رَكِیٍّ یَلْهَثُ كَادَیَقْتُلُهُ الْعَطَشُ فَنَزَعَتْ خُفَّهَا فَاَوْثَقَتْهُ بِخِمَارِهَا فَنَزَعَتْ لَهُ مِنَ الْمَاءِ فَغُفِرَ لَهَا بِذٰلِكَ. قِیْلَ اِنَّ لَنَا فِی الْبَهَائِمِ اَجْرًا؟ قَالَ فِیْ كُلِّ ذَاتِ كَبِدٍ رَطْبَةٍ اَجْرٌ. (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: ایک بدچلن عورت کی اسی عمل پر بخشش ہوگئی کہ وہ ایک کتے کے پاس سے گزری جو ایک کنویں کے پاس اس حالت میں (چکر کاٹ رہا) تھا کہ اس کی زبان باہر نکلی ہوئی تھی اور وہ ہانپ رہا تھا کہ پیاس سے مر جائے۔ اس عورت نے (ڈول رسی نہ ہونے کی وجہ سے پاؤں سے اپنا چمڑے کا موزہ اتارا پھر اپنی اوڑھنی میں (کسی طرح) اس کو باندھا اور اس پیاسے کتے کے لئے (کنویں سے) پانی نکالا (اور پلایا) تو اسی پر اس کی مغفرت کا فیصلہ فرما دیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ: کیا جانور (کے کھلانے پلانے) میں بھی ثواب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: بے شک ہر زندہ جانور کے کھلانے پلانے میں ثواب ہے۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح..... ظاہر ہے کہ اس بدچلن عورت کے اس واقعہ کا ذکر کرنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقصد صرف واقعہ سنا دینا نہ تھا، بلکہ یہ سبق دینا تھا کہ کتے جیسی مخلوق کے ساتھ بھی اگر ترحم کا برتاؤ کیا جائے تو وہ خداوند قدوس کی رحمت ومغفرت کا باعث ہوگا اور بندہ اس کا اجر وثواب پائے گا۔



تعلیم وتربیت

بچوں کو ایمان واسلام اور اعمال اسلام سکھانے کی ذمہ داری ماں باپ پر ہے

وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ قَالَ وَجَدْتُّ فِي كِتَابِ جَدِّيْ الَّذِيْ حَدَّثَ عَنْ رَّسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اَفْصَحَ اَوْلَادُكُمْ فَعَلِّمُوْهُمْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ ثُمَّ لَا تُبَالُوْا مَتٰى مَاتُوْا وَاِذَا اَثْغَرُوْا فَمُرُوْهُمْ بِالصَّلٰوةِ وَعَنْهُ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَفْصَحَ الْغُلَامُ مِنْ بَنِيْ عَبْدِالْمُطَّلِبِ عَلَّمَهُ هٰذِهِ الْاٰيَةَ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا (رواهما ابن السنی فی عمل الیوم واللیلہ)

حضرت عمرو بن شعیبؒ روایت کرتے ہیں کہ میں نے اپنے دادا کی کتاب میں (جس میں انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث جمع کی تھیں) یہ لکھا ہوا پایا کہ جب تمہاری اولاد بولنے لگے تو ان کو لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ سکھاؤ۔ پھر ان کی موت آنے تک فکر مت کرو۔ (یعنی شروع میں جب عقیدہ ٹھیک کر دیا اور اسلام کا عقیدہ اس کو سکھا دیا تو اب کوئی ڈر نہیں، ایمان کی پختگی اسے ایمان ہی پر زندہ رہنے دے گی اور اسی پر ان شاءاللہ اس کی موت آئے گی) اور جب ان کے دودھ کے دانت گرنے لگیں تو ان کو نماز کا حکم کرو۔

نیز عمرو بن شعیب یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ طریقہ تھا کہ عبدالمطلب کی اولاد میں جب کوئی بچہ بولنے لگتا تھا تو اسے یہ آیت سکھاتے تھے وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا. (عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی ص ۱۱۳)

تشریح: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ اسلام کا کلمہ ہے یہ اسلام کے تمام عقائد کو شامل ہے اور عقائد ہی اصل دین ہے۔ اگر عقائد صحیح نہ ہوں تو اسلام کا دعویدار ہونا بالکل بیکار ہے۔ محض دعویٰ کرنے سے یا مسلمان کی اولاد ہونے سے کوئی مسلمان نہیں ہو جاتا۔ اسلام کے عقائد کا جاننا اور ماننا فرض ہے۔ اس حدیث میں ارشاد فرمایا ہے کہ چھوٹے بچے کی جب زبان چلنے لگے اور زبان سے کچھ نہ کچھ کلمات ادا کرنے لگے تو اس کو لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ سکھائیں۔ دیکھئے بچہ ابھی ناسمجھ ہے لیکن اسے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ یاد کرایا جا رہا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ بچپن ہی سے اگر دینی عقائد سے مانوس نہ کیا تو بڑا ہو کر دوسرے راستہ پر چلنے لگے گا۔ جب بچہ بولنے لگے تو یہی نہیں کہ صرف لفظ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ سکھائیں بلکہ اس کا ترجمہ بھی یاد کرائیں اور اس کا مطلب بھی سمجھائیں، جیسے جیسے بچہ ہوش سنبھالے اسے اسلام کے عقیدے سکھاتے چلے جائیں۔

اسلامی عقائد۔ اسلام کے بنیادی تین عقیدے ہیں۔ اول عقیدہ توحید یعنی اللہ کو وحدہ لاشریک ماننا اور اس کی ذات وصفات کے بارے میں ان سب عقیدوں کو تسلیم کرنا جو قرآن وحدیث میں بیان کئے گئے ہیں۔ دوم عقیدۂ رسالت یعنی سرور عالم محمد رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا آخری نبی ماننا اور آپ جو دین اللہ کی طرف سے لائے ہیں اسے پورا پورا سچے دل سے تسلیم کرنا۔ سوم عقیدۂ آخرت یعنی موت کے بعد زندہ ہونے کا عقیدہ رکھنا اور اس بات کو ماننا کہ قیامت قائم ہوگی اور اعمال کا حساب ہوگا جزا اور سزا کے فیصلے ہوں گے۔ دوزخ میں عذاب اور جنت میں آرام وراحت ملے گی۔ ان تین بنیادی عقائد کے ذیل میں اور بہت سے عقائد ہیں جو قرآن وحدیث میں آئے ہیں ان کا ماننا بھی فرض ہے۔

اسلامی عقائد جاننے کی ضرورت اور اہمیت

بہت سے ماں باپ بچوں کو اسلام کے عقیدے نہیں سکھاتے بلکہ خود بھی اسلامی عقیدے نہیں جانتے۔ گریجویٹ ہو جاتے ہیں پی۔ ایچ۔ ڈی کر لیتے ہیں لیکن توحید ورسالت اور آخرت کے بارے میں جو عقائد ہیں ان سے ناواقف ہوتے ہیں اور اسی ناواقفی کی وجہ سے ہر مدعی اسلام کو مسلمان سمجھتے رہتے ہیں چاہے وہ اسلامی عقیدوں کا منکر ہی ہو۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول مان لیا تو اللہ کی کتابوں اور اس کے فرشتوں اور اس کے تمام رسولوں کے بارے میں اور قبر وحشر ونشر یعنی قیامت وغیرہ کے بارے میں جو کچھ آپؐ نے بتایا ہے ان سب کا ماننا فرض ہوگیا۔ بہت سے لوگ تو ایسے ہوتے ہیں کہ اسلام کے عقیدوں کا مذاق بناتے ہیں اور اللہ ورسول پر اعتراض کرتے ہیں اور پھر بھی اپنے کو مسلمانوں میں شمار کرتے ہیں حالانکہ ایسے لوگ شرعاً مسلمان نہیں ہیں۔

ختم نبوت کا منکر کافر ہے۔ بہت سے لوگ ایسے جاہل ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی دوسرے کو اللہ کا نبی اور رسول مانتے ہیں جب ان سے کہا جاتا ہے کہ قرآن مجید میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین فرمایا ہے تو قرآن ماننے کے بجائے خود آیت کا مطلب ہی اُلٹ پلٹ کرنے لگتے ہیں۔ یہ لوگ مسلمان نہیں ہیں چاہے کتنی ہی نمازیں پڑھیں کیسے ہی اخلاق کا دکھاوا کریں ایسے لوگوں کو مسلمان سمجھنا ہی کفر ہے۔

کون سا کلمہ گو مسلمان ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہر کلمہ گو مسلمان ہے اور ختم نبوت کے منکروں اور بے دینوں، ملحدوں، دہریوں کو بھی اس لئے مسلمان سمجھتے ہیں کہ وہ زبان سے کلمہ کا اقرار کرتے ہیں یہ بہت بڑی جہالت ہے، زبان سے کلمہ پڑھنا مسلمان ہونے کے لئے کافی نہیں ہے اس کلمہ کی تشریح جو قرآن وحدیث میں آئی ہے اس کو دل سے ماننے سے مسلمان ہوتا ہے۔

عقائد پر جنت ودوزخ کا فیصلہ موقوف ہے

عقائد کا معاملہ بہت نازک ہے۔ عقائد کی صحت پر دوزخ کے ہمیشہ والے عذاب سے نجات پانے اور جنت کی ابدی نعمتوں سے نوازا جانا موقوف ہے جس کا عقیدہ کفریہ ہو ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا، اس لئے اپنے عقیدے درست کرنا اور بچوں کو صحیح عقائد سمجھانا، سکھانا اس زندگی کا سب سے بڑا فریضہ ہے اور اولاد کی سب سے بڑی ہمدردی ہے۔

حضرت عمرو بن شعیب کی روایت کردہ دوسری حدیث میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ طریقہ تھا کہ جب عبدالمطلب کی اولاد میں سے کوئی بچہ بولنے لگتا تھا تو آیت وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ سکھاتے تھے۔ یہ آیت سورۂ بنی اسرائیل کی

سب سے آخری آیت ہے پندرھویں پارے کے آدھے پر ہے۔ پوری آیت یوں ہے:۔

وقل الحمدلله الذى الخ اور آپ فرما دیجئے کہ سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جس نے نہ اپنی کوئی اولاد بنائی اور نہ ملک میں اس کا کوئی شریک ہے اور نہ کوئی اس کا مددگار ہے جو اس کی کمزوری کی وجہ سے مدد کرتا (وہ قادر مطلق ہے جو چاہے کر سکتا ہے اسے کسی مددگار کی ضرورت نہیں) اور تم اس کی بڑائی بیان کرو۔

اس آیت میں بھی توحید خالص بیان کی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے بارے میں جو عقائد ہونے چاہئیں وہ بتائے گئے ہیں بچے کو بالکل شروع سے اس آیت کو یاد کرانے کی تعلیم دینا اسی لئے ہے کہ مسلمان کا کوئی بچہ خدائے پاک کی ذات وصفات کے متعلقہ عقائد سے جاہل وغافل نہ رہے اور موت آنے تک صحیح مسلمان بنا رہے۔ عقائد اسلامیہ تفصیل کے ساتھ شروع کتاب میں لکھ دیئے گئے ہیں۔

مردوں کو سورۂ مائدہ اور عورتوں کو سورۂ نور سکھانے کا حکم

وعن مجاهدٍ مرسلاً عن النبى صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عَلِّمُوْا رِجَالَكُمْ سُوْرَةَ الْمَائِدَةِ وَعَلِّمُوْ نِسَائكُمْ سُوْرَةُ النُّوْرِ. (الجامع الصغير)

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنے مردوں کو سورۂ مائدہ اور اپنی عورتوں کو سورۂ نور سکھاؤ۔ (الجامع الصغیر)

تشریح: اس حدیث میں مردوں کو سورۂ مائدہ اور عورتوں کو سورۂ نور کی تعلیم دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ ان دونوں سورتوں میں بہت سے احکام ہیں۔ سورۂ مائدہ میں حج کا احرام باندھنے والوں کو ہدایت دی گئی ہے۔ اور جن جانوروں کا کھانا حرام ہے ان کی کچھ تفصیل بتائی ہے، نیز غسل، وضو، تیمّم کے احکام بھی بتائے ہیں۔ اور ڈاکوؤں کو جو سزا دی جائے اس کی تفصیل بھی مذکور ہے۔ کوئی کسی کو قتل کر دے یا کسی کا ہاتھ پاؤں یا ناک کان کاٹ دے یا آنکھ پھوڑ دے تو اس کا قصاص کیا ہے یہ بات بھی بتائی ہے۔ قسم کے احکام بھی سمجھائے ہیں۔ کئی طرح سے شراب کی مذمت کرتے ہوئے اس کو حرام قرار دیا ہے۔ اور بھی بہت سی ہدایات اور عبرت کی باتوں اور موعظت کے قصوں پر سورۂ مائدہ مشتمل ہے اور سورۂ نور میں زانی اور زانیہ اور تہمت لگانے والوں کی سزا بیان کی گئی ہے۔ نیز گھروں میں جاتے ہوئے اجازت لینے کا حکم دیا ہے۔ مردوں اور عورتوں کو نظریں نیچی رکھنے کی تعلیم دی ہے اور پردے کے احکام تفصیل سے بتائے ہیں چونکہ اس میں عورتوں سے متعلق احکام خصوصیت سے ذکر کئے گئے ہیں اس لئے حکم ہوا کہ یہ سورت عورتوں کو سکھائی جائے۔

اسلام علم وعمل کا نام ہے۔ اسلام سراپا عمل کا نام ہے اور ہر انسان کی زندگی سے متعلق اسلام نے احکام بتائے ہیں۔ مرد ہو یا عورت ان احکام پر عمل کرنے سے ہی صحیح مسلمان بنتا ہے وہ تمام احکام جو سب پر فرض ہیں جیسے نماز روزہ وغیرہ ان سب کا سیکھنا اور جاننا تو ہر ایک پر فرض ہے اور جو احکام کسی خاص فرد یا خاص طبقہ اور گروہ سے متعلق ہوں ان کا جاننا خاص اس فرد اور طبقہ اور گروہ پر فرض ہے مثلاً تاجر تجارت کے احکام سیکھے۔ کاشت کار زمین کے مسائل معلوم کرے اور عشر وخراج کی تفصیلات کو جانے،

مزارعت کے احکام کو پہچانے۔صنعت کار اپنی متعلقہ صنعت کے احکام کی تعلیم حاصل کرے غرض کہ ہر پیشے والا اپنے پیشہ کے احکام کو سیکھے،عورتیں اپنے متعلقہ احکام کو معلوم کریں میاں بیوی ایک دوسرے کے حقوق پہچانیں، ماں، باپ، اولاد کے حقوق اور اولاد ماں باپ کے حقوق جانیں مویشی والے جانوروں کے حقوق معلوم کریں۔

غفلت اور جہالت کو دور کرنا فرض ہے- آج کل غفلت کا دور دورہ ہے، بے راہ روی کا عالم ہے، بہت سے مردوں اور عورتوں کو کچھ خبر نہیں کہ ان کے ذمہ اسلام کے کیا احکام عائد ہوتے ہیں، ہر شخص اپنی طبیعت کا پابند اور خواہش کا بندہ نظر آتا ہے۔ یہ بہت افسوسناک صورت حال ہے۔ مسلمان دین سے جاہل اور غافل ہو یہ اس کے لئے بڑی شرم کی بات ہے غفلت اور جہالت کو دور کرنا فرض ہے۔

نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج آپس کے معاملات، رہن، سہن اور کھانے، پینے، اٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے اور ان کے علاوہ زندگی کی تمام حالتوں کے حکموں کو معلوم کرو جو قرآن اور حدیث میں بتائے گئے ہیں۔ بہت سے مرد و عورت بچپن میں دین سیکھتے نہیں اور بڑے ہو کر لحاظ کی وجہ سے نہیں پوچھتے اور عمر بھر جاہل رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حکموں کے خلاف چلتے ہیں یہ بڑی محرومی ہے۔

بچوں اور بچیوں کو دیندار استادوں اور استانیوں سے دین پڑھواؤ اور جو عورتیں بڑی ہو چکی ہیں مگر دین سے جاہل ہیں ان کو دین کی ضروری باتیں بتانے اور نماز یاد کرانے کا اہتمام کرو جس کی ترکیب یہ ہے کہ روزانہ یا کم از کم ہفتہ میں ایک روز مقرر کر کے پردہ کے ساتھ کسی مقررہ مکان میں گھر گھر سے آ کر عورتیں جمع ہوا کریں اور ایک دوسرے کو سیکھنے سکھانے میں لگ جایا کریں۔ زبانی تعلیم بھی کریں اور کتابی تعلیم بھی۔

زبانی تعلیم یہ ہے کہ جس کو کلمہ یاد نہ ہو اس کو کلمہ یاد کرائیں۔ جسے نماز یاد نہ ہو اسے نماز سکھا دیں، بار بار کہلاویں اور جسے یاد ہو وہ انجان کو حقیر نہ سمجھے نہ اپنی فضیلت جتائے نہ ایسے انداز میں بات کرے جس سے کسی کا دل دُکھے۔ آپس میں نماز اور وضو کے فرضوں سنتوں کا تذکرہ کریں، پوچھ گچھ کریں، جسے معلوم نہ ہو بتاویں، دین پر چلنے کی تاکید کریں، خدا کا خوف دلوں میں بٹھا دیں۔ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ و بزرگان دین کے قصے سنائیں۔

کتابی تعلیم - یہ ہے کہ دینی کتابوں میں سے کوئی کتاب لے کر پڑھی جائے۔ جو معتبر ہو اور اس کا مصنف خدا ترس دیندار ہو اور واقعی عالم ہو، ایک پڑھے اور باقی سب غور و فکر کے ساتھ سنیں اور سن کر عمل شروع کر دیں۔ کتابیں بہت سی چھپ گئیں ہیں ہم چند کتابوں کے نام لکھتے ہیں ان کو منگا کر سنو اور پڑھو اور سب کو سناؤ اور خوب سمجھا دو تو اس کے بعد دوسرا مضمون شروع کرو۔

چند دینی کتابوں کے نام- (۱) نصائح نبویؐ (۲) امت مسلمہ کی مائیںؓ (۳) رسول اللہؐ کی صاحبزادیاںؓ (۴) حکایات صحابہؓ (۵) سیرت خاتم الانبیاءؐ (۶) تبلیغ دین (۷) بہترین جہیز (۸) تعلیم الدین (۹) فضائل نماز (۱۰) فضائل تبلیغ (۱۱) فضائل صدقات (دونوں حصے) (۱۲) فضائل حج (۱۳) فضائل قرآن (۱۴) ذکر الٰہی (۱۵) حیوۃ المسلمین (۱۶) آداب المعاشرت (۱۷) اغلاط العوام (۱۸) اکرام المسلمین (۱۹) مرنے کے بعد کیا ہوگا (مرتبہ احقر مؤلف) (۲۰) فضائل رمضان (۲۱) گناہ بے لذت (۲۲) دوزخ کا کھٹکا (۲۳) جنت کی کنجی (۲۴) رسول اللہؐ کی پیشین گوئیاں (۲۵) اصلاح الرسوم (۲۶) مسنون دُعائیں (۲۷) فروع الایمان (۲۸) معارف الحدیث (۲۹) کسب حلال و ادائے حقوق (۳۰) فضائل درود شریف (۳۱) جزاء الاعمال۔

(۳۲) ذکر اللہ (۳۳) مسلم خواتین کے لئے بیس سبق (۳۴) اسلامی اخلاق (۳۵) ہماری مصیبتوں کے اسباب اور ان کا علاج (۳۶) آئینہ نماز (۳۷) فضائل علم (۳۸) قصد السبیل (۳۹) فضائل ذکر (۴۰) اسلام کیا ہے؟

بچوں کو نماز سکھانے کا اہتمام کرنا لازم ہے

عَنْ سَبْرَةَ الْجُهَنِى رَضِىَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلِّمُوا الصَّبِىَّ الصَّلٰوةَ ابْنَ سَبْعِ سِنِيْنَ وَاضْرِبُوْهُ عَلَيْهَا ابْنَ عَشْرَةَ. (رواہ ترمذی)

حضرت سبرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اپنے بچوں کو نماز سکھاؤ جبکہ وہ سات سال کے ہوں اور نماز نہ پڑھیں تو انکی پٹائی کرو جبکہ وہ دس سال کے ہوں۔ (سنن ترمذی ص ۵۸ ج ۱)

تشریح: اس حدیث میں بچوں کو نماز سکھانے اور ان سے نماز پڑھوانے کا حکم دیا ہے درحقیقت عمل صحیح بغیر علم صحیح کے نہیں ہو سکتا۔ انسان جب دنیا میں قدم رکھتا ہے تو بالکل سادہ ہوتا ہے کچھ نہیں جانتا اور جاننے کے قابل بھی نہیں ہوتا۔ جیسے جیسے عمر بڑھتی ہے سمجھ آتی ہے دنیا چونکہ سامنے ہے اور اس کے تقاضے ہر وقت پیش نظر ہیں اس لئے دنیا میں کام آنے والی باتیں کچھ لوگوں کی دیکھا دیکھی انسان سیکھ لیتا ہے اور کچھ محنت اور کوشش کر کے حاصل کر لیتا ہے لیکن دیندار ہونا چونکہ موت کے بعد کام دے گا اور آخرت کے تقاضے اس وقت سامنے نہیں ہیں اس لئے دینداری کی طرف انسان کا ذہن بہت کم چلتا ہے۔

ماں باپ کا فریضہ ہے کہ بچوں کو دین سکھائیں اور دین کو سب سے زیادہ اہمیت دیں، کیونکہ دین ہی آخرت کی ہمیشہ والی زندگی میں کام دینے والا ہے۔ بہت سے لوگ بچوں سے بہت زیادہ محبت کرتے ہیں، مگر ان کی یہ محبت صرف دنیاوی آرام و راحت تک محدود رہتی ہے۔ ان کی اصل ضرورت یعنی آخرت کی نجات اور موت کے بعد کے آرام و راحت کی طرف توجہ نہیں۔ حلال مال سے حلال طریقے پر کھلانا پلانا اور پہننا اچھی بات ہے۔ لیکن انسان کی سب سے بڑی ضرورت آخرت کا آرام اور سکون ہے اولاد کو دینی علوم اور اعمال سے غافل اور جاہل رکھنا بہت بڑا ظلم ہے۔ بچہ کو اللہ کے نام سے آشنا کریں اور ایسے طور طریقے خود اختیار کریں کہ ان کو دیکھ کر بچے کے ذہن میں اسلامی اعمال کی محبت پیدا ہوتی چلی جائے اور جیسے جیسے بچہ ہوش سنبھالتا جائے اسلام کے کام اس کے ذہن میں راسخ ہوتے چلے جائیں۔

اولاد کے بارے میں دور حاضر کے لوگوں کی بدحالی

بچوں کی خوشی کے لئے ان کو غیر ضروری لباس بھی پہناتے ہیں، ان کے لئے تصویریں، مورتیاں خرید کر لاتے ہیں اور اپنے گھروں کو ان کی وجہ سے رحمت کے فرشتوں سے محروم رکھتے ہیں، ادھار قرض کر کے ان کی جائز ناجائز ضرورتوں اور شوقیہ زیب و زینت اور فیشن پر اچھی خاصی رقمیں خرچ کرتے ہیں لیکن ان کو دین پر ڈالنے کی فکر نہیں کرتے یہ بچوں کے ساتھ بہت بڑی دشمنی ہے۔ اگر دین نہیں تو آخرت کی تباہی ہوگی۔ وہاں کی تباہی کے سامنے دنیا کی ذراسی چنک مٹک اور چہل پہل کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتی۔ اپنی اولاد کے سب سے بڑے محسن وہ ماں باپ ہیں جو اپنی اولاد کو دینی علم پڑھاتے ہیں اور دینی اعمال پر ڈالتے ہیں۔ یہ علم

نہ صرف اولاد کیلئے بلکہ خود ان کے والدین کے لئے بھی قبر میں اور آخرت میں نفع مند ہوگا۔ ایک بزرگ کا ارشاد ہے اِنَّ النَّاسَ نِیَامٌ فَاِذَا مَاتُوْا انْتَبَھُوْا یعنی لوگ سور ہے ہیں۔ جب موت آئے گی تو بیدار ہوں گے۔

آخرت سے بے فکری کی زندگی گذارنے میں انسان کا نفس خوش رہتا ہے اور یہی حال بال بچوں اور دوسرے متعلقین کا ہے۔ اگر آخرت کی باتیں نہ بتاؤ اور کھلائے پلائے جاؤ دنیا کا نفع پہنچائے جاؤ تو ہشاش بشاش رہتے ہیں اور اس تغافل کو باعث نقصان نہیں سمجھتے لیکن جب آنکھیں بند ہوں گی اور قبر کی گود میں جائیں گے اور موت کے بعد کے حالات دیکھیں گے تو حیرانی سے آنکھیں پھٹی رہ جائیں گی عالم آخرت کی ضرورتیں اور حاجتیں جب سامنے ہوں گی تو غفلت پر رنج ہوگا اور حسرت ہوگی کہ کاش آج کے دن کے لئے خود بھی عمل کرتے اور اولاد کو بھی یہاں کی کامیابی کی راہ پر ڈالتے مگر اس وقت حسرت بے فائدہ ہوگی۔

لوگوں کا یہ حال ہے کہ بچوں کو ہوش سنبھالتے ہی اسکول اور کالج کی نذر کر دیتے ہیں یا محنت و مزدوری پر لگا دیتے ہیں، نماز روزہ سکھانے اور بتانے اور دینی فرائض سمجھانے اور ان پر عمل کرانے کی کوئی فکر نہیں کرتے۔ شادیاں ہو جاتی ہیں۔ باپ دادا بن جاتے ہیں لیکن بہت سوں کو کلمہ طیبہ بھی صحیح یاد نہیں ہوتا۔ نماز میں کیا پڑھا جاتا ہے اس سے بھی واقف نہیں اُسی اُسی سال کے بوڑھوں کو دیکھا گیا ہے کہ دین کی موٹی موٹی باتیں بھی نہیں جانتے۔

جہالت کی وجہ سے بیٹے پوتے باپ دادا کا جنازہ بھی نہیں پڑھ سکتے

جب باپ دادا کی موت ہو جاتی ہے تو اول تو بیٹے پوتے جنازے کو ہاتھ لگانے سے گھبراتے ہیں، کوئی غسل دینے کو تیار نہیں ہوتا آخر غیر لوگ نہلاتے ہیں اور بعض جگہ تو کرایہ کے لوگ آکر غسل دیتے ہیں، گھر کے لوگ کفن دینا بھی نہیں جانتے کہ کپڑے کتنے ہوں اور کیسے پہنائے جائیں۔ پھر جب دوسرے لوگوں نے (جو عموماً نمازی اور دیندار ہی ہوتے ہیں) نہلا دُھلا کر کفن دے دیا تو مسجد کی طرف جنازہ لے کر چلتے ہیں، وہاں امام صاحب سے جنازہ پڑھواتے ہیں حالانکہ شرعاً جنازہ پڑھانے کا سب سے بڑا حقدار میت کا ولی ہے لیکن یہ ولی مرنے والے کا بیٹا یا پوتا نماز پڑھانے سے عاجز ہے کیونکہ نماز جنازہ یاد نہیں ہوتی۔ بعض مرتبہ تو جگ ہنسائی سے بچنے کے لئے میت کے رشتہ دار جنازے کی صف میں کھڑے ہو جاتے ہیں مگر انہیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ پڑھنا کیا ہے اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ نماز سے دور علیحدہ کھڑے رہتے ہیں۔ وجہ کیا ہے کہ اپنے خاص لوگ نماز جنازہ پڑھنے اور پڑھانے سے عاجز ہیں؟ کیا اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ مرنے والے نے ان لوگوں کو دینی تعلیم نہیں دی ان کو دین پر نہیں ڈالا نماز روزہ نہیں سکھایا بڑی بڑی جائیدادیں خرید کر اولاد کے نام کر دیں مگر اس قابل بنا کے نہ چھوڑا کہ باپ کا جنازہ ہی صحیح طور پر پڑھ لیتے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

جب کہا جاتا ہے کہ اولاد کو قرآن پڑھاؤ، دین سکھاؤ اور نماز روزہ پر ڈالو تو بعض ماں باپ کہہ دیتے ہیں کہ اپنے بچہ کو ملا تھوڑا ہی بنانا ہے، یہ تو افسر بنے گا افسر!! اس کا مطلب یہ ہوا کہ دیندار ہونا اور نماز کا پابند ہونا بے فائدہ چیز ہے اور دیندار ہونا کوئی گھٹیا کام ہے جو لائق حقارت ہے۔ العیاذ باللہ۔ اسلام کے نام لیوا کیسی کیسی جاہلانہ باتیں کرتے ہیں۔ کیا قبر میں انگریزی فیشن، انگریزی طور طریق، انگریزی کا پڑھنا لکھنا کام دے گا؟ اور کیا دنیا کی افسری اور کوٹھی بنگلے کی رہائش وہاں نجات دلا دے گی؟ ہر گز نہیں! وہاں تو ایمان اور نیک اعمال، نماز روزہ، ذکر، تلاوت سے کام چلے گا اگر آخرت حق ہے جیسا کہ سب مسلمان جانتے ہیں تو

اس کے لئے دوڑ دھوپ کیوں نہیں اور اولاد کو وہاں کے لئے فکر مند کیوں نہیں بناتے اور اعمال صالحہ پر کیوں نہیں ڈالتے ؟ حقیقت میں ایمان ویقین کی کمی ایک بہت بڑا مرض ہے جس نے آخرت سے غافل کر رکھا ہے۔

سات سال کے بچے کو نماز سکھاؤ- اس حدیث میں ارشاد فرمایا ہے کہ سات سال کا بچہ ہو تو اسے نماز سکھاؤ۔ دوسری روایت میں ہے کہ سات سال کا ہو تو اسے نماز پڑھنے کا حکم کرو اور دس سال کا بچہ ہو تو نماز نہ پڑھنے پر اس کی پٹائی کرو۔ بات یہ ہے کہ دونوں چیزوں کی ضرورت ہے نماز سکھانا بھی ضروری ہے اور نماز پڑھوانا بھی، بچے کو جب نماز سکھائیں گے نہیں تو کیسے پڑھے گا؟ چونکہ نماز ایمان کے بعد سب سے بڑا فریضہ ہے، اس لئے اس کا سکھانا اور تعلیم دینا سب سے زیادہ ضروری ہے۔ لوگ اپنی اولاد کو صنعت وحرفت میں ڈالتے ہیں، تجارت کے گر سکھاتے ہیں، معاشرے میں زندہ رہنے کے آداب بتاتے ہیں مگر نماز سیکھنے سکھانے سے غفلت برتتے ہیں، یہ زندگی بہت شرم کی زندگی ہے۔

اے مسلمانو! اپنے بچوں کو نمازیں سکھاؤ اور نماز پڑھنے کی تاکید کرو۔ دس برس کے ہو جائیں اور نماز نہ پڑھیں تو ان کی پٹائی کرو۔ یہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ بہت سے مرد وعورت خود تو نمازی ہوتے ہیں مگر اولاد کو نمازی بنانے کی طرف توجہ نہیں دیتے۔ یہ ان کی بربادی ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ جب بچہ کو اسکول کے حوالہ کر دیا اور نماز میں پڑھنے کی چیزیں نہ سکھائیں۔ رکعتوں کی تعداد نہ بتائی، فرائض وواجبات سے واقف نہ کرایا اور بچہ اسکول وکالج میں پڑھتے پڑھتے ایسی عمر کو پہنچ گیا کہ اسے دنیا کا ذوق لگ گیا اور ماں باپ کی گرفت سے آزاد ہو گیا ہو تو اب اسے صحیح راہ پر چلنا نہایت دشوار معلوم ہوتا ہے۔ ضرورت اس کی ہے کہ شروع ہی سے دینی ذہن بنایا جائے اور آخرت کے کاموں پر لگایا جائے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم اولاد کو نماز کے لئے کہتے ہیں مگر کوئی پڑھتا ہی نہیں ان کا یہ کہنا بالکل عذر لنگ ہے۔ اول تو کہنے کی طرح کہتے نہیں صرف منہ سے کہتے ہیں حالانکہ حدیث میں ارشاد ہے کہ بچے دس سال کے ہو جائیں تو نماز نہ پڑھنے پر ان کی پٹائی کرو۔ اگر بچہ سے ایک دو آنہ کا نقصان ہو جائے تو ڈانٹ ڈپٹ اور مار پیٹ کے لئے تیار ہو جاتے ہیں، دو چار لگا کر دم لیتے ہیں لیکن نماز کے لئے صرف ہلکے سے لہجے میں کہہ دیتے ہیں اس بارہ میں ڈانٹ ڈپٹ کو بھول جاتے ہیں اگر آخرت کی اہمیت ہوتی تو نماز کے ناغہ کرنے کو دنیا کے کسی بھی بڑے سے بڑے نقصان کے مقابلے میں بہت بڑا نقصان سمجھتے اور اس کے لئے فکر مند ہوتے۔

اگر تمہارا لڑکا دین کے طریقہ پر چل کر دوزخ سے بچ گیا اور دنیا میں بھوکا رہا تو یہ بڑی کامیابی ہے اور اگر اس نے لاکھوں روپیہ کمایا اور بڑی بلڈنگیں بنائیں مگر خدا سے دور رہ کر اور گناہوں میں پڑ کر دوزخ مول لی تو اسکے لئے جائیداد بیکار بلکہ وبال ہے۔

عورتوں کی بڑی ذمہ داری ہے کہ اپنی اولاد کو دیندار بنائیں اور دوزخ سے بچائیں ہر بچہ کم از کم نو دس سال تو اپنی ماں کے پاس ہی رہتا ہے اس عمر میں اسے دین کی باتیں سکھا دو اور دیندار بنا دو، اگر اولاد دیندار ہو گی تو تمہارے لئے دعا کرے گی اور جو دینی علم تم نے سکھایا اس پر عمل کرے گی تو تم کو بھی اجر وثواب ملے گا۔

سب سے پہلا مدرسہ ماں باپ کی گود ہے- بچوں کی تعلیم اور تربیت یعنی ان کو دین کا علم سکھانے اور دین کا عمل کر کے دکھانے اور عمل کا شوق پیدا کرنے کا سب سے پہلا مدرسہ ان کا اپنا گھر اور ماں باپ کی گود ہے۔ ماں باپ، عزیز قریب بچوں

کو جس سانچے میں چاہیں ڈھال سکتے ہیں اور جس رنگ میں چاہیں رنگ سکتے ہیں۔ بچہ کا سنوار اور بگاڑ دونوں گھر سے چلتے ہیں۔ بچوں کی تعلیم وتربیت کے اصلی ذمہ دار ماں باپ ہی ہیں۔ بچپن میں ماں باپ ان کو جس راستہ پر ڈال دیں گے اور جو طریقہ بھلا یا بُرا سکھا دیں گے وہی ان کی ساری زندگی کی بنیاد بن جائے گا۔ بچہ کے دل میں خدا کا خوف، خدا کی یاد، خدا کی محبت اور آخرت کی فکر اسلام کے حکموں سے سیکھنے سکھانے اور ان کے مطابق زندگی گذارنے کا جذبہ پیدا ہو جانے کی پوری پوری کوشش کرنا لازم ہے۔ اس کو نیک عالموں اور حافظوں کی صحبتوں میں دین کی تعلیم دلاؤ، قرآن شریف حفظ کراؤ، قرآن وحدیث کے معنی اور مطلب سمجھنے کے لئے عربی پڑھاؤ، ان کو حرام سے پرہیز کراؤ اور دیانت داری، حیا شرم، سخاوت، صبر، شکر، حلم، بندوں کے حقوق کی ادائیگی اور اسی طرح کے دوسرے اچھے اخلاق کی تعلیم دو۔

بچوں کی تعلیم وتادیب مالی صدقہ سے افضل ہے اور اچھے ادب سے بڑھ کر اولاد کے لئے کوئی عطیہ نہیں

وعن جابر بن سمرة رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَاَنْ یُّؤَدِّبَ الرَّجُلُ وَلَدَہٗ خَیْرٌ لَّہٗ مِنْ اَنْ یَّتَصَدَّقَ بِصَاعٍ (رواہ الترمذی)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انسان اپنے بچہ کو ادب سکھائے تو بلاشبہ یہ اس سے بہتر ہے کہ ایک صاع غلہ وغیرہ صدقہ کرے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص۴۲۳ بحوالہ ترمذی)

وعن ایوب بن موسی عَنْ اَبِیْہِ عَنْ جَدِّہٖ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا نَحَلَ وَالِدٌ وَلَدَہٗ مِنْ نَّحْلٍ اَفْضَلَ مِنْ اَدَبٍ حَسَنٍ (رواہ الترمذی والبیھقی فی شعب الایمان)

حضرت عمرو (ھو جد ایوب بن موسیٰ) بن سعید سے روایت ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کسی باپ نے اپنے بچہ کو کوئی ایسی بخشش نہیں دی جو اچھے ادب سے بڑھ کر ہو۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص۴۲۳ بحوالہ ترمذی وبیہقی)

تشریح: ان دونوں حدیثوں میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاد کی تربیت کی طرف خصوصی توجہ دلائی ہے۔ بات یہ ہے کہ بچے بالکل سادہ لوح ہوتے ہیں اگر انکی تربیت نہ کی جائے اور علم وعمل سے آراستہ نہ کیا جائے تو صرف دیکھنے میں وہ انسان نظر آتے ہیں اور انکے اخلاق وعادات وحشیانہ اور طور طریق بہیمانہ ہو جاتے ہیں۔

اولاد کی تعلیم وتربیت سے غفلت کرنیوالے۔ بہت سے لوگوں کو اولاد کی تربیت کی طرف بالکل توجہ نہیں۔ والدین اپنے اپنے کاموں میں مشغول رہتے ہیں اور اولاد گلی کوچوں میں بھٹکتی پھرتی ہے۔ بچوں کیلئے پیٹ کی روٹی اور تن کے کپڑوں کا تو انتظام کر دیتے ہیں لیکن ان کی باطنی پرورش یعنی اخلاقی تربیت کی طرف بالکل توجہ نہیں دیتے۔ ان میں وہ لوگ بھی ہیں جن کے اپنے ماں باپ نے ان کا ناس کھویا تھا انہیں پتہ ہی نہیں کہ تربیت کیا چیز ہے اور بچوں کو کیا سکھائیں اور کیا سمجھائیں اور اس عظیم غفلت میں ان لوگوں کا بھی بڑا حصہ ہے جو خود تو نمازی ہیں اور کچھ اخلاق وآداب سے بھی واقف ہیں لیکن ملازمت یا تجارت میں کچھ اس طرح

اپنے آپ کو پھنسا دیا ہے کہ بچوں کی طرف توجہ کرنے کے لئے ان کے پاس گویا وقت ہی نہیں حالانکہ زیادہ کمانے کی ضرورت اولاد ہی کے لئے ہوتی ہے۔ جب زیادہ کمانے کی وجہ سے خود اولاد ہی کے اعمال واخلاق کا خون ہو جائے تو ایسا کمانا کس کام کا؟

بعض لوگ ایسے بھی دیکھے ہیں جو اچھا خاصا علم بھی رکھتے ہیں مصلح بھی ہیں اور مرشد بھی ہیں، دنیا بھر کے لوگوں کو راہ دکھاتے ہیں، سفر پر سفر کرتے رہتے ہیں۔ کبھی یہاں وعظ کیا کبھی وہاں تقریر کی۔ کبھی کوئی رسالہ لکھا کبھی کتاب تالیف کی لیکن اولاد کی اصلاح سے بالکل غافل رہتے ہیں، حالانکہ اپنے گھر کی خبر لینا سب سے بڑی ذمہ داری ہے۔ اولاد کی جانب سے جب چند سال غفلت برت لیتے ہیں اور ان کی عمر دس بارہ سال ہو جاتی ہے تو اب ان کو صحیح راہ پر لگانا بہت مشکل ہو جاتا ہے اور بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جنہیں توجہ تو ہے لیکن وہ اولاد کو حقیقی علم اور حقیقی ادب سے بالکل محروم رکھتے ہیں یعنی اولاد کو اسلام نہیں سکھاتے۔ بیس بیس سال کی اولاد ہو جاتی ہے جنہیں کلمہ تک یاد نہیں، یہ لوگ نہ نماز جانتے ہیں نہ اس کے فرائض نہ واجبات، نہ اسلام کے عقائد پہچانیں نہ دین کو جانیں، اس قسم کے لڑکوں اور لڑکیوں کے والدین یورپ کے طور طریق سب کچھ سکھاتے ہیں، کوٹ پتلون پہننا بتاتے ہیں، اپنے ہاتھ سے ان کے گلوں میں ٹائی باندھتے ہیں، ناچ رنگ کے طریقے سمجھاتے ہیں، عورتیں بیاہ شادی کی رسمیں بتاتی ہیں شرکیہ باتوں کی تعلیم دیتی ہیں اور اس طرح سے ماں باپ دونوں مل کر بچوں کا خون کر دیتے ہیں اور طرہ یہ ہے کہ ان کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے ہیں کہ ہمارا بچہ اور بچی موڈرن ہیں انگریز بن رہے ہیں، ترقی یافتہ لوگوں میں شمار ہونے لگے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ ان کی آخرت برباد ہوگئی، اعمال صالحہ سے خالی ہیں، اخلاق حسنہ سے کورے ہیں، آداب اسلامیہ سے نابلد ہیں اور عقائد بھی صحیح نہیں، حالانکہ سب جانتے ہیں کہ موت کے بعد کی ابدی زندگی کی بہتری اور وہاں کی نجات صحیح عقائد اور صحیح اعمال پر ہی منحصر ہے۔

صحیح عقائد اور صحیح اعمال اور صحیح آداب وہ ہیں جو ہادی عالم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھائے اور اللہ کی کتاب قرآن حکیم نے بتلائے، جو ان سے خالی ہے اس کے لئے آخرت میں عذاب ہی عذاب ہے دنیا کی چند دن کی جھوٹی بہار آخرت کے ابدی عذاب کے سامنے کچھ حیثیت نہیں رکھتی بہت سے مدعیان اسلام اس طرف بالکل توجہ نہیں کرتے۔

ادب کا معنی اور مطلب- ادب بہت جامع کلمہ ہے۔ انسانی زندگی کے طور طریق کو ادب کہا جاتا ہے، زندگی گذارنے میں حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں آتے ہیں۔ بندہ اللہ جل شانہٗ کے بارے میں جو عقائد رکھنے پر مامور ہے اور اللہ کے احکام پر چلنے کا جو ذمہ دار بنایا گیا ہے یہ وہ آداب ہیں جو بندے کو اللہ کے اور اپنے درمیان صحیح تعلق رکھنے کے لئے ضروری ہیں، فرائض اور واجبات سنن اور مستحبات وہ امور ہیں جن کے انجام دینے سے حقوق اللہ کی ادائیگی ہوتی ہے اور مخلوق کے ساتھ جو انسان کے تعلقات ہوتے ہیں ان میں ان احکام کو ملحوظ رکھنا پڑتا ہے جو مخلوق کی راحت رسانی سے متعلق ہیں ان میں بھی واجبات ہیں اور مستحبات ہیں اور ان کی تفصیل وتشریح بھی شریعت محمدیہؐ میں وارد ہوئی ہے یہ وہ آداب ہیں جن کا برتنا مخلوق کے لئے باعث راحت ورحمت ہے۔ خلاصہ یہ کہ لفظ ادب کی جامعیت حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کو شامل ہے یہ جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اچھے ادب سے بڑھ کر کسی باپ نے اپنے بچہ کو کوئی بخشش نہیں دی اس میں پورے دین کی تعلیم آجاتی ہے کیونکہ دین اسلام اچھے ادب کی مکمل تشریح ہے بہت سے لوگ لفظ ادب کے معروف معنی لے کر اس کا رواجی مطلب لے لیتے ہیں اور

انہوں نے اٹھنے بیٹھنے کے طریقوں تک ہی ادب کا انحصار سمجھ رکھا ہے۔

بہت سے لوگ سخی ہیں مگر اولاد سے غافل ہیں- حدیث میں جو فرمایا کہ انسان اپنے بچہ کو ادب سکھائے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ ایک صاع (ایک صاع ۲/۱،۳ سیر کا ہوتا ہے) غلہ وغیرہ صدقہ کرے اس میں ایک اہم بات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے وہ یہ کہ صدقہ خیرات اگر چہ فی نفسہ بہت بڑی عبادت ہے (اگر اللہ کی رضا کے لئے ہو لیکن اس کا مرتبہ اپنی اولاد کی اصلاح پر توجہ دینے سے زیادہ نہیں ہے۔ بہت سے لوگوں کو اللہ جل شانہٗ نے مال دیا ہے۔ اس میں سے صدقہ وخیرات کرتے رہتے ہیں اور اولاد کی طرف سے پوری غفلت برتتے ہیں، مسکین آرہے ہیں گھر پر کھارہے ہیں، غریبوں کی روٹی بندھی ہوئی ہے مدرسہ اور مسجدوں میں چندہ جارہا ہے، لیکن اولاد بے ادب، بداخلاق، بے دین بلکہ بد دین بنتی چلی جارہی ہے۔ صدقہ خیرات کرنے پر خوش ہیں اور خوش ہونا بھی چاہئے لیکن اس سے بڑھ کر عمل جو ہے جس کی ذمہ داری ڈالی گئی ہے وہ اپنی اولاد کو ادب سکھانا ہے یعنی اللہ کے راستہ پر ڈالنا ہے۔ اس کے لئے فکر مند ہونا لازمی امر ہے اس غفلت سے نسلیں کی نسلیں تباہ ہو جاتی ہیں۔

اولاد کو آداب سکھانا سب سے بڑا عطیہ ہے- حدیث میں اچھے ادب کو اولاد کے حق میں سب سے بڑی بخشش قرار دیا ہے جسکی وجہ یہ ہے کہ ادب کی وجہ سے انسان میں انسانیت جلوہ گر ہوتی ہے اللہ کے حقوق کو پہچانتا ہے اور بندوں کے حقوق بھی سمجھتا ہے اور اسکی وجہ سے حقیقی انسان بنتا ہے اگر اولاد کو مال دے دیا، بنگلہ بنا کر ہبہ کر دیا۔ دھن دولت سے نواز دیا اور زندگی گذارنے کے وہ طریقے نہ بتائے جس سے اللہ راضی ہو اور مخلوق کو راحت پہنچے تو جو کچھ مال ودولت اولاد کو دیا جائیگا یہ سب گناہوں میں اور اللہ کی نافرمانیوں میں اور ماں باپ کی ایذا رسانیوں میں خرچ ہوگا۔ ادب سے خالی اولاد ماں باپ کو دکھ دیگی۔ خود انکے سینہ پر مونگ دلے گی جیسا کہ یہ سب چیزیں روز روشن کی طرح واضح ہیں۔ آئے دن انکا تجربہ ہوتا رہتا ہے۔

غیر اسلامی طور طریق آداب نہیں ہیں- بہت سے لوگ اولاد کو ادب تو سکھاتے ہیں لیکن دشمنان اسلام نے جو زندگی کے آداب بتا رکھے ہیں انہی کی نقل اتارنے کی کوشش کرتے ہیں اسلام کے خلاف جو چیزیں ہیں وہ آداب نہیں ہیں وہ تو انسانیت کا خون کرنے والی چیزیں ہیں۔ آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہمارے معاشرہ میں اسلامی آداب ختم ہو چکے ہیں، شرم وحیا ناپید ہو چکی ہے۔ بڑوں کی عزت کی کوئی پرواہ نہیں رہی، حلال وحرام کا کوئی دھیان نہیں رہا۔ ان سب چیزوں کے نتیجے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ رشتہ دار آپس میں ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہیں، لڑکیاں اغوا ہورہی ہیں، بے بیاہی لڑکیاں صاحب اولاد بن رہی ہیں۔ ماں باپ کو ڈانٹ ڈپٹ کی جاتی ہے بلکہ مال پر قبضہ کرنے کے لئے باپ کو موت کے گھاٹ اتارنے کے واقعات سنے گئے ہیں اور طرح طرح کے عیوب جڑ پکڑ چکے ہیں۔ بے شرمی اختیار کر کے پھولے نہیں سماتے خوش ہیں کہ میں موڈرن ہوگیا۔ میری اولاد نے یورپ والوں کا لباس پہن لیا۔ امریکہ والوں کی نقل اتارلی، ایسے لوگ برائی کو بُرائی تک نہیں سمجھتے، ان کو چھوڑنے اور چھڑانے کا تو ذکر ہی کیا ہے۔

اللہ جل شانہٗ امت محمدیہ پر رحم فرمائے اور دینی سمجھ دے اور اسلامی اخلاق وآداب سے آراستہ ہونے کی فکر نصیب فرمائے۔ انه علیٰ کل شیءٍ قدیر وهو المیسر لکل عسیر۔

اہل وعیال کواللہ سے ڈراتے رہو

وَعَنْ مُعَاذٍ رضی اللہ عنہ قَالَ اَوْصَانِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِعَشْرِ کَلِمَاتٍ قَالَ لَا تُشْرِکْ بِاللّٰہِ وَاِنْ قُتِلْتَ وَحُرِّقْتَ وَلَا تَعُقَّنَّ وَالِدَیْکَ وَاِنْ اَمَرَاکَ اَنْ تَخْرُجَ مِنْ اَھْلِکَ وَمَا لِکَ وَلَا تَتْرُکَنَّ صَلَاۃً مَّکْتُوْبَۃً مُّتَعَمِّدًا فَاِنَّ مَنْ تَرَکَ صَلٰوۃً مَّکْتُوْبَۃً مُّتَعَمِّدًا فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْہُ ذِمَّۃُ اللّٰہِ وَلَا تَشْرَبَنَّ خَمْرًا فَاِنَّہٗ رَاسُ کُلِّ فَاحِشَۃٍ وَاِیَّاکَ وَالْمَعْصِیَۃَ فَاِنَّ بِالْمَعْصِیَۃِ حَلَّ سَخَطُ اللّٰہِ وَاِیَّاکَ وَالْفِرَارَ مِنَ الزَّحْفِ وَاِنْ ھَلَکَ النَّاسُ وَاِذَا اَصَابَ النَّاسَ مَوْتٌ وَاَنْتَ فِیْھِمْ فَاثْبُتْ وَاَنْفِقْ عَلٰی عِیَالِکَ مِنْ طَوْلِکَ وَلَا تَرْفَعْ عَنْھُمْ عَصَاکَ اَدَبًا وَاَخِفْھُمْ فِی اللّٰہِ (رواہ احمد)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دس باتوں کی وصیت فرمائی (۱) اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنا اگر چہ تو قتل کر دیا جائے اور تجھے جلا دیا جائے (۲) اور اپنے ماں باپ کی نافرمانی ہرگز نہ کرنا اگر چہ تجھے حکم دیں کہ اپنے گھر والوں کو اور مال و دولت کو چھوڑ کر نکل جا (۳) فرض نماز ہرگز قصداً نہ چھوڑ کیونکہ جس نے قصداً فرض نماز چھوڑ دی اس سے اللہ کا ذمہ بری ہو گیا (۴) شراب ہرگز مت پی کیونکہ وہ بے حیائی کی جڑ ہے (۵) گناہ سے بچ کیونکہ گناہ کی وجہ سے اللہ کی ناراضگی نازل ہو جاتی ہے (۶) میدان جہاد سے مت بھاگ اگر چہ (دوسرے) لوگ (تیرے ساتھی) ہلاک ہو جائیں (۷) جب لوگوں میں (وبائی) موت پھیل جائے اور تو وہاں موجود ہو تو وہاں جم کر رہنا (اس جگہ کو چھوڑ کر مت جانا) (۸) اور جن کا خرچہ تجھ پر لازم ہے (بیوی بچے وغیرہ) ان پر اپنا اچھا مال خرچ کرنا (۹) اور ان کو ادب سکھانے کے پیش نظر ان سے اپنی لاٹھی ہٹا کر مت رکھنا (۱۰) اور ان کو (اللہ کے احکام وقوانین) کے بارے میں ڈراتے رہنا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۸ بحوالہ مسند احمد)

تشریح: اس حدیث میں جن باتوں کی نصیحت فرمائی ہے بہت اہم ہیں ورد زبان اور حرز جان بنانے کے قابل ہیں آب زر سے لکھی جائیں تب بھی ان کا حق ادا نہیں ہو گا۔ ہم نے نصیحت نمبر ۹ اور نمبر ۱۰ کے جوڑ سے تعلیم و تربیت کے ذیل میں اس کو لیا ہے۔ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ ان نصیحتوں پر عمل کرے۔

پہلی نصیحت۔ یہ فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنانا، اگر تجھے قتل کر دیا جائے اس میں شرک کی اور مشرک کی مذمت بیان کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ شرک سے اس قدر پرہیز لازم ہے کہ اگر شرک سے پرہیز کرنے کی وجہ سے قتل کیا جانے لگے یا آگ میں ڈالا جانے لگے تب بھی زبان سے شرک کا کوئی کلمہ نہ نکالے اور نہ شرکیہ عمل کرے۔ اس میں افضل اور اعلیٰ مرتبہ اختیار کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ جان جاتی ہے تو چلی جائے لیکن کفر و شرک کا کلمہ کسی بھی دباؤ اور خوف سے نہ کہے اور اس بارے میں کسی بھی طاقت کے سامنے نہ جھکے یہ ایمان کا اونچا مرتبہ ہے۔ اگر چہ اس بات کی اجازت دی گئی ہے کہ جان جانے کا واقعی خطرہ ہو تو صرف زبان سے کفر و شرک کا کلمہ کہہ کر جان بچا لے لیکن دل سے مومن ہی رہے۔ اعتقاد قلبی نہ بدلے۔ کما قال اللہ تعالیٰ شانہ اِلَّا مَنْ اُکْرِہَ وَقَلْبُہٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِیْمَانِ۔

دوسری نصیحت۔ یہ فرمائی کہ اپنے ماں باپ کی نافرمانی نہ کر۔ یعنی ایسا طریقہ اختیار نہ کرے جس سے انکو تکلیف پہنچے۔ اولاد

پر واجب ہے کہ والدین کی فرمانبرداری کریں۔ وہ جو کہیں اسکو مانیں (بشرطیکہ گناہ کرنیکو نہ کہیں کیونکہ گناہ کرنے میں کسی کی فرمانبرداری نہیں) ماں باپ کی بات نہ ماننا ان کو زبان یا ہاتھ سے تکلیف دینا یہ سب عقوق میں داخل ہیں جس سے حدیث شریف میں سختی سے منع فرمایا ہے۔ حدیث شریف میں یہاں تک فرمادیا کہ اگر ماں باپ یوں کہیں کہ اپنے گھر بار سے نکل جا، تب بھی ان کی فرمانبرداری کیلئے یہاں تک تیار رہنا چاہئے۔ یہ بات الگ ہے کہ ماں باپ خود ہی کوئی ایسا حکم نہ دینگے جس سے انکی اپنی اولاد کو یا اولاد کی اولاد کو تکلیف پہنچے یا بیٹے کی بیوی کسی تکلیف میں مبتلا ہو یا بیٹی کا شوہر کسی مصیبت سے دوچار ہو۔

تیسری نصیحت- یہ فرمائی کہ فرض نماز ہرگز نہ چھوڑنا کیونکہ جس نے قصداً فرض نماز چھوڑ دی اس سے اللہ تعالیٰ کا ذمہ بری ہو گیا، یعنی نماز کی پابندی کرتے ہوئے یہ شخص اللہ کے یہاں باعزت تھا ثواب کا مستحق تھا۔ امن وامان میں تھا، نماز فرض چھوڑنے سے اللہ کی کوئی ذمہ داری نہیں رہی کہ اس کو امن وامان اور عزت سے رکھے اور مصائب دنیا اور عذاب آخرت سے بچائے۔ بھنو دیکھو کتنی بڑی بات ہے فرض نماز کبھی نہ چھوڑنا۔ نہ گھر پر نہ سفر میں نہ دکھ درد میں نہ بیماری میں نہ غریبی میں نہ مالداری میں۔

چوتھی نصیحت- یہ فرمائی کہ شراب ہرگز نہ پی، کیونکہ وہ ہر بے حیائی کی جڑ ہے جس طرح سے نماز اُم العبادات ہے۔ یعنی سب عبادتوں کی جڑ ہے، جو شخص نماز کی پابندی کرتا ہے بہت سے گناہوں سے بچ جاتا ہے اور طرح طرح کی عبادات نماز کی پابندی کی وجہ سے ادا ہوتی رہتی ہیں مثلاً تسبیح درود، استغفار، تلاوت، نفلیں، دُعائیں یہ سب چیزیں نماز کی برکت سے عمل میں آتی رہتی ہیں اور ان کے علاوہ بہت سی نیکیاں نماز کے جوڑ اور تعلق سے ادا ہو جاتی ہیں بالکل اس کے برعکس شراب ہے جو اُم الخبائث ہے یعنی جو شراب پی لے وہ ہر طرح کی بے ہودگی، بے حیائی، بدمعاشی اور حیوانیت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ عقل انسانی کو برائیوں سے روکتی ہے اور شراب پی کر عقل پر پردہ چھا جاتا ہے جس کی وجہ سے نشہ میں اِنسان ہر وہ حرکت کر گزرتا ہے جس کی اجازت نہ مذہب دیتا ہے نہ انسانیت دیتی ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے وَلَا تَشْرَبِ الْخَمْرَ فَاِنَّهَا مِفْتَاحُ كُلِّ شَرٍّ ۔ یعنی شراب نہ پی کیونکہ وہ ہر بُرائی کی کنجی ہے۔ سچ فرمایا ہے رحمت للعٰلمین صلی اللہ علیہ وسلم نے، جو قومیں شراب پیتی ہیں ان کی حالت نظروں کے سامنے ہے یہ لوگ ہر بُرے سے بُرا گندہ کام کر گذرتے ہیں جو نام کے مسلمان اس ناپاک چیز کے پینے کو اختیار کر لیتے ہیں وہ بھی یورپ اور امریکہ کے گندے لوگوں کی طرح بے حیائی اور بے شرمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

پانچویں نصیحت- یہ فرمائی کہ گناہ مت کرنا، کیونکہ گناہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی نازل ہو جاتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو انسان خداوند قدوس کی فرمانبرداری میں لگا رہے اور گناہوں سے پرہیز کرتا رہے اسے اللہ جل شانہٗ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے اور اللہ جل شانہٗ اسے مصائب دنیا اور عذاب آخرت سے بچاتے ہیں اور جیسے ہی گناہ کرلیا تو بس اللہ تعالیٰ کے غصہ اور نزول عذاب کا مستحق ہو گیا۔ گناہ مصیبت کا سبب ہے اس کی وجہ سے طرح طرح کی وبائیں نازل ہوتی ہیں آج کل ہمارا سارا معاشرہ گناہوں سے بھرا ہوا ہے۔ مرد عورت، بوڑھے جوان، حاکم محکوم، امیر، غریب سب گناہوں میں لت پت ہیں خال خال کوئی شخص ہے جس کے گناہ کم ہوں ورنہ سب ہی طرح طرح کے گناہوں میں مبتلا ہیں اور عذاب خداوندی کو ہر وقت دعوت دیتے ہیں اللہ تعالیٰ سمجھ دے۔

اور لطف یہ ہے کہ سب لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ مصیبتیں اور آفتیں، زلزلے، سیلاب ہماری بداعمالیوں کا نتیجہ ہیں لیکن اس

اقرار کے باوجود گناہ چھوڑنے کو تیار نہیں۔ مصیبتیں اقرار گناہ سے نہیں ٹلیں گی ترک گناہ سے دفع ہونگی۔اس بارے میں احقر کا مفصل رسالہ ''ہماری مصیبتوں کے اسباب اور انکا علاج'' ملاحظہ فرمائیں۔

چھٹی نصیحت۔یہ فرمائی کہ میدان جہاد سے مت بھاگنا۔اگرچہ دوسرے لوگ یعنی تیرے ساتھی ہلاک ہوجائیں جب کسی جگہ کافروں سے مقابلہ ہو تو جم کر جنگ کرنا چاہئے جو مسلمانوں کی خاص امتیازی شان ہے، بعض حالات میں میدان سے چلا جانا بھی جائز ہے لیکن بہت سے حالات میں ضروری ہوجاتا ہے کہ میدان ہرگز نہ چھوڑا جائے۔اگر ایک ہی شخص باقی رہ جائے تو وہ تنہا ہی لڑلڑ کر جان دے دے۔اس حدیث میں یہی بات بتائی ہے وہ آیت قرآنی وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ط وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ میں بھی اس کے احکام بتائے ہیں۔اس مسئلہ کی پوری تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے۔

ساتویں نصیحت۔یہ فرمائی کہ جب کسی جگہ ایسی وبا پھیلی ہوئی ہو جس سے موتیں ہو رہی ہوں تو وہاں سے کسی اور جگہ مت جانا بلکہ وہیں رہنا۔ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ **فاذا سمعتم به بأرض فلا تقدموا عليه واذا وقع بأرض وانتم بها فلا تخرجوا فراراً منه** (رواہ البخاری و مسلم)

یعنی جب تمہیں معلوم کہ فلاں سرزمین میں طاعون ہے تو وہاں مت جاؤ اور جب کسی ایسی جگہ طاعون پھیل جائے جہاں تم پہلے سے ہو تو طاعون سے بھاگ جانے کی نیت سے وہاں سے نہ نکلو بڑے بڑے عالموں نے اس کی حکمت یہ بتائی ہے کہ جس جگہ وبا پھیلی ہوئی ہو۔اگر صحت مند لوگ وہاں سے بھاگ جائیں گے تو بیماروں کی تیمارداری اور خدمت نیز مرنے والوں کی تجہیز و تکفین یعنی غسل اور کفن، دفن کرنے والے اور نماز جنازہ ادا کرنے والے نہ رہیں گے اور پھر زندہ بیماروں اور مردہ لاشوں کا برا حال ہوگا، رہا یہ خیال کہ جو لوگ رہیں گے انہیں بھی وبائی مرض لگ جائے گا تو اس کے بارے میں سمجھ لینا چاہئے کہ خدائے پاک کی مشیت اور ارادہ کے بغیر کسی کو مرض نہیں لگ سکتا اور نہ موت آسکتی ہے۔جب اللہ پاک کی قضاء وقدر کے مطابق مرض لگنا ہوگا یا موت آنی ہوگی تو کوئی نہ بچا سکے گا۔ اور یہ جو فرمایا کہ جس جگہ تمہیں پتہ چلے کہ وہاں وبائی مرض ہے وہاں نہ جاؤ اس میں بھی بہت بڑی حکمت ہے کیونکہ وہاں جاکر کوئی شخص وبائی مرض میں مبتلا ہوگیا تو خواہ مخواہ یہی خیال ہوگا کہ یہاں آنے کی وجہ سے مرض لگا اور اللہ پاک کی قضاء وقدر کی طرف ذہن نہیں جائے گا۔ایک حدیث میں ہے کہ ایک دیہات کے رہنے والے آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ(اگر مرض متعدی نہیں ہے تو) یہ کیا بات ہے کہ اچھے خاصے اونٹوں میں کھجلی والا اونٹ مل جاتا ہے تو یہ کھجلی والا اونٹ ان کو بھی کھجلی والا بنادیتا ہے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ یہ بتاؤ کہ سب سے پہلے اونٹ کے جسم میں جو کھجلی پیدا ہوئی وہ کھجلی کس نے لگائی۔ (رواہ البخاری)

یعنی جس ذات پاک نے سب سے پہلے اونٹ میں کھجلی لگادی اسکی مشیت وارادہ سے بعد میں دوسرے اونٹوں میں کھجلی پیدا ہو جاتی ہے، اکثر لوگ اسی خام خیالی میں رہتے ہیں کہ مریض سے دوسرے کو مرض لگ گیا اور اللہ جل شانہ کی مشیت وارادہ کی طرف ذہن بھی نہیں لے جاتے۔اسی لئے ارشاد فرمایا کہ جب کسی جگہ طاعون ہو تو تم وہاں نہ جاؤ کیونکہ مرض پیدا ہوگا خدائے پاک کی مشیت سے اور تم یہ سمجھو گے کہ طاعون والوں کیساتھ رہنے سہنے سے یہ مرض ہم کو بھی لگ گیا، نہ وہاں جاؤ گے اور نہ ایسی خام خیالی میں مبتلا ہوگے۔

آٹھویں نصیحت۔یہ فرمائی کہ اپنی بیوی بچوں پر اپنے اچھے اور عمدہ مال سے خرچ کرو۔اس میں خصوصیت کے ساتھ ان لوگوں کو نصیحت ہے جو اہل وعیال کے ضروری اخراجات میں تنگی برتتے ہیں۔حرام مال تو حاصل کرنا ہی حرام ہے لہٰذا اس کو اہل وعیال پر خرچ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، جسے اللہ پاک حلال مال نصیب فرمائے اس کو بیوی بچوں میں اچھی طرح خرچ کرے البتہ فضول خرچی سے پرہیز کرے اور گناہوں میں خرچ نہ کرے۔بہت سے لوگ بچوں کی خوشنودی کے لئے گڑیاں اور تصویریں خرید لاتے ہیں اور بعض لوگ سب بیوی بچوں کو لے جا کر سینما دکھاتے ہیں، یہ سب گناہ ہے بس اللہ کی ہی رضا پیش نظر رہنی چاہئے اس کی رضا مندی کی فکر میں رہتے ہوئے جو راضی ہو جائے بہتر ہے اور جو ناراض ہو ہمارے ذمہ اس کا راضی کرنا نہیں، ہمارے ذمہ صرف اللہ کو راضی کرنا ہے جو خالق و مالک ہے اسی کے فرمان سے اسی کے قانون کے مطابق بیوی بچوں پر خرچ کرنا چاہئے۔

نویں نصیحت۔یہ فرمائی کہ اپنے گھر والوں کو ادب سکھانے میں کوتاہی نہ کرنا اور لاٹھی اٹھا کر مت رکھ دینا جس کی وجہ سے وہ مطمئن ہو کر احکام خداوندی کو فراموش کر دیں۔مقصد یہ ہے کہ اپنے گھر والوں کو اللہ تعالیٰ کے احکام پر لگانے کی ہر وقت فکر رکھو۔دین کے معاملہ میں ان کا خیال رکھنا ان کو گوارا ہو یا ناگوار، نمازیں پابندی سے پڑھواؤ اور رمضان کے روزے رکھواؤ۔حرام کاموں سے بچاؤ۔گناہوں سے پرہیز کراؤ، اخلاق و آداب سکھاؤ، اس بارے میں مار پیٹ کرنی پڑے تو اس سے بھی دریغ نہ کرو۔ان کے ذہن میں یہ بات رہنی چاہئے کہ اگر ہم نے دین کے خلاف کام کیا تو پٹائی ہوگی۔مقصد یہ نہیں کہ مار ہی بجاتے رہا کرو بلکہ مقصد یہ ہے کہ دین پر ڈالنے سے غافل نہ ہو اور گھر والوں کو دین پر چلانا اپنی ذمہ داری سمجھو اگر ذرا سی غفلت کرو گے تو وہ دلیر ہو جائیں گے جب نافرمانی پر اتر آئیں گے تو کوئی بات نہیں مانیں گے بہت سے لوگ دنیا کے کام اپنے اہل وعیال سے بڑی سختی سے لیتے ہیں ان سے دنیا کا کوئی معمولی نقصان بھی ہو جائے تو سخت دارو گیر کرتے ہیں اور مار پٹائی سے بھی دریغ نہیں کرتے ،لیکن دینی معاملات میں بالکل ایسے ہو جاتے ہیں جیسے ان کو سانپ سونگھ گیا اور انہیں کچھ پتہ نہیں ہے کہ گھر میں کیا ہو رہا ہے۔

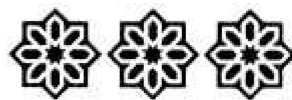
بہت سے لوگ اپنی نماز مسجد میں جا کر پڑھنے کا اہتمام کر لیتے ہیں مگر گھر میں کس نے نماز پڑھی کون سوتا رہ گیا اس کی کوئی فکر نہیں کرتے یہ بڑی نادانی اور غفلت شعاری ہے۔دنیا والے جن چیزوں کو ادب تہذیب سمجھتے ہیں اگر چہ وہ گناہ ہی ہوں بعض لوگ اپنی اولاد کو ان چیزوں کے سکھانے میں بہت پیش پیش ہوتے ہیں لیکن سب سے بڑا ادب جو انسان میں ہونا چاہئے کہ اپنے خالق و مالک سے غافل نہ ہو اس کی طرف ذرا بھی توجہ نہیں دیتے جس کی وجہ یہ ہے کہ معاشرہ میں سب سے زیادہ کمزور دین ہی ہے اور نزلہ عضو ضعیف پر گرتا ہے بچوں کو انگریزی پڑھاتے ہیں۔یورپ اور امریکہ کے طرز پر زندگی گذارنے کے طور طریقے سکھاتے ہیں۔کوٹ پتلون پہننے اور ٹائی لگانے کا ڈھنگ پوری توجہ سے بتاتے ہیں لیکن بیس سال کی اولاد ہو جاتی ہے اسے سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ تک بھی یاد نہیں ہوتا یہ اپنے نفس پر بھی ظلم ہے اور اہل وعیال پر بھی۔وفقنا اللہ لما یحب و یرضیٰ

دسویں نصیحت۔یہ فرمائی کہ اپنے اہل وعیال کو اللہ کے احکام و قوانین کے بارے میں ڈراتے رہو یہ نویں نصیحت کا تکملہ ہے مطلب یہ ہے کہ محض ڈنڈے ہی کے زور سے کام نہ چلاؤ اس میں تو گھر والے صرف تم سے ڈریں گے۔فکر یہ کرو کہ خدا سے ڈریں

ان کے دل میں خدائے پاک کا خوف بٹھانے کی کوشش کرو اگر خدا کا خوف بیوی بچوں کے دل میں بٹھا دیا تو فرائض کی ادائیگی میں اور گناہ چھوڑنے میں اور نوافل واذکار کے لگنے میں انہیں تکلیف محسوس نہ ہوگی جسکے سامنے قبر کے حالات بیان ہوتے رہتے ہوں۔ میدان حشر کی نفسی نفسی کا عالم بیان کیا جاتا ہو، دوزخ کے سخت عذاب کی کیفیت سنائی جاتی ہو وہ شخص کیسے گناہوں کی جرأت کریگا اور کیونکر خدائے پاک کی رضا کا اور ہمیشہ کے آرام وراحت کی جگہ یعنی جنت کا طالب نہ ہوگا۔

ان نصیحتوں میں آخری دو نصیحتیں ایسی ہیں کہ ان کی طرف عورتوں کو زیادہ توجہ دینا لازم ہے۔ کیونکہ مرد عموماً کمانے کے لئے نکل جاتے ہیں بعض لوگ تو مہینوں بلکہ برسوں میں نوکری سے واپس آتے ہیں اس زمانہ میں بچوں کی دیکھ بھال اور ان کے دین وایمان کی نگرانی ماؤں ہی کے ذمہ ہوتی ہے۔ اور یہ تو عموماً روزانہ ہوتا ہے کہ مرد گھنٹوں کے لئے ڈیوٹی پر چلے جاتے ہیں پیچھے بچے ماؤں کے حوالے رہتے ہیں اور سات آٹھ سال تک بچہ ماں ہی کے ساتھ چمٹا رہتا ہے ماں اگر اس زمانہ میں اپنا رنگ ڈھنگ دینی بنائے رہے اور بچوں کو دین کے احکام پر ڈالے نماز روزہ سکھائے اور بتائے کفر وشرک اور بدعت اور خدائے پاک کی نافرمانی سے بچائے اور دنیا وآخرت میں جو اس کے نقصانات ہیں ان سے آگاہ کرتی رہے تو پوری نسل کا اٹھان نیک اور صالح ہو کیونکہ سب سے پہلا مدرسہ ماں کی گود ہی ہے۔ افسوس ہے آج کل کی مائیں اپنے بچہ کا ناس خود کھوتی ہیں ان کو دین پر کیا لگاتیں بے دینی پر لگا دیتی ہیں، اس میں بچوں پر بھی ظلم ہوتا ہے اور اپنے آپ پر بھی۔

عورتیں اپنی اولاد کے لئے زیادہ پیسے والی ملازمت چاہتی ہیں اس سلسلہ میں حرام وحلال کا بھی خیال نہیں کرتیں اور اولاد کو یورپ اور امریکہ کے بے شرم لوگوں کی پوشاک میں دیکھنا چاہتی ہیں اور دنیا ہی کو ان کی زندگی کا مقصد بنا دیتی ہیں یہ مسلمان عورت کا طریقہ نہیں، اگر بچے زیادہ پیسے والی نوکری میں لگ گئے اور بنگلہ کوٹھی بنا کر رہنے لگے اور نمازیں غارت کرنے اور زکوتیں برباد کرنے کی وجہ سے دوزخ میں چلے گئے جس کی آگ دنیا کی اس آگ سے انہتر درجہ زیادہ گرم ہے تو اس پیسے کوٹھی اور بنگلہ سے کیا نفع ہوا؟ باتیں تو ہماری خشک ہیں اور پرانی ہیں مگر ہیں صحیح جو بُرا مانے گا اپنا بُرا کرے گا۔



3

ماں باپ کے ساتھ صلہ رحمی کرنے کا حکم

وَعَنْ اَسْمَاءَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ قَدِمَتْ عَلَيَّ اُمِّيْ وَهِيَ مُشْرِكَةٌ فِيْ عَهْدِ قُرَيْشٍ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اُمِّيْ قَدِمَتْ عَلَيَّ وَهِيَ رَاغِبَةٌ اَفَاَصِلُهَا قَالَ نَعَمْ صِلِيْهَا. (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ میری والدہ اس زمانہ میں مدینہ منورہ آئیں جب کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش مکہ سے معاہدہ کر رکھا تھا اس وقت تک وہ مسلمان نہ ہوئیں تھیں بلکہ مشرک تھیں، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری والدہ آئی ہیں جو مجھ سے ملنے کی امیدوار ہیں کیا میں ان سے صلہ رحمی کا برتاؤ کروں (اور ان کو حسب توفیق کچھ دے دوں) آپ نے فرمایا ہاں ان کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔

تشریح: حضرت اسماء اور ان کے والد حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو بہت پہلے مسلمان ہو گئے تھے، بلکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو بالغ مردوں میں سب سے پہلے مسلمان ہیں، لیکن حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی والدہ اس وقت تک مسلمان نہ ہوئی تھیں جس وقت کا یہ قصہ ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کفار مکہ کی ایذاؤں سے تنگ آ کر اپنے اصل وطن اور باپ دادوں کے دیس یعنی مکہ معظّمہ کو چھوڑ کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے جس کو ہجرت کہتے ہیں، کافروں نے وہاں بھی چین نہ لینے دیا اور لڑائیاں لڑتے رہے جس کے نتیجے میں جنگ بدر اور جنگ اُحد ہوئی۔ ان دونوں جنگوں کے قصے مشہور ہیں اور تاریخ اسلام میں ان کی بڑی اہمیت ہے۔

جب مسلمانوں نے کافروں کے مقابلے میں جوابی کارروائی کی تو کافروں کے دانت کھٹے کر دیئے اور ان کو لینے کے دینے پڑ گئے۔ اگر چہ مسلمان اس زمانہ میں بہت ہی کم تھے اور کافروں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ مگر مسلمانوں کی ہمت بہت زیادہ اور ایمان مضبوط پکا تھا۔ اللہ کے لئے مرنے سے محبت کرتے تھے۔ اس لئے کافر لوگ ان کو نیچا نہ دکھا سکے اور خود مجبور ہو کر دس سال کے لئے خاص خاص شرطوں پر صلح کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ یہ صلح ۷ ہجری میں ہوئی۔

ان شرطوں میں یہ بھی طے ہوا تھا کہ فریقین میں سے کوئی فریق ایک دوسرے پر حملہ نہ کرے گا۔ چونکہ یہ صلح مقام حدیبیہ میں ہوئی اس لئے صلح حدیبیہ کے نام سے مشہور ہے۔ صلح ہو جانے کے بعد فریقین کو امن مل جانے کے باعث آپس میں ملنا جلنا اور ایک دوسرے کے پاس آنا جانا شروع ہوا مذہب کے لحاظ سے گو دشمنی تھی مگر فریقین کے آپس میں خونی رشتے تھے جن کی وجہ سے طبعی طور پر ملاقاتوں کو جی چاہتا تھا۔ حال یہ تھا کہ بیٹا کافر ہے تو باپ مسلمان اور باپ کافر ہے تو بیٹا مسلمان، ماں کافر بیٹی مومن، ایک بھائی دین حق پر دوسرا دین مشرک پر ایک بتوں کا پجاری دوسرا مالک حقیقی کا پرستار جو مسلمان تھے سارا دھن دولت مکہ میں چھوڑ کر قرابت داری کے تقاضوں کو پس پشت ڈال کر مدینہ منورہ میں آ کر بس گئے تھے کیونکہ ان کے دل میں اللہ بس گیا تھا۔

صلح حدیبیہ کے زمانے میں جب امن ہوا اور ملاقات کا موقعہ نکلا تو بعض لوگوں نے اپنے عزیزوں سے ملنے کا ارادہ کیا اسی زمانے میں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی والدہ مکہ سے مدینہ آئیں حدیث میں فی عہد قریش کا یہی مطلب ہے یہ اب تک مسلمان نہ ہوئی تھیں اور چونکہ ضرورت مند تھیں اس لئے ان کی خواہش تھی کہ بیٹی سے کچھ ملے لیکن بیٹی اب صرف بیٹی نہ تھی بلکہ حق کی متوالی اور اسلام کی رکھوالی تھی۔

سوچا کہ ماں اگرچہ ماں ہے مگر ہے تو مشرک اس پر خرچ کرنا اللہ کی رضا کے خلاف تو نہیں۔ دل میں کھٹک ہوئی۔ بارگاہ رسالت میں حاضری دی اور عرض کیا یا رسول اللہ! میری والدہ آئی ہیں ان کی تمنا ہے کہ ان کی مالی امداد کروں۔ اس بارے میں جو کچھ ارشاد ہو عمل کروں۔ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کی مدد کرو اور صلہ رحمی کا برتاؤ کرو۔

درحقیقت اسلام عدل و انصاف کا مذہب ہے کفر کی وجہ سے جو مذہبی دشمنی ہو اس کے ہوتے ہوئے ماں باپ کی خدمت اور مالی امداد کا بھی سبق دیتا ہے ماں باپ کے کہنے سے کفر و شرک اختیار کرنا یا کوئی دوسرا بڑا گناہ کرنے کا تو اختیار نہیں ہے مگر ان کی خدمت کرنا اور ضرورت مند ہوں تو ان پر خرچ کرنا ضروری ہے۔ اگرچہ ماں باپ کافر ہوں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَاِنْ جَاهَدَاکَ عَلٰی اَنْ تُشْرِکَ بِیْ مَالَیْسَ لَکَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوْفًا وَّاتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ.

اگر وہ دونوں (ماں باپ) تجھے مجبور کریں اس بات پر کہ تو میرے ساتھ ان چیزوں کو شریک کرے جن کا تجھے علم نہیں تو ان کی فرمانبرداری نہ کرنا اور ان کے ساتھ دنیا میں اچھے طریق سے گزارہ کرنا اور اس کی راہ پر چلنا جو میری طرف رخ کرے۔ (سورہ لقمان)

ماں باپ کا بڑا حق ہے مگر آج کل کے لڑکے اور لڑکیاں ایسے ہو گئے ہیں کہ شادی ہوتے ہی ماں باپ سے اس طرح قطع تعلق کر لیتے ہیں کہ جیسے جان پہچان ہی نہ تھی اللہ تعالیٰ ہدایت دے آمین

اپنی اولاد پر خرچ کرنے کا ثواب

عَنْ اُمِّ سَلِمَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا قَالَتْ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَلِیْ اَجْرٌ اِنْ اُنْفِقُ عَلٰی بَنِیْ اَبِیْ سَلَمَةَ اِنَّمَا هُمْ بَنِیَّ فَقَالَ اَنْفِقِیْ عَلَیْهِمْ فَلَکِ اَجْرُمَا اَنْفَقْتِ عَلَیْهِمْ. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا مجھے ثواب ملے گا اگر (اپنے پہلے شوہر) ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے بچوں پر خرچ کروں کہ وہ تو میری ہی اولاد ہے (کیا اپنی اولاد پر خرچ کرنے میں بھی اجر ثواب ملتا ہے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان پر خرچ کرتی رہو تم کو ان پر خرچ کرنے کا اجر ملے گا۔

تشریح: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلیہ ہیں ان کی روایت کی ہوئی سینکڑوں حدیثیں کتابوں میں ملتی ہیں انہوں نے بھی علم دین خوب پھیلایا' ان کا نام ہند تھا' ان کے پہلے شوہر ابوسلمہ رضی اللہ عنہ تھے' دونوں میاں بیوی ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ ہی میں مسلمان ہو گئے تھے۔ اسلام کی راہ میں دونوں نے بہت تکلیفیں اٹھائیں' پہلے دونوں نے اسلام کی خاطر حبشہ کو ہجرت کی بعد میں مدینہ منورہ کو ہجرت کی لیکن اس مرتبہ دونوں ایک ساتھ ہجرت نہ کر سکے۔ اس وقت مکہ معظمہ میں کافروں کا زور تھا۔

جب دونوں میاں بیوی ہجرت کے لئے نکلے تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو میکہ والوں نے نہ جانے دیا۔ اس کے ایک سال بعد وہ ہجرت کر سکیں ان کا ایک بچہ سلمہ نامی تھا' اسی کی وجہ سے ان کو ام سلمہ (سلمہ کی ماں) اور بچے کے باپ کو ابو سلمہ (سلمہ کا باپ) کہتے تھے۔ عرب میں اس کا بہت دستور تھا اس کو کنیت کہتے ہیں بعض مرتبہ اصل نام بھول بھلیاں ہو جاتا تھا اور کنیت ہی سے آدمی کو جانتے تھے۔

۴ھ میں جب ان کے شوہر ابو سلمہ رضی اللہ عنہ وفات پا گئے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عدت گزر جانے کے بعد ان سے نکاح فرمالیا' جب یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دولت کدے میں آئیں تو پہلے شوہر کے بچے بھی ساتھ آ گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی پرورش فرمائی' حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بھی اپنے ذاتی مال میں سے ان بچوں پر خرچ کرتی تھیں ان کو خیال ہوا کہ میں جو ان پر خرچ کرتی ہوں تو گویا حق اولاد ادا کرتی ہوں اس میں ثواب شاید نہ ہو۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم خرچ کرتی رہو' ضرور ثواب ملے گا' کیونکہ اولاد پر خرچ کرنا بھی ثواب ہے۔

بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بڑے مہربان ہیں' حلال مال مسلمان مرد و عورت خواہ اپنے نفس پر خرچ کرے خواہ اولاد پر خواہ ماں باپ پر خواہ دوسرے عزیزوں پر خواہ دیگر ہمسایوں اور محتاجوں پر اس کے خرچ کرنے میں بڑا ثواب ملتا ہے اللہ اکبر! اپنوں ہی پر خرچ کرو اور ثواب بھی پاؤ۔ اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا کرم ہے۔

فَمَنْ يُّؤْمِنْ م بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک کھجور صدقہ میں دے دی

وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ جَاءَ تْنِىْ اِمْرَاَةٌ وَمَعَهَا ابْنَتَانِ لَهَا تَسْئَلُنِىْ فَلَمْ تَجِدْ عِنْدِىْ غَيْرَ تَمْرَةٍ وَاحِدَةٍ فَاَعْطَيْتُهَا اِيَّاهَا فَقَسَمَتْهَا بَيْنَ ابْنَتَيْهَا وَلَمْ تَاكُلْ مِنْهَا فَخَرَجَتْ فَدَخَلَ النَّبِىُّ صَلَى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَدَّثْتُهٗ فَقَالَ مَنِ ابْتُلِىَ هٰذِهِ الْبَنَاتِ بِشَىْءٍ فَاَحْسَنَ اِلَيْهِنَّ كُنَّ لَهٗ سِتْرًا مِّنَ النَّارِ (بخاری و مسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ایک عورت میرے پاس آئی اس کے ساتھ اس کی دو بچیاں تھیں اس نے مجھ سے سوال کیا میرے پاس ایک کھجور کے سوا کچھ نہ تھا میں نے وہ کھجور ہی اس کو دے دی اس نے کھجور کے دو ٹکڑے کر کے دونوں بچیوں کو ایک ایک ٹکڑا دے دیا اور خود ذرا بھی کچھ نہ کھایا اس کے بعد جیسے ہی وہ نکلی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم دولت خانے میں تشریف لے آئے میں نے آپ کو پورا قصہ سنایا' آپ نے فرمایا کہ جو شخص (مرد و عورت) لڑکیوں (کی دیکھ بھال اور پرورش و پرداخت) کے ساتھ مبتلا کیا گیا (یعنی ان کی خدمت اور پرورش اس کے ذمہ پڑ گئی) اور پھر اس نے ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا تو یہ لڑکیاں آتش دوزخ سے بچانے کے لئے اس کے واسطے آڑ بن جائیں گی۔

تشریح: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک عورت سوال کرنے آئی ایک کھجور کے سوا کچھ موجود نہ تھا انہوں نے ایک کھجور ہی دے دی کم و بیش کا خیال نہ کیا۔ درحقیقت اخلاص کیساتھ دیا جائے تو ایک کھجور اور ایک پیسہ بھی بہت ہے قرآن شریف میں فرمایا:

وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ. (البقرہ ۲:۱۱۰' المزمل ۷۳:۲۰)

جو کچھ بھی اپنے لئے پہلے سے بھیج دو گے اسے اللہ کے پاس پالو گے۔

ایک حدیث میں ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کھجور کے برابر بھی حلال کمائی سے جو شخص صدقہ دے دے تو اللہ تعالیٰ اس کو بڑی قدر کے ساتھ قبول فرماتے ہیں پھر جس نے صدقہ دیا ہے اس کے لئے اس صدقہ کو بڑھاتے رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

بندہ نے دیا کھجور کے برابر اور خدائے رحیم و کریم نے عنایت فرمایا پہاڑ کے برابر' ایسا داتا اللہ ہی ہے' صدقہ سے کبھی دریغ نہ کر اس سے ضرورت مند کی حاجت بھی پوری ہوتی ہے اور صدقہ والے کو ثواب بھی ملتا ہے کتنا ثواب ملتا ہے کہ اس کا اندازہ ابھی معلوم ہوا۔

پڑوسیوں کے حقوق اور ان کے ساتھ حسن سلوک

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَجُلٌ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ فُلَانَةَ تُذْکَرُ مِنْ کَثْرَةِ صَلَاتِهَا وَصِیَامِهَا وَصَدَقَتِهَا غَیْرَ اَنَّهَا تُؤْذِیْ جِیْرَانَهَا بِلِسَانِهَا هِیَ فِی النَّارِ قَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ فُلَانَةَ تُذْکَرُ مِنْ قِلَّةِ صِیَامِهَا وَصَدَقَتِهَا وَصَلٰوتِهَا وَاِنَّهَا تَصَدَّقُ بِالْاَثْوَارِ مِنَ الْاَقِطِ وَلَا تُؤْذِیْ بِلِسَانِهَا جِیْرَانَهَا قَالَ هِیَ فِی الْجَنَّةِ. (رواہ احمد والبیهقی فی شعب الایمان)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلا شبہ فلاں عورت ایسی ہے کہ اس کی نماز اور روزہ اور صدقہ کی کثرت کا (لوگوں میں) تذکرہ رہتا ہے لیکن اس کے ساتھ یہ بات بھی ہے کہ وہ اپنے پڑوسیوں کو اپنی زبان سے ایذاء دیتی ہے' یہ سن کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ عورت دوزخ میں ہے۔ پھر اس شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بے شک فلاں عورت کے بارے میں لوگوں میں یہ تذکرہ رہتا ہے کہ (نفل) روزے اور (نفل) صدقہ اور (نفل) نماز کم ادا کرتی ہے اور پنیر کے کچھ ٹکڑے صدقہ دے دیتی ہے اور اپنے پڑوسیوں کو اپنی زبان سے ایذاء نہیں دیتی' یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ جنت میں جانے والی ہے۔

تشریح: انسان کو اپنے گھر والوں کے بعد سب سے زیادہ اور تقریباً روزانہ اپنے پڑوسیوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ پڑوسیوں کے احوال و اخلاق مختلف ہوتے ہیں' ان کے بچے بھی گھر آ جاتے ہیں' بچوں بچوں میں لڑائی بھی ہو جاتی ہے' پڑوس کی بکری اور مرغی بھی گھر میں چلی آتی ہے' ان چیزوں سے ناگواری ہو جاتی ہے اور ناگواری بڑھتے بڑھتے بغض و کینہ و قطع تعلقات تک نوبت پہنچ جاتی ہے اور ہر فریق ایک دوسرے پر زیادتی کرنے لگتا ہے اور غیبتوں اور تہمتوں بلکہ مقدمہ بازیوں تک نوبت آ جاتی ہے اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض مرد اور عورت تیز مزاج اور تیز زبان ہوتے ہیں' بغیر کسی وجہ کے اپنی بدزبانی سے لڑائی کا سامان پیدا کر دیتے ہیں۔

عورتوں کی بدزبانی اور تیز کلامی تو بعض مرتبہ اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ پورا محلّہ ان سے بیزار رہتا ہے' اسی طرح کی ایک عورت کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ بڑی نمازن ہے خوب صدقہ کرتی ہے' نفلی روزے بھی کثرت سے رکھتی ہے لیکن اس سب کے باوجود اس میں ایک یہ بات ہے کہ اپنی بدزبانی سے پڑوسیوں کو تکلیف دیتی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ دوزخی ہے' دیکھو! پڑوسیوں کے ستانے کے سامنے نماز روزوں کی کثرت سے بھی کام نہ چلا' اس کے برخلاف ایک دوسری عورت کا ذکر کیا گیا جو فرض پڑھ لیتی تھی' فرض روزہ رکھ لیتی تھی'

زکوٰۃ فرض ہوئی تو وہ بھی دے دی، نفلی نماز، روزہ اور صدقہ کی طرف اس کو خاص توجہ نہ تھی، لیکن پڑوسی اس کی زبان سے محفوظ تھے، جب اس کا تذکرہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جنتی فرمایا۔

پڑوسیوں کے ساتھ اچھے اخلاق اور اچھے معاملات کے ساتھ زندگی گزارنے کی شریعت اسلامیہ میں بہت زیادہ ترغیب دی گئی ہے، اس سے جو تکلیف پہنچے اس پر صبر کرے اور اپنی طرف سے اس کو کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ پہنچائے اور اس کی مشکلات و مصائب میں کام آئے جہاں تک ممکن ہو اس کی مدد کرے، اس کے گھر کے سامنے کوڑا کچرا نہ ڈالے، اس کے بچوں کے ساتھ شفقت کا برتاؤ کرے، ان باتوں کا لکھنا اور بول دینا اور سن لینا تو آسان ہے لیکن عمل کرنے کے لئے بڑی ہمت اور حوصلہ کی ضرورت ہے، اگر کسی طرح کا کوئی اچھا سلوک کر سکے تو کم سے کم اتنا تو ضرور کرے کہ اس کو کوئی تکلیف نہ پہنچائے اور آگے پیچھے اس کی خیر خواہی کرے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جبرئیل علیہ السلام مجھے برابر پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی وصیت کرتے رہے، یہاں تک کہ میں نے یہ گمان کیا کہ آپ پڑوسی کو وارث بنا کر چھوڑیں گے۔ (بخاری ومسلم)

° پڑوسی کو تکلیف پہنچانا تو کجا اس کے ساتھ اس طرح زندگی گزارے کہ اس کو کسی قسم کا کوئی خطرہ اور کھٹکا اس بات کا نہ ہو کہ فلاں پڑوسی سے مجھے تکلیف پہنچے گی۔

ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ کی قسم وہ مومن نہیں اللہ کی قسم وہ مومن نہیں، اللہ کی قسم وہ مومن نہیں، عرض کیا گیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس کے بارے میں ارشاد فرما رہے ہیں؟ فرمایا جس کا پڑوسی اس کی شرارتوں سے بے خوف نہ ہو۔ (مسلم)

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ شخص جنت میں داخل نہ ہوگا جس کا پڑوسی اس کی شرارتوں سے بے خوف نہ ہو۔ (مسلم)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اپنے بارے میں کیسے جانوں کہ میں اچھا ہوں یا برا ہوں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تو اپنے پڑوسیوں سے سنے کہ وہ تیرے بارے میں یہ کہہ رہے ہیں کہ تو اچھے کام کرنے والا ہے تو تو اچھا ہے اور جب تو سنے کہ وہ تیرے بارے میں یہ کہہ رہے ہیں کہ تو برے کام کرنے والا ہے تو تو برا ہے۔ (ابن ماجہ)

یہ اس لئے فرمایا کہ انسان کے اچھے برے اخلاق سب سے زیادہ اور سب سے پہلے پڑوسیوں کے سامنے آتے ہیں اور ان کی گواہی اس لئے زیادہ معتبر ہے کہ ان کو بار بار دیکھنے کا تجربہ کرنے کا موقع ملتا ہے۔

ایک روز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آٹا پیس کر چھوٹی چھوٹی روٹیاں پکائیں اس کے بعد ان کی آنکھ لگ گئی، اس اثناء میں پڑوسن کی بکری آئی اور وہ روٹیاں کھا گئی، آنکھ کھلنے پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کے پیچھے دوڑیں، یہ دیکھ کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ ہمسایہ کو اس کی بکری کے بارے میں نہ ستاؤ۔ (الادب المفرد باب لایؤذی جارہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ وہ شخص مومن نہیں جو پیٹ بھر لے اور اس کا پڑوسی اس کی بغل میں بھوکا ہو۔ (بیہقی)

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے مدعی اور مدعا علیہ دو پڑوسی ہوں گے۔ (رواہ احمد)

اب سب احادیث سے معلوم ہوا کہ پڑوسی پر کسی طرح سے کوئی ظلم وزیادتی تو بالکل ہی نہ کرے اور جہاں تک ممکن ہو اس کی خدمت، دلداری اور معاونت کرے۔

بیوی کے حقوق اور نان نفقہ کے احکام

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ فُلَانَةَ تُذْكَرُ مِنْ كَثْرَةِ صَلٰاتِهَا وَصِيَامِهَا وَصَدَقَتِهَا غَيْرَ اَنَّهَا تُؤْذِیْ جِيْرَانَهَا بِلِسَانِهَا هِیَ فِی النَّارِ قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ فُلَانَةَ تُذْكَرُ مِنْ قِلَّةِ صِيَامِهَا وَصَدَقَتِهَا وَصَلٰوتِهَا وَاِنَّهَا تَصَدَّقُ بِالْاَثْوَارِ مِنَ الْاَقِطِ وَلَا تُؤْذِیْ بِلِسَانِهَا جِيْرَانَهَا قَالَ هِیَ فِی الْجَنَّةِ. (رواه احمد والبيهقی فی شعب الايمان)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلاشبہ فلاں عورت ایسی ہے کہ اس کی نماز اور روزہ اور صدقہ کی کثرت کا (لوگوں میں) تذکرہ رہتا ہے لیکن اس کے ساتھ یہ بات بھی ہے کہ وہ اپنے پڑوسیوں کو اپنی زبان سے ایذاء دیتی ہے، یہ سن کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ عورت دوزخ میں ہے۔ پھر اس شخص نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بے شک فلاں عورت کے بارے میں لوگوں میں یہ تذکرہ رہتا ہے کہ (نفل) روزے اور (نفل) صدقہ اور (نفل) نماز کم ادا کرتی ہے اور پنیر کے کچھ ٹکڑے صدقہ دے دیتی ہے اور اپنے پڑوسیوں کو اپنی زبان سے ایذاء نہیں دیتی، یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ جنت میں جانے والی ہے۔

تشریح: اس میں بھی متعدد مختلف غلطیاں اور کوتاہیاں ہوتی ہیں، غلطی سے مراد علمی اخلال (علمی خرابی) اور کوتاہی سے مراد عملی اخلال (عملی خرابی) ہے، دونوں مختلف طور پر مذکور ہوتی ہیں۔

بیوی کا نفقہ شوہر پر واجب ہے

ایک غلطی یہ ہے کہ بعضے لوگ بی بی کا نفقہ اس وقت واجب سمجھتے ہیں کہ وہ نادار ہو اور اگر وہ مالدار ہو تو اس صورت میں اس کا نفقہ واجب نہیں سمجھتے، سو یہ بالکل غلط ہے، بیوی کا نفقہ دونوں مذکورہ حالتوں میں واجب ہوتا ہے، صرف اتنی شرط ہے کہ بی بی کی طرف سے تسلیم نفس میں بلاعذر کوتاہی نہ ہو اور اگر عذر سے ایسا ہو، جیسے مہر معجّل کے لینے کیلئے اپنے نفس کو تسلیم نہ کرے، اس میں نفقہ واجب رہے گا۔

کمسن عورت کو اگر شوہر اپنے گھر میں رکھے تو اس کا نفقہ بھی واجب ہے

البتہ اگر براہِ سرکشی شوہر کے گھر سے چلی گئی اس صورت میں نفقہ واجب نہ ہوگا۔ جب تک کہ واپس نہ آجائے۔ اسی طرح اگر بی بی بہت کمسن ہو کہ قابل ہمبستری کے نہ ہو لیکن اس قابل ہو کہ مرد کے پاس رہنے سے مرد کا جی بہلے، معمولی خدمت کر سکے تو تسلیم نفس کے بعد اس کا نفقہ بھی واجب ہے، البتہ اگر اس قابل بھی نہ ہو جسے بعض قوموں میں بہت ہی کم عمری میں شادی کر دیتے ہیں، اس کا نفقہ واجب نہ ہوگا۔ (کذافی الدر المختار)

لیکن جو قابل تمتع کے نہ ہو محض انس اور خدمت کے لائق ہو، خود شوہر اس کو اپنے گھر رکھنے پر مجبور نہیں ہے، اگر رکھے گا، نفقہ دے گا، اگر نہ رکھے گا نہ دے گا۔ (کذا فی الدر المختار)

جوان عورت کا نکاح کمسن لڑکے سے ہو تب بھی اسکے ذمہ بیوی کا نفقہ واجب ہے

اور بعض قوموں میں یہ بھی عادت ہے جوان عورت کا کم عمر لڑکے سے عقد کر دیتے ہیں، اس عورت کا نفقہ زوج کے مال سے اگر وہ صاحب جائیداد یا مالک نقد ہو واجب ہوگا۔ کیونکہ مانع تمتع مرد کی طرف سے ہے، عورت کی طرف سے نہیں۔

شوہر کی اجازت کے بغیر میکے چلے جانے سے شوہر کے ذمہ نفقہ واجب نہیں

ایک غلطی بعض عورتوں کی جانب سے یہ ہے کہ شوہر سے مخالفت کر کے اپنے میکے جا بیٹھتی ہے اور نفقہ کا مطالبہ کرتی ہے، سو ابھی مذکور ہوا ہے کہ اس صورت میں نفقہ واجب نہ ہوگا۔

ذی وسعت مرد کے ذمہ
ماما کا خرچ بھی واجب ہے

ایک کوتاہی بعض مردوں کی طرف سے ہوتی ہے کہ باوجود فارغ البالی کے بی بی کے خرچ میں تنگی کرتے ہیں اور اتنا کم دیتے ہیں کہ وہ خود اپنے ہاتھ سے پکائے تو کافی ہو سکتا ہے، ورنہ ماما (نوکرانی) رکھنے کی گنجائش نہیں ہوتی حالانکہ مرد اگر ذی وسعت ہو تو اس کے ذمہ ماما کا خرچ بھی واجب ہے۔

تنگدست شوہر ماما رکھنے پر مجبور نہیں

اور کوتاہی بعض عورتوں کی طرف سے یہ ہوتی ہے کہ باوجود شوہر کے تنگدست ہونے کے اس کو مجبور کرتی ہیں کہ ماما لادے، حالانکہ شوہر کی تنگدستی کی صورت میں مرد اس پر مجبور نہیں ہے بلکہ دیکھا جائے گا کہ عورت اپنے کام پر قادر ہے یا نہیں، اگر قادر ہے تو اپنا کھانا بھی پکائے اور شوہر کا بھی پکائے اور اگر قادر نہیں خواہ کسی مرض کے سبب خواہ امیر کبیر ہونے کے سبب تو نہ شوہر ماما لانے پر مجبور ہے اور عورت کھانا پکانے پر، بلکہ شوہر کو کہا جائے گا کہ تیار شدہ کھانا عورت کو لا کر دے، خواہ بازار سے یا کہیں اور سے پکوا کر۔ (کذا فی الدر المختار)

تنگدستی کی حالت میں عورت کو تفریق کا مطالبہ کرنا جائز نہیں

ایک کوتاہی بعض عورتوں کی طرف سے ہوتی ہے کہ جہاں ذرا نفقہ میں تنگی ہوئی انہوں نے تفریق کی درخواست شروع کی، سو سمجھ لینا چاہئے کہ سخت تنگی کی حالت میں گو بعض ائمہ کے نزدیک قاضی کو تفریق جائز ہے لیکن اول تو یہاں شرعی قاضی نہیں اور بد دین قاضی شرعی کے کسی کے نزدیک بھی تفریق صحیح نہیں، دوسرے ہمارے مذہب حنفی میں خود قاضی کے ہوتے ہوئے بھی اس خاص وجہ سے تفریق جائز نہیں بلکہ قاضی عورت کو حکم دے گا کہ تو قرض لے لے کر خرچ کرتی رہ اور وہ قرض بذمہ شوہر ہوگا۔

روشن خیال حضرات کو حقیقی ہمدردی کی نشاندہی

بعضے روشن خیال حضرات ایسی صورتوں میں بزعم خود علماء پر اور درحقیقت شریعت پر اعتراض کیا کرتے ہیں کہ تفریق کا جائز نہ ہونا عورت کے حقوق کا تلف کرنا ہے کیونکہ ہمارے دیار میں شرعی قاضی تو ہے نہیں تو خود عورت کو ایسی مجبوری میں تفریق کے اختیارات ہونے چاہئیں' ورنہ اگر اس کو قرض بھی نہ ملے تو پھر کہاں سے کھائے؟

میں کہتا ہوں کہ آپ صاحبوں کو تو یہ آسان ہے کہ عورت کی ہمدردی میں شریعت پر اعتراض کر کے اپنا دین برباد کرنے لگے' اس سے زیادہ آسان تو یہ تھا کہ اس کی ہمدردی میں اپنا کچھ مال صرف کرتے اور ایسے ستم دیدہ غم رسیدہ کی مدد کرتے اور خیال کرنا چاہئے کہ آپ کی اس رائے میں عورت کی ہمدردی ہوگئی' لیکن کیا ایسا مجبور مرد قابل ہمدردی کے نہیں کیا۔ اس کی یہی ہمدردی ہے کہ اس کی بی بی جو اس کے لئے کسی قدر مایہ انس و تسلی تھی اس سے جدا کر دیا جائے اور جو طریقہ ہمدردی کا ہم نے بتلایا ہے اس میں دونوں کی امداد ہے' مرد کی بھی عورت کی بھی اور دونوں اپنے گھر پر آباد رہیں گے' انصاف کیجئے ہمدردی کہنے کے لائق کونسی صورت ہے۔

قہوہ' حقہ اور موسمی پھل شوہر کے ذمہ واجب نہیں

ایک کوتاہی بعض عورتوں کی طرف سے یہ ہے کہ شوہر کے مال کو بے دریغ اڑاتی ہیں اور سب فضول اخراجات اور تمام تنعّمات کا خرچ بذمہ شوہر سمجھتی ہیں' خصوص پان' چھالیہ یا بعض چائے و کافی میں اس قدر زیادتی کرتی ہیں کہ خود بھی کھاتی پیتی ہیں اور آنے جانے والیوں کو تقسیم کرتی ہیں اور یہ شوہر کے ذمہ جرمانہ سمجھتی ہیں۔ حالانکہ فقہاء نے یہاں تک تصریح کر دی ہے کہ قہوہ اور حقہ اور موسمی پھل بھی شوہر کے ذمہ نہیں' اگرچہ قہوہ اور حقہ کی عادت بھی ہو کہ اس کے چھوڑنے سے تکلیف ہو تب بھی شوہر کے مال میں یہ صرف نہ ڈالا جائے۔

شوہر ان مصارف میں سے جتنے کا متحمل ہو جائے اس کا احسان ہے اور شوہر کی شان کے لائق بھی یہی ہے کہ اگر خدا تعالیٰ وسعت دے تو بی بی کو اس کے لئے سرمایۂ راحت ہے...... راحت پہنچانے میں دریغ نہ کرے' مگر عورت کو بھی مناسب نہیں کہ اس راحت پہنچانے کا یہ صلہ کرے کہ اس کو کلفت پہنچائے۔

مردوں کے رشوت لینے کی زیادہ تر ذمہ دار عورتیں ہیں

واقعی ان عورتوں کی فضول خرچیوں کی بدولت بالخصوص پان اور لباس و آرائش اور رسوم و تقریبات میں مسلمان پنپنے نہیں پاتے اور ان کے گھر کو' جائیداد کو' تجارت کو گھن سا لگ رہا ہے کہ آہستہ آہستہ بالکل خاتمہ ہو جاتا ہے بلکہ ان اخراجات کی بدولت دنیا کے ساتھ ان کا دین تک برباد ہوتا ہے' ملازم مردوں کی رشوت کے زیادہ حصہ کی ذمہ داری یہی فضول خرچیاں ہیں' ورنہ اکثر گھروں میں دنیا کی بھی رونق رہے اور مردوں کا تقویٰ بھی محفوظ رہے۔

عورتیں چاہیں تو مرد کو متقی بنا سکتی ہیں

بلکہ اگر ذرا عورت مضبوطی اختیار کر لے تو مرد کو بمجبوری متقی بننا پڑے' بہت نظائر ایسے موجود ہیں کہ عورتوں نے مردوں

پر زور دیا کہ اور اگر تم رشوت نہ چھوڑو گے تو ہم تمہاری کمائی کا کھائیں پئیں گے نہیں، ادھر مرد عورت کا تعلق، ادھر اس خلوص کی برکت، مجموعہ کا اثر یہ ہوا کہ مردوں کو رشوت سے توبہ کرنا پڑی۔

شوہر کے ذمہ نیا جوڑا بنانا واجب نہیں

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَجُلٌ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ فُلَانَةَ تُذْكَرُ مِنْ كَثْرَةِ صَلَاتِهَا وَصِیَامِهَا وَصَدَقَتِهَا غَیْرَ اَنَّهَا تُؤْذِیْ جِیْرَانَهَا بِلِسَانِهَا هِیَ فِی النَّارِ قَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ فُلَانَةَ تُذْكَرُ مِنْ قِلَّةِ صِیَامِهَا وَصَدَقَتِهَا وَصَلٰوتِهَا وَاِنَّهَا تَصَدَّقُ بِالْاَثْوَارِ مِنَ الْاَقِطِ وَلَا تُؤْذِیْ بِلِسَانِهَا جِیْرَانَهَا قَالَ هِیَ فِی الْجَنَّةِ۔ (رواہ احمد والبیهقی فی شعب الایمان)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلاشبہ فلاں عورت ایسی ہے کہ اس کی نماز اور روزہ اور صدقہ کی کثرت کا (لوگوں میں) تذکرہ رہتا ہے لیکن اس کے ساتھ یہ بات بھی ہے کہ وہ اپنے پڑوسیوں کو اپنی زبان سے ایذاء دیتی ہے، یہ سن کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ عورت دوزخ میں ہے۔ پھر اس شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بے شک فلاں عورت کے بارے میں لوگوں میں یہ تذکرہ رہتا ہے کہ (نفل) روزے اور (نفل) صدقہ اور (نفل) نماز کم ادا کرتی ہے اور پنیر کے کچھ ٹکڑے صدقہ دے دیتی ہے اور اپنے پڑوسیوں کو اپنی زبان سے ایذاء نہیں دیتی، یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ جنت میں جانے والی ہے۔

ایک کوتاہی بعض عورتوں کی طرف سے یہ ہے کہ بری کے جوڑے انبار کا انبار ان کے صندوقوں میں ذخیرہ رہتا ہے، پھر بھی روزانہ شوہر سے جوڑے بنوانے کی فرمائش کی جاتی ہے۔ سو سمجھ لینا چاہئے کہ شوہر کے گھر کے جوڑے جب تک موجود رہیں اس وقت تک شوہر کے ذمہ نیا جوڑا بنانا واجب نہیں...... اور یوں وہ بنا دے اس کا احسان ہے۔

خاوند کے مال کو ضائع کرنے کی قیامت کے روز باز پرس ہوگی

اسی طرح اکثر عورتوں کو بیکار چیزوں کی بے حد حرص ہے اور دھاندہ ہے کہ خواہ ضرورت بھی نہ ہو بس پسند آنے کی دیر ہے کہ فوراً ہی خرید لیتی ہیں اور ذخیرہ کرتی چلی جاتی ہیں۔ پھر لطف یہ کہ نہ وہ کام میں آتی ہیں نہ ان کی حفاظت کرتی ہیں، یوں ہی ضائع ہو جاتی ہیں تو اس طرح سے خاوند کے مال کو اڑانا قیامت میں موجب باز پرس ہے۔ حدیث: اَلْمَرْاَةُ رَاعِیَةٌ فِیْ بَیْتِ زَوْجِهَا... الخ میں اس کی تصریح ہے۔

عید، بقرعید اور شادیوں پر مستقل جوڑا بنانا شوہر کیلئے ضروری نہیں

علیٰ ہذا عید بقرعید کے لئے یا شادیوں میں شرکت کے لئے مستقل جوڑا بنانا شوہر کے ذمہ نہیں تو اس کے مال میں سے بلا اس کی رضا کے بنانا بھی عورت کے لئے جائز نہ ہوگا۔ یہ تو دنیوی مصارف ہیں ان میں تو بلا رضائے شوہر اس کا مال صرف کرنا کہاں جائز ہوتا۔

شوہر کی اجازت کے بغیر دینی مصارف میں بھی چندہ دینا جائز نہیں

دینی مصارف میں بھی مثلاً کسی سائل کو دینا یا کسی مدرسہ وغیرہ کے چندہ میں دینا یا کسی عالم یا واعظ یا یتیم و مسکین و بیوہ محتاج کی خدمت کرنا بھی بلا رضائے شوہر اس کے مال میں سے جائز نہیں، نہ ایسا دیا ہوا چندہ خدا تعالیٰ کے یہاں قبول ہے، حدیث میں ہے:

اِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ اِلَّا الطَّيِّبَ یعنی اللہ تعالیٰ پاک ہے وہ صرف پاک چیز کو ہی قبول فرماتا۔

عورتوں کو اخراجات کے لئے مال دینے کے بارے میں مردوں کو ایک مشورہ

چونکہ ایسے مصارف دینیہ و دنیویہ کی اکثر حاجت واقع ہوتی ہے اور اکثر عورتوں کے پاس جداگانہ مال نہیں ہوتا، اس لئے مردوں کو مناسب ہے کہ نفقہ واجبہ کے علاوہ حسب وسعت کچھ خرچ ایسے مواقع کے لئے جداگانہ بھی دے دیا کریں۔ پھر اس کا حساب نہ لیا کریں تاکہ وہ اپنی مرضی کے موافق آزادی کے ساتھ بے تکلف ایسے مصارف میں صرف کر سکیں۔

شوہر کے ذمہ عورت کا صدقہ فطر قربانی اور اسکے اپنے زیور کی زکوٰۃ واجب نہیں

نیز شوہر کے ذمہ عورت کے مملوکہ زیور کی زکوٰۃ یا اس کی طرف سے صدقہ، فطر یا قربانی واجب نہیں۔ سو اگر ایسی رقم ان کو مل جایا کرے گی تو ان واجبات کی ادائیگی میں ان کی سہولت ہوگی لیکن چونکہ شوہر پر واجب تو ہے نہیں، اگر شوہر نے نہ دیا تو عورت اپنا زیور بیچ کر یہ سب حقوق اس سے ادا کرے، شوہر کے مال سے بلا اس کی رضا کے ان عبادات میں صرف کرنا جائز نہ ہوگا، خوب سمجھ لینا چاہئے، عورتیں اس میں سخت بے احتیاطی کرتی ہیں اور اس کے ناجائز ہونے کا ناجائز ہونے کا ان کو وسوسہ تک بھی نہیں آتا، گویا شوہر کے مال کا اپنے کو بالکل مالک سمجھتی ہیں، سو یہ بناء ہی باطل ہے۔

شوہر اور بیوی کی ملک جدا جدا ہے

ان دونوں کی ملک جدا جدا ہے، یہ شوہر کے لئے بھی ظلم ہوگا کہ اگر عورت کے مال میں بلا اس کی رضا کے تصرف کرے اور عورت کے لئے بھی خیانت ہوگی اگر مرد کے مال میں بلا اس کی رضا کے تصرف کرے۔

رضا کا مفہوم و مطلب

اور رضا سے مراد سکوت کرنا یا ناراضی کا اظہار نہ کرنا یا پوچھنے پر رضا ظاہر کرنا نہیں۔ تجربہ سے ثابت ہے کہ اکثر اوقات باوجود گرانی اور کراہت کے لحاظ و شرم و مروت کے سبب بھی ایسا کیا جاتا ہے۔ رضا وہ ہے کہ قرائن قویہ غیر مشتبہ سے مالک کا طیب خاطر جزم و یقینی طور پر دلی رضامندی کے ساتھ معلوم ہو جائے۔ قرآن و حدیث میں اسی مادہ کا استعمال شرف جواز مال میں کیا گیا ہے۔

قَالَ اللّٰهُ تَعَالیٰ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْئًا مَّرِيْئًا.

فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہاں اگر وہ بیبیاں خوشدلی سے چھوڑ دیں تم کو اس مہر کا کوئی جز و تو تم اس کو کھاؤ مزہ دار و خوشگوار سمجھ کر۔

وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اَلَا لَا یَحِلُّ مَالُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ اِلَّا بِطِیْبِ نَفْسٍ مِّنْہُ.

اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبردار! کہ مسلمان کا مال بغیر اس کی رضامندی کے حلال نہیں۔

شوہر پر اپنی بی بی کو رہنے کے لئے جداگانہ گھر یا کمرہ دینا واجب ہے

اور نفقہ ہی کا ایک جزو بی بی کو رہنے کے لئے گھر دینا ہے...... اس کے متعلق ایک عام غلطی میں اکثر مرد مبتلا ہیں کہ جداگانہ گھر دینا اپنے اوپر واجب نہیں سمجھتے بس اپنے عزیزوں میں عورت کو لا ڈالتے ہیں۔ سو اس میں حکم یہ ہے کہ اگر شامل رہنے پر عورت بخوشی راضی ہو تب تو خیر ورنہ اگر وہ سب سے جدا رہنا چاہے تو مرد پر اس کا انتظام واجب ہے اور یہاں بھی راضی ہونے کے وہی معنی ہیں جو اوپر مذکور ہوئے۔ یعنی طیب خاطر سے راضی ہو، حتیٰ کہ اگر مرد کو قرائن قویہ سے معلوم ہو جائے کہ وہ جدا رہنا چاہتی ہے مگر زبان سے اس کی درخواست نہ کر سکے تب بھی مرد کو شامل رکھنا جائز نہیں۔ البتہ اتنی گنجائش ہے کہ اگر پورا گھر جدا نہ دے سکے تو بڑے گھر میں سے ایک کوٹھڑی یا کمرہ ایسا دینا کہ اس کی ضروریات کو کافی ہو سکے اور اس میں اپنا مال و اسباب مقفل کر کے (تالا وغیرہ لگا کر) رکھ سکے اور آزادی کے ساتھ اپنے میاں کے ساتھ تنہائی میں بیٹھ اُٹھ سکے، بات چیت کر سکے، یہ واجب کے ادا کرنے کے لئے کافی ہوگا۔

عورت کو اپنے عزیزوں سے جدا رکھنے ہی میں سلامتی ہے

اور آج کل کے طبائع و واقعات کا مقتضاء تو یہ ہے کہ اگر عورت شامل رہنے پر راضی بھی ہو اور جدا رہنے سے سب اعزہ (رشتہ دار) ناخوش بھی ہوں تب بھی مصلحت یہی ہے کہ جدا ہی رکھے، اس میں ہزاروں مفاسد کا انسداد (ہزاروں خرابیوں کی روک تھام) ہے اور گو اس میں چند روز کیلئے عزیزوں کا ناک منہ چڑھے گا۔ مگر اس کی مصلحتیں جب مشاہد ہوں گی۔ سب خوش ہو جائیں گے۔ خصوص چولہا تو ضرور یہ علیحدہ ہونا چاہئے، زیادہ تر آگ چولہے سے ہی بھڑکتی ہے۔ فقہاء نے یہاں تک فرمایا کہ مرد کی اگر پہلی بی بی سے کچھ اولاد ہو دوسری بی بی کو اس کے ساتھ بھی شامل رہنے پر مجبور نہیں کر سکتا اور آج کل واقعات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ بالخصوص دوسری اولاد کے ساتھ شامل رہنا بڑے بڑے فسادوں کی جڑ ہے کہ دوسرے عزیزوں کے ساتھ اتنا فساد نہیں ہوتا۔

ساس کی خدمت کرنا فرض نہیں

بعضے آدمی اس کو بڑی سعادت مندی سمجھتے ہیں کہ بی بی کو اپنی ماں کا محکوم و مغلوب بنا کر رکھیں اور اس کی بدولت بیبیوں پر بڑے بڑے ظلم ہوتے ہیں، سو سمجھ لینا چاہئے یہ بی بی پر فرض نہیں کہ ساس کی خدمت کیا کرے، تم سعادت مند ہو، خود خدمت کرو، خدمت کیلئے نوکر لاؤ۔

لڑکا ہو یا لڑکی بالغ ہوتے ہی اس کی شادی کر دی جائے

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ وَّ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمْ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم مَنْ وُّلِدَ لَہٗ وَلَدٌ فَلْیُحْسِنِ اسْمَہٗ وَاَدَبَہٗ فَاِذَا بَلَغَ فَلْیُزَوِّجْہُ فَاِنْ بَلَغَ وَلَمْ یُزَوِّجْہُ فَاَصَابَ اِثْمًا

فَاِنَّمَا اِثْمُهٗ عَلٰی اَبِیْهِ. (رواه البیهقی فی شعب الایمان)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس کے کوئی اولاد ہو تو اس کا اچھا نام رکھے اور اسے ادب سکھائے پھر جب بالغ ہو جائے تو اس کا نکاح کر دے اگر اولاد بالغ ہوئی اور اس کا نکاح نہ کیا جس کی وجہ سے اس نے کوئی گناہ کر لیا تو باپ پر اس کا گناہ ہوگا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ توراۃ شریف میں یہ مضمون لکھا ہوا ہے کہ جس شخص کی بیٹی بارہ سال کو پہنچ گئی اور اس نے (موقع مناسب ہوتے ہوئے) اس کا نکاح نہ کیا اس نے کوئی گناہ کر لیا تو اس کا گناہ اسی شخص پر یعنی اس کے باپ پر ہوگا۔ تشریح: ان دونوں حدیثوں میں بہت اہم نصیحتیں ہیں۔

اچھا نام رکھنے کا حکم

اولاً تو یہ فرمایا کہ جب کسی کو اولاد ہو تو اس کا نام اچھا رکھے بچوں کا اچھا نام رکھنا بھی ماں باپ کی اہم ذمہ داری ہے اور بچوں کا یہ حق ہے کہ ان کا اچھا نام رکھا جائے، ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ قیامت کے روز تم اپنے ناموں اور اپنے باپوں کے ناموں سے پکارے جاؤ گے، لہٰذا تم اپنے نام اچھے رکھو۔ (ابوداؤد شریف)

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ فرشتے مومن کی روح لیکر آسمان کی طرف جاتے ہیں تو فرشتوں کی جس جماعت پر گزرتے ہیں ہر جماعت یہ پوچھتی ہے کہ یہ کون پاکیزہ روح ہے اس روح کو لے جانیوالے فرشتے اس کا وہ اچھے سے اچھا نام لے کر جواب دیتے ہیں، جسکے ذریعہ دنیا میں بلایا جاتا تھا کہ فلاں ابن فلاں ہے اور جب کافر کی روح کو اوپر لے کر چڑھتے ہیں تو فرشتوں کی جس جماعت پر گزرتے ہیں ہر جماعت پوچھتی ہے کہ یہ کون خبیث روح ہے تو روح کو لے جانے والے فرشتے اس کا وہ برے سے برا نام لیکر جسکے ذریعہ دنیا میں پکارا جاتا تھا جواب دیتے ہیں کہ فلاں ابن فلاں ہے اور اس کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے۔ (مشکوۃ)

برا نام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ناپسند تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا:

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یغیر الاسم القبیح

یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم برے نام کو بدل دیا کرتے تھے۔ (ترمذی)

ماں باپ پر لازم ہے کہ بچوں کے نام اچھے رکھیں اور اچھے نام وہ ہیں جن سے اللہ کا بندہ ہونا معلوم ہوتا ہے، اسلام اور ایمان کی صفات ظاہر ہوتی ہوں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نبیوں کے ناموں پر نام رکھو اور اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہے اور سب سے برا نام حرب اور مرۃ ہے۔ (مشکوۃ)

حرب لڑائی کو اور مُرّۃ کڑوے کو کہتے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں ناموں کو بدترین نام فرمایا۔ انسان انس اور ہمدردی کے لئے پیدا ہوا ہے۔ دین اسلام سراسر صلح اور سلامتی سکھاتا ہے، پھر کسی کا نام ''حرب'' یعنی جنگ رکھنا کیسے پسندیدہ ہوسکتا ہے اور مومن خوش اخلاق پاکیزہ صفات، محبت کا پیکر اور الفت کا مجسمہ ہوتا ہے بھلا وہ کڑوا کیوں ہونے لگا، حضور

اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ، عبدالرحمٰن نام رکھنے کو بہت پسند فرمایا اور انبیاءؑ کے ناموں پر نام رکھنے کی ترغیب دی ہے۔ زمانہ ہائے گزشتہ میں ماں باپ اسلامی نام رکھتے تھے۔ عبداللہ، عبدالرحمٰن، عبدالرحیم، عبدالکریم وغیرہ جن سے بندگی ٹپکتی تھی اور مالک و خالق سے خاص تعلق کا اظہار ہوتا تھا حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے ناموں پر بھی نام رکھتے تھے جس کا نتیجہ یہ تھا کہ ان جلیل القدر ہستیوں کے ناموں سے اور ناموں کے ذریعہ ان کے کاموں سے ذہن مانوس رہتا تھا، چند لوگ آج بھی ایسے ہیں جو بچوں کے نام رکھنے میں احادیث شریفہ کے بتائے ہوئے اصولوں کی پابندی کرتے ہیں لیکن اکثر لوگوں میں نئے نئے نام رواج پاگئے ہیں اب تو پروین اور پرویز، غزالہ اور شاہین نے بہت رواج پالیا ہے۔ حالانکہ پرویز فارس کے اس بادشاہ کا نام تھا جس نے ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب گرامی چاک کر دیا تھا جو آپ نے تبلیغ کے لئے لکھا تھا، ایسے دشمن کے نام پر نام رکھنا بڑی ناسمجھی کی بات ہے۔ شاہین باز کو کہتے ہیں، غزالہ ہرن کو کہتے ہیں، کیا نام نکالے ہیں اچھے نام چھوڑ کر جانوروں کے نام اختیار کر لئے اس سلسلہ میں ہم نے ایک رسالہ لکھا ہے جو اسلامی نام کے عنوان سے چھپا ہوا ہے، اس کا مطالعہ کیا جائے۔

بُندا، گھسیٹا، چھجو (برصغیر میں پیار سے کم پڑھے لکھے گھرانوں میں اس طرح کے نام رکھے جاتے تھے، یہ ان کا ذکر ہے) بعض عورتیں ٹوٹکہ، ٹونہ کرتی ہیں اور بچوں کے نام اسی عنوان سے رکھ دیتی ہیں، مثلاً کسی بچے کے کان میں ٹوٹکے کے لئے بندہ ڈالا تو وہ بندہ ہوگیا اور کسی کو چھاج میں رکھ کر گھسیٹ گیا تو وہ گھسیٹا یا چھجو ہوگیا اور اسی طرح بہت سی حرکتیں کر کے نام رکھتی ہیں یہ سب شرک ہے بہت سے خراب نام احقر نے خود سنے ہیں اور ایسے لوگوں سے ملاقات ہوئی ہے۔ ایک شخص کا نام کوڑا تھا بعض لوگوں نے بتایا کہ اس طرح کا نام عورتیں یہ سمجھ کر رکھتی ہیں کہ ایسا نام رکھنے سے بچہ زندہ رہے گا۔ یہ بھی شرک ہے اور اب ایک مصیبت اور چلی ہے وہ یہ کہ بچوں کے انگریزی نام رکھے جاتے ہیں۔ اور بچوں کو سکھایا جاتا ہے کہ باپ کو ابا کے بجائے ڈیڈی کہا جائے۔ اور نام رکھنے کا ایک اصول یہ بنا رکھا ہے کہ جو نالائق، بے شرم، بے حیا، بے دین مرد اور عورت سینما کی فلموں میں کام کرتے ہیں، ان کے ناموں پر بچوں کے نام رکھے جاتے ہیں۔ اعمال صالحہ اور اخلاق حسنہ والے بزرگوں کی یادگار باقی رکھنے کی ضرورت نہیں سمجھتے بے حیا بے شرم لوگوں کے ناموں کو زندہ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ **انا للہ وانا الیہ راجعون۔**

بچوں کو دینی زندگی پر ڈالنے کا حکم

دوسری نصیحت اولاد کو ادب سکھانے کے بارے فرمائی، پسندیدہ اعمال اور بلند اخلاق یہ سب ادب کے ذیل میں آجاتے ہیں۔ فرائض کا اہتمام کرنا اور ممنوعات سے بچنا آداب عبودیت میں سے ہے اور انسانوں کے ساتھ اس طریقہ سے پیش آنا کہ کسی کو تکلیف نہ ہو یہ آداب معاشرت میں سے ہے آج کل لوگ اپنی اولاد کو نہ اللہ کی راہ پر لگاتے ہیں نہ یہ آداب عبودیت سکھاتے ہیں اور نہ اسلامی معاشرت کے آداب البتہ یورپ اور امریکہ کی بے حیا قوموں کے طرز زندگی کو اپناتے ہیں اور بچوں کو انہیں کے طور طریق سکھاتے ہیں۔ ایک چھوٹا سا بچہ کلمہ طیبہ اور سبحانک اللّٰھم نہیں سنا سکتا، لیکن پتلون پہننے اور ٹائی لگانے کے آداب سے واقف ہوتا ہے آہ! ماں

باپ اپنی اولاد کا کیسے کیسے خون کر رہے ہیں۔ مسلمان ہونے کے بھی مدعی ہیں اور ساتھ ہی ساتھ طور پر طریق، سج دھج رنگ ڈھنگ، رفتار گفتار اور دوسرے شعبہ ہائے زندگی میں بے شرم انگریزوں کے مقتدی اور متبع بنے ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ سب کو سمجھ دے۔

اللہ تعالیٰ کے محبوب اعمال

عَنْ عَبدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّہٗ قَالَ سَاَلْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اَیُّ الْعَمَلِ اَحَبُّ اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی قَالَ الصَّلٰوۃُ عَلٰی وَقْتِھَا قُلْتُ ثُمَّ اَیٌّ؟ قَالَ بِرُّ الْوَالِدَیْنِ قُلْتُ ثُمَّ اَیٌّ ؟ قَالَ الْجِھَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ. (بخاری ومسلم)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کون سا عمل اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسندیدہ ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا: نماز کے مقررہ وقت پر نماز پڑھ لینا۔ میں نے پوچھا اس کے بعد کون سا عمل؟ آپ نے فرمایا: والدین کے ساتھ بھائی اور حسن سلوک۔ پھر میں نے پوچھا، پھر اس کے بعد کونسا عمل ہے؟ آپ نے فرمایا اس کے بعد جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

تشریح: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس سوال سے کہ کون سا عمل اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسند ہے۔ یہ پتہ چلا کہ مومن کو اللہ تعالیٰ کا قرب اس کے پسندیدہ اعمال پر عمل کر کے ہی حاصل ہوسکتا ہے۔ کہ اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کی محبت وخوشنودی حاصل کرنے میں کامیاب ہوسکتا ہے۔ اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جواب سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسندیدہ عمل یہ ہے کہ نماز مقررہ وقت پر ادا کی جائے۔ والدین کے ساتھ نیکی اور بھلائی اور حسن سلوک کیا جائے جس کی صورت یہی ہے کہ جائز و پسندیدہ کاموں میں ان کی اطاعت کی جائے، انہیں تکلیف سے بچایا جائے، ان کے ساتھ بھلائی کی جائے، انہیں دیا لیا جائے اور ایک پسندیدہ کام اللہ کی راہ میں جہاد ہے۔ جو زبان سے بھی ہوتا ہے، مال سے بھی ہوتا ہے اور آلات حرب سے بھی ہوتا ہے۔ لیکن شرط یہی ہے کہ اللہ کے راستہ میں ہو، نصرتِ دین اور نصرتِ مومنین کی نیت سے ہو، لوگوں تک دعوتِ اسلام پہنچانے کی نیت سے ہو۔

اور ایک دوسری حدیث جو حضرت ابوبکرہؓ سے مروی ہے اس میں ''عقوق الوالدین'' (والدین کی نافرمانی) کا ذکر ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ والدین کی نافرمانی بھی گناہ کبیرہ ہے بلکہ بڑے کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ جس کا مطلب دوسرے لفظوں میں یہ ہے کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ اعمال سے ہے اور عقوق الوالدین اس کی ضد ہے۔ لہذا ہمیں والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہئے اور ان کی نافرمانی کے معاملہ میں ڈرتے رہنا چاہئے۔ اسی کے ذریعہ ہم لوگ سعادت جنت ونعمت آخرت میں خدائے قادر ومتقدر کے ہاں حاصل کر سکتے ہیں۔

شیطان سے حفاظت

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ اِلَّا نَخَسَہُ الشَّیْطٰنُ فَیَسْتَھِلُّ صارخاً مِنْ نَخْسَۃِ

الشَّیْطٰنِ اِلَّاابْنُ مَرْیَمَ وَاُمُّهٗ، ثُمَّ قَالَ اَبُوْ هُرَیْرَةَ اِقْرَءُ وْا اِنْ شِئْتُمْ " وَاِنِّیْٓ اُعِیْذُهَا بِکَ وَ ذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ "

ہر بچہ جو پیدا ہوتا ہے اسے شیطان ناخن سے چٹکی بکوٹے لیتا ہے، اسی وجہ سے بچہ چیخ کر روتا ہے، صرف حضرت عیسیٰ اوران کی والدہ محترمہ حضرت مریم علیہا السلام شیطان کے بکوٹنے سے محفوظ رہے ہیں۔(راویٔ حدیث) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ روایت سنانے کے بعد فرمایا کہ اگر تم چاہو تو (ان کی اس خصوصیت کی وجہ سمجھنے کیلئے) یہ آیت پڑھ لو۔ ''وَاِنِّیْٓ اُعِیْذُهَا بِکَ وَ ذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمُ ''۔ (رواہ مسلم)

تشریح: حدیث شریف میں ''مَا مِنْ مَوْلُوْدٍ'' کا لفظ ہے جس کا ترجمہ کیا گیا ''ہر بچہ'' (کوئی بھی بچہ) یعنی یہ لفظ بالکل عام مفہوم میں بولا گیا ہے۔ لہٰذا اس موقع پر جن بچوں کو شیطان کی چٹکی بکوٹے سے مستثنیٰ کیا گیا ہے صرف وہی بچے مستثنیٰ مانے جائیں گے، اور بقیہ سارے بچوں کے ساتھ شیطان کا یہ نخسہ (چٹکی بکوٹا) ہوگا۔

''نخسہ'' کے لغوی معنی تو مہمیز اور آنکس وغیرہ کے ہیں جو جانوروں کو تیز چلانے کے لئے ان کے بدن میں چبھویا جاتا ہے۔ (ممکن ہے شیطان بھی کوئی چیز چبھوتا ہو یا چٹکی بکوٹے لیتا ہو) شیطان سے مراد اصل شیطان ابلیس بھی ہوسکتا ہے اوراس کی ذریت بھی ہوسکتی ہے۔

ابن مریم سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ''اُمَّہٗ'' سے مراد حضرت مریم بنت عمران وحنہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کی وجہ سے محفوظ رکھا۔ حضرت حنہ نے کہا تھا، ''وَاِنِّیْٓ اُعِیْذُهَا بِکَ وَ ذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمُ ''۔ راویٔ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اس موقع پر لوگوں کو اس آیت کی طرف متوجہ فرمادیا کہ ان دونوں کے شیطان کے کچوکے سے محفوظ رہنے کی وجہ سمجھنا چاہیں تو یہ آیت پڑھ لیں۔

الحمدلله ''معارف السنۃ'' کی دوسری جلد مکمل ہوئی۔ تیسری جلد ''**کتاب العلم**'' سے شروع ہوئی۔

والسلام مرتبین



عام فہم منفرد اُردو تفسیر

حلّ القرآن

کامل تین جلد

دور حاضر کی ضروریات وحالات کے مطابق قرآن کریم کی جامع ونایاب تفسیر... قدیم وجدید اعتراضات اور ادیان باطلہ کالاجواب علمی ردّ اور بہت سی امتیازی خصوصیات کی حامل پہلی مکمل تفسیر جسے حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ نے حرفاً حرفاً نظر فرما کر تصدیق ثبت فرمائی

بامحاورہ ترجمہ ونظر ثانی

حکیم الامت مجدد الملت حضرۃ مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

تفسیر : حضرت مولانا حبیب احمد کیرانوی رحمہ اللہ

عنوانات : حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب مدظلہ
(مرتب: فتاویٰ دار العلوم دیوبند)

اِدارۂ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ مُلتان پاکستان
(061-4540513-4519240